مدینہ سے مدینہ تک

مقتل الحسین علیہ السلام

تالیف

آیت اللہ سید محمد جواد ذھنی تہرانی

مترجم

حجۃ الاسلام علامہ ناصر مہدی جاڑا فاضل قم

ادارہ منہاج الصالحین لاہور

مقتل الحسین علیہ السلام

مدینہ سے مدینہ تک

مؤلف

آیت اللہ سید محمد جواد ذہنی تہرانی

مترجم

حجۃ الاسلام علامہ ناصر مہدی جاڑا

نظر ثانی

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

— ناشر —

ادارہ منہاج الصالحین لاہور

جناح ٹاؤن' ٹھوکر نیاز بیگ' لاہور۔ فون : 5425372

کتاب	:	مدینہ سے مدینہ تک
مؤلف	:	آیت اللہ سید محمد جواد ذھنی تہرانی
مترجم	:	حجۃ الاسلام علامہ ناصر مہدی جاڑا
تصحیح ونظر ثانی	:	حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم
پروف ریڈنگ	:	غلام حبیب
کمپوزنگ	:	ادارہ منہاج الصالحین، لاہور
اشاعت	:	فروری 2009ء
ھدیہ	:	385 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین ۔ لاہور

الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور، دکان نمبر 20، اُردو بازار ۔ لاہور

فون 042-7225252 ، 0301-4575120

دیکھ کر لاشۂ شبیرؑ کو بے گور و کفن
یاد زینبؑ کو محمدؐ کا مدینہ آیا

مدینہ سے مدینہ تک

آیت اللہ سید محمد جواد ذھنی تہرانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترتیب

پانچویں فصل

معاویہ کی موت اور یزید کی حکومت 46

چھٹی فصل

مدینہ سے مکہ تک شاہِ مظلوماں کا سفر 66

ساتویں فصل

احوال حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام

آٹھویں فصل

حضرت مسلم بن عقیلؑ کی کوفہ روانگی

نویں فصل

حضرت امام حسینؑ کی مکہ معظمہ سے عراق روانگی

گیارہویں فصل

بارہویں فصل

تیرہویں فصل

چودھویں فصل

پندرھویں فصل

سولہویں فصل

اہلِ بیتؑ کی شام سے رہائی — 560

حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

(عرضِ ناشر)

سانحۂ کربلا تاریخ اسلامی کا ایک اہم ترین موڑ ہے، جب نواسۂ رسولؐ، جگر گوشۂ علیؑ و بتول سیدنا و مولانا امام حسین علیہ السلام اپنے جان نثاروں کی ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ حق کی بقا، دین کی سربلندی اور انسانیت کے تحفظ کے لیے اپنی اَنمول جانوں کا نذرانہ پیش کر کے جرأت و شہامت، صبر واستقلال، حق گوئی و بے باکی کی وہ بے مثال اور عدیم النظیر تاریخ رقم کی جس پر بنی نوعِ انسانیت ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ شاعر حسینیتؑ نے کیا خوب کہا ہے:

دنیا میں مؤدت سی جو اکسیر نہ ہوتی حُر تیری کبھی معاف ہی تقصیر نہ ہوتی
عباسؑ کے بازو جو قلم ہوتے نہ بن میں آئینِ وفا کی کوئی تحریر نہ ہوتی
برچھی جو نہ لگتی علی اکبرؑ کے جگر میں پھر فدیۂ اعظم کی بھی تعبیر نہ ہوتی
ہاتھوں پہ جو قربانیٔ بے شیر نہ ہوتی کعبے کی مکمل کبھی تعمیر نہ ہوتی
ہوتی نہ شہادت جو نواسۂ نبیؐ کی پائندگیٔ اسلام کی تقدیر نہ ہوتی
سجادؑ کے پاؤں میں جو زنجیر نہ ہوتی کربل کی کہانی یوں ہمہ گیر نہ ہوتی
زینبؑ سی جو شبیرؑ کی ہمشیر نہ ہوتی
سب ہوتا مگر شام کی تسخیر نہ ہوتی

دنیا جانتی ہے کہ ۶۱ ہجری قمری میں یزید پلید نے جب ظلم وستم، جبر واستبداد اور غصب واستیصال کے ذریعے بدترین ملوکیت کی اور امامِ برحق، ولی منصوص من اللہ، خلیفۃ اللہ، وصی رسول اللہ حسینؑ ابن علیؑ سے بیعت طلب کی تو اس نمائندہ الٰہی نے یزید اور اس کے گماشتوں کو ہر طریق سے سمجھانے کی کوشش کی اور احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جس نے ظالم، محرمات الٰہی کو حلال قرار دینے والے، عہدِ خداوندی کو

توڑنے والے، اللہ کے بندوں پر معصیت اور جبر وزیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً فعلاً اس (نظام) کو بدلنے کی کوشش نہ کی تو اللہ کو حق ہے کہ اس شخص کو اس ظالم و جابر کے ساتھ دوزخ میں ڈال دے"۔

مزید فرمایا:

"آگاہ ہو جاؤ انھوں نے شیطان کی حکومت قبول کر لی ہے اور رحمٰن کی اطاعت ترک کر دی ہے۔ ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود اللہ کو معطل کر دیا ہے...... خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ اس لیے مجھے اس کو بدلنے کا حق ہے"۔

ان مختصر خطبات میں وہ پورا پیغام و فلسفہ بند ہے جس کی خاطر نواسۂ رسولؐ نے اپنی، اپنے بچوں، بھتیجوں، بھانجوں، بھائیوں اور یارو انصار کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور صرف یہی نہیں الٰہی نظام کے تحفظ اور فروغ کے لیے مخدراتِ عصمت کے پردے تک قربان کر دیئے۔

امام عالی مقامؑ کا یہ مشن اور نظریۂ حیات آج بھی جاری و ساری ہے اور جہاں بھی ظلم کی فصل بوئی جاتی ہے اہلِ حق پرچمِ حسینؑ لے کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اسوۂ حسینیؑ پر چلنے والے اکثر "بہ یزداں ہم عدد" (مختصر) ہوتے ہیں۔

کتبِ مقاتل اور روضہ خوانی بھی اسی مشن کے فروغ کا ایک زبردست ذریعہ ہیں جو آج تک واقعۂ کربلا اور کوفہ و شام کی اسارت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ آج حسینیت اور کربلا ہر زندہ ادب کا استعارہ بن چکے ہیں تو اس کا سبب بھی یہی کتب ہیں۔ عربی، فارسی زبانوں میں پہلی صدی ہجری ہی سے مقاتل نے منصۂ شہود پر آنا شروع کر دیا تھا۔ اُردو زبان چونکہ چند صدیاں پہلے جنم لینے والی زبان ہے، اس لیے کتبِ مقاتل عربی اور فارسی سے اُردو میں منتقل کرنے کی بہت ضرورت تھی، تاکہ اس خلا کو پورا کیا جاسکے۔ لیکن یہ امر حیران کن ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اُردو کا دامن، بہترین کتبِ مقاتل سے بھر چکا ہے۔

ادارہ منہاج الصالحین کا بھی ایک خصوصی مقصد کتبِ مقاتل کی اشاعت ہے۔ اس سلسلے میں ہم سوگنامہ آلِ محمدؐ، سردارِ کربلا، غم نامہ کربلا، عزائے آلِ احمد، توضیح عزا جیسی دسیوں کتب منظرِ عام پہ لا چکے ہیں، جنھیں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔

از مدینہ تا مدینہ فارسی کی بہترین کتابِ مقتل ہے جس کے مصنف و مؤلف علامہ بے عدیل حضرت سید محمد جواد ذھنی تہرانی مرحوم ہیں۔ موصوف اس کے علاوہ تفسیر القرآن القامع کی شرح فارسی جوامع الجامع، کامل الزیارات کے بھی مترجم ہیں۔ ترجمہ نہج البلاغہ مُلّا فتح اللہ کاشانی کی تصحیح و پیرائش بھی آپ ہی نے کی۔ حقوق، حدود، قصاص و دیات پر علامہ مجلسی علیہ

الرحمہ کی تصحیح و تحقیق بھی فرمائی۔ موصوف نے "از مدینہ تا مدینہ" میں روایاتِ مقتل کا ضخیم ذخیرہ جمع فرما دیا ہے، جنھیں سامنے رکھ کر مقتل پر تحقیق کے کام کو بہت آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ نے ایسا پُر سوز اسلوب اور اندازِ تحریر اپنایا ہے کہ یہ مقتل الحسین کا بہترین منظر نامہ اور غم نامہ بن کر سامنے آیا ہے۔ ہم نے کتاب ہذا کا ترجمہ کروانا ضروری جانا کیونکہ ایسی کتب کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتی ہیں۔

مترجم کی خدمات علامہ ناصر مہدی جاڑا صاحب نے انجام دی ہیں اور اس کی تصحیح و نظرِ ثانی میں تاریخ و مقتل پر دسترسِ خاص رکھنے والے ہمارے برادر پروفیسر مظہر عباس چودھری نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ عربی عبارات پر بھی ہم نے خصوصی توجہ دی ہے، البتہ فارسی اشعار کو کم لایا گیا اور اُن کی جگہ اُردو اشعار کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہِ کریم میں التجا ہے کہ بتصدقِ شہدائے کربلا اور آلِ عبؑا ہماری یہ کاوش قبول فرمائے اور اسے بادرِ حسینؑ کا پُرسہ سمجھا جائے۔ وہ مظلوم بی بی جو اپنی اُجڑی قبر میں مظلومِ حسینؑ کا کُرتہ لیے روزِ جزا کے انتظار میں ہے، تا کہ بارگاہِ ایزدی میں اپنے بچوں کی مظلومیت کا استغاثہ پیش کر سکے۔ کاش اس استغاثہ کے وقت میدانِ محشر میں ہم بھی سیدہ زہراءؑ کے سایۂ عاطفت و مظلومیت میں اشک فشاں اور ماتم کناں موجود ہوں۔ یہی خواہش ہمارا سرمایۂ حیات اور تقاضائے عاقبت ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ!

طالبِ دُعا!

ریاض حسین جعفری فاضلِ قم
سربراہ ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ جو نورِ چشم بتولؑ تھا، جو گُلِ ریاضِ رسولؐ تھا
اُسی ایک شخص کے قتل میں میری کتنی صدیاں اداس ہیں

بے قیاس حمد اور بے حد تعریف اُس خالق کی جس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا اور شکر ہے اس ذات کا کہ جس نے ہمیں قوتِ عقل و ادراک عطا کی نیز سوچنے کی توفیق نصیب فرمائی۔

ہمارا غیر محدود درود و سلام ہو موجودات کے سرور، انبیاءؑ کے تاج حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اُن کے بلافصل وصی، اولیا کے سردار حضرت علی سلام اللہ علیہ اور ان کی طیب و طاہر اولاد پر خصوصاً سید الشہداء حضرت امام حسینؑ پر۔

زیرِ نظر کتاب امام حسین علیہ السلام کے احوالِ پُر ملال پر ولادت سے شہادت تک مشتمل کتاب ہے۔ کافی عرصہ سے سوچ رہا تھا کہ اس موضوع پر کتاب لکھی جائے اور خامسِ آلِ عبا کے عقیدت مندوں کی خدمت میں پیش کی جائے لیکن مصروفیات کی کثرت اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مانع رہی۔ دن گزرتے رہے، سفر جاری رہا۔ ان اوقات میں عمدہ کتب اور مختلف علوم کی درس و تدریس کے علاوہ مختلف اسفار کی تالیف کی۔ ان میں سے اکثر تالیفات گذشتہ تالیفات کی شرح اور ترجمہ میں، جو حوزہ ہائے علیہ میں درسی کتب کے طور پر رائج ہیں۔

اچانک خیال آیا کہ زندگی کا سورج زوال کے قریب ہے لیکن ابھی تک اپنے مصمم ارادے کی طرف پیش قدمی نہیں کی، ابھی میں اپنے آپ سے یہ باتیں کر رہا تھا کہ میں نے تمام علوم و فنون میں اپنے اثرات چھوڑے ہیں اور ہر باغ سے پھول چن چن کر گلدستے بنا دیے ہیں لیکن اگر خامسِ آلِ عبا حضرت سید الشہداء کے مصائب، آزمائشوں اور پریشانیوں، نیز اہلِ بیتؑ کے دکھوں کی یادداشت نہ چھوڑی تو کیا کام کیا؟ اور صاحبِ شریعت کا دین کیا ادا کیا؟

پس یہی فکر ہر وقت لاحق رہی۔ بالآخر فضل و فیضِ الٰہی ہمیشہ کی طرح مجھ بے علم کے شاملِ حال ہوئے، کہ ایک رات جناب آقائے سید فخر الدین جواہریان مدیر محترم انتشاراتِ پیامِ حق، جو نہایت محترم، معزز اور مؤفق سادات میں سے ہیں اور حقیر سے مانوس ہیں، نے دورانِ گفتگو تجویز دی کہ اگر مقتلِ حسینؑ حضرت سید الشہداء سلام اللہ علیہ پر آپ ایک کتاب تالیف کریں تو میں اپنے فاضل ہمکار جناب محمد جابی کے تعاون سے چھاپ دوں گا اور اس پر بہت اصرار کیا۔ جب میرے داعی کو

تقویت ملی تو پھر میں نے دیر کرنا جائز نہ سمجھا اور تمام موانع وشواغل کے باوجود خود کو پابند کیا کہ مقتل پر جامع کتاب تالیف کروں۔ پس فضلِ خدا اور احسانِ الٰہی سے خامسِ آلِ عبا کے الطافِ کریمانہ بندہ کے شامل حال ہوئے اور بہت تھوڑے عرصے میں توفیق ملی کہ حضرتؑ کے دکھ بھرے حالات جو مدینہ سے مکہ، مکہ سے کربلا اور سرزمینِ کربلا پر ہوئے، جن سے عاشقانِ حسینؑ کے دل داغدار ہوئے اور جو واقعات سرورِ شہیدان کی شہادت کے بعد اہلِ بیتؑ حرم کو اسیری کے دوران میں کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام اور پھر شام سے مدینہ پاک کی واپسی تک پیش آئے، ان کو جمع کرنے کی کوشش کی، جنھیں برداشت کرنے کی طاقت کسی میں نہیں اور اس کتاب کا نام از مدینہ تا مدینہ رکھا گیا ہے۔

اس قسم کی تالیف میں علماء کی تالیفات اور مکتوبات سے بہت زیادہ استفادہ کیا جاتا ہے، لہٰذا اس فیضِ الٰہی اور اجرِ جلیل میں وہ بزرگ حصہ دار بلکہ مقدم ہیں۔

امید ہے کہ خداوند متعال ناچیز کی یہ خدمت اور تمام حضرات جن سے استفادہ کیا گیا مثلاً گذشتہ علماء (کے مکتوبات)، ناشرین اور معاونین سب کی زحمات کو قبول فرمائے اور روزِ قیامت ہمارے لیے ذخیرہ فرمائے۔ آمین ثم آمین رب العالمین!

سید محمد جواد ذھنی تہرانی

پہلی فصل

ولادتِ حسینؑ کی تاریخ کا تعین

وہ بیٹے پائے زہراؑ و علیؑ نے
جنھیں اپنا پسر سمجھا نبیؐ نے
جو بیٹھا پشتِ اقدس پر نواسہؑ
اُٹھایا سر نہ سجدے سے نبیؐ نے
جسے روح الامین کہتی ہے دنیا
ترا جھولا جھلایا ہے اُسی نے

امام حسین علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت کی تاریخ میں سال، مہینے اور دن کا اختلاف ہے۔ سالِ ولادت میں اختلاف کے بارے میں دو قول پائے جاتے ہیں:

اول: بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ آپ کی ولادت تین ہجری کو ہوئی۔

دوم: بعض نے ولادت کا سال چار ہجری قرار دیا ہے۔

ماہِ ولادت میں اختلاف کے حامل تین قول ہیں:

اول: ایک جماعت نے ولادت کا مہینہ ماہِ شعبان لکھا ہے اور یہی مشہور ہے۔

دوم: ایک جماعت نے ولادت کا مہینہ جمادی الاول ذکر کیا ہے۔

سوم: کچھ لوگوں نے ولادتِ امام ماہِ ربیع الاول کے آخر میں لکھی ہے۔

رہا ولادت کے دن میں اختلاف، تو اس میں بھی تین قول ہیں:

اول: بعض علمائے تاریخ نے جمعرات کے دن ۳ شعبان کو ولادت ذکر کی ہے۔

دوم: کچھ علما نے لکھا ہے: تاریخ ولادت ۳ شعبان بروز منگل یا جمعرات ہے۔

سوم: کچھ علما نے تاریخ ولادت ۵ ماہِ شعبان لکھی ہے۔

البتہ مشہور علما کا نظریہ بہ متعلق ولادت بروز جمعرات ۳ شعبان چار ہجری ہے۔

ولادتِ امام حسینؑ کی کیفیت

ہاں اے فلکِ پیر نئے سر سے جواں ہو   اے ماہِ شبِ چاردہم، نورفشاں ہو
اے ظلمتِ غم دیدہ تُو عالم سے نہاں ہو   اے روشنیٔ صبحِ شبِ عید عیاں ہو

شادی ولادت کی یداللہ کے گھر میں
خورشید اُترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

امام رضا علیہ السلام سے منقول معتبر روایت میں آیا ہے: جب امام حسینؑ دنیا میں تشریف لائے تو رسولؐ خدا نے اسماء بنت عمس سے فرمایا: اسے مجھے دو۔ اسماء حضرت حسینؑ کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر رسولؐ پاک کے حضور لائیں۔ حضرتؐ نے اُنھیں اپنی گود میں لیا، دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، اسی وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کیا: حق تعالیٰ آپ کو سلام کہہ رہا ہے اور فرماتا ہے: علیؑ سے تمہاری نسبت ایسے ہے جیسے ہارونؑ کی نسبت موسیٰؑ سے ہے پس اس بیٹے کا نام ہارونؑ کے چھوٹے بیٹے کے نام پر ''شبیر'' رکھو جس کا عربی میں معنی ''حسین'' ہے۔

رسولِ خدا نے حسینؑ کا بوسہ لیا اور رو کر فرمایا: اے میرے بیٹے! ایک بڑی مصیبت تیرے انتظار میں ہے۔ پھر فرمایا: خدایا! اس کو قتل کرنے والے پر لعنت کر، پھر اسماء کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: یہ بات فاطمہؑ کو نہ بتانا۔ جب ساتواں دن ہوا تو حضرتؐ نے اسماءؑ سے فرمایا: میرے بیٹے کو لاؤ۔

اسماء حسینؑ کو حضرتؐ کے پاس لائیں تو رسول اکرمؐ نے سیاہ اور سفید گوسفندوں سے ان کا عقیقہ کیا اور گوسفند کی ایک ران دایہ کو دی۔ پھر حضرت امام حسینؑ کے سر کے بال تراشے گئے اور ان کے سر کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی گئی نیز خلوق پودے جو ایک خوشبودار پودا ہوتا ہے کے پتے امامؑ کے سر پر ملے۔ پھر حضرتؐ رونے لگے۔ حسین علیہ السلام کو گود میں لیا اور فرمایا: اے ابا عبداللہ! آپ کا قتل ہونا مجھ پر بہت سخت اور گراں ہے۔

اسماء نے عرض کیا: میرے والدین آپؐ پر قربان ہوں یہ کیسی بات ہے کہ پہلے دن بھی کہی اور آج آپ پھر اس کی تکرار فرما رہے ہیں؟

حضرتؐ نے فرمایا: اے اسماء! بنی اُمیہ کے ستم کاروں اور کافروں کا ایک گروہ میرے اس بیٹے کو قتل کرے گا اور خدا ان لوگوں کو میری شفاعت سے محروم کردے گا۔ اس کو وہ شخص قتل کرے گا جو میرے دین میں رخنہ ڈالے گا اور خدا کا منکر

ہو جائے گا۔ پھر فرمایا: خدایا! میں تجھ سے سوالی ہوں کہ میرے ان دو بیٹوں کے لیے وہی کچھ عطا کرنا جو ابراہیمؑ اپنی ذُریت کے حق میں چاہتے تھے۔ خداوندا! ان کو دوست رکھ اور ہر اُس شخص کو دوست رکھ جو اِن کو دوست رکھتا ہے اور لعنت کر اس شخص پر جو ان کو دشمن سمجھے۔

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے: حضرتؑ کی ولادت کے وقت جناب فاطمہ زہراءؑ بیمار ہو گئیں اور دودھ کی کمی لاحق ہوئی تو رسولِ خداؐ نے اپنی انگشت آپؑ کے منہ میں دی اور اس سے دودھ جاری ہوا جو حضرت حسینؑ نے پیا۔

بعض مؤرخین نے کہا: حضرتؐ نے اپنی زبان حسین علیہ السلام کے منہ میں دی اور زبان کو چوسنے سے غذا حاصل ہوئی اور پیغمبرؐ کی زبان سے چالیس دن تک حسین علیہ السلام کو رزق اور غذا ملتی رہی اور آپؑ کا گوشت رسولؐ کے گوشت سے بنا۔

کافی میں کلینی کی روایت کے مطابق حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت حسینؑ نے نہ تو فاطمہ زہراءؑ کا دودھ پیا اور نہ کسی اور کا بلکہ حضرتؑ کو رسول اکرمؐ کی خدمت میں لایا جاتا اور حضورؐ اپنی انگشت مبارک آپؑ کے منہ میں رکھتے اور آپؑ چوستے تھے۔ اور یہ چوسنا دو یا تین بار کافی تھا۔ اس طریقے سے حضرت حسینؑ کا خون اور گوشت بنتا رہا۔ اور کوئی بچہ حضرت عیسٰیؑ اور حضرت حسینؑ کے علاوہ ایسا نہیں جو چھٹے ماہ کا پیدا ہوا اور زندہ رہا ہو"۔

فُطرس فرشتے کی شفایابی

تشیع کی معتبر ترین کتاب "کامل الزیارات" میں ابن قولویہ نے ایک حدیث امام صادق علیہ السلام سے یوں نقل فرمائی ہے: جب امام حسینؑ پیدا ہوئے تو حق تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ ہزار فرشتے لے کر زمین پر جاؤ اور میری اور اپنی طرف سے رسولِ خدا کو مبارک دو۔

حضرتؑ نے فرمایا: جبرئیل کے اُترنے کا مقام ایک جزیرہ تھا جو دریا کے اندر تھا۔ اس جزیرہ میں فُطرس نامی ایک فرشتہ تھا کہ جو عرش کے اٹھانے والوں میں سے تھا، خدا نے اس کو ایک کام کے لیے بھیجا اور اس نے سُستی کی تو اس کے پَر ٹوٹ گئے اور اس جزیرہ میں گر گیا۔ اس نے چھ سو سال خدا کی عبادت کی حتیٰ کہ امام حسینؑ کی ولادت ہو گئی۔

فُطرس نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

جبرئیلؑ نے کہا: خدائے متعال نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نعمت عطا فرمائی اور مجھے مبارک دینے کے لیے ان کے پاس بھیجا ہے لہٰذا میں حضرتؐ کے پاس جا رہا ہوں۔

فُطرس نے عرض کیا: اے جبرئیلؑ! مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ شاید رسولِ خداؐ میرے لیے دعا کر دیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جبرئیلؑ فُطرس کو اپنے ساتھ لایا۔ جب رسولؐ اللہ کی خدمت میں پہنچا تو فُطرس کو باہر ٹھہرایا اور خود محضرِ رسولؐ میں پہنچ گیا اور خدا اور اپنی طرف سے مبارک پیش کی۔ پھر فُطرس کا حال بتایا تو رسولؐ خدا نے اجازت عطا فرمائی کہ فطرس کو لے آؤ۔ جبرئیلؑ اُسے لائے تو اُس نے اپنی داستان سنائی۔

پیغمبر اکرمؐ نے اس کے لیے دعا کی اور فرمایا: اپنے ٹوٹے ہوئے پَروں کو اس مولود کے ساتھ مَس کرو اور اپنے مقام پر چلے جاؤ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: فطرس نے اپنے شکستہ بال امام حسینؑ سے مَس کیے اور وہ صحیح و سالم ہو گیا۔ وہ ہوا میں آسمان کی طرف پرواز کرنے لگا تو اُس نے یہ جملے کہے:

یارسولؐ اللہ! یہ حتمی ہے کہ آپؐ کی اُمت اس مولود کو قتل کرے گی۔ میں اس مولود کے اپنے اُوپر احسان کی وجہ سے خود پر لازم کرتا ہوں کہ ہر زائر کی زیارت کو اِن تک پہنچاؤں گا اور ہر سلام کرنے والے کا سلام اِن تک پہنچاؤں گا۔ اور جو شخص اِن کو مبارک دے گا وہ اِن تک پہنچاؤں گا۔

فطرس سے پوچھئے کہ مقامِ حسینؑ کیا ہے
مَس کر کے جو حسینؑ کو پَر لے کے اُڑ گیا ہے

★ ★ ★

دوسری فصل

حضرت امام حسینؑ کے احوال کی فہرست

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مبارک نام حسینؑ ہے جو حسن کی تصغیر ہے۔ بعض نے کہا ہے: پہلے امام حسنؑ کا نام حمزہ اور امام حسینؑ کا نام جعفر رکھا گیا۔ پھر رسولِؐ خدا نے ان دونوں ناموں کو حسنؑ و حسینؑ سے بدل دیا۔ حضرت حسینؑ کا دوسرا نام حضرت ہارونؑ کے چھوٹے بیٹے کے نام پر "شبیر" ہے۔

حضرتؑ کے القاب

کتاب جنات الخلود میں حضرتؑ کے سولہ القاب گنوائے گئے ہیں جو یہ ہیں: ① سید ② نقی ③ بر ④ رشید ⑤ طیب ⑥ وفی (وفا کرنے والا) ⑦ ذکی ⑧ مبارک (خیر و برکت) ⑨ تابع (اپنے جدّ کے دین کے پیرو) ⑩ دلیل (راہنما) ⑪ سبط (پیغمبرؐ کی دختر کا بیٹا) ⑫ شہید ⑬ طور سینین ⑭ نور الخافقین (دنیا کی دونوں طرفوں کو روشنی دینے والا) ⑮ ثانی سبطین ⑯ ثانیٔ آلِ عبا یا خامسِ آلِ عبا۔

حضرتؑ کی کنیت

حضرتؑ کی تین کنیتیں نقل ہوئی ہیں البتہ ایک پر تو اجماع و اتفاق ہے اور باقی دو میں اختلاف ہے۔

پہلی کنیت ابوعبداللہ، دوسری اور تیسری ابوالائمہ اور ابوالمساکین کیونکہ حضرتؑ کے زمانہ میں کوئی ایسا مسکین نہ تھا مگر حضرتؑ کے لطف اور عنایت اُس کے شاملِ حال تھی۔

حضرتؑ کی عمر مبارک

مشہور ہے کہ حضرت ستاون سال دنیا میں رہے اور بعض نے اٹھاون برس بھی لکھا ہے۔

حضرتؑ کی بیویاں

آپؑ نے کنیزوں کے علاوہ پانچ عورتوں سے عقد کیا جن کی ترتیب یہ ہے:

① شہربانو بنت یزدگرد کہ تذکرۃ میں بقول سبط بن جوزی کے ان کا نام غزالہ تھا، بعض نے سلافہ اور بعض نے اُم سلمہ لکھا ہے۔ کامل مبرد نے کہا ہے: یہ بی بی بہترین عورتوں میں سے تھیں۔ کشف الغمہ میں ہے کہ ان کا نام خولہ تھا جبکہ امیرالمومنین نے ان کا نام شہربانو رکھا تھا۔

② رباب بنت ابومرہ بن عروۃ بن مسعود

③ رباب بنت امرء القیس بن عدی

④ اُم اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمیہ

⑤ قضاعیہ جن کے باپ کا نام معلوم نہیں۔

حضرتؑ کی اولاد

حضرتؑ کی اولاد کے بارے مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: حضرتؑ کے چھے بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بعض نے کہا: حضرتؑ کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بعض نے کہا: حضرتؑ کے چھے بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ ان اقوال سے صحیح یہی آخری قول ہے۔ حضرتؑ کے فرزندان یہ ہیں:

① علی اکبرؑ جو کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے اور ان کی ماں جناب لیلیٰ بنت عروۃ تھیں۔

② علیؑ اوسط: جن کا لقب زین العابدینؑ ہے اور ان کی ماں شہربانو تھیں۔

③ علی اصغرؑ جو طفلِ شیرخوار تھے اور کربلا میں شہید ہو گئے۔

④ محمدؑ، جو کربلا میں امامؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔

⑤ عبداللہ کہ ایک لحظہ (گھنٹہ) کے تھے اور شہید ہو گئے۔ (ظہر عاشور کو تولد ہوئے تھے)

⑥ جعفرؑ جن کی ماں قضاعیہ تھیں یہ اپنے بابا کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

⑦ فاطمہؑ صغریٰ، جو عبداللہ کی بہن تھیں جو ظہرِ عاشور کو پیدا ہوئے تھے۔ اور بابا کے دامن میں شہید کیے گئے۔ یہ بی بی مدینہ میں تھیں، کربلا میں موجود نہ تھیں۔

⑧ سکینہؑ، جن کی ماں رباب بنت امرء القیس تھیں اور یہ بی بی ہشام بن عبدالملک کے دور میں فوت ہوئیں۔

⑨ فاطمہؑ کبریٰ، یہ حسنؑ بن حسنؑ بن علیؑ کی زوجہ تھیں، ان کی ماں اُم اسحٰق تھیں۔

⑩ رقیہ، جن کی ماں شہربانو تھیں۔ اپنے باپ کے ساتھ مدینہ سے کربلا آئیں اور شام میں پانچ سال کی عمر یا سات

سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرتؑ کی شہادت کا دن اور مہینہ

روزِ شہادت میں اختلاف ہے۔ بعض نے روزِ جمعہ، اور بعض نے سوموار لکھا ہے لیکن پہلا قول صحیح ہے لیکن شہادت کا مہینہ محرم ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

شہادت کا سال اور مقام

حضرتؑ ۶۱ ہجری میں شہید ہوئے اور اُسی سال کئی گروہ خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کی خاطر اُٹھے اور تمام قاتلوں، ان کے معاونوں اور ان تمام ظالموں کو جو سانحۂ کربلا میں موجود تھے، قتل کردیا اور ان سے ایک شخص بھی باقی نہ بچ سکا۔ البتہ جنات الخلود کے مطابق انتقام لینے والے گروہوں کے ہاتھ سے ایک شخص بھاگ گیا جس کی داڑھی میں اسی سال کے آخر میں آگ لگی اور وہ جل گیا۔ وہ آگ سے نجات کی خاطر فرات میں غوطہ زن ہوا لیکن موت سے نجات نہ پاسکا اور پانی ہی میں جہنم رسید ہوا۔

حضرتؑ کا مقامِ شہادت

یہ مقام امام حسینؑ کی قبر مطہر کے نزدیک ہے۔ حضرتؑ نے جنگ کے دوران میں بہت تگ و دو کی مگر زخموں کی کثرت کی بنا پر قدرت وقوت کے ختم ہونے کے بعد بے تاب ہوگئے تو اپنی سواری سے اُترے اور خاک پر بیٹھ گئے اور گروہِ دشمنان جو ظاہر میں مسلمان اور حقیقت میں کافروں اور مشرکوں سے بدتر تھا حضرت کے اِرگرد جمع ہوگیا اور تیروں، نیزوں اور دیگر اسلحہ سے وجودِ پاک پر ظلم کیا جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

مدتِ امامت

حضرتؑ کی امامت کی مدت گیارہ یا بارہ سال ہے۔

★ ★ ★

تیسری فصل

حضرت امام حسینؑ کے خصائص، فضائل اور مناقب

حقا کہ عجب مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے کیا خالقِ اکبر نے شرافت اُسے دی ہے
ہے فاطمہؑ ماں، نانا نبی، باپ علیؑ ہے بچپن سے وہ مقبولِ جنابِ احدی ہے
جبرئیلؑ سوا کیا کوئی اس راز کو جانے
جس چیز پہ ہٹ کی ہے، وہ بھیجی ہے خدا نے
درگاہِ الٰہی میں یہ تھی عزت و توقیر اُٹھتی تھی جو اطاعت کے لیے مادرِ دل گیر
جبرئیلؑ سے فرماتا تھا یہ مالک تقدیر جھولے کو جھلا تو کہ نہ بے چین ہو شبیرؑ
زہراءؑ کے پسر سے کوئی پیارا نہیں ہم کو
ایذا اُسے ہوئے یہ گوارا نہیں ہم کو

روایات واخبار سے استفادہ ہوتا ہے: حضرتؑ تمام اچھی صفات کے حامل اور فضائل اخلاقی کے مالک تھے، ان میں سے تواضع اور عاجزی کے بارے علامہ مجلسی بحارالانوار میں مسعدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ ایسے مساکین سے گزرے جنھوں نے چادر بچھائی ہوئی تھی اور اس پر ہڈیاں رکھی تھیں جن کو چوسنے اور کھانے میں مصروف تھے۔ ان مساکین نے حضرتؑ کو دعوت دی کہ بسم اللہ آئیں۔ حضرت فوراً دوزانو ہوکر ان مساکین میں بیٹھ گئے اور ان کے ساتھ کھانے میں مصروف ہوگئے اور بعد میں اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ "خدا متکبرین کو پسند نہیں کرتا"۔

پھر فرمایا: میں نے تمہاری دعوت قبول کی تم بھی میری دعوت قبول کرو گے؟

انھوں نے عرض کیا: ہاں فرزندِ رسولؐ! پس وہ اٹھے اور حضرتؑ کے ہمراہ آپؑ کے گھر آ گئے۔ امامؑ نے اپنی کنیز سے فرمایا: جو کچھ گھر میں موجود ہے وہ لاؤ۔ آپؑ کے جود وسخاوت کے بارے مرحوم مجلسی نے کئی احادیث ذکر کی ہیں جن سے صرف تین حدیثیں بطور نمونہ پیش ہیں۔

(۱) امام نے فرمایا: پیغمبرؐ کی یہ کلام بالکل صحیح ہے کہ انھوں نے فرمایا: نماز کے بعد سب سے بہتر اور برتر عمل مومن کو خوش کرنا جس میں گناہ نہ ہو کیونکہ میں نے ایک غلام کو دیکھا کہ کتے کو غذا دے رہا تھا تو اس کی وجہ پوچھی؟

غلام نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! چونکہ میں غم واندوہ میں ہوں میرا خیال ہے کہ شاید ان کے دل کو خوش کرنے سے میرا غم دُور ہو جائے، کیونکہ میرا مالک یہودی ہے اس لیے زیادہ غم زدہ ہوں، میری خواہش ہے کہ اس سے میری جان چھوٹ جائے۔

حضرتؑ یہ بات سن کر واپس گھر آئے اور اس یہودی کی طرف دوسو دینار غلام کی قیمت بھیجی تا کہ غلام کو خرید کر آزاد کیا جائے۔

یہودی نے عرض کیا: غلام آپؑ کے قدموں پر قربان کردوں، آپ کے حوالے کرتا ہوں اور غلام کو ایک باغ بھی دیتا ہوں البتہ اپنی رقم اپنے پاس رکھیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: یہ مال میں نے تجھے بخش دیا ہے۔

اس نے عرض کیا: میں نے آپ کے مال کو قبول کیا لیکن غلام کو ہدیہ دے دیا ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں نے غلام کو آزاد کردیا اور یہ مال بھی اُسے بخش دیا۔

یہودی کی بیوی نے کہا: پس میں اسلام قبول کرتی ہوں اور اپنا حق مہر اپنے شوہر کو معاف کرتی ہوں۔

یہودی نے عرض کیا کہ میں بھی اسلام قبول کرتا ہوں اور اپنا گھر اپنی بیوی کو بخشتا ہوں۔

(۲) مرحوم مجلسی نے بحارالانوار میں اخطب خوارزمی کی "مقتل آلِ رسولؐ" سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے: ایک عربی دیہاتی امام حسین علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میں نے ایک کامل دیت کی ضمانت دی ہے۔ اب اس دیت کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ اپنے دل میں سوچا کہ لوگوں سے کریم ترین شخص سے سوال کروں اور اہلِ بیت رسولؐ کے علاوہ میں کسی کو کریم نہیں سمجھتا۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے بھائی! میں تین مسئلے آپؑ سے پوچھتا ہوں، اگر ایک کا جواب دیا تو ایک حصہ سوال کا عطا کروں گا۔ اگر دو سوالوں کا جواب دیا تو دو حصے اور اگر تین مسئلوں کا جواب دیا تو مکمل دیت دوں گا۔

اس دیہاتی نے عرض کیا: یا فرزندِ رسولؐ! آپ جیسی عظیم ہستی مجھ جیسے جاہل سے سوال کرے؟ آپ علمِ الٰہی کے خزانے ہیں، میں کیا بتا سکتا ہوں؟

حضرتؑ نے فرمایا: میں نے اپنے ناناؐ سے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہر شخص کی معرفت کے مطابق اس سے نیکی کی

جائے۔

دیہاتی نے عرض کی: پس آپ سوال کریں اگر جواب آیا تو ٹھیک ورنہ سوال کا جواب تو سیکھ لوں گا۔

حضرتؑ نے فرمایا: سب سے افضل و برتر عمل کون سا ہے؟

دیہاتی نے جواب دیا: خدا پر ایمان۔

حضرتؑ نے پوچھا: کون سی چیز ہلاکت سے نجات کا باعث ہے؟

دیہاتی نے جواب دیا: خدا پر بھروسہ، اطمینان اور توکل۔

حضرتؑ نے پوچھا کہ مرد کی زینت کیا ہے؟

دیہاتی نے عرض کیا: ایسا علم زینت ہے جس کے ساتھ حلم اور بُردباری ہو۔

حضرتؑ نے پوچھا: اگر کسی مرد کے پاس علم نہ ہو تو پھر زینت کیا ہوگی؟

دیہاتی نے عرض کیا: ایسا مال جس کے ساتھ مروت، جوانمردی اور سخاوت ہو۔

حضرتؑ نے پوچھا: اگر یہ مال بھی نہ ہو تو پھر زینت کیا ہوگی؟

دیہاتی نے عرض کیا: پھر ایسا فقر زینت ہوتی ہے جس کے ساتھ صبر و تحمل ہو۔

حضرتؑ نے پوچھا: اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر کیا زینت ہوگی؟

دیہاتی نے عرض کیا: اگر نہ علم، نہ مال، اور نہ فقر و صبر ہو تو پھر آسمان سے بجلی گرے اور وہ شخص جل جائے کیونکہ ایسا شخص جلنے کے قابل ہی ہے۔

حضرت مسکرائے اور ایک تھیلی جس میں ہزار دینار سونے کا تھا اور اس کے ساتھ ایک انگشتری جس کی قیمت دوصد درہم تھی اسے دی اور فرمایا: یہ دینار اپنے قرض خواہ کو دینا اور انگوٹھی کو اپنے مخارج کے لیے استعمال کرنا۔

دیہاتی نے حضرتؑ سے یہ عنایت وصول کی اور عرض کیا کہ واقعاً خدا ہی جانتا ہے کہ رسالت کو کہاں رکھنا ہے۔
(بحارالانوار، ج ۴۴، ص ۱۹۶)

۳) عمرو بن دینار کہتا ہے کہ ایک مرتبہ اسامہ بن زید جب بیمار تھا، حضرت امام حسینؑ اُس کی عیادت کے لیے گئے تو وہ غم، اندوہ اور حسرت سے رو رہا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا: بھائی روتے کیوں ہو؟

وہ عرض کرنے لگا: ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تمہارا قرضہ میرے ذمہ ہے، تم پریشان نہ ہو، میں ادا کروں گا۔

اس نے عرض کیا: مجھے خوف ہے کہ قرض کی ادائیگی سے پہلے ہی میں دنیا سے چلا جاؤں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم نہیں مرو گے مگر اس وقت کہ جب میں تمہارا قرضہ اتار چکا ہوں گا۔

راوی کہتا ہے: اسامہ کے مرنے سے پہلے حضرتؑ نے قرض ادا کر دیا۔ (بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۱۸۹)

آپؑ کی شجاعت اور دلیری کے بارے میں اخبار اور احادیث بہت ہیں، صرف وہ کربلا کا واقعہ ہی کافی ہے کیونکہ لشکرِ یزید کی کم از کم تعداد ۳۰ ہزار تھی اور حضرتؑ کے لشکر کا زیادہ سے زیادہ تعداد دوصد نفر سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے باوجود معمولی سا خوف بھی ان کے دل پر لاحق نہ ہوا بلکہ پوری قدرت و طاقت سے ان روباہ صفت ملعونوں کے سامنے کھڑے رہے۔ اگرچہ تمام عزیز حضرتؑ کی آنکھوں کے سامنے شہید ہوگئے تھے، پیاس اور بھوک اپنے نقطۂ عروج پر تھی نیز دکھوں اور پیاس نے حضرتؑ کو تھکا دیا تھا لیکن پھر بھی اس لشکر سے ٹکرائے اور ان کو قتل کیا، اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور بروایت معتبر تقریباً ۱۹۰۰ نفر فی النار کیے جب کہ زخمی ان کے علاوہ ہیں۔ اس قدر تعداد کو چند گھنٹوں میں قتل کر دینا زمانے کے عجائب میں سے ہے۔ اور حقیقتاً نہ اس کی پہلے کوئی نظیر تھی اور نہ بعد میں ایسا ہوا ہے اور نہ ہو گا؟

مؤلف کہتا ہے: ہماری اصلی غرض ان حوادث و وقائع کو بیان کرنا ہے جو امامؑ کے ابتدائے مدینہ سے کربلا اور کربلا سے مدینہ تک کے سفر میں پیش آئے۔ لہٰذا بات مختصر کرتے ہیں تاکہ مقصود کو زیادہ سے زیادہ بیان کرسکیں۔ البتہ قیامِ امامؑ کے شروع ہونے سے پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے مسلط ہو جانے کے علل و اسباب اور اس کے امر خلافت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی وجوہات بیان کریں اور پھر اپنے مطلوب کا ذکر کریں۔

چوتھی فصل

معاویہ کا یزید کے لیے بیعت لینے کا طریقہ

۵۶ ہجری میں معاویہ نے پختہ ارادہ کیا کہ یزید کے لیے عوام سے بیعت لیں، چونکہ عوام کی اکثریت اس سے متنفر تھی اور وہ سختی سے یزید کی ولی عہدی کا انکار کرتے تھے، لہٰذا معاویہ نے کچھ لوگوں کو زر و دولت سے خریدا اور کچھ کو دھمکیوں اور تحدیدوں سے نرم کیا۔ یوں یزید کی ولی عہدی عوام پر تحمیل کی، البتہ اس تصمیم کو مغیرہ بن شعبہ نے پیدا کیا اور اس کی تفصیل یہ ہے: مغیرہ کوفہ کا والی تھا۔ وہاں سے شام آیا اور معاویہ سے گفتگو کے درمیان کمزوری، سستی اور بڑھاپے کی بات آئی تو اسی موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے کوفہ کی امارت سے استعفیٰ دیا تھا اور معاویہ نے بھی اس کا استعفیٰ قبول کرلیا اور اس کی جگہ سعد بن العاص کو کوفہ کا امیر بنانا چاہا۔ مغیرہ نے خفیہ طور پر یزید سے ملاقات کی اور اسے کہا کہ آج صحابہٗ رسولؐ اور قریش کے بزرگان موجود نہیں ہیں، ان کی اولادیں حسن و فضل اور عقل و فہم میں تم سے افضل اور برتر نہیں پس معاویہ لوگوں سے تمہاری بیعت کیوں نہیں لیتا؟

یزید جو اپنے آپ کو حکومت کے لائق نہ سمجھتا تھا، کہا: کیا یہ کام میرے لیے درست ہے؟

مغیرہ نے جواب میں کہا: ہاں یہ کام تو بڑا آسان ہے۔

یزید فوراً معاویہ کے پاس گیا اور مغیرہ کی تجویز پیش کی۔ معاویہ نے مغیرہ کو بلایا اور اس بیعت کے متعلق گفتگو کی۔

مغیرہ نے کہا: معاویہ! تم خود عثمان کے قتل کے بعد خونریزیوں کو جانتے ہو اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کھل کر سامنے آچکے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ موت سے کوئی گریز نہیں۔ یزید تمہارا نیک اور اچھا خلیفہ ہے۔ چونکہ تم بوڑھے ہوگئے ہو، لہٰذا یزید کے وجود سے خونریزیوں اور فتنوں کا کوئی خوف نہ ہوگا۔

معاویہ نے کہا: اس امرِ خلافت کے لیے مدبر و عاقل شخص ہونا لازمی ہے۔

مغیرہ نے کہا: کوفہ سے بیعت کرانے کی ذمہ داری میری ہے اور بصرہ کے لیے زیاد ابن ابیہ ہے۔ جب عراق مطیع ہوگیا تو کسی اور مقام سے مخالفت نہ ہوگی۔ معاویہ گھر گیا اور اپنی بیوی فاختہ سے بات کی تو اس نے کہا: مغیرہ خانگی دشمنی تم پر نکالنا چاہتا ہے۔ بہرحال معاویہ نے مصمم ارادہ کیا کہ اس کام کو عملی طور پر انجام دے، لہٰذا مغیرہ کو حکم دیا کہ واپس کوفہ جائے اور اپنے

ہم رازوں سے یہ بات کرے تا کہ جب وقت آئے تو عملی کوشش کی جائے۔

مغیرہ اپنے دوستوں کے پاس آیا، انھوں نے حالات پوچھے، تو کہا: میں نے معاویہ کو سرکش سواری پر سوار کر دیا ہے اور اُسے اُمت محمدؐ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرلیا ہے اور دوبار فتنے کا دروازہ اس کی طرف کھول دیا ہے، جو کبھی بند نہ ہوگا۔ یہ کہا اور کوفہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب وہ کوفہ پہنچا تو بیعت یزید کا مسئلہ بنی اُمیہ کے دوستوں اور محبوں میں پیش کیا۔ اشراف سے دس آدمی چنے اور ان کو ۳۰ ہزار درہم دیے اور اپنے بیٹے موسیٰ یا عروہ کے ساتھ چالیس آدمیوں کو شام بھیجا۔ وہ شام میں دربارِ معاویہ میں پہنچے۔ ہر ایک نے تقریر کی اور کہا:

ہمارے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو خبردار کریں کہ آپ کی زندگی کا چراغ بجھنے والا ہے، لہٰذا اُمت کے لیے مستقبل کا کوئی فیصلہ کریں تا کہ آپ کے بعد اختلاف اور فساد برپا نہ ہو، لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ اپنی زندگی میں کسی شخصیت کو اپنا ولی عہد بنائیں۔

معاویہ نے کہا: تم خود میں سے کسی ایک کو چن لو۔

انھوں نے کہا: ہم تو یزید کے علاوہ امرِ خلافت کا کسی کو لائق نہیں سمجھتے۔

معاویہ نے کہا: تو پھر اسی کو چن لو؟

انھوں نے کہا: ہاں ہم اس امر پر راضی ہیں اور اہلِ کوفہ بھی خوش ہوں گے۔

معاویہ نے کہا: مجھے یہ قبول ہے، ابھی واپس جاؤ تا کہ بیعت لینے کا وقت آجائے۔ اس کے بعد خفیہ طور پر مغیرہ کے بیٹے کو اپنے پاس بلایا اور اسے کہا: تمہارے باپ نے ان لوگوں کا دین کتنے میں خریدا ہے؟

اس نے کہا: ۳۰ ہزار درہم نقرہ یا بقول چار صد دینار طلائی میں۔

معاویہ نے کہا: تعجب ہے کہ ان لوگوں نے کتنا سستا دین بیچ دیا۔ اس کے بعد معاویہ نے بیعت یزید کے متعلق زیاد ابن ابیہ کو خطوط لکھے اور اس سے اس مسئلہ میں اُس کا نظریہ پوچھا۔ زیاد بن ابیہ نے اس کام کو بہت عمدہ سمجھا اور اپنے مشیر عبید بن کعب کو بلایا اور کہا کہ معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کے لیے خط لکھا ہے اس میں اظہار کیا ہے کہ مجھے انکار کا خوف بھی ہے اور لوگوں کے اطاعت کرنے کی امید بھی ہے اور اس بارے مجھ سے میری رائے پوچھی ہے اور تو جانتا ہے کہ یزید دین کے امور سے بہت دُور، سُست، شکاری اور عیاش ہے۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ تم شام جاؤ اور میری رائے معاویہ تک پہنچاؤ اور یزید کے کچھ افعال کا تذکرہ کرو نیز اسے کہو کہ تھوڑا حوصلہ رکھو اور ابھی اس مسئلہ کو ذہن سے نکال دو حتیٰ کہ مناسب موقع آجائے۔

عبید نے کہا: بہتر یہ ہے کہ معاویہ کی رائے کی مخالفت نہ کی جائے اور یزید کو اس کے سامنے مبغوض شخص قرار نہ دیا

جائے۔ میں شام جاتا ہوں۔ یزید سے بات کروں گا کہ معاویہ تمہاری ولی عہدی پر اصرار کر رہا ہے اور ہم سے مشورہ مانگ رہا ہے اور جس دن سے تم نے بد اور زشت اعمال کو اپنا وطیرہ بنایا ہے زیاد کو ڈر ہے کہ لوگ تمہاری بیعت سے انکار نہ کردیں، لہٰذا مصلحت یہ ہے کہ اپنے اعمال میں تجدیدِ نظر کرو، اپنی اصلاح کرو اور بُرے اعمال چھوڑ دو تاکہ اس مقصد کے لیے حالات مناسب ہو جائیں اور زیاد تم اپنی طرف سے معاویہ کو ایک خط لکھو کہ اس کام میں جلدی نہ کرو اور حوصلہ و احتیاط سے آگے بڑھو اور اگر ایسا کرو گے تو خطرات سے بچ جاؤ گے۔ اس تدبیر سے معاویہ بھی یزید کو تنبیہ کرے گا اور خطرات سے بھی محفوظ رہیں گے۔

زیاد نے کہا: یہ تدبیر بہت بہتر ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا اور تم بھی نصیحت کرنے سے دریغ نہ کرنا۔

عبید شام گیا اور زیاد کا خط معاویہ کو پہنچایا اور یزید کو بھی وعظ و نصیحت کی۔ معاویہ نے زیاد کی نصیحت کا انکار کردیا البتہ اس کا اظہار نہ کیا، جب زیاد مر گیا تو معاویہ نے پھر مصمم ارادہ کیا کہ اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنائے۔ لہٰذا سب سے پہلے ایک لاکھ درہم کا ہدیہ عبداللہ بن عمر کی طرف بھیجا۔ اس نے ہدیہ قبول کرلیا لیکن جب یزید کی ولی عہدی کا وقت آیا تو عبداللہ بن عمر نے کہا: معاویہ نے اس ہدیہ سے ارادہ کیا کہ میرا دین خرید لے، اگر میں اس ہدیہ کو قبول کروں تو میں نے دین کو بہت سستا بیچ دیا۔

پھر معاویہ نے اسی مضمون پر مشتمل ایک خط مروان حاکمِ مدینہ کو لکھا جس میں تحریر کیا کہ موت حق ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد اُمت میں تفرقہ ہو، اس لیے ارادہ ہے کہ اپنی زندگی میں کسی ایک کو اپنا ولی عہد بنا دوں، اب تم سے اس بارے میں مشورہ کرتا ہوں لہٰذا تم اہلِ مدینہ کو میرے اس ارادے سے آگاہ اور مطمئن کرو اور مجھے ان کے جواب سے مطلع کرو۔

مروان نے اہلِ مدینہ کے سامنے معاویہ کا خط پڑھا تو سب نے خوشی کا اظہار کیا اور معاویہ کی رائے کی تصدیق کی اور کہا: جس قدر جلدی ہو سکے معاویہ کسی کو اپنا جانشین بنائے۔

مروان نے حالات معاویہ کو لکھے اور اُسے مطلع کیا تو معاویہ نے پھر یزید کے انتخاب کا لکھا اور اس کی توجہ دلائی۔

مروان نے اہلِ مدینہ سے مشورہ کیا اور ان کو بتایا کہ امرِ خلافت کے لیے یزید کی ولی عہدی کا ارادہ کیا ہوا ہے۔

سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن ابی بکر اجتماع سے اُٹھے اور کہا: اے مروان! تمہیں اس اُمت کی بھلائی کی کوئی سوچ نہیں بلکہ تو چاہتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کا قانون جاری ہو کہ ایک بادشاہ مرے تو دوسرا اس کی جگہ پر بیٹھ جائے۔

مروان نے کہا: اے لوگو! یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ (سورہ

احقاف:۱۷)

عبدالرحمٰن نے کہا: اے زرقا کے بیٹے! آیاتِ قرآنی کو ہمارے بارے تاویل کرتا ہے؟

حضرت عائشہ نے پسِ پردہ یہ سنا تو کہا: مروان! آیت کا مصداق عبدالرحمٰن نہیں، تو نے جھوٹ بولا ہے۔ یہ آیت تو فلاں بن فلاں کے متعلق نازل ہوئی۔

حضرت امام حسینؑ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر نے شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ مروان نے یہ سب حالات معاویہ کو لکھے۔ بعض تاریخوں میں آیا ہے کہ معاویہ نے اس مضمون کے خطوط ۵۵ ہجری میں اپنے عُمّال کو لکھے کہ یزید کی مدح و توصیف کریں اور ہر شہر اور علاقے کے رؤسا کو شام بھیجیں، لہٰذا محمد بن عمر بن حزم کو مدینہ سے، احنف بن قیس کو بصرہ سے اور ہانی بن عروہ کو کوفہ سے شام بھیجا گیا۔

محمد بن عمر نے ایک مجلس میں معاویہ سے کہا: ان کل راعٍ مسئولٌ عن رعیته فانظر من تولی مراۃ انت محمد "اے معاویہ! یعنی ہر مرد اور حاکم سے اس کی رعیت کے بارے پوچھا جائے گا۔ لہٰذا توجہ رکھو کہ کس شخص کو اُمت محمدیہ کا ولی قرار دے رہے ہو"۔

معاویہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور بہت پریشان ہوا اور کہا: اے محمد بن عمرو! تو نے بے جا نصیحت کی ہے، جو تم پر لازم تھا اُس کا اظہار کر دیا لیکن تجھے جاننا چاہیے کہ مہاجرین اور اصحابِ رسولؐ تمام اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔ اب ان کی اولادیں ہیں، اگر میں اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بناؤں تو دوسرے لڑکوں سے بہتر ہے۔ پھر اس کو ہدیہ اور انعام دیا اور کہا: تم واپس مدینے چلے جاؤ۔

جب احنف بن قیس معاویہ کے پاس آیا تو اس نے اسے یزید کے پاس بھیجا کہ یزید سے قریب تر ہو کر ملاقات کرو اور اسے وقت سے آزماؤ۔

احنف یزید سے ملاقات کرنے اور اُسے آزمانے کے بعد معاویہ کے پاس آیا تو معاویہ نے کہا: یزید کو کیسا پایا ہے؟

اس نے کہا: رَأَیْتُهُ شَبَابًا وَنَشَاطًا وَجَلَدًا ومزجًا، "میں نے اسے خوش طبع جوان، چست و چالاک اور مزاح پسند پایا ہے"۔

ہانی بن عروہ کے بارے ابن ابی الحدید کی شرح میں ہے کہ ایک دن دمشق کی مسجد میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا تو اپنے دوستوں سے یوں کہہ رہا تھا: معاویہ ہمیں اپنے بیٹے یزید کی بیعت پر مجبور کر رہا ہے، لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور ہم کبھی اس کی بیعت نہیں کریں گے۔ ایک شامی جوان ان کے درمیان بیٹھا تھا، ان کی باتوں کو سن کر معاویہ کے پاس گیا اور تمام باتیں

بتا دیں۔ معاویہ نے اس سے کہا: تم پھر ان کے پاس جاؤ اور وہاں اس قدر بیٹھے رہو کہ اس کے تمام دوست چلے جائیں۔ جب وہ تنہا ہو تو اُسے کہنا کہ معاویہ نے تمہاری باتیں سن لی ہیں اور تم جانتے ہو کہ آج ابوبکر اور عمر کا زمانہ نہیں بلکہ بنی اُمیہ کی حکومت ہے اور تم ان کی جرأت اور خون بہانے کی طاقت کو جانتے ہو، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی جان پر رحم کرو۔

وہ شخص صبح سویرے مسجد میں آیا اور ہانی کو نصیحت کی۔

ہانی نے کہا: یہ بات تمہاری اپنی نہیں تجھے معاویہ نے یہ تلقین کی ہے۔

شامی جوان نے کہا: میرا معاویہ سے کیا واسطہ؟

ہانی نے کہا: اب میرا پیغام بھی اس کو پہنچا دو کہ اس مسئلہ میں کوئی حل نہیں ہو سکتا۔

جوان نے معاویہ کو ہانی کا پیغام پہنچایا تو معاویہ بڑا متاثر ہوا اور کہا: ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ان روٴسا سے باتیں کرنے کے بعد ایک دن ضحاک بن قیس الفہری کو بلایا اور کہا: میں ایک اجتماع منعقد کروں گا۔ اس میں روٴسائے قبائل کو حاضر ہونا ضروری ہے۔ میں اس اجتماع میں تقریر کروں گا۔ جب میں خاموش ہو جاؤں تو تم بولنا اور لوگوں کو یزید کی بیعت کی طرف بلانا اور مجھے بھی اس کام کے لیے تشویق و تحریک کرنا اور اس طریقے سے یزید کی ولی عہدی کو حاضرین کی رضامندی اور تصدیق قرار دینا۔

پھر یہ اجتماع تشکیل دیا گیا اور ہر ایک کو شرکت کی دعوت تھی۔ پہلے معاویہ نے تقریر کی اور اس میں عظمتِ اسلام اور خلافت کے فرامین کی پاسداری اور ولیٔ امر کی اطاعت پر تفصیلی گفتگو کی۔ پھر یزید کے فضائل یعنی عاقل، مدبر، حسن، سیاست سے آراستہ و پیراستہ ہونے وغیرہ کو پیش کیا اور لوگوں سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔

اسی اثناء میں (حسبِ سازش) ضحاک بولا اور معاویہ سے خطاب کیا: عوام کے لیے ایسے ولی بافضیلت، عادل، حسنِ معاشرت والے کو معین کرنا ہوتا ہے جو مسلمانوں کے خون کا محافظ ہو اور فتنے روک سکے (جس کی محافظت میں) راستے پُر امن ہوں اور اُمت کے امور احسن طریقہ سے حل ہوں۔

چونکہ یزید ان تمام خصوصیات اور فضائل کا حامل ہے لہٰذا میں ولی عہدی کے لیے یزید کے علاوہ کسی کو مناسب نہیں سمجھتا۔

اسی دوران میں عمرو بن سعید الاستراق اُٹھا اور ضحاک کی تائید میں بات کی۔ اس کے بعد حصین بن نمیر اُٹھا اور کہا: خدا کی قسم! اگر تو دنیا سے جائے اور یزید کو ولی عہد بنا کر نہ جائے تو اُمت کو ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔

اس کے بعد یزید بن مقنع نے کہا: اے معاویہ امیر المومنین! جب تم مرجاؤ (پھر اشارہ یزید کی طرف کیا اور کہا) تو

تمہارے بعد ہمارا ولی یہی ہے اور امیر ہے اور جو شخص اس کی حکومت کو تسلیم نہ کرے گا اُسے ہم اس (تلوار) سے سزا دیں گے۔

معاویہ نے کہا: بیٹھ جاؤ تم تو تمام خطباء کے سردار ہو۔ پھر تمام قبائل کے سرداروں نے تقاریر کیں۔

معاویہ نے احنف بن قیس کی طرف توجہ کر کے کہا: تم بھی کوئی بات کرو۔ اس نے کہا: اگر سچ کہوں تو تم سے ڈرتا ہوں اور اگر جھوٹ بولوں تو خدا کا خوف ہے۔ خدا کی قسم! اے معاویہ! تم اپنے بیٹے کے شب و روز کو اور مخفی و ظاہر کو بہتر جانتے ہو۔ لہٰذا اگر خدا کی خوشنودی اور اُمت کی مصلحت یزید کو ولی عہد بنانے میں دیکھتے ہو تو کسی سے مشورہ نہ کرو اور اپنے ارادہ کو تکمیل کے مراحل تک پہنچاؤ۔ اور اگر اس کے خلاف سمجھتے ہو تو تمام گناہ اور ظلم و زیادتی اور توہین کا وبال اپنے سر پر نہ لو کہ چند دن یزید کو حاکم بنا لے۔

ایک شامی نے کہا: نہ معلوم یہ عراقی کیا کہہ رہا ہے؟ ہم نے ہر بات تمہاری سنی، اطاعت کی اور تمہاری رضا کی خاطر لڑائیاں کیں اور تلواریں چلائیں۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو اُٹھ کر چلے گئے۔ اور ہر مجلس و محفل میں احنف کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد معاویہ اپنے دشمنوں سے نرمی اور پیار کا اظہار کرتا تھا اور اپنے دوستوں کو ہدایہ سے اپنا فریفتہ یاحتیٰ کہ غالب عوام یزید کی بیعت پر آمادہ ہو گئے۔

معاویہ کا مدینہ میں امام حسینؑ سے ملاقات کرنا

اے شاہِ دین پناہ ترے عزم کے نثار
مذہب میں پھیلنے نہ دیئے مکروفن کے پاؤں

جب اہلِ کوفہ، بصرہ اور شام یزید کی بیعت کر چکے تو اسی مقصد کی خاطر معاویہ مدینہ آیا۔ سب سے پہلے اُس نے امام حسینؑ سے ملاقات کی اور جسارت کرتے ہوئے امامؑ کی خدمت میں کہا: لامرحبًا ولا اھلًا، خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا پاک خون بہہ رہا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خاموش رہو اور یوں بات نہ کرو۔

معاویہ نے کہا: اس سے زیادہ بھی کہوں گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ اُس نے مدینہ میں آ کر امام حسین علیہ السلام سے خصوصی ملاقات کی اور تنہائی میں عرض کیا: آپؑ جانتے ہیں کہ تمام لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے مگر صرف چار شخصوں نے بیعت نہیں کی جن میں آپ سرور و سردار

ہیں، آخر آپؑ کو اس سے کیا اور کیوں کر اختلاف ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: کیا ہوا کہ تمام اجتماع سے صرف مجھے مخاطب کیا، یہ بات دوسروں سے بھی کرو۔

پھر معاویہ نے عبداللہ بن زبیر کو بلایا اور کہا: تمام لوگوں نے یزید کی بیعت کی ہے لیکن پانچ شخصوں (قریشیوں) نے نہیں کی، جن کا سالار تو ہے آخر تمہیں کیا اختلاف ہے؟

عبداللہ بن زبیر نے کہا: کیا میں ان کا سردار اور سالار ہوں؟

معاویہ نے کہا: ہاں! تم ہی ان کے سالار ہو۔

عبداللہ نے کہا: تم باقیوں کو لاؤ اگر انھوں نے بیعت کی تو میں بھی ان میں سے ایک ہوں گا۔

پھر معاویہ نے عبداللہ بن عمر کو بلایا اور نرمی سے اس کے ساتھ بھی فضول اور باطل باتیں کیں۔

عبداللہ بن عمر نے کہا: کیا تم نہیں چاہتے وہ چیز جس سے سرزنش اور ملامت سے بچ جاؤ اور خونوں کی حفاظت ہو اور اس سے اپنے مقصد تک پہنچ جاؤ۔

معاویہ نے کہا: وہ کیا چیز ہے؟

عبداللہ بن عمر نے کہا: اپنے تخت پر بیٹھ جاؤ اور مجھ سے بیعت لینے کی شرط یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک سیاہ فام اور غلام زنگی کی بیعت کرلیں تو میں بھی بیعت کروں گا۔ پھر عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلایا اور کہا: تم کس جرأت اور طاقت کی بنیاد پر میری مخالفت کر رہے ہو؟

عبدالرحمٰن نے کہا: مجھے امید ہے کہ اس میں میرے لیے بہتری ہے۔

معاویہ نے کہا: میں چاہتا ہوں تمہاری گردن اُڑا دوں۔

عبدالرحمٰن نے کہا: بلا جرم میرے قتل پر، خدا تجھ پر اس دنیا میں لعنت کرے گا اور آخرت میں تو آتشِ جہنم میں جلتا رہے گا۔

کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن تیمیہ میں معاویہ کی امام حسینؑ سے ملاقات کو یوں لکھا گیا ہے کہ ایک دن معاویہ محفل جما کر بیٹھا تھا، اپنے خواص، نوکر، اور غلاموں کو اپنے پاس بلایا اور ان کو عمدہ لباس پہنائے اور کہا: اس محفل میں عام لوگوں کو آنے سے روکنا، اُس وقت امام حسینؑ اور ابن عباس کو بلوایا۔ پہلے ابن عباس معاویہ کی محفل میں حاضر ہوئے، معاویہ نے ان کو اپنی مسند پر ساتھ بٹھایا، کچھ وقت ان سے باتیں کیں اور باتوں کے درمیان کہا:

اے ابن عباس! خداوند متعال نے آپ کو حرمِ رسولؐ کا مجاور اور اس مرقد اطہر سے اُنس دیا۔ یہ اللہ کا تمہارے اُوپر خصوصی احسان ہے۔

ابن عباس نے کہا: ہاں لیکن اس کے باوجود ہم بعض پر قناعت اور کُل سے محروم ہیں۔ پھر بھی یہ اکثر اور مکمل ہے۔

خلاصہ معاویہ اور ابن عباس کے درمیان بہت باتیں ہوتی رہیں۔ اس وقت محفل میں امام حسینؑ تشریف لائے۔

معاویہ نے ان کو اپنے پاس بٹھایا، پہلے معاویہ نے امام حسینؑ کی اولاد کی خیر خیریت دریافت کی اور ان کی عمروں کے متعلق پوچھا۔ امامؑ نے جواب دیا۔ پھر معاویہ نے یہ خطبہ دیا:

حمدِ خدا اور تعریف رسولؐ کے بعد، امامؑ کی خدمت میں عرض کی کہ یزید کا حال آپؑ کو معلوم ہے اور خدا جانتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اُمت میں میرے بعد اختلاف اور تفرقہ نہ ہو۔ میں اس یزید میں علم و کمال، مروت اور تقویٰ دیکھتا ہوں اور اس کو قرآن اور سنتِ رسولؐ کے حوالے سے عالم جانتا ہوں۔

آپؑ جانتے ہیں کہ رسول پاکؐ کی وفات کے بعد اہلِ بیتؑ کے باوجود اور بزرگ صحابہ مہاجرین و انصار سے ہونے کے باوجود ابوبکر خلافت کا متولی بن گیا۔ اے بنی عبدالمطلب! میں اس اجتماع میں آپ سے انصاف کی توقع رکھتا ہوں۔ مجھے مثبت جواب دیں اور اس طرح یزید کی ولی عہدی کی تصدیق کریں۔

ابن عباسؓ بولنا چاہتے تھے کہ امام حسین علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ تم خاموش رہو کہ اس کی مراد اور مقصد میں ہوں۔

پھر امامؑ نے حمدِ خدا کی اور رسولؐ پر درود بھیجا اور فرمایا:

جس قدر فصیح خطیب رسولؐ اللہ کی تعریف کریں تب بھی ہزار سے ایک تعریف کی ہے اور تو نے اپنے بیٹے کی تعریف میں بہت افراط کی ہے اور حدود سے تجاوز کر گیا ہے۔ گویا کسی محجوب کی توصیف کی یا کسی غائب کی فضیلت بیان کی اور ان خرافاتی باتوں سے مسلمانوں کے عقیدوں کو خراب کر دیا ہے۔

خدا کی قسم! یزید اپنے نفس پر دلیلِ حازق ہے اور اس کے اعمال اس کے کردار پر گواہ ہیں۔ بہرصورت تو نے بات یزید کی کی ہے تو اس کی دختر بازی (زنا کاری) شکاری کتوں، کبوتروں اور اس کی عیاشیوں کی تعریف بھی کرو۔ اُمت محمدؐ کی کفالت کرنے سے تو درگزر کر جا، اپنے کئی گناہوں کے ساتھ فرزندِ زیاد کی دوستی کی بات نہ کر کیونکہ تیری زندگی ختم ہونے والی ہے اور موت تک فاصلہ آدھے نفس کا ہے۔ پھر قیامت کا دن تیرے آگے ہے اور تیرا عمل ظاہر ہوگا۔

یہ جو کہا ہے کہ خلافت میرا حق ہے تو خدا کی قسم! یہ میراث پیغمبرؐ ہے اور پیغمبرؐ کے وارث ہم ہیں۔ تو نے ناجائز طریقے سے مرکز سے ہٹا دیا ہے اور غصب کر کے مالک بن گیا ہے۔ تیری ذمہ داری ہے کہ اس واضح حجت سے یقین کر لے اور حق اصلی مالکوں کو پلٹا دے اب تو چند لوگوں کو گمراہ کر کے جو نہ صحبتِ رسولؐ میں رہے اور نہ ان کا اسلام میں کوئی سابقہ ہے اور نہ دین میں راسخ ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ امر مشکوک اور مشتبہ ہے کہ تو اپنے زندوں کو حاکم اور امیر بنا دے اور خود خدا کے

عذاب میں گرفتار ہوجا۔ ان هذا لهو الخُسران المُبین۔

معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کی یہ باتیں سن کر ابن عباس سے کہا: تم لاؤ جو تمہارے پاس ہے اور میں خود جانتا ہوں کہ آپ کی باتیں بھی ان سے زیادہ سخت اور زہرآلود ہوں گی۔

ابن عباس نے کہا: میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہ سیدالانبیاءؐ کے فرزند ہیں اور خامسِ آلِ کسا اور اہلِ بیت مطہرؑ ہیں، اپنے ارادے سے درگزر کر جا اور دوسرے لوگوں سے یہ باتیں کر۔ حتیٰ کہ خدا کا امر واضح ہوجائے اور وہی بہترین حاکم ہے۔ پھر آپؑ اس مجلس سے چلے گئے۔

نورالدین مالکی کا کلام

فصول المہمہ میں مالکی نے کہا ہے کہ ایک دن معاویہ نے کہا: مسلمانوں نے یزید کی بیعت کرلی ہے اور اپنی مرضی اور خوشی سے بیعت کی ہے۔ لیکن چند لوگوں نے بیعت سے انکار کیا ہے حالانکہ اگر وہ بھی تعاون کرتے تو بہت بہتر تھا اور میں اگر یزید سے بہتر کسی کو دیکھتا تو اسے ولی عہد بناتا۔

خامسِ آلِ عبّا نے فرمایا: یہ بات یوں نہیں کہ تو نے ان کو جو یزید سے نسب، حسب، فضیلت، علم و دین کے لحاظ افضل ہیں، چھوڑ دیا اور اس کو اُمت رسولؐ پر حاکم بنا دیا۔

معاویہ نے کہا: آپؑ کا مقصود اس کلام سے آپؑ خود ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: ہاں اور میں فضول اور بے مقصد بات نہیں کرتا۔

معاویہ نے کہا: دختر رسولؐ کی شرافت اور ان کے سیدۃ نساء العالمین ہونے میں کوئی شک نہیں اور علیؑ کے بھی سوابقِ اسلام اور فضائل و مناقب موجود ہیں لیکن میں نے علیؑ سے حکمیت (صفین) کی اور حکمیت کے نتیجے میں مجھے ان پر غلبہ ملا اور یزید قوانینِ سلطنت اور رسومِ سیاست کے قوانین کو آپؑ سے زیادہ جانتا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: تم نے جھوٹ بولا ہے کیونکہ یزید شراب خور، لہو ولعب کا دل دادہ اور محرمات کا مرتکب شخص ہے۔

معاویہ نے کہا: تم اپنے چچازاد کے بارے یوں نہ کہو وہ تو تمہارے بارے سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں کہتا۔

امامؑ نے فرمایا: میں جو یزید کے متعلق جانتا ہوں کہا ہے اور اگر وہ بھی میرے متعلق کچھ جانتا ہے تو بتائے۔

جب معاویہ مکہ سے جانا چاہتا تھا تو کہا: میرے سامان کو باہر لے جائیں اور منبر کو خانۂ کعبہ کے قریب لگا دو اور پھر امامؑ اور ان کے مریدوں کو بلاؤ۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: جو نیکیاں معاویہ سے آج دیکھی ہیں ان پر فریفتہ نہ ہونا کیونکہ وہ

دھوکا اور مکروفریب میں مشہور ہے۔ اور اب وہ ہمیں کسی اہم امر کے لیے بلاتا ہے لہٰذا اس کا جواب پہلے ہمیں تیار کرنا چاہیے۔

جب وہ معاویہ کی مجلس میں آئے تو معاویہ نے کہا: کیا تم نے اول وقت میں میرے نماز پڑھنے، صلۂ رحمی کرنے اور میرے حسنِ سیرت کو جانتے ہیں اور جو کچھ تم نے کیا اس کو نادیدہ کر کے تحمل کیا۔

یہ یزید تمہارا چچازاد ہے اور تمہارا بھائی ہے، میں یہی چاہتا ہوں کہ اس کو مقدم سمجھو اور خلافت کا نام اس پر لگا دو اور قاضیوں کو عزل ونصب، امرونہی، وصولِ خراج اور تقسیمِ عطا بغیر کسی ممانعت اور مخالفت کے تمہارے اختیار میں ہیں۔ پھر اس کلام کو دوبار کہا البتہ کسی نے جواب نہ دیا۔

معاویہ نے ابن زبیر کی طرف منہ کر کے کہا: تم بیان کرو کہ قوم کے خطیب تم ہو۔

ابن زبیر نے کہا: تجھے تین میں سے ایک کام کرنا ہوگا: پہلا یہ کہ پیغمبر اکرمؐ کی پیروی کرو کہ وہ دنیا سے چلے گئے اور کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا اور لوگوں نے خود ابوبکر کو حاکم بنالیا۔

معاویہ نے کہا: میں اب ابوبکر کے زمانہ کے حالات نہیں دیکھتا۔

ابن زبیر نے کہا: ابوبکر کی سنت پر عمل کرو کہ اپنے خاندان کو چھوڑ کر عمر کو خلافت دے دی۔

معاویہ نے کہا: تیسرا کام کون سا ہے؟

ابن زبیر نے کہا: عمر کی پیروی کرلو کہ اپنی اولاد کو محروم کر کے خلافت کو شوریٰ ۶ نفری کے حوالے کر دیا۔

معاویہ نے کہا: اگر کوئی اور تجویز ہے تو بتاؤ؟

ابن زبیر نے کہا: جو کچھ کہا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اس نے امامؑ اور امامؑ کے دوستوں سے رائے طلب کی تو انھوں نے خاموشی اختیار کی۔ معاویہ نے کہا: کیا میری باتوں کو رد کر دیا ہے اور میری باتوں کو جھوٹ سمجھا ہے اور میں نے چشم پوشی کی اور لوگوں سے میں یہ نہیں کہوں گا۔

اگر تم میں سے کوئی اب اس قسم کی بات کرے تو خدا کی قسم! اسی وقت حکم دوں گا کہ ان کا سر قلم کیا جائے، بہتر ہے کہ اپنی جانوں پر رحم کریں اور جان کی حفاظت واجب ہے۔ اس وقت جلادوں کو بلایا اور کہا: دو جلاد ہر شخص پر کھڑے ہو جائیں، جب میں خطبہ دوں تو جو بھی ان میں سے بولے تم اس کو قتل کر دینا۔

پھر معاویہ منبر پر گیا اور خطبہ یوں دیا کہ ہمیں لوگوں کی باتیں سننی پڑتی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حسینؑ، ابن ابی بکر، ابن عمر اور ابن زبیر نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ یہ مسلمانوں کے سردار ہیں۔ ہم ان کے مشورے اور تجویز کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ان کو میں نے دعوت دی تو انھوں نے بیعت کرلی اور اطاعت کرلی ہے۔

شامیوں نے کہا: بس کرو ان کی بات کو بڑا بنا رہا ہو، تو ابھی اجازت دے ہم ان کی ابھی گردنیں اڑائے دیتے ہیں، کیونکہ ہم اس بیعت پر راضی نہیں جو انھوں نے خفیہ طور پر کی جب تک ظاہری طور پر بیعت نہ کریں گے۔

معاویہ نے کہا: سبحانؐ اللہ کہ شامیوں کو چند قریشیوں کا خون بہانا قبول ہے اور ان کے ارادے بڑے ہیں لہٰذا ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: خبردار پھر ایسے الفاظ نہ کہنا یہ بزرگ رشتہ دار اور قریبی ہیں۔

لوگوں نے جب یہ سنا تو سارے اُٹھے اور یزید کی امارت کی بیعت کرلی۔ معاویہ منبر سے نیچے اُترا اور فوراً مدینہ روانہ ہو گیا اور ان کی بیعت کو شامیوں کی بیعت کے ساتھ ملا دیا۔

معاویہ کے جانے کے بعد شامیوں نے اہلِ بیتؑ کے ماننے والوں سے کہا: تم نے ہمیشہ کہا: ہم یزید کی بیعت نہیں کریں گے، لیکن اب ہدایا اور تحائف ملے تو خفیہ میں بیعت کرلی؟

انھوں نے کہا: نہیں، ہم نے بیعت نہیں کی، ہم نے مجمع میں اس کی تکذیب نہیں کی، کیونکہ ہمیں اپنی جان کا خطرہ تھا اور جان بچانا واجب ہے، اس نے تمہاری دلالت سے ہمیں دھوکا دیا اور ہماری بیعت کا نام لے کر تم سے مکروفریب کیا۔

عبداللہ بن عمر گھر چلے گئے۔ معاویہ نے بنی اسد، بنی تمیم، بنی مرّہ کے عطیات دگنے کردیئے اور بنی ہاشم کے بیت المال سے عطیات روک دیئے۔

ابن عباسؓ معاویہ کے پاس گئے اور کہا: باقی تمام کو عطیات دے رہے ہو لیکن بنی ہاشم کے بند کردیئے ہیں!

اس نے کہا: کیونکہ امام حسینؑ نے بیعت نہیں کی اور تم نے ان کی موافقت کی۔

ابن عباسؓ نے کہا: ابن عمر، ابن ابی بکر اور ابن زبیر نے بھی بیعت سے انکار کیا، لیکن تم نے ان کو عطیات دیئے۔

معاویہ نے کہا: تم ان کی طرح نہیں ہو، خدا کی قسم! جب تک حسینؑ یزید کی بیعت نہیں کریں گے تمہیں ایک درہم بھی نہیں ملے گا۔

ابن عباسؓ نے کہا: میں بھی خدا کی قسم اٹھاتا ہوں کہ تمام اسلامی حدود میں لوگوں کو تمہارے ان مظالم سے آگاہ کروں گا اور لوگوں کو تمہارے خلاف بھڑکاؤں گا۔

معاویہ نے پھر بنی ہاشم کے عطیات کی اجازت دی اور امامؑ کو عطیات بھیجے لیکن امام حسینؑ نے رد کردیے اور قبول نہ کیا۔

★ ★ ★

پانچویں فصل

معاویہ کی موت اور یزید کی حکومت

تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ معاویہ شام کی طرف برگشت کے موقع پر ''ابوا'' میں اُترا۔ اس کو لقوہ ہو گیا اور یہ بستر پر بڑی مشکل سے پہنچا۔ دوسرے دن لوگوں کو پتا چلا تو گروہ در گروہ عیادت کے لیے آتے گئے۔

معاویہ نے کہا: مصیبتیں دو وجوہات کے باعث آتی ہیں:

(۱) بہ سبب گناہ کہ خدا ان پر عذاب کرتا ہے تا کہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ گناہ نہ کریں۔

(۲) بہ سبب عنایتِ خدا تا کہ اس کو ان تکالیف کے بدلے بہت زیادہ ثواب حاصل ہو۔

آج اگر اس بیماری میں مبتلا کیا گیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ ایک عضو بیمار ہے تو دوسرے اعضا درست ہیں۔ اگر چند روز بیمار ہوں تو صحت مندی کے ایام بہت زیادہ ہیں۔ میرا کوئی حق خدا پر نہیں ہے، اقتدار کا لمبا عرصہ دیا۔ آج ستر سال کا ہوں کہ بیمار ہو گیا ہوں اور خدا ان مسلمانوں پر رحمت کرے جو میرے لیے صحت مندی کی دعائیں کرتے ہیں۔

جو جماعت اس کے پاس تھی اس نے اللہ سے اس کی صحت یابی کی دعا کی اور چلے گئے۔ جب معاویہ تنہا رہ گیا تو دلبرداشتہ ہو کر رونے لگا۔ مروان نے آ کر پوچھا: اے امیر! آپ روتے کیوں ہیں؟

کہا: روتا نہیں مگر اس لیے کہ بہت سے کام کر سکتا تھا لیکن نہیں کیے، لہٰذا اب پریشان ہوتا ہوں اور اپنی کوتاہیوں پر حیرت کرتا ہوں۔

دوسرا روتا اس لیے ہوں کہ یہ بیماری لقوی میرے ایک عضو پر ظاہر ہو گئی ہے جو روز بہ روز بڑھ رہی ہے۔ مجھے یہ خوف ہے کہ شاید مصیبت مجھ پر اس لیے آتی ہے کہ علیؑ بن ابی طالب سے خلافت چالاکی سے چھین لی اور حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا اور مجھ پر جلدی عذاب ہو گیا ہے اور یہ سارے دکھ میں یزید کی محبت میں دیکھ رہا ہوں۔ اگر یزید کی محبت نہ ہوتی تو میں سیدھے راستے پر ہوتا اور اپنی رُشد کو پہچانتا۔ لیکن یزید کی دوستی نے مجھے ایسی حرکتوں، باتوں اور جنگوں پر چڑھایا کہ آج میرے اُوپر دشمن ہنستے اور دوست روتے ہیں۔

پھر وہ مقامِ ''ابواء'' سے شام پہنچا، گھر میں گیا تو بیماری زوروں پر تھی اور اس نے پورے چہرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا

تھا اور روزانہ رات کو بڑے شور شرابے والے خواب دیکھتا اور ان سے ڈرتا تھا۔ کبھی کبھی ہذیان بکتا تھا۔ پانی بہت پیتا تھا۔ اس کی پیاس بجھنے کا نام نہ لیتی تھی۔ ہر لحظہ بعد بے ہوش ہو جاتا تھا۔ جب ہوش آتا تو یہی منہ سے بہ آواز بلند بولتا تھا:

''میں نے کیا کیا اے حجر بن عدی! میری کیا دشمنی تھی میں نے کیوں آپ کو قتل کیا؟

اے عمرو بن حمق مجھے کیا تھا کہ تمہاری میں نے مخالفت کی۔

اے فرزند ابو طالبؑ! یا علیؑ، یا علیؑ، یا علیؑ!

اے میرے اللہ! الٰہی! اگر مجھے عذاب دینا ہے تو میں حق دار ہوں اور اگر معاف کر دے تو مہربان اور کریم خدا ہے۔

معاویہ کی یہی حالت رہی اور یزید ایک لحظہ بھی دُور نہ ہوا۔ اسی دوران معاویہ پر بار بار بے ہوشی طاری ہو جاتی تو ایک قریشی عورت نے جو وہاں موجود تھی، کہا: معاویہ اب مر گیا ہے۔ تو معاویہ نے آنکھیں کھولیں اور کہا: اگر معاویہ مرا ہے تو سخاوت کا پہاڑ غرق ہوا۔ پھر اپنے گلے میں لٹکائے تعویذ کو کھینچا اور دُور پھینک دیا۔

اس وقت یزید نے کہا: اب میری بیعت تم کرو تا کہ لوگ سنیں کہ مصلحت اسی میں ہے۔ اگر (نعوذ باللہ) تم نے میری بیعت محکم طور پر نہ لی تو خدشہ ہے کہ آلِ محمدؐ سے دکھ جھیلوں۔ معاویہ یہ باتیں سنتا رہا لیکن خاموش رہا۔

دوسرے دن بروز بدھ کسی کو بھیجا اور امراء، مخلصین اور معززین اور دوستوں کو بلایا۔ اپنے نگران سے کہا: جب بھی آنا چاہے آ سکتا ہے کسی کو روکنا نہیں۔ لوگوں کو جب پتا چلا کہ اب معاویہ کے پاس جانے کے لیے کوئی مانع نہیں تو لوگوں نے آنا شروع کر دیا۔ معاویہ کو سلام کرتے اور معاویہ کو غور سے دیکھتے اور واپس پلٹ جاتے تھے۔ لوگ ضحاک بن قیس (جو شہر کا پاسبان اور داروغہ تھا) کے پاس آتے روتے اور کہتے کہ ہمارا عظیم امیر بہت مشکل وقت گزار رہا ہے۔ یہ بیماری سے نہیں بچ سکتے لہٰذا ان کے بعد خلیفہ کون ہو گا؟ کیا یہ مصلحت ہے کہ خلافت خاندانِ بنی اُمیہ سے باہر چلی جائے اور ابو ترابؑ کی آلؑ کے حوالے ہو جائے۔ ہم ہر اس بات پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔

ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کے پاس کافی لوگ جمع ہو گئے اور کہتے تھے کہ تم تو امیر شام کے مخلص ساتھی تھے اب اس کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ دیکھ رہے ہو، اب مصلحت یہ ہے کہ تم دونوں امیر شام کے پاس رہو اور اگر ضرورت ہو تو اس کو تلقین کرو کہ خلافت اپنے بیٹے یزید کے لیے ہدیہ کر دے کہ ہم سب کی یہی خواہش ہے۔

ضحاک اور مسلم دونوں معاویہ کے پاس آئے۔ سلام کے بعد کہا: امیر کا کیا حال ہے، کیا کوئی بہتری ہوئی ہے؟

معاویہ نے کہا: میں اپنے بہت زیادہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں لیکن پھر بھی اسی کی رحمت کا امیدوار ہوں۔

ضحاک نے کہا: ایک بات میں اپنے امیر سے کرتا ہوں کہ لوگوں نے جب امیر کی حالت دیکھی ہے تو وہ بہت پریشان ہیں اور مشکل میں پڑ گئے ہیں، اختلاف کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ ابھی تو آپ زندہ ہیں تو یہ حالات ہیں جب دنیا سے چلے گئے تو نہ معلوم کیا ہوگا۔

مسلم بن عقبہ نے کہا: لوگوں کے دل یزید کو خلیفہ بنانے کے لیے تیار ہیں اور تمام اس سے محبت کرتے ہیں۔ امیر شام کی یزید کے بارے میں پریشانی دُور ہوگئی۔ اے امیر! آج مصلحت یہی ہے کہ دنیا سے جانے سے کوئی بات نہ کرو اور یزید کی خود بیعت کرو اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ۔

معاویہ نے کہا: مسلم تم نے بالکل درست کہا، میرے دل میں عرصۂ دراز سے یہ آرزو تھی کہ یزید میرے بعد خلیفہ ہو اور کاش کہ یہ خلافت میرے خاندان میں قیامت تک رہے اور ابوطالبؑ کی اولاد کو میری اولاد پر کبھی غالب نہ کرنا لیکن آج بدھ ہے اور جو کام بدھ کو کیا جائے تو اس کا انجام خراب ہوتا ہے۔ کل تک توقف کرکہ مجھے کچھ طاقت ہو اور میں یہ کام مکمل کرسکوں۔

ضحاک اور مسلم نے کہا: لوگ جمع ہیں آپ کی اقامت کے باہر کھڑے ہیں، وہ واپس نہیں جاتے جب تک تو یزید کی بیعت نہ کرے گا۔

معاویہ نے کہا: جو لوگ باہر کھڑے ہیں ان کو اندر بھیجو۔

ضحاک اور مسلم باہر آئے، لوگوں سے ستر (۷۰) آدمی معروف چن کر معاویہ کے پاس بھیجے۔ وہ آئے، انھوں نے سلام کیا۔ معاویہ نے بہت کمزور آواز سے جواب دیا اور کہا: اے اہلِ شام! مجھ سے راضی ہو؟ سب نے کہا: ہم خوش ہیں۔ آپ نے عمومی طور پر تمام اہلِ شام پر شفقتیں کیں جو کبھی فراموش نہیں ہوں گی، آپ نے ہم پر احسانات کیے۔ معاویہ کی تعریفیں کیں اور علیؑ کی توہین کرتے رہے اور ذلت کی خاک اپنے اور اپنے منہ میں خود ڈالتے رہے کیونکہ نفسِ رسولؐ خدا کو گالی بکتے رہے اور معاویہ و یزید کی خوشنودی کے لیے انھوں نے بہشت کو چھوڑ کر دنیا کو اختیار کیا ہے اور کہا: علیؑ نے عراق سے شام کے لیے لشکر سے حملہ کیا۔ ہمارے مردوں کو قتل کیا، شہریوں کو خراب حال کیا۔ اب اس کے بیٹوں کو ہمارا حاکم اور خلیفہ نہیں بننا چاہیے۔

پس ہماری مراد یہ ہے کہ یزید خلیفہ ہو اور ہم نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ ہم سب کی رضامندی اسی میں ہے، اور اس کام میں ہماری جانیں بھی چلی گئیں تو کوئی حرج نہیں۔ ہم ہٹنے والے نہیں، جان کی بازی لگا دیں گے۔ معاویہ ان کی باتوں سے خوش ہوا اور اُٹھ بیٹھا اور اپنے نگران سے کہا: تمام لوگوں کو بلاؤ، لوگ بلائے گئے، کافی لوگ آئے اور معاویہ کی اقامت گاہ بھر گئی تو معاویہ نے کہا: اے لوگو! تم جانتے ہو کہ دنیا کی انتہا زوال ہے، ہر شخص کی عمر ختم ہو جاتی ہے، آج میں زندگی کی آخری

سانس لے رہا ہوں، لیکن میرا دل اب بھی تمہارے لیے تڑپ رہا ہے، تا کہ جس کو چاہو میں خلیفہ بنا دوں اور خلافت کی تمام تر ذمہ داری اس کے اُوپر ڈال دوں۔

تمام لوگوں نے بآواز بلند کہا: ہمیں یزید کے علاوہ کوئی خلیفہ نہیں چاہیے۔

معاویہ نے جب ان لوگوں کا مبالغہ دیکھا تو ضحاک سے کہا: یزید کی بیعت کرو۔ ضحاک نے بیعت کی، اس کے بعد مسلم بن عقبہ نے یزید کی بیعت کی۔ پھر لوگ باری باری یزید کی بیعت کرتے جاتے۔ جب سب نے بیعت کر لی اور باہر چلے گئے تو معاویہ نے یزید کو بلایا اور کہا: خلافت کا لباس پہنو۔ اس نے پہنا، اس کے سر پر دستار رکھی، زرہ پہنائی، انگلی میں انگوٹھی پہنائی، عثمان کی خون آلود قمیص کو زرہ کے اُوپر ڈالا، اپنے باپ کی تلوار حمائل کی اور باہر آیا اور مسجد میں گیا اور منبر پر بیٹھ گیا اور خطبہ دیا اور زوال تک منبر سے نہ اُترا۔ ہر قسم کی باتیں منبر پر کرتا رہا۔ باقی شامیوں سے بیعت لی۔ زوال کے وقت منبر سے اُتر کر باپ کے سرہانے آیا تو دیکھا کہ باپ موت کی سختی کی وجہ سے اپنے آپ میں لپٹا جا رہا تھا اور وہ عقل و ہوش میں نہ تھا۔ آدھی رات کو ہوش آیا، آنکھ کھولی تو یزید کو اپنے پاس بیٹھا پایا۔ پوچھا: بیٹا کیا ہوا؟

یزید نے کہا: مسجد میں گیا ہوں، منبر پر خطبہ دیا ہے۔ تمام لوگوں نے اپنی رغبت اور محبت سے میری بیعت کی اور خوش ہو کر وہ واپس چلے گئے۔

معاویہ نے ضحاک اور مسلم کو بلایا اور کہا: میرے بستر کے سرہانے کاغذ ہے تو وہ نکالو۔ کاغذ نکال کر دیا تو اس پر معاویہ نے پہلے یزید کے نام پر کوئی چیز لکھی تھی لہٰذا اس لحاظ سے ضحاک نے کاغذ لیا اور انھیں پڑھ کر سنایا۔

وصیتِ معاویہ برائے یزید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یہ عہدِ معاویہ ہے اپنے بیٹے کے ساتھ، میں اس کی بیعت کرتا ہوں اور خلافت اس کے حوالے کرتا ہوں تا کہ عدل و انصاف کی راہ پر چلا جا سکے۔ خلافتِ یزید کے حوالے ہے اور وہ اس کا امیر ہے اور اس سے کہا: اہلِ عدالت و رضا کی سیرت پر چلنا ضروری ہے اور مجرموں کو جرم و جنایت کے مطابق سزا دینا۔ اہلِ علم و صلاح کو اچھا سمجھنا اور ان پر احسان کرنا، دیگر عرب قبائل سے اور قبیلۂ قریش سے خصوصاً رعایت کرنا اور اپنے دوستوں کو قتل کرنے والے سے دُوری اختیار کرنا اور مقتول مظلوم عثمان کی اولاد سے قرب اختیار کرے اور ان کو آلِ ابوتراب پر مقدم رکھے اور بنی اُمیہ اور آلِ عبدالشمس کو بنی ہاشم پر مقدم رکھے۔

جس پر یہ عہد نامہ پڑھا جائے تو اس پر واجب ہے کہ یزید کو اپنا امیر سمجھ کر اطاعت کرے اور یزید کی اتباع کو پیشہ

بنائے۔ بس مرحباً واھلاً اور جو اس عہدنامے کا انکار کرے تو تلوار سے اسے سمجھا دیا جائے تاکہ یزید کی امارت اور خلافت کا اقرار کرے اور اس کا مطیع و فرماں بردار ہو جائے ـــــ والسلام

پس اس عہدنامہ پر مہر لگائی اور ضحاک کو دیا اور کہا کل صبح منبر پر جا کر اس عہدنامہ کو لوگوں کے سامنے پڑھ دو تاکہ ہر چھوٹا بڑا، کمزور اور شریف شخص اسے سنے۔

ضحاک نے کہا: ایسا ہی ہوگا۔

مؤلف کہتا ہے: تاریخ اعثم کوفی میں معاویہ اور یزید کے درمیان ہونے والے مقالات اور گفتگو تفصیل سے موجود ہے اور اس میں سے چند فقرات ذکر کرتا ہوں۔

معاویہ نے یزید سے کہا: میں تیری خلافت کے بارے میں چار اشخاص سے خائف ہوں: قریش سے عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر خطاب، عبداللہ بن زبیر اور حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ۔

عبدالرحمٰن: اسے عورتوں سے زیادہ دلچسپی ہے اور دوستوں اور ساتھیوں سے گپ شپ میں خوش رہتا ہے۔ جو کام اس کے دوست کرتے ہیں یہ بھی وہی کرتا ہے۔ عورتوں کو دیکھنا اس کا پسندیدہ کام ہے۔ وہ جو کرتا ہے اسے چھوڑ دو کیونکہ اس کے باپ کی فضیلت معروف ہے، اس لیے اس سے نرمی کا برتاؤ کرو۔

عبداللہ بن عمر بہت نیک اور تارکِ دنیا ہے، سیرتِ پدر پر چلتا ہے، جب اسے دیکھو تو میرا سلام کہہ دینا اور اسے عطایا اور ہدایہ دے کر رعایت کرنا۔

عبداللہ بن زبیر سے زیادہ ڈرتا ہوں کیونکہ وہ سخت، چالاک اور حیلہ باز ہے۔ ضعیف رائے والا ہے، صبر اور ثبات رکھنے والا ہے۔ کبھی تو تیرے اُوپر شیر تیز کی طرح چنگھاڑتا ہوا حملہ آور ہوگا اور کبھی لومڑی کی طرح بڑی مکاری سے تیرے قریب آئے گا۔ اس کے ساتھ وہ رویہ رکھو جو وہ تمہارے ساتھ رکھے مگر جب وہ رغبت کرے تو تیری بیعت کرے۔ اس وقت اسے نیک سمجھو اور مطمئن ہو جاؤ۔

ہاں حسین ابن علیؑ آہ آہ! یزید کیا کہوں۔ ان کا خاص خیال رکھنا، ان کو ناراض نہ کرنا، جہاں جانا چاہیں اُنھیں ممانعت نہ کرنا لیکن کبھی کبھی تحدید کرتے رہنا، خبردار! انہیں تلوار نہ دکھانا اور نہ للکارنا جس قدر ہو سکے ان کا احترام کرنا۔ اگر اہلِ بیتؑ کا کوئی شخص تیرے پاس آئے تو اسے بہت زیادہ ہدیہ دینا اور اسے راضی، خوشی اور خوش دل واپس پلٹانا۔

یہ اہلِ بیتؑ ہیں جو عظمت اور عزت بلند سے زندگی گزارنے والے ہیں۔ ایسا نہ کرنا کہ تو رب کے پاس پہنچے تو تیری گردن پر امام حسینؑ کا خون ہو۔ خبردار، خبردار! حسینؑ کو پریشان نہ کرنا اور ان کے کسی اعتراض پر ان کو تکلیف نہ دینا کیونکہ وہ

فرزندِ رسولؐ ہیں، حقِ رسول کا خیال کرنا۔

اے بیٹے! تم جانتے ہو کہ میرے سامنے امام حسینؑ نے جو سخت سے سخت بات بھی کی میں نے اس لیے تحمل کیا کہ وہ فرزندِ رسولؐ ہیں۔ اس بارے جو مجھ پر واجب تھا میں نے کہہ دیا ہے، تجھے ان مشکلات سے خبردار کیا ہے اور ڈرایا ہے۔

پس معاویہ نے ضحاک اور مسلم کی طرف توجہ کی اور کہا: میں نے یزید کو جو نصیحتیں کی ہیں تم دونوں اُن پر گواہ رہنا۔ خدا کی قسم! اگر حسینؑ دنیا کی ہر بہترین چیز خود لے اور دنیا کی بدترین چیز مجھے دے تو میں پھر بھی تحمل کروں گا اور میں ایسا شخص کبھی نہ بنوں گا کہ مرجاؤں تو میری گردن پر حسینؑ کا خون ہو۔

اے بیٹے! میری وصیت کو سنا ہے۔ یزید نے کہا: ہاں سنا ہے۔ پھر اس کو چند نصیحتیں کیں اور ایک ٹھنڈی سانس لی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو کہا: آہ! جَآءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ۔ پھر اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ مناجات پڑھیں۔ پھر اپنے اہلِ بیت اور اپنے چچازاد بھائیوں کی طرف دیکھا اور کہا: اللہ سے ڈرنا کیونکہ اللہ سے ڈرنا ہی عقیدے کا استحکام ہے۔

ہائے افسوس اس پر جو اللہ تعالیٰ کے عتاب سے نہ ڈرے۔ پھر کہا: میں ایک مرتبہ خدمتِ مصطفیٰؐ میں بیٹھا تھا، حضرتؐ ناخن اُتار رہے تھے۔ میں نے چند ناخن اٹھائے اور شیشی میں آج تک ان کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ جب میں مرجاؤں اور مجھے غسل و کفن مل جائے تو ان ناخنوں کو میری آنکھ، کان اور منہ پر رکھا جائے، پھر میری نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور دفن کر دیا جائے۔ میرا معاملہ خدا کے حوالے ہوگا۔ معاویہ اس کے بعد کچھ نہ بولا۔

یزید بھی اُٹھ کر باہر چلا گیا اور شام کے ایک مقام "حواران ثنیہ" پر شکار کے لیے چلا گیا۔ ضحاک کو یزید نے کہا: میں شکار پر جارہا ہوں اور تم مجھے میرے بابا کے حالات کی خبر دیتے رہنا۔ دوسرے دن معاویہ مرگیا۔ یزید اس کے پاس موجود نہ تھا۔ معاویہ کی بادشاہی کا دورانیہ ۱۹ سال اور تین ماہ کا تھا۔ وہ دمشق میں مرگیا اور روزِ وفات رجب، بروز اتوار، ۶۰ ہجری اور ۷۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔

یزید کا خلیفہ بن کر پہلا خطاب کرنا

تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ معاویہ کے مرنے کے بعد ضحاک باہر آیا۔ اُس نے معاویہ کی جوتیاں اٹھائی ہوئی تھیں اور کسی سے بات نہ کی، حتیٰ کہ مسجد اعظم میں آیا، لوگوں کو بلایا، منبر پر گیا۔ حمد و ثناء کے بعد کہا: اے لوگو! معاویہ فوت ہو گیا ہے اور فنا کا شربت پی لیا ہے۔ یہ اس کی جوتیاں ہیں ابھی ان کو دفن کریں گے، تم لوگ ظہر کی نماز اور دیگر نمازوں میں آئیں۔ پھر وہ منبر سے اُترا اور یزید کو یہ خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! حمد وثنا اس خدا کی جس کی صفتِ بقا ہے اور صفتِ فنا بندوں کے لیے ہے۔ اس نے فرمایا ہے:
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (سورۂ رحمٰن، آیہ ۲۶)

ضحاک تمہیں خلافتِ رسولؐ کی مبارک دیتا ہے کہ تمہیں آسانی سے خلافت مل گئی اور تعزیت پیش کرتا ہے کہ معاویہ وفات پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعون!

جب یزید کو اس مضمونِ خط سے اطلاع ہوئی تو وہ بہت جلدی واپس آئیں، تا کہ لوگوں سے دوبارہ اپنی خلافت کی بیعت لیں۔ والسلام۔

جب یہ خط یزید کے پاس پہنچا اور اُس نے پڑھا تو اُس نے فریاد کی اور رونے لگا۔ کچھ وقت روتا رہا۔ پھر کہا۔ گھوڑوں کو لگامیں ڈالیں، زینیں رکھیں اور دمشق کی طرف روانہ ہوں۔ وہ وفاتِ معاویہ سے تین دن کے بعد دمشق پہنچا۔
لوگوں نے اس کا استقبال کیا اور وہ رویا اور سیدھا باپ کی قبر پر آیا اور بیٹھ گیا اور بہت رویا اور لوگ بھی اس کی موافقت میں روتے تھے اور ایک سبز گنبد جس کو معاویہ نے بنایا تھا کی طرف دیکھا۔ اس وقت یزید نے سیاہ ریشم کی پگڑی باندھی ہوئی تھی اور باپ کی تلوار حمائل کی ہوئی تھی۔ پھر اس سبز گنبد کے پاس آیا۔ لوگ بھی اس کے دائیں بائیں تھے۔ جب اس گنبد میں آیا تو یہاں بہت سے لباس دیکھے جو ایک دوسرے پر پڑے ہوئے تھے۔ یزید ان پر بیٹھا اور لوگ اس کو مبارک باد دے رہے تھے اور باپ کی تعزیت کر رہے تھے۔

پھر یزید نے کہا: اے اہلِ شام! تمہیں بشارت ہو کہ ہم حق اور دین کے ناصر ہیں اور خیر وسعادت ہم ہی ہیں۔ جان لو کہ عنقریب میرے اور اہلِ عراق کے درمیان ایک جنگ ہوگی، کیونکہ میں نے پچھلی راتوں میں خواب میں دیکھا ہے کہ میرے اور اہلِ عراق کے درمیان خون کی ندی بہہ رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ندی سے گزر جاؤں لیکن نہ گزر سکا تو عبیداللہ بن زیاد میرے آگے لگا اور وہ ندی سے گزر گیا اور میں دیکھتا رہ گیا۔

اکابرین شام نے کہا: ہم سب جنگ کے لیے تیار ہیں، تمہارے حکم بلکہ اشارہ کے تابع ہیں، جس طرف اور جب حکم کرو گے ہم ادھر چلے جائیں گے۔ اہلِ عراق ہمیں جانتے ہیں جو تلواریں صفین میں تھیں وہی ہمارے ہاتھ میں ہیں۔
یزید نے کہا: مجھے اپنی جان اور سر کی قسم کہ اسی طرح ہے۔ میں نے اپنے امور تمہارے اُوپر سے اُٹھا لیے ہیں۔ میرا باپ تمہارے اُوپر مہربان تھا اور عرب میں میرے باپ سے زیادہ کوئی سخی، مروت والا اور خاضع اور بزرگوار نہ تھا۔ وہ بلاغت کا بادشاہ تھا، اس کی بات میں کبھی لکنت نہ تھی اور آخر دم تک وہ ایسے رہا۔
سب سے دُور واقع آخری صف میں سے ایک شخص نے آواز دی: اے دشمنِ خدا، تو نے جھوٹ بولا ہے۔ ہرگز معاویہ

ان صفات کا مالک نہ تھا۔ یہ اوصاف تو محمد مصطفیٰؐ کی ہیں اور تو اور تیرا خانوادہ ان صفاتِ حسنہ سے آشنا تک نہیں ہے۔

لوگوں نے اس شخص کی یہ بات سنی تو برہم ہوگئے لیکن اس شخص نے اپنی جان کے خطرے کے پیشِ نظر اپنے آپ کو اجتماع سے ایک طرف کرلیا۔ اس لیے جس قدر تلاش کی وہ شخص نہ مل سکا تو لوگ خاموش ہوگئے۔

ایک شخص یزید کا دوست مسمی عطای بن ابی صفّین اُٹھا اور کہا: اے امیر! دشمنوں کی باتوں سے پریشان نہ ہوں، مطمئن رہیں کہ خدا نے تمہیں اپنے باپ کے بعد خلافت عطا کی ہے۔ تم ہمارے خلیفہ ہو اور تمہارے بعد تمہارا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوگا۔ ہمیں تم اور تمہارے بیٹے سے افضل کوئی شخص نظر نہیں آتا۔

یزید نے اس شخص کی تعریف کی اور اس کو عطا کی پھر وہ اُٹھا اور حمد و ثنا کی اور رسولِ پاکؐ پر درود بھیجا اور کہا: اے لوگو! معاویہ ایک بندہ تھا اور خدا نے اس کو اپنے پاس بلالیا ہے۔ اس کے بعد والے موجود ہیں اور رہیں گے، اگرچہ وہ ایسا خلیفہ نہ تھا جس طرح اس سے پہلے تھے۔ میں اس کی تعریف نہیں کرتا کیونکہ خدا بہتر جانتا ہے اگر اس کے وہ گناہ معاف کردے تو اس کی رحمت کے کمال سے بعید نہیں اور اگر اس کو عتاب کرے تو بھی امید ہے کہ آخر رحمت فرمائے گا۔ آج میں خلیفہ ہوں، اپنے حق کے مطالبہ میں تقصیر نہیں کروں گا اور جہاں تک ممکن ہوا خلافت کے امور کو انصاف وعدل کی راہ پر چل کر چلاؤں گا۔ والسلام!

یہ کلمے کہے اور بیٹھ گیا۔ لوگوں نے آوازیں دیں: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، اے امیر! ہم تجدیدِ بیعت کرتے ہیں۔ یزید نے کہا: خزانے کا دروازہ کھول دو اور تمام امراء، شخصیات، اکابر، معروف حضرات، کمزور اور شریف تمام کو وافر مقدار میں مال ہدیہ کریں۔ پس یزید نے اطراف کو خطوط لکھے اور اپنی بیعت کا مطالبہ کیا۔

یزید کے ظلم کی ابتداء اور مدینہ کی طرف خط

تاریخ فتوح کے مطابق اس وقت مروان والئی مدینہ تھے۔ یزید نے حکومت سنبھالتے ہی اسے معزول اور اپنے چچازاد ولید بن عتبہ کو والئی مدینہ مقرر کردیا لیکن بعض مورخین ولید کو ازطرف معاویہ حاکمِ مدینہ بنانا لکھتے ہیں۔ البتہ اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ یزید نے خط ولید بن عتبہ کو لکھا اور اس میں تاکید کی کہ حضرت امام حسینؑ بن علیؑ اور عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے بیعت لیں اور ان کو ملتزم بنائیں۔

یزید کے خط کا متن

اما بعد! فَاِنَّ مَعَاوِيَةَ كَانَ عَبدًا مِن عِبَادِ اللّٰهِ اَكْرَمَهُ اللّٰه وَاسْتَخلَفَهُ وَخَوَّلَهُ وَمَكَّنَ لَهُ ، فَعَاشَ بِقَدَرٍ، وَمَاتَ بِاَجَلٍ فَرَحِمَهُ اللّٰه فَقَد عَاشَ مَحمُودًا وَمَاتَ بِرًّا تَقِيًّا

وَكَتَبَ اِلَيهِ فِي صَحِيفَة

امابعد! فَخُذَ حُسَينًا وَعَبَدَ اللهِ بن عُمَر وَعبدُالله بن الزُّبَير بِالبَيعَةِ اَخذًا شَدِيدًا

لَيسَت فِيهِ رُخصَةٌ حَتّٰى يُبَايِعُوا ...... والسَّلام!

"اے ولید! معاویہ اللہ کے بندوں سے تھا، خدا نے اس کو روئے زمین کی خلافت دی۔ اب وہ فوت ہو گیا ہے۔ اچھی سیرت کا مالک تھا اور مجھے اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا۔ جب میرا خط پڑھو تو امام حسینؑ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر سے ضرور بیعت لو اور ان کو کوئی ڈھیل نہ دو..... والسلام!

ولید کا مروان سے مشورہ

جب ولید خط سے مطلع ہوا تو وہ خوف زدہ اور وحشت زدہ ہو گیا اور خط پر عمل کرنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ اس مشکل سے نجات کے لیے مروان سے مشورہ کیا اور کہا: ان تین شخصوں سے بیعت میں کیا مصلحت ہے؟

مروان نے کہا: مناسب یہ ہے کہ ان کو معاویہ کی موت کی خبر نہ دو اور ان کو بلاؤ اور بیعت یزید کا کہو۔ اگر انھوں نے قبول کیا تو ٹھیک ورنہ ہر تین کو قتل کردے۔ اگر معاویہ کی موت سے وہ باخبر ہو گئے تو مخالفت کے طبل بجائیں گے اور عوام کو اپنی بیعت کے لیے بلائیں گے اور کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ البتہ عبداللہ بن عمر کو مستثنیٰ کرو کیونکہ وہ صلح پسند شخص ہے جنگ و جدال کے خلاف ہے۔ وہ خلافت حاصل کرنے کے لیے خون ریزی کرنے والا نہیں۔ ہاں اگر سب لوگ یک دل اور یک زبان ہو کر خلافت ان کے حوالے کریں تو پھر طالب خلافت ہیں اور راضی اور خوشنود ہوں گے۔

پس اب مصلحت یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کو چھوڑ دے اور امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیر کو بلاؤ، ان سے بیعت لو اور تم جانتے ہو کہ حسینؑ کبھی بیعت نہ کریں گے اور کام جنگ تک پہنچے گا۔ اور خدا کی قسم! اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو حسینؑ سے بات نہ کرتا بلکہ اس کی گردن اڑا دیتا اور اس کام میں مجھے کچھ بھی ڈر اور خوف نہ ہوتا۔

ولید نے سر جھکایا اور ایک گھنٹہ تو وحشت زدہ ہو کر زمین کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر سر بلند کیا اور کہا: کاش! مجھے ماں نے پیدا نہ کیا ہوتا، پھر بہت رویا۔

مروان نے کہا: اے امیر مدینہ! پریشان نہ ہوں بلکہ یزید کے حکم کا اجرا کرنے کی ہمت کریں۔ ابوترابؑ کی اولاد ہماری پرانی دشمن ہے۔ عثمان کو انھوں نے قتل کیا ہے۔ معاویہ سے جنگ کے درمیان انھوں نے ہمارا خون بہایا ہے۔ اگر ہم نے اس کام میں جلدی نہ کی اور حسینؑ موت معاویہ کے واقعہ سے مطلع ہو گئے تو پھر ان پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا اور تیری عزت یزید

کے نزدیک کم ہو جائے گی۔

ولید نے کہا: ان باتوں کو چھوڑ دو اور اولادِ فاطمہؑ کے حق میں اچھائی کے علاوہ کچھ نہ کہو کیونکہ وہ فرزند پیغمبرؐ ہیں۔

بہرصورت ولید نے عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے جوان کو امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیر کو بلانے کے لیے بھیجا۔ اس نے مسجد میں امام حسینؑ کو پیغام پہنچایا۔ فرمایا: تم جاؤ ہم ولید کے پاس آجائیں گے۔

ابن زبیر نے امام حسینؑ سے کہا: ولید ہمیں کیوں بلانا چاہتا ہے؟

حضرت امامؑ نے فرمایا: معاویہ مر گیا ہے، ولید چاہتا ہے کہ معاویہ کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہم سے یزید کی بیعت کرائے۔ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ معاویہ کا منبر سرنگوں ہوگیا اور اس کے گھر آگ لگی ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ معاویہ مر گیا ہے۔

ابن زبیر نے عرض کیا: میرا گمان یہ بھی ہے تو اب آپ کی کیا رائے ہے؟

امامؑ نے فرمایا: میں چند جوان ساتھ لے جاؤں گا، ان کو دروازے پر روک کر خود اندر ولید کے پاس چلا جاؤں گا۔

ابن زبیر نے عرض کیا: میری جان قربان ہو، مجھے ڈر ہے کہ مبادا آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔

حضرت امامؑ نے ایسی کلام فرمائی کہ جس سے اُسے تسکین حاصل ہوئی۔ ابھی باتیں کر رہے تھے کہ ولید کی طرف سے پھر قاصد آ گیا۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: کوئی اور آئے یا نہ آئے میں آ جاؤں گا۔ ولید کا قاصد واپس گیا اور امامؑ کا جواب بتایا۔

مروان نے کہا: حسینؑ نے دھوکا کیا ہے وہ نہیں آئیں گے۔

ولید نے کہا: اس طرح حسینؑ دھوکا دینے والے نہیں ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے چند جوان اپنے ساتھ لیے اور انھیں فرمایا: ولید نے مجھے طلب کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ مجھے ایسا کام کہے گا جو نہیں ہوسکتا لیکن پھر بھی میں اس کے مکر وفریب سے مطمئن نہیں ہوں۔ تم اسلحہ اُٹھاؤ اور میرے ساتھ چلو، تم دروازے پر رُک جانا اور میں اندر جاؤں گا۔ اگر میری آواز بلند ہو تو اندر آ جانا اور اس کو قتل کر دینا۔

پھر حضرت امام حسینؑ ولید کے پاس گئے۔ جب اندر پہنچے تو مروان بھی بیٹھا تھا۔ امامؑ نے فرمایا: صلہ رحم بہتر ہے قطع رحم سے۔ میں نے تمھیں ایک دوسرے کے موافق اور دوست دیکھا تو دل خوش ہوا ہے۔ خدا ہمیشہ تمہارے درمیان اصلاح فرمائے۔ اُنھوں نے امامؑ کے اس کلام کا جواب نہ دیا بلکہ ولید نے معاویہ کی موت کی خبر دی تو حضرتؑ نے کلمۂ استرجاع (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون) پڑھا۔

پھر ولید نے بیعت کے متعلق یزید کا خط پڑھ سنایا تو حضرتؑ نے فرمایا: تو مخفیانہ بیعت پر راضی اور قانع نہ ہوگا۔ پس بہتر ہے کھلے عام بیعت کروتا کہ تمام لوگوں کو پتہ چلے لہٰذا صبح ہوگی جو مناسب ہوگا وہ کریں گے۔ چونکہ ولید صلح پسند بندہ تھا اس نے کہا: خدا کے لیے بیعت کے لیے آئیں۔

مروان مردود نے کہا: خدا کی قسم! اگر حسینؑ بغیر بیعت کے چلے گئے تو ان پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے جب تک قتلِ عام نہ ہو جائے۔ ابھی حسینؑ کو پابند کرو اور بیعت کراؤ، اگر بیعت کریں تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیں۔

اس وقت امام حسینؑ نے مروان سے فرمایا:

یَابنُ الزَّرقَاءِ اَتَقتُلنِی اَم ھُوَ کَذَبتَ

''اے گندھی آنکھ والی عورت کے بیٹے! تو مجھے قتل کرے گا یا وہ یہ جھوٹ ہے تم میں سے کسی کی یہ جرأت نہیں''۔

پھر حضرتؑ نے ولید سے فرمایا: ہم رسالت و نبوت کے اہلِ بیتؑ اور ملائکہ کے نزول کا محل ہیں۔ مِثلِی لَا یُبَایِعُ مِثلَ یَزِید، ''مجھ جیسا شخص یزید جیسے شخص (شراب خور، فاسق، فاجر) کی بیعت کیسے کر سکتا ہے''۔ اور پھر اپنے جوانوں کے ساتھ واپس گھر آ گئے۔ مروان نے ولید سے کہا: تو نے میرا کہنا نہیں مانا اور اس کو قتل نہیں کیا اب ان پر تیرا ہاتھ ڈالنا مشکل ہے۔

ولید نے کہا: افسوس تم پر ہے، کسی اور کو ملامت کر۔ مجھے اس کام کی رہنمائی کرتا ہے جس میں میری دینی ہلاکت ہے۔ ہرگز مجھے پسند نہیں کہ ان کو قتل کروں اور اگر بیعت کا انکار کریں تو بھی ان کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کی قسم! وہ تو اطاعتِ خدا کا میزان ہیں۔ اگر کوئی ان کے خون سے ہاتھ آلودہ کرے تو خدا کے نزدیک وہ مردود ہے۔

مروان چونکہ ان باتوں کا قائل نہ تھا لہٰذا اُس نے ان پر یقین نہ کیا لیکن مجبوراً مذاق اور تمسخر کے طور پر تائید کر دی۔

مؤلف کہتا ہے: ولید اور امام حسینؑ اور مروان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ ستائیس رجب کی رات تھی۔ حضرتؑ گھر آئے تا کہ کل دوبارہ بیعت کے لیے ولید کے پاس جائیں۔

تاریخ اَعثم کوفی نے ولید، مروان اور امام حسینؑ کے درمیان گفتگو کو یوں نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا: مجھے اس وقت دربار میں کیوں بلایا ہے؟

ولید نے کہا: یزید کی بیعت کے لیے جس کی بیعت تمام مسلمانوں نے کر لی ہے اور اس پر راضی ہیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: یہ کام بہت بڑا ہے مخفیانہ ہونا تمہارے لیے مفید نہیں۔ کل دوسرے لوگوں سے بیعت لو پھر ہم بھی

آئیں گے اور جو مناسب ہوا کریں گے۔

ولید نے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ نے اچھی بات کی اور میرا بھی یہی گمان تھا، اب واپس جائیں تا کہ کل مسجد میں لوگ جمع ہوں۔

مروان نے کہا: اے امیر! تو بھول گیا ہے، ان کو نہ چھوڑو بلکہ قید کرلو یا اپنے پاس بٹھالو اور گردن اڑا دو کیونکہ اگر حسینؑ یہاں سے چلے گئے تو پھر ان پر قادر نہ ہوگا۔

امام حسینؑ نے جلال میں آ کر فرمایا: کس شخص کی جرأت ہے کہ میرے بارے میں تند نظر کرے، اے بدکارہ عورت کے بیٹے! تو میری گردن اڑانے والا ہے اُٹھ اور مجھے قتل کر۔

پھر ولید سے امامؑ نے فرمایا: کیا تو نہیں جانتا کہ ہم اہلِ بیت رسالت، رحمت کا محل اور ملائکہ کے نزول کا مقام ہیں؟ اور وہ شرابی، فاسق و فاجر ہے۔ میں کل صبح آؤں گا اور جو کہنا ہوگا لوگوں کے سامنے کہوں گا۔

امامؑ نے یہ کلمات بلند آواز سے کہے، امامؑ کے ساتھی تلواریں نیاموں سے نکال کر اندر جانے والے تھے کہ امامؑ باہر آ گئے اور ان کو روک لیا اور واپس گھر چلے گئے۔

مروان نے ولید سے کہا: تم نے میری بات نہیں سنی اور حسینؑ کو قید نہیں کیا اب وہ ہماری گرفت سے نکل گئے ہیں۔ اب وہ ہمارے ہاتھ نہیں آ سکتے۔ خدا کی قسم! اگر ان کو قید یا قتل کر دیتے تو غوغا اور شور شرابے سے نجات مل جاتی۔

یہی بات ہو رہی تھی کہ ایک شور بلند ہوا اور مدینہ والوں کا ایک گروہ ولید کے پاس آیا اور کہا: عبداللہ بن مُطیع کو کس جرم میں قید کیا ہوا ہے؟ ابھی حکم دو اور اسے آزاد کر دو ورنہ ہم خود ان کو زندان سے رہا کرا لیتے ہیں۔

مروان نے کہا: اسے یزید کے حکم سے قیدی کیا ہے، اور مصلحت یہ ہے کہ ہم اور آپ یزید کو خط لکھتے ہیں جو اس نے جواب دیا اس پر عمل کریں گے۔

ابوالجہم حذیفہ العدی نے کہا: ہم خط لکھیں اور خط شام پہنچے اور پھر جواب آئے تو کیا اتنے دنوں تک وہ قید میں رہیں گے؟

عبداللہ بن مُطیع کے رشتہ دار اُٹھے اور کہا: ہم اس کو قید میں کسی صورت نہیں رہنے دیں گے۔ پس وہ زندان میں آئے اور عبداللہ بن مُطیع کو زندان سے آزاد کرایا اور کوئی شخص ان کے آگے مانع نہ ہوا۔

ولید اس بے حرمتی سے پریشان ہوا، ارادہ کیا کہ یہ حالت یزید کو لکھے اور بنی عدی کی شکایت کرے لیکن بعد میں مصلحت کی وجہ سے خط نہ لکھا۔ بہرصورت دوسرے دن امام حسینؑ اپنے گھر سے باہر آئے تا کہ معلوم کریں کہ حالات کیسے ہیں؟

مروان آپ کو راستے میں ملا اور کہنے لگا: اے ابا عبداللہ! میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں اور اس میں صرف آپ کی بہتری چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یزید کی بیعت کرلیں تا کہ کوئی تکلیف اور مشقت نہ دیکھیں اور اس کے علاوہ فتنہ کی آگ بھی بجھ جائے گی۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، آج اسلام اس قدر کمزور ہوگیا ہے اور مسلمان مصیبت میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ اے مروان! یزید کون ہے کہ تو اس کی بیعت کا مطالبہ کرتا ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ شرابی، زانی، فاسق اور فاجر ہے۔ تیری نصیحت بہت بُری اور بلاسود ہے۔ میں تیری اس نصیحت پر جو ہزار ملامت سے بدتر ہے، تیری مذمت نہیں کرتا کیونکہ تجھ سے یہی توقع ہے۔ تو ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا کہ رسولؐ خدا نے تجھ پر لعنت کی تھی۔

اے دشمنِ خدا! تو نہیں جانتا کہ ہم رسولؐ کے اہلِ بیتؑ ہیں اور ہمیشہ ہماری زبان پر حق جاری رہا ہے اور جدِ امجد محمد مصطفیٰؐ نے فرمایا: ''خلافت آلِ سفیان پر حرام ہے''۔ جب معاویہ کو منبر پر دیکھو تو پیٹ پھاڑ دو۔ خدا کی قسم! اہلِ مدینہ نے معاویہ کو منبر پر بیٹھا دیکھا اور کچھ نہ کہا اور میرے جد کے کلام کا احترام نہ کیا لہٰذا خدا نے ان پر یزید کو مسلط کر دیا۔

مروان کو امام کی باتوں پر غصہ آیا اور کہنے لگا: خدا کی قسم! میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک آپؑ یزید کی بیعت نہیں کرتے۔

امامؑ نے فرمایا: اے پلید دُور ہو جاؤ! ہم اہلِ بیت طہارت ہیں اور خدا نے ہماری شان میں فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

مروان نے سر جھکا لیا اور کچھ نہ بولا۔ پھر امامؑ نے چند جملے مروان مردود کی مذمت اور ملامت کے لیے فرمائے کہ وہ غصہ میں آ گیا اور ولید کے پاس گیا اور اسے تمام گفتگو سنائی۔ پھر اس گفتگو کو یزید کی طرف لکھا گیا۔

عبداللہ بن زبیر کا فرار اور عبداللہ بن مُطیع کا گرفتار ہونا

اس خط کے یزید کی طرف روانہ کرنے کے بعد ولید نے عبداللہ بن زبیر کو بلایا تو عبداللہ بن زبیر نے کہا: میں خود ولید کے پاس آ جاؤں گا اور ویسے کروں گا جیسے امیر کا حکم ہے۔ ولید کو قاصد نے عبداللہ کا پیغام دیا۔ ولید نے دوبارہ قاصد بھیجا اور کئی بار بھیجا اور آخری بار ولید کے غلاموں سے کہا: اے عبداللہ آؤ اور امیر کی بیعت کرو ورنہ وہ تمہیں قتل کروا دے گا۔

عبداللہ کا بھائی جعفر ولید کے پاس آیا اور عرض کیا کہ عبداللہ کی طلب میں جلدی نہ کرے تو ولید نے عبداللہ کے نہ آنے کی وجہ پوچھی۔ جعفر نے کہا: چونکہ آپ کے مامورین بار باران کے پیچھے گئے ہیں اس لیے عبداللہ کو شک پڑ گیا ہے اور وہ ڈر گیا

ہے۔اب مصلحت یہ ہے کہ آج صبر کریں اپنے ماموروا پس بلالیں تو کل وہ خود آپ کے پاس آ جائے گا۔

ولید نے کہا: یہ ٹھیک ہے مجھے اور تیرے بھائی جیسوں کے لیے خدا نے فرمایا ہے: اِنَّ مَوعِدَھُم الصُّبحُ ، اَلَیسَ الصُّبحُ بِقَرِیبٍ (سورۂ ہود، آیہ ۸)

پس اپنے مامور واپس بلائے۔ جب رات ہوئی تو عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائیوں کو بلایا اور کہا: مناسب یہ ہے کہ آج رات ہم یہاں سے نکل کر مکہ چلے جائیں۔تم معروف راستے سے جاؤ اور میں غیر معروف راستوں سے آؤں گا کیونکہ مجھے یقین ہے ولید مامورین کو بھیجے گا جب مجھے گھر میں نہ پائیں گے تو تلاش پر نکلیں گے اور میری تعقیب کریں گے لہٰذا میں غیر معروف راستوں سے سفر کرتا ہوں۔

عبداللہ کے بھائی شاہراہِ اعظم پر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور عبداللہ اپنے بھائی جعفر کے ساتھ مدینہ سے غیر معروف راستوں کے ذریعے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

دوسرے دن ولید نے عبداللہ کو بلایا تو اسے گھر میں نہ پایا تو معلوم ہوا کہ وہ فرار کر گیا ہے۔ ولید کو غصہ آیا اور مروان نے کہا: جب امیر نصیحت کرنے والوں کی نصیحت کو قبول نہ کرے اور مصلحت اندیشی کا خیال نہ کرے تو یہی ہوتا ہے۔ عبداللہ مکہ کے علاوہ کہیں نہیں جاسکتا۔ اب اس کی گرفتاری کے لیے افراد بھیجو تا کہ اسے گرفتار کرلائیں۔ چنانچہ ۸۰ افراد گھڑسوار بنی اُمیہ کے ایک شخص کی سالاری میں بھیجے گئے تا کہ جہاں بھی اُسے دیکھیں گرفتار کرلائیں۔

ان لوگوں نے بہت گھوڑے دوڑائے لیکن اس کو نہ پاسکے۔ ولید اس دن ابن زبیر کی گرفتاری کی مصروفیات کی وجہ سے امامؑ کی ملاقات سے منصرف ہوگیا۔ سارا دن گھوڑے دوڑانے کے باوجود ابن زبیر گرفتار نہ ہوسکا۔ ولید پریشان ہوا اور چند مامورین کو بھیجا کہ ابن زبیر کے رشتہ داروں اور غلاموں کو گرفتار کرلائیں اور قید کردیں۔

ابن زبیر کے چچازاد مسمّی عبداللہ بن مُطیع کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا۔ اس وقت ابن زبیر کا ایک رشتہ دار عبداللہ بن عمر کے پاس گیا اور اسے کہنے لگا: ولید نے عبداللہ بن مُطیع کو بے گناہ قید کردیا ہے اور آپ اسے نجات دلائیں تو ٹھیک ہے ورنہ ہم خود جا کر جنگ وجدال کر کے اُسے آزاد کرائیں گے اور اگر ہم مارے گئے تو بھی پروا نہیں۔

عبداللہ بن عمر نے کہا: جلدی نہ کرو اور شوروغل نہ کرو تا کہ ہم سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرسکیں۔ پس مروان کو بلایا اور اسے بہت نصیحت کی اور کہا: ظلم وستم کرنا چھوڑ دو تا کہ خدا تمہاری مدد کرے۔ عبداللہ بن مُطیع کو کس جرم میں قیدی بنالیا ہے؟

انہی حالات میں یزید کا جواب (ولید ومروان کے خط کا) پہنچا جس کا متن یہ تھا کہ تمہارا خط پہنچا، مطلب معلوم ہوگیا ہے۔ جنہوں نے بیعت میں رغبت کی ان کا پتہ چل گیا ہے۔ عبداللہ بن زبیر کو اپنے حال پر چھوڑ دو وہ پکڑا جائے گا۔ لومڑی

چاند سے کہاں چھپ سکتی ہے اور امام حسینؑ کا حال بتاؤ۔ اگر ویسا کرو جیسا میں نے لکھا تو بہت انعام ملے گا۔ اس کے علاوہ تجھے اپنی افواج کا سالار بنا دوں گا تاکہ دولت ونعمت کا مالک بن سکو۔

جب خط ولید کے پاس آیا اور اُس نے پڑھا تو بہت پریشان ہوا اور کہا: لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ، اگر یزید مجھے تمام دنیا اپنی تمام چیزوں کے ساتھ دے تو بھی میں امام حسینؑ کے خون بہانے میں شریک نہ ہوں گا۔

امام حسینؑ کا روضۂ رسولؐ پر اُمت کے مظالم کی شکایت کرنا

پہلے ہم نے کہا: حضرت امام حسین علیہ السلام ولید کے دربار سے گھر تشریف لائے۔ جب رات ہوئی تو اپنے جدامجد کی مطہر ومنور قبر کی زیارت کے لیے گئے اور عرض کیا:

اے نانا! اے رسولؐ اللہ! میں حسینؑ بن علیؑ آپؐ کا بیٹا اور آپؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ میں اس اُمت میں آپؐ کی یادگار ہوں۔ میری اطاعت کا آپؐ نے حکم دیا گواہ رہنا کہ اُمت نے میری کوئی مدد نہ کی اور میری قدر ضائع کردی۔ میری حرمت اور میری قرابت کا کوئی لحاظ نہ رکھا، اب میں شکایت لے کر آیا ہوں۔ پھر نماز میں مشغول ہوگئے اور صبح تک رکوع وسجود میں مصروف رہے۔

ولید نے تحقیق کے لیے کسی کو امام حسینؑ کے گھر بھیجا چونکہ آپ اپنے گھر نہ تھے تو ولید کو اطلاع دی تو ولید نے کہا: حمدِ خدا ہے کہ وہ اس شہر سے چلے گئے اور ہم ان کے خون کے بارے میں مزید امتحان میں مبتلا نہ ہوئے۔ حضرتؑ صبح کو گھر پہنچے، دوسری رات جنابِ مصطفیؐ کی مقدس تربت پر آئے اور کئی رکعت نماز پڑھی۔ نماز سے فراغت کے بعد حق سبحانہٗ سے مناجات کی۔ آپؑ مناجات میں یوں کہہ رہے تھے:

''خدایا! یہ تیرے پیغمبرؐ محمد بن عبداللہ کی تربت ہے، میں اس کی بیٹی کا بیٹا ہوں، جو واقعہ پیش آیا ہے تو جانتا ہے اور تو میرے حال سے آگاہ ہے۔ نیز میرے ضمیر سے بھی آگاہ ہے۔ تو جانتا ہے کہ میں نیکی کو اچھا سمجھتا ہوں اور منکر سے نفرت کرتا ہوں۔ اے خدایا! اس تربتِ پاک کے حق کی قسم! اور اس قبر میں سونے والے کے حق کی قسم! کہ جو چیز تیری اور تیرے پیغمبرؐ کی رضا ہے وہ مجھے بتا دے اور میرے لیے آسان فرمادے۔ پھر بہت روئے اور سرِ پاک پیغمبرؐ کی قبر پر رکھ دیا۔ آپ روتے روتے سو گئے تو خواب میں اپنے نانا رسولؐ اللہ کو دیکھا کہ فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ آرہے ہیں۔ کچھ دائیں طرف ہیں اور کچھ بائیں طرف ہیں۔ کچھ پیچھے اور کچھ مثلِ فوج کی طرح آگے آگے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے آپ کو سینے سے لگا لیا، پیشانی کو چوما اور فرمایا: بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں عنقریب ایک گروہ جو اسلام کا دعوے دار ہوگا تمہیں کربلا کی زمین پر قتل کردے گا۔ تم پیاس

سے نڈھال ہوگے لیکن وہ پانی نہ دیں گے اور باوجود اس کے کہ وہ میری شفاعت کے امیدوار بھی ہوں گے۔ خدا میری شفاعت ان لوگوں کو نصیب نہ فرمائے اور اس دن ان کو ذرا بھر فائدہ نہ ہو۔ اے میرے فرزند! تمہارے والدین میرے پاس ہیں اور تمہاری ملاقات کی آرزو میں ہیں اور آپ کے لیے بہشت میں کچھ ایسے درجے ہیں کہ جو شہادت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔

امامؑ نے عرض کیا: اے نانا! مجھے قبر میں اپنے پاس بلالیں کہ مجھے دنیا میں پلٹ کر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: سعادتِ شہادت کو حاصل کرو تو پھر تم ان درجات اور ثواب کو حاصل کرسکو گے۔

پھر امامؑ نیند سے بیدار ہوئے تو اپنے خواب کا اپنے اہلِ بیتؑ سے ذکر فرمایا۔ اہلِ بیتؑ بہت پریشان ہوئے یہاں تک کہ اس دن اہلِ بیتؑ کے اُوپر اس قدر غم تھا کہ زندگی بھر میں ایسا غم دیدہ دن نہ دیکھا۔

آغازِ قیامِ سید مظلومان از مدینہ

نواسۂ رسولؐ نانا کے مزار پر خواب دیکھنے کے بعد گھر آئے اور گھر والوں کو خواب سنایا اور پھر اس شب سے دو شب بعد (فوراً) مدینہ سے نکل جانے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ نیم شب آپؑ قبرِ رسولؐ پر آئے، نماز پڑھی اور ناناؐ کو الوداع کہا اور گھر واپس آگئے۔ صبح کے وقت محمد بن حنفیہ آپؑ کے گھر آئے اور عرض کیا: بھائی جان! میری جان آپؑ پر قربان ہو میرے لیے آپؑ سے زیادہ افضل کوئی نہیں ہے اور آپؑ مجھے اپنی جان سے عزیز اور پیارے ہیں۔ گویا حکمِ اخوت کے سبب ہم دونوں ایک صُلب سے ہیں۔ آپؑ میرے لیے اس کے مانند تھے اور اہلِ بیتؑ کے بزرگ اور بڑے آج آپ ہیں اور بہشت میں جانے والے سادات سے ہیں۔ میں آپ کو نصیحت کرنے آیا ہوں، آپ میری نصیحت قبول فرمائیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: بھائی! کیا فکرمندی ہے، آپ کا قول میرے لیے بغیر کسی غرض کے ہے۔

محمد بن حنفیہ نے عرض کیا: مصلحت یہ ہے کہ آپ ان شہروں سے جو یزید کے قریب ہیں دُور ہو جائیں تا کہ لوگوں سے اپنی بیعت طلب کرسکیں۔ اگر یہ لوگ آپؑ کی بیعت کریں اور اطاعت کریں اور شکر بجالائیں اور اگر آپ کی بیعت نہ کریں تو یہ آپؑ کے دین اور فضل و مروت کے لیے قطعاً نقصان دہ نہیں۔

اس بات سے مجھے ڈر ہے کہ آپؑ کسی شہر میں جائیں اور کچھ لوگ آپؑ کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں۔ اگر کچھ لوگ آپؑ کے مخالف ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ لڑائی جھگڑا ہوگا اور آپؑ کو شہید کر کے آپؑ کے خون کو ضائع کردیں گے۔

حضرتؑ نے فرمایا: آپ نے اچھی نصیحت کی۔ اب بتاؤ کس شہر میں جاؤں؟

محمد بن حنفیہ نے کہا: پہلے مکہ جائیں، اگر اہلِ مکہ آپؑ کی بیعت کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ یمن چلے جائیں کہ اہلِ یمن ضرور آپؑ کی بیعت کرلیں گے۔ اگر وہ بھی آپؑ کی اطاعت نہ کریں تو پھر پہاڑوں میں چلے جانا اور ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہنا اور مناسب وقت کا انتظار کرتے رہنا۔

حضرتؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر میرا دنیا میں کوئی بھی مددگار نہ ہوا تو بھی یزید کی بیعت نہیں کروں گا کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نفرت کی ہے۔ اللهم لا تبارك في يزيد۔ پھر دونوں بھائی اس قدر روئے کہ ریش ہائے مبارک تر ہو گئیں۔

محمد بن حنفیہ کا ارادہ تھا کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے نکلیں لہٰذا سامانِ سفر بھی حاضر کیا لیکن حضرتؑ نے وہیں رکنے کا حکم دیا اور فرمایا: آپ ہمارے اسی شہر مدینہ میں رہو اور میری طرف سے حکومتی کاموں پر ناظر رہو اور حالات و واقعات میری طرف پہنچاتے رہنا۔ پھر امامؑ نے یہ وصیت نامہ محمد بن حنفیہ کے لیے لکھا۔

وصیت نامہ امامِ مظلوم برائے محمد بن حنفیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یہ وہ وصیت ہے جو حسین بن علیؑ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو لکھا۔ حسینؑ گواہی دے رہا ہے کہ لا اله الا الله هو وحدهٗ لا شريك له ، وان محمدًا عبدهٗ ورسوله۔ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمدؐ حق کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں، اور جنت وجہنم حق ہے، قیامت حق ہے اور اللہ کا قبروں سے مبعوث کرنا حق ہے۔

وَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشِرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا مُفْسِدًا وَّلَا ظَالِمًا وَ اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الاِصْلَاحِ فِیْ اُمَّةِ جَدِّیْ ، اُرِیْدُ اَنْ اٰمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَسِيْرُ بِسِيْرَةِ جَدِّیْ وَاَبِیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ

"یعنی میں نے قیام شروع کیا، میرا ارادہ فساد، تکبر اور حصولِ حکومت نہیں، بلکہ اپنے ناناؐ کی اُمت کی اصلاح کے لیے نکلا ہوں، تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور اپنے ناناؐ اور باباؑ کی سیرت پر چلوں، جو شخص میرے نظریے کو قبول کرے وہ حق کو قبول کرے گا اور حق اولیٰ ہے جس نے انکار کیا میں صبر کروں گا یہاں تک کہ میرے اور میری قوم کے درمیان اللہ حق کا فیصلہ کرے۔ وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے"۔

اے بھائی! میری یہ وصیت تمہارے لیے ہے، وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب

عبداللہ بن عباس کی امام حسینؑ سے گفتگو

جب عبداللہ بن عباس امام حسین علیہ السلام کے مدینہ سے مکہ کے لیے خروج کے ارادے سے مطلع ہوئے تو آئے اور عرض کیا کہ میں تو یہ مصلحت دیکھتا ہوں کہ جس طرح ایامِ معاویہ میں صبر کیا ہے، ایامِ یزید میں بھی صبر کرلو حتیٰ کہ حکمِ الٰہی سے کوئی حل نکل آئے جس میں آپؑ کا مقصد اور ہدف بھی پورا ہو جائے۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: کیا کہہ رہے ہو، میں یزید کی بیعت کرنے والا نہیں ہوں کیونکہ رسول پاکؐ نے کچھ اس کے بارے میں فرمایا ہے وہ مجھے معلوم ہے۔

عبداللہ بن عباس نے کہا: آپؑ درست فرماتے ہیں، میں نے خود رسولِؐ خدا سے سنا تھا: لابارك في يزيد کہ وہ میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے حسینؑ کو قتل کرے گا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا کہتا ہے اس جماعت کے افراد کے بارے میں تو جو رسولؐ کی بیٹی کے بیٹے کو گھر اور وطن سے نکالتے ہیں، اور اپنی جد کی تربت کی زیارت اور مجاورت سے محروم کرتے ہیں، اور ڈراتے ہیں تاکہ کسی مقام اور وطن کو قیام گاہ نہ بنا سکے اور اس کا خون بہانے اور قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں حالانکہ اس کا گناہ بھی کوئی نہیں ہے۔

عبداللہ نے کہا: میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کہتا کہ ایسے لوگ کافر ہیں۔ ولا یاتون الصلوٰۃ الا وھم کسالی ولا یذکرون اللہ الا قلیلًا فلَن تجد له سبیلًا۔

اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ امیر، نیک سرور، فرزندِ بنت رسولؐ اور علیؑ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ یہ خیال نہ کرو کہ خدا تعالیٰ ظالموں کے افعال سے غافل ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جو شخص آپؑ کے جد کی مجاورت اور محبت سے منہ پھیر لے اس کا دنیا اور آخرت میں کوئی مقام اور حصہ نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے اللہ گواہ رہنا۔

ابن عباسؓ نے کہا: میری جان آپؑ پر قربان ہو، آپؑ جو اس طرح اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں اور مجھے اپنے واقعے سے آگاہ کر رہے ہیں۔ اگر میرے تعاون اور نصرت کی ضرورت ہو تو خدا کی قسم! آپؑ کی حمایت میں اس قدر تلوار اس وقت تک چلاتا رہوں گا، کہ میرے دونوں ہاتھ کٹ کر گر جائیں تو بھی آپؑ کا حق ادا نہیں ہوگا۔

عبداللہ بن عمر کی امام حسینؑ سے گفتگو

عبداللہ بن عمر نے کہا: اے فرزند عباس! ان باتوں کو چھوڑو اور پھر امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: اے

اباعبداللہ! اپنے ارادے کو فسخ کر دیں اور ہمارے ساتھ یزید کی بیعت کرلیں اور اپنے گھر، اپنے ناناؐ کے حرم سے دُور نہ ہوں۔ اگر یزید کی بیعت نہ کرو گے تو آپؑ سے بیعت زبردستی لی جائے گی اور وہ آپ کو امن اور سکون سے وطن میں نہیں رہنے دیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں ان باتوں پر لعنت کرتا ہوں، کیا میں اپنے نظریہ میں غلط ہوں کہ تم مجھے اس سے بچنے کی بات کررہے ہو۔

عبداللہ بن عمر نے کہا: آپؑ غلطی پر نہیں ہیں، یہ ممکن نہیں کہ خداوند متعال دختر رسولؐ کے فرزند کو غلطی پر رکھے، لیکن آپؑ نے نہیں سنا کہ کبھی زمانہ اُلٹی چالیں چلتا ہے۔ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ دشمن آپؑ کی طرف متوجہ نہ ہوجائیں اور وہ ایسا کام کریں جسے آپؑ برداشت نہ کرسکیں، لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ ہم سے اتفاق کریں اور مدینہ میں ہمارے ساتھ بیعت کرلیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں یزید کی بیعت کبھی نہیں کروں گا بلکہ اپنے ناناؐ کی سنت اور باباؑ کی سیرت پر چلوں گا۔ جو شخص میری اتباع کرے گا تو اُس نے حق کو قبول کیا اور اُسے سعادت و سلامتی ملے گی۔ لیکن جو شخص انکار کرے گا اور میری اطاعت سے خارج ہوگا اس کے بارے میں صبر کروں گا یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان خود کوئی فیصلہ کردے۔ پھر امامؑ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا: خدا توفیق کو رفیق بنائے، اب تمہیں وداع کرتا ہوں۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اس کے بعد وصیت نامہ اپنے بھائی کو دیا اور ان سے وداع کیا اور اہلِ بیتؑ، اصحاب اور قبیلہ والوں کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

جنابِ اُمِ سلمہؓ کی امام حسینؑ سے گفتگو

جنابِ اُمِ سلمہؓ زوجۂ رسول پاک کو جب اطلاع پہنچی کہ حسین علیہ السلام مدینہ سے جارہے ہیں تو یہ بی بی عصا کے سہارے چلتے ہوئے امام حسینؑ کے پاس آئیں اور عرض کیا: میری گزارش آپؑ سے یہی ہے کہ عراق کی طرف سفر کا ارادہ ترک کردیں اور مجھے فراقت دے کر مزید غمگین نہ کریں کیونکہ آپؑ کے ناناؐ بزرگوار نے مجھے خبر دی ہے کہ آپؑ کو سرزمینِ عراق میں شہید کیا جائے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے نانی اماں! اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ کس دن میں نے قتل ہونا ہے اور اپنے قاتل کو جانتا ہوں اور اپنے مدفن اور اہلِ بیتؑ کے مدفن اور مقتل کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر آپ چاہتی ہیں تو میں اپنا مقتل آپؑ کو

ابھی دکھا سکتا ہوں تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ جو بات آپ کہتی ہیں وہ مجھ سے پوشیدہ اور پنہاں نہیں۔ پھر اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ کیا اور بی بی اُم سلمہؑ نے زمینِ کربلا دیکھی، لشکر، اصحاب کے لاشے اور اولادِ حسینؑ کے بدن دیکھے تو بہت روئیں۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: یہ خدا کی مرضی ہے کہ میں مقتول ہوں اور میری بیٹیاں اور بہنیں قید ہوں اور ان کو شہر بہ شہر پھرایا جائے اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔

اُم سلمہؑ نے عرض کیا: جس دن سے آپؑ کے نانا نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی تو ایک مٹھی خاکِ کربلا بھی اٹھا کر دی جس کو میں نے شیشی میں رکھا ہوا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں خدا کی قسم! مجھے اس زمین پر قتل کیا جائے گا، اگر میں خود کربلا جاؤں تو جہاں بھی ہوں گا وہ مجھے قتل کردیں گے۔ پھر ایک مٹھی خاک کربلا دی اور فرمایا: اس کو دیکھتے رہنا جس دن یہ دونوں مٹی خون بن جائے تو میں قتل ہو چکا ہوں گا۔

عمر بن علیؑ کی امام حسینؑ سے گفتگو

عمر بن علیؑ ابن ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کا انکار کردیا تو میں ان کے پاس پہنچا اور تنہائی میں عرض کیا: یا اباعبداللہ! میری جان آپؑ پر قربان کہ حضرت مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنے بابا سے نقل کیا ہے اور مجھے اس وقت رونا آیا اور میری رونے کی آواز بلند ہوئی اور میں بات نہ کرسکا۔ حضرتؑ نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: میں نے تجھے یہی خبر دی ہے کہ میں شہید ہو جاؤں گا۔

میں نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ محفوظ رہیں۔

فرمایا: حق رسولؐ کی قسم کہ انھوں نے مجھے قتل ہو جانے کی خبر دی ہے؟

میں نے عرض کیا: ہاں کاش کہ یزید کی بیعت کر لیتے۔

حضرتؑ نے فرمایا: مجھے امیرالمومنینؑ نے بتایا تھا کہ خاتم الانبیاءؐ نے فرمایا ہے کہ مجھے اور میرے بابا کو شہادت کے درجے پر لے جائیں گے، میری تربت اور بابا کی قبر مطہر ایک دوسرے کے قریب ہوں گی، کیا تمہارا خیال ہے جو تم جانتے ہو میں نہیں جانتا۔ خدا کی قسم! میں ذلت اختیار نہیں کروں گا۔

بتولؑ عذرا ''جن کی ذُریت نے اُمت کے ان فاسقوں سے یہ اذیتیں اٹھائی ہیں، اپنے بابا کے پاس اُمت کی شکایت کریں گی۔ اور جن لوگوں نے اولادِ زہراؑ کو تکلیفیں پہنچائیں وہ کبھی جنت میں نہیں جاسکتے''۔

چھٹی فصل

مدینہ سے مکہ تک شاہِ مظلوماں کا سفر

مرحوم شیخ مفیدؒ نے الارشاد میں نقل فرمایا ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام اتوار کی رات ۲۹ رجب کو آدھی رات کے وقت مدینہ سے نکلے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب امام حسین علیہ السلام مدینہ سے خارج ہوئے تو ملائکہ کے گروہ در گروہ ملاقات کے لیے آئے جن کے ہاتھوں میں جنگ کا اسلحہ تھا، بہشتی اُونٹوں پر سوار تھے، اُنہوں نے سلام کے بعد عرض کیا: اے مخلوقِ خدا پر حجتِ خدا! ہم نے چند مقامات پر آپؑ کے نانؐا اور آپؑ کی مدد کی۔ اب آپؑ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میری اور تمہاری ملاقات محلِ قبر پر ہوگی اور وہ ایسی زمین ہے کہ جہاں میں شہید ہوں گا اِسے کربلا کہتے ہیں۔ جب وہاں پہنچوں تو وہاں آنا۔

انھوں نے عرض کیا: اے حجتِ خدا! اب کیا حکم ہے کہ ہم اطاعت کریں اور اگر دشمن سے کوئی خطرہ ہے تو ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: وہ مجھ پر راہ نہیں پاسکتے اور نہ مجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں حتی کہ اس زمین میں پہنچ جاؤں۔ پس مومن جنوں کے گروہ محضرِ امامؑ میں آئے اور عرض کیا: اے سردار! ہم آپؑ کے شیعہ اور مددگار ہیں، آپؑ حکم فرمائیں تاکہ ہم عمل کریں۔ اگر دشمن ہیں تو اشارہ فرمائیں کہ ان کا شر تم سے دُور کر دیں اور ان کو ہم کافی ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: آپ کو خدا جزائے خیر دے کیا جو کتاب میری جدّ پر نازل ہوئی ہے اسے نہیں پڑھا کہ اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَ لَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ۔ دوسرا قرآن میں یہ نہیں پڑھا: لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِم (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۵۴)

اگر میں اپنی جگہ پر رہوں تو اس بدطینت مخلوق کا امتحان کیسے ہوگا؟ اور کربلا کی قبر میں کون سوئے گا حالانکہ وہ قبر ''دحو الارض'' کے دن خدا نے میرے لیے بنائی ہے اور شیعوں کی پناہ گاہ بنائی گئی ہے۔ میں روزِ عاشورہ کے آخر لحظات میں قتل ہوجاؤں گا، میرے بعد میرے اہل اور قریبیوں میں سے کوئی بھی باقی نہ بچے گا اور میرے سر کو یزید کے لیے لے جائیں گے۔

جنوں نے کہا: اے حبیبؑ خدا! ہمیں ذاتِ خدا کی قسم! اگر آپ کا حکم واجب الاطاعت نہ ہوتا اور رب کے فرمان کی

مخالفت جائز ہوتی تو آپؑ کے تمام دشمنوں کو قتل کر دیتے۔

حضرتؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ دشمنوں پر قادر ہوں لیکن ہم اپنی قدرت اور توانائی کو استعمال نہیں کریں گے تاکہ جو شخص برباد ہو تو دلیل سے ہو اور جو شخص زندہ ہو تو دلیل سے ہو۔

کلامِ مرزا رفیع در ذریعۃ النجاۃ

ذریعۃ النجاۃ میں مرزا رفیع گرم رودی لکھتے ہیں: اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت امام حسینؑ نے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کوفہ کی طرف کسی حکمت اور مصلحت کے تحت خروج کیا جب کہ حضرت علمِ امامت اور ناناؐ کی روایات سے جانتے تھے کہ ظالموں کا ایک گروہ اس زمینِ کربلا پر انھیں قتل کر دے گا؟

ہمارا جواب یہ ہے: اولاً یہ مسئلہ مشکل مسائل سے ہے کہ اس کا علم خود ان تک محدود تھا اور ہماری کوئی ذمہ داری نہیں بلکہ اس پر مطلع ہونا ہماری کوئی شرعی تکلیف نہیں۔

ثانیاً: معصومین علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ ہمارے عقیدہ کے مطابق کوئی خلافِ شرع یا نافرمانی نہیں کر سکتے خواہ گواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ اس لیے کہ جو وہ کہتے ہیں یا عمل کرتے وہ محبوبِ خدا اور مرضیٔ خدا ہوتا ہے۔ اس بنا پر یہ خروج حضرت امام حسینؑ رضایت خداوند کا مورد تھے۔

ثالثاً: بنی اُمیہ شدتِ عداوت کی وجہ سے جو ان کو حضرتؑ سے تھی ہمیشہ انتظار میں تھے کہ کس طرح ان کو قتل کر دیں اور اس بات کو خود آنحضرتؑ جانتے تھے کہ یہ ظالم مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے، اس لیے انھوں نے فرمایا تھا کہ اگر میں کسی حیوان کے بل میں چھپ جاؤں تو بھی مجھے وہاں سے نکال کر قتل کر دیں گے۔

دوسری طرف سے اہلِ کوفہ نے حضرتؑ کو خطوط لکھے تھے اور ان خطوط میں امام علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت کی، التجا اور التماس کی تھی کہ ہماری رہنمائی کریں اور ظالم و فاسق و فاجر کا شر ہم سے دُور کریں۔ اسی وجہ سے بطورِ اتمامِ حجت حضرت نے مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے کوفہ کی طرف خروج فرمایا۔

رابعاً: بعض اوقات ان ذواتِ مقدسہ معصومین علیہم السلام سے معجزانہ افعال صادر ہوتے ہیں کہ جو عام بشری طاقت سے خارج ہوتے ہیں بلکہ عام لوگوں کی فکر اور سوچ بھی وہاں نہیں پہنچ سکتی۔

باقی سارے اوقات میں زیرِ معمول اور عادت کے مطابق اعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کے علاوہ کسی صورت بعثتِ انبیاء و اولیاءؑ باطل ہے۔ اس پر شاہد وہ روایت ہے کہ مرحوم صدوقؒ نے علل الشرائع اور اکمال الدین میں نقل کی ہے اور شیخ طوسیؒ نے

اس روایت کو محمد بن ابراہیم بن اسحاق طالقانی سے اس طرح بیان کیا ہے کہ محمد بن ابراہیم روایت کرتا ہے کہ میں ایک گروہ کے ساتھ جس میں علی بن موسیٰ القصری تھے۔ شیخ ابوالقاسم حسین بن روح کے پاس گئے تو ایک شخص اُٹھا اور شیخ کی خدمت میں عرض کیا: میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کیا اجازت ہے؟

شیخ نے فرمایا: جو چاہو پوچھو۔

اس شخص نے کہا: آیا حضرت امام حسینؑ ولیٔ خدا تھے یا نہ؟

شیخ نے کہا: ہاں! تھے۔

اس شخص نے کہا: کیا حضرت امام حسینؑ کا قاتل دشمنِ خدا تھا یا نہ؟

شیخ نے فرمایا: ہاں! تھا۔

اس شخص نے عرض کیا: کیا ممکن ہے کہ خدا اپنے دشمن کو اپنے ولی پر مسلط کر دے؟

شیخ نے فرمایا: میں جو کہتا ہوں اس کو سمجھو کہ خدا واضح طور پر آشکارا اپنی مخلوق کو خطاب نہیں کرتا اور خود ان سے کلام نہیں کرتا بلکہ پیغمبر گو ان کی جنس بشر سے مبعوث کر کے کلام کرتا ہے تا کہ وہ پیغمبر حق اور خلق کے درمیان واسطہ رہے۔ اگر پیغمبروںؑ اور رسولوںؑ کو کسی اور صنف سے پیدا کرتا تو لوگ ان سے نفرت اور دُوری اختیار کرتے اور الٰہی قوانین ان سے قبول نہ کرتے۔

پس چوں کہ پیغمبرؑ مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے، انہی کی جنس سے تھے، انہی کی طرح کھاتے، بازار جاتے اور حرکات و سکنات رکھتے تھے اور دوسرے لوگوں کی طرح تھے۔ ان کا اس طرح ہونا سبب بنا کہ لوگوں نے انہیں کہا: آپ ہماری طرح ہیں لہٰذا ہم تمہاری فرمائشات کو قبول نہیں کرتے مگر کوئی معجزہ دکھائیں تا کہ ہمیں معلوم ہو کہ آپ مخصوص انسان (منصوص من اللہ) ہیں۔ پس حق تعالیٰ پیغمبروں کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر کرتا ہے کہ عام بشر ان کاموں کو کرنے سے عاجز ہے۔ مثلاً کسی کو معجزۂ طوفان دیا کہ اس طوفان کے ذریعے باغیوں اور سرکشوں کو غرق کر دیا۔ بعض کو ایسا بنایا کہ جب آگ میں گئے تو جلانے کے بجائے آگ ٹھنڈی ہوگئی، گلزار بن گئی۔ بعض کو یہ معجزہ دیا کہ سخت ترین پتھر سے ایک اُونٹنی نکال لی اور اس کے پستانوں میں سے دودھ جاری کر دیا۔ بعض کو دریا کو روکنے کی طاقت دی اور پتھر سے چشمے جاری کر دیے اور عصا جو خشک لکڑی تھی اسے اژدہا بنا دیا اور وہ اژدہا تمام جادوگروں کے جادو کو نگل گیا۔

بعض کو ایسا معجزہ دیا کہ انھوں نے اندھوں کو آنکھوں والا بنا دیا، برص کے مریض کو شفا دینا اور مُردوں کو زندہ کر دینا وغیرہ جیسے معجزے دیے گئے۔ بعض کو چاند دو ٹکڑے کرنے کی طاقت دی اور حیوانات کو طاقت دی کہ ان سے کلام کریں۔ پس چونکہ انبیاءؑ کے یہ معجزات ہیں اور مخلوق ان جیسے کاموں سے عاجز ہے تو پس اس کی تقدیر اور حکمت یہ قرار پائی کہ انبیاءؑ کو ان

معجزات کے باوجود کبھی غالب اور کبھی مغلوب بنا دیا، کبھی قاصر اور کبھی مقہور بنا دیا، کیونکہ اگر وہ تمام حالات میں قاہر اور غالب ہوتے تو لوگ ان کو ہی خدا مان لیتے۔ اور دیگر یہ کہ ان کے صبر وتحمل کی تعداد سختیوں اور آزمائشوں میں معلوم نہ ہوسکتی۔ لہٰذا خدا نے ان کا حال دوسرے لوگوں کی طرح قرار دیا تاکہ مصیبت کے وقت اپنے صبر کو ظاہر کریں۔ چنانچہ ان کو دوسرے انسانوں کی طرح عافیت اور سلامتی کی نعمت سے بہرہ مند کیا اور دشمنوں پر غالب کیا تاکہ اس نعمت کا شکر ادا کریں اور تمام حالات میں خاضع وخاشع رہیں۔ نیز کبر اور بزرگی کا اظہار نہ کریں اور عوام کو بھی معلوم ہوجائے کہ ان کا بھی خالق ہے کہ جس نے ان کو پیدا کیا اور ان کا مدبر ہے۔

جابرؓ بن عبداللہ انصاری کی امامت سے ملاقات

معالی السبطین میں مدینۃ المعاجز سے جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے نکل رہے تھے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپؑ فرزندِ رسولؐ خدا ہیں اور سبطین میں سے ایک ہیں۔ میری نظر میں مصلحت یہ ہے کہ آپ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح خلیفہ سے صلح کرلیں۔ حضرتؑ نے مجھے جواب دیا کہ اے جابر! میرے بھائی نے حکمِ خدا ورسولؐ سے صلح کی اور میں بھی حکمِ خدا ورسولؐ سے قیام کررہا ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ رسولِ خدا، علیؑ اور بھائی حسنؑ اسی بات میں بھی گواہی دیں؟

پھر آسمان کی طرف دیکھا تو آسمان کے دروازے کھل گئے۔ رسولِ خدا، حضرت علیؑ، حمزہ، جعفر زمین پر اُتر کے سامنے آئے۔ میں وحشت زدہ ہوکر اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو رسولِ خدا نے مجھ سے فرمایا:

اے جابر! میں نے پہلے بھی تمہیں کہا تھا کہ تو اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک اپنے امامؑ کی امامت کو تسلیم نہ کرو گے اور ان پر اعتراض سے گریز نہ کرے گا۔ کیا تم معاویہ کا مقام اور امام حسینؑ کا مقام دیکھنا چاہتے ہو؟ آیا چاہتے ہو کہ یزید کا مقام جو قاتلِ حسینؑ ہے تمہیں دکھایا جائے؟

عرض کیا: کیوں نہیں یا رسولؐ اللہ!

حضرتؐ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا، زمین میں شگاف ہوا اور ایک دریا ظاہر ہوا۔ وہ ختم ہوا تو اس کے نیچے سے زمین برآمد ہوئی۔ وہ زمین پھٹ گئی اسی طرح سات طبقات زمین میں شگاف ہوا اور سات دریا نکلے۔ پھر زمین کے ساتویں طبق کے نیچے آگ کا ایک طبق دیکھا اور اس میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل، معاویہ، یزید اور شیاطین کے دیگر پیرو دیکھے اور یہ گروہ تمام اہلِ جہنم سے زیادہ معذب اور بدحال تھا۔

پھر فرمایا: اے جابر! سر بلند کرو۔ جب میں نے سر بلند کیا تو آسمان کے دروازے کو کھلا دیکھا اور بہشت کو ان کے اوپر دیکھا۔ پھر رسولِؐ خدا اور ان کے ساتھ آنے والے سارے اُوپر چلے گئے۔ جب وہ ہوا میں پہنچے تو رسول اکرمؐ نے آواز بلند فرمایا: اے فرزند! جلدی مجھ سے ملحق ہو جاؤ۔ پس حضرت امام حسینؑ ان سے ملحق ہو گئے اور سب اُوپر چلے گئے اور بہشت بالا میں داخل ہو گئے۔

پھر رسولِؐ خدا نے ان لوگوں کی طرف دیکھا جو وہاں تھے اور فرمایا: یہ میرے فرزند حسینؑ ہیں، یہ میرے ساتھ رہیں گے۔ پس ان کی بات کو تسلیم کرو اور ان کے کاموں میں شک نہ کرو تا کہ مومن بن جاؤ۔

امامؑ کا اپنے اہلِ بیتؑ کے ساتھ مدینہ سے خروج اور اُن کی تعداد

قرآن میں ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ○ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ (سورہ حج، آیہ ۳۹-۴۰)

''یعنی اگر مومنین پر جنگ مسلط کی جائے تو ان کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ مومنین، دشمنوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنتے ہیں اور خدا ان کی مدد کرنے پر قادر ہے اور مومنین وہ ہیں جو کفار کے ظلم کی وجہ سے ناحق اپنے گھروں سے دربدر ہو گئے ہیں۔ ان کا صرف یہی (جرم) تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے''۔

اس آیت کی تفسیر میں لاہیجی نے لکھا ہے: ہدایت عام ہے اور مہاجرین سے مختص نہیں ہے بلکہ اس کے مصداق مہاجرین بھی ہیں اور ذُریت طیبہ آنحضرت بھی ہے اور اس کی موید حدیثِ امام باقر علیہ السلام ہے۔ مجمع البیان سے نقل ہوئی ہے کہ یہ آیت نازل تو مہاجرین کے لیے ہوئی لیکن آلِ محمدؑ کو بھی محیط ہے۔ جن کو گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا گیا اور ان کو ڈرایا گیا۔

کافی میں روایت ہے کہ یہ آیت رسولِؐ خدا، امیر المومنینؑ، حمزہ سید الشہداء کے بارے میں نازل ہوئی جو حسینؑ کے خروج کو بھی محیط ہے۔

صاحب بیت الاحزان کا مقالہ

مرحوم عبدالخالق بن عبدالرحیم یزدی نے اپنی کتاب بیت الاحزان میں جو بہت عمدہ اور نورانی کتاب ہے، لکھا ہے کہ ہدایت ہر اُس حق پرست کے لیے جاری ہے جس کو ظلم سے شہربدر کیا جائے۔ لیکن حدیث میں آیا ہے کہ یہ آیت رسولؐ اللہ کی

شان میں نازل ہوئی جن کو کفار نے مکہ سے نکال دیا اور حضرت مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آ گئے۔ پھر بھی آیت جاری ہے۔ امیر المومنینؑ کے حق میں کہ منافقین کی اذیت کی وجہ سے مدینہ سے کوفہ کی طرف ہجرت کی۔ آہ آہ! اس کے بعد بھی جاری ہے۔ حضرت حسینؑ کے حق میں اور اس کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ کتب معتبرہ میں احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ معاویہ جب دنیا سے چلا گیا اور اس کا بیٹا یزید پلید خلافت پر غصب کر کے بیٹھ گیا تو اس نے حاکمِ مدینہ ولید بن عتبہ کو لکھا کہ خلافت اور امارتِ یزید کی امام حسینؑ سے بیعت لے لیکن چونکہ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تو ولید نے یزید کے نام اس مضمون کا خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یزید کے نام ولید بن عتبہ ابن ابوسفیان کی طرف سے!

فَإِنَّ الحُسَين بن اَميرالمُؤمِنِينَ عَلِيٍ لَيسَ يَرىٰ لَكَ خَلَافَةَ وَلَا بَيَعةَ

''کہ حسینؑ نہ تمہاری خلافت کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ بیعت کرتے ہیں''۔

جب یہ خط یزید نے پڑھا تو یہ جواب میں لکھا:

فَإِذَا اَتَاكَ كِتَابِي هَذَا فعَجِّل عَلَيَّ بِجَوابِهٖ وَبَيِن فِي كِتَابِكَ كُلُّ مَن فِي طَاعَتِي اَو خَرجَ عَنهَا وَلكِن مَعَ الجَواب رَأسُ الحُسَين

''یعنی اے ولید! جب میرا خط ملے تو جلدی جواب دینا اور اس میں بیان کرنا کہ کون میری اطاعت میں آ گیا ہے اور کون خارج ہو گیا لیکن جواب کے ساتھ امام حسینؑ کا سر قلم کر کے بھیجو۔ والسلام

جب یہ خبر امام حسین علیہ السلام کو ہوئی تو زمینِ حجاز کو چھوڑ کر عراق کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا۔

مؤلف کہتا ہے: یہاں تک جو نقل کیا ہے ان سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا مدینہ سے خروج اپنی مرضی اور اختیار سے نہ تھا بلکہ بنی اُمیہ کے امامؑ کے خلاف اس قدر ظلم بڑھ گئے کہ بقیۃ اللہ، حجۃ اللہ اور خلیفۃ اللہ نے وطن سے کوچ کرنے میں عافیت سمجھی اور جب مدینہ سے نکل رہے تھے تو آیت شریفہ فَخَرجَ مِنهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ...... کی تلاوت فرما رہے تھے اور تمام اربابِ تاریخ و مقتل نے لکھا ہے حضرتؑ کے تمام اہلِ بیتؑ ایسے غم و اندوہ اور حزن و ملال میں تھے کہ بیان کی طاقت نہیں۔

حضرت سکینہؑ فرماتی ہیں:

مَا كَانَ اَهلُ البَيتِ اَشَدُّ خَوفًا مِنَّا حِينَ خَرَجنَا مِنَ المَدِينَةِ

''جب ہم مدینہ چھوڑ رہے تھے تو ہم اہلِ بیتؑ بہت زیادہ خوفزدہ تھے''۔

یعنی آسمان نے اہلِ بیتؑ سے زیادہ خوف زدہ اور وحشت زدہ نہیں دیکھا ہوگا جب ہم مدینہ کو چھوڑ رہے تھے اور جس قدر حضرت امامؑ کے اصحاب اور دوستوں نے درخواست کی کہ غیر معروف راستے سے نکلیں لیکن حضرتؑ نے صراطِ مستقیم کو نہ چھوڑا اور عام شاہراہ سے سفر جاری رکھا۔

مدینہ سے نکلنے والوں کی فہرست

صاحبِ معالی السبطین نے امام علیہ السلام کے ساتھ نکلنے والے مردوں، بچوں اور خواتین کی یہ تفصیل لکھی ہے، حضرتؑ کی بارہ بہنیں:

① حضرت زینبؑ کبریٰ بنت امیر المومنینؑ و فاطمۃ الزہراءؑ الملقب عقیلہ بنی ہاشم

② حضرت زینبؑ صغریٰ بنت امیر المومنینؑ و فاطمۃ الزہراءؑ

③ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا جن کی کنیت اُم کلثوم ہے۔

④ حضرت خدیجہ جن کی ماں اُم ولد تھیں۔ یہ عبدالرحمٰن بن عقیل کی زوجہ تھیں۔ ان کے دو بیٹے تھے: سعد اور عقیل کہ مقتلِ شوبکی کے مطابق امامؑ کی شہادت کے بعد جب دشمنوں نے خیام پر ہجوم اور حملہ کیا تو دونوں بچے پیاس، وحشت اور دہشت کی شدت کی وجہ سے شہید ہوگئے۔ ان کا باپ کربلا کے شہداء میں سے ہے اور خدیجہ کوفہ میں وفات پا گئیں۔

⑤ حضرت رقیہؑ کبریٰ، جو مسلم بن عقیل کی زوجہ تھیں، ان کے دو بیٹے عبداللہؑ اور محمدؑ تھے اور ایک بیٹی عاتکہ تھیں۔ یہ دونوں لڑکے کربلا میں شہید ہوگئے اور جنابِ عاتکہ سات سال کی تھیں جو امامؑ کی شہادت کے بعد تاراجیٔ خیام کے وقت گھوڑوں کے سُموں سے پامال ہوگئیں۔

⑥ حضرت اُم ہانی، جن کی ماں اُم ولد تھیں، یہ عبداللہ اکبر بن عقیل کی زوجہ تھیں، ان کا بیٹا بنام عبداللہ تھا۔

⑦ حضرت رملہ کبریٰ، جن کی ماں اُم مسعود بنت عروۃ الثقفی تھیں۔ یہ عبدالرحمٰن اوسط بن عقیل کی زوجہ تھیں، ان کی بیٹی اُم عقیل تھی۔

⑧ حضرت رقیہ صغریٰ، کہ ان کی ماں اُم ولد تھی۔

⑨ حضرت فاطمہ الصغریٰ جن کی ماں اُم ولد تھیں یہ ابوسعید بن عقیل کی بیوی تھیں۔ ان کی ایک دختر بنام حمیدہ اور ایک بیٹا محمدؑ ہے۔ محمدؑ سات سال کے تھے جو اپنے ماموں امام حسینؑ کے خاک پر گرنے کے بعد ایک ملعون کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔

۱۰۔ حضرت خدیجہ صغریٰ کہ جن کی ماں اُم ولد تھیں اور یہ عبداللہ اوسط بن عقیل کی زوجہ تھیں، ان کی اولاد نہ تھی۔

۱۱۔ حضرت اُم سلمہ

۱۲۔ حضرت میمونہ

۱۳۔ بعض علماء نے حضرت جُمانہ کا اضافہ بھی کیا ہے جن کی کنیت اُم جعفر تھی۔ یہ تیرہ خواتین حضرت امام حسینؑ کی بہنیں تھیں جو امامؑ کے ساتھ مدینہ سے نکلیں۔

ازواجِ امیرالمومنینؑ

حضرت امیرالمومنین کی بیویاں امام حسینؑ کے ہمراہ تھیں جو درج ذیل ہے:

۱۔ صہبا ثعلبیہ یہ جناب رقیہ کبریٰ زوجہ مسلم کی ماں تھیں۔

۲۔ اُم مسعود بنت عروہ ثقفی رملہ کی ماں تھیں۔

۳۔ حضرت لیلیٰ بنت مسعود درامیہ، اپنے دو بیٹوں عبداللہؑ اور محمد اصغرؑ کے ساتھ تھیں۔

۴۔ حضرت اُم زینب صغریٰ، ان کی بیٹی زینب تھیں۔

۵۔ جنابِ اُم خدیجہ ان کی بیٹی خدیجہ تھیں۔

۶۔ جناب اُم رقیہ صغریٰ، ان کی بیٹی رقیہ ہے۔

۷۔ حضرت اُم فاطمہ ان کی بیٹی فاطمہ ہے۔

۸۔ حضرت امامہ بنت ابوالعاص عیشمیہ

دو اور خواتین امام کے ساتھ مدینہ میں آئیں:

۱۔ حضرت اُم کلثوم صغریٰ بنت حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا، یہ جناب اُم کلثوم اپنے شوہر قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالبؑ کے ساتھ مدینہ سے آئیں اور کربلا پہنچیں۔

۲۔ حضرت جُمانہ جو قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالب کی پھوپھی ہیں۔

نو کنیزیں امام علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے کربلا آئیں۔ ان کنیزوں میں چار کنیزیں جنابِ زینب کبریٰ کی تھیں، ایک کنیز حضرت امام حسینؑ کی تھیں۔ چار کنیزیں حضرت امام حسینؑ کی زوجات کی تھیں۔ ان تمام کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت فضہ نوبیہ جو جنابِ زینبؑ کی کنیز تھیں۔

(۲) فقیرہ المعروف ملیکہ بنت علقمہ، یہ کنیز پہلے جعفر بن ابی طالبؑ کے پاس تھیں، انھوں نے مولاعلیؑ کو ہبہ کی تا کہ حضرت فاطمہؑ اوران کی اولاد کی خدمت کرے۔ حضرت فاطمہؑ کی شہادت کے بعد یہ جنابِ زینبؑ کی طرف منتقل ہوگئیں۔

(۳) جناب روضہ، یہ پہلے رسولؐ اللہ کی کنیز تھیں، رسول پاکؐ کی رحلت کے بعد جنابِ فاطمۃ الزہراءؑ کے پاس آ گئیں۔ حضرت فاطمہؑ کی شہادت کے بعد یہ امیرالمومنینؑ کے گھر میں رہیں اور اولادِ فاطمہ زہراءؑ کی خدمت میں مصروف رہیں۔ جب حضرت زینب کبریٰ کی شادی جناب عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے ہوئی تو یہ کنیز بھی ان کو دے دی گئی اور وہ اپنی بانو کے ساتھ کربلا آئیں۔

(۴) اُم رافع ، جو ابورافع کی زوجہ ہیں۔ ابورافع قبطی بنام ھرمز رسولؐ اللہ کے غلام تھے اور اُن کی بیوی بھی حضرت کی کنیز تھیں۔ حضرتؐ کے انتقال کے بعد جنابِ فاطمہؑ کی طرف منتقل ہوئیں۔ ان کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کی کنیز بنیں اوران کی شہادت کے بعد حضرت زینبؑ کی کنیزی میں چلی گئیں۔

امام حسین علیہ السلام کی کنیز

جو کنیزیں امام حسین علیہ السلام سے متعلق تھیں ان کا نام میمونہ تھا (اُم عبداللہ بن یقطر) یہ کنیز جب امیرالمومنینؑ کے گھر میں تھیں تو امام حسینؑ کی خدمت کرتی تھیں۔ جب بی بی فاطمہ زہراءؑ کی شہادت ہوئی تو یہ امام حسینؑ کی کنیزی میں رہیں اور امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں آئیں۔ اس سفر میں اس کنیز کے ساتھ اس کا بیٹا عبداللہ بن یقطر تھا۔ جب قافلہ مدینہ سے نکلا تو امامؑ نے عبداللہ بن یقطر کو کوفہ کی طرف پیغام دے کر بھیجا اور یہ مسلم کی ملاقات سے پہلے حصین بن نمیر کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے اور ابن زیاد نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ لیکن ان کی ماں میمونہ امام حسینؑ کی کنیزی میں کربلا آئیں۔

چار کنیزیں امام حسینؑ کی ازواج کی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) جنابِ فاکھہ، یہ بانو امام حسینؑ کی کنیز تھیں جو جنابِ رباب بنت امرء القیس کے گھر میں خدمت کرتی تھیں۔ اس کنیز کے شوہر عبداللہ تھے جن کا بیٹا قارب تھا جو امام حسینؑ کا غلام تھا۔ یہ اپنی ماں کے ساتھ کربلا آیا۔

(۲) حسنیہ، یہ کنیز امام حسین علیہ السلام نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے خریدی تھی اور حضرتؑ کے گھر میں تھیں۔ پھر حضرت علیؑ بن حسین زین العابدینؑ کے پاس رہیں اور کربلا آئیں۔

(۳) جنابِ کبشہ، یہ امامؑ کی کنیز تھی اور یہ اُم اسحاق کے گھر میں خدمت کرتی تھیں، اس کا بیٹا رزین امامؑ کے غلاموں میں

شامل تھا۔

(۴) جناب ملیکہ جن کا شوہر عقبہ بن سمعان تھا۔ یہ بی بی امام حسنؑ کے گھر خدمت کرتی تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کے گھر منتقل ہوگئیں اور کبھی کبھی حضرت زینبؑ کے گھر بھی خدمت کرتی تھیں کیونکہ عقبہ حضرت ربابؑ کا غلام تھا لہٰذا انھیں بانو ربابؑ کے ساتھ کربلا لائیں۔

امامؑ کی شہادت کے بعد اور اہلِ بیتؑ کے قیدی ہونے کے بعد عمر بن سعد ملعون نے اس کنیز کے شوہر عقبہ بن سمعان کو پکڑ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں عبد و غلام و مملوک ہوں۔ تو عمر بن سعد نے اس کو رہا کر دیا۔

یہ نو کنیزیں امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے کربلا آئیں۔

امام حسینؑ کے دس غلام

جو غلام امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے کربلا آئے ان کی تعداد دس ہے جن میں سے آٹھ کربلا میں شہید ہوگئے اور دو نجات پاگئے۔ ان آٹھ شہیدوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) جناب سلیمان بن ابی زرین جو حضرتؑ کا غلام تھا۔ یہ بصرہ میں شہید ہوا کیونکہ اس کو امامؑ نے اشرافِ بصرہ کی طرف بھیجا تھا لیکن ابن زیاد کے حکم سے قتل ہوا۔

(۲) جناب قارب بن عبداللہ الدئلی حضرتؑ کے غلام تھے۔

(۳) جناب منجح بن سہم جو امامؑ کا غلام تھا۔

(۴) جناب سعد بن الحرث الخزاعی جو پہلے امیر المومنینؑ کا غلام تھا۔ یہ عجم کے شہزادوں میں سے تھے۔ چھوٹے سے سن میں اسلام کی طرف مائل ہوئے اور مسلمانوں میں شامل ہوگئے۔

(۵) جناب حرث بن نبھان جو حضرت حمزہ سید الشہداءؓ کا غلام تھا۔

(۶) جناب جون بن حوی النوبی کہ جو پہلے ابوذر غفاریؓ کے غلام تھے۔ اس کو حضرت علیؑ نے ۱۵۰ دینار میں خریدا اور ابوذر کو ہبہ کر دیا۔ یہ ابوذرؓ کی خدمت میں تھا لیکن جب عثمان نے ابوذر کو ربذہ کی طرف شہر بدر کیا تو یہ ساتھ گیا اور وہاں حضرت ابوذرؓ کی وفات ہوگئی تو واپس مدینہ حضرت علیؑ کے پاس آگیا۔ حضرتؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے پاس اور ان کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کے پاس آگیا۔ وہ امام زین العابدینؑ کے گھر خدمت میں رہتا تھا۔ ان کے ساتھ کربلا آیا اور ۹۷ سال کی عمر میں شہید ہوگیا۔

۷۔ جناب اسلم بن عمرو کے بارے میں اہلِ سیر نے کہا ہے کہ یہ امام حسینؑ کے غلاموں میں سے ہیں اور معروف ہے کہ ان کو امام حسینؑ نے خریدا اور اپنے بیٹے زین العابدینؑ کو ہبہ کردیا۔ یہ امام سجادؑ کا کاتب تھا اور امامؑ کے ساتھ کربلا آیا اور امامؑ کے سامنے شہید ہوگیا۔

۸۔ جناب نصر بن ابی نیزر، یہ امیر المومنینؑ کے غلاموں میں سے تھے اور ان کی طرف زکوٰۃ کی جمع آوری کے لیے مقرر تھے۔

یہ آٹھ غلام امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا آئے اور شہید ہوئے البتہ سلیمان بن ابی زرین بصرہ میں شہید ہوئے۔ دو غلامانِ امامؑ شہید نہ ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ عقبہ بن سمعان، یہ جناب رباب بنت امرء القیس کے غلام تھے۔

۲۔ علی بن عثمان بن خطاب الخضرمی، یہ حضرت علیؑ کا غلام تھا۔ بعد میں امام حسینؑ کے ساتھ کربلا آیا اور امامؑ کی شہادت کے بعد یہ کربلا سے بھاگ گیا۔

برادرانِ امام حسینؑ

امام علیہ السلام کے جو بھائی کربلا آئے ان کی تعداد نو ہے:

۱۔ حضرت ابوالفضل العباسؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ

۲۔ حضرت عثمان بن علیؑ بن ابی طالبؑ

۳۔ حضرت جعفرؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ

۴۔ حضرت عبداللہؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ

یہ چار بھائی امام علیہ السلام کے پدری بھائی تھے۔ جن کی والدہ جناب فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر ہیں۔ اُن کی کنیت اُم البنینؑ ہے۔

۵۔ جناب محمد اصغرؑ، بن علیؑ بن ابی طالبؑ

۶۔ جناب بکرؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ

ان دو کی ماں جنابِ لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ تھیں اور وہ اپنے ان دو بیٹوں کے ساتھ کربلا آئیں۔

۷۔ جناب عمر بن علی بن ابی طالب، لقب اطرف ہے، ان کی ماں صھبا ثعلبیہ تھیں جن کی کنیت اُم حبیب ہے اور اپنے بیٹے کے ساتھ کربلا آئیں۔

⑧ جناب عونؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ، ان کی ماں اسماء بنت عمیس تھیں۔ اسماء مدینہ میں رہیں۔

⑨ جناب محمد اوسط بن علیؑ بن ابی طالبؑ، ان کی ماں امامہ بنت ابی العاص تھیں جو اپنے بیٹے کے ساتھ کربلا آئیں۔

یہ نو کے نو اشخاص امام حسینؑ کے بھائی تھے جو کربلا میں شہید ہو گئے۔

اولادِ جعفر طیارؓ کربلا میں

حضرت جعفر طیارؓ جو امام حسین علیہ السلام کے چچا ہیں، ان کی اولاد سے پانچ شخص کربلا آئے، ان کی تفصیل یہ ہے:

① جناب عون اکبر بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ جن کی والدہ حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا تھیں۔

② جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ۔ ان کی ماں کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے ان کی ماں جنابِ زینب کبریٰؑ کو لکھا ہے۔ بعض نے کہا: ان کی ماں خوصاء بنت حفصہ بن بکر بن وائل ہے۔

③ جناب عون بن جعفر بن ابی طالب، جن کی ماں اسماء بنت عمس ہیں جو مدینہ میں جنابِ فاطمہ صغریٰ بنت امام حسینؑ کے پاس رہ گئیں۔

④ جناب قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالبؑ ان کی ماں اُم ولد ہے جو اپنے بیٹے کے ساتھ کربلا میں آئیں۔

⑤ عبیداللہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ، ان کی ماں خوصاء۔

یہ پانچ شخصیتیں اولادِ جعفر طیارؓ سے ہیں اور کربلا میں شہید ہو گئیں۔

اولادِ عقیل کربلا میں

جنابِ عقیل امام حسین علیہ السلام کے دوسرے چچا ہیں، ان کی اولاد سے بارہ افراد کربلا آئے جن کی تفصیل یہ ہے:

① جناب جعفر بن عقیل بن ابی طالبؑ، ان کی ماں اُم الغغر تھیں جو اپنے بیٹے کے ساتھ کربلا آئیں۔

② جناب عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالبؑ

③ جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل

④ جناب محمد بن مسلم بن عقیل (ان دونوں کی ماں جناب رقیہ بنت علیؑ ہیں)

⑤ جناب محمد بن ابی سعید بن عقیل

⑥ جناب عبداللہ اصغر بن عقیل ابن ابی طالبؑ

⑦ جناب موسیٰ بن عقیل بن ابی طالبؑ

⑧ جناب علی بن عقیل بن ابی طالبؑ

⑨ جناب احمد بن عقیل بن ابی طالبؑ

⑩ جناب مسلم بن عقیل بن ابی طالبؑ

⑪ جناب محمد اصغر بن مسلم بن عقیل یا محمد اصغر بن عقیل بن ابی طالبؑ

⑫ جناب ابراہیمؑ بن مسلمؑ بن عقیل یا ابراہیم بن عقیل بن ابی طالبؑ

ان دونوں میں اختلاف ہے کہ جنابِ مسلمؑ کے بیٹے ہیں یا جنابِ مسلمؑ کے بھائی ہیں۔ ان بارہ افراد میں سے نو افراد روزِ عاشورہ کربلا میں شہید ہوگئے۔ ان نو افراد کے ساتھ ۶ عدد ان کی والدات بھی تھیں۔ جنابِ مسلمؑ کوفہ میں شہید ہوئے اور دو بچے ان کے ساتھ تھے جو اُن کی شہادت کے بعد قیدی ہوگئے اور بعد میں شہید کیے گئے۔

امام حسنؑ کے خانوادے سے افراد

امام حسن علیہ السلام کی پانچ ازواج اور امام حسنؑ کی اولاد میں ۱۶ افراد تھے، جو کربلا آئے۔ کچھ کربلا میں شہید ہوئے اور بعض بچے ابن سعد کے خیام کے حملہ اور ہجوم کے درمیان پامال ہوگئے اور بعض قیدی ہوگئے اور قیدیوں کے ہمراہ شام لے جائے گئے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

① جنابِ حسن مثنیٰ جن کی ماں حضرت خولہ تھیں۔ یہ مدینہ میں رہ گئیں۔

② جناب عمرو بن الحسنؑ

③ جناب قاسم بن الحسنؑ

④ جناب عبداللہ بن الحسنؑ، ان تین شہزادوں کی ماں رملہ اُم ولد تھیں۔

⑤ جناب احمد بن الحسنؑ

⑥ جناب اُم الحسنؑ

⑦ جناب اُم الحسین، یہ دونوں بہنیں احمد بن الحسن کی ہیں جو خیام پر ہجوم کے دوران میں پامال ہوگئیں۔ ان کی ماں اُم بشر تھیں۔

⑧ جناب محمد بن الحسنؑ

⑨ جناب جعفر بن الحسنؑ، ان دونوں شہزادوں کی ماں اُم کلثوم بنت عباس بن عبدالمطلب تھیں۔

۱۰ جناب بکر بن الحسنؑ، جن کی ماں اُم ولد تھیں، کربلا آئیں۔

۱۱ جناب حسین بن الحسنؑ، جن کا لقب اثرم تھا۔

۱۲ جناب طلحہ بن الحسنؑ

۱۳ جناب فاطمہ بنت الحسنؑ، یہ بی بی حسینؑ بن الحسن اور طلحہ بن الحسن کی بہن ہیں اور امام محمد باقر علیہ السلام کی والدہ ہیں۔
اس بی بی فاطمہ اور ان کے دو بھائیوں کی ماں اُم اسحاق بنت طلحہ ہیں۔

۱۴ جناب زید بن الحسنؑ

۱۵ جناب عبدالرحمٰن بن الحسنؑ

۱۶ جناب بی بی اُم الحسین، یہ جناب زید اور عبدالرحمٰن کی بہن ہیں، ان کی ماں اُم ولد تھیں یہ سب کربلا میں تھے۔
یہ سولہ افراد امام حسن علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور کربلا میں آئے۔ ان سے بارہ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔

★ ★ ★

مدینہ سے مکہ کی طرف سفر

فرزندِ پیمبرؑ کا مدینے سے سفر ہے   سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے   گُل چاک گریباں ہیں صبا خاک بسر ہے
گُل رو صفت غنچہ کمربستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گُل دستہ کھڑے ہیں
رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم   ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم   غُل ہے کہ چلا دلبر مخدومۂ عالم
خُدّام کھڑے پیٹتے تھے قبر نبیؐ کے
روضے پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

تمام لوگوں کے آمادۂ سفر ہوجانے کے بعد امام علیہ السلام نے حکم دیا تو دوصد پچاس گھوڑوں یا دوصد پچاس اُونٹوں کا بندوبست کریں۔ ان میں ستر اُونٹ سامانِ سفر، خیمے اور غذا وغیرہ کے لیے مخصوص تھے اور چالیس اُونٹ برتنوں، دیگوں، اغذیہ کے لیے مختص کیے گئے۔ تین اُونٹ پانی کی مشکیں اُٹھانے کے لیے اور بارہ اُونٹ درہم و دینار، زیور و آلات، لباس ہا وغیرہ کے لیے خاص تھے۔

پھر پچاس اُونٹ جن پر کجاوے رکھے گئے تھے ان کو بٹھایا گیا تاکہ مخدراتِ عصمت، بچوں، غلاموں، خدمت گاروں اور کنیزوں کو سوار کیا جا سکے اور باقی اُونٹوں پر دیگر سامان و اسبابِ لازم وغیرہ باندھا گیا۔ جب سامان باندھے گئے اور محملوں میں بیٹھنے والی سواریاں بیٹھ گئیں اور پورا کارواں روانگی کے لیے آمادہ ہوگیا تو امام حسین علیہ السلام آخری وداع کے لیے جدِ امجد کی قبر اور بھائی، دادی، ماں اور دیگر اقربا کی قبور پر گئے اور سب سے الوداع کیا۔

پھر رسولِؐ خدا کے گھوڑے مرتجز کو طلب کیا، اس پر سوار ہوئے اور اپنے پورے جلال سے ۲۸ رجب کو مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؑ نکلتے ہوئے یہ آیت تلاوت کر رہے تھے:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (القصص:۲۱)

"وہ شہر سے خوف زدہ ہو کر نکلے کہ دشمن پیچھے لگا ہوا ہے اور کہا: اے میرے رب! مجھے قوم ظالمین سے نجات دے"۔

حضرت شاہراہ عظیم اور صراط مستقیم فراخ چہرے سے نکلے۔ کارواں میں سے کسی نے کہا: کیا اچھا ہوتا کہ ہم اس راستے سے نکلتے جس سے ابن زبیر گیا ہے کیونکہ ممکن ہے دشمن ہمارے تعاقب میں آئے، اگر دیگر راستوں سے جائیں گے تو دشمن سے محفوظ رہیں گے۔ اس راستہ پر تو واضح ہے کہ دشمن مانع ہوگا۔

امام علیہ السلام نے جواباً فرمایا: خدا کی قسم! میں سیدھے راستے پر ہی جاؤں گا اور خدا کی قضا وقدر کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ جو اس نے ہمارے لیے مقدر کیا ہے وہ بہتر ہے۔

بہر صورت حضرت امام حسین علیہ السلام شیخ مفیدؒ کی کتاب ارشاد کی روایت کے مطابق اپنے ہمراہوں کے ساتھ راستہ طے کرتے ہوئے ۳ شعبان کو مکہ پہنچے۔ وہاں سکونت کی، جوں ہی مکہ کے لوگوں اور عمرہ پر آئے ہوئے لوگوں کو حضرت امام حسینؑ کے مکہ میں وارد ہونے کی اطلاع ملی تو وہ فوج در فوج ملاقات کے لیے امامؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونا شروع ہو گئے۔

ابن زبیر بھی مکہ میں تھا اور ہمیشہ بیت اللہ کے پاس رہتا اور نماز اور طواف میں وقت گزارتا تھا۔ نیز لوگوں کے ساتھ امامؑ سے ملاقات کرتا رہتا تھا۔ وہ کبھی دو دن پے درپے اور کبھی دو دن میں ایک مرتبہ ملاقات کے لیے آتا تھا۔ البتہ امام حسین کا مکہ میں ہونا ابن زبیر کے لیے قابلِ برداشت نہ تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب تک مکہ میں امام حسین علیہ السلام موجود ہیں میری بیعت کبھی نہ کریں گے البتہ اس ناپسندیدگی کو ظاہر نہ کرتا تھا۔

بہر صورت امام علیہ السلام نے شعبان، رمضان، شوال اور ذی القعدہ میں مکہ میں رہائش رکھی اور بروز منگل ذی الحجہ کو حضرتؑ نے عمرہ مفردہ کی ادائیگی کی اور پھر عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوفیوں کے خطوط برائے امام

امام کی مکہ میں رہائش کے دوران میں عمدہ ترین واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ کوفیوں کے بہت سے خطوط آئے۔ جب کوفیوں کو معاویہ کے مرنے کے بعد یزید کے تختِ خلافت پر بیٹھنے اور امام حسین علیہ السلام کے بیعتِ یزید سے انکار اور امامؑ کے مکہ پہنچ جانے کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے سلیمان بن صُرد خزاعی کے گھر اجتماع کیا اور معاویہ کی موت، یزید کی خلافت

اور امامؑ کی مخالفت کی باتیں ہوئیں۔ سلیمان بن صُرد خزاعی نے کہا: معاویہ ہلاک ہو گیا اور امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور مکہ میں تشریف لا چکے ہیں۔ تم ان کے اور ان کے باپ کے شیعہ ہو۔ اگر ان کی نصرت کرنا چاہتے ہو اور جہاد کرنا چاہتے ہو تو ان کی طرف خط لکھو۔ اگر تمہیں خوف ہو جس کی وجہ سے تم سے سُستی ہو جائے تو پھر ان کو دھوکا نہ دو اور خط نہ لکھو۔

لیکن سب نے جواب دیا: ہاں! ہم پورا جہاد کریں گے اور ان کی مدد کریں گے اور اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ پس انھوں نے اسی مضمون پر مشتمل خط لکھا اور عبداللہ بن مسمع اور عبداللہ بن وال کو خط دے کر امامؑ کے پاس بھیجا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برائے امام حسینؑ بن علیؑ!

از طرف سلیمان بن صُرد خزاعی، مصعب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، حبیب بن مظاہر اور دیگر شیعانِ کوفہ

آپؑ پر درود ہو، ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حمدِ خدا کہ تمہارے سرسخت دشمن اور کینہ رکھنے والے پر موت آ گئی اور اب اس کی جگہ یزید بیٹھ گیا۔ ہم یزید اور اس کے باپ کے افعال پر لعنت کرتے ہیں۔ ہمارا کوئی امام موجود نہیں، آپ ہمارے پاس آئیں تا کہ ہم سب حق پر جمع ہو جائیں۔ نعمان بن بشیر حاکم ہے۔ ہم اس کی نماز جمعہ میں نہیں جاتے۔ عید پر باہر نہیں نکلتے۔ اگر ہمیں اطلاع ملے کہ آپ ہماری طرف آ رہے ہیں کہ اس حاکم کو معزول کر کے نکال دیں گے۔ والسلام علیکم!

یہ خطوط ۱۰ رمضان کو امامؑ کے پاس پہنچے۔

مؤلف کہتا ہے: اعثم کوفی نے لکھا ہے کہ خطوط لانے والے عبداللہ سلیم ہمدانی اور عبداللہ بن سمع السکری تھے۔ جب یہ خطوط امامؑ کے پاس آئے تو امامؑ خطوط کا مطالعہ کر کے خاموش ہو گئے اور جواب نہ لکھا اور قاصدوں کو واپس مطمئن کر کے بھیج دیا۔ جب وہ واپس کوفہ آئے تو قیس بن مسّہر، عبدالرحمٰن بن شداد، عمارہ بن عبداللہ اور دیگر ایک سو پچاس خطوط لے کر امامؑ کے پاس گئے۔ امامؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی لیکن امامؑ خاموش رہے اور جواب نہ دیا۔ اسی طرح خطوط کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ آخری خط کا متن یہ تھا کہ کوفی آپ کے انتظار میں ہیں اور آپ کی خلافت پر متفق ہیں۔ جلدی آئیں۔ ابھی آنے کا وقت ہے۔ صحرا سرسبز ہیں، میوے پک چکے ہیں اور ہر طرف سبزہ ہے اور ہمارے لشکر موجود ہیں۔

امام علیہ السلام نے ہانی اور سعید سے پوچھا کہ کس جماعت نے یہ خطوط لکھے ہیں؟ انھوں نے کہا: فرزندِ رسولؐ! شیث

بن ربعی، حجار بن الحجر، یزید بن الحارث، عروہ بن قیس، یزید بن برم وغیرہ۔ امام علیہ السلام اُٹھے، وضو کی تجدید کی اور رکن و مقام کے درمیان نماز پڑھی اور دعا کی۔

کوفیوں کو امامؑ کا جواب اور مسلمؑ کی کوفہ روانگی

امام علیہ السلام نے یہ خط لکھا: حسینؑ بن علیؑ کی طرف سے گروہِ مومنین کے لیے!

امابعد! ہانی اور سعید نے تمہارے خطوط پہنچائے اور حالات بتائے جس سے میں نے سمجھا ہے کہ تمہارا امام نہیں، میں تمہارے مقصود میں تاخیر نہیں کروں گا۔ لہٰذا اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو جو میری طرف سے موثق اور وکیل ہے، بھیج رہا ہوں، وہاں پہنچ کر مسلم مجھے وہاں کے حالات لکھیں گے تو میں آ جاؤں گا۔ والسلام!

خط بھیجا اور جناب مسلمؑ کو فرمایا: آپ کو کوفہ میں اپنا وکیل بنا کر بھیج رہا ہوں وہاں جا کر تصدیق یا تردید کا خط لکھنا۔ اگر حالات موافق ہوں تو ان سے بیعت لو۔ دعا کرتا ہوں خدا تجھے اور مجھے شہادت پر فائز کرے۔ پھر مسلم بن عقیل کو سینے سے لگایا اور وداع کیا اور دونوں بھائی بہت دیر تک روتے رہے۔

★ ★ ★

ساتویں فصل

احوالِ حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام

حضرت ابوطالبؑ کے جنابِ فاطمہ بنت اسد سے چار بیٹے تھے جن کا ایک دوسرے سے ۱۰ سال کا فاصلہ ہے جن کی تفصیل یہ ہے: (۱) جنابِ طالبؓ (۲) جنابِ عقیلؓ (۳) جنابِ جعفر طیارؓ (۴) حضرت علیؑ

ایک حدیث جنابِ عقیل کی فضیلت اور شرافت کے بارے میں امالی صدوق میں یوں ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا: ایک مرتبہ مولا علیؑ نے رسول پاکؐ سے عرض کیا:

یارسول اللہ اِنَّكَ لتحب عقيلًا؟

قال ای واللّٰه انی لاحبُّه حُبَّين حُبًّا لَهٗ وَحُبًّا لِحُبِّ ابی طالب له و اِنَّ وَلَدُهٗ لمقتول فی محبّة وَلَدِكَ فَتَدمَعَ عَلَيهِ عَيونَ المُؤمِنِيْنَ وَتَصلّى عَلَيهِ المَلَائِكَة المقربُون ثُمَّ بَكٰى رَسُولَ اللّٰه حَتّٰى جرت دَمَوعَهٗ عَلٰى صَدرِهٖ ثُمَّ قَالَ الى اللّٰه اشكو ما تلقى عِترتى مِن بَعْدِى

"ہاں میں عقیل سے دُہری محبت رکھتا ہوں ایک محبت اس سے اور دوسری ابوطالبؑ کی عقیل سے محبت کی وجہ سے، اور ان کا ایک بیٹا آپ کے بیٹے کی محبت میں شہید ہوگا جس پر مومنین کی آنکھیں آنسو برسائیں گی اور ملائکہ مقربین درود وسلام پڑھیں گے۔ پھر رسول پاکؐ نے گریہ فرمایا حتیٰ کہ حضرت کے آنسو ان کے سینے تک جاری ہو گئے۔ میں اللہ سے شکوہ کروں گا جو میرے بعد میری عترت کو پہنچے گا"۔

حضرت مسلمؑ کی ماں نبطیہ قبیلہ کی اُم ولد تھیں اور حضرت وقتِ شہادت ۲۸ سال کے جوان تھے۔ حضرت مسلمؑ کی زوجہ جنابِ رقیہ بنت علیؑ ہیں اور مسلمؑ کے ان سے دو بیٹے علیؑ اور عبداللہ اور ایک بیٹی عاتکہ ہیں۔ بعض نے نام عبداللہ اور محمد لکھے ہیں، دو بیٹے کربلا میں شہید ہو گئے اور عاتکہ بھی پامال ہو گئیں جو سات سال کی تھیں۔

بعض مؤرخین نے دو اور بیٹے بھی لکھے ہیں جن کے نام محمد اور ابراہیم ہیں جن کی ماں کا علم نہیں۔ بچے باپ کے ساتھ

تھے۔ بابا کی شہادت کے بعد قیدی بنائے گئے اور پشتِ کوفہ میں جامع نہر کے کنارے شہید کر دیے گئے۔

ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں: معاویہ نے ایک دن عقیل بن ابی طالبؑ سے کہا: اگر تمہاری کوئی حاجت ہو تو بتاؤ؟

جنابِ عقیلؓ نے فرمایا: ایک چھوٹی کنیز کو چالیس ہزار درہم پر خریدنا چاہتا ہوں لیکن رقم نہیں اگر حاجت روائی کے لیے تیار ہو تو رقم مجھے دے دو۔

معاویہ نے مزاح کے طور پر کہا: آپ تو نابینا ہیں ایسی کنیز کی کس لیے ضرورت ہے؟ آپ کے لیے تو وہی کنیز کافی ہے جو صرف پچاس درہم کی ہو۔

جنابِ عقیلؓ نے کہا: وہ کنیز اس لیے خریدنا چاہتا ہوں کہ اس سے ایسا بچہ پیدا ہوگا کہ اگر تم اُسے ناراض کرو تو وہ تمہاری گردن اُڑا دے۔

معاویہ نے کہا: میں نے مذاق کیا ہے پھر اس نے چالیس ہزار درہم شمار کر کے عقیل کو دیے اور عقیل نے وہ کنیز خریدی۔

عقیل کے بعد جنابِ مسلم نے ۱۸ سال کی عمر میں معاویہ سے کہا: مدینہ میں میری زرعی زمین ہے جس کی قیمت میں نے ایک لاکھ درہم ادا کی ہے، اب بیچنا چاہتا ہوں اور تجھے بیچنا چاہتا ہوں۔

معاویہ نے کہا: میں نے وہ تم سے خریدی اور قیمت ادا کر دی، پھر اپنے عمال کو لکھا کہ اس زمین پر تصرف کریں اور اسے سنبھال لیں۔ جب امام حسین علیہ السلام نے یہ سنا تو معاویہ کو لکھا کہ بنی ہاشم کے ایک نوجوان نے تجھے بے وقوف بنایا ہے اور زبانی زمین کا سودا کیا ہے، اب حل یہ ہے کہ زمین ہمارے حوالے کر دو اور اپنے پیسے لے جاؤ۔

معاویہ نے مسلم کو بلایا اور امام حسینؑ کا خط ان کو دکھایا اور کہا: ہمارا مال واپس کرو اور زمین سنبھالو۔

مسلم کو بہت غصہ آیا اور کہا: میں پہلے تلوار سے تمہارا سر کاٹتا ہوں پھر رقم شمار کرتا ہوں۔

معاویہ ہنسا اور کہا: خدا کی قسم! یہ وہی بات ہے جو عقیل نے مجھے کہی تھی اور امامؑ کی خدمت میں لکھا کہ میں نے زمین آپ کے حوالے کر دی ہے اور جو رقم مسلم سے لینی تھی اس سے درگزر کرتا ہوں۔

ابن شہر آشوب کے مناقب میں ہے کہ جنگِ صفین میں حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ، عبداللہ بن جعفر و مسلم بن عقیل کو لشکر کے دائیں طرف رکھا۔ یہ جنگ محرم سال ۳۷ ہجری میں واقع ہوئی اور مسلم کی عمر بوقت شہادت ۲۸ سال تھی۔ جنگ صفین کے وقت وہ سولہ سال کے تھے۔ چنانچہ سید الشہداء اس جنگ میں ۳۴ سال کے تھے۔

امام حسینؑ کا اہلِ بصرہ کو خط برائے نصرت

پہلے ذکر ہوا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کوفیوں کے بار بار خطوط آنے کی وجہ سے جناب مسلم کو اپنا سفیر اور وکیل بنا کر بھیجا اور ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ کے ہاتھ خطوط بھی روانہ کیے اور امامؑ نے فرمایا: قیس بن مسھر صیداوی، عمارہ بن عبداللہ السلولی، عبدالرحمن بن عبداللہ الارحبی کو مسلم بن عقیل کے ہمراہ روانہ کیا۔

اسی طرح بصرہ کے اشراف اور بزرگان پر حجت تمام کرتے ہوئے خطوط لکھے جنھیں مالک بن مسمع البکری، منذر بن الجارود، مسعود بن عمرو، احنف بن قیس، قیس بن ہیثم، یزید بن مسعود نھشلی اور عمرو بن عبداللہ بن جعفر کو دیا۔ ان خطوط کا مضمون یہ تھا کہ خدا نے میرے ناناؐ کو تمام کائنات سے چن لیا اور رسالت عطا فرمائی تا کہ لوگوں کو نصیحت کریں اور ابلاغِ رسالت کیا، چونکہ وہ حق پا چکے ہیں (رحلت فرما چکے ہیں) لہٰذا اپنی میراث ہم اہلِ بیتؑ کے حوالے کر گئے ہیں۔

ایک قوم نے ہمارا حق غصب کیا اور ہمارے ہاتھ سے امور چھین لیے اور اس لیے خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہیں تا کہ فتنہ کھڑا نہ ہو جائے اور خون نہ بہنے لگے۔ اب تمہیں خط لکھا ہے اور تمہیں خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ اب شریعت سنت کو برباد کر دیا ہے اور بدعات زندہ کر دی ہیں۔ اگر میری دعوت قبول کرتے ہو اور میرے امر کی اطاعت کرتے ہو تو میں تمہیں گمراہی کے راستے سے نکال باہر کروں گا اور راہِ راست کی طرف ہدایت کروں گا۔ پھر خط سلیمان جن کی کنیت ابورزین تھی کو دیا اور اُسے بصرہ روانہ کیا۔

یزید بن مسعود نھشلی کا امامؑ کے خط پہنچنے کے بعد اشراف سے خطاب

جب امام علیہ السلام کے قاصد سلیمان نے خط یزید ابن مسعود کو دیا اور وہ اس کے مضمون سے مطلع ہوا تو بنی تمیم، بنی حنظلہ اور بنی سعد کو طلب کیا اور ایک کمیٹی بنائی اور پھر خطاب کیا: اے مجھے اپنے درمیان کیسے پاتے ہو؟

لوگوں نے کہا: خدا کی قسم! تم ہمیشہ ہمارے خیرخواہ اور تقویت دینے والے ہو۔ ہمارے لیے باعث عزت و افتخار ہو۔

ابن مسعود نے کہا: آج میں نے تمہیں ایک کمیٹی کے ذریعے جمع کیا ہے کہ تم سے مشورہ کروں اور تم سے مدد لوں۔

تمام لوگوں نے کہا: اپنا مطلب بیان کرو جو کچھ ہم کر سکیں گے کرتے رہیں گے اور نصرت میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔

ابن مسعود نے کہا: اے دوستو! معاویہ مر گیا ہے اور جہنم میں پہنچ گیا ہے لہٰذا ظلم و ستم کے ارکان خراب تو ہوئے لیکن اب اس کی جگہ پر یزید جو شرابی، فاسق و فاجر، خلافت کا مدعی ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم! اس کمینے سے جہاد کرنا مشرکوں سے جہاد کرنے

سے افضل ہے۔

اس کے بعد کہا: اے لوگو! رب شاہِ سرفراز اور ماہِ خطۂ حجاز حضرت ابا عبداللہ الحسین فرزندِ رسولؐ اور نسل ذبیح اللہ ونجل خلیل اللہ، وذریہ نجی اللہ اور صفی اللہ کا بقایا، شرافتِ اصل، طہارتِ نسل و پاک طینت اور صاف سیرت، بلند ہمت اور بلند مرتبہ، عقل کی وجاہت اور علم کی کثرت، حلم کا ظہور اور خُلق کا وجود، ظاہر صفات، زاہر نشانیات اور کامل عادل مکہ میں آئے ہوئے ہیں۔

اے لوگو! حق کے نورانی جادہ سے قدم نہ کھینچنا اور باطل صحرا میں گم نہ ہو جانا اور گمراہی کو نیت میں بھی نہ لاؤ۔ جمل کے دن اگر صحر بن قیس تمہاری رسوائی کا باعث بنا تو آؤ اب اس کو حیران کریں اور شرمندگی اور رسوائی کو عزت اور عظمت میں بدلیں۔ فرزندِ پیغمبرؐ، نورِ حیدرؑ اور فاطمہؑ کے دل کے سرور کی مدد کرو اور اس کی رکاب میں جان قربان کرو۔

خبردار! ان کی نصرت سے کوتاہی نہ کرنا کیونکہ کوتاہی کرنے والا ذلت وخواری سے دوچار ہوگا۔ اس کی نسل کٹ جائے گی۔ میں نے لباسِ جنگ پہنا ہے۔ زرّہ پہن لی اور سر پر ڈھال رکھ لی۔ یہ تو میری نیت ہے جس کا میں نے اظہار کیا ہے۔ اب میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں، خدا آپ پر رحمت کرے۔ وافی اور شافی جواب دیں۔

حاضرین کے جواب

پہلے بنو حنظلہ نے کلام کی ابتدا کی اور کہا: اے ہمارے قوم کے بزرگ اور جماعت کے سردار اور اے حکومت کی پناہ! ہم قدم بہ قدم تیرے ساتھ ہیں۔ اگر ہمیں کمان دے دو تو تیر نشانے پر لگیں گے۔ اگر جنگ کا حکم کرو تو آپ کی مکمل نصرت کریں گے جیسے دریا کو آگ لگائے تو واپس آئیں گے اور بلاؤں کا تم پر سیلاب آجائے تو بھی رُوگردانی نہیں کریں گے بلکہ اپنی تلواروں سے تیری مدد کو آئیں گے اور اپنی جان اور تن کو تیری ڈھال بنا دیں گے

اس کے بعد بنی تمیم نے خلوص اور عظمت کے ساتھ تائید کی اور متابعت اور مطاوعت کی۔ انھوں نے اپنے خضوع کی رسّی ابن مسعود کے حوالے کر دی اور کہا ہمیں جس مقصد کے لیے بلاؤ گے حاضر پاؤ گے۔

بنی سعد بن یزید نے آواز دے کر کہا: اے ابو خالد! ہمارے نزدیک مبغوض ترین چیز تمہاری مخالفت ہے۔ پس تمہارے کسی فرمان سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ صحر بن قیس نے ہمیں جنگ ترک کرنے پر مامور کیا اور ہمارا ہنر ہم میں مخفی ہے۔ اب ہمیں ایک لحظہ مہلت دیں تاکہ ایک دوسرے سے مشورہ کریں، پھر ہم جواب دیں گے۔

پھر بنو عامر بن تمیم نے کلام شروع کی اور انھوں نے کہا: ہم تیرے آبا کے فرزند ہیں، تیرے رشتہ دار اور تیرے ساتھ ہم

قسم ہیں، اس سے خوش نہیں جو چیز تجھے غضب میں لاتی ہے۔ ہم اس مقام پر اقامت نہیں کریں گے جہاں تیرا ارادہ سفر کرنے کا ہو۔ تیری دعوت قبول ہے اور آپ کے فرمان کی اطاعت ہوگی۔

ابوخالد نے کہا: اے بنوسعد! اگر تمہاری گفتار تمہارے کردار کے مطابق درست ہے تو خدا تمہیں ہمیشہ محفوظ رکھے گا اور اس کی نصرت اس کو شامل ہوگی۔

یزید بن مسعود کا امام کو جواب

ابوخالد کو جب لوگوں کی نیتوں کا علم ہوگیا تو اپنی مدد کا یقین دلانے کے لیے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! آپ کا خط آیا، پڑھا۔ آپ نے ہمیں اپنی اطاعت کی طرف بلایا ہے، جہاں میں ہمیشہ ایک امام رہتا ہے جس سے نظامِ کائنات چلتا رہتا ہے۔ آپ مخلوق پر حجتِ خدا اور روئے زمین پر امن و امانت ہیں۔ آپ احمدی زیتونیہ کی شاخ ہیں، اس درخت کی اصل خود رسولؐ اللہ اور اس کی فرع آپ ہیں۔ اب نیک فال سے ہماری دعوت قبول کریں کہ میں نے بنی تمیم کی گردنیں آپ کے لیے حاضر کرلی ہیں اور آپؑ کی اطاعت اور متابعت میں اس قدر شوق رکھتے ہیں جس طرح پیاسا اُونٹ سراب گاہ کی طرف شائق ہوتا ہے اور آپؑ کی اطاعت میں بنی سعد کے گلے میں قلادہ ڈال دیا ہے اور ان کی گردنیں بھی آپؑ کے لیے خاشع اور نرم کردی ہیں۔ ہمارے تمام گروہ بنی سعد اور بنی تمیم وغیرہ آپؑ کی ملاقات کے مشتاق ہیں اور آپؑ کی زیارت کے طالب ہیں ـــــ والسلام!

یہ خط دنیا و آخرت کے سلطان حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اس کو دعائے خیر کی اور فرمایا: خدا تجھے بروزِ وحشت امن دے اور پیاس کے دن سیراب کرے۔

صاحبِ روضۃ الصفا کہتے ہیں: جب حضرت خامسِ آلِ عباءؑ نے اہلِ بصرہ کو خط لکھا کہ میں مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوچکا ہوں، لہٰذا تمام شیعہ اور ہماری جماعت کے افراد وہاں حاضر ہوں کہ جہاں لشکروں اور سپاہ کے جمع ہونے کا مقام ہے۔

صاحبِ ریاض القدس کہتے ہیں کہ بصرہ والوں کو بادشاہِ حجاز کی آمد کا انتظار تھا اور آنکھیں راہ تکتی رہیں، ان کو معلوم نہ ہوسکا کہ وہ تو کربلا میں محصور ہوگئے ہیں اور حضور سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ جب ان کو پتہ چلا کہ پانچ چھے روز ہوگئے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے گھر کا سامان اور اہلِ بیتؑ کے ساتھ کربلا پہنچ گئے ہیں اور کوفیوں نے ان کو محصور کرلیا ہے تو انھوں نے سپاہ جمع کی، اہلِ قبائل اور طوائف وجنود وجیوش کو مکمل کیا تو وہ ۱۲ ابر سرِ مددگار جمع ہوگئے اور زن و مرد حضرتؑ کی نصرت کے لیے

آمادہ ہو گئے۔

اے اللہ! کسی کی امید کو مایوسی سے نہ بدل۔ یہ جوان خضوع وخشوع سے کربلا کی طرف عازم ہوا اور ایک دیہاتی نے کہا: امیر کہاں جاتے ہو، واپس آ جاؤ، پریشان نہ ہو، امام حسینؑ کا سر کٹ چکا ہے، جسدِ پاک ان کا مٹی پر پڑا ہے، ان پر پانی بند کیا گیا ہے اور ان کا دل اولاد و برادران کی شہادت سے ٹوٹ چکا ہے۔

یزید بن مسعود نے بے اختیار کہا: خدا تیرے منہ کو توڑ دے یہ کیا خبر دے دی؟ خدا نہ کرے امامؑ کا ایک بال بھی بیکا ہوا ہو ورنہ میں اپنا پیٹ پھاڑ دوں گا۔

ابن مسعود ایک راہ پر آئے تو ایک اور دیہاتی آیا، اس سے پوچھا: کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے کہا: امیر بس کیا بتاؤں سب کچھ برباد ہو گیا۔ یزید بن مسعود نے جب یہ سنا تو وہ سخت غمگین اور محزون ہوا اور ہمیشہ اپنی (نصرتِ امامؑ سے) محرومیت پر جزع کرتا رہتا تھا۔

احنف بن قیس بھی بصرہ کے اشراف میں سے تھا، اس نے منافقانہ طور پر امامؑ کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

امابعد! فاصبر فان وعد الله حق ولا یستخفنك الذین لا یوقنون (سورۂ روم، آیہ ۶۰) تمام بصرہ کے روساء نے حضرتؑ کے خطوط کو پنہاں کر دیا اور ابن زیاد سے چھپا لیے۔ مگر منذر بن الجارود جس کی بیٹی بحریہ عبیداللہ کے گھر تھی اور عبیداللہ کے حیلوں سے سوچ بچار کرتا تھا۔ اس نے عبیداللہ کو مخبری کی جس پر سلیمان کو گرفتار کیا اور صبح کوفہ جا کر ان کو سولی پر لٹکا دیا گیا یا قتل کر دیا گیا۔ اس وقت ایک شیعہ عورت جس کا نام بنت سعد تھا اس کے گھر میں شیعانِ بصرہ نے اجتماع کیا۔ ان لوگوں سے ایک شخص مسمّی یزید بن ثبیط جس کے دس بیٹے تھے، نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں جانے کا مصمم ارادہ کر لیا اور یہاں اجتماع میں اپنے ارادے کا اعلان کیا۔

لوگوں نے کہا: عبیداللہ بن زیاد نے راستوں پر گماشتے لگا دیئے۔ ان کی وجہ سے تمہارے بارے خائف ہیں۔

اس شخص نے کہا: جب راہ پر روانہ ہو جاؤ تو ان موانع کو کچھ نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ کے ساتھ جنوبِ مکہ میں امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے تو یہ اپنے بیٹوں کے ساتھ شہید ہو گیا۔

آٹھویں فصل

حضرت مسلمؑ بن عقیل کی کوفہ روانگی

جب غدار اور مکار کوفیوں نے متواتر خطوط بھیجے، کبھی ایک دن میں چھے صد خطوط بھیجے۔ تمام کا مضمون یہی تھا کہ ہمارا امام نہیں اور بنی اُمیہ کے ظلم وستم سے تنگ آ گئے ہیں۔ آپؑ سے گزارش ہے کہ ہم پر احسان کریں اور کوفہ آئیں تا کہ ہم سے بنی اُمیہ کا ظلم وستم دُور ہو جائے۔

حضرتؑ ہمیشہ کوفہ روانگی کی تاخیر کرتے رہے حتیٰ کہ بقولِ بعض مؤرخین ۱۲ ہزار کے قریب تعداد پہنچ گئی۔ حضرتؑ نے تمام خطوط کو تھیلے میں ڈالا اور محفوظ کر لیا تا کہ کوئی سوال کرے کہ کوفہ کیوں آئے ہو تو اِس کو دکھا سکیں کہ یہ کوفہ میں میری آمد کے اسباب ہیں اور یہ خطوط مدعا کے ثبوت کے لیے ہیں۔

بہر صورت جب ان غداروں کا اصرار بڑھا اور حد سے تجاوز کرنے لگا تو اربابِ وفا کے قبلہ امامؑ نے جنابِ مسلمؑ کو بلایا اور فرمایا: اے چچازاد کہ اس راہ میں اس قدر ہمت کو بلند رکھو کہ شہادت کو واضح دیکھو۔ چنانچہ آپؑ کے چہرے کی بشاشت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت تمہارا مقدر ہے۔ گریہ سے حضرتؑ کا گلا بھر گیا، پھر مسلمؑ کو آگے کیا اور گلے ملے۔ دونوں نے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور وبکٰی وبکٰی یعنی امام حسینؑ اور مسلم بن عقیلؑ بہت روئے۔ دونوں ایسے روئے کہ جیسے بہار کے بادل کی برسات ہو۔ حضرتؑ کے اصحاب اور دیگر لوگ اس رونے سے بہت متاثر ہوئے اور وہ سب رونے لگے اور ماحول بڑا دکھی اور غمگین سا ہو گیا۔

امام حسینؑ اور مسلم بن عقیلؑ کی ملاقات

جب امام عالی مقامؑ نے جنابِ مسلمؑ کو کوفہ جانے کا حکم دیا تو مسلمؑ امامؑ کی خدمتِ اقدس سے نکل کر ایک طرف بیٹھ گئے اور بہار کے بادل کے برسنے کی طرح زاروقطار رونا شروع کیا اور بے قراری کا اظہار کیا گیا تو کہا گیا کہ اے آلِ عقیل کی روشن پیشانی! کیونکر آنسو بہا رہے ہو؟

انھوں نے فرمایا: میں پیغمبرؐ کی آنکھوں کے نور اور فاطمہ زہراءؑ کے دل کے سرور امام حسینؑ سے جدائی پر رو رہا ہوں کہ کافی عرصہ سے ان کے زیرِ تربیت ہوں اور آپؑ سے محبت کے راستے پر ہی جا رہا ہوں لیکن یہ خوف لاحق ہے کہ شاید پھر

امام حسینؑ کی زیارت نہ کرسکوں بالآخر سفر کا سامان اکٹھا کیا اور وداع کے لیے آلِ عقیل اور اہل وعیال کے گھر آئے، تمام کو دیکھا اور ان سے خدا حافظ کہا۔ دوسری مرتبہ پھر وداع کے لیے گھر آئے اور خود کو امام حسین علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا اور حسرت کے طور پر حضرتؑ کے پاؤں چومے جس طرح جبریلؑ نے حضرتؑ کے پاؤں پر بوسہ دیا اور ہاتھوں کو چومتے تھے۔ یا جیسے پیغمبرؐ خدا اور فاطمہ زہراءؑ آپ کو بوسے دیتے تھے اسی طرح انھوں نے بوسہ دیا اور عرض کیا:

آقا جان! آپؑ کے فرمان کے مطابق وداع کرتا ہوں، مجھے معذور سمجھیں، میں چاہتا ہوں کہ آپؑ کے جمال سے کامل توشہ حاصل کرلوں۔

امامؑ روئے اور مسلمؑ سے بہت پیار کیا اور دعائے خیر فرمائی۔ مسلمؑ محضرِ امامؑ سے رخصت ہوئے، آستانہ کا بوسہ دیا اور روتی آنکھوں سے رکاب میں پاؤں رکھا۔ آپؑ مدینہ کی طرف اور وہاں سے کوفہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ آلِ عقیل کے جوانوں نے الوداع کیا، پھر مسلمؑ نے ان کو نہ دیکھا اور نہ انھوں نے مسلمؑ کو دیکھا۔

مدینہ کے راستے کوفہ روانگی

جب مسلمؑ نے امام حسین علیہ السلام سے اجازت مانگی اور امام عالی مقامؑ کی نیابت کے لیے عازمِ سفر ہوئے اور کوفیوں کے تین قاصدوں عمارہ، عبدالرحمن اور قیس حکمِ امامؑ سے ان کے ہمراہ روانہ ہوئے اور مسلمؑ اور ساتھیوں کو مدینہ سے کوفہ جانا تھا۔ جب مدینہ پہنچے تو رسولؐ اللہ کی مسجد میں نماز پڑھی اور قبر مطہر کی زیارت کی۔ پھر گھر آئے اور اپنے (اہلِ بیتؑ) اور دوسروں سے وداع کیا اور باہر آگئے۔

شیخ مفیدؒ ارشاد میں لکھتے ہیں: مسلم نے دو شخصوں کو رہنمائی وراستہ دکھانے کے لیے اپنے ساتھ لگایا اور ان کو اُجرت دی اور کوفہ کی طرف سفر شروع کیا۔ دو شخص جو راہنما تھے وہ راستہ سے بھٹک گئے اور غلط راہ پر جا نکلے اور چلتے رہے۔ جب بہت مسافت طے کی جس میں پانی تھا نہ سایہ تو ان پر شدید تشنگی غالب ہوئی کہ وہ چلنے سے رُک گئے بالآخر وہ شدید تشنگی کی وجہ سے فوت ہوگئے لیکن حضرت مسلم سلام اللہ علیہ نے اپنے آپ کو کسی طرح اصلی راہ پر پہنچایا اور کچھ مسافت طے کر کے مضیق نامی جگہ پر پہنچے جہاں پانی موجود تھا۔ حضرت مسلمؑ یہاں اُترے اور توقف کیا اور اپنی پیاس بجھائی۔

یہاں سے ایک خط حضرت امام علیہ السلام کی طرف قیس بن مسھر صیداوی کے ذریعے بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

میں اپنے دو رہنماؤں کے ساتھ مدینہ سے کوفہ کو روانہ ہوا جو راستہ بھول گئے اور غلط راستے پر چل نکلے۔ وہ جس قدر چلتے گئے پانی سے دور ہوتے گئے، پیاس کی شدت کی وجہ سے مر گئے، دونوں راہنما فوت ہوگئے لیکن میں نے بمشکل مقامِ

مضیق پر اپنے آپ کو پہنچایا تا کہ پیاس بجھاؤں۔

یہ خط اس مقام سے آپؑ کو لکھ رہا ہوں اور چونکہ دونوں راہنماؤں کی وفات کو بُری فال سمجھتا ہوں لہٰذا اگر آپؑ کی رائے میں کوئی تبدیلی آئی ہے تو ارشاد فرمائیں تا کہ ہم اس سفر سے رُک جائیں بلکہ کسی اور کو کوفہ کی طرف روانہ کیا جائے۔

امام علیہ السلام نے جناب مسلمؑ کے خط کا جواب ان الفاظ سے دیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! امابعد!

اے میرے چچازاد مسلم! آپ کی تحریر سے آپ کی کمزوری اور پریشانی نظر آتی ہے لیکن میری رائے یہی ہے کہ جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اس پر عمل کریں اور آپ وہاں پہنچیں۔ والسلام!

جب امام علیہ السلام کا خط جناب مسلمؑ کے پاس پہنچا تو فرمایا: اے دوستو! میں اپنی جان کا خوف نہیں رکھتا بلکہ اس کو فال بد سمجھتے ہوئے، یہ استنباط کیا کہ شاید امامؑ کی نظر بدل گئی ہو۔ اس لیے امام علیہ السلام کو واقعہ کی اطلاع دی۔ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں امامؑ کے حکم سے سرتابی کروں۔ پس فوراً اس منزل سے آگے سفر شروع کیا۔

تاریخ الفتوح (ترجمہ تاریخ اعثم کوفی) میں آیا ہے کہ مسلمؑ بن عقیل نے سفر کے دوران میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہرن کا شکار کر رہا ہے۔ اُس نے ہرن کو گرایا اور اس کو ذبح کیا تو اس کو مسلمؑ نے نیک فال سمجھا اور کہا: ان شاء اللہ میں دشمنوں کو قتل کروں گا اور ان کو ذلیل وخوار کروں گا۔

کوفہ میں مسلمؑ بن عقیل کا ورود

چونکہ مسلمؑ بن عقیل امام حسین علیہ السلام کے نائب بن کر کوفہ جا رہے تھے لہٰذا کسی کو اطلاع دیئے بغیر کوفہ پہنچ گئے۔

کامل ابن اثیر میں ہے کہ مسلمؑ کوفہ میں وارد ہوتے ہی مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر آئے اور بعض نے کہا ہے کہ سلیمان بن صُرد خزاعی کے گھر آئے اور صاحب حدائق الانس میں ہے کہ سابقہ دونوں اقوال میں تضاد نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے سلیمان بن صُرد خزاعی کے گھر آئے ہوں اور پھر مختار کی دعوت پر ان کے گھر آئے ہوں۔

آہستہ آہستہ دوستوں اور شیعوں کو پتہ چلا تو زیارت کے لیے آنے لگے اور بیعت کرنے لگے۔ روزانہ تعداد کا اضافہ ہو رہا تھا حتیٰ کہ بہت تھوڑے عرصے میں بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۸ ہزار کے لگ بھگ ہوگئی۔ ان کے سردار سلیمان بن صُرد خزاعی تھے جو اصحاب رسولؐ اور اصحاب امیرالمومنینؑ تھے۔ ان میں مسیّب بن نجبہ فزاری، عبداللہ بن سعید بن نفیل اُزدی، رفاعہ بن شداد بجلی، عبداللہ بن وال تمیمی، عابس بن شبیب شاکری، حبیب بن مظاہر اسدی، مسلم بن عوسجہ، ابوثمامہ صیداوی،

مختار ثقفی موجود تھے۔

مسلمؑ بن عقیل کے حضور اشرافِ کوفہ کا کلام

مقتلِ ابومخنف میں ہے کہ چونکہ عابس بن شبیب شاکری جناب مسلمؑ بن عقیل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام حسینؑ کے امید بخش خط پر نگاہ پڑی تو کھڑے ہو گئے اور خدا کی حمد وثنا بجالائے اور رسولؐ پاک پر درود بھیجا۔ پھر مسلمؑ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا:

میں قربان ہو جاؤں مجھے کوفیوں کے دلوں کی خبر نہیں کہ وہ کس حد تک مخلص ہوں لیکن اپنے ضمیر کی خبر دے رہا ہوں کہ میں منافق نہیں ہوں جو زبان سے کہہ رہا ہوں دل میں بھی یہی ارادہ ہے کہ میں اپنی تلوار سے آپؑ کے اس قدر دشمن کو اس قدر قتل کروں گا کہ خود شہید ہو جاؤں گا۔

پھر حبیب بن مظاہر اُٹھے اور عابس کی طرف توجہ کر کے کہا: اے بھائی! تم نے حق ادا کیا ہے، خدا تم پر رحمت کرے۔ وَاَنَا وَاللّٰهِ عَلٰى مِثْلِ ذٰلِكَ اور میں بھی آپ کی بھرپور تائید کرتا ہوں اور یہی ارادہ رکھتا ہوں۔

پس اہلِ کوفہ گروہ در گروہ اور دستہ در دستہ آتے تھے اور جناب مسلمؑ کی بیعت کرتے، اور اتباع کا اظہار کرتے، اور جب واپس جاتے تو ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق ہدایا اور تحفے وغیرہ حضرتؑ کے پاس بھجواتا تھا۔ لیکن آپ کسی کا تحفہ اور ہدیہ کو قبول نہ کرتے تھے اور کسی سے کھانا بھی نہ کھاتے تھے بلکہ اپنے مال سے اپنا کھانا کھاتے تھے۔

مسلمؑ بن عقیل کی تعریف میں مرحوم صدر الدین کا کلام (در کتاب ریاض القدسؒ)

مرحوم صدر الدین قزوینی (خدا ان کی قبر کو معطر فرمائے) نے ریاض القدس (جو بہت نورانی کتاب ہے) میں حضرت مسلمؑ بن عقیل کی تعریف و توصیف یوں فرمائی ہے۔ حکما کہتے ہیں کہ رسول زبان بادشاہ کے پادشاہ ہیں کہ جو شخص کسی کے ضمیر اور دل کی بات کو سمجھنا چاہے تو اس کی گفتار اور کردار سے معلوم کرے لہٰذا رسولؐ کے ارسال میں تاکید اور مبالغہ کیا ہے کہ رسولؐ تمام قوم سے دانا ترین اور فصیح ترین ہو اور اطوار و افعال میں ممتاز ہو۔

ان بیانات سے حضرت مسلمؑ بن عقیل کی قدر کی جلالت اور عظمت ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا اور آخرت کے بادشاہ نے اپنے اقربا سے اپنی سفارت، نیابت، وکالت اور رسالت کے لیے اپنے بھائی مسلمؑ کو بھیجا ہے کیونکہ مسلمؑ دین داری میں مسلم تھے اور تقویٰ و پرہیزگاری میں اُن کا ایک نام تھا۔ اور حضرتؑ نے ان کو اپنا نائب بنا کر چند تعریفیں ان سے مختص کر دیں کہ وہ حسینؑ کی موثق، امین، برادرِ حسینؑ، حسینؑ کے چچازاد، عالم، عادل، فاضل، عامل، دامادِ علیؑ تھے اور جناب رقیہ خاتون ان کی

زوجہ تھیں۔ وہ بہت بڑے شجاع تھے۔ بہادری میں بے بدل اور جرأت میں ضرب المثل تھے۔ وہ کسی شخص کو ہاتھ سے پکڑ کر کمرے کی چھت پر پھینک دیتے تھے۔ کوفہ کے لوگ ایسی قد وقامت والی شخصیت کو دیکھتے تو ان کے جسم میں لرزہ پیدا ہوتا اور کہتے کہ واقعاً یہ شخص اپنی جلالت اور شائستگی کی وجہ سے نیابت کرنے کے اہل ہیں۔

پس ابی مخنف کی روایت کے مطابق ۱۸ ہزار افراد نے بیعت کی اور انھوں نے مسلمؑ کے لیے حاجب اور دربان معین کیا تھا تاکہ بیگانوں کو آمد ورفت کرنے سے روکیں اور سوائے نیک لوگوں کے کسی کو نہ آنے دے۔ اس دربانی اور حفاظت کے لیے جناب مسلم بن عوسجہ نے ذمہ داری لی۔ ابوثمامہ صیداوی کو خزانچی بنایا گیا۔ اسی طرح ہر کام کا ایک مسئول بنایا اور ہر مصروفیت کو دین داری سے تبدیل کیا اور لشکر میں جو کچھ ضروریات ہوتی ہیں: اسلحہ، زرہیں، ڈھالیں، تیر، نیزے وغیرہ جمع کر لیے گئے اور لشکر کا سالار اور سپاہ دار معین کر دیا گیا۔

مشہور شاہسوار اور برجستہ شیعہ جمع ہوئے تو ۱۸ ہزار سے ایک لاکھ تک لوگ جمع ہو گئے۔ انھوں نے امام علیہ السّلام سے گزارش کی کہ ہم آپؑ پر قربان ہوں، تمام کام مکمل ہیں اور منظم ہیں۔ آپؑ کے نائب خاص کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا ہوا ہے۔ اِتباع واطاعت کے وجوب کا قلادہ اپنی گردنوں میں ڈال لیا ہے۔ آج جب خط لکھ رہے ہیں تو ایک لاکھ تلوار چلانے والے مکمل اور مسلح سپاہی بیعت کر چکے ہیں۔

حاکمِ کوفہ (نعمان) کی مسجد میں تقریر

شیخ مفید نے ارشاد میں فرمایا ہے: جب نعمان بن بشیر حاکم کوفہ کو جناب مسلمؑ بن عقیل کی کوفہ آمد اور ان کے نزدیک لوگوں کا جمِ غفیر جمع ہوجانے کی خبر پہنچی، تو بہت برہم ہوا اور حکم دیا: اعلان کیا جائے اور لوگوں کو مسجد میں بلایا جائے۔ لوگوں کے اجتماع میں وہ منبر پر گیا اور حمد وثنا اور درود وسلام کے بعد کہا:

اے لوگو! اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور تفرقہ اور فتنہ کی طرف جلدی نہ کرو کیونکہ ان فتنوں اور تفرقوں میں مرد مارے جاتے ہیں، خون بہتے ہیں اور اموال لوٹے جاتے ہیں۔ جو شخص ہم سے نہ لڑے گا میں اس سے نہ لڑوں گا، کوئی خلاف بغاوت نہ کرے تو میں اس پر کوئی تجاوز نہ کروں گا، میں تم میں سے کسی سونے والے کو نہیں جگاؤں گا اور تمہیں آپس میں لڑنے نہیں دوں گا۔ کسی کو تہمت اور بدگمانی کی بنیاد پر نہیں پکڑوں گا۔ لیکن اگر اس قدر جرأت ہوگئی کہ میری بیعت توڑنے اور اپنے امامؑ کی مخالفت کرتے ہو تو خدا کی قسم! پھر میں تم پر اپنی تلوار اس قدر چلاؤں گا کہ جب تک اس تلوار کا دستہ میرے ہاتھ میں ہوگا تلوار چلاتا رہوں گا۔ اگر تمہارے درمیان میرا کوئی حامی نہیں تو ان لوگوں سے امیدوار ہوں جو حق وحقیقت کو پہچانتے ہیں

اور ان میں سے بیشتر باطل کی پیروی سے ہلاک ہوگئے۔

پس عبداللہ بن مسلم بن ربیعہ حضرمی جو بنی اُمیہ کا حامی تھا، اس نے نعمان سے کہا: یہ تیری تقریر بہت کمزور ہے۔ تمہیں کیا خبر کہ کوفہ میں کیا شوروغل برپا ہے۔ ایسی آگ لگی ہوئی ہے کہ جس کے انگارے پھیل جائیں گے۔

نعمان نے کہا: اگر اطاعت خدا میں مستضعفین سے ہوں تو معصیت میں قوی اور غالب ہونے سے پسند کرتا ہوں، یہ کہہ کر وہ منبر سے اُتر آیا اور لوگ چلے گئے۔

عبداللہ بن مسلم نے ایک خط یزید کو لکھا اور اس میں مسلمؑ بن عقیل کی کوفہ آمد، لوگوں کا ہزاروں کی تعداد میں ان کی بیعت کر لینا اور نعمان کی سستی اور کمزوری کو درج کیا کہ اگر تمہیں کوفہ کی ضرورت ہے تو کسی کامل، سفاک حکمران کی ضرورت ہے جو شہر کو دشمن کے گزند سے محفوظ کر سکے۔ اور اسی مضمون پر مشتمل دوسرا خط عمر بن سعد نے یزید کو لکھا اور اس طرح کئی لوگوں نے خطوط لکھے اور اسے کوفہ کے حالات بتائے۔

یزید کوفہ کے حالات سے آگاہ ہونے کے بعد اور مسلمؑ کے کوفہ میں ورود کی اطلاع ملنے پر سخت پریشان تھا۔ معاویہ کا غلام سرجون یزید کو بہت محبوب تھا۔ اس سے مشورہ کیا کہ اب کیا کروں کہ کوفہ کے ان بپھرے حالات میں حسینؑ بن علیؑ کوفہ جا رہے ہیں اور اپنے جانے سے پہلے مسلمؑ نے اپنے نائب کو بھیجا ہے اور کافی تعداد میں لوگوں نے بیعت کر لی ہے ـــــ اور دوسری بات یہ ہے کہ کوفہ کا حاکم نعمان بن بشیر دشمن کا قلع قمع کرنے میں ناکام ہے، تو اب ان حالات میں کیا کروں؟

سرجون کی عبیداللہ بن زیاد سے دوستی تھی، اس نے کہا: اگر آپ اپنے باپ کے عہدنامے کو دیکھیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا اور عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنا دیں۔ وہ واحد شخص ہے جو ان مشکل حالات میں کارآمد ہو سکے اور کنٹرول کر سکے۔

یزید نے معاویہ والا عہدنامہ نکال کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ کوفہ اور بصرہ کو ابن زیاد کی حکومت اور تصرف میں رکھنا کیونکہ اس کے علاوہ ان دو شہروں پر کنٹرول کر کے حکومت کرنا صرف اسی کا کام ہے۔

یزید کا قرآن کو پارہ پارہ کرنا

یزید نے فوراً مسلم بن عمرو باہلی کو بلایا اور ان دو شہروں کی حکومت کا کنٹرول ابن زیاد کے پاس ہونا لکھا اور اس میں یہ لکھا: اے فرزند زیاد! مجھے اپنے دوستوں نے کوفہ سے خبر دی ہے کہ فرزند عقیلؑ کوفہ میں بیعت لے رہے ہیں، اس نے حزب اور لشکر بنائے ہیں، مسلمانوں کے عصا کے ٹوٹنے سے پہلے بہت جلدی کوفہ پہنچو اور مسلمؑ کو گرفتار کرو اور قتل کر دو یا شہر بدر کر دو یا

ایسی مصیبت اس کے سر پر ڈالو کہ پھر کبھی کوفہ آنے کا نام تک نہ لے ــــ والسلام!

جب یہ خط ابن زیاد نابکار کے ہاتھوں میں پہنچا تو اسی وقت کوفہ کی طرف روانگی اور کوفہ کو فوری کنٹرول کا نقشہ بنالیا اور دوسرے دن بصرہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ یزید نے شام سے ایک لشکر ابن زیاد کی نصرت کے لیے کوفہ بھیجا اور لشکر بھیجتے وقت قرآن سے استخارہ کیا اور یہ آیت آئی: وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (سورۂ ابراہیم، آیہ ۱۵) ''اس مبارزہ میں ہر ایک فتح چاہتا ہے لیکن رسوائی ظالم جابر کی ہوتی ہے''۔

دوسری مرتبہ استخارہ کیا، پھر وہی آیت نکلی اور تیسری مرتبہ استخارہ کیا تو بھی وہی آیت نکلی تو اس ولدالزنا نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور کہا: اے قرآن! جب تو روزِ محشر آیا تو میری شکایت کرنا کہ مجھے یزید نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے۔

ابن زیاد کا بصرہ سے کوفہ کی طرف سفر

جب یزید نے بصرہ وکوفہ کی حکومتیں ابنِ زیاد کے حوالے کردیں اور مسلمؑ بن عقیل کے قتل کا حکم جاری کردیا تو اس نے کوفہ جانے سے پہلے بصرہ کو نظم ونسق دیا۔ دوسری طرف اشراف بصرہ جو محبِ اہلِ بیتؑ تھے جن کے درمیان خط وکتابت جاری تھی۔ ان تمام خطوط کو انھوں نے چھپالیا لیکن منذر بن جارود جس کی لڑکی بحریہ ابن زیاد کے گھر میں تھی، وہ ظالم خون بہانے کا سوچ رہا تھا کہ یہ بحریہ اس ڈر سے کہ خون خرابہ زیادہ نہ ہو، امامؑ کا وہ خط لائی جو اس کے پاس تھا اور وہ سلیمان لایا تھا۔ اس ملعون نے سلیمان کو گرفتار کیا اور رات کو سولی پر لٹکا دیا اور صبح سویرے کوفہ کی طرف چلا گیا۔

بہرصورت جب مسلم بن عمرو باہلی قتیبہ کا باپ بصرہ میں آیا تو کوفہ کی امارت کا عہد اور یزید کا ابن زیاد کے نام خط دیا اور سفر کا حکم دیا اور منبر پر گیا اور یہ خطبہ پڑھا: (یہ خطبہ قمقام ذخار میں موجود ہے)

امابعد! مجھے ان آوازوں سے نجات نہیں دے سکتے اور کوئی شخص میری دشمنی اور مقابلہ پر ثبات نہیں کرسکتا کہ میں اپنے دشمنوں کے ذوق پر زہر قاتل ہوں۔ یزید نے مجھے کوفہ کی حکومت دی ہے اور عثمان نے اپنے بھائی کو تمہارے اُوپر اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ صبح میں کوفہ جاؤں گا، خبردار، ہماری مخالفت سے بچ کر رہنا جس نے مخالفت کی تو اسے اور اس کے سردار کو قتل کردوں گا اور گناہوں میں تمہارے نزدیکوں کو پکڑوں گا اور زیاد کا طریقہ جاری کروں گا تاکہ نفاق اور افتراق ختم ہوجائے۔

دوسرے دن شریک بن اعور حارثی جو علیؑ کا شیعہ تھا، مسلم بن عمرو باہلی نے عبداللہ بن الحارث بن نوفل اور دیگر پانچ سو افراد کے ساتھ بصرہ سے روانگی اختیار کی۔ عبیداللہ نے بڑی تیزی سے سفر کیا کہ کچھ ساتھی پیچھے رہ گئے۔ پہلا شخص جس نے تیزی سے سفر کرنے کی مخالفت کی وہ شریک بن اعور حارثی تھے، اس امید سے کہ اس ملعون کا ورود کوفہ میں دیر سے ہو اور

حضرت سید الشہداءؑ پہلے پہنچ جائیں۔ عبید اللہ نے اپنے ساتھیوں کے حال کی طرف بالکل توجہ نہ کی بلکہ بڑی تیزی سے کوفہ کی طرف متوجہ رہا۔ جب قادسیہ پہنچا اور اس کا غلام مہران بھی سفر کرنے سے تھک گیا تو ابن زیاد نے اس سے کہا: اے مہران! اگر اپنے آپ پر کنٹرول کرو اور ہمت کرو تو تمہیں کوفہ کے محل میں پہنچ کر ایک لاکھ درہم انعام دوں گا۔

اس نے کہا: میری اب آگے جانے کی طاقت نہیں میں بہت نڈھال ہوں۔

عبید اللہ نے اہلِ حجاز کی طرح سفید لباس اور سیاہ عمامہ باندھا۔ ایسے خچر پر سوار ہو کر اس راستہ سے کوفہ پہنچا جو صحرا اور نجف کی طرف سے جاتا تھا۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب عبید اللہ شہر کے قریب پہنچا تو ذرا توقف کیا اور رات کو تنہا کوفہ میں داخل ہوا اور بعض نے کہا: دس آدمیوں کے ساتھ داخل ہوا۔

ابن زیاد کا کوفہ میں ورود

تاریخ میں آیا کہ جس رات عبید اللہ کوفہ میں داخل ہوا وہ مہتابی رات تھی۔ اہلِ کوفہ سے سنا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کوفہ آ رہے ہیں لہٰذا وہ انتظار میں تھے۔ جب انھوں نے ایک گروہ کو رات کو آتے ہوئے دیکھا تو سمجھے کہ امام حسینؑ آ رہے ہیں لہٰذا گروہ در گروہ آئے اور استقبال کرتے رہے اور یہ کہہ رہے تھے:

مرحبا بك یابن رسول الله، ''خوش آمدید اے فرزندِ رسولؐ!''

ابن نما لکھتے ہیں: پہلا شخص جو ابن زیاد کو کوفہ میں ملا وہ ایک عورت تھی۔ جب اس کی نظر اس گروہ پر پڑی تو باآواز بلند کہنے لگی: اللہ اکبر! خدا کی قسم! یہ فرزندِ رسولؐ آ گئے اور ہمارے شہر میں قدم رنجہ فرمایا ہے۔ اس آواز نے پورے کوفہ میں ہیجان برپا کر دیا کہ مولا حسینؑ آ گئے۔ لوگ استقبال کے لیے آتے گئے اور ان کی تعداد زیادہ ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ ابن زیاد کے خچر کی دم پکڑلی کیونکہ ان کا خیال تھا یہ فرزند رسولؐ ہے۔ وہ کسی سے بولتا نہ تھا اور چلتا رہا۔ جب قصر دارالامارہ پر پہنچا۔ دروازہ بند تھا کیونکہ نعمان بن بشیر کوفہ کا امیر تھا۔ وہ لوگوں کے ڈر سے دروازہ بند کر کے بیٹھا تھا کہ شاہِ دین امام حسین علیہ السلام اس دارالامارہ کے محل کا دروازہ کھولیں لہٰذا چند نفر نگہبان کھڑے تھے۔ انھوں نے نعمان کو خبر دی کہ یہ حسینؑ بن علیؑ اپنے لشکر اور حامیوں کے ساتھ دارالامارہ پہنچ گئے ہیں۔ نعمان دارالامارہ کی چھت پر گیا اور ہجوم کو دیکھا تو وہ ڈر گیا اور کانپتے کانپتے کہا: یابن رسولؐ اللہ! کوفہ بے وارث نہیں خواہ مخواہ فتنہ برپا نہ کریں، یزید آپ کو یہ شہر حوالے کرنے والا نہیں۔ کسی اور جگہ ٹھہریں، صبح دیکھا جائے گا کہ کیا بنتا ہے۔

لوگ نعمان کو گالیاں دے رہے تھے اور کہتے تھے: اے ملعون! دروازہ کھول اور فرزندِ رسولؐ کو اندر آنے دے کہ وہی

خلافت کے اہل ہیں۔لوگوں نے جس قدر اصرار کیا نعمان نے معذرت کی۔ اس وقت ابن زیاد نے دیکھا کہ یہ دروازہ نہیں کھولے گا لہٰذا اس نے مجبوراً اپنے چہرے سے نقاب اُتاری اور کہا: افتح لعنك الله ''دروازہ کھول خدا تم پر لعنت کرے''۔ خدا تیرا چہرہ سیاہ کرے دروازہ کھول، تیرے اس طرح حکومت کرنے پر لعنت ہے۔

اِدھر مسلم بن عمرو باہلی نے آواز دی: اے اہلِ کوفہ! یہ فرزندِ رسولؐ نہیں یہ عبیداللہ بن زیاد ہے۔ جب عبیداللہ نے سر سے عمامہ اتارا تو لوگوں نے پہچانا کہ یہ عبیداللہ بن زیادہ ہے تو دارالامارہ کے دروازے سے واپس چلے گئے اور متفرق ہوگئے۔

پھر نعمان نے حکم دیا اور دارالامارہ کا دروازہ کھل گیا اور ابن زیاد اپنے گروہ کے ساتھ دارالامارہ میں داخل ہوا۔ ابن زیاد جب تختِ حکومت پر بیٹھ گیا تو سخت غصے میں کہنے لگا: نعمان! تم پر لعنت ہو شہر میں یہ کیا حالات بنا دیے ہیں؟

جو لوگ قصر دارالامارہ میں موجود تھے، ابن زیاد کے زبانی حملوں سے ڈر کر جواب میں کہا: ہمیں خبر نہیں، یہ فتنہ کسی اور نے پیدا کر دیا ہے۔ ہم نے یزید کی بیعت نہیں توڑی اور کسی سے عہد نہیں کیا۔

ابن زیاد نے کہا: میرے ہاتھ پر جو یزید کا ہاتھ ہے بیعت کرو تو تمام رؤسائے کوفہ نے ڈر کے مارے اس کی بیعت کی۔

عبیداللہ کا کوفہ کے اجتماع سے خطاب

مرحوم شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں لکھا ہے کہ دوسرے دن صبح سویرے ابن زیاد نے اعلان کروایا کہ لوگ جامع مسجد میں جمع ہوجائیں تو لوگ دستہ دستہ مسجد میں آئے اور عبیداللہ بن زیاد کا انتظار کیا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ کچھ وقت کے بعد وہ ملعون کافر آیا، منبر پر بیٹھا اور حمد و ثنا کے بعد کہا: مجھے یزید نے کوفہ کا امیر بنا دیا ہے اور یزید کا حکم نامہ پڑھ کر سنایا گیا۔ پھر اچھے لالچ اور خوشخبریاں دی گئیں اور پھر کہا:

اے لوگو! یزید نے مجھے والئ کوفہ بنایا ہے کہ رعیت سے انصاف کروں اور ظلم و جور نہ کروں، میں مطیع اور مخلص لوگوں سے ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہوں اور مخالفوں اور باغیوں کو تلوار سے تیز اور تازیانہ سے زیادہ مارنے والا ہوں۔ میرا پیغام اس ہاشمی (مسلمؑ بن عقیل) کو پہنچا دو اور اسے کہو کہ ابن زیاد کہہ رہا ہے کہ میرے غضب سے ڈرو ورنہ بہت جلد گرفتار ہوجاؤ گے بہتر ہے کہ کوفہ سے چلے جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے۔۔۔۔۔ والسلام!

پھر محل میں چلا گیا اور کوفہ کے تمام رؤسا اور امراء کو بلایا اور ان پر سختی کرتے ہوئے کہا: ہر قوم کے فعال کارکنوں اور مخالفین خارجیوں کے نام لکھیں اور ان کو پکڑ کر میرے پاس لائیں تو وہ بری ہوگا اور اگر ان کے نام لکھ کر نہ دو گے تو پھر ضمانت دو

کہ کوئی مخالفت نہ کرے گا اور اگر تم نے ان کو چھپایا اور مخفی کیا تو ان کو سولی پر لٹکاؤں گا اور اپنی عطا سے محروم کروں گا، ان کی جان اور مال مجھ پر حلال ہوگا۔

مقتل ابی مخنف میں ہے کہ ابن زیاد نے اعلان کروایا کہ یزید کی بیعت پر ثابت قدم رہو۔ عنقریب شام سے ایک لشکر آ رہا ہے جو مخالفین کو قتل اور ان کی عورتوں کو قیدی بنا لے گا۔

کوفہ کے لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ہمیں کیا کہ ہم مارے جائیں اور مخالفت یزید کرنا جس کے پاس خزانہ اور مال ہے اور اس کی بیعت کرنا جس کے پاس نہ مال ہو نہ خزانہ، خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

مسلم بن عقیلؑ کی احمد مختار کے گھر سے ہانی کے گھر منتقلی

چونکہ حضرت مسلمؑ کو حالات کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی سکونت مختار کے گھر سے ہانی کے گھر میں منتقل کر دی۔ اس حوالہ سے مسلمؑ نے جناب ہانیؓ سے کہا: کیا ان شرائط میں مجھے اپنا مہمان بنا سکتے ہو؟ ہانی نے کہا: آپؑ نے بہت سخت کام ذمے لگایا، اگر میری منزل میں وارد نہ ہو چکے ہوتے تو میں معذرت کرتا لیکن آپؑ جیسے بزرگوں کو مجھ جیسا شخص انکار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا بڑے سکون اور سلامتی سے میرے گھر رہیے۔ پس مسلمؑ ہانی کے گھر میں پوشیدہ ہو گئے۔ کوفہ کے شیعہ ان کے پاس آتے جاتے تھے، اس وقت پچیس ہزار آدمی بیعت کر چکے تھے۔ مسلمؑ نے قیام کا ارادہ کیا لیکن ہانی نے کہا: جلدی نہ کرو بہتر ہے۔

چند دنوں کے بعد غلام معقل کو ابن زیاد نے کہا: یہ تین ہزار درہم ہیں۔ کسی شیعہ کو تلاش کرو، اس کے سامنے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرو اور اس کو یہ رقم دو کہ یہ رقم لو اور دشمنانِ دین کی جنگ میں میری مدد قبول کرو۔ جب یوں کرو گے تو وہ تم سے کچھ نہ چھپائے گا اور بہت زیادہ کوشش کر کے مسلمؑ کی تلاش کرو کہ وہ کہاں ہیں اور ان کے ساتھی کون ہیں؟

معقل مسجد میں آیا، مسلم بن عوسجہ کو دیکھا۔ کہ نماز پڑھ رہا ہے وہ بیٹھ گیا اور لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ یہ شخص مسلم بن عوسجہ مسلمؑ کی طرف سے بیعت لیتا ہے۔ جب مسلمؒ نماز سے فارغ ہوئے تو معقل نے کہا: میں شامی شخص ہوں اور اہلِ بیتؑ کا دوست اور ذوالکلاع حمیری کے موالیوں میں سے ہوں اور پھر کہا: میں مسافر ہوں اگر مجھے زیارت کروا دیں اس شخص کی جو میرے مولا حسینؑ کی بیعت لے رہا ہے کیوں کہ میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ آپ کو ان سے آشنائی ہے۔ میں یہ مال دینا چاہتا ہوں اگر آپ چاہتے ہیں تو یہ مال لے کر میری بیعت آپ لے لیں ورنہ مجھے ان کی زیارت کروا دیں۔

مسلم بن عوسجہ نے کہا: اس مسجد میں میرا انتخاب کیوں کیا ہے، مجھے اپنا ہم راز کیسے پایا ہے۔

معقل نے کہا: خیر کے آثار اور فلاح کے اظہار، اور رشد کے انوار آپ کے چہرے میں دیکھے تو میں نے خیال کیا کہ

آپ محبانِ اہلِ بیتؑ میں سے ہیں۔

مسلم بن عوسجہ چونکہ سادہ طبیعت کے تھے لہٰذا اس سے کہا تیرا گمان غلط نہ تھا میں محبِ اہلِ بیتؑ ہوں، میرا نام مسلم بن عوسجہ ہے، آؤ خدا سے عہدوپیمان کریں اور اس راز کو کسی کے سامنے فاش نہ کرنا تاکہ میں تجھے مقصود تک پہنچاؤں۔

معقل نے جھوٹی قسم اُٹھائی کہ راز فاش نہ کروں گا۔

مسلم بن عوسجہ نے کہا: آج جاؤ، کل میرے مکان پر آنا، میں تجھے مسلمؑ بن عقیل کے پاس لے چلوں گا۔ دوسرے دن مسلم بن عوسجہ معقل کو مسلمؑ بن عقیل کے پاس لے گئے۔ معقل حضرت مسلمؑ کے پاؤں پر گر پڑا اور آپؑ کے ہاتھوں کو چوما اور تین ہزار درہم حوالے کیے۔

مسلمؑ بن عقیل نے فرمایا: اس شخص سے مجھے رشد کے آثار تو نظر نہیں آرہے ہیں۔ میں خدا کی قضا پر راضی ہوں، قرآن لاؤ تاکہ اس کو قسم دلاؤں، قرآن لایا گیا۔ معقل نے قسم اٹھائی کہ آپ کا راز فاش نہ کروں گا اور اگر سر بھی کٹ جائے تو بھی بیعت نہ توڑوں گا۔ اس روز شام تک وہ ہانی کے گھر رہا اور تمام حالات سے باخبر ہوگیا۔ بوقتِ غروب مرخص ہوگیا اور ابن زیاد کو پوری تفصیل بتادی۔ ابن زیاد نے غلام کو شاباش دی اور کہا: مسلمؑ کے حضور رہو ممکن ہے کہ وہ مکان تبدیل کریں اور ہم غافل رہیں۔

عبداللہ بن یقطرؒ کی گرفتاری اور شہادت

مرحوم شیخ مفید علیہ الرحمہ ارشاد میں لکھتے ہیں: ہانی ابن زیاد کی حکومت سے خائف تھے لہٰذا ابن زیاد کے پاس نہ جاتے تھے اور بیماری کا بہانہ بنایا ہوا تھا۔ ابن زیاد نے دربار میں کہا: مَا لِی لا اریٰ ھانیًا ''کیا ہوا کہ ہانی ہمارے پاس نہیں آئے؟''

کہا گیا اے امیر! وہ بیمار اور کمزور ہیں۔

ابن زیاد نے کہا: کاش ہمیں ان کی بیماری کا علم پہلے ہوتا تو اُن کی عیادت کرتے۔ جب عمرو بن حجاج زبیدی، ہانی کے سُسر نے کہا: وہ بیمار ہیں تو ابن زیاد نے کہا: مجھے ان کی صحت وسلامتی کی اطلاع ہے، وہ اپنے گھر پر صفّہ میں بیٹھتے ہیں اور لوگ ان کے پاس آمدورفت رکھتے ہیں۔ تم، محمد بن اشعث اور یحییٰ میری طرف سے ان کی عیادت پر جاؤ تاکہ اشرافِ کوفہ کی عظمت کا حق ادا ہو۔ اس وقت ابن زیاد کا دوست جلدی سے آیا اور کہا: اے امیر! ایک تازہ خبر لایا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا: کیا ہے؟ اس نے کہا: میں ابھی تفریح کے لیے صحرا میں گیا تھا کہ ایک تیزی سے جانے والے قاصد کو دیکھا، اس سے پوچھا تم

کون ہو اور کس طرف جا رہے ہو تو اس نے کہا: میں مدینہ کا ہوں۔ کچھ عرصہ وہاں کام تھا اب کوفہ میں واپس جا رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اہلِ کوفہ سے کسی کا خط بھی تمہارے پاس ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں سواری سے اُترا، اس کے لباس وسامان کی تلاشی لی تو ایک خط نکلا۔ وہ خط اور اس شخص کو گرفتار کر کے لایا ہوں اور (مزید کارروائی کے لیے) تمہارے حکم کا انتظار ہے۔

ابن زیاد نے خط پڑھا تو لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یہ مسلمؑ کی طرف سے سلطانِ حجاز کے نام خط ہے!

آپؑ پر قربان ہوں میں نے آپؑ کے دوستوں اور شیعوں کو آپ کا مطیع پایا ہے۔ سب آپ کے آنے کی انتظار میں ہیں۔ ابھی ۲۰ ہزار نفر نے بیعت کر لی ہے اور ان کے نام لکھ لیے ہیں۔ آپ جلدی کوفہ آئیں ـــــ والسلام!

ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ یہ قاصد عبداللہ بن یقطرؓ تھا۔ ابن زیاد نے قاصد کو طلب کیا اور پوچھا: تم کون ہو؟

کہا: میں بنی ہاشم کا غلام ہوں۔

پوچھا: کیا نام ہے؟

کہا: عبداللہ بن یقطرؓ

پوچھا: یہ خط کس نے لکھا اور کس نے دیا ہے؟

کہا: اس شہر کی ایک بوڑھی نے مجھے کہا: چونکہ تم مدینہ جا رہے ہو تو یہ خط آقا کو پہنچا دینا۔

پوچھا: کیا اُس کو جانتا ہے؟

کہا: نہیں۔

ابن زیاد نے کہا: دو کاموں میں سے ایک کام کرو کہ یا خط لکھنے والے کی نشان دہی کرو تاکہ میری گرفت سے نجات پاؤ یا پھر قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

عبداللہ بن یقطرؓ نے کہا: خدا کی قسم! نہ میں اس بوڑھی سے کم ہوں جس نے مجھے خط دیا، مجھے قتل ہو جانا منظور ہے۔ ابن زیاد نے غضب ناک لہجے سے کہا: جلاد کو جلدی لاؤ اور اس مظلوم غریب کے قتل کا حکم دے دیا۔ جلاد آیا اور داڑھی سے پکڑ کر اسے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر بٹھایا۔ اس مظلوم نے حسرت بھری نگاہوں سے مکہ کی طرف دیکھا اور کہا: اگر مجھے پتہ ہوتا کہ دوبارہ آپ کی زیارت سے محروم ہو جاؤں گا تو کوفہ آنے سے پہلے سیر ہو کر آپ کی زیارت کرتا۔ بہرصورت جلاد نے بھیڑ بکری کی طرح مظلوم کا سر تن سے جدا کر دیا اور یہ واقعہ ۶ ذی الحجہ کو یعنی جنابِ مسلمؑ کی شہادت سے تین دن پہلے رونما ہوا۔

ہانی بن عروہ کی گرفتاری

جب ابن زیاد حضرت مسلمؑ کو گرفتار اور قتل کرنے کے لیے کوفہ آیا تو چند روز حضرتؑ کو تلاش کیا۔ جب معقل غلام کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ وہ ہانی کے گھر ہیں۔ ابن زیاد نے عمرو بن حجاج (ہانی کے سُسر)، محمد بن اشعث اور اسماء بن خارجہ کو بلایا اور انہیں ہانی کو بلانے کا حکم دیا تا کہ معلوم ہو کہ وہ ہمارے دربار میں کیوں نہیں آتے۔

شیخ مفیدؒ ارشاد میں لکھتے ہیں: تین شخص ہانی کے گھر آئے دیکھا کہ وہ لوگوں سے ملاقات کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: مَا یمنعك من القاء الامیر ''آپ دیدار امیر کو نہیں آئے''۔ ابن زیاد آپ کو بلا رہا ہے، ہر روز آپ کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وہ بیمار ہیں تو میں عیادت کے لیے جاتا ہوں۔

ہانی نے کہا: ہاں کئی دن سے بیمار رہا ہوں، اس لیے دربار میں نہیں آسکا۔

عمرو بن حجاج نے کہا: بعض نے ابن زیاد کو خبر دی ہے کہ تم بیمار نہیں ہو۔ ہر روز گھر میں صفہ کے نیچے بیٹھ کر لوگوں کو کوستے رہتے ہیں۔ آپ امیر کی ناراضگی کے اسباب کیوں پیدا کر رہے ہیں۔ ہانی نے لباسِ حضوری پہنا اور ان منافقوں کے ساتھ دارالامارہ پہنچے۔ اچانک خیال آیا کہ شاید میرے حالات سے ابن زیاد باخبر ہے اور مواخذہ کے لیے مجھے طلب کیا ہے۔ چنانچہ نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے اور نہ اندر جانے کو دل مان رہا تھا لہٰذا اڑے رنگ اور کانپتے بدن سے حسان بن اسما بن خارجہ سے کہا:

یابن الاخ انی واللہ لِھٰذَا الرجَلَ لَخَائِفٌ ''مجھے اس شخص سے ڈر ہے مجھے اجازت دو کہ میں واپس چلا جاؤں'' یا مجھے بتاؤ کہ وہ مجھے کیوں بلاتا ہے اور کیا پوچھنا چاہتا ہے؟

حسان بن اسما بن خارجہ نے کہا: چچا جان! مجھے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا، دل سے ایسے خیالات نکال دیں، آپ کی جان اور عزت محفوظ ہے البتہ حسان کو تمام امور کی اطلاع نہ تھی اور معقل کے ذریعے جو اطلاعات ابن زیاد کو پہنچ چکی تھیں وہ ان سے بے خبر تھا۔

ہانی نے ذرا سکون محسوس کیا اور تقدیر الٰہی کو قبول کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دربار میں پہنچے۔ مجلس ابن زیاد آراستہ تھی اور اکابرین وارکانِ کوفہ سے پُر تھی۔ جب ابن زیاد نے ہانی کو دیکھا تو کہا: تجھے اپنے دو پاؤں لے آئے ہیں۔ ہانی نے اس کلام سے بہت بُرا گمان کیا۔

ابن زیاد نے قاضی شریح سے کہا میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور یہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔

ہانی نے کہا: اے امیر! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کون سی خیانت کی ہے؟

ابن زیاد نے کہا: یہ جو فتنہ ہے جو تو نے اپنے گھر میں برپا کر رکھا ہے۔ مسلمؑ بن عقیل کو اپنے گھر میں مہمان بنایا ہے اور پناہ دے رکھی ہے اور لوگوں سے حسینؑ کی بیعت لے رہے ہو۔ اسلحہ اور لشکر جمع کر رہے ہو۔ کیا تم خیال کرتے ہو مجھے کچھ خبر نہیں۔

ہانی نے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ سمجھا اس لیے کہا: جو تو کہہ رہا ہے اس کی مجھے خبر نہیں۔ میں نے یہ کام کیے ہیں اور نہ مسلمؑ میرے گھر میں ہیں۔

ابن زیاد غضب ناک ہوا اور کہا: معقل غلام کو حاضر کرو۔ جب ہانی نے معقل کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ تمام فتنہ برپا کرنے والا یہی ہے۔

ابن زیاد نے کہا: تو کیا اسے جانتے ہو؟

ہانی نے سر نیچے کر لیا اور اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگے۔ پھر سر بلند کیا اور کہا: اے امیر! میری بات کو غور سے سنو اور قبول کرو۔ مجھے آسمان و زمین کے خدا کی قسم کہ میں نے مسلمؑ کو خود گھر میں نہیں بلایا بلکہ وہ خود بخود میرے گھر آ گئے ہیں۔ انھوں نے پناہ مانگی تو مجھے اس سے حیا مانع ہوئی کہ ان کی درخواست کو رد کر دوں۔ اب امیر کو اختیار ہے اگر حکم کرو تو آج کے بعد میری طرف سے کوئی غلطی سرزد نہ ہوگی اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہاری مخالفت نہ کروں گا۔ اگر تم حکم دیتے ہو تو ابھی مسلمؑ کو اپنے گھر سے نکال دیتا ہوں تا کہ جہاں جانا چاہیں چلے جائیں اور میری ذمہ داری ختم ہو جائے۔

ابن زیاد نے کہا: خدا کی قسم! تم یہاں سے نہیں جا سکتے مگر اس طرح کہ مسلمؑ کو میرے حوالے کر دو۔ ہانی نے کہا: میں یہ کام نہیں کر سکتا کہ اپنے مہمان کو اپنے ہاتھوں تمہارے حوالے کر دوں۔

ابن زیاد نے کہا: تمھیں حاضر کرنا پڑے گا۔

ہانی نے کہا: اس کام کو بھول جاؤ۔ یہ شریعت، طریقت اور مروت سے بہت دُور ہے کہ اپنی پناہ میں آئے ہوئے شخص کو اپنے ہاتھوں تمہارے حوالے کروں کہ تم ان کو قتل کر دو۔

ابن زیاد نے جس قدر اصرار کیا اور حاضرین نے مبالغہ کیا۔ ہانی نے انکار کر دیا۔ مسلم بن عمرو باہلی نے کہا: اے امیر! مجھے اجازت دیں تا کہ میں ان سے بات کر لوں۔ شاید میری بات ان کی سمجھ میں آ جائے، اس نے اجازت دی تو مسلم بن عمرو نے ہانی کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف لے گیا، پھر کہا: اے بھائی! آپ سے عاقل کے لیے حیف ہے کہ اس قدر شکوہ اور جلالت رکھنے کے باوجود ایک شخص کی وجہ سے اپنی ہلاکت کا فیصلہ کر لو اور اپنے اہل و عیال اور قوم و قبیلہ کو برباد کر دو۔ یہ شخص جسے تم نے پناہ دے رکھی ہے، کی امیر کے ساتھ رشتہ داری ہے لہٰذا امیر کی طرف سے اسے نقصان نہ پہنچے گا اور تمہارے انصاف اور مروت

سے بھی کوئی چیز کم نہ ہوگی اور مقصّر کو سلطان کے حوالے کرنا عار نہیں بلکہ عُقلا کے نزدیک امیر کی مخالفت کرنا ننگ و عار ہے۔

ہانی نے کہا: یہ کیا خرافات ہیں جو تم بتا رہے ہو۔ سب سے بڑی ننگ و عار تو یہ ہے کہ کسی پناہ میں موجود شخص کو دشمن کے حوالے کیا جائے۔ اس ننگ و عار کو کہاں لے جاؤں کہ میں زندہ ہوں، دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں؟ قدرت، قوت، قبیلہ اور جمعیت کی حمایت بھی رکھتا ہوں اور پھر بھی التجا کروں کہ خود کو دشمن کے حوالے کردو۔ حاشاء و کلا، یہ کام میں نہیں کرسکتا۔

ابن زیاد جنابِ ہانی کی باتوں سے بہت غصے میں آ گیا اور آواز دی: اُدْنُوهُ مِنِّي، اسے میرے قریب لاؤ۔ جنابِ ہانی کو قریب لے جایا گیا تو اس نے کہا: مسلمؑ بن عقیل کو میرے حوالے کرو یا قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

ہانی نے کہا: اگر تم یہ کام کرو گے تو ابھی تیرے دارالامارہ کے اردگرد آگ لگ جائے گی، تلواریں نکلیں گئیں اور قتل و غارت ہوگی۔

یہ کلمات جنابِ ہانی نے اس لیے کہے تھے کہ اپنی قوم، قبیلہ کی حمایت سے پشت گرم تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے ابن زیاد اپنے بُرے ارادے سے درگزر کرے گا۔ جناب ہانی ایک بڑی شخصیت تھے، ضرورت کے وقت چار ہزار زرہ پوش اور آٹھ ہزار پیدل لوگ ہمیشہ ساتھ رہتے تھے۔ کندہ کے قبائل سے ان کو ۳۰ ہزار جوانوں کی حمایت حاصل تھی۔

ابن زیاد نے کہا: مجھے تلواروں سے ڈراتا ہے؟ پھر آواز دی: مہران اسے پکڑو۔ مہران نے ہانی کا عصا پھینک دیا اور انہیں بالوں سے پکڑ لیا۔ ابن زیاد نے ان کے ہاتھ والی چھڑی لے کر ہانی کے سر اور چہرے پر بڑے زور زور سے مارنا شروع کردیا۔ جس سے اُن کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اور خون جاری ہوگیا۔ سر و پیشانی کا خون اور گوشت ان کی داڑھی اور جسم پر گرنے لگا۔

جنابِ ہانی نے ایک شخص سے تلوار مانگی لیکن اس نے نہ دی تو ابن زیاد نے کہا: آج تیرا خون مباح ہے کیونکہ تو خارجیوں کی راہ پر چلا ہے لہٰذا ہانی کو کھنچا اور دارالامارہ کے ایک کمرے میں قید کردیا اور چند محافظ اُن پر مقرر کردیے۔

اسما بن خارجہ یا حسان بن اسماء نے کہا: اے امیرِ! تمہارے اشارے پر ہم اسے تمہارے پاس لائے ہیں اور اسے کمال کی امید دلائی تھی نیز اس کے بارے تم سے بھی بہت اچھا سنا تھا۔ جب وہ تمہارے پاس آ گیا تو تم نے اسے اس قدر ذلیل و خوار کیا اور اس کے قتل کا ارادہ کرلیا۔ یہ کون سی بزرگی اور سرپرستی ہے جس پر عمل کر رہے ہو؟

ابن زیاد غضب ناک ہوا اور کہا: تم کون ہو یہ باتیں کرنے والے کہ یہ فضول باتیں کرتے ہو۔ پھر آواز دی کہ اسے سزا دو، تازیانے مارو اور زندان میں ڈال دو۔ غلاموں نے اسے گھسیٹ کر ایک کونے میں بٹھا دیا۔

ابومخنف کہتے ہیں: جب چھڑی سے ابن زیاد نے ہانی کے سر اور چہرے پر مارا اور زخمی کیا تو اس شیر دل نے ایک غلام

سے تلوار چھینی اور ابن زیاد پر حملہ کردیا۔ اس کے سر پر تلوار دے ماری، تلوار اس کے ریشمی عمامہ سے گزر کر اس کے سر میں جا لگی اور سر زخمی ہوگیا۔ ابن زیاد نے نعرہ لگایا: پکڑو، پکڑو۔ معقل غلام دوڑا تو ہانی نے وہی تلوار معقل کو ماری تو اس کے سر اور گلے کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ جس طرح دوسرے غلاموں نے اس پر ہجوم کیا لیکن ہانی نے اپنی ایمانی قوت سے تمام پر حملہ کردیا جس طرح شیر بھیڑوں کے گلے پر حملہ کردیتا ہے۔ ایک حملہ دائیں اور ایک حملہ بائیں کر کے ۲۵ غلام اور ابن زیاد کے خوشامدیوں کو جہنم میں بھیج دیا۔ وہ لڑائی کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اہلِ شقاق! اگر خاندانِ رسول کا ایک بچہ میرے گھر میں آئے تو جب تک میری جان میں جان ہے اس کی حمایت کرتا رہوں گا۔ شخص قبیل جلیل حضرت مسلم بن عقیل خود بھی اپنا مقام رکھتے ہیں لیکن اب وہ سلطان بر و بحر، مالک جود و سخا، دانا کے خیر و بشر اور رسولؐ کے خاص الخاص امام حسینؑ کے نائب بن کر آئے ہیں، میں ان کی حمایت کر رہا ہوں۔ بہرصورت اس کے نوکروں، چاکروں اور غلاموں نے ابن زیاد کی حمایت میں ملک کر حملہ کیا اور ہانی کے تھک جانے اور زخمی ہوجانے کے بعد اسے قیدی بنالیا اور ہاتھوں کو باندھ کر ایک کونے میں قید کردیا۔

ملا حسین کاشفی - روضۃ الشہداء

ملا حسین کاشفی ایک طویل مقالے کے آخر میں لکھتے ہیں: ابن زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کو پانچ سو تازیانے مارے جائیں۔ تازیانے مارے گئے تو وہ بے ہوش ہوگئے اور شہید ہوگئے، اور روایت میں ہے کہ انھیں بھرے بازار میں لے گئے۔ سر تن سے جدا کردیا اور جسم سولی پر لٹکا دیا اور سر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔

ہانی کی شہادت پر ردِ عمل

مرحوم صدر الدین واعظ قزوینی ریاض القدس میں لکھتے ہیں: شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں لکھا ہے: ہانی کے دربار میں حاضری اور اس کی شہادت کے وقت عمرو بن حجاج (ہانی کے سُسر) موجود نہ تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ہانی شہید ہوگئے تو انھوں نے قبیلہ مذحج کو اسلحہ کے ساتھ جمع کیا اور دارالامارہ کا محاصرہ کیا۔ تماش بین لوگ چھتوں اور دیواروں پر چڑھ گئے، تو تلواروں کی چمک ہی چمک نظر آتی تھی۔ عمرو آواز دیتا تھا کہ میں عمرو ہوں اور یہ قبیلہ مذحج ہے جس کو کوئی روک نہیں سکتا اور نہ یہ قبیلہ کسی کی اطاعت کرتا ہے۔

ابن زیاد کو محاصرے کا علم ہوا تو وہ خوف زدہ ہوا اور قاضی شریح سے کہا: جاؤ اور اس قوم کے بزرگ سے کہو کہ تمہارا ساتھی زندہ ہے قتل نہیں ہوا۔ بغاوت اور شورش ختم کرو اور ہانی کو انہیں دکھاؤ۔

شریح ہانی کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ تڑپ رہا ہے اور کہہ رہا تھا: الامان! کہاں ہیں اقوامِ اہلِ دین؟ اور امین کہاں

ہیں؟ کیا میرا قبیلہ غصے سے ہلاک ہو گیا ہے۔ ہانی یہ بین کر رہا تھا جب کہ سر اور چہرے سے خون جاری تھا تو اس حالت میں جناب ہانی کو چھت پر نہ لے جاسکا بلکہ خود چھت پر گیا۔ کہنے لگا: اے لوگو! آشوب اور فتنہ برپا نہ کرو۔ ہانی زندہ ہے۔ امیر نے تمہارے غم کو سمجھ لیا ہے اور محاصرہ کا سن لیا ہے مجھے کہا ہے کہ تمہیں بتاؤں کہ ہانی زندہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے وہ بالکل صحیح و سالم ہے۔ جس نے تمہیں اس کے قتل کی خبر دی ہے وہ جھوٹا ہے۔

لوگوں نے قاضی شریح کی باتوں پر یقین کیا اور عمرو بن حجاج نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ وہ زندہ ہے۔

حضرت مسلمؑ بن عقیل نے دارالامارہ کا محاصرہ کیا

عبداللہ حازم کہتا ہے کہ جب ابن زیاد کے گماشتوں نے ہانی کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا تو مسلمؑ بن عقیل نے مجھے کہا: تم ساتھ جاؤ اور حالات کی مجھے اطلاع دو۔ چنانچہ میں نے جناب ہانی کا زخمی ہونا اور قبیلہ مذحج کا محاصرہ اور قاضی شریح کی تسلی سے ان کا واپس آ جانا وغیرہ سب حالات سے جناب مسلمؑ کو آگاہ کیا۔ ادھر ہانی کے بچوں اور اہل وعیال کا گریہ بلند ہوا۔ جب مسلمؑ بن عقیل نے ہانی کے گھر سے یہ گریہ وبکا سنا تو دنیا ان پر تاریک ہوگئی اور مجھے کہا: جاؤ اور ہمارے محبوں کو بلاؤ۔ میں باہر گیا اور آواز دی تو جن لوگوں نے بیعت کی تھی وہ تھوڑے سے وقت میں کوئی چار ہزار شخص مسلح ہو کر آ گئے۔ کوچہ و بازار افراد سے پُر تھے۔ منادی کو کہا: چھت پر جا کر کہو یا منصورِ اُمت! مسلمؑ بن عقیل کے غلام نے نعرہ یا منصور اُمت بلند کیا۔ لوگ گروہ در گروہ، دستہ بہ دستہ اور علَم کے علَم، جنود و جیوش، جوش وخروش سے جمع ہو گئے۔ اسلحہ اور گھوڑوں کی لگاموں کی چھنکار کانوں پر بوجھ بن رہی تھی۔ جناب مسلمؑ چورستہ پر کھڑے ہو گئے۔ کندہ کے قبائل، مذحج، اسد، مضر، تمیم اور ہمدان کے لوگ اپنا اپنا علَم اٹھائے مسجد میں جمع ہوئے، لوگ آتے رہے، مسجد گلی کوچے، بازار افراد سے پُر ہو گئے۔ لوگ جوش وخروش کے نعرے لگا رہے تھے۔

یا اھل الدین! یا اھل المصر! یا اھل الغیرۃ! اُٹھو اور انتقام لو۔ یہ آوازیں اتنی اُونچی ہو گئیں کہ ابن زیاد کے کانوں تک جا پہنچیں۔ اس ہاؤہو نے ابن زیاد کو ایسا خوفزدہ کیا کہ وہ آوازیں دے رہا تھا، جلدی دارالامارہ کا دروازہ بند کرو۔

ابن زیاد محل میں محفوظ مقام پر پہنچ گیا۔ اس کے چند گماشتے غلام تقریباً ۳۰ لوگ اور اشراف کوفہ میں سے ۲۰ افراد سب کانپ رہے تھے۔ دُور دُور تک لوگ تھے اور انھوں نے دارالامارہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ پتھر اور ٹھیکریاں دارالامارہ میں پھینک رہے تھے اور ابن زیاد کے ماں باپ کو گالیاں دے رہے تھے۔ ابن زیاد کے یاروں میں نہ کوئی دارالامارہ کے اندر جاسکتا تھا اور نہ اندر سے باہر کوئی فرار کرسکتا تھا۔

بہرصورت ابن زیاد پر بڑی پریشانی آپڑی تھی۔ کثیر بن شہاب کو کہا: باہر جاؤ اور قبیلہ مذحج سے اپنے حامی لے کر آؤ۔ محاصرہ کرنے والوں کو ڈراؤ اور ان کو مسلمؑ بن عقیل سے دُور کرو۔ کثیر بن شہاب قبیلہ مذحج میں اختلاف ڈالنے کے لیے باب الرومین سے باہر نکلا اور قبیلہ مذحج کو چاپلوسی اور نرمی کی زبان سے کہا: میں تمہارا خیر خواہ ہوں، کیا تمہیں گھر نہیں چاہئیں۔ زندگی نہیں چاہیے۔ اہل وعیال سے محبت نہیں کہ اس طرح دیوانے بن گئے ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ یزید کے مقابل آ گئے ہو، اپنی زندگیاں کیوں تباہ کرتے ہو، کل شام سے لشکر چیونٹوں کی طرح یہاں پہنچنے والا ہے جو تمہیں چن چن کر تباہ کر دے گا، لہٰذا واپس گھروں کو چلے جاؤ۔

دوسری طرف سے ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو باہر بھیجا کہ نرم زبان سے کندہ قبائل کو خاموش کرو اور ان کے جوش و خروش کو ٹھنڈا کرو۔ محمد بن اشعث باہر آیا۔ لوگوں کو نصیحت کی اور امان کا علَم میدان میں نصب کیا اور کہا جو اس علَم کے پاس آ جائے گا اسے امن دیا جائے گا۔ پھر ابن زیاد نے شبث بن ربعی تیمی کو بنو تمیم کو الگ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد حجار بن ابجر اور شمر بن ذی الجوشن کو بھیجا کہ ان کو ڈرائیں۔ یہ لوگ باہر آئے اور لوگوں میں پھیل گئے اور یہ آوازیں دیتے تھے:

اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیا شور شرابہ ہے، کیا فتنہ برپا کیا ہے، اپنے سروں پر کیوں خاک ڈالتے ہو، اپنے انجام سے کیوں نہیں ڈرتے۔ ہم تمہارے بزرگ ہیں۔ بزرگوں کی بات مانو اور جہلا کے پیچھے نہ لگو۔ جب ان رؤسا نے نرم لہجوں سے دھوکا دیا تو کافی بزدل لوگ واپس چلے گئے اور کہا: ہم تو تماشا دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ ہم کسی کی حمایت میں شور شرابے کے لیے نہیں آئے۔

رؤسا نے انہیں کہا: یہ تماشا دیکھنا تمہیں مہنگا پڑے گا۔ لہٰذا گھروں کو چلے جاؤ۔ لوگ فوج در فوج نکلنے لگے اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ کیوں کھڑے ہو؟ فلاں قبیلہ چلا گیا ہے تم بھی چلے جاؤ۔ فساد نہ کرو اور اپنے اہل وعیال کی جان بچاؤ۔ محمد بن اشعث نے بنی عمارہ کے گھروں کے نزدیک علَم نصب کیا اور کہا: جو اس علَم کے پاس آئے گا اسے نجات ملے گی۔ ابھی شام سے ایک لشکر آنے والا ہے اور امیر نے قسم کھائی ہے اگر ایک گھنٹہ تک محاصرہ ختم نہ کیا گیا تو پھر عذر قبول نہ ہو گا۔ پھر بے گناہ کو گناہ گار کے بدلے اور حاضر کو غائب کے بدلے سزا دی جائے گی۔

بہرصورت وہ بے وفا پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے۔ تلواروں کو غلافوں میں بند کر لیا اور گھروں کو چلے گئے۔ وہ استغفار کرتے اور شیطان پر لعنت کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو پکڑ پکڑ کر واپس گھر لے جاتے تھے اور عورتیں آ کر اپنے بیٹوں کو لے جاتی تھیں کیونکہ شام سے آنے والے لشکر کے خوف سے لوگ گھبرا گئے تھے کہ کل کیا ہو گا۔ یہ لشکر تو کوفہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ اس لیے سارے لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی گھروں کو چلے گئے۔

مسلم بن عقیل کی نماز کے بعد تنہائی

جب کوفیوں نے کوفے میں مسلمؑ سے دغا کی — جو عہد کیا، ایک نے اُس پر نہ وفا کی
کی شرم خدا سے، نہ محمدؐ سے حیا کی — مظلوم پہ، بے کس پر مسافر پہ جفا کی
پانی نہ دم مرگِ دیا تشنہ دہن کو
کس ظلم سے ٹکڑے کیا آوارہ وطن کو

ہانی بن عروہ کی گرفتاری کے بعد مسلمؑ بن عقیل ہانی کے گھر نہ رہ سکے لہٰذا اُنھوں نے قیام کیا اور تمام قبائل وطوائف مسلمؑ سے ملحق ہوگئے۔ یہ لوگ غروبِ آفتاب تک جوش وخروش سے رہتے۔ پھر رؤسائے کوفہ درمیان میں آئے اور لوگوں کو شام کے لشکر، ابن زیاد کی طاقت سے ڈرایا دھمکایا تو بزدل اور بے وفا لوگ واپس چلے گئے۔ شام کی نماز کے وقت جب مسلمؑ نے نماز پڑھائی خصوصاً جب نمازِ عشاء سے فارغ ہوئے تو پیچھے مڑ کر دیکھا کہ جو ہجوم مسجد میں اس قدر تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی وہ سب چلے گئے ہیں۔ صرف ۳۰ آدمی باقی رہ گئے۔ آپؑ اُٹھے اور مسجد سے باہر نکلے۔ باب الکندہ پہنچے تو صرف دس نفر رہ گئے۔ جب باب الکندہ سے باہر نکلے تو ایک شخص بھی ساتھ نہ تھا کہ آپ کسی کے گھر چلے جائیں یا وہ مسلمؑ بن عقیل کی رہنمائی کرے۔ مسلمؑ مسافروں کی طرح دیوار سے پشت لگا کر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بیٹھ گئے اور کہا:

اے میرے اللہ! یہ کیا ہوگیا ہے اور میرے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے؟ اس قدر کثیر لوگ کہاں چلے گئے کیوں انھوں نے بے وفائی کی۔ کوفہ کی گلیوں اور کوچوں میں مسافروں اور غریبوں کی طرح چلتے رہے اور کوئی منزل یا مخصوص مقام ٹھکانے کے لیے نہ تھا۔

دوسری طرف امام حسینؑ سے دُوری بہت ازردہ کر رہی تھی کیونکہ احکامات نہ تھے اور سلطانِ حجاز کو بھی خط لکھ چکے تھے اور کوفیوں کی بے وفائی ظاہر ہوگئی کہ جب وہ گلیوں میں بے مقصد پھر رہے تھے تو شیخ مفیدؒ کی روایت کے مطابق ایک عورت کے دروازے پر گئے۔ ابی مخنف کہتا ہے کہ بہت اچھا گھر مجلل بلڈنگ، کھلا صحن تھا جس کے دروازے پر عورت کھڑی تھی جسے طوعہ کہتے ہیں۔

ابن شہر آشوب اپنی مناقب میں لکھتے ہیں: یہ عورت پہلے محمد بن اشعث کی اُم ولد (کنیز) تھی پھر اس نے اُسید حضرمی سے شادی کی۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بلال تھا۔ یہ بلال شوروغل کے وقت لوگوں کے ساتھ تھا اور بطور تماشائی ان میں شامل تھا، اس کی ماں اسی کے انتظار میں کھڑی تھی۔ کیوں کہ اس کا گھر آنا دیر سے ہوا تھا لہٰذا ماں دروازے پر کھڑی منتظر تھی۔ جناب مسلمؑ جب اس گھر کے پاس آئے تو عورت نے دُور سے سیاہی دیکھے تو مسلمؑ اس کے قریب ہوئے اور کہا: اے

اللہ کی کنیز! اگر ایک گلاس پانی دے تو خدا تجھے قیامت کی پیاس سے بچالے گا۔

طوعہ نے خوش ہو کر ٹھنڈا پانی دیا۔ جنابِ مسلمؑ نے پانی پیا اور تھکان کی وجہ سے اس جگہ کو پُر امن سمجھتے ہوئے وہاں بیٹھ گئے۔

طوعہ نے کہا: اے عبداللہ! یہ رات کا وقت ہے، حالات خراب ہیں، اپنے گھر چلے جاؤ۔ جنابِ مسلمؑ خاموش رہے اور سر نیچے کر کے کوئی جواب نہ دیا۔

طوعہ نے پھر کہا: میاں میں نے آپ سے کہا ہے کہ اٹھو اور اپنے گھر چلے جاؤ کیونکہ یہاں بیٹھنا مناسب نہیں۔

مسلمؑ کا گلا گریہ سے بھر گیا اور جواب نہ دے سکے۔ ''روضۃ الواعظین'' میں ابن الفارسی کی نقل کے مطابق طوعہ نے تیسری مرتبہ کہا: اے عبداللہ! اللہ تجھے خیر دے اپنے بچوں کے پاس جاؤ۔ میں تمہارا یہاں بیٹھنا جائز نہیں سمجھتی۔

جنابِ مسلمؑ اپنی جگہ سے اُٹھے اور روتے ہوئے فرمایا: اے بی بی! میرا اس شہر میں کوئی گھر نہیں اور نہ میرے اہل و عیال ہیں۔ اگر مجھے آج رات اپنے پاس بطور مہمان ٹھہرائے تو خدا تجھے جنت میں جگہ دے گا۔

طوعہ نے عرض کیا: تمہارا کیا نام ہے اور کس خاندان سے ہو؟

جنابِ مسلمؑ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا: میں مسلمؑ بن عقیل ہوں۔

طوعہ نے جب آپؑ کو پہچانا تو گھر میں آنے کی دعوت دی اور کہا: یہ گھر آپؑ کا ہے اور میں آپؑ کی کنیز ہوں۔

جنابِ مسلمؑ اس کے گھر گئے۔ اس مومنہ اور صالحہ نے ایک علیحدہ کمرے کھول دیا اور بہترین بستر بنا دیا اور کہا: آپؑ آرام کریں تا کہ میں آپؑ کے لیے کھانا لاؤں۔ جنابِ مسلمؑ کمرے میں لیٹ گئے اور بی بی کھانے پینے کی اشیا لاتی رہیں اور میزبانی کا حق ادا کرتی اور خدا کا شکر ادا کرتی رہیں۔

مؤلف کہتا ہے: حضرت مسلمؑ کے خروج کی کیفیت اور لوگوں کا آپؑ کو تنہا چھوڑ دینا نیز جنابِ مسلمؑ کا طوعہ کے گھر پہنچنا اور اس کے گھر میں مہمان ٹھہرنا جیسے واقعات بہت سی تاریخی کتب میں موجود ہیں لیکن ملا حسین کاشفی نے روضۃ الشہداء (یہ واقعات نامہ) میں ایک اور کیفیت سے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

جب جنابِ ہانیؒ کی گرفتاری اور ہانیؒ کو ضرب وشتم کرنے کی باتیں جنابِ مسلمؑ نے سنیں تو غضبناک ہوئے، اپنے دونوں بیٹوں کو قاضی شریح کے گھر پہنچایا اور ایک لشکر اکٹھا کیا۔ تمام محبانِ اہلِ بیتؑ جمع ہو گئے اور دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن زیاد رؤسائے کوفہ کے ساتھ محل کے اندر محفوظ مقام پر چلا گیا۔ دونوں طرف سے جنگ و جدال ہوا۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ قصر فتح ہونے کے قریب تھا لیکن ابن زیاد نے چال چلی اور اکابرین کوفہ درمیان میں آ گئے جنہوں نے لوگوں کو لشکرِ شام

سے ڈرایا دھمکایا جس سے لوگ بددل ہو گئے۔ اور اپنی قدیم عادت کے تحت بے وفائی کی اور جناب مسلمؑ کو تنہا چھوڑ دیا کہ غروب سے پہلے سب لوگ چلے گئے۔ نماز کے بعد کوئی بھی نہ تھا۔ مسلمؑ حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہو گیا ہے؟ سب نے بے وفائی کی۔ مسلم سوار ہوئے کہ کوفہ سے باہر چلے جائیں۔ ادھر سعید بن احنف آئے اور کہا: سردار کہاں جاتے ہو؟

فرمایا: کوفہ سے باہر جاتا ہوں تا کہ کسی جگہ رات گزار سکوں۔ شاید بیعت کرنے والوں میں سے مجھے کچھ لوگ مل جائیں۔

سعید ابن احنف نے کہا: خبردار! تمام دروازے بند ہو چکے ہیں اور تلاش کرنے والے آپؑ کو تلاش کر رہے ہیں۔

جناب مسلمؑ نے فرمایا: اب کیا کروں؟

اس نے کہا: آپؑ میرے ساتھ آئیں تا کہ آپؑ کو جائے پناہ مل جائے۔ پس وہ جناب مسلمؑ کو لے کر محمد بن کثیر کی سرائے میں پہنچے اور اسے آواز دی کہ یہ ہیں مسلمؑ بن عقیل۔ محمد بن کثیر پابرہنہ دوڑتا ہوا آیا اور جناب مسلمؑ کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دیا اور کہا: یہ کتنی عظیم دولت ہے جو مجھے ملی ہے اور کتنی بڑی سعادت ہے جو میرے گھر میں خود چل کر آئی ہے۔ پس محمد بن کثیر جناب مسلمؑ کو اپنے گھر لایا اور مناسب مقام پر بٹھایا اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اپنے گھر کے تہہ خانہ میں جگہ دی لیکن جاسوسوں کی طرف سے ابن زیاد کو پتہ چل گیا کہ جناب مسلمؑ محمد بن کثیر کے گھر ہیں۔

ابن زیاد نے اپنے بیٹے خالد کو ایک گروہ کے ساتھ بھیجا کہ محمد بن کثیر اور اُس کے بیٹے کو گرفتار کر کے لائیں اور جناب مسلمؑ کو اس کے گھر میں تلاش کریں اور جوں ہی ملیں دارالامارہ لے آئیں۔ خالد آیا اور محمد بن کثیر اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر کے ابن زیاد کی طرف بھیج دیا۔ پھر گھر میں جس قدر تلاش کیا جناب مسلمؑ کو نہ پایا۔

محمد بن کثیر کی گرفتاری کی خبر سے اس کی قوم اکٹھی ہو گئی اور ابن زیاد نے محمد بن کثیر کو اجازت دی کہ تم باہر چلے جاؤ جب کہ تمہارا بیٹا یہاں رہے اور باہر جا کر اپنی قوم کو مطمئن کرو۔ محمد بن کثیر باہر آئے، اپنی قوم کو مطمئن کیا اور ان کو واپس کر دیا۔ محمد بن کثیر واپس گھر آئے تو مسلمؑ کی خبر لی۔ رات کو سلیمان بن صُرد خزاعی، مختار ثقفی، رقاء بن عازب اور بزرگانِ قوم آئے اور کہا:

اے بھائی! صبح اپنے بیٹے کو واپس لاؤ تا کہ مسلمؑ کو لے کر کوفہ سے باہر نکل جائیں اور عرب کے قبائل میں جائیں اور عظیم لشکر جمع کر کے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں اور ان کے ساتھ مل کر دشمنوں کے حرب پر کمر بستہ ہو جائیں۔ اس پر اتفاق کیا کہ اتفاقاً عامر بن طفیل شام سے دس ہزار کا لشکر لے آیا اور محمد بن کثیر کو بلایا تو محمد بن کثیر نے اپنی قوم، نوکروں اور غلاموں سے کہا: مسلح ہو کر قصر دارالامارہ آئیں۔ یوں تقریباً ۳۰/۴۰ ہزار اشخاص نے دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا۔

جب محمد بن کثیر آیا تو ابن زیاد نے کہا: کیا تمہیں اپنی جان پیاری ہے یا مسلمؑ بن عقیل؟

اس نے جواب دیا: اے فرزندِ زیاد! پھر وہی بات کرتا ہے۔ مسلمؑ کی جان کا خدا محافظ ہے اور میری جان حاضر ہے یہ میرے ساتھ ۴۰ ہزار تلواریں چلانے والے تیرے دارالامارہ کے اردگرد کھڑے ہیں۔

ابن زیاد نے کہا: مجھے یزید کی جان کی قسم کہ اگر مسلمؑ کو نہ دو گے تو تمہارا سرتن سے جدا کردوں گا۔

محمد بن کثیر نے کہا: اے گندی عورت کے بیٹے! تیری یہ جرأت؟ تو میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔

یہ سن کر ابن زیاد کو جھٹکا سا لگا اور دوات اُٹھا کر محمد بن کثیر کی پیشانی پر دے ماری اور وہ ٹوٹ گئی۔ ابن کثیر نے تلوار لی اور ابن زیاد پر حملہ کرنے لگا۔ کوفہ کے بزرگان جو وہاں بیٹھے تھے وہ درمیان میں ہوگئے اور تلوار اس کے ہاتھوں سے لے لی جب کہ محمد بن کثیر کی پیشانی سے خون جاری تھا۔ معقل جاسوس نے مسلمؑ کا پتہ چلا لیا تھا۔ وہ بھی کھڑا تھا، تلوار اُٹھائی اور اس غدار کے سر پر دے ماری۔

ابن زیاد تخت سے اُٹھا اور گھر چلا گیا اور غلاموں کو حکم دیا کہ اسے قتل کردو۔ غلاموں نے ارادۂ قتل کیا لیکن محمد بن کثیر تلوار چلا رہے تھے اور دس آدمیوں کو مار دیا۔ آخر کسی چیز سے اٹک کر گر پڑے تو دشمن ان پر پل پڑے اور ہر شخص نے ظلم کیا جس سے محمد بن کثیر شہید ہوگئے۔

جب محمد بن کثیر کے بیٹے نے دیکھا تو اس نے تلوار کھینچی اور ہر سامنے آنے والے کو قتل کرتا گیا اور ایسی شجاعت دکھائی کہ ہر دوست دشمن نے اس کی دلیری کی تعریف کی۔ اچانک ایک غلام نے پیچھے سے پشت میں نیزہ مارا جو سینے سے باہر نکل آیا۔ وہ جوان گرا اور شہید ہوگیا تو قصر کے اندر جوش آیا اور لشکر کی شکل میں باہر نکلا اور محمد بن کثیر کی قوم پر حملہ کردیا۔ یوں شدید لڑائی شروع ہوگئی۔ قوم ابن کثیر نے لشکرِ شام کو پریشان کردیا۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ تم لوگوں کی جنگ محمد بن کثیر اور اس کے بیٹے سے ہے ان دونوں کے سرتن سے جدا کر کے قوم کے آگے ڈال دیں تا کہ وہ دل شکستہ ہوجائیں۔ پس دوسر قوم کے سامنے پھینکے گئے۔ جب انھوں نے سروں کو دیکھا تو دل شکستہ ہوگئے اور رات کی تاریکی میں پیچھے ہٹنے لگے۔ جب مختار ثقفی نے یہ حالت دیکھی تو بنی سعد کے پاس گیا۔ سلیمان بن صُرد خزاعی بنی زدید کے محلے میں پہنچے اور رفاء بن عازب نے محلّہ قاضی شریح میں پناہ لی جو شیعوں کا اکثریتی محلّہ تھا۔ جب مسلمؑ نے محمد بن کثیر اور اس کے بیٹے کی شہادت کا سنا تو بہت مغموم ومحزون ہوئے اور غضبناک ہوکر ان کے گھر سے نکلے۔ پھر دروازہ کوفہ کی راہ لی تا کہ کوفہ سے باہر چلے جائیں کہ اچانک دو ہزار کے لشکر نے جن کا سربراہ ابن زیاد کا بیٹا تھا، نے مسلمؑ کو دیکھ لیا اور پوچھا: تم کون ہو؟

مسلمؑ نے کہا: میں فزارہ قبیلہ سے ہوں اور اپنے قبیلہ میں جاتا ہے۔

لشکر نے کہا: واپس جاؤ اس طرف تمہارا راستہ نہیں۔

مسلمؑ واپس آئے اور دارالربیع پہنچے تو دیکھا پسر ابن زیاد دو ہزار کا لشکر لے کر کھڑا تھا لہٰذا وہاں سے دوسری طرف گئے تو وہاں حازم شامی کھڑا تھا تو وہاں سے دلیری سے گزرے۔ جب صبح ہوئی اور روشنی پھیلی تو باب کناسہ کے محافظ نے جناب مسلمؑ کو دیکھا کہ گھوڑے پر سوار، ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے ہیں، زرہ پہنی ہوئی ہے، قیمتی تلوار حمائل کی ہوئی ہے، شجاعت اور بہادری ان کے چہرے سے عیاں ہے۔ محافظ کے دل میں خیال آیا: یہ شخص ہی مسلمؑ بن عقیل ہوگا۔ وہ فوراً ابن زیاد کے پاس پہنچا اور پسر ابن زیاد کے حاجب نعمان سے کہا: میں نے مسلمؑ کو دیکھا کہ وہ بصرہ کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ نعمان پچاس سواروں سے اس طرف حملہ آور ہوگیا۔ جناب مسلمؑ نے ان لوگوں کو دیکھ لیا۔ آپؑ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تا کہ باہر نکل جائیں لیکن ایسی گلی میں چلے گئے جو آگے سے بند تھی، اس کوچہ میں ایک ویران مسجد دیکھی تو مسجد میں آ کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ حاجب آگے نکل گیا اور مسلمؑ کو تلاش نہ کرسکا۔ چنانچہ واپس ابن زیاد کے بیٹے کے پاس گیا اور واقعہ سنایا تو ابن زیاد کے بیٹے نے دروازہ کا پہرہ سخت کرنے کا حکم دیا اور شہر میں اعلان کروایا کہ جو کوئی مسلمؑ کی خبر یا مسلمؑ کا سر لائے گا تو اسے مالِ دنیا سے تونگر کردوں گا، لوگوں نے تلاش شروع کردی۔ مسلم بن عقیل ویران مسجد میں بھوکے اور پیاسے تھے۔ جب رات ہوئی تو مسجد سے باہر آئے جبکہ نہ جانتے تھے کہ کہاں جائیں۔ اپنے آپ کو کہہ رہے تھے کہ دشمنوں میں گرفتار اور امام حسین علیہ السلام کی خدمت سے برکنار ہوں۔ کوئی ہم راز نہیں جس سے غم بانٹوں اور نہ کوئی ذریعہ ہے کہ امام حسینؑ کو درد بھرے حالات کا خط لکھوں۔

جنابِ مسلمؑ حیران و پریشان اس محلہ میں چل رہے تھے، اچانک دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت گھر کے دروازے پر بیٹھی تسبیح ہاتھ میں ہلا رہی ہے اور ذکر الٰہی کا ورد زبان پر جاری ہے۔ اس عورت کا نام طوعہ تھا۔

جنابِ مسلمؑ نے کہا: اے اللہ کی کنیز! اگر ہوسکے تو پانی پلا دے تا کہ خدا تمہیں قیامت کے دن پیاس سے بچائے۔ میں شدید پیاسا ہوں۔

طوعہ نے خلوص سے جواب دیا: کیوں نہیں، وہ اسی وقت اندر گئی اور پانی کا جام بھر لائی۔ مسلمؑ نے پانی پیا اور وہاں ہی بیٹھ گئے۔ چونکہ تھکے ماندے تھے اور جانتے تھے کہ ہزاروں افراد انھیں تلاش کر رہے ہیں کہیں گرفتار ہو جائیں گے۔

طوعہ نے کہا: آج کل شہر کے حالات خراب ہیں لہٰذا یہاں سے اپنے گھر چلے جاؤ۔

جنابِ مسلمؑ نے کہا: اے میری ماں! میرا گھر اور خاندان یہاں نہیں۔ اگر مجھے آج کی رات مہمان بنالے تو خدا تمہیں

جنت میں جگہ دے گا۔

طوعہ نے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے اور کس قبیلہ سے ہو؟

جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: مجھ ستم دیدہ، ظلم زدہ غریب سے کیا پوچھتی ہو؟

طوعہ نے پوچھنے میں اصرار کیا تو جنابِ مسلمؑ نے کہا: میں مسلمؑ بن عقیل، امام حسینؑ کا چچازاد ہوں۔ کوفیوں نے مجھ سے بے وفائی کی ہے اور مجھے آزمائش میں ڈال دیا اور خود صحیح و سالم گھروں میں چلے گئے ہیں جب کہ میں اس محلّہ میں آ گیا ہوں، مجھے معلوم نہیں کہ کہاں جاؤں، لیکن امام حسینؑ کی یاد سے غافل نہیں ہوں کہ ان سے یہ لوگ کیا کریں گے؟

طوعہ کو جب علم ہوا کہ یہ مسلمؑ بن عقیل ہیں تو اُس نے جنابِ مسلمؑ کے ہاتھوں اور پاؤں کو چوما اور فوری طور پر گھر لے آئی۔ کمرے میں پاک و پاکیزہ بستر لگا دیا اور کھانا کھلایا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر بجالائی۔

مسلمؑ بن عقیل کی گرفتاری

جب جنابِ مسلمؑ نے تنہا اور غریب ہو جانے کے بعد ایک مومنہ صالحہ عورت طوعہ کے گھر پناہ لی اور طوعہ نے مہمان کی خدمت کی تو حضرتؑ عبادت اور راز و نیاز میں مشغول ہو گئے۔

روضۃ الواعظین کی روایت کے مطابق جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ لوگ جنابِ مسلمؑ کو چھوڑ گئے ہیں تو اپنے ساتھیوں سے کہا: چھت سے دیکھو کہ مسلمؑ کے ساتھیوں میں سے کوئی ہے؟ جب انھوں نے دیکھا تو کوئی شخص بھی نظر نہ آیا۔ وہ ملعون خوش ہوا اور حکم دیا کہ محل کے دروازے کھول دو اور مسجد کو شمعوں اور مشعلوں سے دن کی طرح روشن کر کے لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤ۔ پھر ابن زیاد اپنی طاقت اور شکوہ کے ساتھ مسجد میں آیا، تمام اشراف اور رؤساء جمع ہوئے۔ ہر شخص اچھے انتظامات کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے رہا تھا۔ دوسری طرف حصین بن تمیم شہر کی حفاظت اور نگہبانی میں مشغول تھا۔ ابن زیاد منبر پر آیا۔ اس کے غلام جنگی اسلحہ اور آمادہ تلواروں سے اس کے دائیں اور بائیں حفاظت کے لیے موجود تھے۔ ابن زیاد منبر پر تکبرانہ انداز میں تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ ابوالفتوح کی نقل کردہ روایت کے مطابق ابن زیاد نے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور لوگوں کو غور سے دیکھا کہ تمام رؤسائے کوفہ موجود تھے۔ پھر اپنے غلاموں کو دیکھا کہ تمام تلواریں نکال کر کھڑے ہیں۔

مرحوم شیخ مفید نے ارشاد میں لکھا ہے کہ ابن زیاد نے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص نمازِ عشاء مسجد کے علاوہ کہیں نہ پڑھے۔ لہٰذا مسجد میں بہت زیادہ ہجوم اور اژدحام ہو گیا۔ اس ملعون نے خطبہ کے بعد کہا:

اے لوگو! تم نے دیکھا کہ مسلمؑ بن عقیل نے اپنی ناسمجھی سے کس قدر فتنہ اور آشوب برپا کیا اور گھیراؤ ڈالا۔ الحمدللہ وہ

سب لوگ مسلمؑ کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ لوگو! یہ سن لو کہ جس نے مسلمؑ کو اپنے گھر پناہ دی وہ میری پناہ سے خارج ہے۔ جس نے اس کے متعلق کوئی معلومات دیں کہ کہاں اور کس مقام پر ہے، اسے بہت سا انعام دیا جائے گا۔

پھر ابن زیاد نے کہا: اے لوگو! خدا سے ڈرو، اپنی بیعت اور اطاعت پر قائم رہو اور اپنے آپ پر رحم کرو۔ پھر حصین بن تمیم کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا: تو نے کوچہ و بازار اور گھروں کی صحیح طرح تلاشی نہ لی تو تیری ماں کے بین بلند کراؤں گا اور تجھ پر بڑا حیف ہوگا کہ اگر مسلمؑ کہیں فرار کر گیا۔ پس مسلمؑ کو گرفتار کرو اور میرے پاس لاؤ، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جس گھر میں اس کے ہونے کا گمان ہو اس میں داخل ہو کر گرفتار کرو اور یہ کہہ کر منبر سے اُتر گیا۔

حصین بن تمیم نے ایک گروہ کو شہر بھر کے محلوں میں، چوراہوں میں، سر بازار مقرر کیا اور خود ایک جماعت کے ساتھ ہر گھر جس میں جناب مسلمؑ کے ہونے کا امکان تھا، جا کر تفتیش شروع کر دی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اُدھر حضرت مسلمؑ بن عقیل طوعہ کے گھر راز و نیاز اور عبادتِ الٰہی میں مشغول رہے۔

صاحب روضۃ الواعظین نے کہا: ابن زیاد کی تقریر سن کر اس طوعہ کا بیٹا بلال اپنے گھر آیا، اس کے ذہن میں مسلمؑ کی تلاش تھی کہ جو خبر دے گا اس کو انعام ملے گا۔ اس نے رات کو ماں کو بہت خوش اور دوسرے کمرے میں آتے جاتے دیکھا تو کہا: اے اماں! آج آپ کی حالت عجیب ہے، کمرے میں بار بار آمد و رفت ہے چہرے پر خوشی کے آثار ہیں۔ اماں خیریت تو ہے؟

طوعہ نے کہا: ہاں خیریت ہے۔

بیٹے نے اصرار کیا کہ آپ اُس کمرے میں بار بار آ جا رہی ہیں، یہ کیوں؟

طوعہ حقیقی واقعہ بتانا نہیں چاہتی تھی لہٰذا وجہ بتانے سے انکاری تھی۔ بیٹے کی طرف سے اصرار اور ماں کی طرف سے انکار ہوتا رہا۔ بالآخر طوعہ نے سمجھا کہ بتائے بغیر چارہ نہیں لہٰذا کہا: اے میری آنکھوں کے نور! تمہیں بتاتی ہوں لیکن کسی کو خبر نہ دینا۔

اس نے کہا: بتاؤ اماں! میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔

طوعہ نے کہا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک! یہ بزرگوار جناب مسلمؑ بن عقیل ہیں اور انھوں نے مجھ ضعیفہ کے گھر پناہ لی ہے۔ میں نے ان کو امان دی ہے اور ان کی خدمت کر رہی ہوں تاکہ خدا مجھے اجر عظیم عطا فرمائے۔

بیٹے نے یہ سنا تو خاموش رہا اور بستر پر لیٹ گیا۔ جنابِ مسلمؑ بن عقیل اپنی عبادت و اطاعت کے وظائف اور اذکار کرنے کے بعد تھوڑا سا آرام کرنے کے لیے بستر پر لیٹ گئے۔ سارے دن کی تھکان کی وجہ سے نیند آ گئی۔ سوتے میں دکھی و پریشان خواب دیکھے تو اُٹھ بیٹھے اور اپنے امام حسینؑ سے دُوری، اہل و عیال سے دُوری، دنوں کی سختی اور زمانے کی بے وفائی پر

رونے لگے۔ آپؑ مصلّی پر بیٹھے، صبح روزِ عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کی صبح کو راز و نیاز اور گریہ وزاری میں مشغول تھے اور طلوعِ فجر کے بعد اور شبِ آخر کے آخری لحات پر نسیم حُزن کے جھونکے آ رہے تھے تو صبح صادق نے اس عظیم سوگ اور ماتم میں گریبان چاک کیا۔ طوعہ اُٹھی تا کہ وضو کے لیے پانی دے اور مظلوم و غریب جنابِ مسلمؑ نماز پڑھیں۔

طوعہ نے سلام کیا: جنابِ مسلمؑ نے حجرے کے کونے میں اپنا سر زانو پر رکھا ہوا تھا اور حزن و ملال کی کیفیت تھی۔ مومنہ صالحہ نے کہا: جانتی ہوں رات کو سوئے نہیں کیونکہ رات کو میں نے جس وقت بھی آپؑ کو دیکھا ہے تو آپؑ کے رونے اور راز و نیاز کی آوازیں آ رہی تھیں۔

مسلمؑ بن عقیل نے فرمایا: رات کے پہلے حصہ میں آنکھ لگی تو خواب میں حضرت امیرالمومنینؑ کو دیکھا کہ مجھے فرما رہے تھے: اَلوَحَا اَلوَحَا ، اَلعَجَل اَلعَجَل "یعنی جلدی آؤ جلدی آؤ، اپنے آنے میں عجلت کرو، عجلت کرو"۔

اے مومنہ! میری زندگی کی یہ آخری رات ہے۔

طوعہ کا بیٹا نیند سے اُٹھا اور گھر سے باہر نکلا اور دارالامارہ کے دروازہ کے کھلنے تک انتظار کیا۔ جب ابن زیاد ظالم ظلمت کے تخت اور ستم گری کی بساط پر بیٹھ گیا تو ارکان و اکابرین بھی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تب بلال نے خود کو اُس تک پہنچایا۔ اس وقت ابن زیاد، حصین بن نمیر تمیمی کو تاکید کر رہا تھا کہ ابھی شہر میں اعلان کراؤ کہ جو شخص مسلم کی خبر دے گا اسے ہم دس ہزار درہم انعام دیں گے اور جو ان کو پناہ دے گا اس گھر کو مسمار کر دیں گے اور پناہ دینے والوں کو قتل کیا جائے گا۔

طوعہ کے بیٹے بلال نے یہ سنا تو اپنے گھر کے بارے میں خوفزدہ ہوا۔ نیز درہم و دینار کے لالچ نے اُسے اپنی ماں سے کیے گئے وعدے سے منحرف کر دیا۔ اُس نے عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث سے کہا: میں مسلمؑ کی خبر لایا ہوں وہ ہمارے گھر میں موجود ہے۔

عبدالرحمٰن فوری طور پر اپنے باپ محمد بن اشعث، جو ابن زیاد کے ساتھ محوِ گفتگو تھا، کے پاس آیا اور اس کے کان میں طوعہ کے گھر میں مسلمؑ کی موجودگی کی اطلاع دی۔ عبیداللہ ابن زیاد اپنی ذہانت و فراست سے سمجھ گیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اُس نے اپنی چھڑی سے اشارہ کر کے کہا: ابھی اٹھو اور اسے گرفتار کر کے لاؤ۔

ابن زیاد نے عشائر اور دیگر قبائل کو محمد بن اشعث کے ساتھ روانہ کیا کیونکہ وہ ملعون جانتا تھا کہ عرب کے قبائل کے لیے یہ ننگ و عار ہے کہ مسلمؑ بن عقیل گرفتار ہو جائیں اس لیے ہر قبیلہ سے ایک گروہ ان کی مدد کے لیے بھیجتا رہا۔ اس کے بعد محمد اشعث کندی اور عبداللہ سلمی کو قبیلہ قیس کے ستر آدمیوں کے ہمراہ روانہ کیا۔ پھر عمرو بن حریث کو تین سو سپاہی دے کر بھیجا۔ اسی طرح پیدل اور سوار طوعہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے حتیٰ کہ اس لشکر کی تعداد ایک ہزار پانچ صد کے قریب پہنچ گئی۔

ابی مخنف کی روایت کے مطابق ابن زیاد نے حکم دیا کہ بلال کی گردن میں انعام کے طور پر سونے کا ایک ہار ڈالا جائے

اور سر پر تاج رکھا جائے اور بلال عمدہ ترین گھوڑے پر سوار ہو کر تمام سپاہیوں کے آگے آگے طوعہ کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔
جب یہ لشکر طوعہ کے گھر کے قریب پہنچا تو طوعہ نے لوگوں کی صدائیں اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنیں تو دوڑ کر حضرت مسلمؑ بن عقیل کے پاس آئی اور انہیں اس شوروغل اور گھوڑوں اور تلوار کی آوازوں کا بتایا۔

جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: اے ضعیفہ! آپ پریشان نہ ہوں وہ سب میرے طالب ہیں، وہ میری گرفتاری کے لیے آئے ہیں اور پھر اپنے آپ سے کہنے لگے:

یانفسیُ تَهَیئیَّ لِلْمُوت فَاِنَّهٗ خَاتِمَةُ بَنِی اٰدَمَ

''اے مسلم! موت کے لیے تیار ہو جاؤ، ہر زندہ نے مرنا ہے اور بنی آدم کا ایک اختتام ہے''۔

پھر جنابِ مسلمؑ اپنی جگہ سے اُٹھے اور فرمایا: مادر مجھے اپنا اسلحہ دو۔ طوعہ نے کانپتے ہوئے خود اُٹھا کر دی اور وہ مسلمؑ غریب وتنہا نے اسے اپنے سر پر سجایا، پھر زرہ پہنی، تلوار حمائل کی اور ڈھال کو پشت پر رکھا اور پھر تلوار کو نیام سے نکال کر لہرایا۔

طوعہ نے عرض کیا: سَیِّدِی اَرَاکَ تَتَاهَبُ لِلْمَوْتِ، کیا موت کے لیے تیار بیٹھے ہو۔

جنابِ مسلمؑ بن عقیل نے فرمایا: اَجَلُ لَابُدَّ مِنَ الْمَوتِ

پھر فرمایا: اے مادر! آپ نے مجھ پر احسان کیا اور نیکی کی، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ ابن زیاد کے سپاہیوں نے طوعہ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ مسلم سلام اللہ علیہ طوعہ سے خدا حافظی اور تشکر کے بعد مسلح ہو کر بپھرے ہوئے شیر کی طرح اپنی تلوار کو لہراتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے اور سپاہِ ابن زیاد پر حملہ کر دیا۔ اس وقت لشکری صحن خانہ میں داخل ہو چکے تھے۔

مرحوم مفیدؒ ارشاد میں لکھتے ہیں: جب جنابِ مسلمؑ نے آتشیں تلوار سے بے نسلوں کی زندگیوں کو تیغ بدریغ سے جلانا شروع کیا اور بھوکے شیر کی طرح بھیڑوں کے گلے میں حملہ آور ہوئے تو کشتوں کے پشتے لگا دیے اور ایک حملہ میں ان تمام بے شرم سپاہیوں کو طوعہ کے گھر سے نکال دیا۔

ابومخنف نے لکھا ہے کہ جنابِ مسلمؑ نے طوعہ کی طرف توجہ کی اور فرمایا: اے اماں! اخشی یهجموا علی انا فی دارك مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھ پر آپ کے گھر میں دوبارہ حملہ کریں گے اور آپ کے گھر کی چار دیواری کا تقدس پامال ہوگا لہٰذا اب میں گھر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرتا ہوں۔

طوعہ نے رو کر کہا: میں آپؑ پر قربان ہوں اگر آپؑ شہید ہو گئے تو میں بھی جان قربان کر دوں گی اور شہید ہو جاؤں گی۔
مؤلف کہتا ہے: شجاع اور دلیر لوگ کھلے میدانوں اور مقامات پر جہاں دوڑنا، آگے بڑھنا اور اِدھر اُدھر جانا ممکن ہو

لڑتے، جنگ کرتے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے ہیں۔ وہ تنگ، بند اور چھوٹے مکانات میں شجاعت نہیں دے سکتے۔ اس لیے جنابِ مسلمؑ طوعہ کے گھر سے نکلنا چاہتے تھے۔ وہ دروازے پر آئے اور اسے اکھاڑا۔ پھر اس دروازے کو ہاتھ پر اٹھا لیا۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ مسلمؑ بن عقیل کے بازو بہت وسیع اور کندھے مضبوط تھے۔ جو شخص ان کے مقابل اور سامنے جاتا تو غیرت ہاشمشیر سے اُن کے جسم کے بال کھڑے ہوجاتے اور نیزوں کی طرح کپڑوں سے باہر نکل آتے اور وہ اس کیفیت میں حملہ کرتے تھے۔

پہلے دو حملوں میں پچاس سپاہی فی النار والسقر ہوگئے اور باقی لومڑیوں کی طرح کہ (جب ان پر شیر حملہ کرتا ہے) بھاگ گئے۔

طوعہ مکان کی چھت پر چڑھ گئی اور مسلمؑ کو شجاعت و دلیری کی ترغیب کرتی رہی۔

جب محمد بن اشعث نے جنابِ مسلمؑ کی شجاعت اور جرات کو ملاحظہ کیا تو ابن زیاد سے قاصد کے ذریعے مزید کمک مانگی۔ ابن زیاد نے پانچ صد سپاہی اور بھیج دیئے۔ جب تازہ سپاہ آئی تو ابن زیاد کا لشکر تازہ دم ہوگیا اور مسلمؑ غریب پر حملہ کردیا۔ جنابِ مسلمؑ نے خدا پر توکل کرتے ہوئے شدید حملہ شروع کیا اور ان بے غیرتوں کو کثرت سے تہِ تیغ کیا نیز متفرق کردیا۔

ابن اشعث نے ابن زیاد کو پھر قاصد بھیجا کہ ادرکنی بالخیل والرجال: اے امیر! گھوڑے پر سوار اور سپاہی بھیجو کیونکہ مسلمؑ نے کثرت سے سپاہی قتل کردیئے ہیں۔ کیا کہوں اس کا ہاتھ بارش والے بادل، اس کی تلوار برق رفتار، اس کا نعرہ گرج دار، اس کا نیزہ وشہاب کو جلانے والا، اس کا حملہ صفوں کا قاتل، اس کی جرأت دریائے نیل کی موجوں کی طرح اور اس کی تیز نگاہ جوان دبیر کو کھا جانے والی ہے۔

تو ابن زیاد نے عمدہ ترین لشکر ترتیب دے کر بھیجا مگر ساتھ ہی محمد بن اشعث کو پیغام بھیجا کہ ثکلتك اُمك وعدموك قومك رجلٌ واحدٌ يقتل منكم هذه المقتله۔ تیری ماں تیرے غم میں مرے اور تجھے قوم اپنے اندر نہ دیکھے بھلا ایک شخص اس قدر سپاہیوں کو قتل کرسکتا ہے؟

محمد بن اشعث نے جواب دیا کہ اے امیر! تمہارا خیال ہے کہ کوفہ کے کسی سبزی فروش یا قالین باف سے جنگ ہے۔ وہ شجاع و غضنفر اور دلیر و مظفر ہے، وہ صفدر ہے جس کو جنگی تجربہ ہے اور وہ رسولؐ اللہ کے خاندان کی تلواروں میں سے ایک شرربار تلوار ہے۔

هُوَ اَسَدٌ ضَرغَامٌ وَسَیفٌ حَسَّامٌ فِی کَفِّ بَطَلٍ هُمَامٍ مِنِ آلِ خَیرِالانَامِ

"آؤ ابن زیاد (خود) دیکھو کہ وہ انتقام کی تیغ کس طرح ذلت کی خاک پر بہاتا ہے"۔

ابن زیاد نے پانچ صد نفر مزید بھیجے اور پیغام دیا کہ اگر اس شجاع پر کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی تو اسے امان دے دو اور اس کے ساتھ عہد و پیمان کرو کہ اب تمہارا خون کوئی نہیں بہائے گا۔ اگر اس کو امان کا دھوکہ نہ دیا تو تمہاری ساری فوج ماری جائے گی اور تم سب ہلاک ہو جاؤ گے۔

یہ بات محمد بن اشعث تک پہنچی تو اُس نے چارہ یہی دیکھا، لہٰذا فریاد کی: اے مسلمؑ! اے شجاع! اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، جنگ بند کرو کیونکہ تم ایک آدمی ہو کر کیا کر سکتے ہو، جب کہ ہمارے جس قدر افراد کم ہوں گے اس سے دگنی تعداد آ جائے گی اور بالآخر تم گرفتار ہو جاؤ گے۔ آؤ ابھی آپ کو امان دیتے ہیں اور ابن زیاد کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ وہ تمہاری تقصیر کو معاف کر دے اور تمہارا سر بلند ہو جائے۔

مسلمؑ بن عقیل نے فرمایا: اے ملعون! مجھے ابن زیاد کی امان کی ضرورت نہیں۔ یہ جھوٹ ہے اور میں تیرے فریب میں نہیں آ سکتا کیونکہ کوفی سے وفا کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہ فرمایا اور ابن زیاد کی فوج پر حملہ کر دیا اور کچھ لوگوں کو قتل اور زخمی کر دیا۔

ملا حسین کاشفی نے روضۃ الشہداء میں لکھا ہے: سپاہِ ابن زیاد جنابِ مسلمؑ سے جنگ میں تھک گئے لہٰذا بعض سپاہی مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور چھتوں سے پتھر مارنے شروع کر دیے۔ اُنہوں نے جنابِ مسلمؑ کے جسم پاک کو پتھروں اور اینٹوں سے مار مار کر زخمی کر دیا۔

جنابِ مسلمؑ اپنے آپ سے کہنے لگے: اے جان! موت کے لیے تیار ہو جا کہ دشمنوں کے دفاع میں کوشش، موت کا شربت پینے اور شہادت کا لباس پہننا ہمیشہ کی دولت اور سعادت ہے۔

مسعودی اور ابوالفرج لکھتے ہیں: جب مسلمؑ بن عقیل نے دیکھا کہ ان نااہلوں اور نامردوں نے چھتوں سے پتھر اور اینٹیں مارنی شروع کر دی ہیں اور کچھ لوگ چھتوں سے بدنِ مبارک مسلمؑ پر آگ پھینک رہے ہیں تو فرمایا:

کیا یہ فرزندِ عقیل کا خون بہانا چاہتے ہیں؟ اے نفس! موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہ کہتے ہوئے پھر حملہ شروع کر دیا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں آزاد مردوں کی طرح شہید ہوں گا۔ اگرچہ موت کو ایک ناپسندیدہ زہر سمجھا جاتا ہے۔ میں لڑوں گا، قتل کروں گا اور اپنے نقصان سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔

اس شیر صفدر کی شجاعت و قوت اس حد تک تھی کہ بڑے بڑے بہادروں کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر چھتوں پر پھینک دیتے تھے۔ بہرحال اس روز دلاوری اور بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ آج تک کسی نے ایسی شجاعت نہ دیکھی تھی۔ ان سپاہیوں

سے جو بظاہر مسلمان اور باطن کافر تھے، خدا نے اس قدر ہمت چھین لی کہ کوئی شخص جنابِ مسلمؑ کے قریب تک نہ جاتا تھا، فقط دُور کھڑے ہو کر نیزے اور تیر مارتے تھے اور چھتوں سے پتھر اور اینٹیں مارتے تھے جب کہ کچھ لوگ چھتوں سے آگ برسا رہے تھے۔ اس قبیح اور بزدلانہ عمل کو جاری رکھا کہ تیروں کی کثرت اور سنگ باری کی شدت نے سفیرِ حسینؑ کے جسم کو نڈھال کر دیا۔ آپؑ نے تھک کر دیوار کی ٹیک لگائی اور فرمایا: اے بے حیا لعینو! پتھر ایسے مار رہے ہو جیسے کفار کو مارے جاتے ہیں مجھے کافر سمجھتے ہو۔ میں مسلمان ہوں اور تمھارے رسولؐ کی اہلِ بیتؑ سے ہوں۔ کیا اپنے پیغمبرؐ کا احترام اور اس کی عترت کے ساتھ یہ سلوک کر کے کرتے ہو۔

مُلا حسین کاشفی نے روضۃ الشہداء میں لکھا ہے کہ اچانک ایک حرام زادے نے ایک پتھر مارا جو جنابِ مسلمؑ کی پیشانی پر لگا اور خون جاری ہو گیا تو آپؑ نے مکہ کی طرف منہ کر کے فرمایا: یابن رسولؐ اللہ! کیا آپؑ کو خبر مل گئی ہے کہ آپؑ کے چچازاد پر کیا گزری لیکن مجھے ان سے خوف نہیں۔ اچانک دوسرا پتھر جنابِ مسلمؑ کے لبوں اور دندانِ مبارک پر لگا اور خون مبارک جاری ہو گیا اور دامن خون سے آلودہ ہو گیا۔

نرغہ ہو اس شہ کے ہراول پہ یکا یک — تلوار سے کٹ کر گرے، لب ہائے مبارک

پہلو پہ لگیں برچھیاں اور چھاتی پہ ناوک — دنداں بھی شکستہ ہوئے پتھر چلے یاں تک

آلودہ تھی سب ریشِ مبارک جو لہو سے

چھاتی پہ ٹپکتا تھا لہو ہر بُنِ مو سے

حضرت مسلمؑ بن عقیل بہت زیادہ زخموں کی وجہ سے بکر بن حمران کے گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے تاکہ کچھ تھکان دُور کر سکیں لیکن وہ ایک سرائے سے نکلا اور جنابِ مسلمؑ کے سر پر تلوار ماری، جس سے اُوپر والا ہونٹ کٹ گیا اور دو دانت شہید ہو گئے۔ مسلمؑ نے فوراً بکر پر تلوار ماری اور اس کا سر دس قدم دُور جا کر گرا۔ پھر دیوار سے پشت لگا کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے اللہ! مجھے پانی کا ایک گھونٹ مل جائے۔

بہرصورت ابی مخنف کے بقول کوفیوں نے ایک حیلہ کیا اور جنابِ مسلمؑ کے راستہ میں ایک گڑھا کھودا اور اسے خس و خاشاک سے ڈھانپ دیا۔ پھر جب جنابِ مسلمؑ پر حملہ کیا تو یہ حیلہ کرنے والے پیچھے ہٹتے گئے اور مسلمؑ لڑتے لڑتے آگے بڑھتے گئے، اچانک آپؑ اس گڑھے میں گر گئے۔ دشمن کے تمام سپاہی اُوپر سے حملہ آور ہو گئے اور جنابِ مسلمؑ کو گڑھے سے نکلنے کا موقع نہ مل سکا۔ محمد بن اشعث نے تلوار کا حملہ کیا جس سے جنابِ مسلمؑ کا چہرہ زخمی ہو گیا اور لب کٹ گئے اور دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔

گڑھے والی روایت بعض مؤرخین نے نہیں لکھی بلکہ ابن اشعث کے امان دینے کے وعدے پر مسلمؑ چونکہ تھک چکے تھے اور جانتے تھے کہ ایک شخص پورے شہر سے کیسے مقابلہ کرسکتا ہے۔ تو پوچھا کیا واقعی امان ہے، دھوکا تو نہیں؟ اس نے کہا: خدا اور رسولؐ ضامن ہیں اور تمام سپاہیوں کو کہا: گواہ رہو میں نے مسلمؑ کو امان دی ہے۔

سپاہیوں نے کہا: ہم گواہ ہیں اور ہمیں قبول ہے مگر عبداللہ بن سلمی نے کہا: نہ میرے پاس اُونٹ ہے اور نہ خچر اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ پس خچر لایا گیا اور زخمی اور تھکے ماندے مسلمؑ کو سوار کیا۔ دشمن نے سب سے پہلے مسلمؑ کی تلوار چھپا لی اور بھاگ گئے۔ اس وقت جنابِ مسلمؑ اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے کیونکہ نہ تلوار رہی اور نہ تلوار چلانے والے ہاتھوں میں طاقت رہی۔ حضرتؑ روئے اور آنسو جاری ہوگئے تو فرمایا: یہ تمہارا پہلا دھوکا ہے کہ میری تلوار چھپائی۔

محمد بن اشعث نے کہا: مجھے امید ہے کہ آپؑ کو امان ملے گی۔

جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: میں خدا کے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

عبداللہ سلمی نے طعنہ دیتے ہوئے کہا: جو حکومت بنانے کا ارادہ رکھتا ہو اور حکومت کے لالچ میں اس شہر آیا ہو تو وہ روتا نہیں اور قتل ہونے سے ڈرتا نہیں، آپؑ کے رونے کا کیا فائدہ؟

جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: اے حرام زادے! میں اپنی جان کے لیے نہیں رو رہا، شہادت ہماری وراثت ہے۔ میں تو امام حسینؑ کے لیے رو رہا ہوں جو کوفہ کی طرف آ رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ پردے دار اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، جو چند دنوں میں کوفہ پہنچنے والے ہیں جنہیں میں نے آنے کا مشورہ دیا ہے۔

پھر حضرت مسلمؑ نے دل شکستہ ہوکر محمد بن اشعث سے فرمایا: اے اللہ کے بندے! مجھے لگتا ہے کہ ابن زیاد تیری دی گئی امان کو قبول نہیں کرے گا اور تو میری نگرانی اور حفاظت سے عاجز ہوگا۔ اس لیے ایک ضروری کام اور ابھی کوئی قاصد بھیج کر امام حسینؑ تک میرا پیغام پہنچا دے اور میری حالت انہیں بتا دے تاکہ وہ اس شہر کی طرف نہ آئیں کیونکہ قاصد ان کو اس حد تک بتائے کہ میں نے مسلمؑ کو قیدی دیکھا ہے (وھو اسیرٌ فی ایدی القوم)

محمد بن اشعث نے کہا: خدا کی قسم! میں ایسا ضرور کروں گا اور تم دیکھو گے کہ ابن زیاد کے پاس کس طرح سفارش کرتا ہوں اور تمہیں ہر گزند سے کیسے محفوظ رکھتا ہوں۔

مرحوم سید ابن طاؤس اپنی کتاب لہوف میں لکھتے ہیں: حضرت مسلمؑ نے محمد ابن اشعث کی امان کو قبول نہ کیا اور شدید زخمی ہونے کے باوجود جنگ کرتے رہے اور اسی دوران کسی ملعون نے پشت پر ایسا سخت نیزہ مارا کہ منہ کے بل گر گئے تو ان کو گرفتار کرلیا گیا۔

جناب حاج فرہاد مرزا نے اپنی کتاب قمقام ذخار میں لکھا ہے کہ محمد بن اشعث نے جناب مسلمؑ کا پیغام ایاس بن عثل کے ذریعے امام عالی مقامؑ تک پہنچایا جس پر امام حسینؑ نے فرمایا:

كُلُّ مَا قُدِّرَ نَازِلٌ وَعِنْدَ اللّٰهِ نَحتَسِبُ اَنفُسَنَا وَفَسَادُ اُمَّتِنَا

''کہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ تو ہوگا اور میں نے اپنی شہادت کو اُمت کی بغاوت کے باوجود اللہ پر چھوڑ دیا ہے''۔

مرحوم شیخ مفید علیہ الرحمہ ارشاد میں لکھتے ہیں: حضرت مسلمؑ بن عقیل بھوک اور پیاس کی وجہ سے نڈھال ہوئے اور غشی طاری ہوگئی۔ سامنے ایک پانی کا برتن پڑا جس سے ہر شخص پانی پی سکتا تھا۔ جناب مسلمؑ نے فرمایا: اِسقُونِی مِن هَذَا المَاء ''مجھے بھی یہ پانی پلا دو'' تو مسلم بن عمرو نے پکارا: اے مسلمؑ! یہ تو ٹھنڈا پانی ہے آپؑ کو زقوم پلانا چاہیے۔

جناب مسلمؑ نے فرمایا: لعنت ہو تم پر، تو کون ہو کہ عترتِ پیغمبرؐ کو یہ جواب دے رہا ہے۔

اس شخص نے کہا: میں وہ شخص ہوں جو حق کو جانتا ہوں لیکن تم نہیں پہچانتے۔ میں اُمت کے سامنے واضح کر رہا ہوں اور تم دھوکا کر رہے ہو۔ میں اپنے اُولی الامر کی اطاعت کر رہا ہوں اور تم مخالفت اور معصیت کر رہے ہو۔

حضرت مسلمؑ نے فرمایا: تم کس قدر سخت دل اور کس حد تک بے حیا ہو۔

جناب شیخ مفید ارشاد میں لکھتے ہیں: چونکہ کسی شخص نے جناب مسلمؑ کو پانی نہ دیا تو عمرو بن حریث نے اپنے غلام کو پانی لانے کو کہا اور وہ غلام پانی کا پیالہ بھر لایا۔ حضرت مسلمؑ نے جب پیالے کو منہ سے لگایا تو اِمتَلَی القَدحُ دَمًا ''پیالہ خون سے بھر گیا''۔ مسلمؑ نے اسے انڈیل دیا۔ دوسرا پانی کا پیالہ دیا گیا اور آپؑ پینے لگے لیکن زخموں سے خون پانی میں شامل ہو گیا جس کی وجہ سے وہ پانی بھی زمین پر بہا دیا۔ جب تیسری مرتبہ پانی پینے لگے تو دندانِ مبارک اس پانی میں گر گئے اور خون سے پیالہ بھر گیا۔ اب مسلمؑ نے پانی نہ پیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

بہرصورت اس شجاعت بیشۂ شیر کو بندِ طوق و زنجیر سے قیدی کر کے ابن زیاد کے پاس لے گئے۔

راوی کہتا ہے کہ وہ دلی قوت جو میں نے مسلمؑ کی دیکھی وہ یہ ہے کہ جب ابن زیاد کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا، کسی اور کی شجاعت آج تک یوں نہیں دیکھی کیونکہ جب وہ ابن زیاد کے دربار میں پہنچے تو اس کی ذرا بھی پروانہ کی اور نہ اُسے سلام کیا۔

حضرت مسلمؑ بن عقیل اور ابن زیاد کی تلخ کلامی

طریحی نے اپنی کتاب ''منتخب التاریخ'' میں لکھا ہے کہ جب مسلمؑ بن عقیل کو اس ملعون ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا

تو لانے والوں نے کہا: اے مسلمؑ! سَلِّمِ الامِیر "کہ امیر کو سلام کرو"۔ حضرتؑ نے فرمایا: اَلسَّلَامُ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَخَشِيَ عَوَاقِبَ الرَّدِي وَاَطَاعَ الْمُلْكَ الْاَعْلٰى یعنی مرجانہ کا بیٹا ابن زیاد سلام کرنے کا اہل نہیں۔ سلام اس پر کیا جاتا ہے جو ہدایت کے تابع ہو اور عاقبت سے خائف ہو اور میں تمام بادشاہوں کے بادشاہ خدا کی اطاعت کرنے والا ہوں۔

ابن زیاد نے اس غریب کی حالت کو دیکھا ادھر اپنے جاہ و جلال، شان و شوکت کو دیکھا تو اس اندازِ سلام پر قہقہہ لگایا۔ حاجیوں کی طرف سے پیغام آیا کہ اے مسلمؑ! ابن زیاد آپ سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے کہ قہقہہ لگا رہا ہے اسے کیوں امیری کا سلام نہیں کرتے؟

مسلمؑ بن عقیل نے فرمایا: مَالِي اَمِيرٍ غَيرَ الْحُسَينِ "میرا حسینؑ کے علاوہ کوئی امیر نہیں"۔

ابن زیاد نے کہا: اے فرزندِ عقیل! تم اس لیے کوفہ آئے ہو کہ لوگوں میں اختلاف ڈال دو اور مسلمانوں کا خون بہاؤ اور بعض کو ترجیح دو اور بعض کی تردید کرو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے یہ کام اپنی صوابدید سے نہیں کیا بلکہ اس شہر کے لوگوں کا خیال ہے کہ تیرے باپ زیاد نے کوفہ کے نیک اور شریف لوگوں کا قتلِ عام کیا اور محض چند لوگ باقی بچے اور قیصر و کسریٰ کے بادشاہوں کی طرح حکومت کی اور ایک طرح شریعت اور آئینِ محمدیؐ کو اٹھا لیا۔ ان لوگوں نے ہمیں چاہا ہے اور اپنے عجز و انکساری کا اظہار کیا، ہمیں خطوط لکھے۔ ان خطوط میں اپنی تکالیف اور دکھوں کی وضاحت کی ہے۔ ہم یہاں اس لیے آئے تا کہ لوگوں کو عدل و انصاف قائم رکھنے میں رہنمائی کریں اور کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ پر سب لوگوں کو عمل کرائیں۔

ابن زیاد ناپاک نے کہا: اے مسلمؑ! تمہاری اس قدر اہمیت نہیں کہ اتنا بڑا کام (عدل و انصاف کا قیام، اور کتابِ خدا و سنتِ رسولؐ پر عمل) کر سکو۔ اے فاسق (نعوذ باللہ) کیوں لوگوں کو کتابِ خدا پر عمل نہ کرنے دیا حالانکہ تم مدینہ میں شراب پیتے تھے اور کوفہ میں امامت کرانے آ گئے ہو۔

حضرت مسلم سلام اللہ علیہ نے فرمایا: اے ظالم! کیا میں شراب پیتا ہوں؟ تو خود جانتا ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے اور اپنے کام کو دوسروں کے ذمے لگا رہا ہے۔ جو شخص مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا رہا ہو اور نفوسِ محترمہ کو مسلسل قتل کرتا رہا ہو، ایمان والوں کو تکلیفیں پہنچاتا رہا ہو اور مسلمانوں کو لوٹتا رہا ہو اس شخص سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ جھوٹ یا بُرے گمان کو کسی مسلم مسلمان کے نام لگائے۔

ابن زیاد نے کہا: اے فاسق (نعوذ باللہ) تمہارا دل بڑا چاہتا تھا کہ کوفہ میں حکومت کروں اور تختِ حکومت پر بیٹھوں، لیکن خدا نے تجھے اس رتبہ سے محروم رکھا ہے۔

حضرت مسلمؑ نے فرمایا: اے بے دین! اگر ہم خلافت کے اہل نہیں تو پھر کوئی بھی خلافت کے لائق نہیں۔

ابن زیاد نے کہا: آج خلافت اور بادشاہی کی لیاقت یزید میں ہے۔ تم پر یزید کی اطاعت کرنا واجب ہے۔

حضرت مسلمؑ نے فرمایا: میں صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے اور اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

ابن زیاد نے کہا: اگر میں تجھے قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کردے۔

حضرت مسلمؑ نے فرمایا: تو اسلام میں بدعت ڈالنے کا زیادہ حق دار ہے، کیونکہ آج تک جو کچھ تم نے چاہا ہے وہ کیا ہے، ایسے کرتے رہو گے۔

ابن زیاد نے دیکھا کہ مسلمؑ بن عقیل کی زبان کو خاموش نہیں کیا جاسکتا تو ابن زیاد نے گالی دینا اور فحش کلام کرنا اور امام حسینؑ اور امیرالمومنین علیؑ اور حضرت عقیلؓ کو گالیاں دینا شروع کردیں۔

جنابِ مسلمؑ بن عقیل نے دلی دکھوں کی وجہ سے سر نیچے کرلیا اور ذہنی طور پر آمادہ ہوگئے کہ ابھی قتل ہوجائیں اور یہ بدکلامی اور گالیاں نہ سنیں، لہٰذا اس بے حیا اور بدزبان یزید کا اور کوئی جواب نہ دیا لیکن لہوف میں ہے کہ جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: اے زنازادہ! تو اور تیرا باپ ان گالیوں کے مستحق ہیں اور ان بدزبانوں کے اصل ہیں۔ ہم رسولؐ اللہ کا خانوادہ ہیں جو کچھ تو کرسکتا ہے کرکمی نہ کر۔

جنابِ مسلمؑ کی وصیت

مقتل ابی مخنف میں ہے کہ جب حضرت مسلمؑ بن عقیل کو دارالامارہ لایا گیا تو انھوں نے سلام نہ کیا تو ابن زیاد نے کہا: سلام کرو یا نہ کرو اور قتل ہوجاؤ۔

جنابِ مسلمؑ کو موت کا یقین ہوگیا تو فرمایا: اے فرزندِ زیاد! تو مجھے خواہ مخواہ قتل کرنا چاہتا ہے تو ایک قریشی شخص کو جو میرا رشتہ دار ہو، اسے لاؤ تاکہ وصیت کرسکوں۔

ارشاد میں مرحوم شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں: ایک محافظ نے کہا: اے مسلمؑ! کیوں امیر کو سلام نہیں کیا۔

جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: جو شخص مجھے قتل کرنا چاہتا ہے اسے سلام کیوں کروں۔ اگر اُس نے مجھے قتل نہ کیا تو مجھ سے بہت سارے سلام سنے گا۔

ابن زیاد نے کہا: مجھے اپنی جان کی قسم کہ تجھے ضرور قتل کروں گا۔

جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: ایسا ہی ہے، مجھے تو قتل کرے گا۔

ابن زیاد نے کہا: ہاں میں تجھے قتل کروں گا۔

جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: پس ان باتوں کو چھوڑو، اپنے کسی رشتہ دار کو وصیت کرنے دو۔

ابن زیاد نے کہا: وصیت کرلو۔

جنابِ مسلمؑ نے درباریوں اور حضّار پر نظر دوڑائی تو ان کی نظر عمر بن سعد پر پڑی اور فرمایا: یاعمر اِنَّ بَینِی وَبَینَکَ قَرَابَةً وَلِی اِلَیکَ حَاجَةً اے سعد کے بیٹے! میرے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہے لہٰذا مجھے تمہاری ضرورت ہے تم میری ضرور یہ حاجت پوری کرو اور اسے مخفی رکھنا۔

عمر بن سعد نے ابن زیاد کی خوشامد کے لیے حضرت مسلمؑ کی بات پر توجہ نہ دی بلکہ انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا۔

ابن زیاد نے اپنی شقاوت کے باوجود کہا: اے احمق! یہ تم سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے اور تم اپنے چچازاد کی حاجت پوری کرنے سے گریز کرتے ہو۔

ایک روایت کے مطابق ابن سعد نے کہا: اے امیر! میری اس سے کون سی رشتہ داری ہے اور کیا دوستی ہے؟ پھر ابن سعد اپنی جگہ سے اُٹھا اور دربار میں ایک ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں سب دیکھ رہے تھے۔

حضرت مسلم سلام اللہ علیہ شکستہ سر د صورت اور زخمی جسم اور خون آلود چہرے سے ابن سعد کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جب سے میں اس شہر میں آیا ہوں میں نے نان و طعام اپنی جیب سے کھایا ہے اس وجہ سے میں مقروض ہوں اور میرا قرضہ سات سو درہم ہے لہٰذا میری زرہ بیچ کر میرا قرضہ ادا کر دینا۔

دوسری وصیت یہ ہے کہ میرے قتل ہونے کے بعد میرے جسم کو ابن زیاد سے لے کر دفن کر دینا اور تیسری وصیت یہ ہے کہ کسی شخص کو امام حسینؑ کے پاس بھیج کہ اگر مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو ان کو واپس پلٹایا جائے اور وہ کوفہ نہ آئیں کیونکہ انہیں پہلے جلدی آنے کی تاکید لکھ چکا ہوں، اب وہ آئیں گے اور شریر لوگوں میں گھر جائیں گے۔

ابن سعد نے ہنس کر کہا: اے امیر! کیا جانتے ہو اس نے کیا وصیت کی ہے؟ یہ تو یہ کہتا ہے۔

ابن زیاد نے کہا: اے سعد کے بیٹے! تم بڑے کمینے شخص ہو، تجھے اس نے امین بنایا ہے اور تو خیانت کر رہا ہے لیکن کبھی تو خائن بھی امین ہو جاتا ہے، تم تو بہت بے مروت ہو کہ اس کے راز کو فاش کر رہے ہو، اس کے اپنے مال سے اس کا قرضہ ادا کرو۔ اس کے قتل کے بعد اس کے جسم سے جو کرنا ہے وہ میں نے کرنا ہے لیکن حسینؑ کے بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر وہ ہمارے لیے مزاحم نہ ہوں تو ہم ان کے مزاحم نہیں ہوں گے۔

حضرت مسلمؑ بن عقیل کی شہادت

جب غش میں گرا خاک پہ وہ بے کس و ناچار | اعدا نے کیا مسلمؑ بے کس کو گرفتار
اُس زخمی کے بازو میں رسّی باندھ کے یکبار | کوٹھے پہ جدا کرنے کو سر لے گئے کفار
سو ٹکڑے محمدؐ کا ہو دل بھی جگر بھی
مارا گیا مسلمؑ بھی ہوئے قتلِ پسر بھی

ابن زیاد نے جلاد کو بلایا کہ آؤ اب مسلمؑ کی وصیت مکمل ہوگئی ہے۔ اسے دارالامارہ کی چھت پر لے جاؤ اور قتل کردو۔

اس حکم سے تمام دوستوں اور دشمنوں کے جسموں میں لرزہ اور رعشہ پیدا ہوگیا۔

جنابِ مسلمؑ بن عقیل نے فرمایا: اے ابن زیاد! اگر تیری میرے ساتھ کوئی رشتہ داری ہوتی تو قتل نہ کرتے۔

تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: اے ابن زیاد! اگر اپنے باپ کا بیٹا ہوتا اور حرام زادہ نہ ہوتا تو مجھے قتل نہ کرتا لیکن تو اس کا بیٹا ہے جس کا باپ معلوم نہیں، لہٰذا تو نے مجھ بے گناہ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، میں جانتا ہوں کہ تیرے باپ کا باپ کون ہے؟ پس سندی فرزندِ سندی سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

ابن زیاد بہت غصے میں آیا اور کہا: اسے فوراً قتل کردو۔

روضۃ الشہداء میں مُلا حسین کاشفی نے لکھا ہے: ابن زیاد نے آواز دی کہ اس دربار میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس کو چھت پر لے جائے اور قتل کردے؟

بکر بن حمران کے بیٹے نے کہا: اے امیر! یہ کام میں کرتا ہوں کیوں کہ اس نے آج ہی میرے باپ کو قتل کیا ہے۔

تاریخ الفتوح میں مذکور ہے کہ ابن زیاد نے دربار سے ایک شامی جسے جنابِ مسلمؑ نے زخمی کیا تھا، بلایا اور کہا: مسلمؑ کو چھت پر لے جاؤ اور قتل کردو اور اپنے بغض کی آگ کو بجھا دو۔

منتہی الآمال میں محدث قمی لکھتے ہیں: ابن زیاد نے بکر بن حمران سے جس کو مسلمؑ نے ایک ضرب ماری تھی، کہا: مسلمؑ کو قصر دارالامارہ کی چھت پر لے جاؤ اور گردن اڑا دو۔

بہرصورت حضرت مسلمؑ کا جو بھی ناپاک اور خبیث قاتل تھا، جب اسے ابن زیاد نے حضرتؑ کے قتل کا حکم دیا تو حضرتؑ کو چھت پر لے گیا۔ اس وقت مسلمؑ تکبیر پڑھ رہے تھے، استغفار کررہے تھے اور درود شریف کا ورد کررہے تھے اور اہلِ کوفہ کا خدا کے پاس شکوہ بھی کررہے تھے کہ اے اللہ! میرے اور اس قوم کے درمیان تو فیصلہ فرما کہ ہمیں اُنہوں نے دھوکہ دیا اور ہمیں جھٹلایا۔

مُلا حسین کاشفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں: جب مسلمؑ کو چھت پر لے گئے تو مسلمؑ نے مکہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا:
السلام علیك یابن رسول الله کیا مسلمؑ کی حالت کی خبر ہے؟

ابی مخنف کے مقتل میں ہے کہ مسلمؑ نے جلاد سے تمنا کی کہ مجھے دو رکعت نماز کی اجازت دے دو پھر قتل کر دینا۔

اس سخت دل جلاد نے کہا: مجھے اجازت نہیں کہ تجھے نماز کی اجازت دوں تو مسلمؑ رونے لگے۔

مرحوم مفید نے ارشاد میں لکھا ہے کہ ابن زیاد نے کہا: کہاں ہے وہ شخص جس کو مسلمؑ نے زخمی کیا ہے تو بکر بن حمران آ گیا۔ ابن زیاد نے کہا: مسلمؑ کو چھت پر لے جاؤ، اور قتل کر دو۔ وہ پلید جنابِ مسلمؑ کو چھت پر لے گیا اور قتل کر دیا اور حضرتؑ کے جسدِ پاک کو چھت سے نیچے زمین پر گرا دیا جبکہ سر لے کر ابن زیاد کے پاس آ گیا لیکن وہ ڈر رہا تھا اور اس کے جسم میں لرزہ تھا۔

مرحوم سید نے لہوف میں لکھا ہے کہ ابن زیاد نے کہا: اس طرح خائف کیوں ہو اور کانپ کیوں رہے ہو؟

اس نے کہا: جب میں مسلمؑ کو قتل کر رہا تھا تو ایک سیاہ پوش اور غضبناک شخص کو دیکھا جو میرے سامنے کھڑا تھا اور جس نے انگلیوں کو دانتوں کے درمیان رکھا ہوا تھا، اُسے دیکھ کر میرے اُوپر خوف طاری ہو گیا۔

ابن زیاد نے کہا: یہ کوئی چیز نہیں تھی جو تجھے خیال آیا اسے ذہن سے نکال دو۔

مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے: جب بکر بن حمران چھت سے اتر کر ابن زیاد کے پاس آیا تو ابن زیاد نے پوچھا: قتل کر دیا؟ اس نے کہا: ہاں۔ ابن زیاد نے پوچھا کہ جب تم چھت پر لے گئے تو مسلمؑ کیا کہتا تھا؟ کیا اُس نے معافی نہیں مانگی؟

اس نے کہا: نہیں! بلکہ تکبیر، تسبیح اور استغفار پڑھ رہا تھا۔ جب میں گردن اڑانے لگا تو دکھی دل سے اس نے کہا: اے اللہ! میرے اور اس قوم کے درمیان خود فیصلہ فرما کہ جنہوں نے ہم سے دھوکہ کیا اور ہمیں ذلیل کر دیا۔ اے امیر ابن زیاد! مسلمؑ مناجات کر رہے تھے جب میں نے ضرب ماری تو کارگر ثابت نہ ہوئی۔

مسلمؑ نے فرمایا: اب تو بس کرو۔ میں نے کہا: نہیں اور پھر تلوار کی ضرب ماری جس سے وہ قتل ہو گئے۔

ہانی بن عروہ کی شہادت

جنابِ مسلمؑ کو شہید کرنے کے بعد جسم کو گلی میں پھینک دیا گیا اور سر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد ملعون، ہانی بن عروہ کے متعلق سوچنے لگا اور اسے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا۔

مرحوم مفیدؒ نے ارشاد میں لکھا ہے کہ محمد بن اشعث نے کہا: اے امیر! جناب ہانی کا مقام اور مرتبہ و منزلت اشراف اور اشخاصِ کوفہ میں معروف اور مشہور ہے۔ وہ ایک بزرگوار اور بڑے قبیلہ و عشیرہ والے ہیں اور تمام لوگ جانتے ہیں کہ میں انہیں آپ کے دربار میں لایا ہوں اور اس کو میں نے پناہ دی تھی۔ لہٰذا میری تمنا ہے کہ ہانی کو بخش دو اور اس کے قبیلہ کو میرا دشمن نہ بناؤ۔

ابن زیاد نے وعدہ کیا کہ میں انہیں بخش دوں گا لیکن بعد میں اس نے وعدے کی خلاف ورزی کی اور حکم دیا کہ ہانیؓ کو زندان سے لایا جائے۔ پھر اُس نے حکم دیا کہ ہانیؓ کو بازار کے چوراہے پر لے جاؤ اور قتل کر دو تاکہ وہ اور تمام اہلِ کوفہ جان لیں کہ مجھے ان کے قبیلہ اور عشیرہ سے کوئی ڈر نہیں۔ جب جلاد اس بوڑھے، نحیف اور روشن ضمیر کو زندان سے باہر لایا اور گوسفند فروشوں کی منڈی میں لے گیا تو ہانیؓ نے جلاد سے پوچھا: مجھے کدھر لے جا رہے ہو اور کیا ارادہ ہے؟ اس وقت ہانیؓ فریاد کر رہے تھے اور اہلِ شہر سے مدد مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے مذحج قبیلہ والو! کہاں ہو؟ کیا کوئی میری فریاد سننے کے لیے نہیں ہے۔ ہانیؓ نے اس قدر فریادیں کر کے بنی مذحج کو پکارا لیکن ان کی فریاد رسی کسی نے نہ کی۔ ہانیؓ اپنی حمیت اور غیرت سے اپنے بازو سے بند توڑتے ہوئے غصے سے کانپنے لگے اور آواز لگاتے تھے کہ اے بے غیرتو! خنجر یا تلوار یا عصا مجھے دو تاکہ ان پلیدوں کا کام تمام کر دوں، ہانیؓ کو چوک میں لانے والے اوباشوں اور بدمعاشوں کے پاس اسلحہ تھا۔ انھوں نے ہانیؓ پر حملہ کر کے انہیں پھر گرفتار کر لیا اور بازوؤں کو باندھ کر بازار میں بٹھا دیا۔

ابن زیاد کے ایک بدصورت غلام رشید نے ہانیؓ پر تلوار تانی اور ہانیؓ کو کہا: اپنی گردن لمبی اور سیدھی کرو تاکہ تلوار سے کاٹ دوں۔

ہانیؓ نے کہا: میں اس قدر سخی نہیں ہوں کہ اپنے قتل میں تعاون کروں۔ اس بدصورت غلام نے تلوار چلائی لیکن مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ ہانیؓ نے قاضی الحاجات کی درگاہ کی طرف توجہ کی اور عرض کیا:

اِلَی اللّٰہِ المعاد اللھم الی رحمتك واخوانِكَ

پس اس غلام نے دوسری ضرب لگائی اور انہیں مسلمؑ بن عقیل کے ساتھ ملحق کر دیا اور سر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ پھر مسلمؑ اور ہانیؓ کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر اُن کی لاشوں کو تمام گلیوں اور کوچوں میں گھسیٹا گیا۔

جلادوں نے حضرت مسلمؑ و ہانیؓ کو لوٹ لیا۔ مسلمؑ کی تلوار اور زرہ محمد بن اشعث لے گیا حالانکہ مسلمؑ نے وصیت کی تھی کہ تلوار اور زرہ بیچ کر یہ قرض اتارا جائے لیکن ابن اشعث نے کہا: مقتول کا لباس اور اسلحہ قاتل کا ہو جاتا ہے اور اگر میں مسلمؑ سے جنگ نہ کرتا تو اور کوئی شخص نہیں تھا جو مسلمؑ کو گرفتار کر سکتا۔ میں نے آلِ محمدؐ کے شیر کو قتل کیا، پھر اُس نے زرہ اتاری اور

تلوار اٹھائی۔

ابی مخنف نے لکھا ہے کہ جب لوگوں نے اس اہانت کو دیکھا تو ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے اکٹھے ہوگئے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بازاروں میں آگئے اور ابن زیاد کے بدمعاشوں اوراوباشوں سے جھگڑا کیا اور مسلمؑ و ہانیؓ کے جنازے جبراً اور قہراً ان سے لے جا کر انہیں غسل دیا، کفن دیا اور دفن کر دیا۔

مسلمؑ بن عقیل کا خروج ۸ ذوالحجہ کو ہوا اور اُسی دن امام عالی مقامؑ نے مکہ چھوڑا اور کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے اور ۹ ذوالحجہ کو آپؑ کو شہید کیا گیا۔ مرحوم شاہزادہ فرہاد نے اپنی کتاب قمقام میں لکھا ہے کہ جب مسلمؑ اور ہانیؓ دونوں شہید ہوگئے تو ان دونوں کے سر یزید کی طرف بھیج دیے گئے اور مسلمؑ کے لاشے کو دروازے پر لٹکایا گیا۔ یہ پہلا ہاشمی سر تھا جس کو یزید کے پاس بھیجا گیا اور پہلا جسم تھا جس کو سولی پر لٹکایا گیا۔

مسلمؑ اور ہانیؓ کے سر یزید کو بھیجنا

تاریخ الفتوح میں ذکر ہے کہ جب مسلمؑ اور ہانیؓ کو شہید کیا گیا تو ان کے جسموں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور ان کے سروں کو شام بھیج دیا گیا۔ ان کے ساتھ یزید کو ایک خط بھی ارسال کیا گیا جس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

اس خدا کی حمد و ثنا ہے جس نے امیر شام کا حق دشمنوں سے وصول کر لیا اور دشمنوں کے لیے کافی ہوا۔ امیر کی خدمت میں عرض ہے کہ مسلمؑ بن عقیل کوفہ آئے تھے اور ہانیؓ نے ان کی میزبانی کی، انھوں نے لوگوں سے امام حسینؑ کی بیعت لی، میں نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مختلف حیلوں سے ان کی نشاندہی کروائی۔ پھر ان سے جنگ اور مقابلہ کر کے ان کو گرفتار کیا اور دونوں کے سر جدا کر کے ہانی بن الوارعی اور زبیر بن الارحواح تمیمی کے ساتھ (جو آپ کے مخلص اور مطیع ہیں) آپ کی طرف بھیج دیے ہیں ــــــ والسلام!

جب یہ دونوں شخص خط اور سروں کے ساتھ یزید کے پاس پہنچے اور یزید نے خط پڑھا تو کہا: ان دونوں سروں کو دمشق کے دروازہ پر لٹکا دو۔ پھر درج ذیل خط ابن زیاد کی طرف بھیجا:

امابعد! تمہارا خط اور مسلمؑ و ہانیؓ کے سر پہنچ گئے ہیں، بہت خوشی ہوئی کہ تم نے وہ کام کیا جو میرے دل کی خواہش تھی۔ جو تم نے کیا بہت اچھا کیا اور میری مراد پوری کر دی جو سر لانے والے تھے ان کو تمہاری خواہش کے مطابق دو، دو ہزار درہم عطا کر دیے ہیں۔ یہ خوش ہو کر آپ کی طرف آ رہے ہیں۔

اور میں نے سنا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ مکہ سے نکل چکے ہیں اور عراق جا رہے ہیں لہٰذا بہت احتیاط کرو، تمام راستوں پر جاسوس لگا دو، ان کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھو اور جس شخص کو فتنہ گر سمجھو اسے قتل کر دو یا قید میں ڈال دو۔ نیز حسینؑ بن علیؑ کے متعلق مجھے خبر پہنچاتے رہو اور تمام تفاصیل لکھ کر بھیجتے رہو تا کہ میں ان کے حالات سے مطلع رہوں ـــــ والسلام!

فرزندانِ مسلمؑ کا حال

جب قتل ہوا ایلچی سید والا　　بچوں پہ عجب حادثہ تقدیر نے ڈالا
کوئی نہ یتیموں کا رہا پوچھنے والا　　تھے ننھے سے سینوں میں کلیجے تہ و بالا
گیسو بھی پریشان تھے کُرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے

حضرت مسلمؑ بن عقیل کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ تین بیٹوں کے نام عبداللہ، عبیداللہ اور محمد تھے۔ یہ تینوں زمانے کے بہادر جوان تھے اور روزِ عاشورہ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کی شہادت کا تفصیلی حال بعد میں ذکر کیا جائے گا۔ البتہ دوسرے دو بیٹوں کے بارے میں صاحبانِ تاریخ و مقاتل میں اختلاف ہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ دونوں بیٹے باپ کے ساتھ کوفہ آئے تھے اور باپ کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے گرفتار کر کے انہیں قید میں ڈال دیا۔ پھر ایک سال کی قید کے بعد فرات کے کنارے حارث ملعون کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور یہ نظریہ جناب مرحوم ملا حسین کاشفی کا روضۃ الشہداء میں ہے۔

بعض دیگر جیسے شیخ صدوق وغیرہ لکھتے ہیں: یہ دونوں شہزادے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ تھے اور امام اور اصحاب کی شہادت اور اہلِ بیتؑ کی اسیری کے بعد کوفہ لائے گئے۔ ابن زیاد نے یہ خیال کیا کہ یہ مسلمؑ کے بیٹے ہیں لہٰذا انہیں کوفہ کے زنداہ میں ڈال دیا اور ایک سال کے بعد انہیں نہر فرات کے کنارے قتل کروا دیا۔

جناب محدث قمی نے منتہی الآمال میں یہی قول اختیار کیا ہے اور اسی پر اکتفا کیا ہے۔

نظریہ صاحب ریاض القدس

جناب مرحوم صدر الدین واعظ شیرازی اپنی کتاب ریاض القدس میں لکھتے ہیں: دو شہزادے جو نہر فرات پر قتل کیے گئے وہ جعفر بن ابی طالبؑ کی اولاد میں سے تھے جو شامِ غریباں لشکرِ یزید کے ہاتھ سے بھاگ نکلے تھے اور وہ کوفہ میں گرفتار ہو گئے اور شہید ہو گئے۔ ان کے سروں کو ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ اور یہ شہادت کا واقعہ گیارہ یا بارہ محرم کو ہوا۔ ان کو قیدی نہیں بنایا

گیا اور اس پر چند قرائن موجود ہیں۔

یہ واقعہ اس لیے درست اور قابلِ تصدیق ہے کہ ابن زیاد چھ ماہ تک بصرہ میں حاکم رہا اور چھ ماہ کوفہ میں حکومت کرتا رہا۔ اگر ابن زیاد شام نہ گیا ہو اور بصرہ میں ہو تو پھر ابن جوزی یہ لکھتا ہے کہ ابن زیاد امام حسینؑ کی شہادت کے بعد شام چلا گیا اور یزید کے خواص، دوستوں اور ہم پیالہ، ہم نوالہ شرابیوں میں شامل ہو گیا۔ اس کی آواز خوبصورت تھی لہٰذا یزید اور اس کے دوستوں کے لیے گاتا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ شام سے عظمت و کرامت کے ساتھ واپس آئیں اور کوفہ میں پہنچیں یا کوفہ سے گزریں اور ان دو شہزادوں کو زندان سے آزاد کرائے بغیر مدینہ چلے جائیں۔ بات بہت عجیب ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ شہزادے فرماتے ہیں: نَحنُ مِن ذُرِّیتِهِ نَبِیك ''اے ظالم! ہم تیرے نبیؐ کی ذُریت میں سے ہیں'' کیونکہ اولادِ جعفر جناب زینبؑ کی وجہ سے (جو عبداللہ کی زوجہ تھیں) ذُریت پیغمبرؐ ہو سکتے ہیں۔

طفلانِ مسلمؑ کے بارے میں شیخ صدوقؒ کا نظریہ

طفلانِ مسلمؑ کا واقعہ دو طرح نقل ہوا ہے:

(۱) شیخ صدوق کا بیان اپنی امالی میں (۲) ملا حسین کاشفی کا بیان اپنی کتاب ''روضۃ الشہداء'' میں جو مشہور ہے۔ ہم ان دونوں بیانوں کو ذکر کرتے ہیں تاکہ زیادہ ثواب حاصل ہو۔

● نظریۂ شیخ صدوق: جناب محدث قمی نے منتہی الآمال میں شیخ صدوق کے بیان کو یوں نقل کیا ہے کہ شیخ صدوق نے اپنی سند سے روایت بیان کی ہے کہ اہلِ کوفہ نے ایک بزرگ سے کہا ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو میدانِ کربلا سے مسلمؑ کے دو شہزادوں کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ ابن زیاد ملعون نے زندان کے داروغہ کو بلایا اور کہا: ان دو بچوں کو زندان میں ڈال دو اور ان پر سختی کرو، ان کو اچھا کھانا اور ٹھنڈا پانی ہرگز نہ دینا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ مظلوم بچے اس زندان کی تنگی اور تاریکی میں رو رو کر زندگی بسر کرتے رہے۔ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات کو جَو کی ایک ایک روٹی اور گرم پانی سے، جو حکومت کی طرف سے ملتے تھے، افطار کر لیتے تھے۔ یہ مدت ایک سال ہو گئی تو ایک بھائی نے دوسرے سے کہا:

ہماری زندان کی مدت بہت لمبی ہو گئی ہے اس طرح تو ہم قید خانے میں مر جائیں گے اور ہمارے جسم اس قید خانے میں ختم ہو جائیں گے، لہٰذا اپنا تعارف کرائیں شاید داروغہ ہمارے حال پر رحم کرے۔ جب شام کے وقت داروغہ کھانا دینے

زندان میں آیا تو چھوٹے شہزادے نے کہا: اے بزرگ! کیا آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے ہیں؟

اس نے کہا: ہاں پہچانتا ہوں وہ تو میرے نبیؐ ہیں۔

پھر بچے نے کہا: کیا جعفر بن ابی طالبؑ کو جانتے ہو؟

اس نے کہا: ہاں! پہچانتا ہوں جعفر تو وہ شخصیت ہیں کہ خدا نے جنت میں ان کو دو پَر عطا کیے ہیں تاکہ ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے رہیں۔

بچے نے کہا: کیا حضرت علیؑ بن ابی طالب کو جانتے ہو؟

اس نے کہا: ہاں! ان کو کیسے نہ پہچانو وہ تو میرے امامؑ ہیں۔

پھر بچے نے کہا: اے بزرگوار! ہم تمہارے پیغمبرؐ کی عترت و ذُریت ہیں۔ ہم مسلمؑ بن عقیل کے بیٹے ہیں اور تمہارے ہاتھوں گرفتار ہیں۔ ہم پر اس قدر سختی نہ کر کچھ نہ کچھ پیغمبر گرامیؐ کی وجہ سے ہم پر مہربانی فرماؤ۔ جوں ہی اس شیخ نے یہ بات سنی تو بچے کے قدموں پر گر پڑا اور پاؤں کو بوسہ دے کر کہنے لگا: اے ذُریت پیغمبر محمد مصطفیٰؐ! میری جان تم پر قربان، ابھی زندان کا دروازہ کھولتا ہوں جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔ جب رات ہوگئی تو داروغہ کھانا لایا، بچوں کو دیا اور ان کو زندان سے نکال کر ایک راستہ پر لے آیا اور کہا: میری آنکھوں کے نور! تمہارے دشمن بہت زیادہ ہیں، دشمنوں سے بچتے رہنا، رات کو سفر کرنا اور دن کو چھپ کر آرام کرنا۔ پس یہ دونوں شہزادے تاریک راہ پر چل نکلے اور چلتے چلتے ایک بوڑھی کے مکان پر پہنچے۔ وہ بوڑھی عورت دروازے پر کھڑی تھی۔ چونکہ شہزادے چل چل کر بہت تھک گئے تھے لہٰذا اُنہوں نے اس مقام پر آرام کرنے کو غنیمت جانا۔ شہزادوں نے بوڑھی عورت سے کہا: اے مادر! ہم دو چھوٹے بچے اس شہر میں مسافر ہیں، کوئی منزل نہیں، ہم پر مہربانی فرما تاکہ ہم رات کی تاریکی میں تمہارے پاس آرام کرسکیں جب صبح ہوگی تو ہم اپنے سفر پر چلے جائیں گے۔

ضعیفہ نے کہا: اے میری آنکھوں کے نور! آپ کون ہیں کہ مجھے آپ سے عطر کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور ایسی خوشبو میں نے زندگی بھر کبھی نہیں سونگھی۔ شہزادوں نے کہا: ہم تمہارے نبیؐ کی عترت ہیں اور ابن زیاد کے زندان سے بھاگ کر آئے ہیں۔

بوڑھی عورت نے کہا: اے میری آنکھوں کے نور! میرا داماد ایک فاسق اور خبیث شخص ہے جو کربلا کی جنگ میں موجود تھا، مجھے خوف ہے کہ وہ میرے گھر آئے اور تمہیں میرے گھر دیکھے تو تمہیں کہیں تکلیف نہ پہنچائے۔

شہزادوں نے کہا: رات تاریک ہے امید ہے کہ وہ شخص آج نہیں آئے گا اور ہم صبح سویرے تمہارے گھر سے چلے جائیں گے۔ پس ضعیفہ ان شہزادوں کو گھر لے آئی، کھانا دیا۔ کھانا کھا کر شہزادے بستروں پر سو گئے۔ البتہ دوسری روایت میں ہے کہ ان شہزادوں نے فرمایا: ہمیں کھانے کی طلب نہیں، ہمیں جائے نماز دو تاکہ نمازِ شب پڑھ سکیں، پھر نمازِ شب پڑھ کر سو

گئے۔

چھوٹے شہزادے نے بڑے شہزادے سے کہا: اے بھائی! آج ہماری امن کی رات ہے اور سکون ہے۔ ہم ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر ایک دوسرے کی خوشبو محسوس کرتے ہیں حتیٰ کہ موت ہمارے درمیان جدائی ڈال دے۔ پس ان شہزادوں نے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور سو گئے۔

رات کا کچھ حصہ گزرا تو اس بوڑھی کا داماد گھر آن پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ بوڑھی نے پوچھا: کون؟ اس خبیث نے کہا: میں ہوں۔ بوڑھی نے پوچھا: اس وقت تک کہاں تھے؟ اس نے کہا: جلدی دروازہ کھولو ورنہ تھکان سے میں مر جاؤں گا۔ عورت نے پوچھا: یہ تھکان کیوں ہے؟ اس نے کہا: عبیداللہ کے زندان سے مسلمؑ کے دو بچے نکل گئے ہیں۔ امیر کوفہ کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ جو شخص ان شہزادوں کے سر لائے گا اسے دو ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ میں اس انعام کے لالچ میں سارا دن انہیں اِدھر اُدھر تلاش کرتا رہا ہوں لیکن مجھے ان بچوں کا سراغ نہ مل سکا۔

عورت نے اسے نصیحت کی: اے شخص! اس خیال کو ذہن سے نکال دو اور پیغمبرؐ کی دشمنی سے پرہیز کرو۔

اس نصیحت کا اس خبیث پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اُلٹا غصے سے کہنے لگا کہ عورت تو ان شہزادوں کی حمایت کیوں کر رہی ہے شاید تمہارے پاس اُن کی کوئی اطلاع ہے۔ اُٹھو ہم دونوں امیر عبیداللہ کے پاس چلتے ہیں، وہ تمہیں بلا رہا ہے۔ اس مسکین بوڑھی نے کہا: امیر کو مجھ سے کیا کام، میں ایک بوڑھی عورت ہوں اور اس صحرا میں رہتی ہوں۔

اس خبیث نے کہا: دروازہ کھولو تاکہ میں اندر داخل ہوں اور کچھ وقت آرام کر کے دوبارہ ان کی تلاش میں نکل جاؤں۔ عورت نے دروازہ کھولا اور اسے کھانا دیا۔ وہ کھانا کھا کر بستر پر سو گیا۔ اس نے شہزادوں کی نیند کے دوران میں ان کی سانسوں کے چلنے کو محسوس کیا تو مشتعل اُونٹ کی طرح اُٹھا اور غصے سے آوازیں نکالنے لگا۔ رات کی تاریکی میں شہزادوں کے سانسوں کی آواز کی طرف جانے کے لیے دیوار اور زمین کے سہارے سے چلتا گیا حتیٰ کہ اس کا نجس ہاتھ چھوٹے بچے کے سر کے بالوں تک جا پہنچا۔ مظلوم شہزادے نے کہا: تو کون ہے؟ اُس نے کہا: میں تو صاحب مکان ہوں تم کون ہو؟

چھوٹے بچے نے بڑے بھائی کو اٹھایا جس کا ڈر تھا وہی ہوا ہے۔

بازو پہ چھوٹے کے پڑا دستِ جفا کار — تو کون ہے کہنے لگا وہ چونک کے اِک بار
جھنجلا کے کہا اس نے کہ میں گھر کا ہوں مختار — تب بھائی کو چونکا کے یہ بولا وہ دل فگار

جس بات کا دھڑکا تھا وہ آفت کی گھڑی ہے
کیا سوتے ہو اُٹھو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

پھر شہزادوں نے کہا: ہم سچ سچ بتا دیں تو ہمیں تکلیف تو نہیں دے گا؟ اس نے کہا: ہاں، نہیں دوں گا۔

انھوں نے کہا: ہم سچ بتائیں تو خدا اور رسولؐ کی امان میں ہوں گے؟ اس نے کہا: ہاں۔

انھوں نے کہا: تو خدا اور رسول کو اس امان پر گواہ بناتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔

جب اس خبیث سے امان کا اقرار کرا لیا تو بتایا کہ اے شیخ! ہم پیغمبرؐ کی عترت ہیں اور ابن زیاد کے زندان سے بھاگ آئے ہیں۔ اس نے کہا: تم موت سے بھاگتے رہے لیکن موت کے چنگل میں آ پھنسے۔ خدا کی حمد ہے کہ جس نے مجھے تمہارے اُوپر فتح و کامیابی عطا فرمائی ہے۔ پھر اس ملعون نے اسی وقت ان کے بازوؤں کو مضبوطی سے باندھ دیا اور وہ شہزادے اسی حالت میں ساری رات بندھے رہے۔

جب صبح ہوئی تو اس ملعون نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ان شہزادوں کو نہر فرات کے کنارے لے جا کر قتل کر دو۔ غلام اپنے آقا کے حکم کے مطابق شہزادوں کو نہر فرات کے کنارے لے گیا۔ لیکن جب اس کو پتہ چلا کہ یہ شہزادے عترتِ پیغمبرؐ ہیں تو اس نے انہیں قتل نہ کیا اور خود نہر فرات میں چھلانگ لگا دی اور دوسرے کنارے سے نکل گیا۔

حارث خبیث نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ ان شہزادوں کو قتل کر دو لیکن اس نے بھی باپ کے حکم کی مخالفت کی اور غلام کی طرح نہر فرات کے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔ جب اس ملعون نے یہ دیکھا کہ ان مظلوم شہزادوں کو قتل کرنے کے لیے خود تلوار لے کر ان کے پاس آیا۔ جب طفلانِ مسلمؑ نے اس ملعون کو تلوار لہراتے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کا نہ بند ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا اور انھوں نے کہا: اے بزرگوار! ہمیں گرفتار کر کے بازار میں بیچ دو اور ہماری قیمت سے فائدہ اُٹھاؤ اور ہمیں قتل نہ کرو اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا دشمن نہ بناؤ۔

اس نے کہا: اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ میں تمہیں قتل کر دوں اور تمہارے سر اُتار کر عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے جاؤں اور دو ہزار درہم انعام لوں۔

شہزادوں نے کہا: اے شیخ! ہماری پیغمبرؐ سے قرابت اور رشتہ داری کا خیال کرو۔

اس نے کہا: تم رسولؐ کے کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہو۔

انھوں نے کہا: ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ جو حکم دے اس پر عمل ہو۔

اس نے کہا: میں تمہارا خون بہا کر عبیداللہ ابن زیاد کا قرب حاصل کروں گا۔

شہزادوں نے فرمایا: ہمارے چھوٹے سن اور ہمارے بچپن پر ہی رحم کھاؤ۔

اس نے کہا: خدا نے میرے دل میں رحم پیدا ہی نہیں کیا۔ شہزادوں نے آخری فریاد کی کہ اے شخص! اگر تو نے ہمیں قتل

ہی کرنا ہے تو ہمیں اس قدر مہلت دے دے کہ ہم نماز پڑھ سکیں۔

اس نے کہا: اگر نماز تمہیں کوئی فائدہ دیتی ہے تو پڑھ لو۔ پس طفلانِ مسلمؑ نے چار چار رکعت نماز پڑھی پھر آسمان کی طرف سر اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی: یاحی یا قیوم یاحلیم یا احکم الحاکمین ہمارے اور اس کے درمیان تو ہی فیصلہ فرما۔

اس وقت اس ملعون نے بڑے شہزادے پر تلوار کھینچی اور اس مظلوم شہزادے کا سر تن سے جدا کر دیا اور سر کو ایک ٹوکری میں رکھ لیا۔ جب چھوٹے شہزادے نے یہ منظر دیکھا تو اپنے خون آلود بھائی کی گردن سے لپٹ گیا اور کہا: میں اپنے بھائی کے خون سے خضاب کرتا ہوں تا کہ اسی حالت میں جا کر رسولِ خدا سے ملوں۔

اس ملعون نے کہا: ابھی تجھے بھی اپنے بھائی سے ملحق کرتا ہوں۔ پھر اس نے چھوٹے شہزادے کی گردن پر تلوار مار کر سر تن سے جدا کر دیا اور سر کو ٹوکری میں رکھ دیا، جب کہ دونوں کے پاک جسموں کو پانی میں ڈال دیا۔ پھر ان شہزادوں کے سروں کو لے کر ابن زیاد کے پاس آیا، جب دارالامارہ کے دروازہ پر پہنچا اور عبیداللہ بن زیاد کے سامنے سر رکھے تو عبیداللہ ملعون کرسی پر بیٹھا تھا اور ایک چھڑی اس کے ہاتھ میں تھی جونہی اس کی نظر ان دو شہزادوں کے پاک اور نورانی سروں پر پڑی تو تین دفعہ اپنی کرسی پر سے اُٹھا اور بیٹھا۔ پھر ان شہزادوں کے قاتل سے خطاب کر کے کہا تو برباد ہو جائے ان کو کہاں سے تلاش کیا ہے؟

اُس نے کہا: یہ ہماری ایک بوڑھی عورت کے مہمان تھے۔ ابن زیاد کو یہ جواب ناگوار گزرا اور کہا: اے ملعون! تو نے ان کے مہمان ہونے کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔

اس نے کہا: میں نے مہمان کا بھی کوئی لحاظ نہیں رکھا۔

ابن زیاد نے کہا: جب تو انہیں قتل کرنے والا تھا انھوں نے کوئی بات کی؟

اس ملعون نے شہزادوں کی ہر بات اس کو بتائی حتیٰ کہ اس نے کہا: ان شہزادوں کی آخری کلام یہ تھی کہ ہمیں مہلت دو ہم نماز پڑھ لیں اور انھوں نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد بارگاہِ الٰہی میں یہ فریاد کی کہ اے احکم الحاکمین! ہمارے اور اس کے درمیان تو خود ہی فیصلہ فرما۔

عبیداللہ نے کہا: اے لوگو! احکم الحاکمین کا حکم ہے کہ تم میں کون ایسا شخص ہے جو ابھی اُٹھے اور اس فاسق و فاجر شخص کو قتل کر دے۔ ایک شامی شخص اُٹھا اور کہا: اے امیر! یہ کام میرے حوالے کر دو۔ عبیداللہ نے کہا: اے شامی! اس شخص کو وہاں لے جاؤ جہاں اس نے ان شہزادوں کو قتل کیا ہے، اور وہیں قتل کر کے اس کے نجس خون کو ان کے پاک خون سے مخلوط نہ ہونے دینا اور سر جدا کر کے جلدی جلدی میرے پاس لے آنا۔

اس شامی نے ایسا ہی کیا اور اس کے سر کو نیزہ پر اُٹھا کر ابن زیاد کی طرف آنے لگا۔ جب کوفہ کے بچوں نے اس ملعون کے سر کو نوکِ نیزہ پر دیکھا تو اسے پتھر اور تیر مارنے لگے اور یہی کہتے تھے کہ یہ منکر ہے ذُریت پیغمبر کا۔

یہ نقلِ صدوقؒ تاریخ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ شہادتِ امام حسینؑ کے بعد ابن زیاد شام چلا گیا اور یزید کے خصوصی دوستوں میں سے ہوگیا اور قطعاً ایک سال کوفہ میں نہ رہا۔ لہٰذا ہماری نظر میں شیخ صدوقؒ والی روایت قابلِ اعتماد نہیں۔

فرزندانِ مسلمؑ کے بارے میں مُلا حسین کاشفیؒ کی روایت

دو طفلِ حسیں بھاگے ہیں کل قاضی کے گھر سے — کر لیجیو گرفتار ، جو آنکلیں اِدھر سے
خورشید سے ماتھے ہیں تو چہرے ہیں قمر سے — چھوٹے سے عمامے ہیں جو لپٹے ہوئے سر سے
گوندھی ہوئی زُلفیں بسرِ دوش پڑی ہیں
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی ہیں

وہ لکھتے ہیں: بعض جاسوسوں نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ مسلمؑ کے دو بیٹے اس شہر میں چھپے ہوئے ہیں جن کے چہرے چاند کی طرح چمکتے ہیں۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ مسلمؑ بن عقیل کے بیٹے، جس کے گھر میں پوشیدہ ہیں اور وہ مجھے نہ پہنچائے تو میں اس گھر کو تباہ کردوں گا اور جس نے ان کو اپنے گھر میں چھپایا اُسے ذلیل کردوں گا۔

اس وقت طفلانِ مسلمؑ قاضی شریح کے گھر تھے کیونکہ مسلمؑ نے جنگ کے دن ان کو قاضی کے گھر پہنچا دیا تھا اور ان کی حفاظت اور نگرانی کی بہت تاکید کی تھی۔ شہادتِ مسلمؑ کے بعد جب ابن زیاد کا یہ اعلان ہوا تو شریح نے ان بچوں کو اپنے پاس بلایا، جوں ہی بچوں پر نگاہ پڑی تو بے اختیار اُونچی آواز سے رونے لگا۔ چونکہ اس وقت تک دونوں شہزادے اپنے باپ کی شہادت سے آگاہ نہیں تھے، لہٰذا قاضی کے رونے سے ان کو شک ہوا اور پوچھا: اے قاضی! ہمیں دیکھ کر گریہ شروع کردیا اور بڑا دکھی ہوگیا ہے، ہمارے دلوں کو تمہارا گریہ مجروح کررہا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

شریح نے کہا: اے شہزادو! دنیا میں ہر خوشی کے ساتھ غم بھی ہوتا ہے۔ تہنیت کے ساتھ تعزیت ہوتی ہے، زندگی کے باغ میں کانٹے ضرور ہوتے ہیں، آپ کے والد انتقال کرگئے ہیں، ان کی مقدس روح کا شہباز شہادت کے پَروں سے ریاضِ سعادت کی طرف پرواز کرگیا ہے۔ خدا تمہیں صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

جب طفلانِ مسلمؑ نے یہ سنا تو دونوں اچانک باپ کی شہادت کا سن کر بے ہوش ہوگئے، کافی دیر کے بعد ہوش میں

آئے تو اپنے عماموں کو سر سے اُتارا اور سروں میں مٹی ڈال کر، پریشان حال ہو کر قاضی شریح سے کہتے تھے کہ اے قاضی! یہ کون سی قیامت بھری خبر سنا دی ہے اور واغربتاہ، واغربتاہ کے بین کرتے تھے۔

قاضی نے کہا: اب رونے اور فریاد کرنے کا وقت نہیں کیونکہ عبیداللہ کے جاسوس تمہیں تلاش کر رہے ہیں اور اعلان کر رہے ہیں کہ جس گھر میں طفلانِ مسلم پائے گئے اس گھر کو تباہ اور گھر والوں کو ذلیل کر دیا جائے گا۔

میں اس شہر میں محبتِ اہلِ بیتؑ میں متہم ہوں اور دشمن میرے حال احوال کی تحقیق میں لگے ہوئے ہیں، مجھے تمہاری جانوں اور اپنی جان کا بہت خطرہ ہے، لہٰذا میں نے سوچا ہے کہ میں تمہیں کسی کے حوالے کر دوں جو تمہیں مدینہ پہنچا دے۔ پس شہزادے ابن زیاد کے خوف کی وجہ سے باپ کی شہادت پر خاموش ہو گئے اور قاضی نے ہر ایک بچے کو پچاس دینار زادِ راہ دیا اور اپنے بیٹے اسد کے حوالے کرتے ہوئے کہا: میں نے سنا ہے کہ عراقین دروازے سے ایک کارواں آج مدینہ کو روانہ ہونے والا ہے، ان بچوں کو اس کارواں میں پہنچا دو اور کسی قابلِ اعتماد شخص کے حوالہ کر دو تا کہ یہ بچے مدینہ پہنچ جائیں۔

اسد نے رات کی تاریکی میں ان طفلانِ مسلمؑ کو ساتھ لیا، عراقین دروازے سے باہر لایا لیکن افسوس صد افسوس کہ کارواں وہاں سے کوچ کر چکا تھا اور کارواں جاتا ہوا دُور سے نظر آ رہا تھا۔ اسد نے بچوں سے کہا: وہ دیکھو قافلہ جا رہا ہے، جلدی کرو دوڑتے جاؤ اس کارواں سے جا ملو۔ طفلانِ مسلمؑ اس کارواں کے پیچھے بھاگتے گئے اور اسد واپس گھر چلا گیا۔

طفلانِ مسلم نے اس کارواں کے نقوشِ قدم پر کچھ دیر تو سفر جاری رکھا لیکن بہت جلدی وہ کارواں آنکھوں سے غائب ہو گیا اس لیے شہزادے چلتے چلتے راہ گم کر بیٹھے کہ اچانک ابن زیاد کے جاسوسوں نے ان شہزادوں کو پا لیا، جب انھوں نے پہچانا کہ طفلانِ مسلمؑ ہیں تو ان کو گرفتار کر لیا اور انہیں ابن زیاد کے دربار میں لے آئے۔ ابن زیاد نے ان کو زندان میں ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر یزید کو خط لکھا کہ مسلمؑ کے دو بیٹے جن کی عمریں سات اور آٹھ سال ہیں، کو گرفتار کر کے میں نے قید کیا ہوا ہے۔ اب ان کے بارے تمہارے حکم نامے کا انتظار ہے کہ ان کو قتل کر دوں یا چھوڑ دوں یا پھر تمہاری طرف بھیج دوں۔ قاصد خط لے کر دمشق چلا گیا۔ ادھر مشکور نامی شخص زندان کا محافظ تھا جو محبت اہلِ بیتؑ رکھتا تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ حضرت مسلمؑ کے فرزند ہیں تو ان کے پاؤں میں گر پڑا۔ انہیں اچھے مقام پر رکھا اور اچھی غذا دی اور تمام دن خدمت کرتا رہتا۔ رات کو زندان میں آیا جب تمام لوگ نیند میں خاموش ہو گئے تو ان کو زندان سے نکالا اور قادسیہ کے راستے پر لایا، اپنی ایک انگوٹھی ان کو دی اور کہا: یہ پُرامن راستہ ہے اس پر چلے جاؤ، قادسیہ پہنچ کر میرے بھائی کے پاس چلے جانا، میری یہ انگوٹھی اسے دکھانا تا کہ وہ تمہیں مدینہ پہنچانے کا بندوبست کر دے۔

فرزندانِ مسلمؑ نے مشکور کو دعا دی اور راستے پر چل نکلے لیکن تقدیر ہر شے پر غالب ہے۔ تقدیر کے فیصلوں کو کوئی روک

نہیں سکتا۔ پس خدا کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ دو یتیم مسافر جلد از جلد باپ سے ملحق ہو جائیں اس لیے راستہ گم ہو گیا۔ ساری رات چلتے رہے لیکن جب صبح کی روشنی ہوئی تو دیکھا ابھی وہی کوفہ کے در و دیوار ہیں۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے کہا: بھائی ابھی تک ہم اسی شہر کے در و دیوار میں پھر رہے ہیں خدا نہ کرے کہ ہمیں پھر کوئی گرفتار کر لے۔ اس لیے ایک کھجوروں کے باغ میں چھپ گئے، چشمہ کے پاس ایک درخت پر چڑھ گئے اور چھپ کر بیٹھ گئے۔

جب ظہرین کی نماز کا وقت آیا، ایک حبشی کنیز اس چشمہ سے پانی بھرنے آئی۔ وہ پانی میں دو خوبصورت بچوں کے عکس دیکھ کر حیران ہو گئی۔ کنیز نے درخت پر دیکھا تو دو خوبصورت بچے نظر آئے۔ پانی کا برتن اُس کے ہاتھوں سے گر پڑا اور شہزادوں سے مخاطب ہو کر کہا: آپ کون ہیں اور یہاں اس درخت پر کیوں چھپے ہوئے ہیں؟

انھوں نے بتایا کہ ہم یتیم ہیں اور یتیمی کا دکھ برداشت کرنے والے ہیں۔ ہم غمزدہ، یتیم اور غربت کے دکھ کو جھیلنے والے ہیں۔ ہمارا باپ مارا گیا ہے، ہم راستہ گم کر بیٹھے اور اس جگہ کو پناہ گاہ سمجھ کر بیٹھے ہیں۔

کنیز نے پوچھا: تمہارا باپ کون تھا؟ جب انھوں نے باپ کا سنا تو زار و قطار رونے لگے۔

کنیز نے کہا: میرا خیال ہے کہ تم مسلمؑ بن عقیل کے بیٹے ہو۔

انھوں نے رو کے کہا: اے کنیز! تم اُنہیں جانتی ہو؟ تم ان سے محبت رکھتی ہو یا دشمنی؟

کنیز نے کہا: میں تمہارے خاندان کی محبّ ہوں اور میری مالکہ بھی محبہ اہلِ بیت ہے۔ تم میرے ساتھ آؤ تا کہ تمہیں اس کے پاس لے جاؤں، ڈرو نہیں اور نہ پریشان ہو، میں کوئی دھوکا نہیں کر رہی۔ پس شہزادے اس کے ساتھ چل پڑے اور کنیز کے ساتھ ایک گھر پر آئے، کنیز جلدی سے اندر گئی اور مالکہ کو بشارت دی کہ ہمارے دروازے پر مسلمؑ کے دو بچے آئے ہیں۔ مالکہ نے خوشی میں اس کنیز کو آزاد کر دیا اور ننگے پاؤں دوڑتی ہوئی فرزندانِ مسلمؑ کے پاس آئی اور ان کے پاؤں پر گر پڑی۔ پھر ہاتھوں پاؤں کو چوما اور مسلمؑ کی غربت اور شہزادوں کی مظلومیت پر خوب گریہ کیا۔ وہ شہزادوں کو بار بار چومتی تھی اور ایک مہربان ماں کی طرح پیار کرتی تھی۔ اے ماں کے مسافر اور مظلوم بیٹو! وہ شخص ہلاک ہو جائے جس نے تمہارے اور تمہارے باپ کے درمیان جدائی ڈال دی اور اہلِ بیتؑ سے بغض اور کینہ کا اظہار کیا۔ پھر ان کو گھر لے آئی۔ کھانا کھلایا اور کنیز سے کہا: اس راز کو میرے شوہر یا کسی اور کے سامنے ظاہر نہ کرنا کیونکہ میرا شوہر اہلِ وفا کے حرم میں میرا محرم نہیں۔

راوی کہتا ہے کہ مشکور نے چونکہ خدا کی رضا مندی کے لیے ان دو یتیم اور غریب شہزادوں کو زندان سے نکالا تھا لہٰذا دوسری صبح یہ خبر ابن زیاد کو پہنچ گئی، ابن زیاد مشکور کو لایا اور کہا: تو نے فرزندانِ مسلمؑ سے کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا: ان کو خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے آزاد کر دیا ہے اور اپنے دین کے گھر کو اپنے اس عمل سے مزین اور پسندیدہ کردار سے آباد کیا ہے۔

ابن زیاد نے کہا: تجھے میرا خوف نہ تھا؟

مشکور نے کہا: جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا؟

ابنِ زیاد نے کہا: تمہیں کس چیز نے یہ کام کرنے پر آمادہ کیا ہے؟

مشکور نے کہا: اے ظالم و بدکردار! تم نے ان کے باپ کو قتل کردیا، اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہوسکتا ہے۔ تو نے ان چھوٹے چھوٹے معصوم شہزادوں کو باپ کی شہادت کے دکھ سے دکھی کر کے پابندِ سلاسل کردیا اور زندان میں ڈال دیا اور میں نے سید کونینؑ، سردارِ ثقلینؑ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کی خاطر انہیں رہا کیا ہے اور اس رہائی پر رسولؐ اللہ کی شفاعت کا طلبگار ہوں جبکہ تو اس عظمت اور دولت سے محروم ہے۔

ابن زیاد غضب ناک ہوا اور کہا: ابھی تجھے اس کام کا مزہ چکھاتا ہوں۔

مشکور نے کہا: اس عمل کے بدلے میں میری جان ہزار مرتبہ قربان ہونے کو تیار ہے۔

ابن زیاد نے جلاد سے کہا: اسے قتل کردو اور قتل سے پہلے پانچ صد تازیانے مارو پھر قتل کردینا۔ جلاد نے ابن زیاد کے حکم کی اتباع کی۔ جب پہلا تازیانہ مارا تو مشکور نے پڑھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جب دوسرا تازیانہ مارا تو مشکور نے کہا: الٰہی! مجھے صبر و تحمل عطا فرمانا۔ جب تیسرا تازیانہ مارا تو مشکور نے کہا: الٰہی! میرے گناہ معاف فرما دے۔ جب چوتھا تازیانہ مارا تو مشکور نے کہا: الٰہی! مجھے تیرے رسولؐ کی اولاد کی محبت میں مارا جا رہا ہے۔ جب پانچواں تازیانہ مارا تو مشکور نے کہا: مجھے اہلِ بیتؑ کے ساتھ محشور فرمانا اور پھر مشکور خاموش ہوگیا اور کوئی آواز نہ نکالی حتیٰ کہ پانچ سو تازیانے جب لگ چکے تو ایک مرتبہ آنکھیں کھولیں اور کہا: مجھے ایک گھونٹ پانی دے دو۔

ابن زیاد نے کہا: اے جلاد! اسے پانی دے دو اور گردن اڑا دو۔

عمرو بن حارث اٹھا، اس نے سفارش کی اور مشکور کو اپنے گھر اٹھا کر لے گیا اور اس کا علاج کرنے کا ارادہ کیا۔ مشکور نے آنکھیں کھولیں اور کہا: مجھے حوضِ کوثر کا پانی مل چکا ہے۔ یہ کہا اور اس کی روح پرواز کرگئی۔

راوی بیان کرتا ہے کہ مومنہ کنیز ان دونوں کم سن شہزادوں کو گھر لائی، صاف پاک بستر پر بٹھایا، کھانا کھلایا اور رات کو پیار سے بستر پر سلا دیا اور پھر اپنے کمرے میں بیٹھ گئی۔ کافی دیر بعد اس کا شوہر تھکا ماندہ گھر آیا۔ بیوی نے پوچھا: اب تک کہاں تھے؟ اس نے کہا: صبح جب میں کوفہ کے امیر کے دربار میں گیا تو منادی ندا دے رہا تھا: داروغہ نے مسلمؑ کے بچوں کو قید سے آزاد کردیا ہے لہٰذا جو شخص ان کی خبر لائے گا امیر کوفہ اسے گھوڑا، عمدہ لباس اور کافی مقدار میں مال بطورِ انعام دے گا۔ لوگ اِدھر اُدھر تلاش کے لیے نکلے، میں بھی سارا دن انہیں تلاش کرتا رہا اور ان کی تلاش میں اس قدر گھوڑا دوڑایا کہ گھوڑا مر گیا اور

اب پیدل چل کر گھر پہنچا ہوں۔

عورت نے کہا: اے شخص! تجھے خوفِ خدا نہیں! تجھے رسولؐ خدا کے گھرانے سے کیوں دشمنی ہوگئی ہے؟

اس شخص نے کہا: اے عورت! خاموش، ابن زیاد نے گھوڑے، لباس اور مالی انعام کا وعدہ کیا ہے کہ جو مسلمؑ کے بچوں کو اس کے پاس گرفتار کر کے لے جائے اُسے یہ سب کچھ دیا جائے گا۔

عورت نے کہا: تو کتنا بد بخت ہے کہ ان دو یتیموں کو گرفتار کر کے تلوار کے حوالے کردے یہ تو دنیا کے بدلے دین بیچ رہا ہے۔

اس شخص نے کہا: تجھے ان باتوں سے کیا غرض؟ اگر کھانے کو کچھ ہے تو لے آ تا کہ کھانا کھاؤں۔ عورت کھانا لائی تو اس نے کھانا کھایا اور اپنے بستر پر بے ہوش سو گیا۔ رات کا کچھ حصہ گزرا تھا کہ ان دو یتیموں میں سے بڑا بھائی محمد نیند سے اُٹھا اور اپنے چھوٹے بھائی ابراہیم سے کہا: اے برادر! اُٹھو یہ ہمیں بھی قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ابھی خواب میں باباؑ کو دیکھا کہ بہشت میں جنابِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی مرتضیٰؑ، حضرت فاطمۃ الزہراءؑ، امام حسن مجتبیٰؑ کے ساتھ سیر کر رہے ہیں۔ اچانک جنابِ رسالت مآب کی نظر مبارک مجھ پر اور تم پر پڑی تو حضرتؐ نے ہمارے بابا مسلمؑ سے یہی کہا: اے مسلمؑ! تم نے ان دو معصوم بچوں کو ظالموں کے درمیان کیوں چھوڑ دیا ہے؟ بابا نے ہماری طرف دیکھا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبیؐ! وہ ابھی میرے پاس پہنچنے والے ہیں۔

جب چھوٹے شہزادے نے یہ خواب سنا تو کہا: بھائی! میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ پس دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کی گردن میں بانہیں ڈال کر رونا شروع کیا اور بابا بابا کرنا شروع کیا۔ اتنے دکھی بین کیے کہ ان کے رونے کی آواز نے حارث ظالم کو بیدار کردیا، اس نے اپنی بیوی سے سخت لہجے میں پوچھا: یہ کس کے رونے کی آواز آ رہی ہے؟ ہمارے گھر میں کس کے بچے رو رہے ہیں؟

بے چاری عورت خاموش رہی۔ حارث نے پھر آواز دی اور کہا: اے عورت! اُٹھو اور چراغ جلاؤ تا کہ رونے والوں کا پتہ چل سکے۔

یہ مومنہ بے چاری پریشان تھی کہ اب کیا کرے۔ ابھی خاموش تھی کہ حارث اپنے بستر سے خود اُٹھا، چراغ جلایا اور اس کمرے میں آیا جہاں بچے رو رہے تھے۔ دیکھا تو دونوں شہزادے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر بابا بابا کر رہے ہیں۔

حارث نے تند لہجے میں پوچھا: تم کون ہو؟

بچوں نے سمجھا کہ شاید یہ ہمارے محبوں میں سے ہے، لہٰذا فرمایا: ہم مسلمؑ بن عقیل کے فرزند ہیں۔

حارث نے کہا: عجیب بات ہے میں جنگلوں میں کل سارا دن خاک چھانتا رہا اور تم میرے گھر میں ہو۔ میں نے تو تمہاری تلاش میں تھکان برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ گھوڑا بھی ضائع کر دیا ہے۔ جب بچوں نے یہ سنا تو خاموش ہو گئے اور اپنے سر جھکا لیے۔ یہ سنگ دل بے رحم ان یتیموں کے رخساروں پر طمانچے مارنے لگا۔ پھر دونوں کے سر کے بالوں کو باندھا اور باہر آ کر کمرے کو مقفل کر دیا۔ اس مومنہ عورت نے بہت منت سماجت کی اور شوہر کے پاؤں پر گر پڑی، بوسہ دیا، فریاد کی کہ یہ ظلم نہ کرو۔ وہ مسلمؑ کے یتیم فرزند ہیں، میرے مہمان ہیں لیکن حارث نے سختی سے کہا: اے عورت! خاموش ہو جا اور اپنی زبان بند کر لے ورنہ ہر نقصان کی خود ذمہ دار ہوگی۔ عورت خاموش ہو گئی۔

جب صبح ہوئی تو وہ سنگ دل اور سیاہ باطن شخص اُٹھا، تلوار اور ڈھال اٹھائی، ان دو یتیموں کو اپنے آگے لگایا اور نہر فرات کے کنارے پر لے گیا۔ اس کی مومنہ بیوی برہنہ پا پیچھے پیچھے دوڑتی آئی اور آہ و فریاد کرتی رہی لیکن اس ظالم نے کوئی فریاد نہ سنی۔ بیوی اس کی تلوار کے خوف سے پیچھے ہٹ جاتی تھی اور پھر دوڑتی تھی۔ جب وہ فرات کے کنارے پہنچے تو ظالم نے تلوار نکالی اور اپنے غلام کو برہنہ تلوار دی اور کہا: ان دونوں (بچوں) کے سرتن سے جدا کر دو۔ غلام نے تلوار کو بند کیا اور کہا: کس کا دل ہے کہ ان بے گناہوں کو قتل کرے؟

حارث نے غلام کو گالی دی اور کہا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔ غلام نے کہا: مجھے رسول پاکؐ کی اوج سے شرم آتی ہے کہ ان کے خاندان کو قتل کروں، مَیں ان کو قتل نہیں کر سکتا۔

حارث نے کہا: اے غلام! اگر تو انہیں قتل نہیں کرے گا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔

غلام نے کہا: اگر تو مجھے قتل کرنے کا ارادہ کرے گا تو میں تجھے تیرے ارادے سے پہلے قتل کر دوں گا۔

چونکہ حارث تجربہ کار تھا لہٰذا اس نے بڑی سرعت سے غلام کے سر کو بالوں سے پکڑ لیا۔ غلام نے اس کی ڈاڑھی میں مضبوطی سے ہاتھ ڈال دیا اور اپنی طرف کھینچا، حارث گر پڑا۔ غلام نے ارادہ کیا کہ اس کے منہ کو زخمی کرے لیکن حارث زور لگا رہا تھا کہ غلام کے ہاتھ سے تلوار کھینچ لے۔ غلام نے تلوار کو نیام سے نکالا اور اپنے مالک حارث پر حملہ کر دیا۔ حارث نے ڈھال سے وار کو رد کیا اور اپنی تلوار سے غلام کے دائیں بازو پر ضرب لگائی، غلام نے بائیں ہاتھ سے حارث کے گریبان کو پکڑا اور اس سے ایسا الجھا کہ حارث دوسرا وار نہ کر سکا۔ یہ دونوں آپس میں لڑ رہے تھے کہ حارث کی مومنہ بیوی اور بیٹا پہنچ گئے۔ حارث کا بیٹا دوڑا اور غلام کو پکڑا اور پیچھے کھینچا اور کہا: بابا تمہیں شرم نہیں آتی کہ یہ غلام تو میرے بھائی کا مقام رکھتا ہے، ہم نے ایک ماں کا دودھ پیا ہے، اُس سے کیا چاہتے ہو؟

حارث نے کوئی جواب نہ دیا اور تلوار نکال کر غلام پر حملہ کر دیا اور وہ قتل ہو گیا۔

بیٹے نے کہا: سبحان اللہ! میں نے تجھ سے زیادہ سخت دل شخص نہیں دیکھا ہے تم بہت بڑے ظالم ہو۔

حارث نے کہا: بیٹا زبان درازی مت کرو، یہ تلوار لو اور ان دو بچوں کے سرتن سے جدا کردو۔

بیٹے نے کہا: خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا اور تجھے بھی یہ کام نہ کرنے دوں گا۔ حارث کی بیوی بھی حارث کو دھائیاں دے رہی تھی کہ یہ کام نہ کرو اور ان بے گناہوں کا خون نہ بہاؤ۔ نیز انہیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے جاؤ اور اپنا انعام حاصل کرو۔

حارث نے کہا: کوفہ کے اکثر لوگ اس خاندان کے محب ہیں، اگر ان کو کوفہ لے جاؤں تو وہ انہیں مجھ سے چھین لیں گے اور میری محنت ضائع ہوجائے گی۔ پھر اس نے خود سے تلوار نکالی اور شہزادوں کے اُوپر بلند کی۔ اس وقت شہزادے رو کر یہ فرماتے تھے: اے ضعیف! ہماری یتیمی، غریبی اور بچپنے پر رحم کر اور ہماری بے کسی اور وطن سے دُوری کا احساس کر۔

حارث نے ان بچوں کی کوئی فریاد نہ سنی پھر آگے بڑھا تا کہ ایک کو پکڑے اور قتل کردے۔ عورت حارث سے لپٹ گئی اور کہا: اے بے رحم! خدا سے ڈر قیامت کے دن سے خوف کھا اور ان معصوموں کو قتل نہ کر۔

حارث غضبناک ہوا اور اپنی بیوی پر تلوار سے وار کیا، وہ زخمی ہوگئی۔ لیکن جب اس کے بیٹے نے دیکھا کہ اس کی ماں زخمی ہے اور حارث اس پر دوسری ضرب لگانا چاہتا ہے تو وہ دوڑا اور اپنے باپ کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا: بابا! ہوش کرو اور غصے کی آگ کو ٹھنڈا کرو۔

حارث نے تلوار سے بیٹے پر وار کر دیا اور ایک ہی ضرب سے بیٹے کو قتل کر دیا۔ جب بیوی نے اپنے بیٹے کو تڑپتے دیکھا تو وہ مدہوش ہوگئی البتہ زخمی ہونے کی وجہ سے کھڑی نہ ہوسکتی تھی۔ پھر بھی آہ وفریاد کر رہی تھی۔ پھر وہ سنگدل بچوں کے قریب آیا تو انھوں نے فرمایا: اے شخص ہمیں ابن زیاد کے پاس زندہ لے چل اور ہمارے بارے جو وہ کہے اس پر عمل کرنا۔

اس ظالم نے کہا: تمہارا یہ بہانہ ہے تا کہ کوفہ کے لوگ تمہیں مجھ سے چھین لیں اور میں ابن زیاد کے انعام سے محروم ہوجاؤں۔

شہزادوں نے کہا: اگر تیری مراد مالِ دنیا ہے تو پھر ہمارے سر کے بال اُتار لے اور ہمیں بیچ دے۔ لیکن حارث ملعون جہالت کی وجہ سے اندھا ہوگیا تھا، کہنے لگا نہیں بلکہ میں تمہیں ابھی قتل کرتا ہوں۔

شہزادوں نے کہا: تو ہمارے بچپن اور کمزوری اور غربت پر رحم نہیں کرتا۔

اس ملعون نے کہا: میرے دل میں رحم ہے ہی نہیں۔

شہزادوں نے کہا: پھر ہمیں اس قدر اجازت دے کہ ہم وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرلیں۔

اس ملعون نے کہا: خدا کی قسم! اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔

شہزادوں نے فرمایا: جس خدا کا نام لیا ہے اسی کا سجدہ کرنا چاہتے ہیں۔

اس نے کہا: اس سجدے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

شہزادوں نے فرمایا: یہ کون سی دشمنی ہے اور یہ کیسا بغض ہے جو تو ہم پر ظاہر کر رہا ہے۔ اب جس طرح تو چاہے قتل کر ہمارا کوئی ناصر نہیں ہے۔

صورتِ احوال بزبانِ شاعر:

نامرد نے حملہ کیا تلوار اُٹھا کر سر رکھ دیا چھوٹے نے وہیں جلد بڑھا کر

تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی ہٹا کر جا بیٹھا تہِ تیغ دو دم سر کو جھکا کر

تلوار چمکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی

پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

پس حارث جس شہزادے کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا دوسرا کہتا: پہلے مجھے قتل کر کیونکہ میں اپنے بھائی کو خون میں تڑپتا برداشت نہیں کر سکتا۔ بہرصورت ملعون نے بڑے بھائی محمدؑ کا سر تن سے جدا کیا اور بدنِ پاک کو دریائے فرات میں پھینک دیا، اور سر کو کنارے پر رکھ دیا۔ چھوٹا شہزادہ ابراہیمؑ دوڑا اور اپنے بھائی کے سر کو لیا، اس کے منہ پر منہ رکھ کر اور رو کر کہنے لگا: اے بھائی کی جان! جلدی نہ کرو میں ابھی آ رہا ہوں۔ حارث نے سر تھیلے میں ڈال دیا اور دوسرے بچے کا سر جدا کیا، بدن کو دریا میں ڈالا، اس وقت زمین اور آسمان سے ہائے ہائے کی آواز آئی، آسمانی فرشتوں نے آہ وفریاد کی کہ دو نوجوان بے جرم و خطا حالتِ غربت میں ظلم سے شہید کیے جا رہے ہیں۔

حارث دونوں شہزادوں کے سر جدا کر کے اپنے توبرے میں ڈال کر گھوڑے پر سوار ہوا اور کوفہ کی طرف چلا تاکہ ابن زیاد سے انعام لے۔ ابن زیاد کا دربار ابھی لگا ہی تھا کہ اس حارث ملعون نے وہ سروں والا توبرہ ابن زیاد کے سامنے رکھا۔

ابن زیاد نے پوچھا کہ اس توبرے (تھیلے) میں کیا ہے؟

اس نے کہا: تمہارے دشمنوں کے سر ہیں کہ میں نے تیز تلوار سے ان کے سر تن سے جدا کیے ہیں اور تمہارے انعام کے حصول کے لیے تمہارے پاس تحفہ لایا ہوں۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان سروں کو دھو کر ایک خوبصورت طشت میں پیش کیا جائے تاکہ پہچان سکوں کہ کس کے سر ہیں۔

جب سروں کو دھو کر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا اور اس نے ان شہزادوں کے چہروں کو دیکھا کہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے

رہتے تھے تو پوچھا: یہ کس کے سر ہیں؟

حارث نے کہا: مسلمؑ بن عقیل کے فرزندوں کے۔

ابن زیاد کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اور اہلِ دربار بھی ان شہزادوں کی حالت پر رونے لگے۔ ابن زیاد نے پوچھا: حارث تو نے اُن کو کہاں سے گرفتار کیا؟

اس نے کہا: اے امیر! میں نے ان کو بہت تلاش کیا، دوڑتے دوڑتے میرا گھوڑا مر گیا مگر یہ خود بخود میرے گھر مہمان آن ٹھہرے۔

جب مجھے ان کی گھر میں موجودگی کا علم ہوا تو میں نے ان کو باندھ دیا اور صبح سویرے فرات کے کنارے لے گیا۔ اگرچہ یہ فریادیں کرتے رہے لیکن میں نے ذرا بھر رحم نہ کیا اور ان کو قتل کر کے ان کے ابدان کو فرات میں ڈال دیا اور سر تمہارے پاس لے آیا ہوں۔

ابن زیاد نے کہا: اے لعین! تجھے خوفِ خدا بھی لاحق نہیں ہوا اور خدا کے انتقام کا بھی نہیں سوچا۔ تجھے انٰ کے گلابی رخساروں اور عنبرین زلفوں پر رحم نہ آیا۔ میں نے یزید کو خط لکھا ہے کہ فرزندانِ مسلمؑ کو میں نے گرفتار کرلیا ہے، لہٰذا اگر تم حکم کرو تو انھیں شام بھیج دوں۔ اگر یزید مجھے حکم دے کہ ان کو شام بھیج دو تو میں کیا کروں گا؟ تو نے انہیں زندہ میرے حوالہ کیوں نہ کیا؟

اُس نے کہا: میں ڈرتا تھا کہ کوفہ کے لوگ مجھ سے ان بچوں کو چھین لیں گے اور میں انعام سے محروم ہو جاؤں گا۔

ابن زیاد نے کہا: ان کو کسی محفوظ مقام پر پابند کر کے مجھے اطلاع کر دیتا تاکہ میں اپنے آدمی بھیج کر ان کو مخفی طور پر اپنے پاس بلوا لیتا۔

حارث خاموش ہوگیا اور ابن زیاد نے اپنے درباریوں کی طرف دیکھا تو ایک محبِ اہلِ بیتؑ شخص مقاتل پر نظر پڑی۔ چونکہ ابن زیاد اس شخص کے عقیدہ کو جانتا تھا لہٰذا اسے بلایا اور کہا: اس حارث کو گرفتار کر کے اسی مقام پر لے جاؤ جہاں اس نے ان دو شہزادوں کو قتل کیا ہے، اس حارث کو ذلت اور خواری سے قتل کرو اور ان شہزادوں کے سروں کو بھی لے جاؤ، جہاں ان کے بدن ڈالے گئے وہاں ان سروں کو بھی ڈال دو۔

مقاتل بہت خوش ہوا اور حارث کو گرفتار کر کے باہر لایا جب کہ اپنے ہمراز دوستوں سے یہ کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم! اگر عبید اللہ ابن زیاد مجھے تمام بادشاہی بھی دے دیتا تو اس قدر خوشی نہ ہوتی جو اس شخص کے قتل کرنے کے حکم پر خوشی ہوئی ہے۔

پس مقاتل نے حارث کے ہاتھ پسِ پشت باندھے، سر کو برہنہ کر کے بازار میں لایا اور شہزادوں کے سروں کو بھی ظاہر کیا اور اعلان کیا کہ یہ شخص ان بچوں کا قاتل ہے۔ لوگوں کا ایک ہجوم اس پر لعنت کرنے لگا۔ کوڑا کرکٹ اس پر ڈالنے لگا۔ لوگ

اس پر ڈنڈے اور پتھر برسانے لگے۔ پھر مقاتل اس حارث کو اس مقام پر لے گیا جہاں شہزادوں کو قتل کیا گیا تھا۔ وہاں مقاتل نے دیکھا کہ ایک عورت زخمی حالت میں پڑی ہے اور ایک خوبصورت جوان کی لاش موجود ہے اور ایک غلام کی لاش بھی ٹکڑوں میں بٹی پڑی ہے اور وہ زخمی عورت اس نوجوان مقتول اور ان دو شہزادوں کی مظلومیت بیان کر کر کے رو رہی تھی۔

مقاتل نے پوچھا: اے عورت تو کون ہے؟

عورت نے کہا: میں اس بدبخت (حارث) کی بیوی ہوں، میں اسے ان شہزادوں کے قتل کرنے سے روکتی رہی، یہ میرا جوان بیٹا اور غلام بھی میرے ساتھی تھے۔ لیکن اس ظالم نے میرے بیٹے اور غلام کو قتل کر دیا اور مجھے زخمی کر دیا۔ الحمدللہ! اب اللہ نے ان دو مظلوم شہزادوں کی فریادیں سن لی ہیں۔ پھر اس نے اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر کہا: اے ملعون! دنیا کے لالچ میں مسلمؑ بن عقیل کے فرزندوں کو بے گناہ قتل کیا اور اس ناحق خون سے دین بھی ضائع کر دیا۔ پس حارث نے مقاتل سے کہا: تو مجھے چھوڑ دے میں کہیں چھپ جاتا ہوں اور اس کے بدلے تجھے دس ہزار دینار نقدی دیتا ہوں۔

مقاتل نے کہا: اگر تمام عالم کا مال تیرا ہو اور تو مجھے یہ سارا مال دینا چاہے پھر بھی نہیں چھوڑوں گا۔ چونکہ تو نے ان شہزادوں پر رحم نہیں کیا اس لیے میں تجھ پر کوئی رحم نہیں کروں گا اور تجھے ابھی قتل کروں گا اور اس کے عوض خدا سے عظیم ثواب حاصل کرنے کی توقع رکھتا ہوں۔

پس مقاتل سواری سے اُترا۔ جوں ہی فرزندانِ مسلمؑ کے خون پر نظر پڑی تو ان کی مظلومیت پر زار و قطار رونے لگا۔ پھر شہزادوں کے پاک خون کو اپنے سر اور چہرے پر لگایا اور دعا کی:

خدایا! ان شہزادوں کے پاک خون کے صدقے میرے گناہ معاف فرما۔ پھر ان شہزادوں کے رخساروں پر بوسے دیئے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر سروں کو نہر فرات کے حوالے کیا۔

راوی کہتا ہے کہ شہزادہ کی کرامت ہے کہ ان شہزادوں کے بدنِ پاک سطحِ آب پر ظاہر ہوئے اور ہر سر اپنے بدن سے متصل ہو گیا اور ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر پانی میں غائب ہو گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ شہزادے دوبارہ پانی کی سطح پر ظاہر ہوئے اور ساحل پر ایک قبر بنائی گئی اور اس میں دونوں کو دفن کر دیا گیا اور آج تک ان کی قبریں زیارت گاہ بنی ہوئی ہیں۔

پھر مقاتل نے اپنے غلاموں سے کہا: پہلے حارث کے ہاتھ کاٹ دو، پھر پاؤں کاٹو، پھر دونوں کان کاٹو، پھر دونوں آنکھیں نکالو اور پھر پیٹ کو پھاڑ دو۔ پس مقاتل کے غلاموں نے ایسا ہی کیا اور پھر کاٹے ہوئے تمام اعضاء کو اس کے پیٹ میں رکھ کر اس کے اُوپر پتھر باندھ دیا اور اسے دریائے فرات میں ڈال دیا جب اسے دریا میں ڈالا تو دریا کی موجیں اسے باہر

پھینک دیتی تھیں اور تین بار ایسا ہوا تو لوگوں نے کہا: پانی اسے قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا ایک گڑھا کھودا اور اس گڑھے میں اسے پھینک کر گڑھے میں پتھر اور خس و خاشاک ڈال کر بھر دیا لیکن زمین کو زلزلہ آیا اور اس نے اس نجس لاشے کو باہر پھینک دیا اور تین بار ایسا کیا تب لوگوں نے کہا: زمین بھی اس ملعون کو قبول نہیں کرتی۔

پس لوگ کھجوروں کے باغ میں گئے اور وہاں سے خشک لکڑیاں اکٹھی کر لائے اور ان لکڑیوں کو آگ لگا دی اور اس جلتی آگ میں اس ملعون کو ڈال دیا، یوں وہ جلتا جلتا راکھ ہو گیا اور اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔ پھر دو تابوت بنائے گئے اور حارث کے بیٹے اور غلام کی لاشوں کو اُوپر رکھا گیا اور شہر میں لے آئے اور باب بنی خزیمہ پر ان کے خون آلود کپڑوں سمیت دفن کر دیا۔ محبانِ اہلِ بیتؑ مسلم کے دو شہزادوں کا ماتم تہہ خانوں میں (پوشیدہ ہو کر) کرتے رہے۔

★ ★ ★

نویں فصل

حضرت امام حسینؑ کی مکہ معظمہ سے عراق روانگی

کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام — کوفے سے چلے آتے تھے آتے سحر و شام
اعدا نے گزرنے نہ دیے حج کے بھی ایام — کھولا پسر فاطمہؑ نے باندھ کے اِحرام
عازم طرفِ راہ الٰہی ہوئے حضرتؑ
تھی ہشتم ذا الحجہ کہ راہی ہوئے حضرتؑ

مرحوم مفیدؒ اپنی کتاب "ارشاد" میں لکھتے ہیں: جناب مسلمؑ بن عقیل نے بروز منگل ۸ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو کوفہ میں قیام کیا اور ۹ ذی الحجہ کو شہید ہوئے اور امام حسین علیہ السلام نے بھی اُسی روز قیامِ مسلمؑ مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے اس لیے حضرت کا مکہ میں توقف چار ماہ اور چار دن بنتا ہے کیونکہ ۳ شعبان کو حضرت مکہ میں وارد ہوئے تھے اور ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے باہر نکلے اور مکہ میں توقف کیا۔ اس طولانی مدت میں حجاز اور بصرہ کے لوگ آپ کے کارواں میں شامل ہو گئے۔

روایت میں ہے کہ روز ترویہ (۸ ذی الحجہ) مدینہ کا والی عمرو بن سعید بن عاص اموی مکہ میں اپنے لشکر کے ساتھ وارد ہوا۔ یزید کی طرف سے اسے حکم نامہ ملا تھا کہ حضرت امام حسینؑ کو اسی حج کے دوران میں قتل کرا دے، لہٰذا امام حسینؑ نے خانۂ خدا کے احترام میں کعبہ میں خونِ ناحق جاری نہ ہو، اسی دن مکہ کو چھوڑنا پسند فرمایا۔ خیال ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ چنانچہ صحیح روایت آئندہ ذکر ہوگی۔

جن اشخاص نے حضرت امام حسینؑ کو مکہ سے نکلنے اور کوفہ جانے سے روکا

ہماری تحقیق کے مطابق ایسے دس اشخاص کے نام یہ ہیں:

۱ عبداللہ بن مطیع: تاریخ ابی مخنف میں ہے کہ حضرت امام حسینؑ کوفہ کی طرف سفر کے دوران ایک چشمہ پر اُترے تو آپؑ کی عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی جو پہلے وہاں پر موجود تھا، جوں ہی اس کی نظر امامؑ پر پڑی وہ امامؑ کے قریب آ کر عرض کرنے لگا: اے فرزندِ رسولؐ خدا! میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں، آپؑ کیسے اس راستے پر آ رہے ہیں؟

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: معاویہ کی موت کے بعد اہلِ عراق نے مجھے خطوط لکھ کر اپنی طرف آنے کی دعوت دی

ہے تا کہ بنی اُمیہ کی غاصب اور جابر حکومت کے خلاف قیام کیا جائے تو میں مدینہ سے مکہ اور اب مکہ سے کوفہ کی طرف عازمِ سفر ہوں۔

عبداللہ بن مطیع نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! میں آپؑ کو رسولِ خدا کی عظمت اور عرب کے احترام کی قسم دیتا ہوں کہ اس نظریہ سے ہٹ جائیں کیونکہ اگر بنی اُمیہ سے حکومت لینے کا ارادہ ہے تو بنی اُمیہ حتماً آپؑ کو قتل کر کے چھوڑیں گے اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوگیا تو آپؑ کے بعد کسی شخص کی اہمیت باقی نہ ہوگی۔ اسلام، قریش اور عربوں کی ہمیشہ توہین ہوتی رہے گی، لہٰذا میری گزارش ہے کہ آپ ایسا کوئی قدم نہ اٹھائیں، کوفہ نہ جائیں اور بنی امیہ سے الجھاؤ پیدا نہ کریں۔

(۲) جابرؓ بن عبداللہ انصاری: جابر بزرگ صحابۂ رسولؐ سے ہیں اور ان کے خصائص میں ہے کہ انھوں نے پانچ آئمہ معصومینؑ کی زیارت کی اور ہر امامؑ کے علم سے استفادہ کیا۔ جب امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں جاتے تھے تو امام محمد باقر علیہ السلام جابر کے احترام میں کھڑے ہوجاتے اور صدرِ مجلس پر بٹھاتے تھے۔

ثاقب المناقب میں حسین بن عصفور بحرانی لکھتے ہیں: حضرت جابرؓ کو جونہی امامؑ کے سفر کرنے کا علم ہوا تو فوراً خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب و احترام سے عرض کیا: میں قربان جاؤں فرزندِ رسولؐ پر، اس وقت آپؑ روئے زمین پر ایک فرزند رسولؐ ہیں اور دو سبطوں میں سے ایک سبط ہیں۔ میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ فی الحال اپنے دشمنوں سے مصالحت کرلیں جس طرح آپ کے بھائی امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کرلی تھی۔

حضرتؑ نے جواباً فرمایا: اے جابرؓ! جو آپ سمجھ رہے ہی وہ تو ظاہر ہے لیکن حقیقتِ حال کا آپؑ کو علم نہیں، جو صلح میرے بھائی نے کی وہ حکمِ خدا سے تھی اور جو کچھ میں کر رہا ہوں تو وہ بھی حکمِ خدا سے کر رہا ہوں۔ اگر چاہتے ہو تو میرے جدّ، بابا اور بھائی کی ابھی زیارت کرلو اور ان سے پوچھ لو، تا کہ آپ کو یقین ہوجائے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں یہی حکمِ خدا ہے۔

پس امام حسینؑ نے فَاَشَارَ اِلَی السَّمَا قَدْ فُتِحَت ''آسمان کی طرف اشارہ کیا اور دروازۂ فلک کھل گیا''۔ سب سے پہلے خاتم الانبیاءؐ، پھر حضرت علی مرتضیٰؑ، پھر حضرت امام حسنؑ، ان کے بعد حضرت جعفرؑ اور حمزہ سید الشہداء سلام اللہ علیہم آسمان سے نیچے آئے۔

(جابر کہتے ہیں) میں حیران ہوا اور چونک گیا۔ اس وقت رسولِ گرامیؐ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: اے جابر! تجھے میں نے نہیں کہا تھا کہ میرے حسنینؑ کے معاملات میں معترض نہ ہونا کیونکہ جو کچھ یہ کرتے ہیں حکمِ خدا سے کرتے ہیں: اے جابر! کیا تم معاویہ کا مقام دیکھنا چاہتے ہو؟ کیا یزید کا مقام اور میرے حسنینؑ کا مقام دیکھنا چاہتے ہو؟

جابرؓ کہتے ہیں: اس کے بعد میں نے دیکھا کہ رسول گرامیؐ نے زمین پر پاؤں مارا اور زمین پر بہت بڑا شگاف ہوگیا جو

ایک دریا تک جا پہنچا، پھر اس دریا سے سات دریا اور نکلے، ان کے بعد جہنم تھا اور اس جہنم کے درمیان میں نے ان اشخاص کو دیکھا: ولید بن مغیرہ، ابوجہل، معاویہ، یزید، ان چاروں کو شیطانوں کی مدد کرنے والوں کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں جکڑ کر سخت ترین عذاب دیا جا رہا تھا۔

پھر رسولؐ خدا نے فرمایا: جابرؓ! اب اُوپر دیکھو۔ جابرؓ کہتا ہے کہ میں نے سر کو بلند کیا اور دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں، میں نے بہشت، حور وقصور، غلمان کو دیکھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے امام حسینؑ سے فرمایا: وَلَدِي اَلْحِقْنِي ''بیٹا میرے قریب آؤ''۔ پس دیکھا کہ امام حسینؑ رسول اللہؐ کے پاس آئے۔ پھر دونوں نے آسمان کی طرف عروج کیا اور جنت میں داخل ہو کر اعلیٰ علیین کے مقام پر جلوہ افروز ہوگئے۔ پھر لحظے کے بعد رسولِ گرامیؐ اور امام حسینؑ واپس آگئے۔

رسولِ گرامیؐ کے ہاتھ میں امام حسینؑ کا ہاتھ تھا اور مجھے فرمایا: اے جابرؓ! هٰذَا وَلَدِي مَعِي هُوَ هٰهُنَا، یہ میرے فرزند ہیں اور میرے ساتھ ہی رہیں گے، لہٰذا جو کچھ یہ کرتے ہیں یا حکم دیتے ہیں اُسے بلا چون و چرا قبول کرو اور سرِ تسلیم خم کرلو۔

جابرؓ بیان کرتے ہیں: جب یہ معجزۂ امامؑ نے دیا تو میں نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، آپؑ وہی کریں جو انھوں نے فرمایا ہے اور وہاں جائیں جہاں کا انھوں نے حکم دیا ہے، میری کیا مجال ہے! پس حضرتؑ سے وداع کیا اور امام حسینؑ کے چالیسویں پر حاضر ہوئے۔

۳۔ عبداللہ بن عمر: عبداللہ نے کوفہ جانے سے روکنے کے لیے کئی دلائل بیان کیے لیکن امامؑ نے سب دلائل رد کردیے۔ بالآخر عبداللہ نے کہا: اگر آپؑ نے ضرور جانا ہے تو ذرا مجھے رسول اللہؐ کی بوسہ گاہ پر بوسہ دے لینے دیں تاکہ میں چلا جاؤں۔

امام حسینؑ نے گلے اور سینے سے اپنا پیراہن ہٹایا اور فرمایا: اے عبداللہ! پیغمبرؐ میرے سینے کو بہت چومتے تھے۔ عبداللہ بن عمر آگے بڑھا اور اس نے امام حسینؑ کے دل اور سینے کا بوسہ لیا۔

۴۔ عمر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی مدنی: ابومخنف نے اس سے روایت بیان کی ہے کہ اہلِ عراق نے امام حسینؑ کو ایسے خطوط لکھے جن میں کوفہ آنے کی دعوت دی، میں بھی مکہ میں تھا اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام وحمد وثنا کے بعد میں نے عرض کیا: ایک درخواست کرنے آیا ہوں اور یہی میری مخلصانہ نصیحت ہے، اگر آپ اجازت دیں تو عرض کروں ورنہ زبان بند رکھوں۔

حضرت امامؑ نے اجازت دی کہ بتاؤ کیا نصیحت ہے، مجھے امید ہے کہ تمہاری رائے پسندیدہ ہوگی۔

میں نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ عراق جانا چاہتے ہیں تو میں آپؑ سے مخلصانہ طور پر گزارش کرتا ہوں کہ

آپؑ ایسے شہر کی طرف جا رہے ہیں جس کے لوگ درہم و دینار کے غلام ہیں اس لیے خطرہ ہے کہ درہم و دینار کے بدلے آپؑ سے جنگ کریں۔ جو لوگ آپؑ کو اب دعوت دے رہے ہیں وہی لوگ آپؑ پر تلوار کھینچیں گے۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے بھائی! تمہارا شکریہ! خدا تجھے جزائے خیر دے میں جانتا ہوں کہ تو صرف مجھے نصیحت کرنے کے لیے آیا ہے اور آپ کی باتیں معقول ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں نے جو کام کیا یا ترک کیا تو نتیجہ وہی نکلا جو تم کہہ رہے ہو۔ لیکن میں سب کچھ جانتے ہوئے وہی کروں گا جو میرے اللہ کی مشیت اور رسولؐ اللہ کا حکم ہے۔

۵ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب: مقتل الحسین میں ابو مخنف بیان کرتے ہیں: امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب ہم مکہ سے نکلنے لگے تو ایک خط عبداللہ بن جعفر کا امام حسینؑ کے پاس آیا اور اپنے دو فرزند بھی امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ جوں ہی میرا یہ خط پڑھو عراق کی طرف ہرگز نہ جانا اور میرا مخلصانہ اور برادرانہ مشورہ ہے کہ اس سفر میں اہلِ بیتؑ کے گھرانے کے اُجڑنے کے آثار دیکھ رہا ہوں اور اگر خدانخواستہ آپ شہید ہو گئے تو زمین پر تاریکی چھا جائے گی کیوں کہ آپ پوری کائنات کے محروموں کی امید اور پناہ گاہ ہیں۔ میں خود بھی جلدی آ رہا ہوں آپ مکہ جانے کی جلدی نہ کریں۔

۶ عبداللہ ابن عباسؓ: مقتل الحسین میں ابو مخنف بیان کرتے ہیں اور انھوں نے ریاض القدس سے نقل کیا ہے کہ جب امام حسینؑ نے مکہ چھوڑنے اور کوفہ جانے کی تیاری کی تو عبداللہ بن عباس آئے اور کافی دلائل پیش کیے اور عرض کیا: اگرچہ مجھ جیسے بے بضاعت کو آپ جیسے عظیم امامؑ کو نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن قربان جاؤں، مکہ کو نہ چھوڑیں یا پھر مدینہ آ جائیں کیونکہ آپؑ کے باپؑ نے حرمین کو ترک کیا اور عراق کو دارالخلافہ بنایا جس کا نتیجہ آپؑ کے سامنے ہے اور اہلِ کوفہ بھی وہی ہیں۔ اُنہوں نے آپ کے بھائی حسنؑ سے کیا سلوک کیا، خیمے کو لوٹا، زخم لگائے، دشمن کے حوالے کیا، لہٰذا آپ ان کوفیوں کی بات پر اعتماد نہ کریں وہ بڑے دھوکا باز ہیں اور ان کی کسی بات پر اعتماد کرنا غلط ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے ابن عباسؓ کو خاموش کرنے کی خاطر فرمایا: اے میرے چچازاد! مسلمؑ بن عقیل نے مجھے خط لکھا ہے کہ اسّی ہزار افراد سے بیعت لے چکے ہیں اور دیگر اہلِ کوفہ کے خطوط بھی آئے ہیں کہ میں جلدی وہاں پہنچوں تا کہ لوگوں کی ہدایت کروں اور اگر ان کے پاس نہ پہنچا تو خدا کو کیا جواب دوں گا؟

ابن عباسؓ نے عرض کیا: میں ابھی کوفہ میں یزید کے والی کے پاس تھا اس کی حکومت مضبوط ہے اور وہ سب آپ کے دشمن ہیں۔

اگر کوفی آپ کو بلانے میں سچے ہیں تو پہلے اپنے حاکم کو شہر سے نکالیں اور مسلمؑ بن عقیل کے ہاتھ میں گورنری دیں۔ پھر

آپؑ کا وہاں جانا مناسب لگتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو آپ کو ایک بڑے یزیدی لشکر سے جنگ کرنا ہوگی اور کوئی آپ کا مددگار نہ ہوگا۔ پھر بے یارومددگار مارے جائیں گے۔

حضرتؑ نے فرمایا: اس کے بارے میں کل جواب دوں گا۔

ابن عباسؓ حضرت امام حسینؑ سے رخصت ہو کر چلے گئے۔ حضرت امام حسینؑ نے جب اس معاملہ میں قرآن سے استخارہ کیا تو یہ آیت آئی: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

میرے ناناؐ نے جو خواب میں فرمایا ہے نیز یہ قرآنی حکم دونوں میری شہادت کی تائید کرتے ہیں، لہٰذا اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں۔

جب دوسرے دن ابن عباسؓ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: کوفہ کی طرف سفر کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ تو امامؑ نے فرمایا: اے میرے چچازاد! میرا عراق کی طرف سفر کرنے کا پختہ ارادہ ہے کیونکہ خداوند متعال کا یہی فیصلہ ہے۔

ابن عباسؓ نے عرض کیا: قربان جاؤں، اگر سفر کا ارادہ پختہ ہے تو پھر مملکت یمن چلے جائیں، کیوں کہ وہ بڑی وسیع و عریض مملکت ہے اور وہاں قبیلہ ہمدان آباد ہے جو آپؑ کے باپ کے شیعہ ہیں اور وہ آپ کے بھی محبّ اور دوست ہوں گے۔ جب وہاں ساکن ہو جائیں تو مملکت کے اطراف میں اپنے وفود بھیج کر اپنی بیعت کے لیے لوگوں کو دعوت دیجیے گا۔ وہاں سے آپؑ کا ایک لشکر بن جائے گا اور پھر جہاں قیام کرنا چاہیں قیام کرلیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے ابن عباسؓ! مجھے آپ کی خالص محبت کا احساس ہے لیکن میں کوفہ کی طرف سفر کرنے کا مصمم ارادہ کرچکا ہوں اور کسی صورت میں یہ ارادہ نہ ٹوٹے گا کیونکہ اس سفر عراق میں کچھ ایسے اسرار ہیں جنہیں ظاہر کرنا ضروری ہے اور میں وہ سب جانتا ہوں جو اس سفر میں مجھے درپیش ہے کیوں کہ اپنے جد بزرگوار اور بابا علیؑ سے سن چکا ہوں۔

ناناؐ کے اس واضح فرمان کا کیا جواب دوں گا جب انھوں نے فرمایا: اُخْرُجْ اِلَى الْعِرَاقِ، اے میرے چچازاد، ہمیں مستقبل کے حالات سب معلوم ہیں، تمام کی عمریں ہمارے سامنے ہیں لہٰذا اس معاملے میں زیادہ گفتگو نہ کریں اور اس سفر سے روکنے کا اصرار نہ کریں کیونکہ یہ معاملہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں بلکہ الٰہی رضامندی اسی سفر میں ہے اور ناناؐ کے دین کی بقا اسی میں ہے۔

جناب عبداللہ بن عباسؓ نے عرض کیا: اگر یہی آپ کا ارادہ ہے اور اس میں تبدیلی ناممکن ہے تو خدارا عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں کیونکہ یہ آپ کے لیے پریشانی اور فرضِ نگرانی کا باعث بنیں گے۔

حضرتؑ نے فرمایا: ابن عباسؓ! عورتوں کو کہاں چھوڑوں؟ ان کو کس کے سپرد کروں؟ هُنَّ وَدَائِعُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَهُنَّ

اَیضًا لا تُفَارِقُنِی "یہ رسولؐ کی امانتیں ہیں، بہتر ہے کہ یہ میرے ساتھ رہیں اور یہ بھی مجھ سے جدا نہیں ہونے چاہئیں۔

۷ محمد واقدی اور ۸ زرارہ بن صالح: لہوف اور قرب الاسناد جیسی کتب میں معتبر روایت ہے: جب خامسِ آلِ عبا علیہ السلام کے کوفہ جانے کا علم ہوا تو دو شخص جو محبِ اہلِ بیتؑ تھے اور کوفی تھے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کوفیوں کی شکایت کی کہ قبلۂ عالم! کوفہ جانا مناسب نہیں۔

حضرتؑ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، آسمانوں کے دروازے کھل گئے۔ فرشتوں کے اس قدر لشکر زمین پر آنا شروع ہو گئے کہ تمام کائنات پُر ہو گئی، ان کی تعداد صرف خدا ہی جانتا ہے، وہ تمام امامؑ کے سامنے غلاموں کی طرح کھڑے ہو گئے اور امامؑ کے اشارے اور حکم کے منتظر تھے۔ جب ان دونوں نے امامؑ کا یہ معجزہ دیکھا تو ان کے ہوش اُڑ گئے اور حضرتؑ کی قدرت میں محوِ حیرت ہو گئے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: لَولَا تَقَارُبُ الاشیاء هبوط الاجر لَقَاتَلتُهم بهؤلاء "اگر مجھے وقتِ مہلت دیتا تو ان لشکروں کے ذریعے اپنے دشمنوں سے جنگ کرتا اور مجھے کوفہ کے کسی شخص کی ضرورت ہی نہ ہوتی لیکن اب میری زندگی ختم ہونے والی ہے لہٰذا خود قبرستان کی طرف جا رہا ہوں۔

وَلٰكِن اَعلَم عِلمًا اَن هُنَاكَ مَصرِعِی وَمَصرَعَ اَصحَابِی لا ینجو منهم الا وَلدِی علی
لیکن سب اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرے اور میرے اصحاب کی قتل گاہ وہاں ہے، میرے سب اصحاب اور ہاشمی جوان سوائے علی بن حسینؑ کے مارے جائیں گے اور یہی میرے بعد امام ہوں گے"۔

۹ عمرو بن سعید: یہ مدینہ کا والی تھا۔ تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ جب اسے امام حسین علیہ السلام کے مکہ معظمہ سے نکلنے کا علم ہوا تو اس نے یزیدی حکومت کی خیر خواہی کے طور پر امام حسینؑ کا خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: اے فرزندِ رسولؐ! مجھے معلوم ہوا کہ آپؑ کوفہ کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ میں نے آپ کا اس طرف جانا آپ کے لیے مناسب نہیں سمجھا بلکہ اس ارادہ کو ترک کر دینے میں مصلحت دیکھتا ہوں کیونکہ اس معاملے میں آپ کی جان کو بہت زیادہ خطرات ہیں۔ اس لیے اپنے بھائی یحیٰی کو یہ خط دے کر آپؑ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ ان کے ساتھ مدینہ آ جائیں اور اپنے ناناؐ کے پاس رہیں۔ اپنے وطن میں آپؑ ہر مقام سے زیادہ پُرامن اور پُرسکون رہیں گے۔ اس کے علاوہ یہاں آنے پر آپؑ پر بہت زیادہ احسان بھی کیے جائیں گے اور اس بات پر اللہ گواہ، وکیل اور کفیل ہے ــــــ والسلام!

حضرت امام حسینؑ نے اس کے خط کا یوں جواب دیا: امابعد! اے وہ شخص جو لوگوں کو ہدایت اور اعمالِ صالحہ کی طرف

دعوت دیتے ہیں، یہ ٹھیک ہے۔ تم نے خیر خواہی کی ہے اور مخلصانہ نصیحت کی ہے۔ امن و امان اور احسان کا وعدہ کیا ہے اور بہترین شہر میں ساکن رہنے کا مشورہ دیا لیکن یہ جان لو کہ خدا کی امان ہر امان سے بہتر اور اچھی ہے۔ جو شخص خدا سے نہ ڈرتا ہو، تقویٰ نہ رکھتا ہو، اسے کوئی امان نہیں۔ میں تمہارے اور اپنے لیے رضائے خدا چاہتا ہوں کہ جزائے خیر عطا ہو۔۔۔۔۔ والسلام!

مرحوم شیخ مفید علیہ الرحمہ اور بعض دیگر مؤرخین نے یہ روایت کی ہے کہ عمرو نے اپنے بھائی یحییٰ کو ایک گروہ کی سرپرستی میں اس لیے مکہ بھیجا تا کہ امام حسینؑ کا راستہ روکیں اور امام کوفہ نہ جا سکیں اور حضرت مکہ میں ہی رُکے رہیں۔ یحییٰ لشکر لے کر امام حسینؑ کے پاس پہنچا اور امامؑ کا راستہ روک کر کہا: یَاحُسَین اِنصَرِفْ اَینَ تَذھَب "اے حسینؑ واپس چلے جاؤ کہاں جاتے ہو؟"

امیر کا حکم ہے کہ واپس چلے جاؤ۔ کیا کوفہ کا کوئی مالک اور وارث نہیں؟ ہم آپ کو کبھی یہاں سے قدم نہیں اٹھانے دیں گے۔ ابن نُما تو یہاں تک بیان کرتے ہیں: اس بے حیا نے امامؑ کو بے شرمی سے کہا: اے حسینؑ! کیا خدا سے نہیں ڈرتے اس قدر جمعیت کے ساتھ حج نہیں کرتے۔ آپؑ خانہ خدا کو چھوڑ کر جا رہے ہو، لوگوں کے عقائد کو کمزور کر رہے ہو، آپؑ کو یہ کام یہاں ہی کرنا تھا جو آپ خانہ خدا کو چھوڑ کر، کر رہے ہو۔ آپؑ اگر ایسا کریں گے تو دوسرے لوگ کیا کریں، کیوں اُمت محمدؐ میں اختلاف اور تفرقہ ڈال رہے ہو۔

حضرت امام حسینؑ نے پہلے تو بڑی نرمی سے فرمایا:

لِی عَمَلِی وَلَکُم عَمَلُکُم اَنتُم بَرِیٓئُونَ مِمَّا اَعمَل وَاَنَا بَرِیٓءٌ مِمَّا تَعمَلُونَ

"کہ میرے لیے میرا اپنا عمل اور تمہارے لیے تمہارے اپنے کرتوت، تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال سے بری ہوں"۔

یعنی اے قوم! تمہارا خیال ہے کہ میں مکہ ہی میں رہوں تا کہ تمہارا مقصد پورا ہو اور میرا خون بہانے پر خانہ خدا کا احترام ختم کر دو۔ میں نے ۲۵ حج کیے ہیں، حجۃ الاسلام کا قیام کیا ہے، لیکن اس مرتبہ ان ایام میں یہاں ٹھہرنا حرام سمجھتا ہوں اور کسی کو میرے اس معاملے پر بحث کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ فرمایا اور اپنے راستے پر چل پڑے۔

صاحب ارشاد لکھتے ہیں: یحییٰ کے لشکر نے امامؑ کی سواری کو روکا تو بنی ہاشم کے جوان غضبناک ہو گئے اور تلواریں اور نیزے سیدھے کر لیے۔ نیز اس لشکر پر حملہ کر دیا، لڑائی ہوتی رہی، بہت شور وغل تھا اور عورتوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

طرماح بن حکیم

صاحب ریاض القدس نے منتخب شیخ فخر الدین سے نقل کیا ہے کہ جب سلطان العاشقین حضرت امام حسین علیہ السلام نے سامانِ سفر باندھ کر کوفہ جانے کا عزم کیا تو راستے میں طرماح امامؑ کی خدمت میں آئے اور کہا: قبلہ کوفہ جانے کا ارادہ ہے؟ فرمایا: ہاں! طرماح نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، آپؑ نہ جائیں آپؑ کوفہ والوں سے دھوکا نہ کھائیں کیونکہ اہلِ کوفہ بہت دھوکے باز ہیں۔ خدا کی قسم! اگر آپؑ ان کے پاس گئے تو وہ آپؑ کو قتل کردیں گے اور مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ کوفہ پہنچنے سے پہلے آپؑ کا کام تمام کردیں اور دنیا ایک شفیق و مہربان امامؑ سے محروم ہو جائے۔ میں آپؑ کی رعایا ہوں اور رعایا پر آپؑ کی حفاظت واجب ہے لہٰذا میرے پاس اجاء نامی محکم پناہ گاہ میں آجائیں اور اس پناہ گاہ کے آس پاس ہمارے قبائل ساکن ہیں۔

اے فرزندِ رسولؐ! اس پناہ گاہ میں آج تک دشمن کی طرف سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا اور ہم نے کبھی ذلت نہیں دیکھی۔ اگر سلمیٰ اور طور کے لشکر بھی آجائیں تو وہ ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ میں قربان جاؤں میرے قبائل آپؑ کے محافظ ہوں گے اور تمام کے تمام آپؑ کی خدمت کو عبادت سمجھنے والے ہیں۔ آپؑ کا ہمارے پاس سکونت اختیار کرنا ہمارے لیے بہت بڑی خوش بختی ہوگی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے حسرت بھری ٹھنڈی سانس لی اور طرماح کی طرف دیکھ کر فرمایا: اے طرماح! تم کون سی باتیں کر رہے ہو، میرے راستے ہر طرف سے بند ہیں، لہٰذا تمہاری پیش کش پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ تمہاری دعوتِ خلوص کی دل کی گہرائیوں سے قدر کرتا ہوں لیکن اب اس قدر وقت نہیں رہا۔ البتہ اس قدر جان لو کہ:

اِنَّ بَینِی وَبَینَ القَومِ مَوَاعِدَۃ اکزان اخلفھا

"میرے اور اس قوم (کوفیوں) کے درمیان ایک معاہدہ ہو چکا ہے، لہٰذا میں اس کی مخالفت نہیں کرسکتا"۔

میں کوفہ جاتا ہوں اگر معاملہ میری مرضی کے مطابق ہوا تو خدا کا شکر ادا کروں گا کیونکہ وہی کارساز ہے اور اگر معاملہ ایسا نہ ہوا تو کوشش کروں گا کہ درجۂ شہادت پر فائز ہو جاؤں۔

اس واقعہ کو شیخ فخر الدین طریحی نے مکہ اور مدینہ کے درمیان کسی منزل کا لکھا ہے حالانکہ اجاء اور سلمیٰ دو پہاڑ ایک دوسرے کے قبائل ہیں اور قبیلہ طے ان پر آباد ہیں۔ یہ پہاڑ کوفہ کے اس قدر قریب ہیں کہ ان لوگوں کی خوراک کوفہ سے آتی تھی۔ اسی لیے تاریخ طبری، معانی الاخبار وغیرہ میں امام سجاد علیہ السلام سے ایک روایت نقل ہوئی: جب شبِ عاشور میرے باباؑ

نے اپنے اصحاب کو نصیحت و موعظہ فرمایا اور خیام کو ایک دوسرے سے متصل کرنے کا حکم دے دیا اور ایک تنہا کمرے میں عبادت کے لیے جانے لگے تو ایک شخص جس کو طرماح کہتے تھے وہ آیا، اُونٹ سے اُترا اور اُونٹ کا زانو باندھ کر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرتؑ کو امن کے مقام پر لے جانے کی پیش کش کی۔

صاحبِ فتوح کا مقالہ (اعثم کوفی کا ترجمہ)

صاحبِ فتوح لکھتے ہیں: عمرو بن سعید العاص نے مدینہ سے امامؑ کو یہ خط لکھا:

امابعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؑ عراق جانا چاہتے ہیں اس ارادہ سے باز آجائیں۔ یہ قرین مصلحت نہیں کیونکہ مسلمؑ بن عقیل کو کوفہ میں لوگوں نے قتل کردیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ آپ سے بھی ایسا سلوک نہ کیا جائے اس لیے صرف خط نہیں لکھا بلکہ اپنے بھائی یحییٰ کو ساتھ بھیجا ہے کہ اس کے ساتھ مدینہ آجائیں تا کہ آپؑ اور اہلِ بیتؑ امان میں رہیں اور ہم آپؑ سے نیکی اور احسان کرسکیں۔

امام حسین علیہ السلام نے اس کے جواب میں لکھا:

امابعد! جو شخص لوگوں کو عبادتِ خدا اور سنت محمد مصطفیؐ کی طرف دعوت دیتا ہے اس سے کوئی اختلاف نہیں، آپؑ کی مہربانی کہ امان و احسان کا وعدہ کیا۔ لیکن یہ جان لو کہ بہترین امان و احسان خدا کی امان و احسان ہے۔ جو شخص خوفِ خدا نہ رکھتا ہو تو وہ دنیا اور آخرت میں امان نہ پائے گا۔ میں تجھ سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ ایسا کام کرو جو رضائے خداوندی کا باعث ہو، خدا تجھے جزا دے ــــــ والسلام!

اسی اثنا میں یزید کی طرف سے اہلِ مدینہ کو ایک منظوم خط آیا جس میں ہر قسم کی بات لکھی تھی، امام حسینؑ کا اچھے لفظوں سے ذکر کیا گیا تھا اور اپنی رشتہ داری کا بھی اس میں اشارہ کیا تھا بلکہ خامسِ آلِ عباؑ کے فضائل، اخلاق اور صفاتِ عظیمہ کا تذکرہ بھی تھا اور اس میں جنگ کی گرمی کو ٹھنڈا کرنے اور امام حسینؑ سے موافقت کی تاکید کی گئی تھی۔

جب اہلِ مدینہ نے یہ خط پڑھا تو یہ خط ایک معتمد شخص کے ذریعے امام حسینؑ کو بھیجا۔ جوں ہی وہ خط امام حسینؑ کے سامنے آیا تو یزید کے اشعار کے جواب میں قرآن کی آیت مبارک لکھ کر بھیج دی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! فَاِن کَذَّبُوکَ فَقُل لِی عَمَلِی وَلَکُم عَملُکُم اَنتُم بَرِیُٔونَ مِمَّا اَعمَل وَاَنَا بَرِیٓءٌ مِمَّا تَعمَلُونَ

"اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو ان کو کہہ دو کہ میرا عمل میرے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم

میرے عمل سے بری الذمہ اور میں تمہارے تمام اعمال سے بیزار ہوں"۔

سفرِ عراق کی طرف آغاز

کوفہ میں حضرت مسلمؑ بن عقیل آٹھ ذی الحجہ کو شہید ہوئے، اُسی دن امام حسین علیہ السلام نے عُمرہ مفردہ کے اعمال انجام دے کر مکہ کو عراق کے لیے چھوڑا البتہ مکہ چھوڑنے سے پہلے حضرت امام حسینؑ نے دو کام کیے:

ا: ایک درد انگیز خطبہ دیا جس میں اپنی شہادت کی طرف اشارہ کیا۔

ب: بنی ہاشم کو ایک خط لکھا۔

ا: مرحوم سید بن طاؤس وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب حضرتؑ مکہ کو چھوڑنا چاہتے تھے تو اپنے اصحاب اور محبوں اور اہلِ بیتؑ میں یہ خطبہ بیان کیا:

الحمدلِلّٰہ وَمَاشَاءَ اللّٰہُ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَصَلَّی اللہ علٰی رَسُولِہٖ

"حمد وتعریف خدا کے لیے، قوت کا مالک وہی ہے اللہ کا درود وسلام ہو اپنے رسولؐ پر"۔

خُطَّ المَوتُ عَلٰی وُلدِ اٰدَمَ مَخَطَّ القَلادَۃ عَلٰی جِیدِ الفَتَاۃ

"بنی آدم پر موت ایسے حتمی ہے جیسے جوان لڑکیوں کے گلے میں ہار ہوتا ہے"۔

وَمَا اَولَھَنِی اِلَی اِسلَافِی اِشتِیَاقَ یَعقُوب اِلَی یُوسفُ

"مجھے شوق ہے کہ میں اپنے بزرگواروں یعقوبؑ ویوسفؑ سے جاملوں"۔

وَخُیِّرَ لِی مصرعُ اَنَا الاقیہ کَاَنِّی بِاَوصَلِی تَتَقَطَّعُھا عَسَلَانَ الفَلَواۃِ بَینِ النَّواویس وَکَرَبَلا

"میرے لیے اس زمین کا انتخاب کیا گیا ہے جہاں میرا پیکر گرے گا لہٰذا مجھے وہاں پہنچنا ہے اور میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ صحرائی بھیڑیے میرے جسم کے ایک ایک بند کو جدا کر رہے ہیں اور میرے جسم کو نوچ رہے ہیں جو سرزمین نواویس اور کربلا کے درمیان ہے"۔

لَا مَحِیصَ عَن یَومٍ خُطَّ بِالقَلَمِ

"اس مقرر دن سے کوئی فرار نہیں کر سکتا جو لوحِ محفوظ سے لکھا جا چکا ہے"۔

رَضَاء اللّٰہِ وَرَضَانَا اَھلَ البَیت

"ہم اہلِ بیتؑ اللہ کی رضا پر مکمل طور پر راضی ہیں"۔

رسولؐ کی قرابت کا لحاظ رکھنے والے نہیں ہیں حالانکہ رسولؐ کی آنکھیں قریبوں سے ٹھنڈی ہوتی ہیں اور خدا ان سے وعدہ پورا کرتا ہے۔

مَن کَانَ بَاذِلًا فِینَا مهجتَهٗ وَمُوَطِّنًا عَلٰی لِقَاءِ اللّٰه نَفسَهٗ فَلیَرحِلُ مَعَنَا فَاِنِّی رَاحِلٌ مصبحًا اِن شَاءَ اللّٰه

"جو شخص ہماری راہ میں جان قربان کرنا چاہتا ہے اور خود کو خدا کی ملاقات کے لیے آمادہ پاتا ہے تو وہ ہمارے ساتھ آئے۔ ہم صبح یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں"۔

ب: اپنے خاندان کی طرف خط لکھوانا:

وسائل الشیعہ میں شیخ کلینیؒ سے روایت ہے: جب حجاز کے بادشاہِ (حقیقی) نے مکہ سے عراق کی طرف سفر کرنے کا اعلان کیا تو فرمایا کہ کاغذ اور دوات لاؤ۔ تو کاغذ و دوات لانے کے بعد اپنے خاندان کی طرف یہ خط لکھوایا:

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم ، من الحسین بن علی الٰی بنی هاشم امابعد! فَاِنَّهٗ مَن لَحِقَ استشهد وَمَن تَخَلَّفَ عَنِّی لَم یَبلُغِ الفَتح - والسلام

"آپ میں سے جو شخص مجھ سے ملحق ہو جائے وہ شہید ہو جائے گا۔ اور جو شخص مجھ سے ملحق ہونے سے باز رہا تو کبھی اس کو کامیابی نہ ہوگی"۔

اس خط کے لکھنے کے بعد فرمایا کہ سامانِ سفر تیار کریں اور وہ اشخاص جن کا نام صحفِ آلِ محمدؐ میں ثبت ہے ساتھ چلیں اور حق کی راہ میں شہادت حاصل کریں۔

محمد بن جریر طبری کی تاریخ میں ہے کہ کثیر جمعیت حضرتؑ کے ساتھ سلطنت کے شوق میں روانہ ہونے پر تیار تھی اور بعض لوگ عشق و ارادت سے امام حسینؑ کے ہم رکاب تھے۔ جو اشخاص بغیر کسی لالچ و ہوس کے بلکہ ہدفِ امامؑ سے عشق و ارادت کے ساتھ جا رہے تھے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) جناب جعفر بن علیؑ (۲) عثمان بن علیؑ (۳) عمر بن علیؑ (۴) ابوبکر بن علیؑ (۵) عبداللہ بن علیؑ (۶) محمد بن علیؑ (۷) ابراہیم بن علیؑ

[۱] حضرت عباسؑ بن علیؑ ان درج بالا سات افراد کے ساتھ امامؑ کے سامنے پیش ہوئے:

[۲] امام حسن علیہ السلام کے پانچ بیٹے، سفر کا لباس پہنے ساتھ جانے کو حاضر ہو گئے اور اُن پانچ کے نام درج ذیل ہیں:
(۱) حسن بن حسنؑ (۲) قاسم بن حسنؑ (۳) جناب احمد بن حسنؑ (۴) عبداللہ بن حسنؑ (۵) ابوبکر بن حسنؑ
[۳] مسلمؑ کی اولاد [۴] جناب عقیلؑ کی اولاد [۵] جناب جعفرؑ کی اولاد [۶] جناب عبداللہ بن جعفر کی اولاد
یہ پندرہ تازہ جوان تھے اور ایک دوسرے سے خوبصورت تھے۔

[۱] امام حسینؑ کے دو بیٹے جن دونوں کے نام علیؑ تھے البتہ القاب مختلف تھے: (۱) امام زین العابدین (۲) جناب علی اکبرؑ
جب عالیہ مکرمہ، ثانی زہراءؑ، دختر بادشاہ عرب وعجم نے دہلیز خانہ میں قدم رکھا تو جناب قمر بنی ہاشم نے تلوار نکالی اور اُونچی آواز سے ندا دی:

غُضُّوْا اَبْصَارَكُم وَطَاءَ رُؤُسَكُمْ

"لوگو! آنکھیں بند کر لو اور سر نیچے کر لو، کیونکہ ثانی زہراءؑ باہر آ رہی ہیں"۔

لوگوں نے اپنے چہرے دیواروں کی طرف کر لیے اور سروں کو نیچے جھکا لیا، ثانی زہراءؑ باہر آئیں، جونہی بی بی کی نظر ہاشمی جوانوں کی جوانیوں پر پڑی، جو دونوں طرف سے قطار بنا کر کھڑے تھے، تو شاہِ عرب وعجم کی بیٹی پر گریہ طاری ہو گیا۔ قاسمؑ دوڑے اور زمین پر کرسی رکھی، علی اکبرؑ دوڑے اور پالان کا پردہ پکڑا۔ حضرت عباسؑ نے زانو خم کیا، امام حسینؑ نے بہن کو بغل سے سہارا دیا اور بڑی عزت واحترام سے سوار کیا۔

کتاب شمس الضحیٰ کے راقم نے لکھا ہے کہ مکہ میں کوئی ایسا شخص نہ ہو گا جو والئی مکہ (امام حسینؑ) کے مکہ چھوڑنے پر محزون اور دکھی نہ ہو، بلکہ بیت اللہ امامؑ کی مفارقت پر رو رہا تھا اور خانۂ کعبہ کیوں نہ روتا کیونکہ حسینؑ اس رات خانۂ کعبہ کو چھوڑ کر جا رہے تھے، جب لوگ خانۂ کعبہ کی طرف آ رہے تھے اور وہ شب عرفہ تھی حالانکہ حضرت امام حسینؑ اسی رات اور دن سے عشق کی خاطر پچیس پیدل مرتبہ بیت اللہ آئے تھے اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے کعبہ، رکن و مقام کو مشرف فرماتے تھے لیکن صد افسوس کہ اس سال وقوفِ عرفہ اور مناسکِ حج مکمل کرنا ناممکن ہو گیا اور اس ڈر سے کہ ان کا خونِ ناحق بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ نہ بہایا جائے، حج اور بیت اللہ کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ حضرتؑ تو فرزندِ مکہ تھے اور حضرتؑ کے صدقے میں حطیم اور زمزم نے شرف حاصل کیا تھا۔

امام حسینؑ کا کاروان مقام تنعیم پر

جب امام حسین علیہ السلام کا کارواں مکہ سے نکل کر وادیٔ تنعیم میں پہنچا تو یہاں دو واقعے مؤرخین نے نقل کیے ہیں:

(۱) اس وادی میں پُرشکوہ کاروانِ حسینیؑ پہنچا تو جناب عبداللہ بن جعفر کے دو بیٹے عون اور جعفر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باپ کا عریضہ پیش کیا، اور اس عریضہ میں جناب عبداللہ نے امامؑ سے درخواست کی تھی کہ میں آ رہا ہوں اور میرے آنے تک یہاں توقف فرمائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جناب عبداللہ بن جعفر والئی حرمین شریفین عمر بن سعید کے خط اور اس کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ساتھ امامؑ کے پاس پہنچا۔ انھوں نے امان نامہ دیا اور حضرتؑ سے واپس پلٹنے کو کہا۔ لیکن امام علیہ السلام نے ان کے امان نامے کو ٹھکرا دیا اور فرمایا: مجھے پیغمبر اکرمؐ نے اس سفر پر مامور فرمایا ہے۔

انوار العلویہ میں ہے کہ عبداللہ بن جعفر تو امامؑ کے ساتھ عازمِ سفر ہو گئے، چونکہ عبداللہ کی نظر بہت کمزور ہو چکی تھی لہٰذا امامؑ انھیں ساتھ لے جانے کو راضی نہ ہوئے۔ جب عبداللہ مایوس ہوئے تو اپنے دو بیٹے امامؑ کے ساتھ روانہ کیے جو ان کی نیابت میں حضرتؑ کے حکم سے جہاد کر کے جان قربان کر دیں۔

سید بن طاؤس لکھتے ہیں: وادیٔ تنعیم میں ایک یمنی کارواں جو بہت سارے تحفے تحائف اور ہدایا یزید بن معاویہ کی خدمت میں لے جانا چاہتا تھا، موجود تھا۔

حضرت امام حسینؑ نے پوچھا: یہ ہدایا کس کے لیے ہیں؟

ساربان نے کہا: قربان جاؤں! یمن کے والی بحیر بن یسار نے اپنے زمانے کے امام یزید بن معاویہ کی طرف بھیجے ہیں۔

حضرتؑ نے جب یہ سنا تو حکم دیا کہ ان ہدایا کو اس کارواں سے وصول کریں اور اپنے استعمال میں لے آئیں کیونکہ زمانے کا امام اور قطب عالم امکان تو حضرتؑ خود تھے، مسلمانوں کے امور میں تصرف کا اختیار بھی حضرتؑ کے پاس تھا۔ یہ ہدایا عطیات اور قیمتی لباس تھے جو کئی اُونٹوں پر لدے ہوئے تھے۔ پھر حضرتؑ نے ان سے کہا کہ اگر ہمارے ساتھ عراق چلنا چاہتے ہو تو ہم تمہارے تمام اُونٹ کرایہ پر لے جائیں گے اور اگر عراق نہیں چلتے تو واپس ہو جائیں اور یہاں تک کا کرایہ ہم تمہیں ادا کر دیتے ہیں۔ پس کچھ شتربان تو امامؑ کے ساتھ عراق کی طرف چلے گئے اور اُونٹوں کو امامؑ کے حوالے کر دیا اور کچھ لوگ واپس چلے گئے۔

وادی صفاح میں فرزدق سے ملاقات

تاریخ کامل میں ہے کہ وادی تنعیم سے سفر کر کے جب امام علیہ السلام کا کارواں وادیٔ صفاح میں پہنچا اور حضرتؑ اپنے خیمے میں آرام فرما تھے تو مشہور شاعر فرزدق بن غالب حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرزدق سے منقول ہے کہ میں ساٹھ ہجری کو اپنی ماں کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے گیا، جب مکہ پہنچا تو دیکھا حضرت امام حسینؑ مکہ سے آ رہے ہیں۔ میں

خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہو جائیں، خدا آپؑ کو وہ سب کچھ عطا کرے جو آپؑ کی خواہش ہو، یہ کیا وجہ ہے کہ مناسکِ حج ادا نہیں کیے اور مکہ کو چھوڑ دیا ہے؟

فرمایا: اگر میں جلدی مکہ کو نہ چھوڑتا تو مجھے گرفتار کر لیتے، پھر پوچھا: تم کون ہو؟

میں نے عرض کیا: ایک عرب ہوں۔

اس سے زیادہ انھوں نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا، البتہ یہ پوچھا کہ کوفہ اور کوفہ والوں کی کوئی خبر ہے تو مجھے دو؟

میں نے عرض کیا: آپؑ نے ایک مطلع شخص سے سوال کیا ہے تو سنیں: کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں آپؑ کے خون کی پیاسی ہیں اور ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے کہ تمام اُمور خدا کی قدرت میں ہیں اور ہر دن اس کی اپنی شان ہے: کُلَّ یَومٍ هُوَ فِی شَانٍ۔

اگر قضا ہمارے مقصود کے موافق ہو تو نعمتِ الٰہی پر شکرِ خدا واجب ہو جاتا ہے اور اگر قضا ہمارے خلاف ہو تو پرہیزگار اور خالص نیت والے کو صبر کرنا چاہیے کہ حد سے نہ گزرنے پائے اور مشکلات کی پروا نہ کرے۔

میں نے عرض کیا: ہاں، خدا اس کا محافظ اور ناصر ہو۔ پھر میں نے مناسکِ حج کے متعلق چند مسائل پوچھے اور خدا حافظی کر کے مکہ چلا گیا۔

حج کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے غلط کیا اور مجھے امامؑ کی خدمت میں رہنا چاہیے تھا۔ شہادت حاصل ہوتی پھر کچھ دن بعد ایک قافلہ کوفہ سے آیا، میں نے امام حسینؑ کا حال پوچھا تو مجھے جواب ملا: اَلَا قَدْ قُتِلَ الْحُسین۔

تمقام الذخار میں حاج فرہاد میرزا لکھتے ہیں: محمد بن طلحہ شافعی مطالب السؤل میں فرزدق کی امامؑ سے ملاقات منزل شقوق پر بیان کرتے ہیں اور سید بن طاؤس نے منزل زبالہ پر لکھی ہے۔ فرزدق نے امامؑ پر سلام کیا اور حضرتؑ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

حضرتؑ نے پوچھا: ابوفراس کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے کہا: کوفہ سے۔ حضرتؑ نے فرمایا: کوفیوں کی کیا خبر رکھتے ہو؟ اس نے عرض کیا: کیا سچ کہوں؟ امامؑ نے فرمایا: میرا ارادہ تو یہی ہے کہ سچ سنوں۔

عرض کیا: لوگوں کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں، لیکن ان کی تلواریں بنی اُمیہ کی نصرت میں چلتی ہیں۔ البتہ نصرت اور کامیابی خدا کی طرف سے ہے۔ دین دار کم ہیں اور قضا کے فیصلے اپنے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: ہاں! سچ کہا لوگ درہم و دینار کے بندے ہیں، دین کو کھلونا سمجھا ہے تا کہ صرف معاش کا گزر اوقات

ہوتا رہے۔ ظاہراً مسلمان ہیں لیکن امتحان ہو جائے تو پھر نا کام ہیں۔

عرض کیا: آپؑ کوفہ کیوں جاتے ہیں اگر چہ انھوں نے آپ کے سفیر مسلمؑ بن عقیل کو قتل کر دیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: مسلمؑ رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے، شہید ہو گئے جو مسلمؑ کا فریضہ تھا اس نے حق ادا کر دیا اور ہمؑ نے ابھی اپنا فریضہ ادا کرنا ہے۔

امام حسینؑ کا وادیٔ ذات عرق میں قیام

دوسری منزل صفاح سے کوچ کر کے بہت جلدی سفر کرتے جا رہے تھے اور کسی طرف بھی توجہ نہ کرتے تھے حتیٰ کہ ذاتِ عرق نامی وادی پہنچے۔ یہاں توقف کے دوران میں کچھ لوگ خدمت میں حاضر ہوئے، بعض نے کوفہ جانے سے روکا اور بعض نے تائید کی۔ ان روکنے والوں میں سے ایک بشر بن غالب تھا۔ یہ عراق سے مکہ آ رہا تھا۔ جب حضرت امامؑ کے متعلق سنا کہ وہ عراق جا رہے ہیں تو خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ امامؑ نے کوفیوں کے احوال پوچھے تو بشیر بن غالب نے حضرت امامؑ کو یہ بشارت دی اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! اہل کوفہ کو اس وقت میں نے چھوڑا ہے جب ان کے دل مکمل آپؑ کے ساتھ تھے لیکن ان کی تلواریں اہلِ باطل کے ساتھ ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: صَدَقَ اَخو اَسَد "اسدی بھائی نے سچ کہا ہے"۔ خدا کرے کہ ایسا ہو لیکن اِنَّ اللّٰہ یَفعَل مَا یَشَاء وَیَحکُم مَا یُرِید ، یعنی وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے: بشر بن غالب کی اس منزل پر ملاقات اہل تاریخ میں مشہور ہے لیکن شیخ صدوقؒ جیسی شخصیات کا نظریہ ہے کہ یہ ملاقات منزل ثعلبیہ پر ہوئی ہے۔

حضرت امام حسینؑ کا وادیٔ ثعلبیہ میں خواب دیکھنا

صاحب معالی السبطین لکھتے ہیں: وادیٔ ذاتِ عرق سے سفر کرتے ہوئے ظہر کے وقت منزلِ ثعلبیہ پر امام علیہ السلام نے نزولِ اجلال فرمایا۔ حضرتؑ نے اپنے زانو پر سر رکھ کر تھوڑی دیر کے لیے سکون کیا اور حضرتؑ کو تھوڑی سی نیند آئی، پھر بیدار ہوئے اور فرمایا کہ میں نے ہاتفِ غیبی کو دیکھا جو کہہ رہا ہے کہ آپ سفر کر رہے ہیں اور موت آپؑ کو بہت تیزی سے بہشت کی طرف لے جا رہی ہے۔ بروایت ابی مخنف: امامؑ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون پڑھا۔ جوں ہی یہ کلمہ جاری ہوا حضرت علی اکبرؑ جلدی سے آئے اور عرض کیا: اے بابا جان! کلمہ استرجاع کیوں پڑھا ہے، خدا کبھی آپؑ کو دکھ نہ پہنچائے اور ہمیشہ صحیح و سالم رکھے۔

امامؑ نے فرمایا: بیٹا! ابھی آنکھ لگی تھی کہ ایک سوار کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ یہ گروہ سفر کر رہا ہے حالانکہ موت ان کو بہت جلدی لے جا رہی ہے۔

حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا: بابا! کیا ہم حق پر نہیں؟

امامؑ نے فرمایا: کیوں نہیں بیٹا! خدا کی قسم! ہم حق پر ہیں۔

حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا: تو پھر ہمیں موت سے کیا خوف ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: بیٹا! خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

جناب ابی مخنف لکھتے ہیں: امام علیہ السلام کے ثعلبیہ میں نزول کے بعد ایک نصرانی اپنی والدہ کے ساتھ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں نے اسلام قبول کیا۔

صاحبِ معالی السبطین لکھتے ہیں: یہ نصرانی شخص وہب بن عبداللہ بن حباب کلبی ہے۔

امام علیہ السلام نے اپنے صحابہ کے ساتھ رات گزاری۔ صبح سویرے ایک کوفی شخص ابو ہرہ ازدی امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کیا وجہ ہے کہ حرمِ خدا اور حرمِ جدِ اطہر سے منہ موڑ لیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: افسوس ہے تم پر اے ابو ہری ازدی، بنی اُمیہ نے میرا سب کچھ چھین لیا ہے، ضبط کر لیا اور میں نے صبر کیا۔ میری عزت و آبرو کو خطرے میں ڈالا، میں نے صبر کیا۔ اب وہ میرا خون بہانا چاہتا ہے تو میں نے حرمِ جد اور حرمِ خدا کو چھوڑ دیا تا کہ حرمین کی عظمت میرے خون سے پامال نہ ہو جائے۔

خدا کی قسم! بنی اُمیہ کا یہ ظالم گروہ مجھے قتل کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ذلت کا لباس پہنائے گا اور ان پر ایک تیز دھار تلوار مسلط کرے گا اور ایسے شخص کو ان پر مسلط کرے گا جو ان کو ذلیل و خوار کرے گا حتیٰ کہ یہ قومِ سبا سے بھی زیادہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔

کوفہ کے راستوں پر ابن زیاد کے گماشتوں کا پہرہ

تاریخ میں ہے کہ جب ولید بن عتبہ کو امام حسین علیہ السلام کے مکہ سے کوفہ کی طرف سفر کرنے کا علم ہوا تو اس نے ابن زیاد کو خط لکھا اور اسے امام حسینؑ سے جنگ کرنے سے روکا نیز خبردار کیا کہ اگر تیرے ہاتھ امام حسینؑ کے خون سے آلودہ ہوئے تو قیامت تک ہر خاص و عام کی نظر میں ملعون قرار پائے گا۔

ابن زیاد نے اس خط کے مندرجات پر توجہ ہی نہ کی اور حصین بن نمیر تمیمی جو اس کے خصوصی سپاہیوں کا سالار تھا، کو بلایا

اور اسے ایک لشکر دے کر قادسیہ کی طرف روانہ کیا اور اسے تاکید کی کہ تمام راستوں کو بند کردو تاکہ کوئی شخص کوفہ میں داخل نہ ہو سکے۔

حصین بن نمیر جو ابن زیاد کی دستگاہ کے رذیل افراد میں سے تھا، حکم نامہ ملتے ہی لشکر لے کر کوفہ سے باہر آیا اور بڑے نظم سے راستے بند کرنے کا منصوبہ بنایا، اور ہر راستہ پر سپاہیوں کے ایک گروہ کو مقرر کردیا اور تاکید کی ان راستوں سے کوئی شخص کوفہ میں داخل نہ ہونے پائے۔

حضرت امام حسینؑ کا وادی حاجر میں پہنچ کر اہلِ کوفہ کو خط بھیجنا اور خط لے جانے والے شخص کی گرفتاری

حضرت امام علیہ السلام ثعلبیہ کے بعد تیزی سے سفر کرتے ہوئے منزلِ حاجر پر وارد ہوئے۔ یہ وسیع وعریض وادی ہے جو نجد کی زمینوں سے متعلق ہے، اس میں ٹیلے اور گہرائیاں ہیں، ایک طرف پہاڑی ہے، اس پہاڑی کے دامن میں حضرتؑ کا خیمہ لگایا گیا۔

شیخ مفیدؒ ارشاد میں لکھتے ہیں: یہاں سے امام علیہ السلام نے کوفیوں کے نام ایک خط تحریر فرمایا اور اپنی مہر لگا کر جناب قیس بن مسہر صیداوی یا عبداللہ بن یقطر کو حکم دیا کہ یہ خط کوفہ پہنچائیں اور اہلِ کوفہ کی نظروں کے سامنے لائیں اور اس وقت تک حضرت مسلمؑ بن عقیل کی شہادت کی خبر کاروانِ حسینیؑ تک نہ پہنچی تھی۔

خط لکھنے کی وجہ اور مضمونِ خط

خط لکھنے کا سبب یہ تھا کہ ۲۷ روز پہلے جنابِ مسلمؑ بن عقیل نے ایک خط حضرت امام علیہ السلام کو لکھا تھا اور اس میں یہ ظاہر کیا کہ اہلِ کوفہ اطاعت اور بیعت کے لیے بالکل تیار ہیں۔ اسی طرح کچھ دیگر کوفیوں نے خطوط لکھے جن میں یہ ظاہر کیا تھا کہ ایک لاکھ شمشیرزن کا لشکر آپؑ کی نصرت کے لیے موجود ہے لہٰذا آپؑ کوفہ کے شیعوں کے پاس جلدی پہنچیں اور جو خط امام علیہ السلام نے کوفیوں کے نام تحریر فرمایا اس کا متن یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم...... من الحسین بن علی الی اخوانه من المومنین والمسلمین سلام علیکم!
میرے پاس مسلمؑ بن عقیل کا خط آیا جس میں انھوں نے آپ لوگوں کے حسنِ نیت اور اسلام کی نصرت کے لیے آمادگی رقم ہے۔ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ اللہ آپ کو اس نظریہ پر قائم رکھے۔ میں ۸ ذوالحجہ کو مکہ سے تمہاری طرف عازمِ سفر ہوں۔ اور جب میرا یہ قاصد پہنچے تو آپس میں مل بیٹھ کر اپنی رائے پختہ کرلو کیونکہ میں انہی چند دنوں میں تمہارے پاس پہنچنے والا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت امامؑ کا قاصد قیس یا بروایت عبداللہ خط لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا، جب قادسیہ پہنچا تو حصین بن نمیر کے گماشتوں نے اسے گرفتار کرلیا اور ابن نمیر کے پاس لائے۔ حصین نے پوچھا تم کون ہو اور اس طرف کیوں اور کیسے آئے ہو؟

قیس نے کہا: اِنِّی رَجُلٌ مِن شیعتِہ اَمِیرالمومنین علی علیه السلام ''میں امیرالمومنین علیؑ کے شیعوں میں سے ایک ہوں''۔

حصین نے پوچھا: یہ خط کس کس کے نام پر ہے؟

اس شیردل جوان نے کمالِ شجاعت سے کہا کہ یہ خط ان لوگوں کے نام ہے کہ جن کے نام میں کبھی نہیں بتاؤں گا۔

حصین نے اسے ابن زیاد کے دربار میں بھیج دیا۔ قیس کو خیال آیا کہ خط ممکن ہے ابن زیاد کو مل جائے لہٰذا کاغذ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے منہ میں ڈالا اور نگل گیا۔

سید بن طاؤس لکھتے ہیں: اس پر ابن زیاد بہت غضب ناک ہوا کہ تم نے کاغذ کو کیوں پھاڑا ہے؟ پھر حکم دیا کہ اس کا مُثلہ کیا جائے یعنی ناک کان وغیرہ کاٹ دیئے جائیں۔ پھر بھی اس سنگدل نے کہا کہ خدا کی قسم! اس وقت تک تمہیں نہیں چھوڑوں گا جب تک تم ان لوگوں کے نام نہیں بتاؤ گے جن کے نام امام حسینؑ نے خط لکھا ہے یا اس کے بدلے سزا یہ ہوگی کہ منبر پر آ کر، مجمع عام میں آ کر فاطمہ زہراءؑ کے بیٹے اور شوہر پر تبرا کرو ورنہ میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔

قیس نے کہا کہ جہاں تک ناموں کا تعلق ہے وہ کبھی نہ بتاؤں گا۔ البتہ میز پر جا کر مجمعِ عام میں تقریر کرنا قبول کرتا ہوں۔ پھر ابن زیاد نے حکم دیا تو لوگ مسجد میں جمع ہوگئے۔ قیس کو منبر پر لایا گیا۔ اس نے پہلے حمدِ خدا اور تعریفِ مصطفیٰؐ کی، اس کے بعد علیؑ اور اولادِ علیؑ پر درود وصلوات پڑھنا شروع کردیا اور یزید، ابن زیاد اور آلِ اُمیہ پر لعنت کرنے کے بعد فرمایا: لوگو! میں حسینؑ کا تمہاری طرف قاصد ہوں، وہ فلاں مقام پر آ چکے ہیں، آپ کو اطلاع دینے آیا ہوں۔ اگر ان کی اتباع کرنا چاہتے ہو تو جلدی کرو اور ان کی خدمت میں پہنچو اور اطاعت کا حق ادا کردو۔ جب یہ بات ابن زیاد کو پہنچی تو حکم دیا کہ قیس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دارالامارہ کی چھت سے نیچے گرادو۔ فَتَکَسَّرت عِظَامَہٗ جس سے ان کے جسم کی تمام ہڈیاں چُور چُور ہوگئیں جب کہ قیس امام حسینؑ کی غربت پر گریہ کررہے تھے۔

ایک شخص عبدالملک بن عمر آگے بڑھا اور اس آزاد و شجاع مرد کا سر ایک کان سے دوسرے کان تک کاٹ دیا۔ لوگ اس عبدالملک پر لعن طعن کررہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے ملعون! یہ ابھی خود بخود موت کی آغوش میں جارہا تھا کیوں اس کو قتل کردیا اور اس کا خون اپنے ذمے لے لیا۔

اس نے کہا: میرا خیال تھا کہ اسے تکلیف نہ ہو اور جلدی موت آجائے۔

مرحوم سید ابن طاؤوس نے لکھا ہے: جب ان کی شہادت کی خبر امام حسین علیہ السلام کو ملی تو حضرتؑ بہت روئے اور آنسو بہائے اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اجعَل لَنَا وَلِشِیعَتِنَا مَنزِلًا کَرِیمًا وَاجمَع بَینَنَا وَبَینَھُم فِی مُستَقَرٍّ رَحمَتِكَ اِنَّكَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ

"اے میرے اللہ! ہمارے اور ہمارے شیعوں کے لیے ایک کریم منزل قرار دے اور ہمیں اور ان کو اپنی رحمت کے ٹھکانے میں جمع کر دے تو ہر شے پر قادر ہے"۔

حضرت امام حسینؑ کی اگلی منزل پر عبداللہ بن مطیع سے ملاقات

شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: امام علیہ السلام حاجر سے سفر کر کے اعراب کے پانیوں کے پاس پہنچے، اس مقام پر عبداللہ بن مطیع حضرت امامؑ کی طرف متوجہ ہوا کہ حضرت امام حسینؑ تو عراق کی طرف عازمِ سفر ہیں اس لیے حاضر ہوا اور سلام کے بعد عرض کرنے لگا: میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں، کیا وجہ ہے کہ عراق کی طرف قدم رنجہ فرمایا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب سے معاویہ مرا ہے تب سے اہلِ کوفہ مجھے خطوط لکھ رہے ہیں، مسلسل وفود بھیج رہے ہیں اور کوفہ آنے کی دعوت دے رہے ہیں تا کہ ان کی ہدایت کروں، اس لیے کوفہ جا رہا ہوں۔

عبداللہ بن مطیع نے عرض کیا: آپ کو خدا کی قسم! کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر دیں کیونکہ آپؑ کا وہاں جانا اسلام کی ہتکِ حرمت کا باعث ہوگا۔ اگر آپؑ کے کوفہ جانے کا مقصد اپنے حق کا مطالبہ ہے تو خدا کی قسم! بنی اُمیہ آپؑ کو اپنا حق نہ دیں گے بلکہ قتل کر دیں گے اور اگر آپؑ جیسی شخصیت قتل ہوگئی تو اسلام، عرب اور قریش کی حرمت پامال ہو جائے گی۔

بعض روایات میں ہے کہ عبداللہ بن مطیع نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ مکہ ہی میں تشریف رکھیں، آپ عربوں کے سردار ہیں۔

حضرت امامؑ نے فرمایا: جو تو نے کہا یہ سچ اور حق ہے لیکن مَیں موت سے فرار کر آیا ہوں تا کہ بیت اللہ کی توہین نہ ہو ورنہ برحق انسان کا مر جانا باطلانہ زندگی سے بہتر ہے اور اگر جہاد کا موقع ملا تو یزید سے جہاد کرنا برحق ہے بلکہ مشرکین سے جہاد کرنے سے بھی یزید سے جہاد کرنا بہتر اور افضل ہے۔

اَلمَوتُ عَلَی الحَقِّ اَولٰی مِنَ الحَیٰوۃِ عَلَی البَاطِلِ اَلمَوتُ فِی العِزِّ خَیرٌ مِنَ الحَیٰوۃِ فِی الذُلِّ

''باطل پر زندہ رہنے سے حق پر موت آنا بہتر ہے اور عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے''۔

حضرت امام حسینؑ کی آئندہ منزل پر زُہیر بن قین سے ملاقات

حضرت امامؑ حاجر کی منزل سے سفر کر کے اعراب کے پانیوں سے ہوتے ہوئے ذرود نامی منزل پر پہنچے تو یہاں نزولِ اجلال فرمایا۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ ارشاد میں فرماتے ہیں: قبیلہ فزارہ اور بجیلہ کے ایک گروہ نے بیان کیا ہے کہ ہم زُہیر بن قین بجلی (جو کہ اس وقت عثمانی تھا) کے ساتھ سفرِ مکہ کے لیے رواں تھے۔ مناسکِ حج ادا کر کے جلدی جلدی واپس سفر کر رہے تھے کہ ایک منزل پر حضرت امام حسینؑ کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ ہم چاہتے تھے کہ ہماری ملاقات حضرت امام حسینؑ سے نہ ہونے پائے اس لیے ہمیشہ ان کے کارواں سے آگے پیچھے اپنا پڑاؤ رکھتے تھے لیکن اس منزل ذرود پر مجبوراً ہمیں بھی خیمے لگانے پڑے۔ ہم اپنے خیمے میں بیٹھے تھے، دسترخوان لگایا اور کھانا کھانے لگے کہ اچانک امام حسین علیہ السلام کا قاصد خیمہ کے دروازے پر آیا اور سلام کے بعد کہنے لگا کہ حضرت امام حسینؑ درود وسلام کے بعد زُہیر بن قین کو یاد کر رہے ہیں۔ ہم یہ سنتے ہی ایک دم خاموش ہوگئے اور سر جھکا لیے۔ لقمے ہمارے ہاتھوں سے گرنے لگے۔ زُہیر کی بیوی دیلم جو پشتِ پردہ میں بیٹھی قاصد کے پیغام اور ہماری خاموشی کو سن اور دیکھ رہی تھی تو اسے غصہ آیا اور تند لہجہ سے اپنے شوہر (زُہیر) کو یوں مخاطب کیا:

سبحان اللہ! یہ کیا مطلب ہے، تمہیں شرم نہیں آتی اور پیغمبرؐ سے شرمندہ نہیں ہوتے کہ فرزندِ پیغمبرؐ قاصد بھیج کر تمہیں بلائے اور تم سوچ رہے ہو کیوں ان کو ملنے نہیں جاتے؟ اُٹھو اور جاؤ جو حکم وہ دیں اس کی تعمیل کرو اور کبھی کوتاہی نہ کرنا اور نہ ہی واپس آنا۔

اس شیر دل خاتون کی بات کا زُہیر پر بڑا اثر ہوا، وہ اُٹھے اور امام حسینؑ کے خیام کی طرف روانہ ہوگئے۔ زُہیر ایک شجاع، معروف بہادر، جنگوں میں فاتح و غالب، صاحبِ قبیلہ اور صاحبِ شمشیر تھے۔ جب امامؑ کے خیمے کے قریب پہنچے تو علوی علامت، ہاشمی شہامت اور فاطمی فطرت جوانوں جو گیارہ سال سے بیس سال تک کے تھے، نے زُہیر کا استقبال کیا اور امامؑ کے پاس پہنچایا۔ زُہیر جب اندر داخل ہوئے تو ان کی نظر ملکوتی جمال اور پُرسکون دل کے مالک امامؑ کے چہرے پر پڑی جو امامت کی مسند لگائے خدا سے راز و نیاز میں مصروف تھے۔ زُہیر نے سلام کیا، حضرتؑ نے جواب دیا۔ بیٹھنے کو فرمایا، احوال پرسی کی۔

صاحبِ روضۃ الشہداء نے لکھا ہے کہ امام علیہ السلام نے زُہیر سے فرمایا: اے زُہیر! کیا تمہارا اب بھی ذوق ہے کہ

محبت الٰہی میں جہاد کرو اور اپنی تلوار کے پانی سے فساد کی آگ کو خاموش کرو، نیز شمعِ شہادت کے گرد پروانہ وار پرواز کرو اور خوشنودیٔ خدا کا ایک دروازہ اپنے لیے کھول دو؟ یعنی میری نصرت میں کمر ہمت باندھو اور ولایت کے دامن سے متمسک ہو جاؤ تا کہ دنیا و آخرت میں میری ہمراہی نصیب ہو۔

زُہیر نے امام حسین علیہ السلام کے کلام کو بغور سنا اور سوچنے لگا: اب عقل و نفس کے درمیان جنگ و جدل شروع ہو گئی ہے۔ عقل کہتی تھی کہ امامؑ کی اطاعت کرو۔ نفس کہتا ہے: کیوں جان اور مقام ضائع کرتے ہو اور دنیاوی رنگینیوں سے محروم ہوتے ہو؟

کافی سوچ بچار اور نفس و عقل کی جنگ کے بعد رحمانی جذبہ نے جنگ اور شیطانی وسوسوں سے نجات دی اور زُہیر کے چہرے پر آہستہ آہستہ رونق آنا شروع ہو گئی۔ بالآخر اُس کا چہرہ منور ہو گیا۔ اُس نے سر بلند کیا اور عرض کیا:

اے عزیزِ پیغمبرؐ! اے فاطمہؑ کے نورِ چشم! میں آپؑ کی راہ میں جان، مال، عیال، فرزند بھی کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوں، البتہ شرط یہی ہے کہ جو خود آپؑ نے مقرر فرمائی ہے کہ آخرت میں آپؑ کی ہمراہی نصیب ہو۔ کافی عرصہ سے اسی چیز کی توقع تھی آج دل کی آرزو پوری ہو رہی ہے۔ پھر زُہیر اپنے خیمے میں گئے لیکن بہت خوش خوش اور سرور تھے۔ نوکروں کو حکم دیا کہ خیمے اُکھاڑے جائیں اور سامان اکٹھا کیا جائے اور امام حسینؑ کے کارواں کے ساتھ ملحق ہو جائیں۔ اپنے دوستوں سے کہا جو شخص بہشت کا شوق رکھتا ہے وہ میرے ساتھ آئے میں جا رہا ہوں اور جو شخص شہادت سے گھبراتا ہے وہ مجھ سے جدا ہو جائے۔ زُہیر کے اکثر دوست شہادت سے منہ موڑ کر کوفہ چلے گئے۔

بعض تاریخوں میں ہے کہ اس کا چچازاد بھائی سلیمان بن مضارب ابن قیس اس کے ساتھ رہا اور وہ امامؑ کے کارواں میں شامل ہو گئے اور روزِ عاشورہ نمازِ ظہر کے بعد شہید ہوئے۔

شیخ مفید ارشاد میں بیان فرماتے ہیں: زُہیر نے اپنی ہمسر کو طلاق دے کر آزاد کر دیا۔

صاحبِ روضۃ الشہداء کا بیان ہے کہ زُہیر نے اپنی بیوی سے کہا: اے بیوی! اس مال و دولت سے جس قدر اُٹھا سکتی ہے اُٹھا لے اور اپنے بھائی کے ساتھ کوفہ چلی جا، کیونکہ میں فرزندِ علیؑ کی غلامی میں جا رہا ہوں اور جب تک جان ہے ان کے قدموں سے سر نہیں اٹھاؤں گا۔

بیوی نے یہ سنا تو زار و قطار رونے لگی پھر عرض کیا: اے مرد! بے وفائی نہ کرو، اس راہ کو میں نے تمہارے لیے روشن کیا ہے اب فرزندِ علیؑ کی غلامی میں جا رہے ہو تو مجھے بھی ساتھ لے چلو، میں دخترِ علیؑ کی غلامی کرتی رہوں گی تو اس گھر کا غلام ہو گا اور میں اس گھر کی کنیز ہوں گی۔ پس دونوں نے اولادِ رسولؐ کی خدمت گزاری کے لیے کمر ہمت باندھی اور بتولؑ کی اولاد کی غلامی

کو چنا اور دونوں جہانوں میں کامیاب ہوئے۔

منزلِ ثعلبیہ: جنابِ مسلمؑ بن عقیل کی شہادت کی اطلاع

صاحبِ ارشاد نے عبداللہ بن سلیمان اسدی اور منذر بن مشمعل اسدی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ جب ہم اعمالِ حج سے فارغ ہوئے تو بہت تیزی سے واپس آ رہے تھے اور اس جلدی کی وجہ بھی امام حسینؑ سے ملحق ہونا ہی تھا تا کہ حضرتؑ کا انجام دیکھیں۔

سفر کرتے ہوئے ثعلبیہ کے قریب امام حسین علیہ السلام کے کارواں سے آ ملے۔ جب ہم نے چاہا کہ حضرتؑ کے پاس جائیں تو اچانک ہم نے کوفہ کی جانب سے ایک سوار آتا ہوا دیکھ لیا، جب اس نے امام حسینؑ کے کارواں کو دیکھا تو اپنا راستہ بدل لیا۔

حضرت امام حسینؑ نے تھوڑا سا توقف کیا کہ شاید اس شخص سے ملاقات ہو جائے لیکن جب اس نے راستہ بدلا تو ہم نے ارادہ کیا کہ معلوم کریں کہ یہ شخص کون ہے اور کدھر جا رہا ہے؟ اس کے پاس ضرور کوفہ کی تازہ خبر ہوگی۔ پس گھوڑے دوڑائے اور اس کے پاس پہنچے، سلام کیا اور پوچھا کہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا: بنی اسد سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ ہم بھی اسدی ہیں، پھر اس سے نام پوچھا اور اپنا نام بتایا اور پھر اس سے کوفہ کی تازہ خبریں پوچھیں۔

اس نے کہا کہ تازہ خبر یہ ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے جناب مسلمؑ بن عقیل اور ہانیؒ بن عروہ کو قتل ہوتے دیکھ آیا ہوں کہ ان کی شہادت کے بعد ان کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر بازاروں میں پھرایا جا رہا تھا پھر ہم اس شخص کو چھوڑ کر امامؑ کے لشکر میں آئے، رات ہوگئی تھی۔ ہم ثعلبیہ پہنچ گئے تو حضرتؑ نے وہاں رات ٹھہرنے کا حکم دے دیا تھا۔ نزولِ اجلال کے بعد ہم حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سلام و جواب کے بعد ہم نے عرض کیا: مولاؑ! ہمارے پاس ایک تازہ خبر ہے، اگر اجازت ہو تو سب کے سامنے بتا دیں ورنہ آپ کو تنہائی میں عرض کریں۔

حضرتؑ نے ایک مرتبہ ہمارے اطراف اور پھر اپنے اصحاب کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں اپنے اصحاب سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھتا، سب کے سامنے خبر دو۔ پھر ہم نے وہ دردناک خبر بتائی تو اس خبر سے امامؑ بہت دکھی ہوئے اور دیر تک بار بار اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رٰجِعُون رحمۃ اللہ علیہما خدا رحمت کرے مسلمؑ اور ہانیؒ پر۔

پھر ہم نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! اگر اہلِ کوفہ آپ کے خلاف نہ بھی ہوں تو بھی آپؑ کے حامی بھی نہیں ہو سکتے، ہماری تو یہی گزارش ہے کہ کوفہ کی طرف سفر کرنے کو ترک کر دیں اور واپس چلے جائیں۔

حضرت امام علیہ السلام نے عقیل کی اولاد کی طرف توجہ کی اور پوچھا: مسلمؑ تو شہید ہو گئے ہیں تم واپس چلے جانے میں کوئی مصلحت دیکھتے ہو؟

انھوں نے عرض کیا: خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ مسلمؑ کا بدلہ نہ لے لیں یا شہادت کا وہ شربت نہ پئیں جو مسلمؑ اور ہانیؓ نے پیا ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ اس وقت ظلم کے بعد دنیا کی زندگی میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے۔
ہم سمجھ گئے کہ حضرتؑ سفر کوفہ پر عازم ہیں۔ عرض کیا: جو خدا کی طرف سے بہتر ہو وہ آپؑ کو نصیب ہو۔

اصحاب نے عرض کیا: آپؑ کا کام اور نام مسلمؑ بن عقیل سے جدا ہے، آپؑ جب کوفہ جائیں گے تو لوگ جلدی آپؑ کی طرف رُخ کریں گے۔ حضرتؑ چونکہ انجام سے واقف تھے لہٰذا خاموش رہے۔

مرحوم سید ابن طاؤوس نے لہوف میں بیان فرمایا ہے کہ جب مسلمؑ بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملی تو امام علیہ السلام زار و قطار روئے اور فرمایا:

خدا رحمت کرے مسلمؑ اور ہانیؓ پر وہ جنت رضوان میں پہنچ گئے، جو ان کا فریضہ تھا ادا کر گئے۔ اب ہم نے اپنا فریضہ ادا کرنا ہے۔ پھر دنیا کی بے وفائی اور شہادت کی فضیلت پر مشتمل چند اشعار پڑھے۔

شیخ عباس قمی صاحب منتہی الآمال میں بعض مؤرخین سے نقل کرتے ہیں: حضرت مسلمؑ بن عقیل کی ایک تیرہ سالہ بیٹی تھی جو امام حسینؑ کی بیٹیوں کے ساتھ زندگی گزارتی تھی اور دن رات ان کے ساتھ رہتی تھی۔ جب امام حسینؑ کو جناب مسلمؑ بن عقیل کی شہادت کی خبر پہنچی تو پردہ داروں کے پاس آئے، جناب مسلمؑ کی بیٹی کو بلایا اور گود میں بٹھا کر بہت پیار اور نوازش کی۔ جب اس بچی نے معمول سے بڑھ کر نوازش محسوس کی تو دختر مسلمؑ نے عرض کیا:

اے فرزند رسولؐ! آج آپؑ میرے ساتھ ایسا پیار کر رہے ہیں جو یتیم اور بے سہارا بچوں سے کیا جاتا ہے۔ میرے بابا خیر سے تو ہیں؟ کیا میرے بابا شہید ہو گئے؟

حضرتؑ کے پاس جواب دینے کی طاقت نہ تھی مگر صبر نہ کر سکے اور بآواز بلند روتے ہوئے فرمایا: اے میری بیٹی! پریشان نہ ہو اگر مسلمؑ نہیں تو میں تمہارا باپ ہوں اور میری بہن تمہاری ماں ہیں، میری بیٹیاں تمہاری بہنیں اور میرے بیٹے تمہارے بھائی ہیں۔

جناب مسلمؑ کی بیٹی کی فریاد نکلی اور وہ زار و قطار رونے لگی۔ مسلمؑ کے چھوٹے چھوٹے بیٹوں نے سروں سے عمامے اُتار دیئے اور ہائے ہائے کرتے ہوئے بہن کے گلے لگ گئے۔ جب چھوٹے بچے روئیں تو کوئی بڑا کیسے صبر کر سکتا ہے؟ تمام

کارواں میں ماتم شروع ہوگیا اور امام حسینؑ نے مسلمؑ بن عقیل کی شہادت سے سب سے زیادہ دکھی ہوئے۔
بقول انیسؔ:

انداز مجھے آج وہی ہے نظر آتا جس طرح یتیموں پہ کوئی رحم ہے کھاتا
اس پیار پہ دل ہے مرا ٹکڑے ہوا جاتا کچھ تو ہے کہ دل سینے میں تسکین نہیں پاتا
کوفے سے بڑی دُور سفر کر گئے بابا
کیوں آپ نہیں کہتے ہیں کیا مر گئے بابا

جنابِ مسلمؑ کی شہادت کی اطلاع کہاں ملی؟

صاحب معالی السبطین لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ صاحبِ نفس مہموم لکھتے ہیں: منزل زرود سے کوچ کرنے کے بعد ایک اسدی شخص نے خبر دی کہ بچے، جنابِ مسلمؑ اور ہانیؓ کی لاشوں کو گلیوں میں گھسیٹ رہے تھے تو امامؑ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیہِ رَاجِعُون پڑھا۔

سید بن طاؤس لہوف میں لکھتے ہیں: منزلِ زبالہ پر امام علیہ السلام کو جنابِ مسلمؑ کی شہادت کی اطلاع ملی۔ اس خبر کے آتے ہی دنیا کے لالچ کی خاطر آنے والے حضرات ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور حضرتؑ کے ساتھ آپؑ کے خالص صحابہ باقی رہ گئے۔

تاریخ حبیب السیر میں ہے کہ جب امام علیہ السلام منزلِ زبالہ پر پہنچے تو کوفہ سے ایک قاصد عمر بن سعید بن ابی وقاص کا خط لے کر حضرت امام حسینؑ کے پاس آیا۔ اس خط میں عمر بن سعید نے مسلمؑ بن عقیل اور ہانیؓ بن عروہ کی شہادت کی اطلاع دی تھی اور قیس بن مسہر کی شہادت کی طرف اشارہ بھی تھا۔

صاحبِ ارشاد تحریر کرتے ہیں: جب امام علیہ السلام منزلِ ثعلبیہ سے نکلے اور زبالہ پہنچے تو وہاں عبداللہ بقطر کی شہادت کی خبر سنی۔ حضرتؑ یہ سن کر بہت روئے اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اجعَل لَنَا وَلِشِیعَتِنَا مَنزِلًا کَرِیمًا وَاجمَع بَینَنَا وَبَینَھُم فِی مُستَقَرِّ رَحمَتِکَ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیر

"اے میرے اللہ! ہمارے اور ہمارے شیعوں کے لیے ایک کریم منزل بنا جہاں ہمیں اور ان کو اپنی رحمت کے مستقر میں جمع کر دے"۔

پھر حضرتؑ نے ایک تحریر پڑھی جس میں اپنے اصحاب سے خطاب تھا اور تحریر یہ تھی کہ ہمیں مسلمؑ بن عقیل، ہانیؒ بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کی دردناک شہادتوں کی اطلاع مل چکی ہے۔ تم میں سے جو بھی ہمیں چھوڑ کر کہیں جانا چاہے، جاسکتا ہے اور ہم اُس سے ناراض نہیں ہیں۔

اس تقریر کے بعد کافی لوگ شمع ہدایت و امامت سے دُور ہونے لگے اور دائیں بائیں جانے لگے حتیٰ کہ وہی خالص اصحاب باقی بچے جو مدینہ سے چلے تھے اور کچھ لوگ ساتھ ملحق ہونے والے باقی رہے جب کہ صاحبِ عقد الفرید رقم طراز ہیں کہ حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر منزلِ شراف پر ملی تھی۔

منزلِ ثعلبیہ کے واقعات

اس منزل پر تین مشہور واقعات پیش آئے: حضرت مسلم بن عقیل سلام اللہ علیہ و ہانی بن عروہؓ کی دردناک خبر شہادت۔

صاحب حدائق الانس (واعظ قزوینی) شیخ مفید کی ارشاد سے نقل کرتے ہیں: بنی اسد کے دو شخص عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مشمعل حج پر گئے۔ جب مناسکِ حج ادا کر لیے تو ہمیں امام حسین علیہ السلام سے ملحق ہونے کا شوق تھا تاکہ دیکھیں انجام کیا ہوتا ہے؟ لہٰذا ہم جلدی واپس آئے، تیزی سے سفر کر رہے تھے کہ منزل زرود پر کاروانِ حسینیؑ کے قریب پہنچے۔ ہم نے ایک شخص کوفہ سے آتے دیکھا کہ جب اس نے امام حسینؑ کو دیکھا تو راستہ بدل لیا۔ امام حسینؑ چاہتے تھے کہ وہ شخص ہمارے قریب آئے اور کوفہ کی خبر سنائے (نیز اپنے امام زمانؑ سے کسی حال میں منہ نہیں موڑنا چاہیے)۔ ہم دونوں اس شخص کے پاس جا پہنچے۔ پوچھا: کون سا قبیلہ ہے؟ کہا: اسدی۔ ہم نے کہا: بہت اچھا ہم بھی اسدی ہیں۔ تم اپنا نام بتاؤ۔ اس نے کہا: بکر بن فلاں۔ ہم نے بھی اپنا تعارف کروایا تو وہ ہمیں پہچان گیا۔ ہم نے پوچھا: اَخْبِرْنَا عَنْ وَرَائِكَ کوفہ کی تازہ خبر بتاؤ؟

اس نے کہا: کوفہ کے حالات بہت خراب ہیں، میں نے خود دیکھا ہے کہ مسلمؑ بن عقیل اور ہانیؒ بن عروہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ رَاَیْتُهُمَا یُجَرَّانِ بِاَرْجُلِهِمَا فِی السوق، اور دونوں کے پاؤں کو باندھ کر بازار میں پھرایا جا رہا تھا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ ہم واپس امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرتؑ کے صحابہ اور بنی ہاشم کے جوان سب حضرتؑ کے اردگرد بیٹھے تھے، بعض کھڑے تھے اور بعض بیٹھ کر اقلیم امامت کی زیارت کر رہے تھے۔

ہم نے عرض کیا: عِنْدَنَا خَبَرٌ اِنْ شِئْتَ حَدَّثْنَاكَ علانیۃ اَوْ اِنْ شِئْتَ سرًّا ''ہمارے پاس ایک خاصی خبر ہے اگر اجازت دیں تو سب کے سامنے بتا دیں ورنہ تنہائی میں بتائیں''۔

حضرتؑ نے اصحاب اور ہماری طرف دیکھ کر فرمایا کہ میرے اور میری اس جماعت کے درمیان کوئی چیز پوشیدہ اور

پنہاں نہیں ہے۔ تنہائی اغیار سے ہوتی ہے اپنوں سے نہیں اور میں جانتا ہوں لہٰذا سب کے سامنے بتادو۔

ہم نے عرض کیا: مولاؑ! جو کل عصر کے وقت ایک سوار کوفہ سے آ رہا تھا اور اس نے راستہ تبدیل کرلیا تھا۔ ہم اس کے پاس گئے اور اس سے کوفہ کے تازہ حالات پوچھے۔ وہ اسدی شخص ہمارا جانا پہچانا اور سچا آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ فرزندِ پیغمبرؐ کہاں جارہے ہیں کیا وہ اپنی زندگی سے بیزار ہوچکے ہیں کہ چلتے تیروں شمشیروں میں جارہے ہیں۔ خدا کی قسم! مسلمؑ بن عقیل اور ہانیؒ بن عروہ شہید کردیے گئے، اُن کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر بازاروں میں پھرایا گیا۔

حضرتؑ نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيهِ رَاجِعُون رَحمَةُ اللهِ عَلَيهِمَا آپؑ زاروقطار روتے تھے اور بار بار یہی کلمۂ استرجاع پڑھتے تھے۔

ہم نے عرض کیا: جب یہ حالات ہیں تو بہتر ہے کہ آپؑ یہاں سے واپس جائیں اور اپنے اہلِ بیتؑ کو ساتھ لے جائیں کیونکہ کوفہ میں کوئی آپؑ کا حامی و ناصر نہیں بلکہ تمام لوگ آپؑ کے دشمن ہیں۔

ثقۃ الاسلام کلینی نے منزلِ ثعلبیہ کا دوسرا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور حضرتؑ کو کوفہ جانے سے روکا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اگر مدینہ میرے پاس آتا تو اپنے گھر جبرئیلؑ کے آنے جانے کا مقام دکھاتا اور تجھے یہ بھی دکھاتا کہ جبرئیل امینؑ کس طرح میرے نانا رسولؐ پر وحی لاتے تھے۔ حالانکہ وہ علم و معرفت کے چشمے جو ہمارے گھر میں ہیں لوگ انہیں جانتے ہیں تو کیا ہم نہیں جانتے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ ہم اللہ کے قضا و قدر کو بھی جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے جو اللہ نے میری تقدیر بنائی ہے میں اُسے جانتا ہوں اور اُسی کے پیچھے جارہا ہوں۔

تیسرا واقعہ وہب بن عبداللہ کلبی کا ملحق ہوتا ہے۔ وہب ایک عیسائی، شجاع اور بلند قامت شخص تھا، اس کا گھر اسی صحرا میں تھا۔ جب امام حسین علیہ السلام کا کارواں یہاں پہنچا تو اس وقت وہب صحرا کی طرف گیا ہوا تھا۔ امام حسینؑ کی برکت سے اس کے خیمے کے نزدیک پانی کا چشمہ نکلا جس کا پانی بہت صاف اور میٹھا تھا۔

وہب جب صحرا سے واپس آیا اور اس چشمے کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ اُس نے اپنی ماں قمر سے پوچھا کہ یہ اس قدر پاک و صاف چشمہ کہاں سے آیا؟ ماں نے کہا کہ تھوڑی دیر پہلے ایک عظیم شخص اس خیمہ سے گزرا، احوال پرسی کی، تمہارا پوچھا تو میں نے تمہارا نام و نسب بتایا۔ انھوں نے فرمایا: جب وہ واپس آئے تو اسے ہمارے پاس بھیجنا۔ اس عظیم شخصیت کے پاس نیزہ تھا۔ اس نیزہ کو زمین پر مارا تو اس جگہ سے پانی کا چشمہ ظاہر ہوگیا جو تم دیکھ رہے ہو۔

وہب کے اندر اس شخصیت کو پانے کا وجدان پیدا ہوا۔ کہا: اماں! یہ خدا کا احسان ہے، ایسے شخص کی غلامی دونوں جہانوں کی شاہی ہے، اُٹھو ہم اپنے آپ کو ان کے پاس حاضر کریں اور ان کے ساتھ رہ کران کی خدمت کریں۔ پس اپنا خیمہ

اکھاڑا اور سامانِ سفر باندھ کر چل پڑے تاکہ امام حسینؑ کے کارواں سے ملحق ہو سکیں۔ جب وہب امامؑ کے پاس پہنچا تو حضرتؑ کے پاؤں پر گر پڑا اور صدقِ خلوص سے مسلمان ہو گیا۔ نیز حضرتؑ کے ہمرکاب ہو گیا حتیٰ کہ کربلا پہنچے، اس سرزمین میں جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے عزیز کی نصرت میں شہادت حاصل کی۔

منزلِ زبالہ کے واقعات

صاحبِ ارشاد فرماتے ہیں: جب امامؑ نے منزلِ ثعلبیہ سے روانگی کا حکم دیا تو جوانوں اور غلاموں سے فرمایا کہ یہاں سے زیادہ سے زیادہ پانی بھرلو۔ تمام کارواں نے اضافی پانی بھرلیا، خود بھی سیر ہو کر پیا۔ ظروف اور مشکوں کو پُر کیا اور روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے منزلِ زبالہ پر پہنچے، ابھی آرام نہیں کیا تھا کہ عبداللہ بن یقطر کی دردناک شہادت کی اطلاع امامؑ کو یوں دی گئی کہ جب عبداللہ گرفتار ہو گئے تو بڑی ذلت کے ساتھ ابن زیاد کے فوجیوں نے انہیں ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔ اس ملعون نے پہلے حکم دیا کہ اس کا مثلہ کیا جائے پھر گردن کاٹی جائے۔ اس دردناک خبر کا اثر تھا کہ اس منزل پر مجلسِ عزا اور سوگواری کی محفل برپا ہوئی اور جوانوں اور اصحاب نے دل کھول کر اس مظلوم پر گریہ کیا اور اسی منزل پر بروایتِ صاحبِ روضۃ الصفاء وہ کاغذ اور خط عمر بن سعد کی طرف سے امامؑ کو پہنچا (جس میں جنابِ مسلمؑ نے عمر بن سعد کو وصیت کی تھی) اور اس خط میں حضرت مسلمؑ بن عقیل، حضرت ہانیؓ بن عروہ اور عبداللہ یقطرؓ کی شہادتوں کے ہولناک جزئیات بھی لکھی تھیں۔

امام حسین علیہ السلام نے خط پڑھنے کے بعد اصحاب میں یہ خطبہ بیان فرمایا۔ ابی مخنف کا بیان ہے کہ پہلے حمد و ثنائے الٰہی بیان کی پھر رسولؐ اللہ کی تعریف کی اور پھر فرمایا:

یاایُّھَا النَّاس اَنَا جَمَعْتُکم عَلٰی اَنَّ العَرَاقَ لی وَقَد جَائنی بخبر فَظِیع مِن اَمرِ مُسلمِ بن عقیل وَھَانِی بن عُروۃ وَقَد خذلنَا وشیعتِنَا

”اے لوگو! میں نے اس خیال سے تمہیں جمع کیا کہ عراق میرا ہے لیکن ابھی حضرات مسلمؑ اور ہانیؓ کی شہادت کی وحشت ناک اور دردناک خبر آئی ہے، پس ہم اور ہمارے شیعہ کوفہ میں مخزول (رسوا) ہیں“۔

پھر فرمایا:

مَن کَانَ یَصبِرُ عَلٰی حَرِّ الاسِنَّۃِ وَحَدِّ السُیُوفِ وَالَّا فلینصرِف فَلَیسَ مِن اَمرِی شیئًا

”پس تم میں سے جو شخص تیر و تلوار کی حرارت اور تیزی کو برداشت کر سکتا ہے وہ ہمارے ساتھ چلتا

رہے اور جو یہ طاقت نہیں رکھتا جہاں جانا چاہے وہ چلا جائے۔ مجھے سوائے شہادت کے اور کچھ نہ ملے گا"۔

اس تقریر کے بعد وہ لوگ جو دنیاوی مقام اور منصب کے لالچ میں حضرتؑ کے ساتھ آرہے تھے، اپنی آرزوؤں کے پورا ہونے سے مایوس ہوگئے تو لذا جعلوا یتفرَّقُونَ یَمِینًا وَشِمَالًا فِی الاودیة، "کافی لوگ خیموں سے باہر نکلے اور دائیں بائیں وادیوں میں متفرق ہوگئے" باقی صرف مخلص لوگ بچ گئے جن کا ہدف صرف اور صرف واجب الاطاعت امامؑ کی نصرت تھی۔

پس اغیار کے چلے جانے اور اخیار کے باقی رہ جانے کے بعد جب اصحاب نے امام مظلومؑ کی غربت اور تنہائی دیکھی تو حضرت مسلمؑ بن عقیل کی شہادت کا بہانہ بنا کر زار وقطار رونے لگے اور اس قدر دل سوز گریہ کیا کہ ہر دوست و دشمن سن کر روتا رہا۔ پردہ داروں میں اس قدر گریہ ہوا کہ آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوگیا۔

حضرت امام حسینؑ کا کارواں قصر بن مقاتل پر اور عبیداللہ بن حر جعفی کی امامؑ سے ملاقات

صاحب روضۃ الشہداء لکھتے ہیں: حضرت منزلِ زبالہ سے سفر کر کے قصر بنی مقاتل پہنچے تو دیکھا کہ پردہ داروں کا خیمہ لگا ہے، اس زمین میں نیزہ گڑا ہوا ہے اور تلوار لٹکی ہوئی ہے اور گھوڑا ایک طرف باندھا ہوا ہے۔

امام حسینؑ نے پوچھا: یہ کس کا خیمہ ہے؟

جواب دیا گیا کہ عبیداللہ بن حر الجعفی جو کوفہ کے بزرگان اور مشہور زمانہ جنگجو اور زمانے کے شجاع اور قوت و شان و شوکت میں معروف ہیں، کا خیمہ ہے۔

امام علیہ السلام نے اسی کے قبیلہ کے حجاج بن مسروق کو اسے بلانے کے لیے بھیجا۔ حجاج نے سلام کے بعد امامؑ کا پیغام دیا۔

عبیداللہ نے کہا: اے حجاج! امام حسینؑ مجھے کس لیے بلاتے ہیں؟

اس نے کہا تاکہ اُن کے ہمراہ ہو جاؤ اور اگر دشمنوں سے دفاع میں کوشش کرو تو بہت بڑا ثواب ہے اور اگر اس جہاد میں تجھے شہادت نصیب ہوگئی تو یہ اور انعام الٰہی ہے۔

عبیداللہ نے کہا: میں اہلِ کوفہ سے اس نیت سے نکلا ہوں کہ خدا نہ کرے امامؑ اس شہر میں آجائیں اور قتل ہو جائیں اور میں ان کے قاتلوں میں شمار ہو جاؤں۔

اے حجاج! یہ جان لو کہ اہلِ کوفہ دنیا کے لالچ میں خاندانِ نبوتؑ کی محبت سے منحرف ہو گئے ہیں اور ابن زیاد کی بیعت کر چکے ہیں اور فانی چیزوں کو باقی رہنے والی نعمتوں کے برعکس چن لیا ہے۔ میں نہ کوفیوں سے لڑنے کی طاقت رکھتا ہوں اور نہ ان کی حمایت کی استطاعت ہے، میں تو خاموش ہوں۔

حجاج واپس امام علیہ السلام کے پاس آئے اور حال بتایا۔ اس وقت امام حسینؑ خود بنفس نفیس اُٹھے اور عبیداللہ بن حُر کے پاس چلے گئے۔ عبیداللہ نے تعظیم کی، حضرت کو اچھے مقام پر بٹھایا اور خود حضرتؑ کی خدمت میں کھڑا ہو گیا۔

امام حسینؑ نے فرمایا: تیرے شہر کے معروف لوگوں نے مجھے خطوط لکھے، قاصد بھیجے کہ ہم تمام تمہارے مددگار، اعوان اور انصار ہیں، ہماری طرف جلدی آؤ تا کہ ہم آپؑ کے قدموں پر جانیں قربان کر دیں۔ اب میں نے سنا ہے کہ اُنہوں نے راہِ ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت اور گمراہی کی راہ پر گامزن ہو گئے ہیں۔

آپ جانتے ہیں: اے عبیداللہ بن حُر! جو کچھ اچھا بُرا کرے گا اس کی جزا اور سزا ضرور ملے گی۔ آج میں تجھے اپنی نصرت کے لیے بلاتا ہوں، اگر قبول کرو گے تو قیامت کے دن ناناؐ کے پاس تمہارا شکریہ ادا کروں گا۔

عبیداللہ نے عرض کیا: میں جانتا ہوں کہ جو شخص بھی آپؑ کی اتباع کرے گا تو آخرت میں کافی عمدہ اور عالی مقام پر فائز ہو گا لیکن چونکہ کوفیوں نے آپؑ سے دشمنی کی ٹھان لی ہے اور سوائے آپؑ کے چند اصحاب نے کوفہ میں آپ کا ناصر اور مددگار کوئی نہیں۔ میرا غالب گمان یہ ہے کہ آپ شکست کھائیں گے کیونکہ یزیدی لشکر بہت زیادہ تعداد میں ہے۔

میں ایک شخص ہوں مجھ ایک کی نصرت سے کیا ہو گا، مجھے معاف کریں میں آپؑ کی مالی نصرت کر سکتا ہوں، وہ قبول کر لیں۔ خدا کی قسم! یہ وہ گھوڑا دے رہا ہوں کہ آج تک جس جانور کے پیچھے پڑا ہے اسے مغلوب کیا ہے اور جو شخص میرے پیچھے بھاگا اس گھوڑے کی تیز رفتاری کی وجہ سے میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ یہ میری تلوار صارم ہے، بہت کم لوگوں کے پاس ایسی تلوار ہو گی مجھے امید ہے کہ آپؑ میرے یہ تحفے قبول فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں گے۔

امام حسینؑ مایوس ہو کر اُٹھے اور فرمایا کہ میں تیرے گھوڑے اور تلوار کی لالچ میں تیرے پاس نہیں آیا بلکہ تجھ سے جانی نصرت اور تعاون کی توقع رکھتا تھا جو تو نے قبول نہیں کی۔ مجھے کسی ایسے شخص کے مال کی ضرورت نہیں جو جان دینے سے دریغ کرتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد جناب عبیداللہ بن حُر بھی اپنی تقصیر پر بہت شرمندہ ہوا اور افسوس کیا اور اس دکھ کو کئی شعروں میں بیان کیا جو ابوالمؤید موفق بن احمد مکی کی تاریخ میں مشہور ہیں۔

مؤلف کی گزارش ہے کہ ارشاد میں شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابا عبداللہ الحسین منزلِ زبالہ سے روانہ ہو کر وادیٔ

عقبہ پہنچے اور منزلِ زبالہ سے روانگی کے وقت امامؑ نے تمام اصحاب کو تاکید کی کہ جس قدر برتن اور مشکیں ہیں، پانی سے بھرلو۔ پھر وافر مقدار میں پانی لے کر وادیٔ عقبہ میں پہنچے تو وہاں قبیلہ بنی عکرمہ کا ایک بوڑھا شخص عمرو بن لوذان امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپؑ کہاں جارہے ہیں؟ فرمایا: کوفہ۔

عمرو نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کو خدا کی قسم! یہاں سے واپس چلے جائیں اور کوفہ میں نہ جائیں ورنہ نیزے اور تلواریں آپؑ کا استقبال کریں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ضعیف! جو تم بتا رہے ہو اور خبر دے رہے ہو مجھ پر کوئی بات مخفی نہیں لیکن امرِ الٰہی کی اطاعت واجب ہے۔ الٰہی تقدیرات واقع ہونے والی ہیں اور میں جانتا ہوں۔ پھر فرمایا: خدا کی قسم! یہ سفاک اور ستم کار جماعت مجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ میرے پُرخون دل کو اندر سے کھینچ لیں اور میری شہادت کے بعد حق تعالیٰ ان پر ایسا شخص مسلط کرے گا کہ جب ذلیل ترین جماعت ہوں گے۔

کامل الزیارات میں ابن قولویہ قمی کی روایت

صاحبِ کتاب کامل الزیارات میں ابن عبدربہ کی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں:

امام علیہ السلام نے فرمایا:

لَمَّا صَعَدَ الحُسین علی عقبة البطن قال لاصحابه: اِنِّی لَا اَرَانِی اِلَّا مَقتولًا، قَالُوا وَمَا ذَاك یَا اَبَاعبدالله قَالَ رُؤیَا رَایتُها فِی المَنَام قَالُوا وَمَا هِیَ؟ قَالَ رَایتُ کَلَابًا تَنهَشَنی اَشَدُّهَا عَلَیَّ کَلب اَبقَع

"جب امام حسینؑ وادی عقبہ کی بلندی پر پہنچے تو اپنے اصحاب سے فرمایا: میں تو اپنے آپ کو مقتول دیکھ رہا ہوں۔ صحابہ سے عرض کیا: وہ کیسے؟ فرمایا کہ میں نے خواب میں یہی دیکھا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: خواب کس طرح دیکھا ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ کچھ کتے کاٹ رہے ہیں اور ان سے موذی ترین کتا اُبلق اور مبروص ہے"۔

اسی روایت کو صاحبِ قمقام ذخار نقل کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں: منزلِ عقبہ کے بعد منزلِ شراف کو عبدمناف کے چشم و چراغ امام حسینؑ نے اپنے سعادت مند قوتوں سے مشرف فرمایا۔ اور ابن عبدربہ اپنی کتاب "العقد الفرید" میں رقمطراز ہیں کہ حضرت مسلمؑ بن عقیل کی شہادت کی اطلاع منزلِ شراف پر آئی تھی۔

امام حسینؑ کی حُر بن یزید ریاحی سے ملاقات

صاحبِ منتہی الآمال بیان کرتے ہیں: جب امام حسینؑ وادیٔ عقبہ سے روانہ ہوئے تو پھر منزلِ شراف پر وارد ہوئے، جب سحری کا وقت ہوا تو حکم فرمایا کہ پانی زیادہ سے زیادہ اُٹھالو۔ منزلِ شراف کی طرف جارہے تھے کہ ظہر کے نزدیک حضرتؑ کے ایک صحابی نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

حضرتؑ نے بھی تکبیر بلند کی اور پوچھا کہ کیا دیکھا ہے؟

صحابی نے عرض کیا: مجھے کھجوروں کے درخت نظر آرہے ہیں۔ کچھ صحابہ نے عرض کیا: خدا کی قسم! اس علاقہ میں کھجوروں کے درخت نہیں ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: غور سے دیکھو کیا دیکھتے ہو؟

صحابہ نے کہا: خدا کی قسم! ہمیں تو گھوڑوں کی گردنیں نظر آرہی ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ جب معلوم ہوگیا کہ لشکر آرہا ہے تو اپنی بائیں طرف واقع ذُوحَسم پہاڑ کی طرف امامؑ نے میلان فرمایا کیونکہ اگر جنگ کرنا پڑی تو ایک طرف پہاڑ کی پناہ ہوگی اور پہاڑ کی طرف پشت کر کے مقابلہ کرنا آسان ہوجائے گا۔ پس پہاڑ کے دامن میں خیمے لگا دیئے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حُر بن ریاحی ایک ہزار کا لشکر لے کر قریب پہنچ گیا۔ اس شدید گرمی میں فرزندِ رسولؐ نے اس کے لشکر کے سامنے اپنے جوانوں کی قطار کھڑی کردی اور تمام صحابہ تلوار لے کر صف بستہ ہوگئے لیکن جب منبع جود و کرم امام حسینؑ نے لشکرِ حُر کے سپاہیوں کی تشنگی اور پیاس دیکھی تو اپنے تمام جوانوں اور صحابہ کو حکم دیا کہ ان تمام لشکریوں کو پانی پلایا جائے، ان کو پانی پلایا گیا، پھر ان کے گھوڑوں کو پانی پلایا گیا۔

جانوروں کی عادت ہے کہ پانی پیتے وقت تین چار مرتبہ سر کو اٹھاتے ہیں اور سر نیچے کر کے پانی پیتے ہیں، اس عادت کو سامنے رکھتے ہوئے جانوروں کو پانی سیر ہو کر پلایا گیا۔

حُر کے لشکر کا ایک شخص علی بن طعان محاربی کہتا ہے: میں حُر کے لشکر کا آخری سپاہی تھا جو سب سے آخر میں اس مقام پر پہنچا۔ پیاس کا اس قدر غلبہ تھا کہ جب امام حسینؑ نے میری اور میرے گھوڑے کی پیاس کی وجہ سے زبوں حالت دیکھی تو فرمایا: اَنِخِ الرَّاوِیَۃ، میں امامؑ کے مطلب کو نہ سمجھ سکا، اس لیے پھر فرمایا: یابن الاخ اَنِخِ الْجَمَل "اے میرے عزیز! اُونٹ کو بٹھا دو تا کہ پانی پلایا جائے"۔ اور مجھے فرمایا کہ تم بھی پانی پیو۔ جب میں نے پانی پینا چاہا تو پانی مشک کے منہ سے زمین پر گرنے لگا۔

آپؑ نے فرمایا: مشک کا منہ اپنے منہ میں رکھو (پیاس کا اس قدر غلبہ تھا کہ مشک سے پانی پینا بھی مشکل ہوگیا تھا) میں

پیاس کی شدت کی وجہ سے کچھ بھی نہ سمجھا تو خود امامؑ بنفسِ نفیس اُٹھے اور مشک کا منہ میرے منہ میں ڈال کر مجھے سیراب کیا۔

اسی دوران میں حُر امام حسینؑ سے مذاکرات کرتا رہا۔ جب نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو امامؑ نے حجاج بن مسروق سے فرمایا کہ اذان کہو۔ امامؑ کمر بند، نعلین اور عبا اوڑھے دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہوگئے اور ایک خطبہ بیان کیا، جس میں پہلے باری تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا: اے لوگو! میں خود بخود تمہاری طرف نہیں آیا بلکہ تمہارے پے در پے خطوط اور وفود کی دعوت پر آیا ہوں۔ تم نے خطوط میں لکھا کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آئیں ہماری امامت کرائیں شاید کہ خدا ہمیں آپؑ کے صدقے حق اور ہدایت پر جمع کردے۔ پس میں سامانِ سفر باندھ کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اگر تم اپنے وعدے پر قائم رہو تو اپنے عہد کو پورا کرو اور مجھے مطمئن کرو۔ اور اگر تم وعدوں سے منحرف ہوگئے ہو اور میرے آنے کو ناپسند کرتے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔

لشکرِ حُر کے بے وفا کوفیوں نے خاموشی اختیار کی اور جواب نہ دیا۔ پس حضرتؑ نے مؤذن سے فرمایا کہ اقامتِ نماز کہے، اور حُر سے کہا کہ تم بھی اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھ لو۔ حُر نے کہا کہ میں بھی آپؑ کی اقتدا میں نماز پڑھوں گا۔ پس حضرتؑ نے دونوں لشکروں کو نماز پڑھائی، نماز کے بعد ہر لشکر والا اپنے اپنے لشکر میں چلا گیا۔

ہوا میں گرمی تھی، لشکر والے سپاہیوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کی لگامیں پکڑیں اور ان کے سائے میں بیٹھے رہے۔ جب عصر کا وقت ہوا تو حضرتؑ نے حکم دیا کہ روانگی کے لیے تیاری کریں اور منادی نے نمازِ عصر کی ندا کی۔ نماز ظہر کی طرح عصر بھی امام حسینؑ کی اقتداء میں دونوں لشکروں نے پڑھی۔ نماز کے بعد سلام کے بعد امامؑ نے لشکرِ حر کو یوں خطبہ دیا:

اے لوگو! تمہارے اندر خوفِ خدا ہے اور اہلِ حق کے حق کو پہچانتے ہو تو خدا تم سے زیادہ راضی اور خوشنود ہوگا۔ اور ہم پیغمبرؐ کے اہلِ بیتؑ ہیں اور ہم اس ناحق گروہ (بنی اُمیہ) سے زیادہ حکومت کرنے کے اہل ہیں۔ یہ لوگ تمہارے درمیان ظلم و جور سے برتاؤ کرتے ہیں۔ اگر گمراہی اور جہالت تمہارے اندر راسخ ہوچکی ہے اور تمہارا نظریہ جو خطوط میں لکھا تھا تبدیل ہوچکا ہے تو کوئی حرج نہیں، میں واپس چلا جاتا ہوں۔

حُر نے جواباً عرض کیا: خدا کی قسم! مجھے ان خطوط اور وفود جنہوں نے آپؑ کو دعوت دی، کی کوئی خبر نہیں ہے۔

حضرتؑ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ وہ تھیلا یا خورجین لاؤ جس میں خطوط ہیں۔ وہ تھیلا لایا اور خطوط کو زمین پر ڈال دیا۔

حُر نے کہا: میں ان میں سے نہیں ہوں جنہوں نے آپؑ کو خط لکھے اور اب تو مجھے مامور کیا گیا ہے کہ آپؑ سے جدا نہ ہوں تا کہ آپ کو کوفہ میں ابن زیاد کے پاس لے جاؤ۔

حضرتؑ کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے اور فرمایا کہ تمہاری موت تمہاری اس فکر سے زیادہ نزدیک ہے۔ پھر

اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ سوار ہو جائیں اور سامانِ سفر باندھ کر چلیں۔ پس عورتوں کو سوار کیا گیا اور سامانِ سفر باندھ کر روانہ ہونے لگے تو امامؑ نے فرمایا: ہم واپس جاتے ہیں۔ جب امامؑ کا لشکر واپس جانے لگا تو حُر اور اس کے لشکر نے واپسی کا راستہ روک لیا اور واپسی کے راستے کو بند کر دیا۔

حضرتؑ نے حُر سے فرمایا: ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ مَا تُرِيد ''تیری ماں تیرے غم میں روئے تو اب ہم سے کیا چاہتا ہے؟''

حُر نے کہا: اگر آپؑ کے علاوہ کوئی شخص میری ماں کا نام لیتا تو میں بھی اس کی ماں کا ضرور تذکرہ کرتا، لیکن آپؑ کی ماں کے بارے سوائے تعظیم و تکریم کے کوئی لفظ زبان پر نہیں لا سکتا۔

حضرتؑ نے فرمایا: اب تم چاہتے کیا ہو ہم تو واپس جاتے ہیں؟

حُر نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ آپؑ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جاؤں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں تیری موافقت نہیں کرتا۔

حُر نے کہا: میں بھی آپؑ کو کسی صورت چھوڑنے کو تیار نہیں۔

اس موضوع پر کافی گفتگو ہوتی رہی، بالآخر حُر نے کہا کہ میں آپؑ سے جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوں بلکہ مامور ہوں کہ آپؑ کو اکیلا نہ چھوڑوں اور آپؑ کے ساتھ رہوں اور آپؑ کو کوفہ لے جاؤ۔ اب آپؑ کوفہ جانے سے انکار کرتے ہیں تو پھر ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کو جائے اور نہ ہی مدینہ کو واپس جائے تا کہ میں ابن زیاد کو خط لکھ کر صورتِ حال سے آگاہ کر سکوں۔ ممکن ہے کہ کوئی اچھی صورت نکل آئے تا کہ میں آپ جیسی بزرگوار ہستی سے جنگ کرنے سے بچ جاؤں۔

امام حسینؑ قادسیہ اور عذیب کے راستے سے مڑ کر ذرا بائیں طرف میلان کر کے روانہ ہو گئے اور حُر بھی لشکر سمیت آپؑ کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ راستہ میں کوفہ سے آنے والے چار شخص آئے جو امامؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے؟ یہ لوگ نافع بن ھلال، طرماح بن عدی اور مجمع بن عبداللہ تھے اور ایک مزید شخص تھا۔

حُر نے کہا کہ یہ اہلِ کوفہ ہیں ان کو میں اپنی قید میں لاتا ہوں یا کوفہ بھیج دیتا ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: یہ میرے انصار ہیں، یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو مدینہ سے میرے ساتھ آرہے ہیں۔ میں ان کی اسی طرح حمایت کروں گا جس طرح اپنی جان کی حفاظت کروں گا۔ پس اگر منزل شراف والی قرارداد پر قائم ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ہم تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ پس حُر ان چار شخصوں کے معترض ہونے سے باز آ گیا۔

حضرت امام حسینؑ نے ان تازہ آنے والے جوانوں سے کوفہ کے حالات پوچھے تو مجمع میں عبداللہ نے عرض کیا: کوفہ کے اشراف کو بہت بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اور وہ انھوں نے خوش ہو کر لی ہیں اور اپنی تجوریاں بھر لی ہیں، پس یہ سب

آپؑ پر ظلم کرنے پر متفق ہو گئے ہیں لیکن باقی عام لوگوں کے دلوں میں آپؑ کی محبت تو ہے لیکن تلواریں بنی اُمیہ کی حامی ہیں۔

حضرت امامؑ نے پوچھا کہ میرے قاصد قیس بن مسہر کے بارے کوئی خبر معلوم ہے؟

انھوں نے کہا کہ حصین بن نمیر نے انہیں گرفتار کیا اور ابن زیاد کے پاس بھیجا۔ ابن زیاد نے انہیں حکم دیا کہ مجمع عام میں منبر پر آپؑ اور آپؑ کے باپ پر تبرا کریں اور بنی اُمیہ پر درود و سلام بھیجیں لیکن جب وہ منبر پر گئے تو آپؑ اور آپؑ کے خاندان پر درود و سلام پڑھا اور بنی اُمیہ پر لعنت کی اور تبرا بھیجا۔ پھر لوگوں کو آپؑ کی نصرت کی طرف بلایا اور لوگوں کو آپؑ کے کوفہ آنے کی خوشخبری دی۔ اسی وجہ سے ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے دارالامارہ کی چھت سے گرایا جائے تا کہ ختم ہو جائے۔

امامؑ یہ حال سن کر بہت روئے اور آپؑ کے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر بہتے آنسوؤں سے امامؑ نے یہ آیت قرآنی پڑھی:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم! فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

''مومنین سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ نبھا دیا اور کچھ انتظار میں ہیں لیکن تبدیل نہیں ہو سکتے''۔

اللھم اجعل لنا ولھم الجنۃ نُزُلًا وَاجمَع بَينَنَا وَبَينَهُم فِي مُستَقَرِ رَحمَتِكَ وَغائب مذخور ثوابك

حُر اور امام حسینؑ کی ملاقات کے بارے میں مختلف نظریات

امام حسینؑ اور حُر کی ملاقات کے بارے مختلف آراء ہیں۔ اہلِ تاریخ نے گوناگوں اقوال نقل کیے ہیں لیکن اہلِ فن کے درمیان مشہور یہی ہے جو اہلِ منبر حضرات حُر کے رویے کو نقل کرتے ہیں، البتہ دیگر نظریات بھی ہیں جن کو اہلِ تاریخ نے ذکر کیا ہے، چند ایک نظریات ملاحظہ ہوں:

1 بعض نے کہا ہے کہ جب امام حسینؑ نے منزلِ رھیمیہ پر نزولِ اجلال کیا اور خیمہ لگایا تو ابن زیاد کے مخفی گماشتوں نے اُسے اطلاع دی کہ اس وقت امام حسینؑ کوفہ کے نزدیک منزل رھیمیہ میں خیمہ زن ہیں۔ ابن زیاد مکہ سے کوفہ کی طرف امامؑ کی آمد سے آگاہ تھا لیکن رھیمیہ میں پہنچ جانے کو نہ جانتا تھا اس لیے تو اس نے پہلے حصین بن نمیر کو ایک لشکر دے کر مدینہ سے آنے والے راستوں پر حفاظت کے لیے بھیج دیا تا کہ اس سارے راستے کی حفاظت ہو۔ قادسیہ سے خفان تک اور قطقطانیہ

سے قادسیہ تک لشکر کو پھیلا دیا تھا اور یہ گماشتے اس قدر سخت حفاظت کرتے رہے کہ کسی شخص کی کوفہ میں داخل ہونے کی مجال تک نہ تھی۔ بہر حال جب ابن زیاد کو امام حسینؑ کے منزل رھیمیہ پر پہنچ جانے کی اطلاع ملی تو وہ بہت غضب ناک ہوا اور حُر بن یزید کی کمان میں ایک ہزار کا جرار لشکر دے کر امامؑ کے راستہ پر بھیجا اور اس کو تاکید کی کہ حضرتؑ سے جدا نہ ہونا اور ان کو کوفہ لے آنا ہے اور ان کو کسی اور طرف نہ جانے دینا۔

حُر یہ لشکر لے کر حضرت امام حسینؑ کی تلاش میں صحرا میں نکلا۔ ادھر امامؑ نے کوفہ کی طرف سفر شروع کیا ہوا تھا۔ راستہ میں بنی عکرمہ کے شخص سے امامؑ نے کوفہ کے حالات پوچھے تو اس نے بتایا کہ ابن زیاد نے آپؑ کی تلاش میں کئی لشکر صحراؤں میں پھیلا دیے ہیں اور آپؑ خود تیر و شمشیر کی طرف جا رہے ہیں۔ اپنی جان اور ان خوبصورت نوجوانوں کے حال پر رحم کرو۔ بہتر یہ ہے کہ حرمِ خدا اور حرمِ رسولؐ کو لے کر لوٹ جائیں کیونکہ آپؑ قطعی طور پر جان لیں کہ کوفیوں کے اقوال قابلِ اعتماد نہیں۔ ان لوگوں نے پہلے آپؑ کے چچازاد مسلمؑ کی بیعت کی، پھر انہیں شہید کر دیا اور اب لشکرِ شام آپؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلا ہوا ہے۔

حضرت نے فرمایا: خدا آپ کو جزائے خیر دے، تم نے نصیحت کر دی۔ اس نے پھر بھی واپس لوٹ جانے پر اصرار کیا۔ تب امامؑ نے فرمایا: اے شیخ! میرے دکھوں کو نہ چھیڑ، میں جہاں بھی جاؤں تیر و شمشیر استقبال کریں گے تو ظاہر کو دیکھ رہا ہے اور میں باطن کی خبر رکھتا ہوں۔ پس تو اس قدر جان لے کہ یہ قوم اس وقت تک مجھے نہیں چھوڑے گی جب تک کہ میرا پُرخون دل میرے پہلو کو چیر کر نہ نکال لیں۔

شیخ صدوق لکھتے ہیں: حُر کہتا ہے کہ جب میں قصر دارالامارہ سے باہر نکلا تو مجھے پیچھے سے آواز سنائی دیتی تھی: یاحُر اِبشر بِالخَیر، اے حُر! تجھے بشارت ہو، نیکی اور اچھائی کی۔ یہ آواز تین مرتبہ آئی: دائیں بائیں دیکھا کسی کو نہ دیکھا تو اپنے آپ سے کہا: میں فرزندِ رسولؐ کو قتل کرنے جا رہا ہوں اور بہشت کی بشارت یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

صاحبِ کتاب ہذا کا بیان ہے کہ حُر بن یزید ریاحی کو عبیداللہ ابن زیاد نے امامؑ کے راستے پر بھیجا تھا۔

[۲] دوسری رائے یہ ہے کہ جب امام حسینؑ کا کارواں قادسیہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا کہ عمر بن سعد ملعون نے حُر بن یزید ریاحی کو جو مشہور شجاع تھا اور باطناً شیعہ علیؑ و محبِ خاندانِ اہلِ بیتؑ تھا لیکن اپنی اس محبت کو مخفی رکھتا تھا۔ امام حسینؑ کے راستے پر بھیجا۔ حُر نے لشکر کا ضروری سامان حاصل کر کے قادسیہ سے حرکت کی اور امامؑ کی طرف روانہ ہوا۔ جب امامؑ کی خدمت میں پہنچا تو عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں کوفہ جا رہا ہوں۔

حُر نے عرض کیا: اے رسولؐ خدا کی آنکھوں کی ٹھنڈک! بہتری اور مصلحت اسی میں ہے کہ آپ یہاں ہی سے واپس چلے جائیں جہاں سے آئے ہیں کیونکہ عمر بن سعد ابن زیاد کی طرف سے چار ہزار سوار کا لشکر آ رہا ہے جو آپؑ کو گرفتار کر لے گا اور جو انجامِ مسلمؑ بن عقیل کا ہوا ہے وہی آپؑ کا ہوگا۔

حضرتؑ نے فرمایا: میری اس قدر جمعیت اور سامان کے ساتھ کس طرح واپس پلٹا جا سکتا ہے۔

حُر نے عرض کیا: قربان جاؤں یہاں ایک درمیانی راستہ جس قدر کوفہ کے قریب آ گئے ہیں، مصلحت یہی ہے اُسی مسافت کے برابر اس درمیانی راستہ سے واپس جائیں ورنہ میں مامور ہوں کہ آپؑ کو گرفتار کروں اور عمر بن سعد کے حوالے کروں اور وہ آپؑ کو ابن زیاد کے حوالے کر دے۔ (میرے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور اندھا ہو جاؤں) میں قربان جاؤں آپؑ اپنی جان اور اپنے نوجوانوں کی جانوں پر رحم کرتے ہوئے واپس چلے جائیں۔ اگر واپس جانا ہے تو راستوں کو چھوڑ کر بے راہ سفر کریں ورنہ کوئی لشکر آپؑ کو آ لے گا اور حالات بہت خراب ہو جائیں گے۔

حضرتؑ نے قبول کیا کہ راستوں سے ہٹ کر بیابانوں میں سفر کرتا ہوں اور امامؑ نے اپنے کارواں کو صحرا میں بے راہ سفر پر گامزن کر دیا۔

طبری امالی نے اپنی کتاب میں یہ تحریر کیا ہے کہ اس کے بعد حُر حضرت امام حسینؑ سے جدا ہو گیا اور اپنی دیگر مصروفیات میں مگن ہو گیا۔

[۳] تیسرا نظریہ وہ ہے جو بعض لوگوں نے سید مرتضیٰ سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے اپنی کتاب تنزیہ الانبیاء میں فرمایا کہ حُر ریاحی نے ابن زیاد کے تابع ہو کر شمعِ ہدایت کے راستے کو روکا اور وہ مامور تھا کہ حضرتؑ کو نہ مدینہ واپس جانے دے اور نہ کوفہ آنے دے اور اگر امام حسینؑ نے ضرور کوفہ میں آنا ہو تو یزید کی بیعت کر کے داخل ہو سکتے ہیں۔

امامؑ نے جب دیکھا کہ مدینہ واپس لوٹنا ممکن نہیں اور کوفہ میں یہ جانے نہیں دیتے تو مجبوراً شام کی راہ لی تاکہ یزید کے پاس جائیں کیونکہ امامؑ جانتے تھے کہ یزید، شقاوت اور دعوائے حکومت کے باوجود مجھ پر ابن زیاد سے زیادہ مہربان ہوگا، اور اسی نظر سے شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ شام کی راہ میں جاتے ہوئے عمر بن سعد ملعون سے ملاقات ہو گئی اور اس نے امامؑ پر سختی کی اور وہاں تک پہنچایا جو جگہ آج تاریخ میں (کربلا) مذکور ہے۔

صاحبِ کتاب ہذا کی رائے یہ ہے کہ ان تینوں آرا کا کوئی قابلِ اعتماد مدرک نہیں اور دیگر شواہد سے بھی مناسب نہیں لگتے، ہم نے یہ نظریے صرف معلومات کے لیے نقل کیے ہیں۔ ہم ان کی تصدیق نہیں کرتے۔ (نظریہ وہ صحیح ہے جو مشہور اور متداول ہے۔ مترجم)

منزل قطقطانیہ پر پہنچ کرامامؑ کا صحابہ سے بیعت اُٹھالینا

روضۃ الشہداء میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام منزلِ ثعلبیہ سے کوچ کر کے جب منزل قطقطانیہ پر پہنچے تو اپنے اصحاب سے فرمایا: میں نے تم سے بیعت کا قلادہ اٹھالیا ہے، تم جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ کیونکہ کوفیوں نے ہم سے بے وفائی کی ہے اور مسلمؑ بن عقیل کو شہید کر دیا ہے، پس میں راضی ہوں، جو جانا چاہے جاسکتا ہے۔

کچھ لوگ جو وفا کی راہ میں ثابت قدم نہ تھے تو اُنہوں نے حضرتؑ کا ساتھ چھوڑ دیا اور امام علیہ السلام اپنے بیٹوں، بھائیوں، قریبی رشتہ داروں اور چند مخلص ساتھیوں کے ساتھ باقی رہ گئے۔

امام علیہ السلام نے پھر فرمایا: اے میرے مخلص ساتھیو! میں تمہارے لیے کوئی مجبوری نہیں ہوں، تمہیں بھی اجازت ہے جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔ اب موقع ہے کہ جہاں جانا چاہو جاسکتے ہو ورنہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ چھوڑ کر جانے کی مجال نہ ہوگی۔

جب ان لوگوں نے یہ جملے سنے تو ان حق کے وفاداروں، اہلِ بیتؑ کے خدمت گزاروں نے اپنی خلوص اور وفا کی زبانوں کو حرکت دے کر عرض کیا: ہماری ایک جان نہیں ہزار جانیں بھی ہوں تو آپؑ کے قدموں کی خاک پر قربان ہو جائیں۔ آج جو شخص آپؑ کو چھوڑ کر جائے گا کل بروزِ قیامت خدا اور رسول کو کیا جواب دے گا؟ اور آپؑ کے پاس کیسے آئے گا؟

اے فرزندِ رسولؐ! ہم کس کے اعتماد پر آپؑ کی ولایت کا دامن چھوڑیں اور آپؑ کی خدمت اور مملوکیت میں جو ہمیشہ کی بادشاہی ہے، وہ اور کہاں سے ملے گی بلکہ ہم تو اس ملک کے باشندے ہیں جس کے سلطان آپؑ ہیں اور ہماری جانیں آپؑ کی ہیں ہماری نہیں۔

اے فرزندِ رسولؐ! ہم نے حقیقتاً آپؑ کو پہچان لیا ہے اور ہر میدانِ خلوص میں آپؑ کی حمایت کا علم لہرائیں گے کیونکہ حق شناسی آپؑ کی اتباع میں پنہاں ہے۔ ہم نے بے وفائی اور وعدہ شکنی کی عادت کو (جو کسی آئینِ مروت میں جائز نہیں) اپنے آپ سے دُور بھگا دیا ہے۔ اگر آپؑ ہمیں چھوڑ دیں، اور ہماری ملازمت کو ٹھکرا دیں تو بھی ہم آپؑ سے جدا نہ ہوں گے۔ اگر آپؑ دروازے سے دُور کر دیں گے تو ہم دیوار سے آجائیں گے۔ آپؑ کا وجود حق تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے، جب اللہ نے یہ نعمت دی ہے تو نعمتِ الٰہی کی شکر گزاری یہی ہے کہ جب تک زندہ ہیں، اس نعمتِ الٰہی کو اپنے ہاتھوں سے جانے نہ دیں اور اپنے سر ارادت اور عقیدت میں جھکائے رکھیں۔

مخلص صحابہ ان جملات سے امام حسین علیہ السلام کو اپنی وفا کا یقین دلا رہے تھے اور زار و قطار رو بھی رہے تھے اور امامؑ کے چہرے سے آنسو موسلا دھار بارش کی طرح بہہ رہے تھے۔

حُر کی سختی اور کاروانِ حسینؑ کا تعاقب

تاریخ اعثم کوفی کے ترجمے میں بیان ہے کہ جب حُر کے لشکر سے امام حسینؑ کی ملاقات ہوئی تو امامؑ نے حُر سے پوچھا کہ ہماری مدد و نصرت کے لیے آئے ہو یا ہم سے جنگ کرنے آئے ہو؟

حُر نے کہا کہ مجھے عبیداللہ ابن زیاد نے آپؑ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

حضرتؑ نے جب جنگ کا سنا تو بے ساختہ کہا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جب نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو حضرتؑ نے حجاج بن مسروق سے اذان کا فرمایا، اذان ہوئی اور امام حسینؑ نے حُر سے فرمایا کہ تم اپنے اصحاب کو نماز پڑھاؤ اور میں اپنے اصحاب کو یا تم بھی میری اقتداء میں نماز پڑھو گے؟

حُر نے کہا: ہم آپؑ ہی کی اقتداء کریں گے۔

حجاج نے اقامت کہی اور امام حسینؑ نے دونوں لشکروں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اٹھے اور تلوار کو زمین پر ٹیک کر اُسے تکیہ بنایا اور ایک خطبہ دیا۔ پہلے حمدِ خدا اور تعریفِ مصطفیٰؐ کی، پھر فرمایا:

"اے لوگو! میں تم سے معذرت کرنے کے لیے کھڑا نہیں ہوا ہوں اور میں اس شہر کی طرف آیا ہوں تو اس لیے کہ تمہارے خطوط آئے تھے جن میں استدعا تھی کہ آپؑ جلدی آئیں اور ہمیں ہدایت کریں اور میرے پاس کوفہ کے معروف لوگ فلاں فلاں وفود کی صورت میں آتے رہے اور یہی کہتے تھے کہ ہمارا امام نہیں، جلدی کوفہ آئیں۔ جب آپؑ آئیں گے تو خدا ہماری پریشانیاں ختم کر دے گا۔ اگر تم اسی قول اور وعدے پر قائم ہو تو میں اس پر آیا ہوں۔ اگر تم اعتماد دلاؤ تو میں تمہارے شہر میں آتا ہوں اور اگر اپنے قول اور عہد سے منحرف ہو گئے ہو اور آنے کو ناپسند کرتے ہو تو میں کوفہ نہیں آتا اور واپس مکہ چلا جاتا ہوں"۔

کوفیوں کی اکثریت نے سر نیچے کر لیے اور خاموش ہو گئے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

حُر نے کہا: مجھے خیمہ میں لے جاؤ، خیمہ میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ امام حسینؑ سامنے کھڑے تھے۔ دوسرے لوگ بھی کھڑے تھے۔ ہر شخص نے گھوڑے کی لگام پکڑی ہوئی تھی۔ اسی حالت میں ایک شخص کوفہ سے عبیداللہ ابن زیاد کا خط حُر کے نام لایا جس کا مضمون یہ تھا:

جب میرا یہ خط پڑھ لے تو حسینؑ ابن علیؑ اور ان کے اصحاب کی یوں حفاظت کرنا کہ ان سے دور نہ ہونا اور انہیں میرے پاس لے آنا ہے۔ خط کے قاصد کو میں نے حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہے گا اور جب تک تم میرے فرمان پر عمل نہ کرو گے وہ تم سے جدا نہیں ہوگا۔

جب یہ خط حُر کو ملا تو اپنے اصحاب کو بلایا کہ یہ عبیداللہ ابن زیاد ملعون کا خط آیا ہے جس میں مجھے لکھا ہے کہ حسینؑ بن علی کو گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ۔ میں نے اسی معاملہ میں بہت سوچا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں کوئی ایسی بات یا کام نہیں کرتا جس سے حسینؑ ناراض ہو جائیں۔ میں اس مسئلہ میں پریشان ہوں۔

حُر کے اصحاب میں سے ایک شخص ابوالشعثاء نے عبیداللہ بن زیاد کے قاصد سے کہا کہ تیری ماں تیرے غم میں روئے کیا کام لائے ہو؟

اس نے جواب دیا: میں نے تو اپنے امامؑ کی اطاعت کی ہے اور اس کی بیعت کی وفا کی ہے اور اپنے امیر کا خط حُر کے نام لایا ہوں۔

ابوالشعثاء نے کہا: خدا کی قسم! اگر تو نے اس امام (عبیداللہ بن زیاد) کی اطاعت کی ہے تو خدا کی نافرمانی کی ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے اور اپنی دنیا و آخرت میں فساد بھر دیا ہے اور دوزخ کی آگ اپنے اُوپر ڈال لی ہے۔ تیرے اس امام کی حیثیت اللہ نے قرآن میں یہ بیان کی ہے:

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ (سورۂ قصص، آیہ ۴۱)

"وہ بھی امام ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا"۔

ان کی یہ باتیں جاری تھیں کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا۔ امامؑ نے اپنے لشکر کو نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد پھر کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! ہم تمہارے پیغمبر محمد رسولؐ اللہ کی اہلِ بیتؑ ہیں۔ یہ گروہ (بنی اُمیہ) جو تمہارے شہر میں امارت اور ولایت کر رہا ہے ہم اس سے کئی درجے بہتر ہیں۔

اگر تمہارے اندر خوفِ خدا ہو اور ہمارے حق کو پہچانو تو خدا تم سے راضی ہوگا اور اگر ہمارے کوفہ میں آنے کو ناپسند کرتے ہو (یعنی خطوط اور وفود کے ذریعے آنے کا وعدہ سے وفا نہیں کرتے) تو کوئی حرج نہیں تمہیں میں اور کوئی تکلیف نہیں دیتا صرف اتنا کہو اور واضح کہہ دو تو میں ابھی واپس مکہ چلا جاتا ہوں۔

حُر آگے آیا اور کہا: آپؑ نے دو مرتبہ خطوط اور وفود کا ذکر زبانِ مبارک سے کیا ہے تو عرض یہ ہے کہ مجھے اس کا کوئی علم نہیں کہ کس قوم نے خطوط لکھے اور کس قبیلہ کے وفود آتے رہے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے غلام عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ وہ خطوط کا تھیلا لاؤ۔ وہ خطوط کا بھرا تھیلا لایا اور زمین پر پلٹ دیا۔ لشکرِ حُر کے معروف لوگ آئے، خطوط کے عنوان دیکھے اور حُر نے بھی دیکھے، اس کے بعد حُر نے کہا: ہم اس قوم سے نہیں ہیں جنہوں نے خط لکھے ہیں اور عبیداللہ بن زیاد نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم آپؑ کو اس کے سامنے پیش کریں۔

امام حسینؑ مسکرائے اور فرمایا کہ تمہیں ابھی تک مطلب ہی سمجھ نہیں آیا اور پھر فرمایا کہ اپنا کارواں تیار کرو ہم چلتے ہیں یہ کون ہیں ہمارا راستہ روکنے والے۔

جب عورتوں اور بچوں کو پالانوں میں بٹھا دیا گیا اور باقی گھوڑوں پر سوار ہو کر چلنے لگے تو حُر کے لشکر نے امام حسینؑ کا راستہ روکا۔ امام حسینؑ نے تلوار لہراتے ہوئے فرمایا: اے حُر ابن یزید! اس کارواں کو کیوں روکا ہے، جانے کیوں نہیں دیتا، تیری ماں تیرے غم میں روتی رہے۔

حُر نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! اگر کسی اور نے میری ماں کا نام لیا ہوتا تو اسے تلوار سے جواب دیتا لیکن آپؑ کی ماں اور آپؑ کے باپ کی عظمت کے سامنے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ اب میں آپؑ کو ضرور ابن زیاد کے پاس لے کر جاؤں گا۔

امام حسینؑ نے فرمایا: میں تمہاری بات کو نہ سوچتا ہوں اور نہ تمہارے ساتھ آتا ہوں پھر تم کیا کرو گے؟

حُر نے کہا: اگر اس کام میں میری اور میرے اصحاب کی جان جاتی ہے تو آسان ہے لیکن آپؑ کو ابن زیاد کے پاس ضرور لے کر جاؤں گا۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے حُر! اپنے لشکر سے اکیلا باہر آ جا اور میں بھی اپنے لشکر سے باہر آتا ہوں اور ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہیں۔ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر میں نے تمہیں قتل کر دیا تو لوگوں کو تمہاری سرداری سے رہائی حاصل ہو جائے گی۔

حُر نے کہا کہ عبیداللہ ابن زیاد نے مجھے آپؑ کے ساتھ جنگ کرنے نہیں بھیجا بلکہ کہا ہے کہ آپؑ سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ آپؑ کو عبیداللہ بن زیاد کے سامنے پیش کر دوں۔ خدا کی قسم! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ ایسی سخت بات کہوں یا ایسا کام کروں جس سے آپؑ ناراض ہو جائیں، لیکن کیا کروں مامور ہوں اور مامور معذور ہوتا ہے۔

کیا کروں اس جماعت (بنی اُمیہ) کی بیعت کر چکا ہوں اور ان کے حکم سے آپؑ کے سامنے آ گیا ہوں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ بروزِ محشر تمام انسانوں اور جنوں کو آپؑ کے جدامجدؐ کی شفاعت کی احتیاج ہوگی۔ اگر نعوذ باللہ ایسی حرکت کروں جو آپؑ کے رنجیدہ ہونے کا باعث بنے تو دنیا اور آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گا۔ اگر آپؑ کو عبیداللہ کے پاس لے جاؤں تو پھر کبھی کوفہ میں نہ رہوں گا۔ دنیا وسیع ہے کسی اور مقام پر سکونت اختیار کر لوں گا اور یہ اس سے بہتر ہے کہ بروزِ قیامت آپ کے جدامجد کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں۔

آپؑ معروف راستے کے علاوہ کسی غیر معروف راستے سے صحراؤں میں سفر جاری رکھیں۔ میں ابن زیاد کو لکھوں گا کہ حسینؑ کسی اور راستے سے چلے گئے ہیں میری ان سے ملاقات نہیں ہو سکی تا کہ مجھے آپؑ کے جدامجد کی شفاعت کی امید باقی

رہے۔ میں آپؑ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپؑ اپنے اُوپر رحم کریں اور کوفہ نہ جائیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اے حُر! کیا تم جانتے ہو کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے اس لیے بار بار کوفہ جانے سے روکتا ہے؟

حُر نے کہا: ہاں، اے فرزندِ رسولؐ! اس میں کوئی شک نہیں اور اس میں بھی ذرا بھر شبہ نہیں کہ مکہ جانے میں آپؑ کے لیے سعادت ہوگی۔

امام حسینؑ نے اپنے کارواں سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے کہ جو اس معروف شاہراہ (جو کوفہ کو جاتی ہے) کے علاوہ کوئی راستہ جانتا ہو؟

طرماح بن عدی نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! میں دوسرا راستہ جانتا ہوں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تم آگے آگے چلے اور ہماری رہبری کرو تا کہ ہم تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہیں۔

طرماح آگے آگے روانہ ہوا، امام حسینؑ اور اہلِ بیتؑ و اصحاب اس کے پیچھے چلتے رہے۔ دوسرے دن طرماح نے کارواں کو منزلِ عذیب پر پہنچا دیا۔ وہاں کارواں نے پڑاؤ ڈالا تو اچانک دیکھا کہ حُر اپنے لشکر کے ساتھ اس منزل پر آن پہنچا ہے۔

امام حسینؑ نے پوچھا کہ ہمارے پیچھے آنے کا کیا سبب ہے؟

حُر نے عرض کیا: کل جوں ہی اُس مقام سے آپؑ چلے تو عبیداللہ کا خط آ گیا جس میں اس نے مجھے بزدلی اور کمزوری کے طعنے دیے اور سرزنش کی کہ امام حسینؑ کو کیوں چھوڑ دیا ہے اور ان کو میرے پاس کیوں نہیں لایا۔

اس وقت امام حسینؑ نے فرمایا: اب چھوڑو ہمیں نینوئی جاتے ہیں۔

حُر نے کہا: میں نہیں جانے دوں گا، اب میرے سر سے پانی نکل گیا ہے۔ یہ عبیداللہ ابن زیاد کا جاسوس میرے ساتھ ہے جسے اس نے حکم دیا ہے کہ حُر کے ساتھ رہنا تا کہ جو کچھ میں (حُر) کہوں یا کروں تو ہر روز کی خبر ابن زیاد کو دیتا رہے۔

اصحابِ حسینؑ سے زُہیر بن قین بجلی نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! اس قوم سے بات نہ کریں، ان سے جنگ کرتے ہیں کیوں کہ ہمارے لیے ان لوگوں سے جنگ کرنا آسان ہے جب تک دوسرا لشکر نہیں آتا۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اے زُہیر! آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن میں جنگ کی ابتدا نہیں کروں گا اگر یہ جنگ کریں تو پھر دفاع میں ہم بھی لڑیں گے۔ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ کربلا جائیں کیونکہ فرات وہاں سے قریب ہے بلکہ کربلا سے نہرِ فرات متصل ہے۔ اگر انھوں نے ہم سے جنگ کی تو ہم ضرور جنگ کریں گے اور خدا سے مدد اور نصرت طلب کریں گے۔ اس کے بعد امام

حسینؑ کے آنسو جاری ہو گئے اور آپؑ اسی مقام پر بیٹھ گئے۔

امام حسینؑ نے کاغذ اور قلم لیا اور اشرافِ کوفہ کی ایک جماعت کو جن سے امامؑ کو دوستی اور اتباع کی توقع تھی، اس مضمون کا خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! حسین بن علیؑ بن ابی طالبؑ: ابی سلیمان بن صرد، میتب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، عبداللہ بن وال ومومنین، امابعد! تم جانتے ہو کہ رسولِ خدا نے فرمایا: جو شخص ظالم حکمران دیکھے جو حلالِ خدا کو حرام اور حرامِ خدا کو حلال سمجھتا ہو اور خدا سے کیے ہوئے وعدے کو توڑنے والا ہو۔ سنتِ پیغمبرؐ کے خلاف ہوں اور لوگوں پر ظلم کرتا ہو، گناہوں کی ترویج کرتا ہو، پھر بھی وہ اس حاکم کے کردار اور گفتار کو اچھا سمجھے اور اس کے کردار پر اعتراض نہ کرے تو وہ شخص اس کا مستحق ہے کہ جہنم کی آگ میں جلے۔ اور تم جانتے ہو اس گروہ نے ہمارے حق کو غصب کیا ہوا ہے اور یہ لوگ مقصر ہیں اور ابلیس کے تابع ہیں۔ حدودِ خدا کو معطل کر رکھا ہے، حلال کو حرام سمجھا اور حرام کو حلال سمجھا ہے۔ میں اپنے جدِ امجد رسولؐ اللہ کی جانشینی کا دوسروں سے زیادہ حقدار اور اہل ہوں۔ جو آپ نے خطوط لکھے، وفود بھیجے، پیغام بھیجے وہ تمام بھول گئے ہو۔ اگر اپنے قول کو وفا نہیں کرتے اور عہد توڑ دیا ہے جو تم سے بعید نہیں ہے کیوں کہ میرے باباؑ، بھائیؑ اور چچا زاد مسلمؑ سے یہی کچھ کیا ہے۔

دھوکا کھانے والا شخص وہی ہے جو تمہارے قول سے دھوکا کھا جائے اور تمہاری بات پر اعتماد کرے۔

وَمَن نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلٰى نَفسِهِ وَسَيَغنِي اللّٰهُ عَلَيكُم – والسلام

اس خط کو بند کر کے مہر لگا کر قین بن مسھر صیداوی کو دیا کہ کوفہ کے معروف لوگوں کو جا کر پہنچا دو۔ ادھر قیس خط لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا، ادھر عبیداللہ بن زیاد نے کوفہ کی طرف آنے والے تمام راستوں پر جاسوس مقرر کر رکھے تھے تا کہ امام حسینؑ کے کوفہ کی طرف آنے پر انہیں یا اُن کے قاصدوں کو گرفتار کیا جا سکے۔

پس قیس جا رہا تھا کہ حصین بن نمیر کے ساتھیوں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ قیس حصین کے ڈر سے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نگل گیا۔ قیس کو ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا تو اس سے تفتیش شروع ہوئی۔

ابن زیاد نے پوچھا: تم کون ہو؟

کہا: میں علیؑ بن ابی طالبؑ کے شیعوں میں سے ایک ہوں۔

ابن زیاد نے کہا: خط کو پھاڑ کر کھا کیوں گیا ہے؟

قیس نے کہا: تا کہ تجھے خط کے مضمون کا پتہ نہ چل سکے اور نہ ان لوگوں کا علم ہو جن کے نام وہ خط تھا۔

ابن زیاد: یہ خط کس نے لکھا تھا؟

قیس نے کہا: امام حسینؑ نے۔

ابن زیاد بولا: کن لوگوں کے نام خط لکھا تھا؟

قیس: اہلِ کوفہ کی ایک جماعت کے نام جنہیں میں نہیں جانتا۔

ابن زیاد کو بہت غصہ آیا اور قسم کھائی کہ میں تجھے اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک یہ نہ بتائے کہ خط کن لوگوں کے نام تھا؟ ورنہ منبر پر جا کر حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کو گالیاں دینا ہوں گی۔ ان دو کاموں سے ایک ضرور کرنا ہوگا ورنہ تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

قیس نے کہا: میں اس جماعت کو نہیں جانتا جس کے نام خط لکھا گیا البتہ لعن کرنا آسان ہے میں منبر پر جا کر گالی دینے کے لیے تیار ہوں۔

ابن زیاد نے حکم دیا: اسے جامع مسجد میں لے جاؤ تاکہ منبر پر لوگوں کے سامنے علیؑ اور ان کی اولاد پر تبرا کرے اور لوگ سنیں۔ قیس کو مسجد میں لایا گیا، لوگ جمع ہو گئے جب مسجد بھر گئی تو قیس کو منبر پر سوار کیا گیا۔ قیس نے اپنے خطبہ میں پہلے خدا کی حمد اور رسولؐ اور اہلِ بیت رسولؐ پر درود و سلام بھیجا۔ پھر حضرت امیر المومنین علیؑ اور حسنینؑ شریفینؑ اور تمام اہلِ بیتؑ پر لاکھوں درود و سلام بھیجے اور پھر عبیداللہ، اس کے باپ زیاد پر اور بنی اُمیہ پر لعنت بھیجنی شروع کی۔ جب سیر ہو کر بنی اُمیہ پر لعنت کر لی تو لوگوں کو امام حسینؑ کا پیغام دیا کہ وہ کوفہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ مجھے انھوں نے تم تک اطلاع دینے کے لیے بھیجا ہے۔ پھر امام حسینؑ کے فضائل پڑھے اور لوگوں کو امام حسینؑ کی بیعت پر اُبھارا اور تحریص کی۔

جب قیس کی تقریر ابن زیاد کو بتائی گئی تو اُس نے کہا کہ اسے فوراً میرے سامنے پیش کرو۔ قیس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے دارالامارہ کی چھت سے نیچے بازار میں گرا دو۔

قیس بن مسہر صیداوی کو بندھے ہاتھوں چھت سے بازار میں گرایا گیا جس سے جسم کے اعضاء اور ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور قیس درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ جب یہ خبر امام حسینؑ کو پہنچی تو بے ساختہ روئے اور زبانِ مبارک پر بار بار یہ جملہ جاری ہوا: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْن! آپؑ فرماتے تھے کہ خدا رحمت کرے قیس پر، اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔

امام حسین علیہ السلام کے صحابہ میں سے ھلال بن نافع نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کے جدامجد جناب محمد مصطفٰیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کو اپنا دوست نہ بنا سکے، بعض اصحاب ان کے مخلص اور محبّ تھے جب کہ بعض منافق تھے۔ جو اپنے آپ کو دوست ظاہر کرتے تھے اور دل میں دشمنی رکھتے تھے۔ آپؑ کے والد حضرت علیؑ سے ایسا ہوتا رہا، بعض لوگ ان سے نفرت کرتے تھے اور علیؑ کے موافق چلتے تھے اور بعض لوگ مخالف تھے لہٰذا جن لوگوں نے آپؑ سے دھوکا کیا، وعدہ خلافی کی تو

ان کو خدا سزا دے گا۔

آپؑ زمین میں مشرق ومغرب میں جہاں بھی جائیں گے ہم آپؑ کے ساتھ ہیں اور آپؑ سے کبھی جدا نہ ہوں گے اور تقدیر پر راضی ہیں۔ ہمارا دوست وہ ہے جو آپؑ کا دوست ہے اور ہمارا دشمن وہی ہے جو آپؑ کا دشمن ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے اُسے دعائے خیر دی۔ پھر اپنے بیٹوں، بھائیوں اور دیگر اہلِ بیتؑ کو بلایا، سب کو اپنے سامنے بٹھایا، ان کے چہروں کو روتی آنکھوں سے دیکھا اور فرمایا:

اے اللہ! ہم تیرے پیغمبرؐ کی عترت ہیں، ان لوگوں نے ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا ہے۔ ہمیں اپنے جدامجدؐ کے حرم سے جدا کر دیا ہے اور بنی اُمیہ ہمیں قتل، ظلم اور قید کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رہے۔ میرے اللہ! ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔ پھر فرمایا: ابھی چلو اور کربلا پہنچو، پس امامؑ کے حکم سے بروز بدھ وہاں سے روانہ ہوئے اور بروز جمعرات ۲ محرم ۶۱ ھ میں کربلا پہنچے۔

امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ کربلا یہی ہے؟

سب نے کہا: یہی ارضِ کربلا ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا: ہاں یہ زمین زمینِ کرب بھی ہے اور زمینِ بلا بھی ہے۔ یہی ہمارے جوانوں کے شہید ہونے، مہملوں کو بٹھانے کی جگہ ہے۔ یہاں ہی ہمارے خون بہائے جائیں گے۔

پس فرات کے ایک کنارے پر سامان اُتارا اور خیمے لگائے۔ بھائیوں اور چچازادوں نے ہر ایک نے اپنا خیمہ لگایا۔ امام حسینؑ کا خیمہ درمیان میں تھا اور اصحاب کے خیمے اردگرد تھے۔ جب خیموں میں ستانے لگے اور امام حسینؑ اپنی تلوار صاف کر رہے تھے تو ابوذر غفاریؓ کا غلام جواب امام حسینؑ کی خدمت میں تھا اور امام حسینؑ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

يَا دَهر اُفٍ لك مِن خَلِيلٍ كَم لَكَ بالاشرَاق وَالاصيل
مِن طالبٍ وصاحبَ قتيلٍ ما اقرب الوَعد من الرّحيل

یہی دکھی اشعار جنابِ زینبؑ اور اُم کلثومؑ نے سنے تو پوچھا: اے بھائی! یہ کس کے دکھی شعر ہیں یعنی یہ کون پڑھ رہا ہے جسے اپنی شہادت کا یقین ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: نہیں میں جہاں بھی چلا جاؤں گا یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔

جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے رو کر فرمایا: اے کاش! میں فوت ہو گئی ہوتی اور آج کا دن نہ دیکھتی۔ میں نے ناناؐ کی وفات کا دکھ دیکھا، باباعلیؑ کی زخمی پیشانی دیکھی، ماں زہراءؑ کا زخمی پہلو پر ہاتھ رکھا دیکھا، بھائی حسنؑ کے جنازے پر تیر بھی

دیکھے لیکن سب پر صبر کرتی رہی کیونکہ حسینؑ زندہ تھے لیکن آج وہ دن ہے کہ حسینؑ مجھے اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ افسوس ہے اس دنیا فانی پر، بی بی دکھ بھرے بین کرتی تھیں اور تمام حسینی کارواں کی عورتیں روتی تھیں۔

(مترجم: ۲ محرم کو حسینؑ کے سامنے جی بھر کر رو رہی تھیں کیونکہ جانتی تھی کہ امام حسینؑ کے بعد ہمیں رونے بھی کسی نے نہیں دینا)

حضرت اُم کلثومؑ نے یوں بین کیا: وامحمدا واعلیا بعدك یا ابا عبداللہ۔

امام حسین علیہ السلام تمام بیبیوں کو حوصلہ اور تسلی دے رہے تھے کہ صبر کرو میری بہنو! قضائے الٰہی پر راضی رہنا کیونکہ زمین و آسمان میں ہر زندہ نے ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہر چیز فانی ہے۔ کُلُّ شَیٍٔ هَالِكٌ اِلَّا وَجهُه۔ خدا نے تمام چیزوں کو اپنی کمالِ قدرت سے پیدا کیا اور اپنی مشیت و ارادہ سے ختم کردے گا۔

اے میری بہنو! نانا، بابا، ماںؑ، بھائی جو مجھ سے بہتر تھے سب چلے گئے اور قبروں میں دفن ہوگئے۔ اے بہنو! اے اُم کلثومؑ! اے زینبؑ! جب مجھے قتل کیا جائے تو گریبان چاک نہ کرنا، اور ایسا کلمہ نہ کہنا جس میں اللہ کی رضا نہ ہو۔ اسی اثنا میں حُر بھی کربلا پہنچ گیا۔ امامؑ کے خیام کے سامنے اپنے خیمے لگائے اور ابن زیاد کو امام حسینؑ کے کربلا پہنچنے کی اطلاع دی۔ جس کے جواب میں عبیداللہ بن زیاد نے امام حسینؑ کے نام یہ خط لکھا:

امابعد! اے حسینؑ! میں نے سنا ہے کہ کربلا کے نزدیک پڑاؤ ڈال رکھا ہے۔ مجھے یزید کا حکم آیا ہے کہ اس وقت تک آرام سے نہ سوؤں اور نہ اچھا کھانا کھاؤں جب تک آپ کو خدا کے پاس نہ بھیج دوں یا آپؑ یزید کے حکم پر راضی ہو جاؤ اور اس کی بیعت کرلو۔ والسلام!

جب یہ خط امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچا تو پڑھ کر پھینک دیا اور فرمایا: وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو خدا کی ناراضگی پر مخلوق کی رضا کو مقدم سمجھے۔

عبیداللہ ابن زیاد کے قاصد نے اس خط کا جواب چاہا تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: یہ خط قابلِ جواب ہی نہیں۔ وَقَد حَقَّت علیه کلمة العذاب، قاصد چلا گیا اور جو امام حسینؑ سے سنا تھا عبیداللہ بن زیاد کو جا کے بتایا۔ عبیداللہ کو غصہ آیا اس نے اپنے دوستوں کو بلایا اور کہا کہ ہر حال میں حسینؑ بن علیؑ کو قتل کرنا ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اس خدمت کو قبول کرے اور اس کو قتل کردے، اس کے بدلے جس شہر کی ولایت اور حکمرانی چاہے، میں وہ دیتا ہوں۔

کسی نے جواب نہ دیا تو اُس نے عمر بن سعد کو لکھا تجھے رَے اور اس کے مضافات کی تمام جاگیر دوں گا، لہٰذا جلدی میرے پاس آجاؤ۔ عمر سعد آیا، ابن زیاد نے کہا: کوئی شخص امام حسینؑ سے جنگ کرنے کو پسند نہیں کرتا، یہ کام تجھے کرنا ہوگا اور اگر ہمیں امام حسینؑ کی طرف سے فارغ کردے تو رَے کی حکومت تجھے مل جائے گی۔

عمر بن سعد کانپ گیا اور کہنے لگا: اے امیر! اگر مجھے امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے سے معاف کر دو تو تمہارا بڑا احسان ہوگا۔

ابن زیاد نے کہا کہ تجھے اس کام سے اس شرط پر معافی مل سکتی ہے کہ رَے کی جاگیر کسی اور کو دے دو اور تم خانہ نشین ہو جاؤ کیونکہ رَے کی ولایت اس کے لیے ہے جو امام حسینؑ کو قتل کرے گا۔

عمر سعد نے کہا: آج مجھے مہلت دے تاکہ میں سوچ کر فیصلہ کروں۔ ابن زیاد نے کہا: سوچ لو۔

عمر گھر گیا۔ اپنے دوستوں اور قریبیوں سے اس بارے میں مشورہ کیا لیکن کسی شخص نے امام حسینؑ کو قتل کر کے جاگیر لینے کا مشورہ نہ دیا بلکہ سب نے اس مسئلہ میں اُسے خوفِ خدا اور رسول دلایا۔

حمزہ بن مغیرہ جو اس کی بہن کا سوتیلا (بھائی) تھا، نے کہا کہ امام حسینؑ سے جنگ نہ کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ خدا کی قسم! اگر دنیا میں تیرے پاس کچھ بھی نہ ہو تو اس سے بہتر ہے کہ خونِ حسینؑ اپنی گردن پر لے کر اس جہان سے جائے۔

عمر خاموش تھا لیکن دل میں رَے کی ولایت سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ دوسرے دن صبح ابن زیاد کے پاس آیا تو ابن زیاد نے پوچھا: اے عمر بن سعد! کیا سوچا ہے؟

عمر بن سعد نے کہا: اے امیر تو نے انعام کا اعلان کیا، امام حسینؑ کی بات کرنے سے پہلے، میں بہت خوش تھا اور لوگوں نے مجھے مبارک باد دی۔ اب اگر انعام واپس کر لے تو میں بہت شرمندہ ہوں گا۔ اے ابن زیاد! مجھ پر مہربانی فرما اور مجھے امام حسینؑ کے قتل سے معاف کر دے اور جاگیر رَے بھی مجھے دے دے۔

آج کوفہ میں ایک ایسی بزرگ جماعت موجود ہے جیسے اسما بن خارجہ، محمد بن اشعث، کثیر بن شہاب وغیرہ ان میں سے کسی کے ذمے امام حسینؑ کے قتل کا کام سونپ دے تو وہ خوشی خوشی قبول کریں گے بلکہ تیرا احسان سمجھیں گے اور مجھے امام حسینؑ کے قتل سے معاف کر دے۔

ابن زیاد نے کہا: کوفہ کے معروف مجھے گنواتا ہے، میں خود ان سب کو دیکھ رہا ہوں، اگر میرا دل امام حسینؑ سے فارغ کر دے تو تو میرا عزیز دوست ہوگا ورنہ رَے کی ولایت کو بھول جا اور گھر میں خاموشی سے بیٹھ جا تاکہ تجھے کہیں بھی مجبور کر کے نہ بھیجوں۔

عمر خاموش ہو گیا، کیونکہ ابن زیاد کا غصہ زیادہ ہو چکا تھا۔ ابن زیاد نے کہا: اگر امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کے لیے نہیں جاتے اور میرے حکم کی تعمیل نہیں کرتے ہو تو پھر اس کے لیے تیار ہو جاؤ کہ ہم تیری گردن اڑا دیں اور تیرا گھر لوٹ لیں۔

عمر نے کہا: جب نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے تو اب وہی کروں گا جو امیر کہے گا۔

ابن زیاد نے اس کی تعریف کی، انعام دیا اور چار ہزار کا لشکر دے کر رَے کی ولایت دینے کا وعدہ کیا اور وہ بدبخت شقی رَے کی ولایت کی محبت میں اس کام پر آمادہ ہوگیا اور لشکر لے کر امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کے لیے آ گیا جب کہ زمین و آسمان نے تعجب کیا اور اس پر ہنس رہے تھے بلکہ لعنت کر رہے تھے کہ اس فانی دنیا کے لالچ میں نہ خوفِ خدا ہے اور نہ رسولؐ خدا سے شرم بلکہ بے باک طور پر اس عمل کو قبول کرلیا ہے حالانکہ یہ دنیا جب تک ہے ملائکہ مقربین اور انبیا مرسلینؑ کی لعنت جاری رہے گی۔ وہ ملعون یہ بھی نہ سوچتا تھا کہ کہاں اور کدھر جا رہا ہے۔

ابن زیاد نے کہا کہ حسین بن علیؑ اور اصحاب کو فرات سے دُور کر کے ایک گھونٹ پانی نہیں دینا۔ عمر بن سعد نے کہا: ہاں ایسا ہی کروں گا۔

کیا عمر بن سعد امام حسینؑ کا قاتل ہے؟

کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: میرے جدامجد وہ رسولؐ ہیں جن کو خدا نے غیب کا علم دینے کے لیے انہی ہی کو منتخب کیا ہے۔

خرائج راوندی میں جناب امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے: حضرتؑ نے فرمایا: رسولِ خدا اللہ کے نزدیک منتخب شدہ ہیں اور ہم اسی کے اہلِ بیتؑ ہیں جسے خدا نے اپنے غیب پر ان کو مطلع کرنے کے لیے چنا ہے، اس لیے اس نے ہمیں علم گزشتہ اور قیامت تک کے علم کی تعلیم دی۔

جیسے آیت کریمہ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (سورہ جن، آیہ ۲۶-۲۷) اور علیؑ مِن رسُولٍ ہیں۔ ایک مقام پر خود امیرالمومنینؑ نے فرمایا: میں مرتضٰی ہوں اور میں مِن رسولؐ ہوں۔

اس آیت کے موافق کافی احادیث ہیں جن کا مضمون یہی ہے کہ جو خدا نے چاہا اپنا علمِ غیب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیتؑ کو عطا فرمایا ہے اسی لیے تو زیارتِ جامعہ کے الفاظ یہی ہیں: وَارتَضَاكم لِغَيبِهٖ، یعنی خدا نے اہلِ بیتؑ کو اپنے غیب کے لیے چن لیا ہے۔

ایک روایت مجالس صدوق میں اصبغ بن نباتہ سے ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں فرمایا:

سَلُوْنِي قَبلَ اَن تَفقِدُونِي فَوَاللهِ لَا تَسئَلُوْنِي عَن شَيءٍ مَضٰى وَلَا عَن شَيءٍ يَكُونُ اِلَّا نَبَّاتُكم بِهٖ

”مجھ سے جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو میرے اُٹھ جانے سے پہلے جو بھی پوچھو گے ماضی یا مستقبل

کے بارے میں، میں تمہیں بتاؤں گا''۔

جب یہی جملہ حضرت علیؑ نے فرمایا تو سعد بن ابی وقاص اپنی جگہ سے اُٹھا اور عرض کیا: امیرالمومنینؑ! مجھے بتاؤ کہ میرے سر اور داڑھی کے بال کتنے ہیں؟

علوم ربانی کے خزینہ دار جنابِ علیؑ نے یوں جواب میں فرمایا: خدا کی قسم! تم نے مجھ سے وہ مسئلہ پوچھا ہے جس کی خبر مجھے رسولِؐ خدا نے دی تھی کہ تو یہ سوال کرے گا اور جواب سن کہ تیری ڈاڑھی اور سر کے ہر بال کی بیخ (جڑ) میں شیطان بیٹھا ہے۔

خدا کی قسم! تیرے گھر میں ایک کتے کا بچہ ہے جو میرے بیٹے حسینؑ بن علیؑ کا قاتل ہے (اس وقت عمر بن سعد اس قدر چھوٹا تھا جو اپنے باپ کے دو ہاتھوں کے درمیان حرکت کرتا تھا۔ پھر وہ بچہ بڑا ہوا اور زمانے کا معروف کتا بنا جسے دنیا نے دیکھا اور آج تک اس پر لعنت جاری ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: عمر بن سعد لعنۃ اللہ علیہ، حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آیا تو علوم الٰہی کے گنجینے نے شقاوت و جنایت کے مرکز کو فرمایا: اے عمر! اس وقت تیری کیا حالت ہوگی جب بہشت و دوزخ کے درمیان حیران کھڑا ہوگا اور پھر اپنے لیے جہنم کی آگ کو اختیار کرے گا۔ اس ملعون نے عرض کیا: معاذ اللہ! میں ایسا کبھی نہ کروں گا۔ امام علیؑ نے فرمایا: تو ضرور یہ کام کرے گا۔

ابن مسعود سے ایک روایت ہے: ایک دن چند لوگوں کے ساتھ رسولِؐ خدا کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اچانک چند قریشی آئے، ان میں عمر بن سعد بھی تھا۔ جوں ہی حضرتؐ کی نظر ابن سعد لعین پر پڑی تو آپؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ کو کیا ہوگیا ہے کہ رنگ تبدیل ہوگیا ہے؟ فرمایا کہ ہم اہلِ بیتؑ ہیں کہ خدا نے ہمارے لیے دنیا کے بجائے آخرت پسند کی۔

وَاِنِّی ذَکَرتُ مَا یُلقٰی اَھلُ بَیتِی مِن بَعدِی مِن قَتلٍ وَضَربٍ وَشَتمٍ و سَب

''مجھے وہ وقت یاد آ گیا ہے جو میرے بعد میری اہلِ بیتؑ پر آئے گا، میری اہلِ بیتؑ قتل ہوگی، ضربیں کھائے گی، سب و شتم سنے گی''۔

ان کے حقوق چھین لیے جائیں گے، گھروں سے نکال دی جائے گی، شہر بدر ہوگی، اسلام میں سب سے پہلے جو سر بلند ہوگا وہ نوکِ نیزہ پر میرے فرزند حسینؑ کا سر ہوگا اور یہ اطلاع مجھے جبرئیلؑ نے ربِ جلیل سے دی ہے۔

حدیث میں ہے: جب خاتم الانبیاءؐ یہ جملات بیان فرما رہے تھے تو سید مظلوم امام حسینؑ وہاں موجود تھے اور اپنے سر کا

نوکِ نیزہ پر بلند ہونا خود اپنے کانوں سے سن لیا اور فرمایا:

يَا جَدَّاه مَن يَقتُلَنِي مِن اُمَّتِكَ ''جدامجد! مجھے آپؐ کی اُمت سے کون شخص قتل کرے گا''۔

رسول پاکؐ نے فرمایا: اے میرے فرزند تجھے بدبخت ترین خلق قتل کرے گا اور ہاتھ سے عمر بن سعد کی طرف اشارہ فرمایا۔ اسی دن سے اصحاب کی یہ عادت تھی کہ یہ جب عمر بن سعد مسجد میں آتا اور اصحاب کی نظریں اس پر پڑتیں تو سب کہتے: هَذَا قَاتِلُ الحُسَين اور جب بھی یہ شقی القلب امام حسینؑ کے پاس آتا تو عرض کرتا:

يا اَبَا عبدالله اِنَّ لِي قَومِنَا اُنَاسًا سُفَهَا وَيَزعمون اِنِّي قَتلتَك

''ہماری قوم میں کچھ ایسے کم عقل ہیں جو کہتے ہیں: میں آپؑ کو قتل کروں گا''۔

حضرتؑ جواب میں فرماتے:

وَاللّٰه اِنَّهُم لَيسُوا سُفَهَاءِ وَلٰكِنَّهُم اُنَاسٌ عُلَمَا

خدا کی قسم! یہ لوگ کم عقل اور جاہل نہیں بلکہ یہ تو عالم ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ تو میرا قاتل ہے''۔

نہ یزید کی وہ جفا رہی، نہ زیاد کا وہ ستم رہا
جو رہا تو نامِ حسینؑ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

آخرت میں عمر بن سعد پر عذاب

عبدالخالق یزدی مرحوم نے اپنی کتاب ''بیت الاحزان'' میں بحارالانوار سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب ابن زیاد نے قوم کو امام حسینؑ سے جنگ کے لیے جمع کرلیا، جو ۷۰ ہزار سوار تھے، تو انھیں کہا:

اَيُّهَا النَّاس مَن مِنكُم يَتَوَلَّى قَتَلَ الحُسَينِ وَلَهُ وَلايَةُ اَيِّ بَلَدٍ شَاءَ ''لوگو! جو شخص امام حسینؑ کو قتل کرے گا اسے جس شہر کی حکومت چاہیے ہوگی مل جائے گی''۔

جب کسی شخص نے ابن زیاد کے سوال کا جواب نہ دیا تو عمر بن سعد کو بلایا اور کہا: تم اس لشکر کے سربراہ بن کر امام حسینؑ کو قتل کردو۔ عمر نے پہلے تو انکار کیا کہ مجھے اس کام سے معاف رکھو۔ لیکن جب ابن زیاد نے کہا: میں نے معاف کردیا البتہ وہ خط واپس کردے جس پر تجھے رَے کی حکومت ملنا طے پائی ہے۔

عمر بن سعد نے کہا: مجھے آج رات مہلت دے دو تا کہ غوروفکر کرسکوں۔ ابن زیاد نے مہلت دی۔ عمر گھر آ گیا اور اپنی قوم، بھائیوں اور دوستوں سے اس بارے میں مشورہ کیا جس کا کسی نے اس کام میں مصلحت نہ دیکھی۔

عمر سعد کو ایک شخص نے کہا جس کا نام کامل تھا اور عمر بن سعد کا دوست بھی ایک شخصِ کامل و عاقل تھا۔ اس نے کہا: آج تجھے کیا ہوگیا ہے کہ آرام نہیں کرتے۔ حرکت و اضطراب میں ہو، کوئی نیا کام کرنے کا ارادہ ہے؟

عمر نے کہا ایک لشکر کا سربراہ بنا ہوں جس نے امام حسینؑ سے جنگ کرنی ہے۔ وَاِنَّمَا قَتلُهٗ عِندِی کَاَکلَةِ اَکِلٍ اَو شُربَةِ مَاءٍ "اور تحقیقاً میرے نزدیک حسینؑ کا قتل روٹی کا ایک لقمہ کھانے یا پانی کے ایک گھونٹ کو آسانی سے پینے کی طرح ہے"۔ اور اس قتل کے بدلے مجھے رَے کے علاقہ کی بہت بڑی حکومت ملے گی۔

کامل نے کہا: ہائے افسوس تم پر اے عمر بن سعد! کہ جنابِ امام حسینؑ فرزندِ پیغمبرؐ کو قتل کرنے پر تیار ہو؟ تف ہے تم پر اور تمہارے دین پر کیا حق کو اس قدر پست سمجھ لیا ہے اور ہدایت کو باطل سمجھا ہے۔ کیا تو جانتا ہے کہ کس کے ساتھ جنگ کرے گا؟ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیهِ رَاجِعُونَ!

کامل نے کہا: اے عمر! خدا کی قسم! اگر تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب کچھ مجھے دے دیا جائے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے کسی اُمتی کو قتل کرو تو میں کبھی یہ دنیا و مافیہا قبول نہ کروں گا اور تو امام حسینؑ فرزندِ رسولؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے اور تو بروزِ محشر رسولؐ پاک کو کیا جواب دے گا؟ جب وہ پوچھیں گے کہ تو نے میرے بیٹے کو قتل کیا، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے میوے پر ظلم کیا۔

اے عمر! آج ہمارے زمانے میں امام حسینؑ کا مقام اپنے جدِّ امجد رسولؐ اللہ کے مقام کی طرح ہے۔ ان کی اطاعت کرنا ہم پر واجب ہے جس طرح ان کے باپؑ اور ناناؐ کی اطاعت کرنا واجب تھی۔

اے عمر بن سعد! تو اس وقت بہشت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہے پس اپنے لیے وہ راستہ اختیار کر جو تیرے لیے نجات اور اصلاح کا باعث ہو۔ اے عمر! خدا کی قسم! میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر ان سے لڑائی کر کے انہیں قتل کر دو یا ان کے کسی دشمن کی ان کے قتل میں مدد کرو تو تم بھی بہت تھوڑے دن زندہ رہو گے۔

عمر بدبخت نے کہا: اَفَبِالمَوتِ تُخَوِّفُنِی "کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟" میں جب امام حسینؑ کو قتل کر دوں گا تو ستر ہزار سوار کا مالک، سردار اور مختارِ کار بن جاؤں گا اور مجھے حکومت رَے مل جائے گی۔

جناب کامل علیہ الرحمٰن نے کہا: اے عمر! سنو! میں ایک صحیح حدیث تمہیں سناتا ہوں اگر اس حدیث کو غور سے سنو گے تو تمہاری نجات ہو جائے گی۔

عمر بدطینت نے کہا: وہ کون سی حدیث ہے؟

کامل علیہ الرحمہ نے کہا: میں تمہارے باپ کے ساتھ شام کی طرف سفر کر رہا تھا کہ میرا اُونٹ قافلے سے جدا ہو گیا اور

راستہ گم ہوگیا۔ میں صحراؤں میں پریشان پھرتا رہا اور پیاس سے نڈھال ہوگیا کہ اچانک دیر راہب نظر آیا تو میں اس کی طرف چل دیا اور اپنے اُونٹ سے اُتر آیا۔ میں دیر کے پاس پہنچ گیا کہ شاید یہاں کچھ پانی مل جائے۔ راہب نے اُوپر سے جھانک کر دیکھا اور کہا: کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: پیاسا ہوں۔

راہب نے کہا کہ تو اسی پیغمبرؐ کی اُمت کا فرد ہے جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں اور دنیا کی محبت میں کتوں کی طرح حملہ آور ہوتے ہو؟

میں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں تو پیغمبر آخرالزماں کی اُمت مرحوم سے ہوں۔

راہب نے کہا: افسوس ہے تم پر بروزِ قیامت تمام اُمتوں سے شریر اُمت تم ہو گے، کیونکہ تم نے پیغمبرؐ کی عترت پر ظلم و زیادتی اور ان کو قتل کیا ہوگا نیز ان کو گھروں سے نکال باہر کیا ہوگا، انہیں شہر بدر کیا ہوگا۔ میں نے اپنی کتب میں پڑھا ہے کہ تم اپنے پیغمبرؐ کے بیٹے کو قتل کرو گے اور ان کی عورتوں کو اسیر کرو گے اور ان کے اموال لوٹ لو گے۔

میں نے کہا: اے راہب! آیا ہم اس قدر قبیح (قتلِ حسینؑ) عمل بھی بجالائیں گے؟

راہب نے کہا: ہاں اور جان لو جب تم سے یہ شنیع اور بُرا کام صادر ہوگا تو تمام آسمان، زمین، دریا، پہاڑ، صحرا، بیابان، صحرائی حیوانات، پرندوں اور ہر شے کی آواز آئے گی اور یہ تمام چیزیں قاتل فرزندِ رسولؐ پر لعنت کرتی ہوں گی۔ پس ان کا قاتل زمین پر بہت تھوڑا عرصہ زندہ رہے گا۔ پھر ایک شخص ظاہر ہوگا جو امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لے گا، وہ ہر اس شخص کو قتل کردے گا جو امام حسینؑ کے قتل میں کسی لحاظ سے شریک ہوگا اور جس جس کو وہ قتل کرے گا اس کی روح بہت جلدی جہنم میں چلی جائے گی۔

پھر راہب نے مجھ سے کہا: میں تجھے امام حسینؑ کے قاتل کے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر میں اس وقت زندہ رہا تو اپنی جان اس مظلوم پر قربان کردوں گا اور اس پر آنے والی مصیبتوں کے آگے اپنا سینہ حاضر کروں گا تا کہ تیر و تلوار کا حملہ مجھ پر ہو اور ان کے نازنین بدن پر زخم نہ لگے۔

میں نے کہا: اے راہب! میں تو خدا کی پناہ چاہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے ان قاتلین میں سے نہ ہونے دے۔

راہب نے کہا: اگر تو قاتل نہیں تو تیری قوم کا کوئی شخص قاتل ہوگا اور اس ملعون کے لیے اللہ کی طرف سے تمام جہنم کا نصف عذاب ہے اس قاتل کا عذاب، فرعون، ہامان کے عذاب سے بہت زیادہ ہے۔ پھر راہب نے اپنے دیر کا دروازہ مجھ پر بند کیا اور خود اندر جا کر عبادتِ خدا میں مشغول ہوگیا اور مجھے پانی دینے پر رضامند نہ ہوا۔ کافی وقت گزر جانے کے بعد میں مایوس ہوگیا کہ یہ راہب مجھے پانی نہیں دے گا لہٰذا اپنے اُونٹ پر سوار ہوکر اپنے قافلہ سے مل گیا۔

تمہارے باپ سعد نے مجھ سے پوچھا: اے کامل! اب تک کہاں تھے؟ اور دیر کیوں کردی ہے؟

میں نے دیر راہب میں اپنی تمام گفتگو اور راہب کے سلوک کا قصہ سنا دیا۔ تمہارے باپ نے کہا: مجھے بھی تجھ سے پہلے اس دیر سے گزرنا پڑا تو راہب نے یہی بات کی۔ پس اے عمر بن سعد! تمہارے باپ سعد کو بھی اس راہب نے خبر دی تھی کہ جو شخص دختر رسولؐ اللہ کے فرزند کا قاتل ہے وہ تم ہو۔ اس لیے ہمیشہ تمہارا باپ اس سے ڈرتا رہا کہ وہ ان بزرگوار کا قاتل ہو۔

کامل نے کہا: اے عمر! تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور تمہیں اس خیال سے دُور بھاگ جانے کی وصیت کرتا ہوں جو تم اپنے ذہن میں سوچ رہے ہو ورنہ خیر الدنیا والآخرۃ۔

اے عمر! خبردار، امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کبھی گھر سے نہ نکلنا ورنہ اہلِ جہنم کا آدھا عذاب تم پر ہوگا۔

راوی کہتا ہے کہ کامل کی عمر بن سعد کو اس قدر سختی سے نصیحت کرنے کی خبر ابن زیاد تک پہنچ گئی۔ اس ملعون نے کامل کو بلایا اور اس کی زبان کاٹ دی۔ پس وہ مظلوم ایک دن یا نصف دن زندہ رہا۔ پھر اس کی روح شریف قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ پس اس قسم کے اخبار سے یہ چیز سامنے آتی ہے کہ امام حسینؑ کا قاتل عمر بن سعد ہے۔

اسی قسم کی ایک روایت کتاب منتخب اور قبر عذاب میں ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ کے سامنے عمر بن سعد آ گیا۔ عمر نوجوان تھا، حضرتؑ نے اس سے فرمایا: یابن سعد! كيف تكون إِذَا قُمتَ مُقَامًا تُخَيَّرُ فِيهِ بَينَ الجَنَّةِ وَالنَّارِ فَتَختَارِ لِنَفسكَ النَّارِ ''اے ابن سعد! اس دن کیا کرے گا کہ جب ایسے مقام پر کھڑا ہوگا جو جہنم اور جنت کے درمیان ہوگا اور تجھے ایک طرف جانے کا اختیار ہوگا اور تو اپنے لیے جہنم کو چن لے گا''۔

صاحبِ کتاب ہذا کا بیان ہے کہ یہ روایت اس وقت کی طرف اشارہ کررہی ہے جب ابن زیاد نے عمر بن سعد کو اختیار دیا کہ یا امام حسینؑ کو قتل کردے یا حکومت رَے کا حکم نامہ واپس کردے۔

قتلِ حسینؑ کے لیے ابن زیاد کی محفل

جب ابن زیاد کو اطلاع ملی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا کارواں کوفہ کے نزدیک پہنچ گیا ہے اور کوفہ میں کسی وقت داخل ہوسکتا ہے تو اس نے غضب ناک ہوکر اپنے مشیروں، فوجیوں اور وزیروں کو دربار میں بلایا تاکہ مشورہ کرسکے اور تمام درباریوں کے سامنے یہ اعلان بھی کردیا کہ مَن يَّاتِيِنِى بِرَأسِ الحُسَينِ فَلَهُ الجَايِزَةُ العظُمٰى وَاُعطِيهِ وَلَايَةَ الرای سَبعَ سَنِينَ ''یعنی جو شخص حسینؑ کا سر لائے گا اسے عظیم انعام دیا جائے گا اور سات سال کے لیے رَے کی حکومت بھی اسے بطور انعام دی جائے گی''۔

تمام درباریوں میں سے ایک عمر بن سعد اُٹھا اور اسے کہا: یہ کام میں کروں گا لیکن اے امیر! مجھے اس کام کی تیاری کے لیے ایک ماہ کی مہلت دے دے تاکہ اپنی پسند کا سامانِ جنگ تیار کرسکوں۔ ابن زیاد نے کہا کہ اگر تو ایک ماہ جنگ کو تاخیر میں ڈالے گا تو دشمن ہم پر پہلے حملہ آور ہوجائے گا، لہٰذا دشمن کو مہلت دینا جائز نہیں بلکہ بجلی کی چمک کی لہر آناً فاناً ہوتی ہے۔

عمر بن سعد نے کہا: ایک ماہ مہلت نہیں دیتا تو ایک رات مہلت دے۔

ابن زیاد خوش ہوا اور کہا: ایک رات مہلت میں کوئی حرج نہیں۔ محفل برخاست ہوگئی، ہر شخص گھر چلا گیا لیکن اکثریت کے دل اس کام سے پریشان اور مضطرب تھے کہ ابن سعد ظالم نے کس طرح فرزندِ رسولؐ سے جنگ کو چن لیا ہے۔ عمر سعد گھر گیا، اسلحہ اور دیگر سامانِ جنگ طلب کیا، تمام آلات حرب اکٹھے کیے، اپنے مختلف گھوڑے جمع کیے اور بڑی تیزی سے اپنے محل میں داخل ہوا تو دربان آیا اور کہا کہ کچھ لوگ دروازے پر جمع ہیں وہ اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مہاجرین اور انصار کی اولاد سے ہیں۔

عمر سعد اپنی مخصوص مسند پر بیٹھ گیا اور اُن کو اندر آنے کی اجازت دی۔ اجازت ملتے ہی ایک گروہ روتا ہوا داخل ہوا۔ عمر سعد نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے کہ اس طرح پریشان ہو اور رو رہے ہو؟ کیا تم پر کسی نے ظلم کیا ہے؟

انہوں نے کہا: نہیں، ہماری پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ تو نے امام حسینؑ کو قتل کرنے پر کمر باندھ لی ہے اور ان سے جنگ کا ارادہ ہے۔ وَاَبُوْكَ سَادِسُ الْإِسْلَامِ جبکہ تیرا باپ تو اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھا اور رسولؐ پاک کی خدمت میں ہمیشہ کمربستہ رہتا تھا اور اسلام کی ترویج میں اس قدر کوشش کی کہ آج تک مذکور ہے۔ اور اس حمایتِ رسولؐ میں موت آئی اور تو رَے کی حکومت کے لالچ میں فرزندِ رسولؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کرچکا ہے۔ آج ہمارے زمانے میں پیغمبرؐ کی ایک ہی تو نشانی ہے اور زہراءؑ کا ایک ہی تو بیٹا ہے اور تمام عالم کا وہ امیر ہے۔ اس قدر عظیم شخصیت کے بارے میں تو کس طرح قتل پر راضی ہوگیا۔ اس کام کے ارادے سے توبہ کرو اور دنیا کی اُمید کو ختم نہ کرو اور ہمیشہ کے لیے یہ ذلت اپنے دامن میں باقی نہ رکھو۔

عمر بن سعد نے کہا: لَسْتُ اَفْعَلُ ذٰلِكَ "آپ روئیں نہیں مطمئن رہیں میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا"۔ میں اپنے آپ کو عاقل سمجھتا ہوں تو میں کیسے یہ کام کرسکتا ہوں اور اسلام میں میرے باپ سعد کی خدمات کسی سے کم نہیں ہیں۔ میری بہادری بھی کسی پر مخفی نہیں۔ جنگوں میں کبھی کسی نے میری پشت نہیں دیکھی اور مجھے کبھی شکست نہیں ہوئی۔

مہاجرین و انصار نے کہا: تم جو کہہ رہے ہو صحیح ہیں لیکن یہ بھی بتا کہ کیا فرزندِ رسولؐ سے جنگ کرے گا یا نہیں؟ پسرِ علیؑ سے لڑنے کا مصمم ارادہ کرچکے ہو یا نہیں؟ اس قسم کی بہت باتیں کیں اور روتے رہے۔

عمر نے اپنا سر جھکا لیا اور امام حسینؑ کے بارے میں سوچنے لگا کہ امام حسینؑ کو قتل کر کے حکومت رَے لوں یا حکومت رَے کے لالچ میں قتل نہ کروں۔ کافی دیر کے بعد سر اُٹھا کر کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ ایمانی بھائی اور مخلص دوستوں کی نصیحت کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ میں نے آنکھوں سے تمہاری بات کو قبول کر لیا ہے۔

دراصل عمر بن سعد نے مہاجرین و انصار کی اولادوں کی تسلی خاطر کے لیے کہا کہ میں نے تمہاری بات قبول کر لی ہے۔ لیکن باطن میں اپنے اسی مصمم ارادہ پر تھا جو وہ کر چکا تھا کہ رے کی حکومت لوں گا۔ یہ بھی مخفی نہ رہے کہ عمر سعد کی طرف سے قتل امام حسینؑ کو قبول کرنے کے یہ کیفیت مشہور قول کے خلاف ہے کیونکہ صاحبانِ تاریخ و مقتل نے لکھا ہے کہ قتلِ امامؑ کی عمر سعد نے خود خواہش ظاہر کی۔

عمر بن سعد کا قتلِ امامؑ کے بارے میں مشہور نظریہ

جب امام حسین علیہ السلام کربلا میں وارد ہو چکے تھے تو ابن زیاد نے ابن سعد کو امام حسینؑ سے جنگ کے لیے بھیجا اور اس کام کے بدلے حکومت رَے دینے کا وعدہ کیا۔ ابن سعد کوفہ سے باہر آیا اور خفیہ طور پر اپنے لشکر کو مرتب کیا اور دربار ابن زیاد میں گیا۔ ابن زیاد نے بھرے دربار میں بڑے بڑے سرداروں کے سامنے یہ مسئلہ رکھا لیکن کسی نے ہامی نہ بھری تو ابن زیاد نے ابن سعد کو بلایا اور کہا کہ پہلے کربلا جاؤ اور امام حسینؑ کا سر جدا کر کے لاؤ اور اپنے امیر کی اطاعت کرو۔

ابن سعد نے ابتداء میں انکار کیا لیکن جب ابن زیاد نے کہا کہ اگر امام حسینؑ کو قتل کرنے نہیں جاتے تو رَے کی حکومت کا عہد نامہ واپس کر دو۔

عمر بن سعد جو ہر صورت میں حکومتِ رَے کا متلاشی تھا اور اس مقصد کے لیے بُرے سے بُرا کام بھی کرنے کو آمادہ تھا، لہٰذا اس نے ابن زیاد کے جواب میں کہا کہ مجھے ایک رات کی مہلت دو تاکہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر سکوں۔ ابن زیاد نے قبول کیا اور ایک رات کی مہلت دے دی۔

عمر گھر آیا اپنے دوستوں اور برادری سے مشورہ کیا تو ہر ایک نے اسے روکا۔ اس رات وہ جاگتا رہا اور سوچتا رہا کہ فرزندِ زہراءؑ کو قتل کروں یا رَے کی حکومت کے مزے لوں۔ اگر جگر گوشۂ زہراءؑ کو قتل کروں تو ہمیشہ کی سعادت سے محروم اور جہنم کا ایندھن بنوں گا، البتہ اس کے بدلے حکومت رَے جو عرصۂ دراز سے میری خواہش تھی مل جائے گی یا حکومت رَے اور ظاہری ریاست کو چھوڑ دوں اور یہ خیانت نہ کروں اور اپنے آپ کو جہنم کے شعلوں کے حوالے نہ کروں۔ وہ ساری رات حیران و سرگرداں رہا۔ صبح ابن زیاد کے دربار میں آیا۔ اس نے پوچھا: کیا فیصلہ کیا ہے؟ ابن سعد نے کہا: اے امیر! تم نے پہلے مجھ

سے حکومت رے کا عہد کیا ہے، یہ بات لوگوں کو معلوم ہے کیونکہ انہوں نے مجھے مبارکباد دی ہے اور اب کہتے ہو کہ پہلے کربلا جاؤ اور پیغمبرؐ کے فرزند کو قتل کرو ورنہ حکومت سے معزول ہو۔ اشرافِ کوفہ میں ایسے لوگ ہیں جو یہ کام کرسکتے ہیں۔ میں ان سے زیادہ بہادر نہیں ہوں لہٰذا مجھے کربلا نہ بھیجو اور میرا جانا لازمی نہیں کسی اور کو بھیج کر امام حسینؑ کا کام تمام کروادو۔ پس میری امیر سے گزارش ہے جیسے پہلے قول ہو چکا ہے کہ میں رے کی طرف جاؤں اور وہاں حکومت کے کاموں میں مشغول ہو جاؤں۔ جبکہ کسی اور کو بھیج کر امام حسینؑ کو شہید کرادو۔

ابن زیاد نے کہا: اشرافِ کوفہ میں سے میں کسی کو کربلا بھیجنے کے لیے مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔ اس بارے میں تجھ سے مصلحت نہیں پوچھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کربلا نہیں جاتے تو حکومت رے قطعاً نہیں مل سکتی۔

ابن سعد حکومت رے کو دل سے نہیں نکال سکتا تھا، لہٰذا کہا: اے ابن زیاد جیسے تیرا حکم ہے میں وہی کروں گا یعنی امام حسینؑ کو قتل کروں گا۔

تاریخ ابن اعثم کوفی کے ترجمہ میں یہی لکھا ہے جو سابقہ سطور میں ذکر ہوا ہے۔ مرحوم کاشفی روضۃ الشہداء میں رقمطراز ہیں کہ جب ابن زیاد کا قاصد امام حسینؑ کی خدمت سے واپس گیا اور اس نے بتایا کہ امامؑ نے تمہارے خط کو پڑھ کر پھینک دیا اور فرمایا ہے کہ یہ خط اس قابل نہیں کہ جواب لکھا جائے۔

ابن زیاد کو بہت غصہ آیا اور حاضرین دربار سے کہا کہ تم میں سے کون حسینؑ سے جنگ کرنے جائے گا اور جو اسے قتل کرے گا تو عراق کے جس شہر کی حکومت چاہیے میں دوں گا۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ دوسری دفعہ ابن زیاد نے پھر کہا لیکن کسی نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ تیسری مرتبہ بھی کسی نے جواب نہ دیا۔

ابن زیاد نے عمر بن سعد کو بلایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تجھے کافی عرصہ سے حکومت رے کی خواہش ہے واقعاً وہ وسیع ولایت ہے اور اموال بہت ہیں، میں چاہتا ہوں کہ حکومت رے اور طبرستان تیرے نام پر لکھ دوں، اور تیری آرزو کو عملاً پورا کردوں۔

عمر بن سعد نے منت سماجت کی، ابن زیاد نے حکم دیا کہ حکومت رے اور ولایتِ طبرستان کا حکم نامہ لکھو اور ابن عمر کو قیمتی لباس پہناؤ۔ اُسے حکومت رے کا حکم نامہ مل گیا۔ قیمتی لباس زیب تن کرایا گیا اور زرین گھوڑے پر سوار کیا گیا۔ پھر ابن زیاد نے کہا: اے عمر سعد! میں تمہیں ایک بڑے لشکر کی سپہ سالاری دے رہا ہوں، تم حکومت رے کے والی ہو اور ۵۰ ہزار دینار تمہیں دیتا ہوں۔ یہ سب کچھ اس شرط پر ہے کہ پہلے کربلا جاؤ اور حسینؑ سے یا یزید کی بیعت کروالاؤ یا اس کا سر جدا کردو۔

عمر ابن سعد نے کہا: اے امیر یہ کام بہت بڑا ہے، بغیر سوچے سمجھے نہیں کرسکتا۔ مجھے اجازت دے میں جا کر اپنی اولاد،

اصحاب اور اپنے رشتہ داروں سے مشورہ کرلوں تاکہ فیصلہ صحیح کرسکوں۔

ابن زیاد نے کہا: جاؤ اور مشورہ کر کے جلدی مجھے بتاؤ۔

عمر سعد قیمتی لباس پہنے اور قیمتی گھوڑے پر سوار، حکومت رَے کا پروانہ ہاتھ میں لیے ہوئے گھر آیا۔ جب اولاد نے اس حالت میں دیکھا تو کہا: یہ گھوڑا اور شاہی لباس کہاں سے ملے ہیں؟ اور جو پروانہ ہاتھ میں ہے یہ کیا ہے؟

ابن سعد نے کہا کہ اے بیٹو! اب ہماری طرف ایسی دولت نے رُخ کرلیا ہے جس کی انتہا نہیں، اب ہمارا بخت اُبھرا ہے جس کو زوال نہیں ہوگا۔ جان لو کہ ابن زیاد نے اپنے ایک لشکر کی سالاری مجھے دی ہے اور طبرستان کی ولایت بھی دینے کا اس نے وعدہ کیا ہے اور یہ سب کچھ اس شرط پر ہے کہ میں جاکر امام حسینؑ سے جنگ کروں۔

جب بڑے بیٹے نے یہ سنا تو کہا: هیهات هیهات ''ہائے افسوس! ہائے افسوس!'' یہ کون سی غلط فکر ہے جو تم نے سوچی ہے یہ کیا بے سود معاملہ ہے؟ یہ جانتے ہو کہ کس سے جنگ کرنی ہے؟ اور کس خاندان کی دشمنی کے لیے کمر باندھ لی ہے۔ یہ حضرت امام حسینؑ جناب سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ کے جگر گوشہ اور علیؑ مرتضیٰ کی آنکھوں کا نور اور سیدہ زہراءؑ کے دل کا میوہ ہیں۔ تمہارا باپ سعد بن وقاص تو ان کے جدامجد پر جان قربان کرتا تھا اور تم ان کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ یہ کام نہ کرنا، خوفِ خدا کرو اور روزِ قیامت کی شرمساری سے بچو، پیغمبرؐ کو بروزِ قیامت کیا جواب دو گے؟

تم نے خود تین خط امام حسینؑ کو لکھے تھے اور ان کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے تمہاری دعوت قبول کی اور اِدھر آئے ہیں تو اب ان کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے ہو۔ لوگ تجھے غدار اور بے وفا کہیں گے اور محبانِ اہلِ بیتؑ قیامت تک تجھ پر لعنت کرتے رہیں گے ہرگز یہ کام نہ کرنا، ہرگز نہ کرنا۔

عمر سعد نے بڑے بیٹے سے منہ پھیر لیا اور چھوٹے لڑکے سے پوچھا کہ تیری رائے کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جو بڑے بھائی نے کہا ہے وہ سچ ہے لیکن ہے ادھار اور جو ابن زیاد دے رہا ہے وہ نقد ہے اور کوئی عقل مند نقد کو اُدھار پر نہیں چھوڑتا اور حاضر کو غائب پر اختیار کرنے کو نہیں چھوڑتا۔

عمر سعد (لعنتی) نے کہا: بیٹا تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم نے ابھی دنیا اختیار کی ہے جب آخرت آئے گی تو دیکھا جائے گا۔

دوسرے دن عمر سعد ابن زیاد کے پاس گیا اور کہا کہ امام حسینؑ سے جنگ کرنا قبول ہے۔

ابن زیاد اس بات پر بہت خوش ہوا اور اُسے پانچ ہزار کا لشکر دیا کہ کربلا جاؤ۔ جب کوفہ سے باہر لشکر آیا تو ایک لشکری نے پوچھا: ابن سعد! کیا تو فرزندِ رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے کو جا رہا ہے؟

ابن سعد نے کہا: ہاں! اگرچہ دنیا میں حسینؑ سے جنگ ذلت اور رسوائی کا اور آخرت میں جہنم جانے کا سبب ہے لیکن

رَے کی حکومت بھی ذوق اور عیش وسرور کا سبب ہے۔

پھر روضۃ الشہداء میں ہے کہ حمزہ بن مغیرہ نے، جو عمر سعد کا بھانجا تھا، جب دیکھا کہ اس کا ماموں امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کا مصمم عزم کیے ہوئے ہے تو اپنے ماموں کے پاس آ کر کہنے لگا: تم کیوں اس جنگ کی طرف جا رہے ہو جو بہت بڑا گناہ ہے۔ اور قطع رحم کو بھی مستلزم ہے۔ یہ دھوکا اور بے وفائی کی مشہوری کا سبب ہے۔ تم یہ کام کرنے کیوں جا رہے ہو؟

عمر سعد نے کہا: اے بیٹے! اگر یہ کام نہ کروں تو حکومت سے محروم رہوں گا۔

حمزہ نے کہا: خدا کی قسم کہ حکومت کو ترک کر کے دنیا چھوڑ دینا اس سے بہتر ہے کہ تمہاری گردن پر خونِ حسینؑ ہو۔

ابن سعد نے بہت لمبی فکر کی اور ارادہ کیا کہ جنگ کو چھوڑ دوں لیکن دنیا کی محبت نے اس کی بصیرت پر پردہ ڈال دیا اور وہ گمراہی کے کنویں میں گر گیا اور پانچ ہزار کا لشکر لے کر کربلا پہنچ گیا۔

مرحوم واعظ قزوینی نے ریاض القدس میں امالی کی روایت لکھی ہے کہ ابن زیاد نے ایک سخت حکم نامہ اپنے لشکریوں کو لکھا کہ میں نے تمام لشکروں کا امیر عمر بن سعد کو بنایا ہے اور کسی شخص کو اجازت نہیں کہ عمر بن سعد کی مخالفت کرے، سب کے سب اس کی بات کو سنو اور اطاعت کرو، یہی تمہارا سپہ سالار ہے۔

ابن زیاد کے لشکر کا امام حسینؑ کے کارواں کو مدینہ جانے سے روکنا

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ امام حسینؑ کا کارواں وادیٔ عقبہ سے گزرا اور منزلِ شراف پر وارد ہوا تو رات گزارنے کے بعد سحری کے وقت جب امام حسینؑ نے اپنے کارواں کا حکم دیا کہ یہاں سے پانی زیادہ بھر لیں اور پھر روانہ ہو جائیں تو صحرا کا سفر طے کرتے ہوئے وقتِ زوال کسی نے اچانک تکبیر کہہ دی۔ جب اس کی آواز امامؑ نے سنی تو اللہ اکبر کہا اور پھر پوچھا کہ تکبیر کیوں کہی ہے؟

اس نے عرض کیا: قربان جاؤں کوفہ کے باغ نظر آ رہے ہیں، میں خوش ہوا ہوں کہ کوفہ پہنچ گئے ہیں، اس لیے تکبیر کہی ہے۔

دوسروں نے کہا: ہم کئی مرتبہ اس راستے سے گزرے ہیں یہاں پر باغ نہیں ہے۔

حضرتؑ نے پوچھا: پس تم کیا دیکھ رہے ہو؟

انہوں نے عرض کیا: خدا کی قسم! ہمیں تو گھوڑوں کی گردنیں نظر آ رہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں، یہ باغ نہیں لشکر ابن زیاد آ رہا ہے۔ اگر یہ دشمن کا لشکر ہے اور ہم سے جنگ کرے گا تو ہمیں ایک پناہ گاہ کی ضرورت ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا: یہ دائیں جانب پہاڑ کے دامن میں پناہ گاہ ہے۔ یہ حُر کا لشکر تھا۔ امامؑ نے نمازِ ظہر پڑھا کر لشکرِ حُر کو نصیحت کی کہ اے کوفیو! تم نے خط لکھے تھے، وفد بھیجے تھے تو میں اپنا گھر چھوڑ کر تمہارے بلانے پر اسلام کی تبلیغ وترویج کے لیے آیا ہوں۔ اور اب اگر تمہاری رائے بدل گئی ہے اور میرا کوفہ میں ورود ناپسند کرتے ہو تو ہمارا راستہ چھوڑ دو، ہم اپنے وطن مدینہ چلے جاتے ہیں۔

لشکرِ حُر خاموش رہا اور کوئی بھی جملہ معترضہ زبان پر نہ لایا۔

پھر نمازِ عصر کے بعد امامؑ نے ایک خطبہ دیا کہ خدا سے ڈرو، حق اور اہلِ حق کو پہچانو۔ ہم پیغمبرؐ کے اہلِ بیتؑ ہیں اور ہر شخص سے امامت اور خلافت کے زیادہ اہل ہیں۔ اگر تم اپنے وعدہ سے منحرف ہو چکے ہو تو میرا وعدہ پورا ہو گیا، اور اب میرا راستہ چھوڑ دو، میں واپس چلا جاتا ہوں۔

حُر نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! خدا کی قسم! میں ان غدار اور مکار کوفیوں سے نہیں ہوں جنہوں نے آپ کو دعوت دی، خطوط لکھے اور وفود بھیجے۔

امامؑ نے فرمایا: حُر اگر چہ تم نے نہ خط لکھا ہے اور نہ کچھ پتا ہے لیکن جو باقی لوگ تمہارے ساتھ ہیں ان میں وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے خطوط لکھے۔ پھر خطوط والی خورجین زمین پر بکھیر دی۔ جب حُر نے اس کثرت سے خطوط کو دیکھا تو کہا: خدا لعنت کرے ان پر جن لوگوں نے آپؑ کے ساتھ دھوکہ اور فریب کیا۔ میں قربان جاؤں، اس میں میری کوئی تقصیر نہیں ہے۔ مجھے تو ابن زیاد نے بھیجا ہے کہ آپؑ کے ساتھ رہوں تاکہ آپؑ کو ابن زیاد کے پاس لے چلوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اَلْمَوْتُ اَدْنٰی اِلَیْكَ مِنْ ذٰلِكَ ''تمہارے اس ارادے سے پہلے موت قریب ہے''۔

یہ فرمایا اور اُٹھ کھڑے ہوئے، پھر آزردہ خاطر اور آشفتہ حال اپنے کارواں سے فرمایا: چلو، اس سے آگے جانا ہے۔ تمام اصحاب نے سامان باندھا اور عورتوں اور بچوں کو سوار کیا، سب سوار ہو گئے۔ امام حسینؑ نے حکم دیا: اِنْصَرِفُوا اِلَی الْمَدِیْنه ''اب یہ کوفی اپنے ارادہ سے منحرف ہو گئے اور ہمارا کوفہ میں آنا ان کو ناپسند ہے، تو واپس مدینہ چلو، ہم اپنے گھروں میں آباد ہوں گے''۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا لِيَنصَرِفُوا حَالَ الْقَوم بَيْنَهُم وَبَيْنَ الانصراف

جب کاروانِ حسینیؑ پیچھے کو مڑنے لگا تو حُر کے لشکر نے راستہ روک لیا۔ بنی ہاشم نے بآوازِ بلند کہا: کارواں کو کس نے روکا ہے؟ اتنے میں امام حسینؑ کی آواز بلند ہوئی: ثَکِلَتْكَ اُمُّكَ مَا تُرِیْدُ ''تمہاری ماں تمہارے غم میں روئے، اب ہم سے کیا چاہتے ہو؟ کیوں ہمیں وطن نہیں جانے دیتے۔ کیوں زہراءؑ کی اولاد کو رُلاتے ہو؟''

حُر آگے بڑھا اور عرض کیا: یابن رسولؐ اللہ! جو آپؑ مجھے دشنام دی، آپؑ کو اختیار ہے لیکن میں یہ دشنام نہیں دے سکتا۔ میری ایک عرض ہے۔

امامؑ نے فرمایا: بتاؤ تمہیں کیا چاہیے؟ کس لیے کارواں کو روکا ہے؟

حُر نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپؑ کے ساتھ رہوں تا کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔

امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ کام کبھی نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی ایسا کرسکتا ہے۔

حُر نے کہا: خدا کی قسم! پھر میں بھی آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا کیونکہ میں جنگ پر مامور نہیں ہوں، آپؑ سے جھگڑا نہیں کرتا لیکن اگر آپؑ کو ابن زیاد کے پاس نہ لے جاؤں تو فرض کی ادائیگی میں مقصر ہوں گا اور آپؑ کوفہ کی طرف جاتے نہیں تو میری گزارش ہے ایک اور راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف۔ اُسی پر چلتے رہیں پھر دیکھا جائے گا کہ ابن زیاد کا کیا حکم آتا ہے تا کہ میں آپؑ کے سامنے بھی شرمندہ نہ ہوں اور ابن زیاد کا مقصر بھی نہ بنوں۔

پھر حُر نے امامؑ کو ایک راستہ بتایا کہ اس پر روانہ ہو جائیں۔ یہ نہ کوفہ جائے گا اور نہ مدینہ جائے گا۔

حضرتؑ نے یہی راستہ اختیار کیا۔ قادسیہ کی بائیں جانب سے اور عذیب سے گزرے تو پوچھا کہ تم میں سے کوئی ہے جو اس مشہور راستہ کے علاوہ غیر معروف صحرائی راستہ کو جانتا ہو؟

طرماح آگے بڑھا اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میں غیر معروف راستوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم آگے آگے چلو، ہم تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔

طرماح آگے چلتا رہا اور حسینیؑ کارواں غم زدہ دلوں سے پیچھے چلتا رہا۔ اس مقام پر چار شخص امام حسینؑ کے ساتھ شامل ہوگئے۔ ہلال بن نافع مرادی، عمرو الصید اوی، سعید بن ابی ذر غِفاری، عبیداللہ مذحجی تھے۔ ان کے بعد کسی مقام پر حبیب بن مظاہر اسدی، مسلم بن عوسجہ، عابس بن سبیب شاکری بھی امامؑ کے ناصرین میں شامل ہوگئے۔

جب چار شخص امامؑ کے ساتھ شامل ہونے لگے تو حُر نے روکا لیکن جب امامؑ نے ذرا تند لہجے سے جھڑکا تو اُنہیں آنے دیا۔ امامؑ نے ان سے کوفہ کے احوال پوچھے اور حضرت مسلمؑ بن عقیل، ہانی بن عروہؓ اور قیس بن مسہر کی شہادت کا احوال پوچھا جس پر امام حسینؑ زار و قطار رونے لگے اور تمام اصحاب بھی روتے رہے۔

جن اشخاص پر حجت تمام کی اور ان کو دعوتِ حق دی

① اپنی قوم اور اصحاب کو یوں دعوت دی جو اللہ کی ملاقات چاہتا ہے ہمارے ساتھ چلے، میں کل صبح جارہا ہوں (کافی

افراد آئے)۔

(۲) عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر: ان تینوں نے کوئی عذرِ شرعی پیش کیا اور امامؑ کے ساتھ نہ آئے۔

(۳) عبداللہ بن جعفر: ان کی نظر کمزور تھی، ان کو خود امامؑ نے مکہ سے واپس بھیجا اور انہوں نے اپنے دو بیٹے محمد وعون ساتھ بھیجے۔

(۴) زُہیر بن قین: یہ پہلے عثمانی تھے جب دعوت ملی تو قبول کی اور غلامی کا حق ادا کیا۔

(۵) ھرثمہ بن مسلم: اپنی بیٹی کا بہانہ بنا کر امامؑ کی دعوت کی طرف نہ آیا بلکہ کوفہ چلا گیا۔

(۶) لشکرِ حُر بن یزید ریاحی: جن کو پانی پلانا، ان کے گھوڑوں کو پانی پلایا، انہوں نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھی، ان کو دعوتِ حق دی، اس وقت ان سے کسی نے امام حسینؑ کی طرف آنے کا دم نہ بھرا لیکن صبح عاشور حُر اور اس کے ساتھ ۳۰ فوجیوں نے امام حسینؑ کے لشکر میں شمولیت اختیار کرلی۔

(۷) عمر بن سعد: چھے محرم کی رات سے دس محرم کی رات تک امام حسینؑ اُسے خلوت میں سمجھاتے رہے لیکن اس نے جہنم ہی اختیار کی تھی۔

(۸) بنی اسد: حبیب بن مظاہرؓ امامؑ کا پیغام لے کر نویں محرم کی رات تک ان کے پاس گئے۔ اُن میں سے کافی لوگ تیار ہوئے لیکن ابن سعد کے لشکر نے ان کو امام حسینؑ تک نہ آنے دیا۔

(۹) روزِ عاشور: میدان میں استغاثہ کرنا اور مدد طلب کرنا۔ جب سب شہید ہو چکے تھے: ھل من ناصر ینصرنا ھل من معین یعیننا

اس استغاثہ کا جواب معنوی دنیا میں چار نفر اور ظاہری دنیا میں پانچ نفر نے دیا۔

معنوی عالم میں پہلا جواب گو خود خداوند قدوس نے فرمایا: لبیك یاحسین۔ دوسرا جواب: تمام آسمانوں کے فرشتے اور عالم بالا کے کروبیین (فرشتوں) نے لبیک کہا۔ تیسرا جواب: تمام انبیاءؑ، اوصیاءؑ، اولیاءؑ اور صدیقین کی ارواح نے کیا۔ چوتھا جواب: جن، پریاں، تمام عالم کے ذرات، مجردات اور غیر مجردات، عالمِ علوی و اسفلی کے سارے تکوینات یعنی زبان سے بار بار کہہ رہے تھے: لبیك لبیك یاحسین لبیك یاحسین۔

ظاہری عالم میں پہلا جواب: امام سجاد علیہ السلام کہ باوجود بیماری اور تکلیف کے استغاثہ سننے پر فرمایا: پھوپھی اماں! مجھے عصا اور تلوار دو، بابا نصرت طلب فرما رہے ہیں۔

دوسرا جواب: حضرت شہزادہ علی اصغرؑ جو چھے ماہ کے تھے، نے اپنے آپ کو گہوارے سے گرا دیا اور پھر اپنے بابا کی نصرت کی بلکہ بابا کی فتح کا اعلان کردیا۔

(مترجم: یہ لفظ اعلان میری طرف سے ہے، صاحب کتاب نے نہیں لکھا اور میں نے اس لیے لکھا ہے کہ جناب علی اصغرؑ نے اپنے گلے پر تیر کھا کر دشمنوں میں اپنے بابا کی فتح کا اعلان یوں کر دیا کہ اے یزید تو کتنا کمزور ہے کہ اتنی بڑی طاقت، فوج، لشکر، نیزوں، تلواروں اور سب سے بڑھ کر گھوڑوں اور اُونٹوں کو مارے جانے والے سہ شعبہ آہنی تیر سے مجھ جیسے معصوم کی گردن نہیں جھکا سکا، تو میرے بابا کی گردن کیسے جھکا سکتا ہے)

تیسرا جواب: امام حسنؑ کے ایک صاحبزادے نام عبداللہ تھا، گیارہ سال کے تھے اور چچا کا استغاثہ سننے پر پھوپھیوں کے پکڑنے کے باوجود میدان میں پہنچے اور شہید ہو کر نصرت کی۔

چوتھا جواب: جناب عبداللہ بن حسینؑ، ایک گھنٹہ پہلے پیدا ہونے والا بچہ بھی استغاثہ سن کر دائی کے ہاتھوں پر سوار ہو کر میدان میں آ گیا اور اذان و اقامت سنتے سنتے بابا کی نصرت کی۔

پانچواں جواب: حضرت زینب کبریٰؑ بھی استغاثہ کے وقت نصرتِ امامؑ کے لیے آئیں جبکہ امام حسینؑ کے بدن کی کوئی جگہ سالم نہ تھی۔ تفصیلی تذکرہ بعد میں کیا جائے گا۔

ورود کربلا اور شبِ عاشور تک کے واقعات

کاروانِ حسینیؑ غیر معروف راستہ سے کربلا آ رہا تھا کہ عذیب الہجانات کے مقام پر حُر بن یزید کو ابن زیاد ملعون کا خط پہنچا جس میں اُس نے حُر کی ملامت کی اور مذمت کی کہ تو حضرت امام حسینؑ سے کیوں نرمی کا برتاؤ کر رہا ہے، ان پر سختی کیوں نہیں کرتا۔ جب یہ خط ملا تو حُر خوفزدہ ہو گیا اور اس کے بعد ذرا سختی کرنا شروع کر دی۔ کبھی کارواں کو روک دیتا کبھی چلنے کی اجازت دیتا، سواروں اور مخدراتِ عصمت اور بچوں کی سواریوں کو کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر چلنے کا حکم دیتا تھا۔ اور اپنے اختیار سے ان کو چلنے نہیں دیتا تھا۔ اسی طرح پریشانی سے چلتے چلتے کاروانِ حسینیؑ ایک بنجر، بے آب و گیاہ زمین پر پہنچا تو چونکہ حُر کو ابن زیاد نے لکھا تھا کہ امام حسینؑ اور ان کے کارواں کو بے آب و گیاہ بیابان میں روک لے، اس لیے حُر نے اس وادی میں روک لیا۔ اگرچہ امامؑ نے اصرار کیا کہ ہمیں آگے جانے دے تا کہ نینوا یا غاضریہ میں پڑاؤ ڈالیں لیکن حُر نے اجازت نہ دی اور کہا کہ ابن زیاد نے مجھ پر جاسوس مقرر کر رکھے ہیں جو میرے رویے اور اعمال پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور اسی قسم کی زمین میں آپؑ کو روکنے کا مجھے حکم ہوا ہے لہٰذا آگے نہیں جانے دوں گا۔

اس زمین پر آتے ہی تمام کاروانِ حسینیؑ کے دلوں میں ہیبت طاری ہو گئی۔

امام حسینؑ نے پوچھا کہ ما اسمُ هٰذهِ الارضِ؟ "اس سرزمین کا نام کیا ہے؟"

تو کہا گیا: کربلا۔

امامؑ نے فرمایا: پس سواریاں بٹھا دو، نیچے اُتر آؤ، یہی ہماری آخری منزل ہے۔ ہمارے مردوں کے گھوڑوں سے اُترنے کا یہی مقام ہے اور ہمارا خون اسی جگہ پر بہایا جائے گا۔ ہماری قبریں یہاں بنیں گی، یہ وہی خاک اور زمین ہے جس کا نانا نے فرمایا تھا۔

کاروانِ حسینیؑ اپنی سواریوں سے اُتر آیا اور حُر نے بھی مقابل میں ڈیرہ جمالیا۔

ابومخنف کے نزدیک اپنے مقتل میں ورودِ کربلا کا منظر

جب خاصِ آلِ عبأ کا گھوڑا زمینِ کربلا پر پہنچ تو قدم آگے نہ بڑھایا، اگرچہ امام حسینؑ نے گھوڑے کو آگے چلنے کے لیے ہانکا لیکن گھوڑے نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ امامؑ نے گھوڑا تبدیل کیا تو اس نے بھی قدم نہ بڑھایا۔ فَلَم یَزَل یَرکَبُ فَرَسًا فَرَسًا حَتّٰی رَکِبَ سِتَّةِ اَفرَاسٍ حضرتؑ نے چھ گھوڑے تبدیل کیے جب کسی نے بھی قدم نہ بڑھایا تو حضرتؑ نے اصحاب سے پوچھا: اَیُّ مَوضَعٍ هٰذِہٖ "یہ زمین کون سی ہے؟"

اصحاب نے عرض کیا: غاضریہ۔

حضرتؑ نے پوچھا: کوئی اور نام بھی ہے؟ صحابہ نے کہا: شاطی الفرات۔ پھر فرمایا: کوئی اور نام بھی ہے؟ عرض کیا گیا: اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔

اس وقت حضرتؑ نے فرمایا: اب مشکل آسان ہوگئی ہے۔

فَتَنَفَّسَ الصُّعَدَاء وَبُکٰی بُکَاءً ا شَدِیدًا قَالَ وَاللّٰهِ اَرضَ کَربٍ و بَلَاءٍ وَاللّٰهِ هُیهنَا یُقتَلُ الرِجَال وَاللّٰه تَرَمَّلَ النِّسوان هیهنَا وَاللّٰهِ تُذبَحُ الاطفَالَ وَهیهنَا وَاللّٰهَ تَهتِکُ الحَرِیم فَانزِلُوا بِنَایَا کِرَامٍ فَهِیهُنَا مَحَلُّ قُبُورِنَا

"پس امامؑ نے دل پُر درد سے سرد آہ لی اور بلند آواز سے روئے، پھر فرمایا: خدا کی قسم! کرب و بلا والی یہی زمین ہے جہاں دکھ اور مصیبتیں ہوں گی۔ خدا کی قسم! ہمارے جوان یہیں مارے جائیں گے۔ خدا کی قسم! ہماری عورتیں یہیں بیوہ ہوں گی۔ خدا کی قسم! ہمارے چھوٹے بچوں کو یہیں ذبح کیا جائے گا۔ خدا کی قسم! ہماری حُرمت اور تعظیم کا پردہ یہیں اُترے گا۔ پس میرے جواں مردو! اور شرفا کے وارثو! یہاں اُتر آؤ کیونکہ یہی ہماری قبروں کا مقام ہے"۔

پھر امام حسین علیہ السلام گھوڑے سے اُترے، جوں ہی امامؑ کے قدم اس زمین پر پڑے تو خاکِ کربلا کا رنگ زرد ہو گیا اور کچھ غبار اُڑا جو حضرتؑ کے چہرۂ مبارک پر اور بالوں میں بیٹھ گیا۔ روایت مفید کے مطابق حضرت امام حسینؑ کا کربلا میں ورود بروز جمعرات ۲ محرم الحرام ۶۱ ہجری ہے۔

روزِ ورودِ کربلا، ۲ محرم کے واقعات

ہماری تحقیق کے مطابق ورودِ کربلا کے دن چھ درج ذیل واقعات ہوئے:

(۱) کتاب مجمع میں شیخ طریحی نے لکھا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنی قبر مطہر کے مقام کے اردگرد جگہ کو اہلِ نینویٰ اور اہلِ غاضریہ سے ۶۰ ہزار درہم میں خریدا اور خرید کر ان کو اس شرط پر عطیہ کردی کہ وہ ہماری شہادت کے بعد ہماری زیارت کے لیے آنے والوں کی ہماری قبر مطہر کی طرف رہنمائی کریں گے اور ان کو تین دن مہمان رکھیں گے۔

کشکول شیخ بہائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۲ محرم کا ہے اور کہا گیا ہے کہ اطرافِ قبر کو ۶۰ ہزار درہم میں اہلِ نینویٰ و غاضریہ سے خریدا اور اس شرط پر ان کو زمین واپس کردی کہ میرے زائرین کی رہنمائی کرنا اور تین دن مہمان رکھنا۔

صاحبِ کتاب ہذا کا بیان ہے، جو جگہ اپنے حرم کے لیے امامؑ نے خریدی وہ چار میل مربع ہے (مترجم: ساڑھے چھ کلومیٹر) جو آپؑ کی اولاد اور آپؑ کے محبوں پر حلال اور دوسروں پر حرام ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ میل کی مسافت روئے زمین پر آنکھ کی دید کی انتہائی مقدار ہوتی تھی جسے چار ہزار ہاتھ معین کیا گیا ہے۔

(۲) کتاب مہیج الاحزان میں ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا میں وارد ہوئے تو حضرت سیدہ زینبؑ بھائی کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ برادر یہ وادی بہت وحشت ناک، دردناک اور ہولناک ہے، جس وقت سے ہم یہاں اُترے ہیں، میرے دل پر وحشت کا بوجھ زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بہن! باباؑ کے زمانہ میں بابا اور بھائی کے ساتھ جب صفین جا رہے تھے اور ایسی زمین سے عبور ہوا تو ہم یہاں اُترے اور آرام کرنا چاہا۔ میرے بابا کا سر بھائی حسنؑ کی گود میں تھا۔ آپؑ کچھ دیر سوئے، میں بابا کے سر کے قریب بیٹھا تھا کہ وہ اچانک نیند سے جاگے اور سخت گریہ کرنے لگے۔ بھائی نے اس قدر شدید گریہ کی وجہ پوچھی۔ باباؑ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا اس وادی میں خون کا دریا ہے اور میرا بیٹا حسینؑ اس خونی دریا میں غوطے کھا رہا ہے اور انھی غوطوں کے دوران میں استغاثہ بھی کر رہا ہے اور کوئی اس کی مدد کے لیے نہیں آتا۔ پھر بابا نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے اباعبداللہ! اس ہولناک واقعہ کے وقت تمہاری کیا حالت ہوگی اور کیا کرو گے؟

میں نے عرض کیا: میں صبر کروں گا اور اللہ کی رضا پر راضی رہوں گا۔

(۳) سید ابن طاؤس لہوف میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسینؑ کا پُر شکوہ کارواں پُر بلا زمینِ کربلا پر پہنچا اور اس زمین پر اُترا تو امام حسینؑ ایک طرف بیٹھ گئے۔ اصحاب اور غلاموں نے خیام لگانے شروع کر دیے۔ حضرت امامؑ اپنی تلوار صاف کر رہے تھے اور سوختہ دل سے اپنے پروردگار سے مناجات کر رہے تھے۔ آپؑ زمانے کی بے وفائی کا شکوہ ان اشعار میں کر رہے تھے۔

یا دھر افٍ لک من خلیل　　کم لک بالاشراق والاصیل

من طالب وصاحب قتیل　　والدھر لا یقنعُ بالبدیل

وانما الامر الی الجلیل　　وکل حی سالک سبیلی

"یعنی اے زمانے! تجھ پر تُف ہے کہ تو بُرا دوست ہے، صبح اور شام میں حق کے طالبوں اور اپنے دوستوں کو قتل کر دیا ہے۔ زمانہ عوض قبول نہیں کرتا۔ پس تمام امور خدا کے حوالے ہیں اور ہر زندہ میری طرح جانے والا ہے"۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت زینب علیہا السلام نے جب یہ اشعار سنے تو بھائی کی خدمت میں عرض کیا: بھائی ایسی باتیں تو وہ کرتا ہے جسے اپنے قتل کا یقین ہو جائے۔

حضرتؑ نے فرمایا: ہاں بہن! (مجھے یقین ہے)

جنابِ زینبؑ نے عرض کیا: ہائے! یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ حسینؑ اپنی موت کی خبر مجھے دے رہے ہیں۔

یہ بین سنتے ہی تمام مستورات میں گریہ شروع ہو گیا اور اپنے چہروں پر فرطِ غم سے طمانچے مارنے لگیں اور گریبان چاک کرنے لگیں۔

حضرت علیا مخدرہ اُم کلثومؑ بار بار یہی بین کرتی تھی: وامحمدا، واعلیا، وا امی زھراء واحسنا واحسیناہ! ہائے ہماری غربت جو آپؑ کے بعد ہو گی اے ابا عبداللہ الحسینؑ!

روایت میں ہے کہ امام حسینؑ نے بہن کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: میری بہنو! اللہ سے کیے گئے وعدے دل میں یاد رکھو کہ آسمانوں کے ساکن بھی فانی ہیں، زمین کے ساکن بھی فانی ہیں، تمام مخلوقات فنا ہونے والی ہے۔

پھر فرمایا: بہن اُم کلثومؑ! بہن زینبؑ اور فاطمہؑ! اے رباب! یہ خیال کرنا کہ میرے دنیا سے جانے کے بعد گریبان چاک نہ کرنا اور ایسی کوئی بات نہ کرنا جو خدا کی ناراضگی کا باعث ہو۔

بہن نانا رسولؐ چلے گئے، اماں زہراءؑ زخمی پہلو سے رخصت ہوئیں، بابا علیؑ زخمی پیشانی سے دنیا سے گئے، بھائی حسنؑ

زہر سے شہید ہوئے جس طرح تم نے پہلے صبر کیا، اب بھی صبر کر لینا۔

(۴) جلاء العیون میں علامہ مجلسی بیان فرماتے ہیں کہ جب خامسِ آلِ عباؑ زمینِ کربلا میں وارد ہوئے تو آپؑ نے اصحاب کو بلایا، اپنے سامنے بٹھایا اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد فرمایا: اے میرے دوستو! قَدْ نَزَلَ مِنَ الْاَمْرِ مَا تَرَوْنَ وَاَنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَغَيَّرَتْ وَتَنَكَّرَتْ "ہمارے یہ حالات ہو گئے جو تم دیکھ رہے ہو، دنیا ہم سے منہ پھیر چکی ہے اور ہمیں پہچاننے سے بھی انکاری ہے"۔ ہماری زندگی کے آخری ایام ہیں۔ لوگوں نے حق کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور باطل پر جمع ہو گئے ہیں۔

پس جو شخص خدا، رسولؐ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو دنیا سے منہ موڑ لے اور پروردگار کی ملاقات کے لیے شوق پیدا کرے کیونکہ راہِ حق میں شہادت سعادتِ ابدی کی روایت ہے اور ظالموں کے ساتھ مومنین کا زندگی گزارنا سوائے محنت اور مشقت کے اور کچھ نہیں۔

حضرت امام حسینؑ کے ایک عاشق زُہیر بن قین بجلی نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! سَمِعْنَا مَقَالَتَكَ وَلَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا لَنَا بَاقِيَةً وَكُنَّا فِيهِ مُخَلَّدِينَ لَا ثَرَنَّ النُّهُوضَ مَعَكَ عَلَى الْاِقَامَةِ فِيهَا "ہم نے آپ کا دردِ دل گوشِ دل سے سنا ہے اگرچہ دنیا فانی ناچیز ہے اور اس میں زندگی ہیچ ہے لیکن اگر دنیا ہمیشہ باقی رہنے والی ہو، مضبوط اور محفوظ ہو تو بھی کسی صورت میں ہم آپ کی نوکری سے جدا نہ ہوں گے اور آپ کی خدمت میں نوکری کو دو جہانوں کی حکومت کے بدلے بھی نہیں دیں گے اور ہمیشہ اس دنیا میں باقی رہنے سے آپؑ کے قدموں میں شہادت کو ترجیح دیں گے۔

جب زُہیر نے یہ کلام کیا تو ایک اور عاشق دل باختہ ہلال بن نافع اُٹھا جو حضرت علیؑ کا تربیت یافتہ اور شاگرد تھا، نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کے جدّ امجد، بابا اور بھائی ہمیشہ انھی مشکلات اور مصائب میں مبتلا رہے اور اُمت سے کس قدر رنج دیکھے، میں قربان جاؤں، مکاروں اور دھوکے بازوں نے ایسی بدعہدی کی ہے اور بیعت توڑی ہے جسے پہلے لوگ کرتے رہے تو انہوں نے اپنا نقصان اٹھایا۔

خدا کی قسم! ہم پروردگار کے پاس جانے میں سُست رَو نہیں بلکہ ہم تو خالص نیت اور راسخ عزم سے آپؑ کے عبد اور نوکر بنے ہیں لہٰذا آپؑ کے دوستوں کے دوست اور آپؑ کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔

اے فرزندِ رسولؐ! خدا کی قسم! لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اَنْ نُقَاتِلَ بَيْنَ يَدَيْكَ وَتَقَطَّعَ فِيكَ اَعْضَائُنَا ثُمَّ يَكُونُ جَدُّكَ شَفِيعُنَا يَوْمَ الْمَعَادِ "یہ خدا کا ہمارے اُوپر احسان ہے کہ آپ کی راہ میں جان قربان کرنا نصیب ہوگا اور آپؑ کے قدموں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور قیامت کے روز آپؑ کے ناناؐ ہمارے شفیع ہوں گے"۔

ان جانثاروں نے اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور حضرت امام حسینؑ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

شہرابن آشوب لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے ثُمَّ نَظَرَ اِلَیهِم فَبَکٰی سَاعَةً "اپنے اصحاب کے جذبات سنے تو کافی دیر تک روتے رہے"۔

اور کوئی نہ جانتا تھا کہ کون سی چیز نے دل نازنین پر اثر کیا ہوا کہ ایک گھنٹہ روتے رہے اور بار بار روتے رہے اور رونے سے کوئی وقفہ نہ ہوا۔ پھر حضرتؑ نے آسمان کی طرف چہرہ بلند کیا اور حق سبحانہٗ سے مناجات شروع کیں اور یہ ایسے دکھی انداز میں مناجات تھی کہ محبوں کے دل کباب ہوگئے اور آنکھیں بے اختیار برسنے لگ گئیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا عِترَةُ نَبِیِّكَ مُحَمَّدا وَقَد اَخرَجنَا وَطَرَدنَا وَاَزعَجنَا عَن حَرَمِ جَدِّنَا وَقَعَدَت بَنُو اُمَیَّةَ عَلَینَا اَللّٰھُمَّ فَخُذلَنَا بِحَقِّنَا وَانصُرنَا عَلَی القَومِ الظَّالِمِینَ

بارِالٰہا! ہم تیرے پیغمبر کی عترت ہیں، ہمیں وطن سے نکال دیا گیا ہے اور ہم صحراؤں میں زندگی گزار رہے ہیں جب کہ بنی اُمیہ کو ہمارے مقام پر بٹھا دیا ہے اور ہم پر طرح طرح کے ظلم وستم روا رکھے جا رہے ہیں۔ اے خدایا! ہمارا حق ان سے چھین لے اور ہمیں ظالموں کے خلاف نصرت عطا فرما"۔

(۵) بحارالانوار میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے امام باقر علیہ السلام کی روایت نقل کی ہے کہ امامؑ نے فرمایا: جب میرے دادا کربلا میں وارد ہوئے تو اپنے بھائی محمد حنفیہ اور دیگر بنی ہاشم کو مدینہ میں خط لکھا اور اس میں اپنی گرفتاری کے بارے اشارہ کردیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من الحسین بن علی الی محمد بن علی ومن قبله من بنی هاشم ، امابعد! فکان الدنیا لم تکن والآخرة لم تزّل والسلام

"ہم نے دنیا کو ایسا بنا دیا ہے کہ اس سے پہلے ایسی نہ تھی اور آخرت کو دائم اور باقی جانتے ہیں لہٰذا ہم نے دنیا سے آنکھیں بند کر کے آخرت کو اختیار کرلیا ہے"۔

علامہ مجلسیؒ نے مناقب سے نقل کیا ہے کہ ورودِ کربلا کے بعد حُر نے ابن زیاد کو امامؑ کے ورود کی اطلاع دی تو ابن زیاد نے ایک خط امام حسینؑ کے نام یوں لکھا:

"اے حسینؑ! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم کربلا پہنچ گئے ہو، مجھے یزید نے لکھا ہے کہ میں اس وقت تک نرم بستر پر نہ سوؤں اور گندم کی روٹی نہ کھاؤں جب تک تمہیں قتل نہ کرلوں یا پھر تم یزید کی بیعت کرلو۔ والسلام!"

تیز و تند سوار یہ خط کربلا لایا اور محضر امامؑ سے اجازت طلب کی گئی کہ عبیداللہ کا قاصد خط لایا ہے؟ امامؑ نے اجازت دی۔ قاصد نے خط خدمتِ امامؑ میں پیش کیا۔ امامؑ نے خط پڑھا تو اس کے مضمون میں موجود رکیک جملات کی وجہ سے اس کو زمین پر پھینک دیا اور فرمایا کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو مخلوق کی رضامندی کے لیے خدا کو ناراض کردے۔

قاصد نے جواب نامہ کا مطالبہ کیا تو فرمایا: اس قسم کا خط جواب کے قابل نہیں البتہ لکھنے والا عذابِ خدا کا مستحق ہے۔

قاصد ابن زیاد کے پاس آیا اور تمام حال سنایا۔ ابن زیاد کو بہت غصہ آیا اور فوری طور پر عمر بن سعد سے کہا کہ سنا ہے تم نے، فرزندِ فاطمہؑ نے میرے خط کی کیسے توہین کی ہے، لہٰذا تمہیں لشکر دیا ہے جاؤ اور اس سے جنگ کرو۔ پھر ہر روز کربلا میں لشکر جنگ کے لیے بھیجتا رہا۔ البتہ تمام لشکر ابن زیاد کی تعداد، کیفیتِ سپاہ کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

وقائع روز سوم محرم

ابن زیاد کا قاصد واپس پہنچا تو اس نے ابن زیاد کو اُس کے خط کے بارے امام حسینؑ کا رویہ بتایا تو وہ بہت آگ بگولا ہوگیا۔ جامع مسجد کوفہ آیا، منبر پر تقریر کی اور لوگوں کو امام حسینؑ کے ساتھ جنگ پر برانگیختہ کیا۔ لوگ فوج در فوج امامؑ کو قتل کرنے اور ابن زیاد سے دنیا حاصل کرنے کی خاطر جمع ہوگئے اور ایک جرار لشکر آمادہ ہوگیا۔

ابی مخنف نے لکھا ہے کہ ابن زیاد ملعون نے دس علَم دس سرداروں کے نام مرتب کیے اور ان کو کربلا میں فرزندِ رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے بھیجتا رہا۔

۱. پہلا علَم عمر بن سعد کا تھا کہ چار ہزار سوار دے کر کربلا کی طرف روانہ کیا۔
۲. دوسرا علَم عروۃ بن قیس کا تھا جس کا لشکر دو ہزار سوار کا تھا۔
۳. تیسرا علَم سنان بن انس کا تھا جس کا لشکر چار ہزار سوار پر مشتمل تھا۔
۴. چوتھا علَم قعقاع فہری کے بیٹے کے لیے مختص تھا جس کا لشکر چار ہزار سوار کا تھا۔
۵. پانچواں علَم خولی کو دیا گیا جس کے ساتھ تین ہزار مسلح افراد تھے۔
۶. چھٹا علَم قشعم کے لیے خاص تھا جس کے ساتھ تین ہزار مسلح افراد تھے۔
۷. ساتواں علَم حصین بن نمیر غدار کو دیا جس کے پاس آٹھ ہزار سوار تھے۔
۸. آٹھواں علَم ابوقدار باہلی کو دیا گیا جس کے ساتھ نو ہزار سوار تھے۔
۹. نواں علَم عامر بن صریمہ کو دیا گیا اسے چھ ہزار کے لشکر پر سرداری حاصل تھی۔

⑩ دسواں علم شبث بن ربعی پلید کو دیا گیا اور اسے دس ہزار کے لشکر کا سردار بنایا گیا۔

یہ لشکر ۳ محرم سے کربلا میں آنا شروع ہوئے اور ۹ محرم کی عصر تک رہے۔ جب تمام لشکر وارد کربلا ہو گئے تو زمین کربلا میں تل بھر جگہ خالی نہ تھی اور لشکریوں نے تمام بیابان کو پُر کر دیا تھا۔ البتہ یہ لشکر باری باری کربلا آتے رہے۔ اس حوالے سے لشکریوں کی کُل تعداد ۵۳ ہزار تھی۔ اور حُر کے لشکر کو ساتھ شامل کیا جائے تو ۵۴ ہزار تعداد بن جاتی ہے۔

لشکروں کے کوفہ سے نکلنے کی ترتیب صاحب معالی السبطین کے نزدیک

بعض کتب میں ہے کہ ابن سعد کے کوفہ سے آنے کے بعد پہلا شخص جو کوفہ سے نکلا وہ شمر ذی الجوشن ہے جو کوفہ سے چار ہزار سواروں کا لشکر لے کر کربلا روانہ ہوا لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ ملعون ۹ محرم کو کربلا میں وارد ہوا۔ اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ شمر ابتدائے محرم میں کربلا آیا، پھر واپس آ گیا اور پھر ۹ محرم کو لشکر لے کر کربلا وارد ہوا۔

پھر عروۃ بن قیس چار ہزار کا لشکر لے کر کوفہ سے نکلا۔ اس کے بعد سنان ابن انس چار ہزار سپاہی لے کر نکلا۔ اس کے بعد حصین بن نُمیر چار ہزار لشکری لے کر آیا۔ اس کے بعد یزید بن رکاب کلبی دو ہزار لشکری لے کر، اس کے بعد فلان مازنی تین ہزار لشکری لے کر پھر خولی تین ہزار کا لشکر لے کر کوفہ سے نکلا۔

لشکر کی تعداد

تاریخ میں ابن سعد کے لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے:

① ناسخ التواریخ میں ہے کہ بقول سبط بن الجوزی چھ ہزار نفر تھی۔

② مرحوم سید ابن طاؤس نے لہوف میں، اعثم کوفی اور علامہ مجلسی نے محمد بن ابی طالب سے روایت نقل کی ہے کہ لشکر کی تعداد ۲۰ ہزار نفر تھی۔

③ مرات الجنان میں یافعی اور مطالب السؤل میں محمد بن طلحہ شافعی نے لکھا ہے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد ۲۲ ہزار تھی۔

④ ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ ابن زیاد ملعون نے ۳۵ ہزار جنگجو تیار کر کے کربلا بھیجے۔

⑤ شافیہ کا شارح لکھتا ہے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد ۵۰ ہزار تھی۔

⑥ ابو مخنف لکھتے ہیں: سپاہ ابن زیاد کی تعداد جو کربلا میں موجود تھی وہ ۸۰ ہزار نفر تھے جو تمام کوفی تھے اور ان میں شامی، حجازی، بصری کوئی بھی نہ تھا۔

⑦ بعض تواریخ میں لشکر ابن زیاد کی تعداد ایک لاکھ، بعض میں دو لاکھ اور بعض میں آٹھ لاکھ تک لکھی گئی ہے۔

٨ پھر صاحبِ ناسخ اپنا نظریہ رکھتے ہیں کہ ابن زیاد ملعون کے لشکر کی تعداد ۵۱ یا ۵۳ ہزار تھی۔

٩ ان کے بعد حائری مرحوم لکھتے ہیں کہ بعض اہلِ تواریخ نے لکھا ہے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد اس قدر تھی کہ اگر کوئی شخص ٹیلے یا بلند مقام پر کھڑا ہو کر دیکھتا تو جہاں تک نظر جاتی گھوڑے، افراد، تلواریں اور نیزے ہی نظر آتے تھے اور لشکر کی کثرت اس قدر تھی کہ اسے اگر انسانوں کا اُمڈتا ہوا سیلاب کہا جائے تو بعید نہیں۔ یا کہا جائے کہ افراد کی سیاہی رات کی سیاہی کی طرح تھی، یا پھر موسلا دھار بارش کے قطرات سے اس لشکر کی تعداد کو تشبیہہ دی جا سکتی ہے جیسے خود امام حسینؑ نے ایک رجز میں یہی تشبیہہ دی ہے۔

وابن سعد قد رمانی عنوةً　　　بجنود کو کوف الهاطلین

بقول اقبال:

دشمنانِ او چون ریگِ صحرا لاتعد　　　دوستانِ او بہ یزدان ہم عدد

١٠ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۳ محرم سے ۶ محرم تک کوفہ کے لوہے کے بازار میں اس قدر بھیڑ اور شور وغل اور غوغا تھا کہ جو شخص بازار آتا تلوار خرید رہا ہوتا تھا یا نیزہ یا تیر یا سرِ نیزہ خریدتا تھا۔ اور اگر یہ آلات پہلے موجود ہوتے تو ان کو تیز کرواتا، صیقل کرواتا یا ان آلات کو زہر میں بجھایا جا رہا تھا۔ ان تمام کا مقصد یہ تھا کہ ان تیز دھار آلات سے خوشبوئے رسولؐ و عزیزِ بتولؑ کا خون بہائیں۔

ہائے تعجب کہ ان تمام تیروں کو زہر میں مسموم کر لیے تھے اور تیر اندازوں کے ایک گروہ کے پاس یک شعبہ (ایک بھالہ) تیر تھے تو دوسرے گروہ کے پاس دو شعبہ (دو بھالے) والے تیر تھے اور تیسرے گروہ کے پاس سہ شعبہ (تین بھالے) والے تیر تھے جو سب فرزندِ رسولؐ کے لیے بنائے جا رہے تھے۔

ورودِ عمر بن سعد روزِ سوم محرم

ابنِ زیاد نے جو دس لشکر تیار کیے سب سے پہلا لشکر عمر بن سعد کا ۳ محرم ۶۱ ہجری کو کربلا آیا جس کے ساتھ ۴ ہزار اور ۶ ہزار سپاہی تھے۔ اسی کا پہلا علم تھا اور فرات کے کنارے اپنا ڈیرہ جمایا۔ عمر بن سعد سے پہلے حُر بن یزید ریاحی کربلا میں موجود تھا اور اس نے ہی امامؑ کو اس خشک اور بے آب و گیاہ صحرا میں اُترنے پر مجبور کیا تھا۔ حُر کو عمر بن سعد کے کربلا آنے پر دل میں خیال آیا کہ یہ لشکر بھی حضرت خامسِ آلِ عباؑ سے جنگ کرنا آیا ہے اور حضرتؑ پر زندگی تنگ کر دے گا اور اس کا سبب میں بنا ہوں، لہٰذا اپنے کیے پر شرمندہ ہو گیا اور ہمیشہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت اور مذمت کرتا رہتا تھا کہ یہ میں نے امام

حسینؑ کو کس قدر ظلم کے طوفان میں پھنسا دیا اور تمام اہلِ بیتؑ کو دشمنوں کے چنگل میں پھنسا دیا ہے۔

اس لیے یہ حال معلوم کرنے کے لیے کہ ابھی جو لشکر آیا ہے امامؑ سے جنگ کرنا آیا ہے یا ویسے آیا ہے۔ دکھی دل اور پریشان حالت میں اُٹھا اور ابن سعد کے پاس آیا، سلام کیا، عمر نے جواب دیا اور حُر کو خوش آمدید کہا۔ پھر اپنے امیر ابن زیاد کا فرمان حُر کو دکھایا اور فخر کیا۔

جنابِ حُر نے جب عمر بن سعد کو جنگ کے لیے تیار دیکھا تو بہت پُرملال اور شکستہ دل ہو گئے اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا لیکن خاموش رہے اور اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ اس انتظار میں کہ یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔

مرحوم مفید علیہ الرحمٰن نے ارشاد میں لکھا ہے کہ جب ابن سعد ظالم کربلا کی زمین میں ٹھہر گیا تو عروہ بن قیس احمسی جو کوفہ کا ایک نامور بہادر تھا، کو بلایا اور کہا کہ جاؤ اور امام حسینؑ سے پوچھو کہ آپ اس طرف کیوں آئے ہیں؟

عروہ خود وہ شخص ہے جس نے امامؑ کو خط لکھا تھا اور کوفہ آنے کی دعوت دی تھی لہٰذا ابن زیاد کا حکم سنتے ہی رنگ زرد ہو گیا اور خجالت کا پسینہ پیشانی پر نمودار ہو گیا۔ اس نے سر نیچے کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اُوپر کیا اور کہا کہ یہ کام میں نہیں کر سکتا۔ جب ابن زیاد نے دیکھا کہ یہ عروہ امام حسینؑ کے پاس جانے سے انکار کر رہا ہے تو لشکریوں کی طرف منہ کر کے کہا کہ تم میں سے ایک شخص جائے اور امام حسینؑ سے پوچھ کر آئے کہ اس طرف (عراق) کیوں آئے ہو؟

کسی سپاہی نے جواب نہ دیا کیونکہ ان میں سے اکثریت نے امامؑ کی خدمت میں خط لکھے تھے اور دعوت دی تھی اس لیے سب سر نیچے کیے کھڑے تھے۔ بالآخر کثیر بن عبداللہ شعبی، جو بہادر، شجاع، بے باک، نیز بے حد بد اخلاق اور بے حیا تھا، اُٹھا اور کہا کہ جب کوئی نہیں جاتا تو میں حسینؑ کے پاس جاتا ہوں اور اگر تو حکم کرے تو اس کو قتل بھی کر دوں گا۔

ابن سعد کو اس کی بے حیائی اور بے شرمی سے اپنی بے حیائی بھول گئی اور کہا کہ قتل نہیں چاہتا صرف یہ پوچھنا ہے کہ ان دیار میں کیسے آئے ہو؟

کثیر بن عبداللہ خیمہ سے اس حال میں نکلا کہ تلوار کمر سے لٹکائی ہوئی تھی اور وہ بڑے تکبر اور غرور سے امامؑ کے خیام کی طرف روانہ ہوا۔ جب امام حسینؑ کے خیمے کے قریب پہنچا تو باآواز بلند نعرہ لگایا: اے حسینؑ! اے حسینؑ!

حضرتؑ نے یہ آواز سنی اور اپنے اصحاب سے پوچھا کہ یہ بے ادب کون ہے جو اس طریقے پر آواز دے رہا ہے۔ ابوثمامہ صائدی امامؑ کے خیمے کا پہرے دار تھا، وہ آگے بڑھا اور اس کو پہچان کر واپس امام عالی مقامؑ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میں قربان جاؤں، یہ روئے زمین کا بدترین شخص آپ کی طرف آیا ہے جو پاگل، بے باک، گستاخ اور بدزبان ہے۔ اس کا نام کثیر بن عبداللہ شعبی ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ اس سے پوچھا کہ کیا چاہتا ہے؟

ابوثمامہ صائدی جلدی سے اس شخص کے پاس گئے اور کہا کہ کیا چاہتے ہو؟

اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں اس خیمے میں داخل ہوں (امامؑ کے خیمہ کی طرف اشارہ کیا)۔

ابوثمامہ نے فرمایا: بہت اچھا لیکن تم اسلحہ کے ساتھ اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ اسلحہ اُتار کر باہر رکھ دو پھر اندر جا سکتے ہو۔

کثیر نے کہا: یہ کام نہیں ہوگا اور نہ میں تمہاری بات سنتا ہوں بلکہ اسلحہ سمیت اندر جاؤں گا۔

ابوثمامہ صائدی بولے: میں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں اگر اندر آنا چاہتا ہے تو جب تک تو خیمہ سے نہ نکلے گا میں تیری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا۔

کثیر بہت ہنسا اور کہنے لگا کہ تم میری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ نہیں رکھ سکتے۔

ابوثمامہ نے کہا: تو اپنا مطلب بتا کہ میں خود امامؑ سے پوچھ لوں اور تجھے جواب دوں ورنہ میں تمہیں خیمے کے نزدیک بھی نہ آنے دوں گا کیونکہ تو فاسق اور فاجر شخص ہے۔

کثیر نے کہا: تم مجھ ایک شخص سے اس قدر خائف کیوں ہو؟

ابوثمامہ نے کہا: اے فاجر و فاسق و کافر! امامؑ کی بارگاہ کعبہ کی مثل ہے کہ احترام سے وہاں جانا چاہیے اور کعبہ کے پاس اسلحہ لے جانے کی اجازت نہیں۔

کثیر کہنے لگا: پس میں واپس جاتا ہوں اور اپنا پیغام بھی تمہیں نہیں دیتا۔

ابوثمامہ نے کہا: جاؤ جہنم میں۔

وہ ملعون تیر خوردہ ریچھ کی طرح مڑ گیا اور ابن سعد کو تمام واقعہ سنایا۔

(جنتی بن گیا)۔ مقتل ابی مخنف میں ہے کہ ابن سعد نے خزیمہ نامی ایک اور شخص کو بلایا اور کہا: امامؑ کے پاس جا کر بڑے ادب سے یہ پوچھو کہ اس طرف کیوں آئے ہو؟

یہ خزیمہ اندر سے محبِّ اہلِ بیتؑ اور بہت نیک شخص تھا لیکن کسی کو دل کا راز نہ بتاتا تھا۔ چنانچہ بڑے سکون و وقار اور شائستگی سے امام حسینؑ کے خیام کی طرف گیا۔ جب خیام کے قریب پہنچا تو بڑے ادب اور احترام سے صدا دی: السلام علیکم یابن بنت رسول اللہ۔

امام حسینؑ نے اصحاب سے پوچھا: یہ کون ہے؟

عرض کیا گیا: یہ شخص نیک کردار اور اچھا شخص ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: اس سے پوچھو کہ کیا چاہتا ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟

زُہیر بن قین آگے بڑھے اور پوچھا کہ کیا چاہتے ہو اور کیا کہہ رہے ہو؟

خزیمہ نے کہا: میں دنیا اور آخرت کے بادشاہ کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں اور ایک پیغام لایا ہوں۔

زہیر نے کہا: بہت اچھا: اَلْقِ سلاحک، اسلحہ رکھ دو پھر مشرف ہونا۔

خزیمہ نے کہا: ٹھیک ہے، تلوار رکھ دی اور خیمۂ امامؑ کے اندر داخل ہوگیا۔ جوں ہی اس کی نظر امام حسینؑ پر پڑی، آپؑ کے قدموں میں گر پڑا اور امامؑ کے پاؤں کے بوسے لینے کے بعد عرض کیا:

اے مولاؑ! اے آقاؑ! مجھے ابن سعد نے بھیجا ہے۔ وہ ملعون کہتا ہے کہ آپؑ اس طرف کس مقصد کے لیے آئے ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: تمہارے خطوط مجھے اپنے وطن سے دُور کر کے تمہارے دیار میں لائے ہیں۔ اس سے کہہ دو کہ اے بے حیا! مجھے تم نے اپنی مظلومیت کا لکھا کہ ہم عاجز ہیں، ہماری نصرت کرو اور اب جب مکہ و مدینہ سے آ گیا ہوں تو پوچھتے ہو کس لیے آیا ہوں؟ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

خزیمہ نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، خدا ان پر لعنت کرے کہ جنہوں نے آپؑ جیسی محترم شخصیت کو اپنے وطن سے نکال کر مشکل اور پریشانی میں ڈال دیا ہے اور اب وہ ابن زیاد کے خواص میں سے ہو گئے ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم جاؤ اور میرا یہ جواب اپنے سردار کو دو کہ تمہارے خطوط مجھے ان صحراؤں، بیابانوں میں لائے ہیں۔

خزیمہ نے عرض کیا: میں قربان جاؤں اور میرے قدم کٹ جائیں اگر آپؑ کی محبت کی گلی سے نکلیں کیونکہ آپؑ کے قدموں میں بہشت ہے اور وہاں جہنم۔

امام عالی مقامؑ جناب خزیمہ کے پختہ عقیدے سے خوش ہوئے اور اس کے حق میں دعا کی: وَصَلَکَ اللّٰہ کَمَا وَاصَلْتَنَا لِنَفسِکَ ''تمہیں ہمیشہ خدا کی رحمت اور مغفرت نصیب ہو کیونکہ تم نے اپنی جان کو ہم سے پیوستہ کیا ہے''۔

عمر بن سعد کو اطلاع ملی کہ خزیمہ امامؑ کے کارواں سے ملحق ہوگیا ہے اور عالمین کے سلطان کی نوکری اختیار کر لی ہے تو ابن سعد کو بہت غصہ آیا اور صاحب ارشاد کے مطابق اُس نے قرہ بن قیس حنظلی کو بلایا اور کہا کہ حسینؑ کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ اس طرف آنے کا مقصد کیا ہے؟

قرہ بن قیس امامؑ کے خیام کے قریب آیا تو حضرتؑ نے اُسے دیکھا اور اصحاب سے پوچھا کہ اس آنے والے کو پہچانتے ہو؟

حبیب بن مظاہر اسدی نے عرض کیا: میں جانتا ہوں یہ حنظلہ ہے اور بنی تمیم کا شخص ہے۔ پہلے تو یہ شخص صالح، نیک اور اچھا تھا، میرا گمان تک نہ تھا کہ یہ بھی ابن سعد کے ساتھ آئے گا۔ اتنے میں قرہ بن قیس امامؑ کے پاس آیا، سلام کیا اور ابن سعد کا پیغام دیا۔

امامؑ نے فرمایا کہ عمر سعد سے کہہ دو کہ تمہارے شہر کوفہ والوں نے مجھے خطوط لکھے، وفود بھیجے اور کوفہ آنے کی دعوت دی ہے، میں ان کی دعوت پر کوفہ آیا ہوں اور اگر تمہیں میرا اس طرف آنا پسند نہیں ہے تو میرا راستہ چھوڑ دو، میں واپس چلا جاتا ہوں۔

قرہ نے جواب لے لیے اور واپس جانے لگا تو حبیب ابن مظاہر نے کہا: اے قرہ! ہائے افسوس تم پر، کیا پھر انھی ظالموں اور ستم کاروں کے پاس جا رہے ہو؟ اور امام مظلومؑ وغریب کی نصرت سے دُور بھاگ رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ خداوند متعال نے ان کے آباء کا صدقہ ہمیں اور تمہیں دین عطا کیا اور ہمیں اسلام کی طرف ہدایت کی ہے۔

قرہ نے جواب میں کہا کہ امام حسینؑ کا پیغام ابن سعد تک پہنچا دوں پھر جو مصلحت ہوئی انجام دوں گا۔

قرہ نے جا کر ابن سعد کو امام حسینؑ کا جواب سنایا تو عمر بن سعد نے کہا: میں امیدوار ہوں کہ خدا مجھے امامؑ کے ساتھ جنگ کرنے سے محفوظ رکھے گا۔

بہرصورت امام حسینؑ کے جواب سے عمر بن سعد خوش ہوا کیونکہ اس قسم کے جواب کی توقع نہ رکھتا تھا، بلکہ اسے یقین تھا کہ امامؑ حکومت کے لالچ میں کوفہ آئے ہیں اور حضرتؑ کی شجاعت، جرأت، دلیری سے ڈرتا بھی تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر حضرتؑ خود جنگ کرنے نکل آئے اور تلوار چلانا شروع کی اور غیرتِ الٰہی حرکت میں آ گئی تو اس لشکر کے دریا کو اُٹھا کر لپیٹ دے گی۔

لیکن جب اس روباہ صفت انسان کو یقین ہو گیا کہ امام حسینؑ طبعاً حکومت کی طرف مائل نہیں، اور نہ ہی سیاست کرنا چاہتے ہیں بلکہ ان کا مکمل ارادہ ہدایت اور تبلیغ کا ہے تو بہت خوش ہوا اور دنیا و آخرت کا خوف اس کے دل سے زائل ہو گیا۔ چنانچہ ابن زیاد کو خط لکھا۔

عمر بن سعد کا کربلا سے ابن زیاد کو خط لکھنا

مرحوم شیخ مفید ارشاد میں فرماتے ہیں کہ عمر بن سعد نے یہ خط لکھا:

اَمَّا بَعدُ فَاِنِّی حَیثُ نَزَلتُ بِالحُسَینِ بنِ عَلی بَعَثتُ اِلَیهِ مِن رُسُلِی فَسَئَلتُه عَمَّا

اَقدَمه وَمَاذَا یَطلب؟ فَقَال کَتَبَ اِلَیَّ اَهلُ هَذِهِ البَلاء وَاَتَتنِی رُسُلُهم یَسئَلُونَنِی القدوم فانا منصرفٌ عنهم

حسان بن قائد بن بکر العبسی کہتا ہے: میں ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا کہ ابن سعد کا خط پہنچا جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امابعد! بعد از حمدِ خدا میں نے کربلا پہنچتے ہی کسی کو امام حسینؑ کے پاس بھیجا تا کہ ان کے اُدھر آنے کا مقصد دریافت کروں۔ تو حضرتؑ نے فرمایا کہ کوفہ کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھ کر دعوت دی، پے در پے وفد بھیجے اور میں نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور کوفہ آ گیا۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ اگر کوفہ والوں کو میرا ادھر آنا ناپسند ہے اور وہ اپنے وعدوں سے منحرف ہو چکے ہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ والسلام!

راوی کہتا ہے کہ ابن زیاد نے خط پڑھا اور قہقہہ لگایا اور کہا کہ اب ہم نے اس کو (امام حسینؑ) گھیر لیا ہے تو وہ نکلنا چاہتا ہے، حالانکہ اب ہم اسے قطعاً نہیں چھوڑیں گے۔

پھر ابن سعد کے اس خط کا جواب یوں لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! میں نے تمہارا خط پڑھا تو حالات کا پتہ چل گیا۔ تم حسینؑ پر گرفت مضبوط اور تنگ کرو، یزید کی بیعت کرلیں، اگر وہ اور اس کے تمام اصحاب یزید کی بیعت کر لیں تو پھر ہم سوچیں گے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ والسلام!

عمر بن سعد کی امام حسینؑ سے ملاقات

سید عبدالفتاح مرحوم نے تبر المذاب میں لکھا کہ ابن سعد نے کسی کو امامؑ کی خدمت میں پیغام دے کر بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے رات کو تنہائی میں فرات کے کنارے ملاقات کرو۔ امام حسینؑ نے دو اصحاب اپنے ساتھ لیے اور تعین شدہ جگہ اور وقت پر رات کی تاریکی میں تشریف لے گئے۔ جوں ہی فرات کے کنارے پہنچے، عمر بن سعد دوڑ کر آیا اور امامؑ کے قدموں میں گر پڑا، اور کافی دیر تک حضرتؑ کا سر و سینہ چومتا رہا اور خوشبو لیتا رہا۔ پھر حضرتؑ کو ایک دری پر بٹھایا اور دو زانو ہو کر حضرتؑ کے سامنے بیٹھ گیا۔

کچھ دیر کے بعد عرض کیا: سبطِ رسولؐ کی جو شان ہے وہ برقرار ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: خدا توفیق دے۔

عمر بن سعد مسکرایا اور کہا کہ اگر قابلیت ہو تو۔

پھر ہر قسم کی باتیں ہوئیں، بالآخر ابن سعد نے عرض کیا: میں قربان ہو جاؤں، آپؑ کیسے اس طرف تشریف لائے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: اس شہر کوفہ کے لوگوں کے خطوط نے مجھے اپنے وطن اور حرم سے دُور کیا ہے۔ انہوں نے اس قدر خطوط لکھے اور وفود بھیجے کہ میرا مکہ میں رہنا حرام کر دیا تھا، لہٰذا پہلے میں نے اپنے چچازاد مسلم بن عقیل سلام اللہ علیہ کو بھیجا، پھر میں خود ان کے شہر میں چلا آیا اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ کوفیوں نے مسلمؑ سے کیا سلوک کیا۔

ابن سعد نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، کوفیوں کی بات پر اعتماد کیوں کیا؟ آپؑ کے باپ اور بھائی سے انہوں نے جو کچھ کیا وہ آپؑ کو معلوم نہیں تھا؟

حضرتؑ نے فرمایا: تم نے کہا تو ٹھیک ہے لیکن جو شخص راہِ خدا میں دھوکا اور فریب کرے ہم جانتے اور سمجھتے ہوئے راہِ خدا میں آنے والی ہر مصیبت کو خدا کے لیے برداشت کرتے ہیں۔

عمر سعد نے کہا: آپؑ درست فرما رہے ہیں کہ اب کوفیوں کے نفاق نے آپ کو مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے اور آپؑ نے بھی جان بوجھ کر ان مصیبتوں کو گلے سے لگایا ہے، لہٰذا اب اپنی اس مشکل اور پریشانی کا حل سوچیں۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ میری پریشانیوں کا حل یہ ہے: دَعُونِي اَذْهَبَ اِلَى الْمَدِينَةِ اَوْ اِلَى مكة اَو بعض الثغور اُقِيمُ بِهٖ كَبَعْضِ اَهْلِهَا ''مجھے مدینہ یا مکہ یا کسی سرحدی علاقہ میں جانے دو وہاں کے لوگوں کی طرح کا ایک فرد ہو کر رہوں گا اور وہاں ہی زندگی گزار دوں گا''۔

عمر متاثر ہوا اور کہا کہ میں آپؑ کی یہ خواہش ابن زیاد کو لکھتا ہوں اگر وہ قبول کرلے تو میرے دین اور اس کی حکومت کی بھلائی اسی میں ہے۔

چار محرم کے واقعات

عمر سعد کی امام سے ملاقات

صاحب ریاض القدس نے لکھا ہے کہ جب چار محرم کی رات عمر بن سعد امام حسینؑ کے پاس فرات کے کنارے بیٹھا تھا، تو حضرتؑ نے اس سے تین تمناؤں کا اظہار کیا۔ عمر نے کہا کہ میں ابن زیاد کو لکھوں گا، مجھے امید ہے کہ ان تین میں سے ایک وہ ضرور قبول کرلے گا، بات یہاں ختم ہوگئی۔

امام حسینؑ اپنے خیمے میں تشریف لائے اور عمر سعد اپنے خیام کی طرف چلا گیا۔ ۴ محرم کی صبح عمر سعد نے اپنے لشکر کے زعماء کو بلایا اور ان سے امام حسینؑ اور ابن زیاد کے بارے میں مشورہ لیا، باتیں ہو رہی تھیں اور عمر سعد امام حسینؑ کے بے قصور ہونے کی بات کر رہا تھا کہ اچانک اسی وقت کوفہ سے ابن زیاد کا قاصد آ پہنچا اور عمر سعد کے خط کا جواب لایا۔

جوں ہی ابن سعد نے ابن زیاد کے خط کا مضمون پڑھا تو بہت پریشان ہو گیا اور اپنی گفتگو جو لشکر کے بڑوں سے کر رہا تھا اس میں شرمندہ ہونے لگا اور خاموش ہو کر سوچنے لگا کہ فرزندِ رسولؐ کسی صورت میں پسر مرجانہ کی اطاعت نہ کریں گے اور میں فرزندِ رسولؐ سے لڑنا بھی نہیں چاہتا اور دوسری طرف رَے کی حکومت کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ یہی باتیں دل میں سوچ رہا تھا کہ ایک اور قاصد آ پہنچا اور ابن زیاد کا دوسرا خط دیا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا:

''اے ابن سعد! میں نے اتنا بڑا لشکر تمہیں بلاوجہ نہیں دیا اور اس قدر گھڑ سواروں اور تیر اندازوں کو تمہاری اطاعت میں بے مقصد نہیں دیا۔ خبردار رہو کہ مجھے صبح و شام تمہارے دن رات کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں۔

بقول مناقب: یہ بھی لکھا کہ حسینؑ پر حالات کو تنگ کرو تا کہ وہ جنگ کریں یا یزید کی بیعت کر لے، مہلت نہیں دینا اور حسین پر تنگی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا پانی بند کر دو تا کہ اس کو تکلیف ہو اور وہ بیعت کرے یا جنگ کرے۔ والسلام!

دشمن کے الفاظ صاف ظاہر ہے تلخ ہی ہوں گے، لہٰذا بے ادبی کی صحیح عکاسی کرنا ناگزیر تھا۔

ابن سعد یہ خط پڑھ کر بہت حیران اور پریشان ہوا اور ابن زیاد پر لعنت بھی کی اور سارا دن اس کی حالت متغیر رہی۔ جوں ہی رات ہوئی تو موثق روایت کے مطابق امام حسینؑ دکھی دل اور پریشان کیفیت میں خیمہ کے در سے چودھویں کے چاند کی طرف نکلے۔ پیغمبرؐ کا عمامہ سر پر تھا، ان کی زرہ پہنی ہوئی تھی کہ ایک صحابی سے فرمایا: جاؤ ابن سعد سے کہو کہ میں دونوں لشکروں کے سامنے تم سے ملنا چاہتا ہوں البتہ گفتگو تمہارے ساتھ خلوت میں ہوگی۔

ابن سعد کو یہ پیغام پہنچا تو وہ لشکر سے باہر نکلا اور امامؑ بھی روانہ ہوئے، ایک جگہ پر بیٹھے۔ حفص اور درید عمر کے محافظ ساتھ کھڑے تھے اور حضرت عباسؑ و حضرت علی اکبرؑ امام حسینؑ کے محافظ بن کر کھڑے تھے کہ عمر بن سعد نے کہا: ابن زیاد نے کہا ہے اور آج کے خطوط میں تاکید کی ہے کہ آپؑ ہر صورت میں یزید کی بیعت کریں، اگر بیعت نہیں کرتے تو پہلے آپؑ اور اصحاب پر پانی بند کر دوں، پھر آپؑ سے جنگ کروں جس طرح عثمان کو پیاسا قتل کیا گیا اسی طرح آپؑ کو پیاسا شہید کریں گے۔

امام علیہ السلام نے ابن سعد کی باتیں سنیں اور بطور نصیحت فرمایا: ''ہائے افسوس تجھ پر اے ابن سعد! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے! کیا تمہیں قیامت کا یقین نہیں، پسر مرجانہ کی اطاعت کرتے ہو اور میرے قتل پر کمربستہ ہو گئے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ اگر تمہارے ہاتھ میرے خون میں رنگین ہوئے تو قیامت کے دن تمہاری نجات ہرگز نہ ہوگی۔

عمر ابن سعد نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، میں آپؑ کو اچھی طرح جانتا ہوں، آپؑ کے حسب اور نسب کو تمام سے بہتر سمجھتا ہوں۔ آپؑ سبطِ پیغمبرؐ، فرزندِ حیدرؑ اور جنابِ فاطمہ زہراءؑ کے دل کا میوہ ہیں لیکن آپ دو کاموں میں سے ایک کام

ضرور کریں ورنہ ابن زیاد کے ظلم کی آگ کا شعلہ آپؑ کو اور مجھے بھی جلا ڈالے گا۔ کوئی چارہ کریں تا کہ ہم دونوں بچ جائیں۔ آپؑ قتل ہوں اور نہ میں قتل ہوں۔

امامؑ نے فرمایا کہ اس کا حل یہ ہے کہ ان تین کاموں میں سے ایک کام کرو:

(۱) مجھے راستہ دو تا کہ میں مکہ یا مدینہ کی طرف لوٹ جاؤں۔

(۲) مسلمانوں کے کسی شہر میں چلے جانے کی اجازت دو تا کہ وہاں ایک عام مسلمان کی طرح زندگی گزار سکوں۔

(۳) مجھے اجازت دو کہ میں خود یزید کے پاس شام چلا جاؤں۔

اے عمر سعد! اگر ان تین راستوں سے ایک پر جانے کی اجازت دے دو تو تجھے بھی نقصان نہ ہوگا اور میری حاجت بھی پوری ہو جائے گی۔

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم! میں امام حسینؑ اور عمر سعد کی گفتگو سن رہا تھا کہ ان تین راستوں کے علاوہ کوئی اور بات بھی امامؑ نے نہ کی اور یہاں تک کہ امامؑ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو، میں بیابانوں میں غریب و نادار اور خانہ بدوشوں کی طرح زندگی گزاروں گا۔ اپنے رشتہ داروں اور وطن سے جدائی پر صبر کرتا رہوں گا۔

عمر بن سعد نے کہا: مجھے تو ہر بات قبول ہے، لیکن وہ پُرکینہ کافر ان باتوں میں سے کسی ایک کو بھی تسلیم نہ کرے گا اگرچہ میں اس کو قائل کرنے کی لاکھ کوشش کروں۔ میں اپنی طرف سے بہت کچھ سفارش لکھوں گا شاید ان راستوں سے ایک راستہ دے اور بادشاہِ حجاز سے شرمندگی سے بچ جاؤں۔

پانچویں محرم کے واقعات

پانچویں محرم کی صبح عمر بن سعد سے قلم، دوات اور کاغذ مانگا اور ایک تفصیلی خط ابن زیاد ملعون کو اس مضمون کا لکھا (بحوالہ ارشاد شیخ مفیدؒ)

امابعد! بعد از حمدِ خدا و تعریف مصطفیؐ! امیر کو معلوم ہو کہ خداوند کریم اور واجب التعظیم اَحد نے ہماری مراد پوری کر دی ہے اور ہمارے دلی مقصد کو پورا کر دیا اور وہ آگ جو بھڑک رہی تھی کہ جس سے گھر تک جل جاتے اور جو آگ حجاز سے عراق تک شعلہ وَر تھی تو اسے خدا نے بجھا دیا۔ یہ دو باتیں جو دونوں جانب سے مختلف تھیں اور ان پر تشویش تھی تو خدا نے ان کو جمع کر دیا ہے اور امرِ خلافت جو اُمت کے درمیان اولویت کے باب میں تھا، اس کی بھی خدا نے اصلاح کر دی۔

خلاصہ یہ ہے کہ فتنہ کی آگ ٹھنڈی ہوگئی ہے، تجاوز کرنے والے ہاتھ پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ فساد، اصلاح میں اور تفرقہ،

اتحاد میں بدل گیا ہے۔

حضرت حسینؑ بن علیؑ نے زمینِ کربلا میں میرے ساتھ عہدو پیمان کیا ہے۔ اس کے بعد کسی کی دعوت پر اپنی سکونت سے نہیں آئیں گے اور کسی کی باتوں میں آ کر حکومت کے خلاف باتیں نہیں کریں گے۔ جہاں سے وہ آئے ہیں وہ وہاں سے واپس لوٹ جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔ یا دُور دراز کے کسی اسلامی شہر میں جانا چاہتے ہیں جہاں وہ عام مسلمان کی طرح زندگی گزاریں گے اور کسی بات میں دخل نہ دیں گے اور کسی سے اپنی بیعت نہ لیں گے۔ یا خود وہ شام میں یزید کے پاس جانے کے لیے تیار ہیں اور یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کے لیے تیار ہیں۔ پھر جو فیصلہ یزید کرے گا وہ منظور ہوگا (یہ جملہ امام حسینؑ نے نہیں فرمایا تھا بلکہ ابن سعد کا جملہ تھا)۔ ان تین خواہشوں میں دین کی اصلاح اور حکومت اور رعیت کی بھلائی ہے اور خدا کی رضا بھی اسی میں ہے۔ اب آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ والسلام!

یہ خط ایک سوار کو دیا تا کہ وہ جلدی جلدی ابن زیاد تک پہنچ جائے۔

چھے محرم کے واقعات

ابومخنف کے مقتل میں ہے کہ رات کو عمر سعد اپنے خیام سے نکل کر ایک خلوت کے مقام پر قالین نما فرش ڈال کر امام حسینؑ سے ملاقات کرتا رہا، آپس میں باتیں ہوتیں رہیں پھر دونوں اپنے اپنے خیام کی طرف چلے گئے۔

خولی بن یزید اصبحی جو اہلِ بیتؑ کا سخت دشمن اور آلِ علیؑ سے ذرا بھی محبت نہ رکھنے والا بلکہ بغض سے بھرا ہوا شخص تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ عمر سعد امام حسینؑ سے رات کو ملاقاتیں کرتا ہے تو اس نے خفیہ خط ابن زیاد کو لکھا اور ملاقاتوں کے سلسلے کا لکھا اور عمر بن سعد کی بہت شکایت کی اور لکھا کہ اے ابن زیاد! تم نے اس بے غرضہ بے قیمت شخص کو ہمارا سالار بنا کر بھیجا ہے، یہ تو صرف کھانے پینے اور آرام سے سو جانے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں کرتا اور رات کو امام حسینؑ سے تنہائی میں ملاقاتیں کرتا ہے اور اس کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آتا ہے۔ اس نے تمام لشکر کو خواہ مخواہ صحرا میں بے کار معطل کر رکھا ہے۔ تم حکم جاری کرو تا کہ عمر بن سعد سپہ سالاری سے معزول ہو جائے کیونکہ وہ اس قابل نہیں اور مجھے سپہ سالار بناؤ تا کہ ایک آن میں تیرے حکم کو اجرا کروں اور حسینؑ کی زندگی کا چراغ بجھا کر تجھے سکون پہنچاؤں۔

یہ خط ایک تیز رفتار سوار کو دیا اور کوفہ روانہ کر دیا۔ جب ابن زیاد نے خط پڑھا تو بہت غصے ہوا اور اسی وقت قہر انگیز مضمون پر مشتمل ایک خط ابن سعد کو لکھا:

صاحبِ کتاب ہٰذا کا بیان ہے کہ ابن سعد نے خط ابن زیاد کو لکھا، ابھی قاصد کو کوفہ کی طرف بھیجا ہی تھا کہ ایک قاصد

کوفہ سے پہنچ گیا جس کے پاس ابن زیاد کا خط تھا۔ ابن سعد نے خط لیا اور کھولا تو پہلی سطر یہی تھی:

''ابن سعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ رات کو خلوت میں امام حسینؑ سے ملاقاتیں کرتا ہے اور دیگر تمام کاموں کا مجھے علم ہے جو تو کربلا میں کر رہا ہے۔ پس جوں ہی میرا یہ خط پڑھے تو فوراً حسینؑ اور اس کے اصحاب سے یزید کے لیے بیعت لو۔ اگر بیعت سے انکار کریں تو اس پر پانی بند کر دو تا کہ پیاس سے نڈھال ہو جائے۔ پھر اس سے جنگ کرو اور حسینؑ اور اس کے اصحاب کے سر میری طرف کوفہ بھیج دو۔ (دشمن لعنتی کا ہر خط قہر آلود ہوتا تھا، لہٰذا بے ادبانہ انداز یقینی ہے۔ مصحح)

ابن سعد نے جب خط پڑھا تو اُس کا بدن کانپنے لگا اور چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

ساتویں محرم کے واقعات

پانی کا بند ہونا

کتابِ قمقامِ ذخّار میں ہے کہ شبث بن ربعی ملعون کو ابن زیاد نے ابن سعد کی نصرت میں کربلا بھیجنا چاہتا تھا اور وہ نہیں جانا چاہتا تھا اس لیے شبث بن ربعی نے اپنے آپ کو بیمار ظاہر کیا اور کئی دن ابن زیاد کے دربار میں نہ گیا تا کہ کربلا جانے سے جان چھوٹ جائے۔

ابن زیاد کو حقیقتِ حال کا علم ہوا تو اسے یہ پیغام بھیجا کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے: وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ''اور جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب اپنے شیطانوں سے خلوت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم مستقیم میری اطاعت پر ہے تو میرے پاس چلے آؤ''۔ (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۴)

شبث رات کو ابن زیاد کے پاس آیا تا کہ اس کے چہرے کے رنگ کو صحیح طور پر تمیز نہ دے سکے۔ ابن زیاد نے اُسے مرحبا کہا اور اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ تجھے ہر صورت کربلا جانا ہے۔ شبث نے قبول کیا اور ساتویں محرم کی صبح ہزار سپاہی لے کر کربلا روانہ ہو گیا۔ پھر ابن زیاد نے ایک خط ابن سعد کے نام لکھا، جس کا مضمون یہ تھا:

''حسینؑ اور اس کے اصحاب کا پانی بند کر دو اور ایک قطرہ بھی پانی نہ جانے پائے۔ جس طرح عثمان بن عفان کو پیاسا مارا گیا تھا اسی طرح پیاسا مارا جائے''۔ (صاف ظاہر ہے ابن زیاد کا لہجہ بے ادبی پر مبنی تھا۔ مصحح)

یہ خط ۷ محرم کو ابن سعد کے پاس پہنچا تو اس نے فوری طور پر عمر بن حجاج زبیدی کو بلایا اور اسے پانچ سو نفر کا مسلح دستہ دے کر فرات کے کنارے پر پہرے دار بنا دیا اور اس کو حکم دیا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی امامؑ تک نہ جانے پائے۔ پھر حجاز بن

ابجر کو بلا کر کہا کہ چار ہزار کا لشکر لے جاؤ اور عمرو بن حجاج زبیدی کی نصرت کرو۔ وہ چار ہزار کا لشکر لے کر نہر فرات کے کنارے پہنچ گیا اور لشکر نے پورے کنارۂ فرات پر ایسا قبضہ کیا کہ تل بھر جگہ نہ تھی۔

پھر ابن سعد نے شبث کو بلا کر کہا کہ ابن زیاد مجھ سے ناراض ہے اور خط میں میری سرزنش اور ملامت کی ہے، لہٰذا تہمت ختم کرنے اور نام ونشان کمانے کے لیے تین ہزار کا لشکر اور فرات کے کنارے کو ایسا محفوظ کرو کہ پانی کا قطرہ خیامِ اہلِ بیتؑ میں نہ جانے پائے۔

شبث بن ربعی تین ہزار سفاک خون ریز نوجوانوں کو لے گیا، اور وہ طبل بجاتے ہوئے نہر فرات پر پہنچے اور ہر طرف سے ایسا محفوظ کیا کہ پرندہ بھی وہاں سے پرواز نہ کر سکتا تھا۔

ان روایتوں کے مطابق کنارۂ فرات پر پہرے دار سات ہزار پانچ سو نفر تھے اور اس ترتیب کے لحاظ سے ساتویں محرم سے امام حسینؑ اور اہلِ بیتؑ پر پانی بند ہوا۔

یہ واضح ہے کہ پانی زندگی کا سرمایہ ہے اور بغیر پانی کے حیات ممکن نہیں خصوصاً جب گرم موسم اور جلا دینے والی لُو چل رہی ہو اور پھر بے آب وگیاہ زمین میں، اس پر مستزاد ایسے کارواں کے لیے جس میں عورتیں، بچے اور شیر خوار موجود ہوں بغیر پانی کے زندہ رہنا کس قدر مشکل ہے۔

پانی بند ہونے کے بعد حضرت امامؑ اور باقی کارواں کے لیے زندہ رہنا بڑا مشکل ہوگیا۔ اصحاب پانی کی طلب میں گئے لیکن خالی ہاتھ واپس آئے۔ اس لیے شکستہ حال، دکھی دل اور حال سست ہو گئے۔ آہستہ آہستہ دن چڑھا تو ہوا بھی مزید گرم سے گرم تر ہوتی گئی حتیٰ کہ جب زوال کا وقت ہوا اور سورج سر پر تھا تو گرمی کی انتہا ہوگئی۔ حالت یہ ہوگئی کہ تمام اصحاب کی نظریں فرات کے کنارے پر لگی ہوئی تھیں اور کنارۂ فرات کے مؤکلین کی بے حیائی بھی اس قدر تھی کہ اپنے جام اور ظرف پانی سے بھرتے اور ہوا میں انڈیل دیتے جبکہ پانی کے گرنے اور شرشر کی آواز کاروانِ حسینیؑ سن رہا تھا اور وہ ملعون صدائیں دیتے کہ یہ کتنا میٹھا پانی ہے اور کس قدر صاف پانی ہے۔ اس قسم کی آوازوں سے وہ کاروانِ حسینیؑ سے مذاق کرتے تھے اور ان پیاسوں میں پانی کی تشویق بڑھاتے تھے، نیز سرزنش کرتے حتیٰ کہ کئی بد بخت تو امام حسینؑ کی توہین کرتے اور آپؑ کے قلبِ مبارک کو دکھی کرتے تھے۔

صاحبِ ارشاد لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن حصین ازدی نے اُونچی آواز سے کہا: اے حسینؑ! یہ دیکھو پانی ہے، آسمان کے دل کی طرح صاف پانی ہے۔ خدا کی قسم! اس پانی سے ایک قطرہ بھی نہیں دیں گے حتیٰ کہ پیاسے مارے جاؤ گے۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اقتُلہُ عَطَشًا وَلَا تَغفِرلَہُ اَبَدًا ''میرے اللہ اس کو پیاسا قتل کردے اور اس کو کبھی معاف نہ کرنا''۔

امام علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی کیونکہ حمید بن مسلم (راوی) کا کہنا ہے کہ واقعۂ کربلا کے بعد یہ ولدالزنا ایسے مرض میں مبتلا ہوا کہ سکراتِ موت کے وقت سخت پیاسا تھا۔ میں اس کی عیادت کرنے گیا تو وہ بار بار پانی پی رہا تھا۔ لیکن پیاس نہ بجھتی تھی۔ وہ اس قدر پانی پیتا کہ اس کا پیٹ مشک کی طرح پُر ہوجاتا، پھر اسی پانی کی قے آجاتی اور یہی حال اس بدبخت کا آخری وقت میں تھا، حتیٰ کہ اس کیفیت میں وہ فی النار والسقر ہوگیا اور اسفل السافلین میں جا گرا۔

بہرصورت جب خیامِ امامؑ میں پیاس کی شدت محسوس کی گئی اور بچوں اور عورتوں نے نڈھال ہونا شروع کیا تو امامؑ نے ایک ہتھوڑا اٹھایا اور خیامِ اہلِ بیتؑ سے انیس قدم قبلہ کی طرف جا کر ہتھوڑا زمین پر مارا، وہاں سے صاف اور میٹھے اور خوشگوار پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ امامؑ، اصحاب، اہلِ بیتؑ سب نے سیر ہوکر پانی پیا اور مشکیں اور برتن بھی پانی سے بھر لیے۔ پھر وہ چشمہ غائب ہوگیا۔

جاسوسوں نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ امامؑ نے چشمہ نکالا ہے تو اس نے ابن سعد کو خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ امامؑ نے چشمہ پانی کا کھودا ہے اور وہ اس کا پانی استعمال کر رہے ہیں۔ میرا خط پہنچتے ہی وہ چشمہ بند کردو اور ان پر اس قدر سختی کرو کہ کسی قسم کے پانی کا قطرہ بھی وہ نہ پی سکیں۔

خط ملتے ہی ابن سعد نے کاروانِ حسینیؑ پر سختی اور بڑھا دی اور اپنے لشکریوں کو تاکید کی کہ کاروانِ حسینیؑ کے کسی فرد کو ایک قطرہ پانی نہ پینے دو۔ آخرکار پانی خیام میں ختم ہوگیا اور پیاس بڑھنے لگی حتیٰ کہ بچوں کی العطش العطش کی دکھی آوازیں ہر سننے والے صاحبِ دل کو متاثر کرتی تھیں۔ اسی وقت امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت ابوالفضل العباسؑ کو بلایا اور ان کو ۳۰ سوار اور ۲۰ پیادہ سپاہی دیے اور ۲۰ مشکیں دے کر فرمایا: جاؤ اور ان پیاسوں کے لیے فرات سے پانی لاؤ۔

آٹھ محرم کے واقعات

حضرت عباسؑ کا پانی لینے جانا

ابھی رات تھی کہ امامؑ نے حضرت عباسؑ کو ۳۰ سواروں اور ۲۰ پیادوں کے ساتھ ۲۰ مشکیں دے کر روانہ کیا کہ پانی لاؤ۔ اصحاب کے آگے آگے نافع بن ہلال بجلی تھا جس نے علم اٹھایا ہوا تھا۔ جب وہ فرات کے قریب پہنچے تو عمرو بن حجاج زبیدی نے آواز دی: مَن اَنتُم ''تم کون ہو؟''

جناب نافع نے فرمایا: میں نافع بن ہلال بجلی ہوں۔
عمرو نے پوچھا: کس لیے آئے ہو؟
نافع بولے: اس لیے آیا ہوں کہ پانی پیوں۔
عمرو بن حجاج کہنے لگا: پیو جس قدر جی چاہے اور نصیب ہو۔
نافع کہنے لگا: کَیفَ تامرنِی اَن اَشرَبَ وَالحُسَین وَمَن معه یموتون عَطَشًا ''تو مجھے تو کہتا ہے کہ پانی سیر ہوکر پیوں جبکہ امام حسینؑ اور ان کے ساتھی پیاس سے نڈھال ہیں (اس حال میں) میں ایک قطرہ بھی نہیں پیتا اور نہ ہی مجھے نصیب ہو۔

عمرو بن حجاج نے غور سے دیکھا تو اصحاب بھی تھے اور ان کے پاس مشکیں بھی تھیں تو کہا کہ نافع تو نے کہا تو ٹھیک ہے لیکن ہمیں بھی فرات کے کنارے اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ ایک قطرہ پانی امام حسینؑ اور اہلِ بیتؑ تک نہ پہنچنے پائے۔

نافع نے جب یہ سنا تو غصے میں آ گئے اور عمرو بن حجاج کی بات کے باوجود ۲۰ پیادہ صحابیوں سے کہا کہ فرات میں داخل ہوجاؤ اور مشکیں بھرلو، اور خود اور دیگر گھڑسواروں نے عمرو بن حجاج کی فوج کا مقابلہ شروع کردیا۔ ۲۰ پیادہ صحابیوں نے مشکیں بھرلیں، فرات سے نکل آئے تو عمرو بن حجاج کے لشکر نے ان ۲۰ پیادہ صحابیوں پر حملہ کردیا۔

ادھر حضرت عباسؑ نے دفاعی حملہ کیا، ایک طرف حضرت عباسؑ تھے تو دوسری طرف نافع تھا۔ اس لڑائی میں نافع کے ہاتھوں ابن زیاد کا ایک سپاہی زخمی ہوگیا اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مرگیا۔ حضرت عباسؑ کے ساتھ جانے والے تمام صحابی خیریت سے واپس آ گئے اور ۲۰ پیادہ بھی مشکیں لے کر صحیح و سالم خیام تک پہنچ گئے۔

مقتل ابی مخنف میں ہے کہ حضرت عباسؑ نے یہاں بہت جنگ کی اور دشمن کے کافی سپاہی قتل کردیے اور اصحابِ حسینؑ سے ایک فرد قتل یا زخمی نہ ہوا۔ پس پانی خیام میں آیا اور خود امام حسینؑ، اصحاب، اطفال اور بیبیوں نے پیا اور اس وجہ سے حضرت عباسؑ سقا کہلائے۔

سقائی کی وجہ

حضرت ابوالفضل العباسؑ علمدار شدید جنگ کر کے ۸ محرم کی صبح پانی لائے تھے اور تمام کاروانِ حسینیؑ نے سیر ہوکر پانی پیا تھا۔ اسی دن سے حضرتؑ کو سقا کے لقب سے پکارا جانے لگا۔

صاحبِ کتاب عمدۃ الطالب نے لکھا ہے کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کے لقب ''سقائے تشنگان'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے

کہ مدینہ سے کربلا تک جب بچوں اور مستورات کو پیاس لگتی تو جناب قمر بنی ہاشم سے پانی مانگتے تھے۔ کربلا میں جب پانی بند ہوگیا اور جب فرات سے دشمن سے لڑائی کر کے پانی لائے اور پانی تقسیم ہوا تو اپنا حصہ حضرت عباسؑ نے محفوظ کر کے رکھ لیا اور خود نہ پیا۔ جب امام حسینؑ کے بچے اپنے چچا عباسؑ سے پانی مانگتے تو اپنے حصے کا پانی ان کو دے دیتے۔ جس کی وجہ سے سقائے اہلِ بیتؑ معروف ہوگئے۔

حضرت عباسؑ کے القاب سے ایک ابوالقربہ بھی ہے۔ قربہ بھی مشک کے لیے چونکہ قمر بنی ہاشم مشک کے ساتھ میدان میں گئے اور ابن سعد کے لشکر کے کچھ لوگ حضرتؑ کو نہیں پہچانتے تھے تو ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ وہ دیکھو ابوالقربہ آ گیا ہے اور ہم پر ابوالقربہ نے حملہ کردیا ہے۔

جنابِ بُریر بن خضیر ہمدانی کی ابنِ سعد کو نصیحت

کتابِ منتخب التواریخ میں ہے کہ جناب بُریر بن خضیر جو عابد، زاہد اور صالح شخص تھے، امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے خلوصِ دل سے اجازت لی کہ آقا! مجھے اجازت دیں کہ میں اس فاسق و فاجر (عمر بن سعد) کے پاس جاؤں اور اسے نصیحت کروں شاید اسے شرم آجائے اور گمراہی اس سے دُور ہوجائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو چاہتے ہو کرو اور جو اسے کہنا چاہتے ہو، کہو۔

بُریر ہمدانی اللہ پر توکل کر کے ابن سعد کے خیمے کی طرف چلے گئے اور پہرہ داروں سے اجازت لیے بغیر ابن سعد کے خیمے میں پہنچ گئے لیکن اسے سلام نہ کیا۔ عمر بن سعد ناراض ہوا اور کہا: اے ہمدانی! تم نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا؟ کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میں خدا اور رسولؐ کی معرفت نہیں رکھتا؟

بُریر ہمدانی نے فرمایا: اگر تم مسلمان ہوتے اور خدا اور رسولؐ کی معرفت ہوتی تو فرزندِ پیغمبرؐ کے قتل کرنے پر کمربستہ نہ ہوتے اور اولادِ پیغمبرؐ کو قتل کر کے ان کے خاندان کو قید کرنے کا منصوبہ نہ بنایا ہوتا۔ تم اس سب کچھ کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہو!

پھر یہ نہر فرات جس کا پانی چمک رہا ہے اور اس پانی کو کتے اور خنزیر پی رہے ہیں لیکن فاطمہؑ کے جگر گوشہ اور پیغمبرؐ کے دل اور ان کے اہل و عیال پر پانی بند ہے جس کی وجہ سے وہ شدتِ پیاس سے موت کے قریب ہیں۔ تم اس حال میں انھیں ایک قطرہ پانی دینے کو حاضر نہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو۔

کچھ دیر تو ابن سعد نے سر کو نیچے کرلیا اور زمین کو دیکھتا رہا۔ پھر سر اُٹھا کر کہا: اے بُریر! اُس خدا کی قسم جو وحوش اور طیور

کو رزق دینے والا ہے، مجھے یقین ہے کہ جو شخص آلِ محمدؐ کا قتل کرے، ان پر ظلم کرے، ان کا پانی بند کرے تو وہ جہنمی ہے۔ لیکن تو انصاف کر کہ میں حکومت رَے کو کیسے چھوڑ دوں اور اس سرسبز و شاداب علاقے کو کسی غیر کے حوالے کیسے کروں تاکہ وہ امام حسینؑ کو قتل کرے۔ خدا کی قسم! اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں خانہ نشین ہوجاؤں اور کوئی دوسرا شخص رَے پر حکومت کرے۔

جوں ہی اس پست فطرت انسان نے یہ کہا تو بُریر ہمدانی کانپ گئے اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر امام حسینؑ کے پاس آ گئے اور عرض کیا: وہ ملعون رَے کی حکومت کی وجہ سے اندھا ہو چکا ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: لَا یَاکل مِن بُرِّھَا اِلَّا قَلِیلًا "وہ رَے کی گندم نہیں کھا سکے گا اور جلد ہی مرجائے گا اور بستر پر اس کا سر ایسے کاٹ لیا جائے گا جیسے گوسفند ذبح کیا جاتا ہے"۔

حبیب ابن مظاہرؓ کا بنی اسد سے مدد طلب کرنا

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ۳ محرم سے کوفہ سے لشکر آنے شروع ہوگئے اور ۹ محرم تک امام حسین علیہ السلام کے دشمن اکٹھے ہوتے رہے۔ جوں ہی کوئی لشکر کربلا میں وارد ہوتا تو طبل و دھل بجانے سے اپنے وجود کا اعلان کرتا تھا۔ اس کیفیت سے امام حسینؑ کے بچے اور مستورات گھبرا جاتے تھے۔

ساتویں محرم کو پانی بند ہوگیا اور لحظہ بہ لحظہ حالات سخت تر ہوتے گئے۔ اصحاب میں حبیب ابن مظاہر نے سوچا کہ ادھر نزدیک بنی اسد کے قبائل آباد ہیں، ان کے پاس جاؤں، انھیں حالات بتاؤں اور فرزندِ پیغمبرؐ کے لیے ان سے نصرت طلب کروں۔

حبیبؓ اسی نیت سے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دل شکستہ و پریشان حال میں امامؑ سے عرض کیا: ادھر کربلا کے قریب بنی اسد کے قبائل آباد ہیں، ان میں سے کئی ایسے بھی ہیں جو آپؑ کے محب اور خیر خواہ ہیں اگر آپؑ اجازت دیں تو ان کو آپؑ کی نصرت کی دعوت دوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اجازت ہے۔

پس وہ روشن دل ضعیف آدھی رات کو لباس تبدیل کر کے کربلا سے نکلا اور بنی اسد کے قبائل کے پاس پہنچا۔ اہلِ قبلہ حبیب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور سب اُن کے اردگرد جمع ہوگئے اور پوچھنے لگے: اے حبیب! اس وقت کہاں سے آئے ہو؟ اور ہمارے پاس آنے کا مقصد کیا ہے؟ یعنی ہم سے کیا چاہتے ہو؟

جنابِ حبیبؓ نے فرمایا: اے بنی اسد! میرا اس وقت تمہارے پاس آنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری دنیا اور آخرت میں سرفرازی کا موجب بن سکوں اور تمہیں دخترِ پیغمبرؐ کے فرزند کے پاس لے چلوں کیونکہ اس وقت حضرت امام حسینؑ نے اپنے

چند نیک اور صالح ساتھیوں کے ساتھ کربلا میں نزولِ اجلال فرمایا ہے اور ابن سعد نے ایک بہت بڑے لشکر میں امامؑ کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ نیز امامؑ سے یزید فاسق و فاجر کے لیے بیعت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ تم میری قوم اور قبیلہ ہو، میری نصیحت غور سے سنو اور سمجھو، خدا کی قسم! تم میں سے جو بھی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوا تو گویا اعلیٰ علیین میں حضرت محمد مصطفیؐ کا رفیق اور علی مرتضیٰؑ کا ہمسایہ ہوگا۔

جب حبیبؓ نے یہ بات کی تو شیر دل نوجوان عبداللہ بن بشیر اُٹھا اور عرض کیا: میں پہلا شخص ہوں جو یہ دعوت قبول کرتا ہوں۔ پھر بنی اسد کا ایک اور شخص اُٹھا اور کہا: میں اس دعوت کو قبول کرتا ہوں حتیٰ کہ ۹۰ افراد مرنے کے لیے اور امام حسینؑ کی نصرت کے لیے آمادہ ہوگئے۔ اسی دوران میں اسی قبیلہ سے ایک شخص نے ابن سعد کو مخبری کردی اور کہا: قبیلہ بنی اسد سے ۹۰ افراد امام حسینؑ کی نصرت کے لیے آرہے ہیں لہٰذا اگر چارہ ہے تو ان کے آنے سے پہلے کوئی منصوبہ بناؤ۔

جب یہ خبر ابن سعد نے سنی تو ارزق کو بلایا اور اسے چارصد جنگی سپاہی دیے اور ان کو اس راستے پر متعین کردیا، جہاں سے بنی اسد کے جوانوں نے آنا تھا۔ ابن سعد نے تاکید کی تھی کہ بنی اسد کا ایک شخص بھی امام حسینؑ کے کارواں میں شامل نہ ہونے پائے۔

پس ابن سعد کے ان چار سو سپاہیوں نے بنی اسد کا مقابلہ کیا اور ان کو امام حسینؑ کے کارواں سے ملحق نہ ہونے دیا۔ شدید جنگ ہوئی۔ پھر حبیب نے ارزق کو مخاطب کر کے کہا: ہائے افسوس تم پر تو ہمیں کیوں نہیں جانے دیتا لیکن ارزق نے اس جماعت پر حملہ کر کے ان کو متفرق کردیا۔ جب بنی اسد کے لوگوں نے دیکھا کہ ہم اس لشکر کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو وہ واپس چلے گئے۔

پھر عمر ابن سعد کے ڈر سے کہ کل لشکر بھیج کر ہمیں قتل نہ کردے، رات کو ہی انہوں نے اپنے خیمے اکھاڑے اور اپنا ضروری سامان لے کر کسی غیر معروف مقام پر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔

عمر بن سعد کی امام حسینؑ سے ملاقات

دونوں لشکروں کے درمیان امام حسینؑ کا نصیحت کرنا

جب کوفہ کے لشکر صحرائے کربلا میں جمع ہو گئے اور امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے تیار تھے تو حضرت امام حسینؑ نے عمرو بن کعب بن قرظہ انصاری کو ابن سعد کے پاس بھیجا کہ اُسے کہو، دونوں لشکروں کے درمیان مجھ سے ملاقات کرے۔ جب رات ہوئی تو عمر بن سعد بیس سپاہیوں کے ساتھ نکلا اور حضرت امامؑ بھی بیس جوانوں کے ساتھ خیام سے برآمد ہوئے۔ دونوں آمنے سامنے آئے تو امام حسینؑ نے فرمایا: یہ تیری بازگشت خدا کی طرف ہے لیکن تجھے خوفِ خدا نہیں اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ میں کس ہستی کا فرزند ہوں پھر بھی میرے ساتھ جنگ کرنے لگا ہے۔ اے ابن سعد! ان کافروں کو چھوڑ و اور میری طرف آ جاؤ کیونکہ میری اطاعت میں قربِ خداوندی ہو گا۔

عمر بن سعد نے کہا: مجھے خوف ہے کہ میرا گھر برباد کر دیں گے۔

امامؑ نے فرمایا: میں تجھے اس سے اچھا گھر بنا دوں گا۔

عمر نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ میری جائیداد اور اموال ابن زیاد ضبط کر لے گا۔

امامؑ نے فرمایا: جائیداد و اموال کے بدلے تجھے حجاز میں بہتر عوض دوں گا۔

عمر نے کہا: مجھے اپنے بیوی بچوں کا ڈر ہے؟

امامؑ خاموش ہو گئے اور واپس آ گئے اور فرمایا: اے ابن سعد! تو عراق کی گندم نہیں کھا سکے گا اور تجھے بستر پر ایسے ذبح کیا جائے گا جس طرح گوسفند ذبح کیا جاتا ہے اور خدا تجھے کبھی معاف نہ کرے گا۔

عمر نے کہا: اگر گندم نصیب نہ ہوئی تو جَو پر کفایت کروں گا۔

امامؑ نے فرمایا: مجھے اجازت دو، میں واپس چلا جاتا ہوں یا خود یزید کے پاس جاتا ہوں یا پھر ایک عام مسلمان کی طرح کسی دُور دراز کے اسلامی شہر میں زندگی گزار دوں گا۔

ابن اثیر، سبط ابن جوزی اور دیگر مؤرخین نے اس روایت کو لکھنے کے بعد عقبہ بن سمعان کی روایت نقل کی ہے کہ وہ

کہتا ہے: مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا میں حضرتؑ کی خدمت میں ہمیشہ رہا ہوں اور حضرتؑ کے تمام خطبات سنے ہیں اور شہادت تک ہر جملہ سنا اور سمجھا ہے لیکن کسی موقع پر امامؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ یزید کے پاس جاتا ہوں، یا کسی مسلمان شہر میں جاتا ہوں بلکہ حضرتؑ کی کلام یہ ہوتی تھی کہ اگر مجھے آزاد کردو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں چلا جاتا ہوں یا خود اور اپنے اہلِ بیتؑ کو لے کر ان بیابانوں میں زندگی گزار دوں گا۔

ابن جوزی کا نظریہ

تذکرہ میں سبط ابن جوزی نے لکھا ہے: چونکہ عمر بن سعد امام حسینؑ سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے بار بار امامؑ سے ملاقات کرتا تھا۔ ایک ملاقات میں وہ امامؑ سے اس قدر متاثر ہوا کہ ابن زیاد کو خط لکھا جس کی پہلی سطر تھی کہ خدا نے آتشِ جنگ کو خاموش کر دیا ہے (اس خط کا تشریحاً پہلے ذکر ہو چکا ہے)۔

ابن زیاد نے خط پڑھ کر لکھا: یہ خط ابن سعد نے اپنی قوم پر شفقت کرتے ہوئے اور اپنے امیر کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا ہے لہٰذا مجھے قبول ہے۔ اسی محفل میں شمر بن ذی الجوشن بیٹھا تھا۔ اس نے ابن زیاد کی بات سنی تو آگ بگولا ہو کر کہا: تم نے ابن سعد کی بات قبول کر لی ہے؟ اب حسین بن علیؑ تیری حکومت کے علاقہ میں آئے ہیں چاہتے ہو کہ وہ یہاں سے نکل جائیں؟ خدا کی قسم! اگر حسینؑ بیعت نہ کرے اور یہاں سے چلا جائے تو اُس کی قدرت اور قوت میں مسلسل اضافہ ہوگا جب کہ تمہاری کمزوری اور عاجزی میں اضافہ ہوگا۔ خبردار ابن سعد کی بات کو قبول نہ کرنا جو سستی اور غلط تدبیر پر مبنی ہے۔ آج ذمہ داری یہ ہے کہ تم اسے کہو کہ حسینؑ اور اس کے ساتھی تیرے حکم کے تابع ہو جائیں تو پھر دل چاہے تو سزا دینا اور دل چاہے تو معاف کر دینا، تجھے اس وقت اختیار ہوگا۔ ابن زیاد نے شمر کا نظریہ پسند کیا اور عمر بن سعد کو یہ خط لکھا:

امابعد! تجھے میں نے کربلا اس لیے نہیں بھیجا کہ تو حسینؑ سے نرمی کرتا رہے اور اس مہم کو طول دیتا رہے اور بہانہ جوئی کرتا رہے اور اُسے سلامتی کی نوید سناتا رہے اور اس کی میرے پاس شفاعت کرتا رہے۔ اگر حسینؑ اور ان کے اصحاب میرے حکم کے تابع ہو جائیں تو سب کو میرے پاس بھیج دو اور اگر میری اتباع نہ کریں تو ان سے جنگ کرو۔ جب ان کو قتل کردو تو ان کی لاشوں کو پامال کردو اور اس طرح ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا دو کہ سینہ و پشت ریزہ ریزہ ہو جائے۔

ہاں میں جانتا ہوں کہ ان کے قتل ہونے کے بعد ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑنے سے ان کو تکلیف تو نہ ہوگی لیکن چوں کہ پہلے میں یہ کہہ چکا ہوں لہٰذا یہ ضرور انجام دینا ہے۔ ہاں جو کچھ میں نے لکھا ہے اگر اسی طرح اس پر عمل کرو، مطیع اور سامع شخص کی طرح اپنا کام انجام دو تو انعام کے مستحق قرار پاؤ گے اور اگر اس پر عمل نہ کیا تو اس عہدہ و مقام پر جو تمہیں دیا گیا ہے،

سے معزول ہو جاؤ گے اور لشکر کو شمر بن ذی الجوشن کے حوالے کردو کیونکہ تیرے یہ کام نہ کرنے کی صورت میں ہم نے شمر کو اس لشکر کا امیر بنا دیا ہے۔

پھر ابن زیاد نے شمر سے کہا: یہ خط کربلا لے جاؤ اور اس خط پر اس سے عمل کراؤ۔ اگر عمل کرے تو تم اس کے تابع رہنا اور اگر عمل نہ کرے اور انکار کرے تو اس کا سر جدا کر کے مجھے بھیج دینا اور لشکر کے امیر تم ہو گے۔ اسی دوران میں عبداللہ بن ابی المحل بن حزام کلابی (جنابِ اُم البنینؑ کا بھانجا تھا) اُٹھا اور اُم البنین کی اولاد حضرت ابوالفضل العباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان کے لیے امان نامہ مانگا۔

ابن زیاد نے کہا: بہت اچھا امان نامہ لکھا گیا اور عبداللہ بن ابی محل نے یہ امان نامہ اپنے غلام کے ذریعے کربلا بھیج دیا۔ روایت ہے کہ جب یہ امان نامہ حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے پاس پہنچا تو اُنہوں نے فرمایا: ہمیں اس امان نامے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کی امان سمیہ کے زنازادے کی امان سے بہتر ہے۔

نویں محرم کے واقعات

نویں محرم کو روزِ تاسوعا بھی کہتے ہیں۔ اس دن بہت سے واقعات پیش آئے، جن میں سے چند واقعات ہم ذکر کرتے ہیں:

① مرحوم تنکابنی نے اپنی کتاب اکلیل المصائب میں لکھا ہے: کتاب مثیر الاحزان میں جنابِ سکینہؑ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ بی بی فرماتی ہیں: نویں محرم کے دن ہمارے پاس پانی نہیں تھا، سخت پیاس تھی، مشکوں اور برتنوں سے پانی خشک ہو چکا تھا۔ میں اور چند دیگر بچے شدید تشنگی کی حالت میں اپنی پھوپھی زینبؑ کے پاس گئے تا کہ انھیں اپنی تشنگی کا حال سنائیں شاید پانی کا بندوبست ہو جائے۔ میں نے دیکھا کہ پھوپھی زینب سلام اللہ علیہا خیمے کے دروازے پر بیٹھی ہیں اور میرے شیر خوار بھائی کو گود میں اٹھایا ہوا ہے۔ وہ شیر خوار کبھی اُٹھتا ہے کبھی بیٹھتا ہے جس طرح مچھلی پانی میں متحرک رہتی ہے گویا پانی کے لیے فریاد کر رہا ہے۔

پھوپھی زینب سلام اللہ علیہا کہہ رہی تھیں: اے میرے بھائی کے فرزند صبر کرو، تمہارا صبر کہاں گیا، تمہاری یہ حالت اور بے چینی تمہاری پھوپھی کے لیے بہت ناقابلِ برداشت ہے۔ بی بی سکینہؑ کا بیان ہے کہ جوں ہی میں نے یہ جملے سنے تو بے ساختہ اُونچی آواز سے رونے لگی۔ پھوپھی نے پوچھا: سکینہؑ جان کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا: اپنے بھائی کی پیاس پر رو رہی ہوں، میں نے اپنی پیاس کا ذکر بھی نہ کیا تا کہ پھوپھی کو اور زیادہ دکھ نہ ہو۔ پس پھوپھی زینبؑ اُٹھیں اور میرے شیر خوار

بھائی کو اُٹھا کر میرے چچاؤں کے خیمہ میں لے گئیں کہ شاید وہاں سے پانی مل جائے۔ ہمارے کچھ بچے پھوپھی زینبؑ کے پیچھے چل پڑے۔ پس اپنے عم زادوں کے خیمے میں گئیں، پھر اصحاب کے خیموں سے معلوم کروایا کہ پانی ہے یا نہیں۔ لیکن جب پانی سے نا اُمید ہو گئیں تو اپنے خیمہ میں آ گئیں۔ پھوپھی کے ساتھ تقریباً بیس بچے تھے۔ پس بی بی نے فریاد کرنا شروع کی، ہم بھی فریاد کرنے لگے۔ اسی دوران میں میرے بابا کے صحابی بریر جنہیں سید القراء کہا جاتا تھا، ہمارے خیمے کے قریب سے گزرے اور جب ہمارے رونے کی آواز سنی تو زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے سر اور بالوں میں خاک ملائی اور اپنے دوستوں سے کہا: تمہیں یہ پسند ہے کہ فاطمہ زہراءؑ کی اولاد پیاسی فوت ہو جائے حالانکہ تلواریں ہمارے ہاتھ میں ہیں؟ خدا کی قسم! ان کے بعد دنیا میں خیر اور نیکی نہیں۔ بہتر ہے کہ ان سے پہلے ہم موت کے حوض میں وارد ہو جائیں۔ اے اصحاب! ہم میں سے ہر شخص ایک ایک بچے کا ہاتھ پکڑ لے اور پانی پر لے جائے ورنہ پیاس سے فوت ہو جائیں گے۔ اگر نہر فرات پر جنگ کرنا پڑے تو ہم جنگ کریں گے۔

یحییٰ مازنی نے کہا: پانی پر موکل سپاہی ضرور ہم سے جنگ کریں گے اگر ان بچوں کو ساتھ لے کر جائیں گے تو خدانخواستہ کوئی تیر یا نیزہ ان کو نہ لگ جائے اور ہم اس کا سبب بنیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مشکیں اُٹھا کر لے جائیں اور وہ پانی سے بھر لائیں۔ اس دوران میں اگر جنگ ہوئی تو ہم نے بھی تلواریں اُٹھا رکھی ہیں اور اگر ہم میں سے کوئی قتل ہو گیا تو اولادِ فاطمہؑ کا فدیہ بن جائے گا۔

بُریر نے کہا: یہ بالکل ٹھیک ہے! پس ایک مشک اُٹھائی اور پانی کی طرف گئے۔ یہ چار شخص تھے۔ جب فرات پر تعین ابن سعد کے لشکر نے ان کو دیکھا تو پوچھا: تم کون ہو کہ ہم اپنے سردار کو اطلاع دیں؟ بُریر اور اس سردار کے درمیان رشتہ داری تھی۔ جب سردار کو اطلاع ملی تو اس نے کہا: ان کو راستہ دے دو کہ پانی پی لیں۔ جب یہ پانی میں داخل ہوئے اور پانی کی ٹھنڈک محسوس کی تو بُریر اور ساتھیوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور کہا: خدا لعنت کرے ابن سعد پر! پانی جاری ہے اور فرزند پیغمبرؐ تک ایک قطرہ بھی نہیں جا سکتا۔

پھر بُریر نے کہا: اپنے پیچھے دیکھو اور جلدی جلدی مشک بھر لو تا کہ اولادِ حسینؑ کے دل ٹھنڈے ہو سکیں۔ خود پانی نہ پیو اور اولادِ فاطمہؑ کو سیراب کرو۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم! ہم پانی نہیں پیتے تا کہ اہلِ بیتؑ سیراب ہو سکیں۔ موکلین میں سے کسی نے یہ گفتگو سنی تو کہا کہ تم خود پانی میں داخل ہو گئے ہو تو کیا یہ کافی نہیں کہ اس خارجی کے لیے پانی لے جاتے ہو۔ خدا کی قسم! میں ابھی اسحاق کو خبردار کرتا ہوں۔

بُریر نے کہا: اے شخص! اس بات کو صیغۂ راز میں رکھ اور پھر اس شخص کے قریب گئے تا کہ اسحاق کے پاس نہ جا سکے اور

اسے پکڑ لیا، لیکن وہ بُریر کے ہاتھ سے نکل گیا اور جا کر اسحاق کو اطلاع کر دی۔ اسحاق نے کہا: ان کا راستہ روک لو اور ان کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ اور اگر میرے پاس نہ آئیں تو ان سے جنگ کرو۔ پس انہوں نے بُریر اور اس کے ساتھیوں کا راستہ روکا، تھوڑی سی ان کے درمیان جنگ ہوئی۔ پھر بُریر نے نصیحت کرنا شروع کر دی اور اس کے وعظ کی آواز امامؑ کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ حضرت امامؑ نے چند صحابی بھیجے تا کہ بُریر کی مدد کریں۔ پس امامؑ کے صحابی پہنچے تو موکلین نہر فرات سے فرار کر گئے۔ پانی لایا گیا، تمام بچے ایک مرتبہ اس پانی کی مشک پر جمع ہو گئے۔ بچوں نے سینے اور شکم کو مشک پر رکھنا شروع کر دیا کہ اچانک مشک کا تسمہ کھل گیا اور تمام کا تمام پانی زمین پر بہہ گیا۔ بچوں کی آواز آئی: ہائے ہماری قسمت!

بُریر اپنے منہ پر طمانچے مارتے تھے اور کہتے تھے: ہائے افسوس! فاطمہؑ کی بیٹیوں کے جگر پیاس سے کباب ہو گئے۔

جب ابن زیاد نے ابن سعد کے امام حسینؑ سے نرم رویہ اور معاملہ جلدی ختم نہ کرنے پر پریشان ہوا تو جویریہ بن بدر تمیمی کو کربلا روانہ کیا اور کہا کہ اگر ابن سعد جنگ کرنے میں سستی کر رہا ہو تو اسے قید کر دو، میں لشکر کا امیر کسی اور شخص کو بنا کر بھیج دوں گا۔ جب جویریہ روانہ ہو گیا تو ابن زیاد کو خیال آیا کہ اگر ابن سعد کو قید کیا جائے تو لشکر ضائع ہو جائے گا لہٰذا فوراً شمر کو خط دے کر روانہ کیا۔

راوی سعد بن عبیدہ کہتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے ہم ابن سعد کے ساتھ فرات میں نہا رہے تھے کہ ایک شخص نے ابن سعد کے کان میں کہا: ابن زیاد نے جویریہ بن بدر کو بھیجا ہے کہ اگر ابن سعد اپنے کام میں سستی کر رہا ہے تو اُسے قتل کر دو۔ جوں ہی ابن سعد نے یہ سنا تو چونکا اور فوراً اسلحہ لگایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی طرف آیا۔

اِدھر جمعرات کے روز شمر بھی ابن زیاد کا خط لے کر پہنچ گیا۔ ابن زیاد کا خط دیا اور ابن سعد نے اس خط کے مضمون کو پڑھ کر شمر کو مخاطب ہو کر کہا: اے بدبخت! خدا تجھے مجھ سے دُور اور بدصورت کر دے، اے ابرص! تو جو چیز میرے لیے لایا ہے، پہلے میں نے ابن زیاد کو خط لکھا تھا، اس میں اس مسئلہ کی اصلاح کی کوشش کی اور اسے مطمئن کر لیا تھا اور تو نے اس کے اطمینان کو زائل کر کے دوبارہ امام حسینؑ سے جنگ پر برانگیختہ کیا اور وہ کام جو صلح و آشتی سے ختم ہو رہا اسے دوبارہ کر دیا۔ خدا کی قسم! امام حسینؑ کبھی ابن زیاد کے تابع نہیں ہوں گے کیوں کہ جو خون علیؑ کی رگوں میں تھا وہی حسینؑ کی رگوں میں ہے۔

شمر نے کہا: ان باتوں کو چھوڑو تم یہ بتاؤ کہ اب کیا کرو گے؟ اگر امیر ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کرتے ہو تو ابھی جنگ کا آغاز کر دو ورنہ لشکر میرے حوالے کر دو اور خود ایک طرف ہو جاؤ۔

عمر بن سعد نے کہا: نہیں، تجھے لشکر کا امیر نہیں بناتا بلکہ خود میں یہ کام کروں گا تو صرف پیادہ فوج کے ساتھ شامل ہو جا اور اپنے نام ابن زیاد کے اس خط کو امام حسینؑ کے پاس بھیج دیا۔

حضرت امام حسینؑ نے پھر فرمایا: خدا کی قسم! میں کبھی ابن زیاد فرزندِ مرجانہ کی اطاعت نہیں کروں گا۔

۲ کتبِ مقاتل میں ہے کہ روزِ تاسوعا (نومحرم) کربلا میں تمام لشکر ایسے جمع ہوئے جیسے بارش کے قطرات آسمان سے زمین پر آتے ہیں۔ امام حسینؑ اپنے اصحابِ باوفا کے خیام میں بیٹھے تھے۔ جنابِ زینبؑ فرماتی ہیں کہ میں نے خیمہ کے شگاف سے بھائی کو دیکھا کہ اچانک کوفہ کی جانب سے طبل اور نقارے بجنے لگے اور گرد و غبار سے آسمان کا چہرہ دھندلا گیا، شور و غل اور مارو مارو کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس وقت میں نے بھائی کے چہرے کو دیکھا تو سرخ زعفرانی رنگ میں بدل گیا تھا۔ میرا رنگ اُڑنے لگا۔ میں یہ حالت دیکھ کر برداشت نہ کرسکی اور بھائی کو اپنے خیمے میں بلایا اور عرض کیا: بھائی جان! کیا وجہ ہے کہ آپؑ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا ہے۔ بھائی نے آہستہ سے فرمایا کہ اب کربلا میں میرے بچوں کو یتیم کرنے والا ملعون پہنچ گیا ہے اور عورتوں کو بیوہ کرنے والا شمر مردود وارد ہوگیا ہے۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

تَاسُوعَا يَومٌ حُوصِرَ فِيهِ الحُسَين واصحابه سلام الله عليهم بِكَربَلَا وَاجتَمَعَ عَلَيهِ خِيلُ اَهلِ الشَّامِ وَاَنَا خُوا عَلَيهِ وَفَرِحَ ابن مَرجَانَه وعمر سعد بتوافر الخيل وَكثرتِهَا وَاستَضعَفُوا فِيهِ الحُسَين وَاصحَابَه وَاَيقَنُوا اَنَّهُ لَا يَاتِي الحُسَينُ نَاصِرٌ وَلَا يمدّه اَهل العِرَاقِ المُستَضعف الغَرِيب

”روزِ تاسوعا وہ دن ہے جس میں میرے جد حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کا محاصرہ کیا گیا، اطراف کو بند کردیا گیا۔ ابن زیاد کی تمام فوج جو میدانِ کربلا میں بکھری ہوئی تھی، نے اکٹھے ہوکر امامؑ کا احاطہ کرلیا۔ اس حرکت سے ابن زیاد اور ابن سعد دونوں خوش تھے لیکن امام حسینؑ اور اصحاب دکھی اور پریشان تھے اور ان کو یقین ہوگیا تا کہ اب ایک شخص بھی عراق سے ہماری مدد کو نہیں آسکے گا“۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا کلام جب یہاں تک پہنچا تو حسرت سے فرمایا: اے جد بزرگوار! میرے ماں باپ آپؑ کی غربت اور ضعیفی پر قربان ہوجائیں۔

کتاب روضۃ الصفا میں بیان ہے کہ چونکہ ابن سعد تین محرم کو اپنے لشکر کے پاس کربلا پہنچا تو بعض لشکریوں نے جب امام مظلومؑ کی غربت اور بے گناہی دیکھی تو بعض خفیہ طور پر اور بعض ظاہری طور پر لشکر سے نکل کر واپس کوفہ چلے گئے۔ جب ابن زیاد کو یہ خبر ملی تو بہت برہم ہوا اور سعد بن عبدالرحمٰن کو بلا کر کہا کہ ایک لشکر لے جاؤ اور تمام کوفہ کے محلوں میں چکر لگاؤ اور جو شخص ابن سعد کے لشکر سے نکل کر آیا ہے اسے گرفتار کرکے میرے حوالے کردو۔

مامورین جن لوگوں کو پکڑ کر لاتے یہ اُن پر سخت عتاب کرتا تھا، حتیٰ کہ ایک شامی جو بنی اُمیہ کا سخت حامی تھا وہ اپنے کسی رشتہ دار کی فوتگی کی وجہ سے واپس آیا تھا تا کہ اپنا وراثتی حصہ پالے تو مامورین نے اسے بھی گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے سامنے لے آئے۔ اس نے اپنا عذر بتایا لیکن اس کا عذر قبول نہ ہوا اور سزا سخت ملی اور اس کی گردن اڑادی گئی۔ یہ خبر بہت جلدی جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور لوگوں میں رعب و وحشت اور خوف و ہراس پھیل گیا۔ چنانچہ پھر کسی کو کوفہ پلٹ کر آنے کی جرأت بھی نہ ہوئی۔

تین محرم سے نو محرم تک لشکر ہی لشکر آتے رہے اور نویں محرم کو ہر طرف انسانوں کا سیلاب تھا اور کسی کو پیچھے ہٹنے اور مخالفت کرنے کی جرأت نہ ہوسکتی تھی۔ کچھ جاسوس مقرر کیے گئے کہ کوئی شخص لشکر سے نہ بھاگے یا امام حسینؑ کے لشکر میں شامل نہ ہوجائے کیونکہ لشکری مختلف شہروں سے تھے مثلاً کندہ، ساباط، مدائن، عبادہ، ربیعہ، سکون، حمیر، دارم، غطفان، مذحج، یربوع، خزاعہ، حلب، نبط، بصرہ، تکریت، عسقلان، کُرد وغیرہ۔

پورے لشکر کا امیر ابن سعد تھا جس کا بیٹا حفص اس کا مشیر اور وزیر تھا اور دُرید جوان کا غلام اور بے باک وسفاک شخص تھا، اُسے لشکر کا علمدار بنایا ہوا تھا۔ ابن ابی جوبہ جاسوس، ابوایوب بیلداروں کا سربراہ، عمرو بن حجاج دائیں طرف کے لشکر میمنہ کا سردار اور شمر بائیں طرف کے لشکر (میسرہ) کا سردار اور سنان ابن انس نیزہ داروں کا سردار تھا۔

اہلِ فن نے یہاں تک لکھا ہے کہ لشکر اس قدر بڑا تھا کہ کربلا سے کوفہ کے بیرونی دروازے تک لشکری ایک دوسرے کے پیچھے صف بستہ کھڑے تھے۔

امان نامہ برائے حضرت ابوالفضل العباسؑ و برادران

صاحبِ عمدۃ المطالب فی نسبت آلِ ابی طالبؑ اور شہرآشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ حضرت اُم البنینؑ جناب امیرالمومنینؑ علی بن ابی طالبؑ کی زوجہ تھیں، جن کے بطن سے چار بیٹے تھے۔ ابوالفضل العباس سلام اللہ علیہ، جعفرؑ، عبداللہؑ اور عثمانؑ۔ جناب اُم البنین کے والد حزام بن عبداللہ بن ربیعہ بن خالد بن عامر بن صعصعہ الکلابی تھے۔ اس بی بی پاک کے بھائی کے بیٹے کا نام جریر بن عبداللہ تھا یعنی یہ اُم البنینؑ کا بھتیجا تھا اور اُم البنینؑ جریر کی پھوپھی لگتی تھیں جب کہ شمر بھی کلابی تھا۔ جب جریر کو شمر کی کربلا روانگی کی اطلاع ملی تو پریشان ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شمر بہت ظالم ہے اور کسی پر بھی رحم نہیں کرتا۔ امام حسینؑ کے ساتھ حضرت اُم البنینؑ کے چار بیٹے ہیں وہ ان کو بھی قتل کردے گا۔ اس لیے جلدی سے شمر کے پاس آیا اور کہا کہ تھوڑا صبر کرو تا کہ میں اپنی پھوپھی کے بیٹوں کے لیے امان نامہ لکھوالاؤں۔

شمر نے کہا: کوئی مسئلہ نہیں، اُم البنینؑ صرف تمہاری رشتہ دار نہیں بلکہ قبیلہ کلاب میری بھی قوم ہے، مجھے پسند ہے کہ میرے قبیلے کے افراد کے لیے امان ہو۔ جریر نے بہت درد وغم سے ابن زیاد کے سامنے عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ امیر میری اپیل قبول ہو تو عرض کروں۔ ابن زیاد نے کہا: بیان کرو۔ اس نے کہا: اے امیر! مجھ پر احسان کرو اور میرے پھوپھی زادوں کے لیے امان نامہ لکھ دو تا کہ وہ قتل ہونے سے بچ جائیں۔ میری پھوپھی اُم البنینؑ کے دل پر داغِ مفارقت کا داغ نہ لگے، یہ آپ کی انتہائی نوازش اور بخشش ہوگی۔

ابن زیاد نے شمر کو بلند آواز سے بلایا اور کہا کہ جریر کے رشتہ دار چھوٹے، بڑے سب ہماری پناہ میں ہیں۔ اے شمر! اگر عباسؑ (مع برادران) اپنے بھائی حسینؑ کو چھوڑ دے تو اس پر تلوار کھینچنا حرام ہے۔

شمر جب کربلا میں وارد ہوا تو اس نے امام حسینؑ کے قیام کے قریب جا کر باآواز بلند کہا: اَینَ بَنُوا اُختِنَا "ہمارے (رشتہ کے) بھانجے کہاں ہیں؟" حضرت ابوالفضل العباس سلام اللہ علیہ اپنے بھائیوں جعفر، عثمان اور عبداللہ کے ساتھ باہر آئے تو شمر نے حضرت عباسؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے عباسؑ! اگر حسینؑ کو چھوڑ دو تو آپ کو یزید کی طرف سے امان ہے۔

حضرت عباسؑ وفادار نے شمر سے امان کا سنا تو فرمایا: خدا لعنت کرے تجھ پر اور تیرے امیر پر اور تیری امان پر کہ مجھے امان دیتا ہے اور فرزندِ پیغمبرؐ کے لیے امان نہیں۔ اے بدبخت وسنگ دل! میری ماں کا حیا کر رہے ہو لیکن تمہیں فاطمہ زہراءؑ کا حیا نہیں ہے۔ جب شمر نے یہ جواب سنا تو بڑا بدحال ہوا اور مایوس ومحروم ہوکر عمر بن سعد کے لشکر میں آیا۔ جب ابن سعد نے اس کے غضب وغصہ کو دیکھا تو کہا کہ تجھے کیا ہوا کہ بجلی کی طرح تیزی سے گیا اور دھوئیں کی طرح واپس آ گیا ہے؟

شمر نے کہا کہ ایک شکار کرنے گیا تھا لیکن ناامید آیا ہوں، اب فریضہ یہ ہے کہ تو لشکر کو حکم دے تا کہ امام حسینؑ کے خیام پر حملہ کرے اور کام کو ابھی ختم کر دے۔

لشکر کا حملہ کرنا اور امامؑ کا مہلت مانگنا

جب شمر نے ابن سعد کو حملہ کرنے پر برانگیختہ کیا تو ابن سعد نے اپنے لشکر کو حکم دیا: یاخیلَ اللہ اِرکَبِی بِالجَنَّۃِ اِبشِری اے لشکرِ خدا! سوار ہو جاؤ اور جنت میں جاؤ (استغفر اللہ)۔ تمام لشکری سوار ہو گئے۔ نمازِ عصر کے بعد خیام اہلِ بیتؑ کی طرف حملہ آور ہو گیا۔

شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں لکھا ہے کہ اس وقت امامؑ اپنے خیمہ کے آگے بیٹھے تھے۔ سر زانوئے غم پر رکھا ہوا تھا، تلوار کا

سہارا لیا ہوا تھا اور حضرتؑ کی آنکھ لگ گئی تھی کہ اسی دوران میں طبلِ جنگ بجنے شروع ہو گئے اور لشکر کی آوازیں آسمان تک پہنچنے لگیں۔ وہ کافر لشکر، خدا سے بے خبر، خیامِ اہلِ بیتؑ کی طرف حملہ آور ہوا۔ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے جب یہ شور و غل سنا اور تلواروں کی لشکار، نیزوں کی جھنکار سنی تو جلدی جلدی بھائی کے خیمہ میں آئیں اور بھائی کو دیکھا کہ سر مبارک تلوار پر ٹیکا کر بیٹھے ہیں، گویا نیند میں ہیں، آواز دی اور حضرتؑ کو بیدار کر کے عرض کیا: اے بھائی! یہ شور و غل، طبل اور شادیانوں کی آواز نہیں سن رہے؟

امامؑ نے سر بلند کیا اور بہن کو پریشان دیکھا تو ٹھنڈی آہ کھینچ کر فرمایا: بہن! ابھی میں نے خواب میں جدّ اور بابا کی زیارت کی ہے، رسولؐ خدا نے فرمایا ہے: اے میرے نورِ نظر! کل تم ہمارے پاس پہنچ جاؤ گے۔

جب بی بی نے یہ سنا تو ماتم کیا اور ھائے جداہ ھائے اباہ کہا۔ امامؑ نے فرمایا: بہن خاموش رہو اور ہائے وائے کی آوازیں بلند نہ کرو۔ امامؑ نے بہن کو خاموش کر دیا۔ اس دوران میں لشکر خیام کے قریب آ گیا کہ اچانک آسمانِ شجاعت کے دمکتے سورج، شیر بیشۂ شہامت امیر المومنینؑ کے فرزندِ اطہر حضرت قمر بنی ہاشم سلام اللہ علیہ مثلِ ہلال خیمے سے باہر نکلے اور باآوازِ بلند ایک نعرۂ حیدری لگایا اور فرمایا: کہاں ہو بیشۂ شجاعت کے شیرو! آؤ اور لشکرِ یزید کی حرکت کو روک دو۔

یہ کہنا تھا کہ ہاشمی جوان اپنی خون میں بجھانے والی تلواروں سے مسلح ہو کر نکلے اور گھوڑوں پر سوار ہو گئے، نیزے سیدھے کیے اور حضرت عباسؑ کے گرد، چاند کے گرد ہالہ کی طرح جمع ہو گئے اور سب مل کر امام حسینؑ کے پاس آئے۔ حضرت عباسؑ گھوڑے سے اُترے اور ادب سے بارگاہِ امامت کو بوسہ دیا اور عرض کیا: آقا! دشمن کا لشکر قریب ہے، اب کیا حکم ہے؟

قال الامام یاعباس ارکب بِنَفسِكَ یَا اَخِی حَتّٰی تَلقَاهُم وَتَقُول لَهُم مَا لَکُم ما بدالکم وَتَسئَلُهُم عَما جَائِهِم

''امامؑ نے فرمایا: بھائی! عباسؑ! تم سوار ہو جاؤ اور امیر لشکر سے ملاقات کرو اور پوچھو کہ کیوں ہجوم کر آئے ہو؟''

حضرت عباسؑ لشکر کے پاس آئے اور پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے اور کیا چاہتے ہو؟

انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے امیر کا حکم ہے کہ یزید کی بیعت پیش کرو، تم بیعت کر لو تو محفوظ ہو ورنہ ابھی تم سے جنگ کر کے مسئلہ حل کر لیں گے۔

حضرت عباسؑ نے فرمایا: جلدی نہ کرو۔ میں اپنے مولاؑ سے پوچھ لوں کہ وہ کیا حکم دیتے ہیں؟ حضرت عباسؑ امامؑ کی خدمت میں آئے اور باقی بیس اصحابِ حسینؑ نے لشکر ابن سعد کو وعظ و نصیحت کرنا شروع کر دی کہ اے لشکر والو! فرزندِ پیغمبرؐ

کے خون میں آلودہ نہ ہو۔ حضرت عباسؑ نے جب لشکر کی بات بتائی تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا:

- اِرجع اِلَیهِم فَاِن استَطَعتَ اَن تُؤخِّرهم اِلَی غدوة وَتَدفعهم عَنَّا العَشیَّةِ لَعَلَّنَا نُصَلِّی لِرَبِّنَا اللیلة وَنَدعُوه وَنستَغفِره فَهُو یَعلَم اِنِّی قَد کُنتُ اُحِبُّ الصلوة له وَتلاوة کتابِهٖ و کثرة الدعاء والاستغفاء۔

''اے بھائی عباسؑ! ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ اگر کل صبح تک جنگ روک سکتے ہو تو روک لو، یعنی ان سے ایک رات کی مہلت مانگو تا کہ نماز، دعا اور استغفار کر لیں کیونکہ خدا جانتا ہے کہ مجھے نماز، دعا، قرآن پڑھنا اور استغفار کرنا کس قدر عزیز ہے''۔

حضرت عباسؑ لشکر کے پاس آئے اور امامؑ کے حکم کے مطابق مہلت مانگی۔

لہوف میں ہے کہ ابن سعد نے امام کی پیش کش قبول کرنے میں توقف کیا اور شمر سے کہا کہ مہلت کے بارے میں تیرا کیا نظریہ ہے؟

شمر نے کہا: تم دو دل نہ ہو، اگر میں تمہاری جگہ سردار ہوتا تو اس فرمائش پر توجہ ہی نہ کرتا اور اسی وقت جنگ شروع کر دیتا۔

عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا: خدا کی قسم! اگر یہ ترک اور دیلم کے غلام بھی ہوتے اور ہم سے اس قسم کی فرمائش کرتے تو ہم ان کی بات قبول کرتے جب کہ یہ تو اولادِ پیغمبرؐ ہیں۔

عمرو بن حجاج زبیدی کی بات جنگل کی آگ کی طرح لشکر میں پھیل گئی اور سب نے عمرو کی رائے کو پسند کیا اور کہا کہ ہم عرب ہیں اور یہ ہمارے لیے بہت ننگ و عار ہے کہ اولادِ پیغمبرؐ ہم سے مہلت مانگے، امان طلب کرے اور ہم مہلت نہ دیں۔

عمر بن سعد نے جب یہ حالات دیکھے تو کہا: عمرو بن حجاج زبیدی کی رائے ٹھیک ہے۔ ہم حسینؑ کو آج رات مہلت دیتے ہیں۔

عصرِ تاسوعا امام حسینؑ کا خواب دیکھنا

سید علیہ الرحمہ نے لہوف میں لکھا ہے کہ جب حضرت قمر بنی ہاشم سلام اللہ علیہ نے عمر بن سعد سے شبِ عاشور کی مہلت مانگی تو امامؑ نے اپنے بستر پر سر رکھا اور سو گئے اور عالمِ خواب میں روشن فضا اور صاف ہوا کو محسوس کیا۔ اسی وقت حضرت زینب سلام اللہ علیہا امامؑ کے پاس بیٹھی تھیں اور شمع کی طرح بھائی کے غم اور دکھ میں پگھلتی جا رہی تھیں اور اپنی آستینوں سے بھائی کو ہوا

دے رہی تھیں، نیز بھائی کی شہادت کی فکر میں آنسو مروارید کے دانوں کی طرح آنکھوں سے جاری تھے۔ انہی آنسوؤں کا ایک موتی نما قطرہ امامؑ کے چہرے سے مَس ہوا تو امامؑ خواب سے اُٹھ بیٹھے، آنکھیں کھولیں اور بہن کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا: میری بہن زینبؑ!

بی بی نے عرض کیا: لبیك یااخی، جی میرے بھائی!

حضرتؑ نے فرمایا: بہن میری زندگی کا سورج زوال پذیر ہے اور میری روح کی پرواز کا دن میرے سر پر آپہنچا ہے جب کہ آپؑ کی مصیبتوں کا ہلال طلوع ہو چکا ہے کیونکہ ابھی میں نے خواب دیکھا ہے اور رسول پاکؐ کی زیارت کی ہے، میرے جدامجد، بابا، اماں اور بھائی سب اکٹھے آئے تھے اور مجھے فرمایا:

يَاحُسَين اَنَّكَ رَائِحٌ اِلَينَا عَنقَرِيب ''اے حسینؑ! آپؑ بہت جلدی ہمارے پاس آنے والے ہو''۔

فَلَطَمَت زَينَبُ وَجهَهَا وَصَاحَت وَبَكَت ''امام حسینؑ کا خواب سنتے ہی بی بی نے چہرے پر ماتم کیا، نوحہ پڑھا اور بہت گریہ فرمایا''۔

امام حسین علیہ السلام نے بہن کو تسلی دی کہ بہن صبر کرو کیونکہ دشمن ہمارے صبر اور حوصلے کا امتحان لے رہا ہے۔ رونا ضرور آتا ہے، یہ فطری عمل ہے، لیکن بچوں اور عورتوں کے سامنے نہ روؤ، ورنہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔

اے میری بہن! تیرے بھائی حسینؑ نے اس دنیا سے دل اُٹھا لیا ہے اور اس دنیا سے جانے کا فیصلہ کر چکا ہے، یہ دنیا کی زندگی جس میں ساری عمر درد، رنج اور مصائب کو دیکھا، کس کام کی ہے؟ کیا فائدہ اس زندگی کا؟ پس یہی بہتر ہے کہ اس دنیا سے آنکھ بند کرلوں۔ پھر امامؑ نے اپنی بہن کے سروصورت پر ہاتھ پھیرا جس کی برکت سے بی بی پاکؑ کے دکھی دل کو تسلی اور سکون حاصل ہوا۔

شبِ عاشور کے واقعات

اس تاریک اور ظلماتی رات میں کربلا کی زمین پر بہت سے واقعات ہوئے جن میں سے چند ایک ذکر کیے جاتے ہیں:

بیعت کا اصحاب سے اُٹھا لینا اور اصحاب کا اظہارِ وفاداری

علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں مروج الذہب سے نقل کیا ہے کہ جب امام حسینؑ کربلا میں وارد ہوئے تو امامؑ کے ساتھ دو ہزار ایک سو شخص تھے۔ صاحبِ ارشاد شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ تاسوعا کے وقت غروبِ آفتاب کے وقت امامؑ نے حکم دیا کہ میری کرسی کھلے آسمان تلے میدان میں رکھیں۔ پھر اصحاب اور اہلِ بیتؑ کے جوانوں کو بلایا اور جب سب جمع ہو گئے تو خطبہ ارشاد فرمایا:

''میں خدا کی تعریف و ستائش کرتا ہوں اور اس کی مخفی و ظاہر دونوں صورت میں حمد کرتا ہوں اور خدا کا احسان مند ہو کر پہلے دن سے ہمیں عزت دی اور پیغمبری ہم میں عنایت فرمائی، قرآن کی تعلیم ہمیں دی اور دین میں فقیہہ بنایا اور سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور وسیع قلب عطا فرمائے۔ اے میرے اللہ! ہمیں اپنے شاکر بندوں میں سے قرار دے۔

اَمَّابعد! فَاِنِّی لَا اَعلَمُ اَصحَابًا اَوفٰی وَلَا خَیرًا مِن اَصحَابِی وَلَا اَھلِ بَیتٍ ابر وَلَا اَوصَلُ مِن اَھلِ بَیتِی فَجَزَاکُم اللّٰہ عَنِّی خَیرًا . اَلَا وَ اِنِّی لَا اَظُنُّ یَومًا لَنَا مِن ھٰؤُلَاء اَلَا وَ اِنِّی قَد اَذِنتُ لَکُم فَانطَلِقُوا جَمِیعًا فِی حِلٍّ لَیسَ عَلَیکُم مِنِّی ذمام

''میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر کوئی اصحاب نہیں دیکھے۔ میں نے اپنے اہلِ بیتؑ سے زیادہ نیک اور اصیل کوئی اہلِ بیتؑ نہیں دیکھے۔ پس خدا میری طرف سے تم سب کو اچھا اجر اور انعام عطا فرمائے۔

اے میرے صحابیو! کل ہماری زندگی کا آخری دن ہے۔ یہ قوم ہمیں اور دن نہیں دے گی لہٰذا جان لو کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں اور اپنی بیعت تمہارے کندھوں سے اُٹھا لیتا ہوں، پس جدھر جی چاہے چلے جاؤ''۔

هٰذَا اللَّيلُ قَد غَشِيَكُم فَاتَّخِذُوهُ جَمَلًا ثُمَّ لِيَاخُذَ كُلُ رَجُلٍ مِنكُم بِيَدِ رَجُلٍ مِن اَهلِ بَيتِي ثُمَّ تَفَرَّقُوا فِي سَوَادِكُم وَمَدَائِنِكُم حَتّٰى يَفرَجَ اللّٰهُ

''ابھی رات کی تاریکی تمہیں چھپالے گی لہٰذا اس تاریکی کو اپنا مرکب اور سواری بنا لو اور تم میں سے ہر ایک شخص میرے اہلِ بیتؑ کے ایک ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر کل کے ظلم و تشدد سے دُور لے جائے۔ تم اپنے شہروں میں چلے جاؤ، خدا تمہارے لیے مشکلات کو آسان کر دے گا اور مجھے اس لشکر کے پاس چھوڑ دو، یہ صرف میرے دشمن ہیں''۔

فَاِنَّ القَومَ اِنَّمَا يَطلُبُونِي وَلَوقَد اَصَابُونِي فِي الهَوَاءِ عَن طَلَبِ غَيرِي

''یہ قوم میرے علاوہ کسی کی طالب نہیں ہے، یہ مجھے کسی صورت نہیں چھوڑیں گے۔ اگر میں ہوا میں چلا جاؤں تو بھی میرا خون بہائیں گے''۔

حضرت عباسؑ علمدار کا اظہارِ وفاداری

جب امام حسینؑ کا کلام یہاں تک پہنچا تو حضرتؑ کے اصحاب نے زار و قطار گریہ کیا اور سب سے پہلے جو شخصیت اُٹھ کھڑی ہوئی وہ حضرت عباسؑ تھے۔ حضرت عباسؑ اپنے بھائیوں، بھتیجوں، چچازاد بھائیوں کے ساتھ امام کے غربت کے لہجے سے بہت متاثر ہوئے اور تمام شہزادوں کی طرف سے یوں بیان فرمایا: اے ہمارے مولا اور سردار، خدا کی قسم! ہم یہ کام نہیں کر سکتے کہ آپؑ کو دشمن کے حوالے کر کے خود یہاں سے چلے جائیں خدا وہ دن نہ لائے کہ ہم دنیا میں زندہ ہوں اور آپؑ نہ ہوں۔ ہمارے وہ قدم جل جائیں اگر آپؑ کے آستانہ عالیہ سے دُور ہوں۔ ہماری آنکھیں اندھی ہو جائیں اگر آپؑ کے جمال کے علاوہ کسی اور کو دیکھیں۔

حضرت عباسؑ کے بعد باری باری تمام بھائی، بھتیجوں اور بھانجوں نے ادب سے عرض کیا کہ ہم دل و جان سے آپؑ کے تابع ہیں جس طرح حضرت ابوالفضلؑ نے ہمارے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

امامؑ نے سب کے جذبات دیکھے اور سنے اور ان کے حق میں دعا کی۔ پھر اپنا رُخِ انور اولادِ عقیلؑ کی طرف کر کے فرمایا:

يَابَنِي عَقِيل حَسبُكُم مِنَ القَتلِ بِمُسلِمٍ فَاذهَبُوا اَنتُم فَقَد اَذِنتُ لَكُم

''اے بنی عقیل کی اولاد! تمہارے مسلم کا شہید ہو جانا اور ان کی شہادت کا مظلومانہ غم ہی کافی ہے۔ تمہیں اجازت ہے کہ اپنے وطن جا سکتے ہو''۔

عبداللہ بن مسلمؑ کا اظہارِ وفاداری

جنابِ عبداللہ حضرت مسلمؑ بن عقیل کے بڑے فرزند آگے بڑھے اور عرض کیا:

سُبحَانَ اللّٰهِ فَمَا يَقُولُ النَّاس ، يَقُولُونَ اَنَا تركنا شيخنا وسيدنا وَبني عمومتنا خير الاعمام ولم نرم معهم بِسَهمٍ وَلَم نَطعنُ مَعَهُم بِرُمحٍ وَلَم نَضرب مَعَهُم بِسَيفٍ وَلَا ندرِى مَا صَنَعُوا لَا وَاللّٰه فَانفعَلُ وَلٰكِن نُفدِيكَ بِاَنفُسِنَا وَاَموالِنَا وَاَهلِينَا وَنُقَاتِلُ مَعَكَ حَتّٰى نَرِدُ مَورِدَكَ فَقَبَّحَ اللّٰه وَالعَيشَ بَعدَكَ

''اے رسالت کے نور! معاذاللہ ہم یہ کام نہیں کر سکتے کہ آپؑ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ خدا کے علاوہ ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنے چچا اور چچازاد بھائی سے آنکھیں بند کر لیں، نہ اُن کے ساتھ مل کر تیر چلائیں، نہ نیزے اور نہ میدان میں گھوڑے دوڑائیں اور نہ ہی دشمن پر تلوار کے وار کریں، ہم آپ کو چھوڑ دیں یہ ممکن نہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہمارے آقا و سردار پر کیا بیتی ہے؟ ہرگز نہیں یہ کام ہم نہیں کریں گے بلکہ اپنے اموال، اپنے خاندان اور اپنے نفوس کو آپؑ پر قربان کر دیں گے اور آپؑ کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جنگ کریں گے حتیٰ کہ جس راہ پر آپؑ جائیں گے ہم بھی اسی راستہ پر چلیں گے۔ بدبخت ہے وہ زندگی جو آپؑ کے شہید ہونے کے بعد ہو''۔

جنابِ مسلم بن عوسجہؓ کا اظہارِ وفاداری

اہلِ بیتؑ کے بعد اصحاب میں سے پہلے شخص مسلم بن عوسجہؓ اُٹھے اور سینہ پر ادب کا ہاتھ رکھ کر عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! أَنَحنُ نُخَلِّي عَنكَ وَقَد اَحَاطُوا بِكَ فَبِمَا نَعتَذِرُ اِلَى اللّٰهِ فِي اَدَاء حَقِّكَ ''کیا ہم جانثار آپؑ کے دامن کو چھوڑ کر چلے جائیں اور آپؑ کو ان اشرار کے درمیان چھوڑ دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا عذر اور بہانہ تلاش کریں گے''۔ خدا کی قسم! آپؑ کے دامن کو کبھی نہ چھوڑیں گے جب تک نیزوں سے دشمنوں کے سینوں کو چھلنی نہ کر دیں اور تلواروں سے دشمنوں کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیں، ہمارے ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ ان بدبخت لوگوں سے جنگ کریں گے، اور اگر ہمارے اسلحے ختم ہو جائیں گے، تلواریں، تیر، نیزے ٹوٹ جائیں گے تو خدا کی قسم ہم ان دشمنوں سے پتھروں کے ذریعے لڑتے رہیں گے۔ خدا کی قسم! ہم آپؑ کی غلامی سے سر نہیں اٹھائیں گے حتیٰ کہ ہم ثابت کر دیں گے کہ پیغمبرؐ کی غیبت میں ان کی اولاد

کی حرمت اور عزت کیسے کی جاتی ہے۔

خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپؑ کی راہ میں قتل ہوں گا، پھر زندہ ہوں گا اور پھر قتل کیا جاؤں گا اور میرے جسم کو جلا کر خاکستر بنا دیا جائے گا اور پھر خاکستر کو ہوا میں اُڑا دیا جائے گا اور اس طرح ستر مرتبہ کیا جائے تو بھی آپؑ سے میری محبت کم نہ ہوگی اور آپؑ کے قدموں میں شہادت پانا سعادت سمجھوں گا۔

اے میرے مولاؑ! میں کیوں ایسا نہ کروں حالانکہ جان دینا ایک سانس لینے سے زیادہ نہیں اور پھر آپؑ کی خدمت میں ہمیشہ کی زندگی اور سکون ہوگا۔

جناب زُہیر بن قین کا اظہارِ وفاداری

ان کے بعد زُہیر بن قین اُٹھے اور عرض کیا:

وَاللّٰهُ لَوَدِدتُ اِنِّی قُتِلتُ ثُمَّ نُشِرتُ ثُمَّ قُتِلتُ حَتّٰی اُقتَلُ هٰکَذَا اَلفَ مَرَّةٍ وَ اَنَّ اللّٰه عَزَّوَجَل یَدفَعُ بِذٰلِکَ القَتلِ عَن نَفسِکِ وَعَن اَنفُسِ هٰؤلاءِ الفِتیَان مِن اَهلِ بَیتِکَ

”خدا کی قسم اگر آپؑ کی محبت میں قتل ہو جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر قتل ہو جاؤں اور اسی طرح ہزار مرتبہ بھی قتل ہونا پڑے تو قتل ہوتا رہوں گا لیکن آپؑ کی غلامی سے سر نہ اٹھاؤں گا۔ اے خدایا! اے بارِالٰہا! ان فاطمی جوانوں اور علوی نو جوانوں کو صحیح و سالم محفوظ رکھ“۔

جناب سعید بن عبداللہ الحنفی کی اظہارِ وفاداری

مرحوم سید نے لہوف میں لکھا ہے کہ پھر سعید بن عبداللہ الحنفی اُٹھے اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! خدا کی قسم! ہم کبھی آپ کو تنہا چھوڑ کر نہیں جائیں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہم نے پیغمبرؐ کی اولاد کے بارے میں اُن کی نصیحت پر عمل کیا ہے۔ اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ میں آپؑ کی محبت میں قتل ہوں گا، پھر زندہ ہوں گا، پھر مجھے جلایا جائے گا اور میرے جسم کی خاکستر کو اُڑا دیا جائے گا اور اس طرح ستر بار بھی کیا جائے تو پھر بھی آپؑ سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ آپؑ کی رکاب میں شہید ہو جائیں اور ایسا کیوں نہ کریں جب کہ جانتے ہیں کہ ایک دفعہ قتل ہونا ہے پھر تو ہمیشہ کی زندگی ہے۔

جناب بشیر بن عمرو حضرمی کا اظہارِ وفاداری

پھر امام علیہ السلام کے خاص صحابیوں میں سے بشیر بن عمرو اُٹھے اور عرض کیا:

اَكَلَتَنِي السَّبَاعُ حَيًّا اِن فَارَقتُكَ وَاَسئَلُ عَنكَ وَاَخذُلُكَ مَعَ قِلَّةِ الاعوَانِ لَا يَكُونُ هَذَا اَبَدًا

''صحرائی درندے مجھے نوچ نوچ کر کھا جائیں اگر میں آپؑ سے جدا ہوں اور تجھے رسوا کروں، جب کہ آپؑ کے دیوانے تھوڑے ہیں، دشمنوں کے چنگل میں نہیں چھوڑ سکتا''۔

بشیر کے اظہارِ وفاداری کے بعد دیگر اصحاب میں برداشت ہی ختم ہوگئی اور ایک دم سب کھڑے ہوگئے اور ہر ایک اپنی محبت بھری خلوص کی زبان اور صاف دل سے ساحتِ مقدسِ امامؑ میں اپنی وفاداری کا اظہار کر رہا تھا۔

مرحوم سید نے لہوف میں لکھا ہے کہ اسی دوران میں بشیر بن عمرو خضرمی کو اطلاع ملی کہ آپؑ کے فرزند (محمد بن بشیر خضرمی) کو رَے کی سرحد پر گرفتار کرلیا گیا ہے اور زنجیر اور طوق پہنا کر قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ بشیر اس اطلاع سے پریشان تو ہوئے لیکن فرمایا کہ اس کی اور اپنی گرفتاری کو خدا کی راہ میں قبول کرتا ہوں، اگرچہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں زندہ ہوں اور وہ گرفتار اور قیدی ہو۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: رَحِمَكَ اللهُ اَنتَ فِي حِلٍّ مِن بَيعَتِي فَاعمَل فِي فَكَاكِ اِبنِكَ ''تم پر خدا کی رحمت ہو، میں تم سے بیعت اُٹھالیتا ہوں تم آزاد ہو اور اپنے بیٹے کو آزاد کرانے کی کوشش کرو''۔

بشیر نے عرض کیا: اگر میں آپؑ کو چھوڑوں تو صحرائی درندے مجھے زندہ نوچ لیں گے۔

امامؑ نے اُسے دعا کی اور حکم دیا کہ پانچ قیمتی لباس لائے جائیں۔ ان لباسوں میں سے ایک ایک لباس کی قیمت ہزار ہزار اشرفی تھی۔ حضرتؑ نے یہ لباس بشیر کو دیے کہ اپنے دوسرے بیٹے کو یہ لباس دو تاکہ تمہارے اسیر بیٹے کی رہائی کا انتظام کرے۔

بے وفا صحابہ کا چھوڑ جانا

شبِ عاشور امام علیہ السلام نے اپنے یار و انصار کو جمع کر کے خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد امتحان اور آزمائش کے لیے فرمایا: ہم اہلِ بیتؑ رسالت دھوکا اور مکر کرنے والے نہیں ہیں۔ سب جان لو کہ کل میں قتل ہوجاؤں گا اور جو شخص میرے ساتھ رہا وہ بھی قتل ہوجائے گا۔ ابھی فرصت اور وقت ہے کہ جو شخص جانا چاہے وہ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھالے اور چلا جائے۔ چند لوگ جو وفادار نہ تھے اُنھوں نے اپنا سامان اٹھایا اور کاروانِ حسینیؑ کو شب کی تاریکی میں چھوڑ دیا اور محض وفادار باقی رہ گئے۔

صاحب کتاب نور العیون نے اس واقعہ کو جناب سیدہ سکینہؑ خاتون کی زبان سے یوں لکھا ہے کہ بی بیؑ نے فرمایا:
جب شب عاشورا ہوئی تو چاند کی چاندنی تھی، میں اپنے خیمہ میں بیٹھی تھی کہ مجھے پیچھے سے رونے کی آواز آئی۔ اس رونے کی دکھی صدا نے مجھے بہت متاثر کیا اور بے اختیار میرے آنسو جاری ہوگئے اور دل غم سے بھر گیا۔ میں نے اپنے آپ کو بہت قابو کیا کہ باآواز بلند گریہ نہ کروں پس میں نے آنسو صاف کیے تاکہ میری بہنیں اور دیگر خواتین مطلع نہ ہوں۔ حیران دل اور پریشان چہرے سے خیمہ سے باہر نکلی اور گریہ کی صدا کی طرف چلی تو ایک مقام پر دیکھا کہ میرے بابا کے اردگرد اُن کے تمام یارومددگار بیٹھے ہیں اور وہ گریہ کی آواز جو مجھے سنائی دی تھی میرے بابا کی تھی کہ رو بھی رہے تھے اور فرماتے تھے: اے میرے یاروانصار! یہ جان لو کہ میں جانتا ہوں کہ تم کس لیے اس سفر میں میرے ہمراہی بنے ہو۔ اور تم جانتے تھے کہ میں ایسی قوم کی طرف جارہا ہوں کہ جنہوں نے دل و زبان سے میری بیعت کی اور مجھے اپنا امیر بنایا اور دعوت دی لیکن کچھ وقت کے بعد تمہارے علم میں یہ بات بھی آگئی کہ اسی قوم کی محبت میرے ساتھ دشمنی میں بدل گئی اور شیطان نے ان کے سینوں کو چیر کر مکروغدر کو بھر دیا اور ان کے عہد ٹوٹ گئے۔

اے یاروانصار! جان لو! اس غدار اور مکّار قوم کا مقصد سوائے میرے قتل کے اور کچھ نہیں ہے اور جو شخص میری حمایت کرے گا وہ بھی ضرور قتل ہوگا۔ میرے قتل کے بعد ان کا ارادہ ہمارے خیام کو لوٹنے اور ہمارے اہلِ بیتؑ کو قید کرنے کا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی چیز تم سے مخفی نہ ہو بلکہ ہر بات کا تمہیں پہلے سے علم ہو اور اگر سب کچھ جانتے ہو تو پھر ممکن ہے کہ حیا اور شرم تمہارے چلے جانے سے مانع ہو۔ ہم اہلِ بیتؑ کے پاس مکر اور دھوکا نہیں ہے لہٰذا تمہیں باقاعدہ طور پر آگاہ کرتا ہوں کہ دشمن تمہاری جان کی کمین لگا کر بیٹھا ہے۔ جو شخص جانا چاہتا ہے تو رات کے آخری حصے کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن کے چنگل سے نکل جائے اور خطرے سے باہر ہو جائے، ابھی وقت ہے اور رات سے فائدہ اٹھائیں۔ یہاں سے اپنی راہ لیں اور چلے جائیں۔

اور جو شخص دل و جان سے ہماری مدد کرنا چاہتا ہے اور ہم سے مصیبتوں کو دُور کرنا چاہتا ہے تو وہ کل بہشت میں ہمارے ساتھ ہوگا اور غضب خدا سے محفوظ ہوگا کیونکہ مجھے اپنے نانا نے خبر دی ہے کہ میرا حسینؑ غربت، تنہائی اور پیاس کی حالت میں کربلا کی گرم زمین پر بے گناہ مارا جائے گا، جو شخص اس کی مدد کرے گا ہماری مدد کرنے والا ہے اور ہمارے بیٹے قائم آل محمدؑ کی مدد کرنے والا ہے اور جو شخص محض زبان سے ہماری مدد کرتا ہے تو بھی ہمارے ساتھ محشور ہوگا۔

جناب سکینہ خاتون سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ میرے بابا کا ابھی کلام ختم نہ ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ بے وفا لوگ دس دس اور بیس بیس کے گروہوں میں میرے بابا کو چھوڑ کر جانے لگے اور صحرا میں بکھر گئے حتیٰ کہ بہتر سے زیادہ باقی نہ بچے۔ بے

وفا صحابیوں کے چھوڑ جانے کے بعد میں نے اپنے مظلوم بابا کو دیکھا کہ سر زانو پر رکھا ہے کہ شاید لوگ جانے میں شرم محسوس نہ کریں۔ پس ان لوگوں کی بے وفائی، بے حیائی اور بابا کی غربت پر بے اختیار میرا گریہ گلوگیر ہوگیا اور دل میں ایسا درد اور دکھ ہوا کہ میری روح پرواز کرنے والی تھی۔ میں نے اپنے دکھ کا اظہار یوں کیا: خدایا! یہ لوگ جنہوں نے ہم سے آنکھیں بند کرلیں اور اپنے امامؑ کے نازک دل کو توڑا، زمین پر قرار نہ پائیں اور اُنھیں ہمارے جدّ کی شفاعت سے محروم فرما۔

پھر میں اپنے خیمے میں آئی لیکن سکون نہ آتا تھا، آنسو بے اختیار جاری تھے۔ کوئی کام نہیں کرسکتی تھی۔ اسی دوران میں پھوپھی اُم کلثوم کی نظر مجھ پر پڑی تو جلدی سے میرے پاس آئیں اور فرمایا: بیٹا! کیوں بے اختیار آنسو بہہ رہے ہیں۔ پھوپھی کے پوچھنے سے میرے صبر کے بندھن ٹوٹ گئے اور تمام باتیں جو سنی اور دیکھی تھیں ان کو بتا دیں۔ یہ سنتے ہی ان کے دل سے آہ نکلی اور بین کیا: وَاجَدَّاهُ وَاعَلِيَّاه وَاحَسَنَاهُ وَاحُسَيناه وَاقِلَّة نَاصِرَاه اَينَ الخَلَاص بن الاعدَاء "اے جدِّ بزرگوار! اے علیؑ ابن ابی طالبؑ! اے حسنؑ و حسینؑ! ہائے ہمارے ناصر بہت کم ہیں اور کب ان دشمنوں سے ہماری جان بچ سکتی ہے؟"

ہائے کاش کہ یہ قوم ہمارے سے حسینؑ کے بدلے فدیہ اور قربانی قبول کرلیتی! یہ قوم عورتوں اور بچوں کے سر گوسفند کی طرح کاٹ دیتی اور ہمارے مظلوم اور غریب تنہا امامؑ کو چھوڑ دیتے۔ ان بینوں پر تمام مستوراتِ حرم کا نالہ و فغاں بلند ہوا اور ماتم شروع ہوگیا۔ جب اس ماتم کی صدا امام علیہ السلام کے سمع مبارک میں پہنچی تو خیمہ میں آئے لیکن شدتِ اضطراب اور غم و اندوہ کی وجہ سے حضرتؑ کی عبا زمین پر خط کھینچ رہی تھی۔ آپؑ نے درِ خیمہ پر پہنچ کر فرمایا: فَمَا هٰذَا البُكَاء "یہ ماتم اور گریہ کیسا؟"

پھوپھی اماں نے دامنِ امامؑ کو پکڑ کر فرمایا: يَا اَخِي رُدَّنَا اِلٰى حَرَمِ جَدِّنَا رَسُولِ اللّٰه "اے بھائی! ہمیں نانا کے حرم میں پہنچا اور اس غم و اندوہ سے نجات دلاؤ"۔

امامؑ نے فرمایا: لَيسَ لِي ذٰلِكَ سَبِيل "اس کام کے لیے میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے"۔

پھوپھی نے عرض کیا: اے بھائی! ان لوگوں کی یہ بے حیائی اور بے وفائی شاید اس لیے ہے کہ تمہارے باپؑ اور ناناؐ کو نہیں پہچانتے لہٰذا آپؑ اپنا حسب و نسب بتائیں۔ جدّ، باپ، ماں، بھائی غرض اپنے خاندان کا تعارف کرائیں۔

امامؑ نے فرمایا: خواہر جان! میں نے اپنے حسب و نسب سے آگاہ کیا ہے لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ یہ لوگ صرف اور صرف میرا قتل چاہتے ہیں۔ وَلَابُدَّ اَن تَرَانِي عَلَى الثَّرٰى طَرِيحًا جَدِيلًا "اے بہن! آپؑ نے ضرور دیکھنا ہے کہ میرا بدن خاک و خون میں غلطاں ہوگا اور تیروں و نیزوں اور تلواروں کے زخموں سے جسم پُر ہوگا"۔

اے بہن! یہ خبر مجھے ناناؐ اور باباؑ نے دی تھی اور کبھی پیغمبرؐ وعلیؑ کی خبر کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اس لیے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر مصیبت پر صبر کرنا۔ اُوصِیکُم بِتَقوَی اللّٰہِ رَبُّ البَرِیَّۃِ وَالصَّبرِ عَلَی البَلِیَّۃِ وَکَظمِ نُزُولِ الرَّزِیَّۃِ ''میری تقویٰ، مصیبت پر صبر اور امتحان کے مقام پر حلم کی وصیت ہے''۔

باوفا صحابیوں کو جنت کا نظارہ کرانا

جب امام حسین علیہ السلام نے اصحاب سے بیعت اُٹھالی اور فرمایا کہ ابھی وقت ہے اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں سے چلے جاؤ اور اپنی جانیں محفوظ کرلو، یہ ظالم تو میرے دشمن ہیں۔ امامؑ کی اس اجازت پر کچھ بے وفا لوگوں نے امام حسینؑ کے کارواں کو چھوڑ دیا اور باقی اصحابِ باوفا ساحتِ مقدس امامؑ میں آخری دم تک ثابت قدم رہے اور جن کی وفا اور ثبات قدمی پر خود امام حسینؑ نے فخر کیا ہے کہ ایسے صحابی کسی کو نہیں ملے جیسے وفادار مجھے ملے ہیں۔ ان اصحاب کو شبِ عاشورا جب امام حسینؑ نے یہ فرمایا کہ کل میں شہید ہوجاؤں گا اور جو بھی میرے ساتھ ہوں گے وہ سب بھی شہید کردیے جائیں گے تو سب اصحابِ باوفا نے عرض کیا: اَلحَمدُ لِلّٰہِ شَرَّفَنَا بِالقَتلِ مَعَکَ ''خدا کی حمد ہے کہ ہمیں آپؑ کے ساتھ شرفِ شہادت سے مشرف فرمایا ہے''۔

امام علیہ السلام نے جب ان انصار اور اہلِ بیتؑ کے ثباتِ قدمی کا مشاہدہ کیا تو فرمایا: اب تم اپنے سر بلند کرو اور بہشت میں اپنے مقام و منزل کو دیکھو۔ سب نے سر آسمان کی طرف بلند کیا، تو منازل، محل اور حوروں کو دیکھا۔ اس وقت سے لے کر شہادت تک اصحاب منٹوں کو شمار کرتے تھے کہ جلدی اس فانی دنیا سے نکل کر باقی رہنے والی بہشت میں جائیں۔ اس لیے اس رات اصحاب نے بہشت کے شوق میں آرام نہ کیا بلکہ ہر گھنٹے کو سال سمجھ رہے تھے۔ (ہر ایک کو جلدی تھی کہ صبح ہو تو شہادت ملے اور بہشت میں پہنچیں) بلکہ ان اصحاب کو اپنے محلات اور حوروں کے پاس جانے کا اس قدر شوق تھا کہ ہر شخص دورانِ جنگ بڑے بڑے بہادروں کے سامنے ذرا بھر خوف نہ کھاتا تھا بلکہ شمشیر، نیزہ اور تیر کے زخموں کو محسوس بھی نہ کرتے تھے۔

بحکم امام حسینؑ خیام کی نئی ترتیب

شبِ عاشور کے پہلے حصہ میں امامؑ نے اپنے اصحاب میں خطبہ پڑھا اور ان کو وعظ و نصیحت کی۔ کچھ بے وفا چلے گئے اور وفادار ثابت قدم رہے۔ جو ثابت قدم رہے ان کو جنت دکھائی۔ اس کے بعد امامؑ نے انہی ثابت قدم وفادار اصحاب کو حکم دیا کہ اب ان بکھرے خیام کو ایک دوسرے کے نزدیک کردو۔ اصحاب نے خیام کو اُکھاڑا اور دوبارہ نزدیک نزدیک لگایا البتہ اب

بحکمِ امامؑ خیام کو ایک قلعہ کی شکل میں لگایا کہ درمیان میں خالی جگہ تھی اور خیام کی تین دیواریں تھیں یعنی تین قطاریں تھیں۔ ایک دیوار انہی دائیں ہاتھ والے خیمے کی تھی۔ دوسری دیوار بائیں ہاتھ والے خیام تھے اور تیسری دیوار پشت والے خیام تھے۔ سامنے والے حصہ کو کھلا رکھا تا کہ لشکر کی طرف رخ ہو۔

امام حسین علیہ السلام اور خواص اہلِ بیتؑ کے خیام کے پیچھے حضرتؑ کے بھائیوں، بھتیجوں اور چچازادوں کے خیمے تھے اور تمام خیام کا دروازہ اسی قلعہ نما میدان میں کھلتا تھا۔

خیام کے اردگرد خندق کھودنا

اس نئی ترتیب سے خیام نصب کرانے کے بعد امامؑ نے حکم دیا کہ خیام کے تین طرف خندق کھودی جائے اور اس میں لکڑیاں وغیرہ ڈال دی جائیں تا کہ بوقتِ ضرورت ان لکڑیوں اور ہیزم کو آگ لگائی جاسکے جو دشمن کے خیام کی طرف ہجوم کرنے سے مانع ہو۔ اس واقعہ کو شیخ صدوق نے امالی میں لکھا ہے۔

چند دشمنوں کا امامؑ سے ملحق ہوجانا

روایت میں ہے کہ عمر بن سعد نے شبِ عاشورا ایک گروہ کو خیامِ اہلِ بیتؑ کی طرف بھیجا تا کہ امامؑ اور ان اصحاب کا حال معلوم کریں۔ اس گروہ میں ایک عبداللہ بن عمر کوفی بڑا شجاع، لاپروا اور بے حیا شخص تھا۔ امامؑ اس رات یہ آیت تلاوت کر رہے تھے:

وَلَا تَحسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اِنَّمَا نُملِي لَهُم خَيرٌ لِاَنفُسِهِم اِنَّمَا نُملِي لَهُم لِيَزدَادُوا اِثمًا وَلَهُم عَذَابٌ مُهِينٌ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ المُؤمِنِينَ عَلٰى مَا اَنتُم عَلَيهِ حَتّٰى يَمِيزَ الخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ

اس بے حیا عبداللہ بن سمیر نے کہا کہ ربِ کعبہ کی قسم وہ پاک لوگ ہم ہیں کہ جن کو تم سے امتیاز حاصل ہے۔

بُریر بن خضیر نے کہا: اے فاسق! کیا خدا نے تجھے نیک لوگوں سے بنایا ہے؟

اس ملعون نے بُریر کا نام پوچھا اور ایک دوسرے کو گالیاں دیں اور وہ واپس ہوگیا۔ اس گروہ سے ۳۲ اشخاص نے امام حسینؑ کی اس آیت کی تلاوت کو سنا اور سمجھ کر ازلی سعادت حاصل کی اور امامؑ کے لشکر سے ملحق ہوگئے اور دیگر اصحابِ حسینؑ کے ساتھ روزِ عاشورا شہید ہوگئے۔

بُریر کا پانی طلب کرنا اور جنگ ہو جانا

صدر قزوینیؒ نے شبِ عاشورا کے واقعات میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ جنابِ سکینہؑ خاتون فرماتی ہیں: ہمارے پاس پانی نہیں تھا اور ایک گھونٹ کے لیے بھی روح پرواز کرنا چاہتی تھی، تمام خیام میں چکر لگایا کہیں پانی نہ ملا تو مایوس و محروم واپس پلٹی۔ میں نے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس کی جب مڑ کر دیکھا تو بیس بچے میرے پیچھے آ رہے ہیں شاید کہیں سے پانی مل جائے لیکن سب بچے پابرہنہ ننگے پاؤں، آنسو جاری، پیاس سے خشک ہونٹ، پریشان چہرے اور دشمن کے خوف سے کانپ رہے تھے۔ اسی دوران میں بُریر بن خضیر ہمدانی خیمہ کے قریب سے گزرے تو ان کی ننگے پاؤں بچوں پر نظر پڑی جو شدتِ پیاس کی وجہ سے موت کے قریب تھے، تو ان کی حالت غیر ہوگئی، زمین پر گرے اور مٹی اُٹھا کر سر میں ڈالی۔ عمامہ زمین پر پھینک دیا اور دل کی گہرائیوں سے اصحاب کو صدا کی کہ اے میدانِ شجاعت کے شیرو! خیموں میں کیوں بیٹھے ہو، باہر نکل آؤ۔

اصحاب اور انصار ایک مرتبہ خیام سے باہر نکلے اور بُریر کے پاس دوڑ کر آئے اور عرض کیا: کیا حکم ہے؟

بُریر نے فرمایا: اے انصار! ہم زندہ ہوں اور علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد پیاس سے مر جائے تو کل خدا کو کیا جواب دیں گے؟

اصحاب نے بُریر کی گفتگو سنی تو ان کے دل کباب ہوگئے اور پوچھا کہ اب کیا کریں؟

بُریر نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص ایک ایک بچے کا ہاتھ پکڑ کر فرات کے کنارے لے جائے اور پانی سے سیراب کرے۔ اگر اس دوران جنگ ہوتی ہے تو جنگ کرو اور شہید ہو جاؤ۔

یحییٰ بن سلیم نے کہا: اے بُریر! یہ آپ کی رائے مناسب نہیں کیونکہ فرات کے کنارے فوج حفاظت پر لگی ہوئی ہے اور اس کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اگر یہ بچے ہمارے ساتھ ہوئے تو جنگ کی صورت میں یہ ضائع ہو جائیں گے ممکن ہے ان کو تیر یا نیزہ لگ جائے تو پھر ساقیٔ کوثر علیؑ اور فاطمہؑ کو کیا جواب دیں گے؟ بہتر یہ ہے کہ خود مرد مشکیں لے کر نہر فرات پر جائیں، اگر پانی لے آئے تو ٹھیک اگر قتل ہوگئے تو وہ مطلوب ہے۔ اور ہم جنابِ فاطمہؑ کی اولاد کا فدیہ بن جائیں گے۔

بُریر نے کہا: یہ ٹھیک ہے، پس چار شجاع اور قوی ہمت جوان نکلے، مشکیں اٹھائیں اور نہر فرات پر آئے۔ ابن سعد کے لشکر نے قدموں کی آواز سن کر پوچھا: کون ہو؟ اور کس کی تلاش میں آئے ہو؟ کس گروہ سے ہو اور کون سے لشکر سے آئے ہو؟

بُریر نے فرمایا: میں عربی ہوں، نام بُریر ہے، یہ میرے ساتھی پیاسے ہیں، ہم پانی پینے کے لیے آئے ہیں۔

محافظوں نے اسحاق ہمدانی رئیس لشکر کو اطلاع دی کہ بُریر ہمدانی پانی پینے آیا ہے؟ اسحاق نے کہا: وہ میرا رشتہ دار ہے پانی پینے دو کوئی حرج نہیں۔ جب اجازت ملی تو بُریر اور ساتھی کامل اطمینان سے نہر فرات میں داخل ہوئے۔ جب فرات کے ٹھنڈے پانی کی نسیم اصحاب کے مشام میں پہنچی تو بُریر اور ساتھیوں کو اولادِ فاطمہؑ کی تشنگی یاد آ گئی اور وہ زار و قطار رونے لگے۔

بُریر نے کہا: مشکیں بھرواور جلدی خیاک کو چلیں۔

ایک موکل سپاہی نے بُریر کا یہ کلام سن لیا تو اس نے آواز دی: کیا تمہارا اپنا سیراب ہو جانا کافی نہیں کہ اس خارجی (نعوذ باللہ) کے لیے پانی لے جاتے ہو۔ ابھی میں اسحاق کو خبردار کرتا ہوں، اگر اس نے اجازت دی تو ٹھیک ورنہ جنگ ہوگی۔

بُریر نے التماس کی: اے شخص! میرے پاس آؤ میں تمہیں ایک قیمتی لباس دیتا ہوں، تم اسحاق کو نہ بتاؤ اور ہمیں اولادِ رسولؐ کے لیے پانی لے جانے دو۔ اس شخص نے سمجھا کہ بُریر مجھے دھوکا دے کر قتل کرنا چاہتا ہے لہٰذا وہ بھاگا اور اسحاق کو اطلاع دی کہ بُریر پانی خیامِ اہلِ بیتؑ میں لے جانا چاہتا ہے؟

اسحاق نے فوری ایک گروہ روانہ کیا کہ بُریر اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے لے آوَ۔ اگر نہ آئیں تو تلوار سے ان سب کو قتل کر دو۔ جب یہ گروہ پہنچا تو بُریر نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے؟

انہوں نے کہا کہ مشکوں سے پانی انڈیل دو یا ہم تمہارا خون بہاتے ہیں۔

بُریر نے فرمایا: اِہَاقَةُ الدِّمَاءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِن اِہَاقَةِ المَاءِ "ہمارے خون بہانا ہمیں پسند ہے پانی بہانے سے"۔

ہائے افسوس! تم پر اے بے غیرتو! ہم نے ابھی تمہارے فرات کا پانی چکھا بھی نہیں صرف دیکھا اور ہمیں آلِ محمدؐ کی پیاس یاد آ گئی تو ہم نے پانی پینا وفا کے خلاف سمجھا، اب پانی ان کے لیے لے جا رہے ہیں اگر تم نہیں لے جانے دو گے یا پھر مجبور ہیں کہ قتل کریں گے یا قتل ہو جائیں گے۔

بعض کو رحم آیا اور کہا: پانی نہ روکو ان کو پانی پینے دو اور لے جانے دو۔ ایک دو مشک کا پانی ان کو کیا فائدہ دے سکتا ہے، یہ قوم پھر پانی کی وجہ سے تمنائے موت کرے گی۔ بعض نے کہا: یہ بات ٹھیک ہے لیکن امیر کے حکم کی مخالفت گناہِ کبیرہ ہے، جاؤ ان کو پکڑو اور پانی کو زمین پر انڈیل دو۔

بُریر اور ساتھیوں نے ابھی ایک ہی مشک بھری تھی کہ فرات سے باہر آ گئے کیونکہ وہ گروہ ان پر حملہ آور ہو گیا۔ بریر اور ساتھیوں نے مشک کو زمین پر رکھ دیا اور اس کے گرد حلقہ بنا لیا اور زانو زمین پر لگا کر مشک کے لیے ڈھال بن گئے۔ پھر بُریر نے مشک کو اپنی بغل میں لیا اور اظہارِ افسوس کیا کہ اولادِ پیغمبرؐ پیاسی ہے۔ اللہ ان لوگوں سے اپنی رحمت دُور کر دے جنہوں نے پانی کو اولادِ فاطمہؑ سے روک لیا۔ بُریر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے لشکر کو روک لیا ہے تم مجھے اپنے گھیرے میں رکھو اور جنگ کرتے آؤ اور کسی کو مجھ تک اور مشک تک نہ پہنچنے دو۔ پس اس مقدس شخص نے مشک کو لیے ہوئے ساتھیوں کے گھیرے میں اس مشک کی حفاظت کی۔ یزیدی ملعون کبھی حملہ کرتے اور کبھی فرار کر جاتے تھے اور پتھر مارتے تھے اور تیر مارتے تھے اور

ایک ایک قدم مشک خیام کے قریب ہوتی گئی۔ اسی دوران میں ایک تیر مشک کے بند میں آ لگا اور یہ مشک بُریر کی گردن میں تھی لہٰذا اس تیر نے مشک کے بند کی بُریر کے گلے میں سلائی کردی اور خون دامنِ بُریر سے گرنے لگا اور قدموں پر پڑنے لگا۔ بُریر نے گمان کیا کہ مشک میں تیر لگا ہے اور مشک چھد چکی ہے اور یہ مشک کا پانی ہے جو پاؤں تک گر رہا ہے، بہت افسوس ہوا۔ پھر غور سے ملاحظہ کیا تو مشک سالم ہے اور یہ خون اس کے گلے کے حلقوم سے جاری ہے تو خدا کا شکر ادا کیا اور کہا: اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی جَعَلَ رَقَبَتِی فِدَاءً لِقَرَابَتِی ''اللہ کی حمد ہے کہ میری گردن کو اس مشک کا فدیہ بنا دیا تا کہ ساقیٔ کوثر کے بیٹیوں کے سامنے شرمندگی نہ ہو''۔

پھر نعرہ لگایا: اے عثمانیو! ہماری جانوں سے کیا چاہتے ہو، ایک مشک کی خاطر اس قدر فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔ اے آلِ ہمدان! اپنی تلواریں غلاف میں بند کر دو۔ جب بُریر نے یہ نعرہ لگایا تو امام حسینؑ کے اصحاب نے سنا، فوراً گھوڑوں پر سوار ہو کر بُریر کی حمایت میں پہنچے۔ ابن سعد کے گروہ پر حملہ کیا اور بُریر اور ان کے ساتھیوں کو نجات دلائی اور ان کو خیام کی طرف لائے۔ بُریر کمال وجد اور خوشی سے اس مشک کو درِ خیام پر لائے گویا تاریکیوں سے سکندر کو نکال لائے ہوں یا خضر نے زندگی کا پانی دے دیا ہو۔ بُریر نے فریاد کی: اے شہزادو! آؤ بُریر تمہارے لیے پانی لایا ہے۔ بچوں نے آواز سنی تو ایک دوسرے کو بتایا کہ بُریر پانی لائے ہیں۔ تمام بچے تین چار سالہ ہرن کے بچوں کی طرح سرو پا برہنہ بُریر کی طرف دوڑے۔ بُریر کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ایک کہتا: تجھے خدا کی قسم! میں بہت پیاسا ہوں مجھے پانی دینا۔ دوسرا کہتا: کہ پہلے مجھے دینا میں بہت پیاسا ہوں۔ بُریر بچوں کی کیفیت دیکھ کر حیران کھڑا تھا کہ کیسے پانی تقسیم کرے اور کس کو پہلے دے اور کس کو بعد میں؟ یہ خیال کیا کہ خیمہ کے دروازے پر مشک رکھ دیتا ہوں کوئی مستور آئے گی اور بچوں میں پانی تقسیم کر دے گی۔ اسی غرض سے مشک کو دروازہ پر رکھ دیا اور خود دُور ہٹ گئے۔ جوں ہی بُریر مشک سے دُور ہوئے تو بچوں پر پیاس کی اس قدر شدت تھی کہ بچے مشک کے اُوپر گر گئے۔ کوئی بچہ اپنا سینہ مشک پر رکھتا کہ ذرا ٹھنڈا ہو جائے، کوئی زبان رکھتا، کوئی ہاتھ رکھتا تو کوئی رخسار رکھتا۔ یہاں روایت کے لفظ یہ ہیں:

> وَرَمَینَ بِاَنفُسِهِنَّ عَلَی القَرِبَةِ مِنهُنَّ مَن تَلصِقُ فُؤَادَهَا عَلَیهَا فَلَمَّا کَثُرَ اِزدِحَامَهُنَّ وَحَرَکَتهُنَّ عَلَیهِ انفَکَ العرکاء واُرِیقَ المَاء
>
> ''بچوں نے اس قدر مشک پر ازدحام کیا اور مشک کو ہلایا اور اس پر سوار ہو گئے کہ اچانک مشک کا تسمہ کھل گیا اور پانی زمین پر بہہ گیا۔ پیاسے بچوں کے سامنے جب پانی زمین پر بہہ نکلا تو بچوں کی چیخیں نکل گئیں''۔

ہائے افسوس! بُریر آپ نے محنت بھی کی لیکن پانی زمین پر بہہ گیا۔ ہائے پیاس! ہائے جگر کی گرمی! ہائے گرمی! ہائے پیاس! العطش العطش...... بُریر بہت دکھی ہوئے اور سر وصورت پر ماتم کرتے اور کہتے تھے: لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ العَلِیِّ العَظِیم

نجات کی کشتی کے ۳۲ سوار

مرحوم صدر قزوینی نے لکھا ہے کہ اصحابِ حسینؑ کے نالہ وزاری اور مناجات اور تلاوتِ قرآن کی دھیمی آوازوں نے ابن سعد کے بعض لشکریوں کے دلوں پر گہرا اثر کیا اور جو لوگ مجبوراً ابن سعد کے لشکر میں آئے تھے ان کے دلوں میں محبت آلِ بیتؑ جو مخفی تھے کیونکہ کسی زمانہ میں وہ آلِ محمدؐ کے شیعہ تھے کیونکہ ان کی خلقت فاضل طینت سے تھی، نے ایسا اثر کیا کہ ۳۲ جوان کے دل کباب ہوگئے اور وہ ابن سعد کے لشکر سے نکلنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے کہ اصحاب کی مناجات نے ان کو امام حسینؑ کی حالتِ غربت پر رُلا دیا اور کوفہ والوں کی بے رحمی پر تعجب کیا کہ کیا رسولؐ کا اسلام منسوخ ہوگیا ہے، مسلمانوں کا خون بہانا کیسے حلال ہوگیا ہے کہ اب اولادِ پیغمبرؐ کو قتل کرنے پر اُمت آمادہ نظر آتی ہے۔ یہ لوگ پیغمبرؐ کو کیا جواب دیں گے؟ لہٰذا بہتر ہے کہ اپنے آپ کو اس مصیبت اور جہنم سے نکالیں اور نجات کی کشتی پر سوار ہو جائیں اور دین کو ذلیل وخوار نہ کریں۔ پس یہی سوچ رہے تھے اور تلاوتِ کلام پاک سن رہے تھے کہ اچانک تشیع باطنی نے روحانی طور پر ان کو گرم کیا اور ان کے خون میں حمیت نے جوش مارا اور ابن سعد کے لشکر کو چھوڑ کر امامؑ کے لشکر سے ملحق ہوگئے۔

امام علیہ السلام کے اصحاب نے اپنے تازہ مہمانوں کی خدمت کی اور وہ ۳۲ جوان خوش دل اور مطمئن ہوکر اس جہان سے آزاد ہوئے اور مرتبۂ شہادت کی بزم میں بیٹھ گئے اور کل کا انتظار کرنے لگے۔

ہلال کی خیامِ امامؑ کی پہرہ داری

اس واقعہ کو علامہ قزوینی نے ریاض الاحزان میں صاحبِ ریاض المومنین سے یوں نقل کیا ہے کہ جب سے خامسِ آلِ عبَاؑ کا ورود زمینِ کربلا پر ہوا تو تمام غلاموں، انصاروں اور نوکروں سے سب سے زیادہ خدمت اور خلوص کی نوکری ہلال بن نافع بجلی کی تھی کیونکہ ہر وقت پروانوں کی طرح شمع جمال حسینؑ کے اردگرد چکر لگاتا رہتا تھا اور سید لولاک کے فرزند کی پاسبانی کرتا تھا۔ وَكَانَ حَاذِقًا بَصِيرًا بِالسِّيَاسَةِ یہ حضرت جنگ کے آداب، طعن وضرب کے رسومات سے اچھی طرح آگاہ تھے اور صاحبِ مقتل ابی مخنف کے بقول یہ ذوالحلال کے شیر اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالبؑ کے پروردہ تھے۔ تیراندازی میں بے مثل اور جنگ کرنے میں بے مثال تھے۔ وہ اپنا اور اپنے باپ کا نام تیر کی نوک پر لکھتے تھے اور پھر تیر چلاتے تھے۔ اس شبِ عاشور جب تمام اصحاب اپنی اپنی عبادت ومناجات میں مشغول ہوگئے تو ہلال بھی اپنے خیمہ میں اپنے اسلحہ کو صاف کر رہے تھے

اور اپنی ہلالی تلوار کو نیام سے نکال کر تیز کر رہے تھے اور اپنے آپ سے یوں کہہ رہے تھے کہ اس رات سے زیادہ ہیبت والی رات میں نے زندگی بھر نہیں دیکھی۔

کربلا کے تمام صحرا کو ابن زیاد کے لشکر نے پُر کر دیا تھا اور حضرت امام حسینؑ کے خیام کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ہلال نے خود سے کہا کہ ممکن ہے کہ رات کی تاریکی میں دشمن امام حسینؑ کے خیمہ پر شب خون مارے لہٰذا بہتر ہے کہ وہاں کھڑے ہو کر امامؑ کے خیمہ کی حفاظت کریں اور پاسبانی کریں۔

پس ہلال نے اپنی تلوار حمائل کی اور امام حسین علیہ السلام کے خیمہ کے دروازہ پر آیا تو دیکھا امامؑ نے چراغ جلایا ہوا ہے اور سجادۂ عبادت پر عبادت میں مشغول ہیں اور امامؑ کی حالت یہ تھی کہ کبھی تکیہ کا سہارا لیتے اور زانوئے غم کو بغلوں میں دے کر دنیا کا شکوہ کرتے ہیں اور خدا سے مناجات کرتے ہیں۔

ہلال کہتے ہیں کہ کافی دیر حضرتؑ کو راز و نیاز، تضرع اور تلاوتِ قرآن میں مشغول دیکھا۔ پھر حضرتؑ نے تلوار اُٹھائی اور خیمہ سے باہر تشریف لے آئے اور لشکرِ مخالف کی طرف چل پڑے۔ میں نے بڑا تعجب کیا کہ ابن زیاد کے لشکر کی طرف کیوں جا رہے ہیں، بہتر یہ ہے کہ میں ان کو تنہا چھوڑوں، چنانچہ میں سایہ کی طرح ان کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بلند ٹیلے پر رکے اور کمین گاہ کو دیکھتے رہے، اسی اثنا میں ان کی نظر مجھ پر پڑی۔ فرمایا: تم ہلال ہو؟

میں نے عرض کیا: ہاں! خدا ہلال کو آپؑ پر قربان کرے، میں آپؑ کے پیچھے پیچھے چلا آیا کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ آپؑ لشکر کی طرف جا رہے ہیں، مولا آپ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہاں سے کمین گاہ کو دیکھا ہے کہ شاید دشمن یہاں نہ چھپا ہو اور ہمارے خیموں پر یہاں سے حملہ نہ بول دے۔

ہلال کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرتؑ وہاں سے واپس آئے اور میدانِ جنگ کو دیکھتے رہے جب کہ اپنی ریش اطہر کو ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا اور زمین کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے: خدا کی قسم! یہ وہی زمین ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ وہی زمین ہے کہ میرے نوجوانوں کا خون اسی خاک پر بہہ جائے گا۔ پس امامؑ نے مجھے دیکھا اور فرمایا: اے ہلال! تم اس مقام سے چلے نہیں جاتے؟ اور ایک گھنٹہ مجھے تنہا نہیں چھوڑتے تاکہ اپنے آپ کی غربت اور اپنے جوانوں کی مظلومیت پر جی کھول کر گریہ کر لوں کیونکہ کل رونے کا وقت اور طاقت نہ ہو گی۔

ہلال کہتا ہے کہ میں نے خود کو امام علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا اور عرض کیا: میں قربان جاؤں، میری ماں میرے غم میں روئے، آپؑ کو کس طرح تنہا چھوڑوں حالانکہ میں نے تلوار لگائی ہوئی ہے اور گھوڑے پر سوار ہوں۔ مولاؑ! میں

آپؑ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔

اس کے بعد ہلال کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرتؑ کچھ دیر اپنے مقتل کی گود میں آہ و بکاء کرتے رہے اور پھر خیمہ کی طرف توجہ فرمائی، میں نے خیال کیا کہ اب دیکھوں امامؑ کہاں جاتے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ خیام سے گزرتے ہوئے سیدھے بہن زینبؑ کے خیمہ میں چلے گئے۔ جنابِ زینبؑ خاتون نے جب بھائی کو دیکھا تو استقبال کے لیے کھڑی ہوگئیں، مسند بچھائی اور امامؑ کو مسند پر بٹھایا۔ امامؑ نے بہن کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور وصیتیں کرنا شروع کر دیں اور کل کے مصائب کے واقعات بیان فرمانے لگے۔

ہلال کہتا ہے: اچانک میرے کانوں پر جنابِ زینبؑ کے رونے کی آواز آئی اور دکھی لہجہ میں فرمایا: یَا اَخَاہُ اُشَاهِدُ مَصرَعَكَ وَابتَلِي بِرِعَايَةِ هٰذِهِ المَذَاعِير مِنَ النِّسَاءِ وَالقَومِ كَمَا تَعلَمُ

''حسینؑ جان! میں کیسے طاقت رکھتی ہوں گی کہ آپؑ کے ناز پرور جسم کو خاک پر پڑا دیکھوں گی اور ان بے کس اور مظلوم عورتوں کی حفاظت کیسے کروں گی حالانکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان لوگوں کے دلوں میں ہمارا بغض ہے''۔

اے بھائی! میں کیسے پاک و پاکیزہ جوانوں کی لاشیں خاک پر دیکھوں گی، کاش مجھے ماں نے پیدا نہ کیا ہوتا۔

حضرتؑ نے بہن کو تسلی دی اور صبر کی تلقین کی۔ پھر حضرت زینبؑ نے عرض کیا: اے بھائی! کیا اب اپنے اصحاب سے مطمئن ہو؟ ان کا امتحان کرلیا ہے؟ آپؑ کو معلوم ہے کہ ان کا آپؑ کے بارے کیا خیال ہے؟ مجھے خوف ہے کہ کل جب جنگ کی آگ بھڑکے، نیزے بلند ہوں، تلواریں چلنے لگیں تو ایسا نہ ہو کہ اصحاب آپؑ کو دشمن کے حوالے کر دیں اور خود سلامتی سے بچ جائیں۔

امام علیہ السلام بہن کی یہ دکھی بات سن کر رو دیئے اور پھر فرمایا: میں نے اپنے اصحاب کا امتحان کرلیا ہے۔ لَيسَ فِيهِم اِلَّا الاَقسَرُ الاشرس يَتَنَافِسُونَ بِالمُنِيَّةِ كَاستِينَاسِ الطِّفلِ بِلَبَنِ اُمِّهٖ ''میرے سب اصحاب بہادر اور بامروت ہیں۔ یہ اصحاب اپنی جانوں سے بیزار ہیں اور موت کے اس قدر طالب ہیں جیسے بچہ اپنی ماں کے دودھ سے مانوس ہوتا ہے''۔

ہلال کہتا ہے: جب میں نے بی بی زینب سلام اللہ علیہا کی کلام سنی تو صبر نہ کرسکتا تھا، مجھ پر غربت اولادِ علیؑ کی وجہ سے گریہ طاری ہوگیا۔ میں اصحاب کے پاس آیا تا کہ ان سے جنابِ زینبؑ کی بے چینی کا ذکر کروں۔ خیامِ اصحاب کے دروازے پر حبیب ابن مظاہر سے ملاقات ہوئی کہ یہ ضعیف روشن ضمیر خیمہ میں چراغ جلائے ہوئے ہیں اور برہنہ تلوار سے خطاب کر کے کہہ رہے ہیں: ایها الصارم اِستعِد جوابًا ''اے تلوار! اب اپنی مار دکھانے کے لیے تیار ہو جاؤ، میں نے کل جیسے دن کے لیے تجھے سنبھال کے رکھا تھا''۔

ہلال کہتا ہے: میں حبیب کے پاس گیا، سلام اور جوابِ سلام ہوا۔ حبیب نے پوچھا: اے بھائی! اس وقت کیوں اپنا خیمہ چھوڑ کر میرے پاس آئے ہو؟ ہلال نے تمام تفصیلات بتائیں اور یہاں تک کہا: اے حبیب! ابھی حسینؑ جب بہن کے خیمے میں گئے تو زینب سلام اللہ علیہا نے خوف اور وہم کا اظہار کیا گویا ابھی تک ہم سے مطمئن نہیں ہیں۔ وہ فرما رہی تھیں: مجھے ڈر ہے کہ کل یہ اصحاب آپؑ کو دشمنوں کے حوالے کر کے خود سلامتی سے نکل جائیں اور آپؑ کو تنہا چھوڑ دیں۔

اے حبیب! جب جنابِ زینبؑ کو ہمارے بارے یہ گمان ہے تو پھر تمام مستورات کے ذہنوں میں یہی خیالات آتے ہوں گے۔ بہتر ہے کہ اٹھیں، اصحاب کو جمع کریں اور امام علیہ السلام کی بہن کے خیمے میں موجودگی میں درخیامِ اہلِ بیتؑ پر چلے جائیں اور تمام مستورات اور دخترانِ زہراءؑ کے سامنے اپنی نوکری اور وفاداری کا ثبوت دیں تو شاید ان رسول زادیوں کے دلوں سے ہمارے متعلق گمان مٹ جائے کیونکہ جو حالت بی بی زینبؑ کی میں دیکھ کر آ رہا ہوں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

حبیب نے کہا: یہ بالکل ٹھیک ہے اور فوری طور پر اُٹھے، اصحاب کو آواز دی: یَا اَبطَالَ الصَّفَا "اے شجاعو اور بہادرو! اپنے خیام سے نکلو"۔ جوں ہی حبیب کی آواز آئی تو جوانانِ ہاشمی بہت جلدی خیام سے باہر نکلے اور کہا: حبیب کیوں بلا رہے ہو؟

حبیب نے عرض کیا: اے ہمارے سردارو! میں نے تمہیں نہیں بلایا، آپ نے زحمت کی، آپ لوگ واپس چلے جائیں۔ میں نے اصحاب کو بلایا ہے۔ پس حبیب نے دوسری مرتبہ آواز دی: یَا اَصحَابَ الحَمِیَّةِ وَلِیُوث الکریھة "اے باغیرت لوگو اور جنگی شیرو! آؤ"۔ تو اصحاب اپنے خیام سے دوڑ کر نکلے اور حبیب کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پوچھا: کیوں بلایا ہے؟

حبیب نے فرمایا: اے دوستو! ہمارے آقا کی بہن، حرمِ کبریا کی ناموس اور دیگر مخدراتِ عصمت کو خوف ہے کہ کل تم سید مظلومان کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ دو گے اور خود سلامتی سے چلے جاؤ گے۔ وہ اس دکھ میں رو رہی ہیں، اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اور کیا کل ہمارا یہی حال ہوگا جو ان پاک بیبیوں کے خیال و گمان میں ہے؟

جوں ہی باغیرت اصحاب نے حبیبؓ سے یہ بات سنی تو اُن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور خلوص کا پسینہ آ گیا۔ فَجَرَّدُوا اَصوَاہمَھُم وَرَمَوعَمَائِمَھُم "تلواروں کو غلافوں سے نکال لیا اور عمامے اُتار کر زمین پر پھینک دیئے"۔ اور کہا: اے حبیبؓ! اس ذاتِ پاک کی قسم جس نے ہم پر احسان کیا کہ اس صحرا میں امتحان میں مبتلا کر دیا ہے اور سید الشہداءؑ کی غلامی کا شرف بخشا ہے۔ ہم سے ہرگز بے وفائی نہ ہوگی۔

خدا کی قسم! تم دیکھو گے کہ ہم ان آگ نکالنے والی تلواروں سے دشمنوں کی موٹی گردنیں اُڑا دیں گے اور ان کو ان کے

بزرگوں سے جہنم میں ملحق کریں گے اور جب تک ہماری جانوں میں جان رہے گی، رسول پاکؐ کی اولاد کے بارے وصیت پر مکمل عمل کریں گے۔

حبیبؓ نے فرمایا: اگر تمہاری یہ کیفیت ہے تو میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں جنابِ زینبؑ کے خیمے کے پاس لے جاؤں تاکہ تمہاری ثابت قدمی کو ان تک پہنچاؤں شاید خوف اور پریشانی جنابِ فاطمہؑ کی بیٹیوں کے دل سے نکل جائے۔

اصحاب نے کہا: ہم حاضر ہیں تو حبیبؓ ان کمربستہ اصحاب کو آہستہ آہستہ اہلِ حرم کے خیمے کے دروازے پر لے آیا۔ اصحاب نے عرض کیا: یَا اَھْلَنَا وَیَاسَادَتَنَا ''اے ہماری سردار بیبیو! اور محترم مستورات اور حرمِ ولایت کی پردہ دارو! ہم آپ کے نوکر، غلام ہیں، ہمارے ہاتھوں میں یہ تلواریں ہیں اور یہ تلواریں اب غلافوں میں نہیں جائیں گی بلکہ آپؑ کے دشمنوں کے جسموں میں جائیں گی اور یہ ہمارے نیزے سوائے آپؑ کے دشمنوں کے سینوں کے اور کہیں نہیں جائیں گے۔

حضرتؑ نے جب اپنے اصحاب کی آواز سنی تو فرمایا: اے میری بہن! سنا ہے میرے صحابہ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے نہیں کہا تھا کہ اصحاب کو مجھ سے محبت اور وابستگی ہے، یہ مجھ سے جدا نہ ہوں گے جب تک مجھ پر اپنی جانیں قربان نہ کر دیں۔ اب دیکھو! یہ آئے ہیں تاکہ آپؑ کے دل سے خوف اور ڈر ختم ہو جائے۔ تمام بیبیوں نے اصحاب کا شکریہ ادا کیا اور نالہ وزاری سے ہر بی بی یہی فرما رہی تھی: اے عالم کے نیک اصحاب! آدمؑ کی پاک اولاد ہم پیغمبرؐ کی ناموس اور فاطمہؑ کی عصمت ہیں، ہماری حمایت کرو اور دشمنوں میں چھوڑ کر نہ جانا، اگر چھوڑ گئے اور نامحرموں نے ہماری چادروں کو ہاتھ لگایا تو اس کا جواب پیغمبرؐ خدا کو کیا دو گے؟

حبیبؓ اور اصحاب نے جب یہ حالت دیکھی اور بیبیوں کی آہ وفریاد سنی تو اپنے سر نیچے کر لیے اور دل میں اس قدر گریہ کیا کہ زمین ان کے نالہ وفغاں سے کانپ اٹھی۔

صبحِ عاشور اور امامؑ کی نمازِ باجماعت

یہ پُر درد اور قیامت خیز رات بالآخر ختم ہوئی اور روزِ عاشور کی صبح صادق کی سفیدی ظاہر ہونے لگی۔ ادھر امامؑ کو دی گئی مہلت کی رات کی مدت بھی ختم ہو گئی۔ اس دوران میں غمزدہ، پریشان اور مضطرب، دکھی دل اور چہرے سے اُفقِ صبح پر نظر کی اور کلمۂ استرجاع پڑھا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اچانک اپنے شہزادے علی اکبرؑ کی اذان کی آواز کان میں گونجی۔ حضرتؑ نے خود کو نمازِ صبح کا فریضہ ادا کرنے کے لیے تیار کیا اور خیمہ سے باہر نکلے۔ جوں ہی دین کے آفتاب، سلطانِ حجاز نے نماز کے لیے اُفقِ خیمہ سے طلوع کیا تو تمام اصحاب اور

انصار اور شہزادگان جلدی جلدی اپنے خیام سے نکلے اور سب امامؑ کے پیچھے صف بستہ ہوگئے تاکہ آپ کی اقتدا میں نمازِ باجماعت ادا کریں۔

اس پُر بلا دشت اور پُر آشوب بیابان میں ایسے خالص نمازی تھے کہ فرشتوں نے ان کی نماز دیکھ کر آسمانوں پر گریہ کیا کیونکہ اس جماعت میں شریک ہر شخص جانتا تھا کہ یہ میری آخری نماز اور حق سے وداع ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص اپنی آخری نماز پڑھ رہا ہو وہ کس قدر خلوص سے نماز پڑھ رہے ہوں گے۔

کامل الزیارات میں مرحوم ابن قولویہ قمی نے حلبی سے اور اس سے امام جعفر صادق علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّ الحُسَین صَلّٰی بِاَصحابِہٖ صَلٰواۃَ الغَدَاۃِ ثُمَّ التَفَت اِلَیہِم فَقَال اِنَّ اللّٰہ قَد اَذِن فِی قَتلِکُم فَعَلَیکُم بِالصَّبرِ "جب امام حسینؑ نے اپنے باوفا صحابہ کو نمازِ صبح پڑھائی تو ان باوفا صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: خدا نے تمہیں جنگ کی اجازت دے دی ہے، اُٹھو اور جنگ کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ ادھر جبرائیلؑ نے آسمان و زمین کے درمیان کھڑے ہو کر فریاد کی: یَاخَیلَ اللّٰہِ اِرکَبِی "اے لشکرِ خدا اور انصارِ حق! سوار ہو جاؤ"۔

مرحوم صدر قزوینی اپنی کتاب حدائق الانس میں فرماتے ہیں کہ روزِ عاشورہ جبرئیلؑ نے دو دفعہ یہ صدا دی:

(۱) صبح کے وقت جب جہاد کی اجازت دی گئی۔

(۲) جب عصرِ عاشورہ عزیزِ زہراؑ دوڑتے گھوڑے سے زمین پر آئے تو اس وقت بھی جبرئیلؑ نے یہ صدا دی:

الا یا اَھلَ العَالَم قَد قُتِلَ الاَمَامُ وابنُ الاَمَامِ اَخُو الامام ابوالامام الحسین بن علی بن ابی طالب

"اے اہلِ عالم، خبردار! امامؑ قتل ہوگئے، جو خود امامؑ، فرزندِ امامؑ، امامؑ کے بھائی، امامؑ کے باپ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں"۔

روزِ عاشور لشکرِ حق و لشکرِ باطل کی صف آرائی

الارشاد المفید:

وَاَصبَحَ الحُسَینُ فَعَبَّاءَ اَصحَابَہُ بَعدَ صَلٰوۃِ الغَدَاۃِ وَکَانَ مَعَہُ اِثنَانِ وَثَلَاثُونَ فَارِسًا وَاَربَعُونَ رَجُلًا فَجَعَلَ زُہیر بن القَین فِی مَیمنَۃِ اَصحَابِہٖ وَحَبِیبَ بنَ مَظَاہِر فِی مَیسَرَۃِ اَصحَابِہٖ وَاَعطٰی رَایَتَہُ العَبَاس اَخَاہُ وَجَعَلُوا البُیُوتَ فِی ظُھُورِھِم وَاَمَرَ

بِحَطَبٍ وَقَصَبٍ كَانَ مِن وَرَاءِ الْبُيُوتِ اَن يَتْرُكَ اِن فِي خَنْدَقٍ كَانَ قَد حَفَرَ هُنَاكَ وَاَن يُحرِقَ بِالنَّارِ مَخَافَةُ اَن يَاتُوهُم مِن وَرَائِهِم ... الخ

''صبح عاشور ہوئی تو نمازِ صبح کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب اور ساتھیوں کی صف بندی کی جب کہ آپؑ کے لشکر کی تعداد ۳۲ گھڑ سوار اور چالیس پیادہ تھے۔ حضرتؑ نے زُہیر جو بہت بڑے دلیر، شجاع اور شیر دل تھے کو بلایا اور ایک علم ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: تم دائیں طرف لشکر کے سردار ہو۔ پھر حبیب بن مظاہر جو بہت بڑے عابد، زاہد، حافظ قرآن، شجاع اہلِ بیتؑ کے مخلص دوست تھے، کو بلایا اور ایک علم دیا اور فرمایا: تم بائیں طرف لشکر کے سردار ہو۔ پھر اپنے بھائی عباس علمدارؑ کو بلایا اور علم دیا اور فرمایا: تم قلبِ لشکر کے سردار ہو۔ امامؑ نے اپنے خیام کو اپنے لشکر کی پشت پر رکھا، پھر حکم دیا لکڑیوں اور خس و خاشاک وہیں خندق میں ڈال کر اس کو آگ لگا دو تا کہ دشمن لشکر کے پیچھے سے حملہ آور نہ ہو جائے''۔

امامؑ کے لشکر کی تعداد

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ لشکرِ امامؑ کی تعداد پینتالیس سوار اور ایک صد پیادہ نفر تھے لیکن تاریخ کے مشہور مدارک میں ہے کہ تعداد بتیس سوار اور چالیس پیادہ نفر تھی۔ بعض دیگر حضرات نے لکھا ہے کہ حضرتؑ کے لشکر کی مجموعی تعداد بہتر افراد تھی۔ بعض نے یہ تعداد چوراسی افراد لکھی ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ تعداد بانوے سوار اور بیاسی پیادہ افراد تھی۔

نظر یہ صدر قزوینی در حدائق الانس لکھتے ہیں: زُہیر اور حبیب کے علموں کے نیچے اصحاب و انصار نے صفیں بنائی ہوئی تھیں۔

هُم ثلاث مَائة رَاجلٍ وَفَارِسٍ كُلُّهُم لُيُوثُ عَوابس عَلَيهم الدروع الداوديه متقلّدين بِالسُيُوفِ الهِندِيَّة مُتَعَلِّقِينَ بِالرِّمَاحِ الخَطِّيه رَاكِبين عَلَى الخُيُولِ العَرَبِيَّةِ وَهُم خِيَارُ اُمَّةَ المحمديّة

''یعنی لشکر کی تعداد تین صد پیادہ اور سوار تھی اور سب کے سب بہادر اور ببر شیر داؤدی زرع پہنے، ہندی تلواریں حمائل کیے ہوئے، خط کھینچنے والے نیزے، عربی گھوڑوں پر سوار یہ اُمت محمدؐ کے نیک

اور صالح لوگ تھے کیونکہ یہ زاہد اور عابد لوگ لوہے اور فولاد کے پہاڑ سے ٹکرا گئے، تیروں، تلواروں کو اپنے سینوں، صورتوں اور گلیوں پر لینے کے لیے خرید لیا تھا"۔

بہرصورت جب زُہیر کے وجود سے لشکر کی دائیں جانب سج دھج گئی اور لشکر کی بائیں جناب کو جنابِ حبیبؓ نے زینت دی اور قلبِ لشکر کو عباس علمدارؑ کے وجود سے چار چاند لگ گئے اور قلب لشکر کے اس علم کو علمِ سلطانی، علامت اور لوائے اعظم بھی کہتے ہیں اور لشکر پر اس علم کا نقش بڑا احساس اور اہم ہوتا ہے کیونکہ اگر لشکر میں ہزار علم بھی ہوں تو تمام علم داروں کی نظر اس علم پر ہوتی ہے جو قلبِ لشکر میں ہوتا ہے۔ اگر قلب لشکر والا علم بلند رہے تو لشکر آمادۂ پیکار اور تازہ دم رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر لشکر میں ایک ہزار علم ہوں اور تمام صحیح اور سر بلند ہوں لیکن لوائے اعظم (قلبِ لشکر والا علم) سر نگوں ہو تو تمام لشکر فرار ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس علم کو ہر کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو دیا جاتا ہے جو صفتِ شجاعت اور رشادت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو، کرّار ہو، فرّار نہ ہو۔ اسی بنا پر خامسِ آلِ عبا نے لوائے اعظم کو اپنے ہاتھ سے تمام لوگوں سے بہادر، شجاع، ثابت قدم، پُر دل شیر بیشہ، بھائی حضرت ابوالفضل العباسؑ کے حوالے کیا۔

جوں ہی اس علم پاک کو اپنے بھائی کے سپرد کیا اور انھیں قلبِ لشکر پر معین فرمایا تو فتح و کامیابی کے دریا نے للکارا اور حضرت عباسؑ علمدار کے پیچھے علی مرتضیٰؑ کے چھے شیر دل بیٹے روانہ ہو گئے۔ اپنا تمام اسلحہ سجائے لشکرِ حسینیؑ کی زینت بنے۔ اسی طرح بھتیجے، چچازاد بھائی، اولادِ عقیلؓ، اولادِ جعفر طیارؓ اور دیگر عزیزان جو تقریباً تیس افراد تھے جن میں سے اٹھارہ فرسان الھیجا کی منزل پر فائز تھے۔ یہ سب حضرت عباسؑ علمدار کے اردگرد صف بستہ ہو گئے۔

امامؑ کے ساتھیوں کے اسمائے گرامی

ساتھیوں میں دو گروہ تھے:

(۱) بنی ہاشم...... جو امامؑ کی طرف سے منسوب تھے۔

(۲) غیر بنی ہاشم اصحاب اور دوست کہ ان کی امامؑ سے کوئی رشتہ داری نہ تھی۔

اسمائے بنی ہاشم

● نو اشخاص جو امام حسینؑ کے بھائی تھے:

(۱) حضرت عباس بن علیؑ بن ابی طالب المعروف حضرت ابوالفضل العباس قمر بنی ہاشم (۲) حضرت عثمان بن علیؑ بن ابی طالبؑ (۳) جناب جعفر بن علیؑ بن ابی طالبؑ (۴) جناب عبداللہ بن علیؑ بن ابی طالبؑ (۵) جناب محمد اصغر بن علیؑ بن ابی

طالبؑ (۶) جناب عمر بن علیؑ بن ابی طالبؑ الملقب بہ اطرف (۷) جناب عون بن علیؑ بن ابی طالبؑ (۸) جناب ابوبکر بن علیؑ بن ابی طالبؑ (۹) جناب محمد اوسط بن علیؑ بن ابی طالبؑ

● چار اشخاص جو امام حسینؑ کی اپنی اولادِ پاک ہیں:

(۱) حضرت علی بن الحسینؑ، زین العابدین اور امام سجادؑ (۲) حضرت علی اکبرؑ بن الحسینؑ (۳) جنابِ علی اصغرؑ بن الحسینؑ (۴) جناب عبداللہؑ بن الحسینؑ

● بارہ اشخاص فرزندانِ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام:

(۱) جناب حسن بن الحسنؑ المعروف حسنِ مثنیٰ (۲) جناب عمرو بن الحسنؑ (۳) جنابِ قاسم بن الحسنؑ (۴) جناب عبداللہ بن الحسنؑ (۵) جناب احمد بن الحسنؑ (۶) جناب محمد بن الحسنؑ (۷) جناب جعفر بن الحسنؑ (۸) جناب ابوبکر بن الحسنؑ (۹) جناب حسین بن الحسنؑ الملقب بہ اثرم (۱۰) جناب طلحہ بن الحسنؑ (۱۱) جناب زید بن الحسنؑ (۱۲) جناب عبدالرحمٰن بن الحسنؑ

● چودہ اشخاص جو امام حسینؑ کے چچازاد اور اُن کی اولاد:

(۱) جناب عون اکبر بن عبداللہ بن جعفر طیار ابی طالبؑ (۲) جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ (۳) جناب عون بن جعفر بن ابی طالبؑ (۴) جناب قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالبؑ (۵) جناب عبیداللہ بن عبداللہ (۶) جناب جعفر بن عقیل بن ابی طالبؑ (۷) جناب عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالبؑ (۸) جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ (۹) جناب محمد بن مسلم بن عقیلؑ (۱۰) جناب محمد بن ابی سعید بن عقیلؑ (۱۱) جناب عبداللہ اصغر بن عقیلؑ (۱۲) جناب موسیٰ بن عقیل بن ابی طالبؑ (۱۳) جناب علی بن عقیل بن ابی طالبؑ (۱۴) جناب احمد بن عقیل بن ابی طالبؑ

اس مذکورہ اسماء کی فہرست کے مطابق بنی ہاشم کی تعداد کربلا میں انتالیس نفر تھی جو تمام کے تمام روزِ عاشورہ شہید ہو گئے سوائے حضرت امام زین العابدینؑ کے کُل ۳۸ شہدائے بنی ہاشم ہیں۔

● اسمائے اصحاب (غیر بنی ہاشم):

اہل تحقیق کے قول کے مطابق امام حسین علیہ السلام کے اصحاب و انصار کی تعداد پچانوے ہے جن کے اسمائے مبارک درج ذیل ہیں: (۱) جناب نعیم بن العجلان (۲) جناب عمران بن کعب بن مالک اشجعی (۳) جناب حنظلہ بن عمرو شیبانی (۴) جناب قاسط بن زُہیر (۵) جناب سواد بن ابی عمیر (۶) جناب کنانہ بن عتیق (۷) جناب ضرغامہ بن مالک (۸) جناب مجمع بن عبداللہ العائذی (۹) جناب جبلۃ بن علی شیبانی (۱۰) جناب عبدالرحمٰن بن عبداللہ (۱۱) جناب عمرو بن عبداللہ (۱۲) جناب کرش بن زہیر الثعلبی (۱۳) جناب عمرو بن کعب انصاری (۱۴) جناب عبداللہ الغفاری (۱۵) جناب عبدالرحمٰن بن عروہ الغفاری (۱۶) جناب عمار بن

حسان طائی ⑰ جناب زاہد مولی عمرو الخزاعی ⑱ جناب اسلم بن کثیر الازدی ⑲ جناب عبداللہ بن ثبیت ⑳ جناب عبیداللہ بن ثبیت العبسی ㉑ جناب عمرو بن ضبیعہ ㉒ جناب قیس بن مُنبہ ㉓ جناب مسعود بن حجاج ㉔ جناب عمار بن ابی سلامۃ الہمدانی ㉕ جناب عامر بن مسلم ㉖ جناب سیف بن مالک ㉗ جناب زُہیر بن بشیر الخثعمی ㉘ جناب حیان بن الحرث ㉙ جناب زُہیر بن سلیم ㉚ جناب ضحاک بن عبداللہ ㉛ جناب خزیمہ بن عمرو الکوفی ㉜ جناب عقبہ بن سمعان ㉝ جناب عبدالرحمٰن الارجعی ㉞ جناب حلاسی بن عمرو الراسبی ㉟ جناب بریر بن خضیر الہمدانی ㊱ جناب زُہیر بن حسان الاسدی ㊲ جناب وہب بن عبداللہ الکلبی ㊳ جناب وقاص بن عبید ㊴ جناب شریح بن عبید ㊵ جناب عبداللہ بن زید البصری ㊶ جناب عبیداللہ بن زید البصری ㊷ جناب عمرو بن خالد الازدی ㊸ جناب سعد بن حنظلہ تمیمی ㊹ جناب عمرو بن عبداللہ مذحجی ㊺ جناب نافع بن ہلال بجلی ㊻ جناب ہلال بن نافع ㊼ جناب مسلم بن عوسجہ اسدی ㊽ جناب عمر بن قرظہ انصاری ㊾ جناب انیس بن معقل اصبحی ㊿ جناب علی بن مظاہر اسدی (۵۱) جناب حبیب بن مظاہر اسدی (۵۲) جناب یحییٰ بن کثیر انصاری (۵۳) جناب طرماح بن عدی (۵۴) جناب مالک بن دودان (۵۵) جناب ہند بن ابی ہند (۵۶) جناب ابوثمامہ صیداوی (۵۷) جناب سعید بن عبداللہ حنفی (۵۸) جناب سعید بن عبداللہ یربی (۵۹) جناب عمرو بن خالد صیداوی (۶۰) جناب حنظلہ بن سعد شامی (۶۱) جناب سوید بن عمرو بن ابی المطاع الجعفی (۶۲) جناب حجاج بن مسروق (۶۳) جناب یحییٰ بن سلیم مازنی (۶۴) جناب قرۃ بن ابی قرۃ الغفاری (۶۵) جناب مالک بن انس المالکی (۶۶) جناب ابراہیم بن حصین اسدی (۶۷) جناب جنادہ بن حارث انصاری (۶۸) جناب عمرو بن جنادہ (۶۹) جناب معلّٰی بن معلّٰی (۷۰) جناب معلّٰی بن حنظلہ الغفاری (۷۱) جناب عبدالرحمٰن بن عروہ (۷۲) جناب عابس بن شبیب شاکری (۷۳) جناب شوذب غلام عابس (۷۴) جناب یزید بن شعثاء (۷۵) جناب ابوعمرو نھشلی (۷۶) جناب یزید مہاجر (۷۷) جناب حُر بن یزید ریاحی (۷۸) جناب مصعب بن یزید ریاحی (۷۹) جناب احمد بن محمد ہاشمی (۸۰) جناب زُہیر بن قین بجلی (۸۱) جناب علی بن حُر (۸۲) جناب غلامِ حُر (۸۳) سیاہ مرد صاحب کشکول آب (۸۴) جناب نصرانی جوان

صاحبِ کتاب ہذا کا بیان ہے کہ جنابِ حُر اور ان کے بھائی مصعب اور حُر کا بیٹا علی اور ان کا غلام یہ چار شخص روزِ عاشور امامؑ کے لشکر سے ملحق ہوئے ہیں اور دیگر دو شخص سیاہ مرد صاحبِ کشکول اور نصرانی جوان ظہرِ عاشورہ کے بعد شہداء میں شامل ہوئے ہیں، اور ۱۰ انفر دیگر جو سب غلامِ امیرالمومنین علی علیہ السلام تھے اور حضرتؑ نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۸۵) جناب غلام بنام سعد (۸۶) جناب غلام بنام نصر (۸۷) جناب غلام بنام غارب (۸۸) جناب غلام بنام منجح (۸۹) جناب غلام بنام محمد بن مقداد (۹۰) جناب عبدالرحمٰن بن ابی دجانہ (۹۱) جناب قیس بن ربیع (۹۲) جناب اشعث بن سعد (۹۳) جناب غلام بنام

عظیمہ (۹۴) جناب غلام ترکی (۹۵) جناب جون

ایک شخص اور بھی شہداء کی صف میں تھا اور وہ ابوذر کے غلام ''جون'' ہیں۔ پس مجموعاً اصحاب و شہداء پچانوے نفر ہیں۔

عمر بن سعد کے لشکر کی صف آرائی

مرحوم مفیدؒ ارشاد میں لکھتے ہیں: روزِ عاشورہ روزِ جمعہ یا ایک قول کے مطابق ہفتہ تھا۔ صبح سویرے ابن سعد نے اپنے لشکر کو اکٹھا کیا۔ عمرو بن حجاج کو لشکر کے دائیں طرف کا امیر، شمر کو لشکر کے بائیں طرف کا امیر، عروہ بن قیس کو سواروں کا امیر، شبث بن ربعی کو پیادوں کا امیر اور لوائے اعظم کے لیے یعنی قلبِ لشکر میں اپنے غلام دُرید کو معین کیا۔

ابن سعد کا لشکر مختلف قبائل اور مختلف بلاد سے اکٹھا ہوا تھا۔ قبائل جیسے خوارج، حمیر، کندہ، آل مطعون، جشعم، سکون، عبادہ، مضر، ربیعہ، مذحج، خزاعہ، یربوع، محلب، بنط، شاکریہ، خزیمہ، مسجد بنی زہرہ، وغیرہ سے سوار اور پیادہ کافی لوگ آئے تھے۔ کوفہ اور شام کے تمام رؤساء اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ موجود تھے۔ اس قدر لشکر کی تعداد تھی کہ اس وقت تک کسی نے اس کی نظیر نہ دیکھی اور نہ سنی تھی۔ دریا کی موجوں کی طرح لشکر کی موجیں تھیں۔ علم اس قدر لہرا رہے تھے گویا دریا میں کشتیوں کے بادبان نظر آتے تھے۔ تمام قبائل اور لشکر کے سردار ابن سعد کے خیمہ کے ساتھ صف بستہ کھڑے تھے اور وہ بدبخت تمام سامانِ جنگ لیے ہوئے امام حسینؑ کے قتل کا منصوبہ بنا رہا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ بہت جلدی فیصلہ ہو جائے تاکہ پہلی فرصت میں حکومت رَے کو سنبھال سکوں۔

ابن سعد نے خولی کو عمر بن حجاج کی مدد کے لیے متعین کیا اور حرملہ کو شمر کی نصرت کے لیے متعین کیا اور خود قلبِ لشکر میں کھڑا ہو گیا اور علم غلام کے سپرد کیا۔ اپنے تیر کمان کو اپنے بیٹے حفص کے حوالے کیا اور اسے اپنے ساتھ رکھا، حصین بن نمیر کو تیر کمان والوں کا امیر بنا دیا اور محمد بن اشعث کو پتھر مارنے والوں کا امیر مقرر کیا۔ ابوایوب غنوی کو بیلداروں کا امیر مقرر کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے کے لیے ایک سردار مقرر کر دیا اور اس طرح لشکر کی صفیں آراستہ اور منظم کیں۔ پھر ابن سعد کے حکم سے طبلِ جنگ بجنے شروع ہو گئے۔ گھنٹیاں اور طبل بجنے لگے۔ گھوڑوں نے ہنہنانا شروع کیا۔ لشکریوں نے تالیاں بجائیں۔ شور و غل مچاتے تھے، زمین پر پاؤں مارتے تھے اور زمین و زمان کو ہلا کر رکھ دیا۔

مرحوم علامہ قزوینی اپنی کتاب ریاض میں لکھتے ہیں: جنابِ امامؑ کے خیمے میں مستورات، بچوں اور مخدراتِ عصمت کی عجیب حالت تھی۔ ان تمام مخدرات، بچوں، مستورات کے آنسو سیلاب کی طرح جاری تھے اور دشمن کے خوف سے اضطراب اور پریشانی چھائی ہوئی تھی۔ خیام میں ماتم برپا تھا۔ کوئی زانو پر، کوئی سر پر اور کوئی صورت پر پیٹ رہا تھا اور سینہ کوبی ہو رہی تھی۔

تین چار سال کے بچے ہر ایک کو ماتم کرتا دیکھتے اور باہر سے طبلِ جنگ اور شور وغل سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ ان کی روحیں پرواز کرنے والی تھیں، تمام بچوں نے بلند صدا سے گریہ کرنا شروع کر دیا۔

خلاصہ امامؑ کے خیام میں اس قدر زاری اور ماتم تھا کہ حضرتؑ مجبور ہوئے اور شکستہ دل، غربت کے عالم میں خیام میں آئے اور مستورات اور بچوں کی یہ حالتِ زار اور رقت بار بار دیکھی تو بے اختیار زار و قطار روئے۔ پھر اپنی سفید ڈاڑھی پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا: اے بانو! اے میری بیٹیو! تمہیں اپنی جان کا واسطہ، خاموش ہو جاؤ۔ تم نے میرے بعد بہت رونا ہے ابھی تو میں زندہ ہوں۔ ابھی تو میرے سب جوان زندہ و سلامت ہیں اور دشمنوں کو آگے کرنے سے روکا ہوا ہے۔ تم خوف نہ کھاؤ جب میں اور میرے اصحاب زندہ ہیں تو کسی کی جرأت نہیں کہ وہ ان خیام میں داخل ہو سکے۔ امامؑ نے اس طریقے سے اہلِ حرم کو خاموش کرا دیا۔

لشکر ابن سعد کو بُریر کی نصیحت

دونوں طرف سے لشکروں کی صفیں جنگ کرنے کے لیے بالکل تیار کھڑی تھیں کہ امامؑ نے بُریر بن خضیر ہمدانی کو فرمایا: جاؤ ان لشکروں کے درمیان کھڑے ہو جاؤ اور ان اندھے دلوں اور خدا سے بے خبر گمراہوں کو وعظ و نصیحت کرو۔ یہ شیر دل حکمِ امامؑ سن کر زرہ کے دامن کو کمر میں ڈال کر جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے لشکرِ حسینیؑ سے نکلا اور لشکر ابن سعد کے قریب آ کر فرمایا:

اے بے ترس اور بے خوف قوم! تمہیں خوفِ خدا نہیں ہے؟ اور تمہیں کیوں خوفِ خدا نہیں آتا حالانکہ پیغمبرؐ کی آل اور ذُریت پُر درد دلوں سے اور اس صحرا میں رات گزار رہی ہے۔ اگر تم پیغمبرؐ کو مانتے ہو اور رسالت کا کلمہ پڑھتے ہو تو یہ اسی رسولؐ کی عترت ہے۔ اس لشکر کشی اور صف آرائی کا کیا مقصود ہے؟ اور کس دلیل اور حجت کے ذریعے اولادِ رسولؐ کا خون بہانے اور قتل کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے؟

ابن سعد کے لشکریوں نے جواب دیا: ہمارا ارادہ ہے کہ حجاز کا بادشاہ ابن زیاد کی بیعت کر لے۔ اگر بیعت نہیں کرتا تو قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔

بُریر نے فرمایا: کیا تمہیں یہ قبول نہیں کہ بادشاہِ حجاز جہاں سے آئے ہیں واپس چلے جائیں؟

انہوں نے کہا: بہانے نہ بناؤ سوائے بیعت کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔

بُریر نے دل کی گہرائیوں اور پورے جذبات سے فرمایا: اے بے حیا لوگو! افسوس ہے تم پر! وہ تمہارے خطوط اور دعوت نامے اور عہد و پیمان کہاں گئے؟ تم نے لکھا تھا کہ فرزندِ فاطمہؑ آئیں اور ہمیں ہدایت کریں اور جب وہ تمہاری ہدایت کے لیے

آئے ہیں تو اب ان کو قتل کرنا چاہتے ہو یا گرفتار کر کے ابن زیاد کے حوالے کرنا چاہتے ہو۔

اہلِ لشکر نے کہا: زیادہ مت بولو اور فضول گفتگو بند کرو۔ یہ صحرا اور بیابان کارزار جنگ کا مقام ہے، وعظ و نصیحت کا مقام نہیں ہے۔

بُریر نے فرمایا: تمہاری یہ گفتگو خدا کی لعنت کی مستحق ہے۔ پھر آسمان کی طرف سر بلند کیا اور کہا: میرے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں اس قوم کے بدکرداروں سے بَری ہوں تو خود اس قوم سے انتقام لے اور اپنی رحمت ان سے دُور کر دے۔

جب لشکرِ ابن سعد نے بُریر کی نفرین (لعنت ملامت) کو سنا تو ان کی دشمنی اور بُغض میں اور اضافہ ہوا اور غصہ میں آ کر بُریر کو تیروں کا نشانہ بنانے لگے۔

لشکرِ حسینؑ کا محاصرہ

ابن سعد نے اپنے لشکر کے میمنہ و میسرہ کو آراستہ کرنے کے بعد حکم دیا۔ اب ثابت قدمی سے امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کا ایسا محاصرہ کرو جیسے نگینہ انگوٹھی میں ہوتا ہے۔ جوں ہی لشکرِ فساد نے اس فسادی جرثومہ کا حکم سنا تو آوازیں بلند ہوئیں کہ اب سالار کا حکم ہے کہ ثابت قدم رہ کر امام حسینؑ کا محاصرہ کرنا ہے۔ خبردار ان کا ایک جوان بھی صحیح سالم بھاگنے نہ پائے۔ اس گروہ نے عمر بن سعد کے حکم کے مطابق گھوڑوں کو دوڑایا اور امامؑ کے قلعہ نما خیام اور امامؑ کے لشکر کو اپنے حلقہ میں محاصرہ کر لیا اور گالیاں بکنا اور مسخرہ بازیاں شروع کر دیں اور کسی وقت اطراف سے خیام کی طرف تیر بھی چلا دیتے تھے۔

حضرت امام حسینؑ کا وعظ و نصیحت کرنا

جب امام حسین علیہ السلام نے لشکر کی اس جسارت کو دیکھا تو خود میدان میں آئے اور لشکر ابن سعد کے سامنے کھڑے ہو کر ایک نظر لشکر کی صفوں پر دوڑائی تو لشکر میں امام حسینؑ کی نظر ابن سعد پر پڑی کہ وہ مسکراہٹ، خوشی اور سرور سے ارکانِ کوفہ سے مشغولِ گفتگو ہے۔ امامؑ کو بہت دکھ ہوا، ٹھنڈی سانس لی اور پھر دنیا کی مذمت میں یہ خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی خَلَقَ الدُّنْیَا فَجَعَلَهَا دَارَ فَنَاءٍ وَزَوَالٍ مُتَصَرِّفَةٌ بِاَهْلِهَا حَالًا بَعْدَ حَالٍ......الخ

”بے حد اور بے قیاس حمدِ خدا ہے جس نے دنیا پیدا کی لیکن اسے فانی اور زائل ہو جانے کے لیے بنایا۔ یہ دنیا بوڑھی مکار ہے جو اپنے اہل پر ضرور تصرف کرتی ہے۔ پس مغرور ہے وہ جو اس دنیا کا فریب کھائے اور شقی ہے جو اس دنیا میں وہ جو اس فتنہ گر دنیا کے فتنہ کے جال میں پھنس جائے۔

اے قوم! دنیا کے دھوکے میں نہ آؤ کیونکہ اس دنیا نے بہت اُمیدواروں کو نا اُمید کیا ہے اور اکثر طمع کرنے والوں کو مایوس کیا ہے۔

اے لوگو! میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے ایک ایسی بات پر اجتماع کیا ہے جس بات سے تم خدا کی ناراضگی و غضب کا باعث بنے ہو اور خدا نے تم سے اپنی رحمت دُور کردی ہے اور اپنے عذاب کو تمہارے قریب کردیا ہے۔ کس قدر بہترین رب ہے ہمارا رب اور کس قدر بُرے بندے ہو تم کیونکہ تم نے پہلے پروردگار کی اطاعت کا اقرار کیا اور میرے جدّ امجد محمد مصطفیٰؐ پر ایمان لائے۔ پھر تمھیں کیا ہوگیا اور مجھ سے کیا دیکھا کہ اب تم نے میرے خلاف لشکر جمع اور آراستہ کیا ہے اور میرے اور ذُریت پیغمبرؐ پر پانی بند کرکے ہمارا محاصرہ کرلیا ہے اور ہمارے قتل کا ارادہ کیے ہوئے ہو۔

یہ شیطانی باتیں ہیں جو تمہارے دلوں میں ہیں اور ذکرِ خدا کو تم سے شیطان سے بھلا دیا ہے۔ حق کو بھول گئے اور باطل کو پسند کرلیا ہے۔ ہائے افسوس تم پر اور تمہارے ارادہ پر، کہ بدکرداری کررہے ہو اور فرزندِ پیغمبرؐ کو قتل کرنے آئے ہو۔

ہاں ہم اولادِ پیغمبرؐ پہلے ہی رحمت رب العالمین کے ساتھ ہیں اور پھر بھی اُسی رحمتِ خدا میں جائیں گے۔

اے گروہ! تم وہ لوگ ہو کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے ہو۔ پس یہ قوم ظالم اور ستم کار ہے اور رحمت خدا سے دُور ہے''۔

جب یہاں تک امام حسین علیہ السلام کی تقریر پہنچی تو ابن سعد نے اپنے لشکر کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم میں سے کوئی ہے جو حسینؑ کی باتوں کا جواب دے اور اسے خاموش کرادے اور اس کو زیادہ نہ بولنے دے کیونکہ یہ شخص اسی کا بیٹا ہے کہ جس کے سامنے فصاحت و بلاغت فاضع و خاشع ہوتی تھیں۔ خدا کی قسم! اگر حسینؑ ایک دن اور بھی میدان میں تقریر کرتا رہا تو بھی اُس کی باتیں ختم نہ ہوں گی اور کلام بند نہ ہوگی۔ پس بہت جلدی اسے جواب دو کیونکہ موسم گرم ہورہا ہے اور کام مشکل ہوجائے گا۔

شمر لشکر سے نکلا اور کہا: اے حسینؑ! یہ کیا باتیں کررہے ہو کہ ہمیں سمجھ تک نہیں آئیں، وہ بات کرو جس کی ہمیں سمجھ آئے تا کہ ہم تمہاری باتوں کا جواب دے سکیں۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اَقُولُ اِتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تَقتُلُونِی فَاِنَّهُ لَا یَحِلُّ لَکُم قَتلِی وَلَا انتِهَاکُ حُرمَتِی

"خدا سے ڈرو، مجھے قتل نہ کرو کیونکہ مجھ جیسے شخص کا خون بہانا جائز نہیں اور میری ہتکِ حرمت کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ میں تمہارے پیغمبر کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ میری نانی خدیجۃ الکبریٰ اُم المومنین ہیں اور ہمارے نانا کے فرمان کے مطابق میں اور میرے بھائی حسنؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور جنتی کو قتل کرنا جائز نہیں۔

صاحبِ کتاب ہٰذا کا بیان ہے کہ عباراتِ مقتل سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت امامؑ بار بار وعظ و نصیحت کے لیے میدان میں آتے، اتمامِ حجت فرماتے اور ہر دفعہ نبوت کی میراث سے کوئی نشانی ساتھ لے جاتے اور حضرتؑ تقریباً بارہ مرتبہ میدان میں آئے اور نصیحت کی۔ کبھی رسولؐ اللہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر تو کبھی رسولؐ اللہ کی ناقہ پر آئے۔ کبھی پیغمبر کا عمامہ باندھ کر آئے اور کبھی قرآن لے کر آئے اور نصیحت کی۔

مناجاتِ امامؑ

صاحبِ بیت الاحزان نے لکھا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خطبہ دینے کے بعد میرے بابا نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور عرض کیا: خدایا! ہر غم میں تو ہی میرا مقامِ اعتماد ہے۔ ہر سختی کے وقت تو ہی میرا مقامِ اُمیدواری ہے۔ ہر مشکل کے وقت تو ہی میری پناہ گاہ، ملجا اور ماویٰ ہے۔ کس قدر مجھ پر دکھ آئے، مصیبتیں آئیں، جس پر عقلیں ضعیف ہو جاتی ہیں۔ راستے بند ہو جاتے ہیں، دوست عاجز آ جاتے ہیں۔ دشمن اور زیادہ زبان درازی کرتے ہیں۔ ان تمام مصائب کا میں نے تیرے سوا کسی کے سامنے شکوہ نہیں کیا۔ تجھ سے اپنے دکھ اور شکوے کیے اور تو نے اپنے لطف سے مجھے کشائش عطا فرمائی اور مجھے مصائب برداشت کرنے کی ہمت دی، مجھے حلم عطا فرمایا، تو ہی ہر نعمت کا ولی اور ہر اچھائی کا مالک ہے۔

خدا لعنت کرے دنیا اور اہلِ دنیا پر خصوصاً کوفیوں اور شامیوں پر کیونکہ انہوں نے حجتِ خدا کا ذرا بھر لحاظ نہ رکھا بلکہ اپنے رب سے مکمل مناجات کی بھی فرصت نہ دی۔ اس دوران میں ہر طرف سے ابن سعد کا لشکر خیمہ کی طرف بڑھنے لگا۔ انہوں نے دیکھا کہ خیام کی پشت والی جانب تو خندق ہے جس میں آگ جل رہی ہے۔ شمر نے کہا: (خدا اس کی زبان کو زقومِ جہنم سے بھر دے) اے حسینؑ! قیامت سے پہلے اپنے لیے آگ پسند کر لی ہے۔

حضرت امامؑ نے فرمایا: یہ کون بھونک رہا ہے؟

اصحاب نے عرض کیا: مولاؑ! یہ شمر ملعون ہے۔

امامؑ نے فرمایا: یَابنَ رَاعِیَۃَ المَعزِ اَنتَ اَولٰی بِھَا صَلِیًّا "اے ولد الزنا اور اے بکریاں چرانے والی کے بیٹے تو جہنم میں جانے کا مستحق ہے"۔

پھر مسلم بن عوسجہ آگے بڑھے اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! مجھے اجازت دیں میں اس گستاخ شمر کو تیر مار کر ہلاک کردوں کیونکہ دشمنِ خدا فاسق ہے، جابر لوگوں کا سردار ہے اور خدا نے اس کی ہلاکت ابھی ہمارے لیے آسان کردی ہے۔ لیکن امامؑ نے اجازت نہ دی اور فرمایا: اِنِّی اَکرَہُ اَن اُبدِئَھُم بِقِتَالٍ "یعنی میں پسند نہیں کرتا کہ جنگ کی ابتدا میری طرف سے ہو"۔

امامؑ کا دوسری مرتبہ وعظ و نصیحت اور اتمامِ حجت

دوبارہ امام علیہ السلام دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے تقریر شروع کی جسے دونوں لشکر سن سکتے تھے: اے لوگو! میرے نسب کو یاد کرو، میں کون ہوں؟ اپنے آپ میں آؤ اور شیطان کے دھوکے میں نہ آؤ؟ کیا تمہارے لیے میرا قتل کرنا اور میری ہتک حرمت کرنا کسی حوالے سے جائز لگتا ہے؟

اے جماعت! یہ سوچ لو کیا میرے قتل میں تمہاری اصلاح ہے؟ کیا میں تمہارے پیغمبرؐ، ان کے وصی، چچازاد علیؑ بن ابی طالبؑ جس نے سب سے پہلے رسولؐ اللہ کی تائید کی، کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا جنابِ حمزہؓ سید الشہداء میرے بزرگوار نہیں؟ کیا جعفر طیارؓ جو ملائکہ کے ساتھ بہشت میں پرواز کرتے ہیں میرے چچا نہیں؟ کیا تمہارے سامنے میرے نانا کی یہ حدیث نہیں آئی کہ رسولؐ خدا نے میرے اور میرے بھائی حسنؑ کے حق میں فرمایا: اَلحَسَنُ وَالحُسَینُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھلِ الجَنَّۃِ۔

اے قوم! جو کچھ میں کہہ رہا ہوا اگر تصدیق کرتے ہو جب کہ میں بالکل سچ بول رہا ہوں اور ایک ذرا بھی جھوٹ نہیں بول رہا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ خداوند متعال نے جھوٹے بندے کو اپنی رحمت سے دُور کردیا ہے۔ تو پھر میرے ساتھ یہ رویہ اور سلوک کیسا ہے؟ اور میرے قتل کے تمہارے ارادے ہیں۔ اور اگر میری باتوں کو جھوٹ سمجھتے ہو تو اس تمہارے لشکر میں ضرور کچھ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان سے پوچھو تو وہ بھی میری ان باتوں کی تصدیق کریں گے۔

جابر بن عبداللہ انصاریؓ، ابوسعید خدریؓ، سہیل بن سعد ساعدیؓ، زید بن ارقمؓ، انس بن مالکؓ وغیرہ جو کوفہ میں ہیں، ان سے پوچھ لو تو وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے خود میرے اور بھائی حسنؑ کے بارے رسولؐ اللہ سے خود سنا ہے: اَلحَسَنُ وَالحُسَینُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھلِ الجَنَّۃِ۔

پھر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: یَاقَومُ اَمَا فِی ھٰذَا حَاجِزٌ لَکُم عَن سَفکِ دَمِی "اے قوم! کیا میری کسی بات کا تم پر اثر نہیں ہوا کہ تم میرا خون بہانے سے رُک جاؤ"۔

اسی دوران میں شمر نے پھر جسارت کی اور یہ بکواس کی کہ اے لوگو! حسینؑ دینِ خدا سے نکل گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ

اپنی بات منوائیں لہٰذا ہم نہیں سمجھتے وہ کیا کہہ رہے ہیں؟

پس حبیبؓ نے شمر کا جواب دیا: اے ملعون! خدا کے دین سے تم خارج ہو چکے ہو، ابن زیاد کے تابع ہو گئے ہو، اگر ستر مذہب ہو تو تم دین کی خاطر ہر مذہب پر عمل کرتے رہو گے، یہ تو ٹھیک کہتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے کلام کو نہیں سمجھتا کیونکہ کفر اور انکار کی وجہ سے خدا نے تیرے دل کو سرنگوں کر دیا ہے اور اس پر مہر لگا دی ہے۔ حبیبؓ کے اس جواب پر شمر خاموش ہو گیا۔

پھر امام حسینؑ نے بلند آواز سے فرمایا: اے قوم! اگر تجھے میری باتوں پر شک ہے تو معلوم ہوتا ہے تمہیں میرے فرزندِ رسولؐ اللہ ہونے پر شک ہے۔ فَوَاللّٰہِ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ابْنُ بِنْتِ نَبِیٍّ غَیْرِی فِیکُم وَلَا فِی غَیْرِکُم ''خدا کی قسم! مشرق و مغرب کے درمیان میرے علاوہ کوئی نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہے''۔

کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ کیا میں نے تمہارا کوئی قتل کیا ہے کہ بدلہ لیتے ہو یا میں نے کسی کا مال تلف کیا ہے یا کسی کو زخمی کیا؟ اس کا قصاص لیتے ہو حالانکہ ان میں سے کچھ بھی میں نے نہیں کیا تو پھر کیوں مجھے قتل کرتے ہو؟

جب یہ کلام انہوں نے حجتِ خدا سے سنا تو تمام لشکر خاموش ہو گیا اور کسی نے جواب نہ دیا اور حیران و پریشان تھے کہ کیا جواب دیں۔ جب حضرتؑ نے دیکھا کہ سب خاموش ہیں اور جواب نہیں ہے تو امامؑ نے ان کے چند روساء اور بزرگان کو پکارا اور فرمایا:

اے شبث بن ربعی! اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن الحرث! کیا تم لوگوں نے خط نہ لکھے تھے کہ تمام پھل اور میوے ہمارے درختوں پر تیار ہو چکے ہیں اور ہماری تمام زراعت سرسبز ہے اور آپؑ کی نصرت کے لیے مسلح لشکر تیار ہے تو آپ لوگوں کے عہد و پیمان کہاں گئے؟

راوی کہتا ہے کہ امام علیہ السلام سے پہلے اور بعد میں کوئی ایسی فصیح و بلیغ تقریر نہ سنی گئی تھی۔ مرحوم مجلسی نے بحارالانوار میں روایت بیان کی ہے کہ جب حضرتؑ کی تقریر یہاں تک پہنچی تو ابن سعد ملعون نے آواز لگائی: اے میرے دوستو! حسینؑ کو اس قدر مہلت نہ دو، ان کو جواب دو ورنہ سارا دن ان کی تقریر ختم نہ ہوگی۔ وہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے فرزند ہیں۔

پھر شمر حرام زادے نے جسارت کی اور بکواس کی: اے حسینؑ! اس قدر لمبی تقریر کرتے ہو، کیا کہتے ہو، ایسی بات کرو جو ہم سمجھ سکیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: خدا سے ڈرو اور میرے قتل سے بچ جاؤ اور میری ہتک حرمت نہ کرو کیونکہ میں تمہارے پیغمبرؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں، میری نانی خدیجہؑ الکبریٰ جو پیغمبرؐ کی زوجہ ہیں اور تم نے یہ حدیث بھی سنی ہوگی: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَینُ سَیِّدَا شَبَابِ

اَهلِ الجَنَّةِ۔

پھر اشعث بن قیس ملعون آگے بڑھا اور کہا کہ ہم ان باتوں کو نہیں جانتے اور نہ سننا چاہتے ہیں لیکن ہماری بات یہ ہے کہ اپنی بزرگی کو بھول جاؤ، ابن زیاد کے تابع ہو جاؤ اور اسے چھوٹا ہونے کے باوجود بڑا سمجھو تا کہ وہ اور اس کے اصحاب تمہارے ساتھ وہ رویہ اور سلوک رکھیں جو تم چاہتے ہو۔

پس زمین و آسمان کے خالق کے نمائندے اور حجت امام حسینؑ نے یہ جواب دیا: لَا اُعطِيكُم بيدي اعطاءَ الذليل وَلَا اُقِرُّ اِقرَارَ العَبدِ ''خدا کی قسم! میں ذلیل ہو کر تمہاری بیعت نہ کروں گا اور غلاموں کے اقرار کی طرح تمہارا اقرار بھی کبھی نہ کروں گا۔ پھر حضرتؑ نے بلند آواز سے فرمایا: اے اللہ کے بندو! میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں اگر چہ تم مجھ پر سنگ باری کرو اور ہر اس متکبر سے میں پناہ مانگتا ہوں جو روزِ قیامت پر ایمان بھی نہیں رکھتا۔ آگاہ رہو کہ میں نے تمہارے اُوپر حجتِ الٰہی پوری کر دی ہے اور اچھی بُری راہوں کا بتا دیا ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ میں اپنے اس تھوڑے سے گروہ کے ساتھ تم سے خوب جہاد کروں گا۔ پھر چند شعر پڑھے جن کا مفہوم دنیائے پست سے اعراض تھا۔ پھر آسمان کی طرف چہرہ اُٹھا کر عرض کیا:

> ''اے خدا! ان لوگوں سے اپنی رحمت کا نزول روک دے اور ان پر ایسا قحط نازل فرما جیسے حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں نازل ہوا تھا اور ان پر بنی ثقیف کا جوان مسلط فرما جو ان کی زندگیوں کو ان پر تنگ کر دے اور ان میں سے کسی کو باقی اور زندہ نہ چھوڑے اور سب کو ہمارے قتل کے عوض قتل کر دے۔
>
> میرے خدا! ان لوگوں نے ہمیں دھوکہ دیا، ہم سے جھوٹ بولا، ہمیں انہوں نے ذلیل و خوار کر دیا ہے، تو ہمارا رب ہے اور توکّل و اعتماد تجھ پر ہے اور شکوہ بھی تیری طرف ہے اور ہماری بازگشت بھی تیری جانب ہو گی''۔

ان مناجات کے بعد پھر قومِ اشقیا کو مخاطب کر کے فرمایا: کہاں ہے عمر بن سعد کہ مجھے اس سے کام ہے۔ جب اس بدبخت کو معلوم ہوا کہ امام حسینؑ مجھے بلا رہے ہیں تو امامؑ سے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن عمر بن سعد نزدیک آیا تو امام حسینؑ نے فرمایا:

اے عمر بن سعد! تو مجھے اس لیے قتل کرنا چاہتا ہے کہ حرامی بن حرامی تجھے رَے کی حکومت دے گا اور تجھے جرجان کے شہروں کا والی بنائے گا؟

اے عمر! خدا کی قسم! تو اپنی آرزو کو نہیں پائے گا اور یہ بات تیرے اور میرے درمیان وعدہ رہا کہ تجھے رَے کی جاگیر نہ ملے گی۔ اب تو جو چاہے کر لے لیکن میری شہادت کے بعد کبھی خوشحالی نہ دیکھے گا، دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ گویا میں تیرے سر کو دیکھ رہا ہوں کہ کوفہ میں نیزے پر اٹھایا ہوا ہے اور کوفہ کے بچے اُسے پتھر مار رہے ہیں۔

عمر بن سعد ان باتوں سے غضب ناک ہوا اور اپنا نجس منہ دوسری طرف موڑ لیا اور اپنے لشکر میں چلا گیا اور اپنے لشکر والوں سے کہا: مَا تَنظِرُونَ اِحمِلُوا بِاَجمَعِکُم اِنَّمَا هِیَ اَکلَة وَاحِدَة ''کہ کس کی انتظار ہے یکبارگی حملہ کرو اور ایک ہی حملہ میں کام تمام کردو''۔

اس ملعون کے حکم سے تمام لشکر نے دائرہ ایمان کے مرکز اور کُل جہاں کے مقتدیٰ پر حملہ کردیا اور تیروں، نیزوں اور آلاتِ جنگ سے حضرتؑ اور اصحاب زخمی ہونے لگے۔

نصرتِ امامؑ کے لیے فرشتوں کا آنا اور امامؑ کا مدد لینے سے انکار

ابوطاہر مرحوم نے اپنی کتاب ''معالم الدین'' میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے:

لِمَّا اِلتقی الحُسَین وَعُمر بن سعد لعنة اللّٰه وَقَامت الحروب اَنزَلَ اللّٰه تعالٰی النَصرَ حَتّٰی رَفرَفَ عَلٰی رَأسِ الحُسَین ثُمَّ خَیَّرَ بَینَ النصرِ عَلٰی اعدَائِهٖ وَبَینَ لِقَاء اللّٰهِ فَاختَارَ لِقَاء اللّٰهِ

یعنی روزِ عاشور جب دونوں آمنے سامنے آئے اور اسبابِ جنگ آمادہ ہوگئے اور صلح کے تمام دروازے بند ہوگئے تو اسی اثناء میں نصر ملک فرشتوں کی فوج کے ساتھ حکمِ خدا سے حضرت امام حسینؑ کے پاس آیا اور ملک نصر نے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان جاؤں مبارک ہو کہ خدا نے آپؑ کو دو کاموں سے ایک کو چن لینے کا اختیار دیا ہے:

أ: اپنے تھوڑے سے لشکر کو حکم دیں کہ ان ملعونوں پر حملہ کریں، ہم ان کی مدد کریں اور تمہیں ان دشمنوں پر فتح و کامیابی حاصل ہوگی۔

ب: جان اللہ کے سپرد کرو، اس عالم فانی کو ترک کردو اور ہمیشہ باقی رہنے والے جہان کی طرف کوچ کر جاؤ۔ اور اگر فتح وکامیابی پاتے ہو تو بھی آپ کے مقام اور اجر سے ذرا بھر کم نہ ہوگا بلکہ وہی تو اب اور وہی شفاعت کا رتبہ خدا کے نزدیک ہوگا۔ تیرا مختار خدا کا مختار ہے اور تیری رضا خدا کی رضا ہے۔

تشنہ جگر فرزندِ پیغمبرؐ نے فرمایا: اے نصر! فرشتہ اگر فیاضِ کریم اور محبوبِ قدیم نے اختیار مجھے دیا تو پھر جان لے کہ میں جان راہِ خدا میں قربان کر دینے کو پسند کرتا ہوں اور میری رضا قربانی دینے میں ہے۔

امامؑ کے استغاثہ نے حُر کی تقدیر بدل دی

ابومخنف نے لکھا ہے کہ جب میدان میں امامؑ نے استغاثہ بلند کیا: هَل مِن نَاصِرٍ يَنصُرنَا وَهَل مِن مُجِيرٍ يُجِيرنَا تو اس استغاثے کی آواز تمام صحرا اور بیابانِ کربلا میں گونجی اور یہی صدا حُر بن یزید ریاحی کے کانوں میں پہنچی تو اس کا دل اُداس ہو گیا، بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ حیرت کے دریا میں ڈوب گیا۔ فکر کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا اس کے اندر غیرت اور حمیت نے انگڑائی لی، اندرونی تشیع کے خون نے جوش مارا اور اس کے دل پر نورِ ہدایت کی چمک آئی تو اس کا چہرہ چاند کی طرح جگمگانے لگا اور قدرت نے اُسے جنگ کے شیطانی وسوسوں سے نجات دی اور خدا نے شیطان سے کہا: اِنَّ عِبَادِي لَيسَ لَكَ عَلَيهِم سُلطَان "جو میرے بندے ہیں ان پر تیری کوئی چال کارگر نہیں ہو سکتی"۔

پس حُر نے اپنے گھوڑے کو جولان دی اور ابنِ سعد کے پاس آیا اور فرمایا: أَتُقَاتِلُ اَنتَ مَعَ هٰذَا الرَّجُلِ "کیا اس غریب، بے یار و مددگار سے تم ضرور جنگ کرو گے یا یہ اسباب جنگ صرف بیعت لینے کا بہانہ ہیں؟"

ابن سعد نے کہا: خدا کی قسم! سخت ترین جنگ کروں گا اور اس جنگ کا آسان ترین کام یہ ہے کہ بدن سے سر اور ہاتھ جدا کر دیں گے۔

حُر نے فرمایا: جو چیز پسرِ فاطمہؑ نے تم سے خواہش کی تھی اس پر عمل نہ کرو گے؟

ابن سعد نے کہا: اگر میرے پاس جنگ کا اختیار ہوتا تو ضرور حسینؑ کی خواہش کو پورا کرتا لیکن کیا کروں ابن زیاد امیر کا حکم ہے کہ حسینؑ بیعت کریں ورنہ ان سے جنگ کرو۔

جنابِ حُر کا چہرہ زرد ہو گیا اور سر نیچے کر لیا اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا اور اپنے مقام پر آ گیا۔ حُر نے اپنے چچازاد قرۃ بن قیس سے کہا کہ کیا تو نے اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں پلایا۔

حُر نے کہا: کیوں کوتاہی کی اب جاؤ اور پانی پلاؤ۔

قرہ نے کہا: میں اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلاؤں گا۔

حُر نے کہا: میں جاتا ہوں اپنے گھوڑے کو پانی پلاتا ہوں۔ حُر اسی خیال میں تھا کہ دوبارہ امامؑ کے استغاثے کی آواز حُر کے کانوں میں گونجی: اَمَا مِن نَاصِرٍ يَنصُرنَا، اَمَا مِن مُعِينٍ يُعِينُنَا جوں ہی حُر نے دوبارہ یہ استغاثہ سنا تو اپنے چچازاد

قرہ بن قیس کی طرف منہ کر کے کہا: اے چچازاد! کیا تم امامؑ ابرار اور سلطانِ بے یار کی غربت کا استغاثہ نہیں سن رہے ہو؟

هَل لَكَ اَن تَسِيرَبِنَا اِلَيهِ وَنُقَاتِلِ بَينَ يَدَيهِ "کیا تم ہمارے ساتھ آسکتے ہو۔ اُس لشکر کو چھوڑ دو اور اس عالم کو چھوڑ کر اکٹھے مصطفیٰؐ کے جگر گوشہ کے پاس اکٹھے جائیں اور اگر جنگ ہو تو ہم ان کی مدد اور نصرت کریں"۔

فَاِنَّ النَّاسَ عَن هٰذِهِ الدُّنيَا رَاحِلَة وَكَرَامَاتُ الدُّنيَا زَائِلَةِ فَلَعَلَّنَا نَفُوذُ بِالشَّهَادَةِ نَكُونُ مِن اَهلِ السَّعَادَةِ "اے میرے چچازاد! دنیا رہنے کی جگہ نہیں، دنیا کی نعمتیں کسی پر ہمیشہ نہیں رہتیں، شاید اس غریب امامؑ کی بدولت ہمیں شہادت کی دولت مل جائے اور ہم اہلِ سعادت سے شمار ہو جائیں اور روزِ قیامت فرزندِ پیغمبرؐ کے ساتھ محشور ہوں گے اور ہمیشہ کی نعمتوں سے مسرور ہوں"۔

قرہ بن قیس بے سعادت نے کہا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ حُر بن ریاحی نے بیگانوں سے منہ چھپاتے ہوئے اپنے بیٹے کے پاس آیا اور کہا: يَا بُنَيَّ لَاصَبِرُ لِي عَلَى النَّارِ وَلَا عَلٰى غَضَبِ الجَبَّارِ وَلَا اَن يَكُونَ غَدًا خَصَمَنِي اَحمَدُ المُختَارِ "اے فرزند! میں جہنم کی آگ برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور جبار اللہ کا غضب برداشت کر سکتا ہوں اور نہ اس کی طاقت رکھتا ہوں کہ کل قیامت کے دن پیغمبرؐ سے میری دشمنی ہو"۔

تم نے جگر گوشہ بتولؑ فرزندِ رسولؐ کا غربت کا استغاثہ سنا ہے۔ جس قدر مدد مانگ رہے ہیں کوئی ان کا حامی و ناصر نہیں۔ تم آؤ میرے ساتھ تاکہ حسینؑ کی خدمت میں جائیں۔ حُر کے فرزند ارجمند نے کہا: بابا! آپ کا حکم میری آنکھوں پر ہے۔

فَجَعَلَا يَدنُوا مِنَ الحُسَينِ قَلِيلًا قَلِيلًا "پس دونوں سلطان العالمین کے حضور میں شرفیابی کے قصد سے آہستہ آہستہ آرہے تھے"۔ ابن سعد کے لشکر کی صفوں کو چیرتے ہوئے اوس مہاجر کے پاس سے عبور کیا۔

اوس مہاجر نے پوچھا: اے بہادر! کیا خیال ہے؟ کیا میدان میں تم پہلے شجاعت اور بہادری دکھانا چاہتے ہو؟

جنابِ حُر نے مہاجر کا جواب نہ دیا جبکہ زین پر حُر کا بدن بید کی طرح اس قدر کانپ رہا تھا کہ بدن کی ہڈیوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔

مہاجر نے کہا: اے حُر! خدا کی قسم! میں تمہاری حالت دگرگوں دیکھ رہا ہوں، میں نے تجھے بڑے میدانوں میں دیکھا ہے، تیری بہادری اور شجاعت کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ اگر کوفہ کے شجاعوں کے متعلق مجھ سے کوئی سوال کرتا تھا تو تیرا نام لیتا تھا اور آج یہ آپ کی حالت ہے۔ کیوں پریشان اور خوف زدہ ہو؟

جنابِ حُر نے کہا: اے مہاجر! خدا کی قسم! میں اپنے آپ کو جنت و جہنم کے درمیان پاتا ہوں لیکن میں نے جنت اختیار

کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ کہا اور گھوڑے کو ایسا تازیانہ لگایا کہ گھوڑا ہوا میں اُڑنے لگا۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: وَیَدُہٗ عَلٰی رَأسِہٖ وَھُوَ یَقُولُ اَللّٰھُمَّ اِلَیکَ اَنبتُ فَتُب عَلَیَّ فَقَد اَرعَبتُ قُلُوبَ اَولِیَائِکَ وَاَولَادَ بِنتِ نَبِیِّکَ ”جنابِ حُر نے سر پر ہاتھ رکھے اور حالت زار و گریہ میں عجز و نیاز سے کہہ رہے تھے: پروردگارا! میں تیری طرف لوٹ آیا ہوں، میری توبہ قبول کر۔ میرے گناہ معاف کر کیونکہ میں نے تیرے پیاروں کو ڈرایا ہے اور پیغمبر کی بیٹی کی اولاد کو پریشان کیا ہے“۔

آج اُن کی یہ حالت دیکھ کر میں شرمندہ ہوں اسی طرح زمزمہ کرتا ہوا، روتا ہوا حضرت امام حسینؑ کے اصحاب کی صف کے قریب پہنچا۔ اصحاب نے راستہ دیا، اس مردِ دین دار کی نظر جوں ہی جمالِ پُر ملالِ حسینی پر پڑی تو دل سے فریاد کی اور خود کو گھوڑے سے گرا دیا، چہرے پر خاک لگائی اور امامؑ کے قدموں پر گر پڑا۔ قدموں کو بوسے دیئے اور زار و قطار روتے ہوئے عرض کیا: یابن رسول اللہ التوبۃ التوبۃ ”میری غلطی معاف کردیں“۔ ثُمَّ بَکٰی بُکَاءً شَدِیدًا وَقَالَ الاِمَامُ اِرفَع رَأسَکَ یَاشَیخ اور پھر بہت بلند بلند آواز سے رویا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے بزرگوار! اپنا سر بلند کر بلکہ روایت میں ہے کہ حضرت امامؑ خود جھکے اور حُر کا سر خود خاک سے اُٹھایا اور اپنے پاک ہاتھوں سے حُر کے چہرے پر لگی خاک کو صاف کیا۔

کفر اور ایمان کی جنگ کا آغاز

روزِ عاشور جب دونوں لشکر آمنے سامنے تھے اور کئی بار امام علیہ السلام نے اس غدار اور مکار قوم کو وعظ و نصیحت کی جس کے نتیجے میں لشکر ابن سعد سے جناب حُر بن ریاحی، اس کے بیٹے اور غلام پر اثر ہوا اور وہ تائب ہوئے اور امامؑ کے ساتھ ملحق ہوگئے۔

عمر بن سعد کو اس بات کا علم ہوا تو سخت غصہ آیا اور جنگ کا ارادہ پختہ کرلیا اور نعرہ لگایا: یَا دُرَیدُ اُدنُ رَایَتَکَ ”اے درید علم کو قریب لاؤ، پس وہ قریب لایا اور پہلی صف میں کھڑا ہوگیا“۔ ابن سعد بھی ساتھ کھڑا تھا۔ پھر لشکر سے باہر آیا اور اپنے بیٹے حفص سے تیر کمان لے کر تیر کو کمان میں رکھا اور بلند آواز سے کہا: اے کوفہ والو! بوڑھے اور جوان سب ابن زیاد کے سامنے یہ گواہی دینا کہ میں نے جنگ کا آغاز کیا تھا اور سب سے پہلا تیر امام حسینؑ کی طرف میں مار رہا ہوں اور پھر تیر کو امامؑ کی طرف پھینک دیا۔

صاحب روضۃ الصفاء نے لکھا ہے کہ امامؑ کے اصحاب نے بلند آواز سے کہا: ہاں ابن سعد! ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس

لشکر میں سے سب سے پہلے جہنم جانے والا تو ہے۔

ابن سعد کو بہت غصہ آیا اور حکم دیا کہ جس جس شخص کے پاس تیر کمان ہے تیروں کی بارش کر دے۔ وَاقبلَتِ السَّھَامُ مِنَ القَومِ کَاَنَّھَا القَطَر حضرتؑ نے حسرت سے اصحاب باوفا سے فرمایا: قُومُوا رَحِمَکُم اللّٰہ اِلَی المَوتِ الَّذِی لَابُدَّ مِنہُ "اے انصار! اللہ تم پر رحمت نازل کرے۔ جہاد میں ثابت قدم رہو کیونکہ موت سے چھٹکارا تو ممکن ہی نہیں ہے اور یہ جو تیر آ رہے ہیں یہ موت کا پیغام لانے والے ہیں"۔

پس امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو جہاد کی اجازت دی تو انہوں نے بھی اپنے تیر کمانوں میں ڈال کر ابن سعد کے لشکر پر بارش برسا دی۔

محمد بن ابی طالب سے منقول ہے کہ لشکر ابن سعد کے تیر اندازوں کی تعداد آٹھ ہزار نفر تھی جبکہ امام حسینؑ کے لشکر میں تیر اندازوں کی تعداد صرف پچاس نفر تھی۔ اس لیے جب ابن سعد کے لشکر نے تیر چلائے تو زمین و آسمان کربلا کی زمین سیاہ ہو گئی تھی اور دشمنوں کے تیروں سے امامؑ کے کئی صحابی زخمی و مجروح ہوئے۔

جب لشکر حسینیؑ کے سالار قمر بنی ہاشم سلام اللہ علیہ نے یہ حالت دیکھی تو علَم آگے لائے اور لشکر کفر کی طرف حملہ آور ہوئے اور اپنے آپ کو دشمن کے قلب میں ڈال دیا اور دوسری طرف شجاعت کے شیر شہزادگان امامؑ جناب قمر بنی ہاشم کے پیچھے پیچھے ایسے حملے کر رہے تھے جیسے بھوک شیر بھیڑوں کے ریوڑ پر حملہ کرتے ہیں۔ ان بدبختوں کے وسط میں داخل ہو کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔

زہیرؓ نے لشکر کے میمنہ اور حبیبؓ نے میسرہ کو حرکت دی تو دو لشکروں نے دو فولادی پہاڑوں کی طرح ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ وہ سر ہوا میں اُڑ رہے تھے اور خون کی ندیاں پانی کی طرح بہہ رہی تھیں۔ سردار لشکر ایمان، مرتضیٰؑ کے غضب کا وارث حضرت عباسؑ اپنی شجاعت کے صبح عاشور جوہر دکھا رہے تھے کہ لوگوں کو ایک مرتبہ پھر علیؑ کی شجاعت اور جنگ یاد دلا دی بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بنفسِ نفیس حضرت امیر المومنینؑ اسد اللہ الغالب ہیں کہ اس لشکر کے دریا میں گھس کر بغیر کسی ہراس اور ڈر کے ان بدکاروں کی زندگیوں کو تلوار کی آگ سے جلا رہے ہیں۔

دوسری طرف سے شہزادہ علی اکبر سلام اللہ علیہ اس لشکرِ کثیر سے نجم ثاقب اور کوکب طارق کی طرح چمک رہے تھے اور تلوار کی خون بہانے والی بجلی تھی۔ کبھی اُوپر سے، کبھی نیچے سے، کبھی مشرق سے، کبھی مغرب سے اس کی چمک نظر آتی تھی اور مسلسل سپاہِ کفر کو جہنم میں بھیج رہے تھے۔

تیسری طرف سے حضرت قاسم بن حسن سلام اللہ علیہ بدرِ منیر کی طرح اس تاریک اور غبار آلود ماحول میں چمک رہے

تھے اور دشمنوں سے امان ختم کر دی تھی اور ہر حرکت کی مجال چھین لی تھی۔ وہ ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر پھینک رہے تھے، سر تھے کہ ہوا میں اُڑتے نظر آتے تھے اور جس کو کمر میں تلوار مرتے تھے اس کے تازہ کھیرے کی طرح دو ٹکڑے کر دیتے تھے اور جسے سر میں تلوار مارتے، تو تلوار کی بجلی اور برق سے ناک کی سیدھ میں دو حصے کر دیتے۔ دوسرے شہزادوں نے سخت لڑائی کی لیکن افسوس کہ یہ تمام شہزادے بھوکے اور پیاسے تھے۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: روزِ عاشورہ دن کے نکلنے کے بعد ایک گھنٹہ تک جنگ مغلوبہ برپا تھی اور پے در پے حملے دونوں لشکر ایک دوسرے پر کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں لشکر کفر کے کافی سپاہی واصل جہنم ہوئے اور امام حسینؑ کے پاک لشکر سے بھی کچھ صحابہ منزلِ شہادت پر فائز ہوئے۔

صاحبِ روضۃ الشہداء لکھتے ہیں: لشکرِ حسینیؑ کے اصحاب اور غلاموں سے شہداء کی تعداد ۵۳ تھی اور باقی اصحاب زخمی ہو گئے تھے لیکن حضرت علی اکبرؑ کو ایک زخم بھی نہ لگا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دس نفر غلاموں نے حضرتؑ کے اردگرد حلقہ ڈالا ہوا تھا اور کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ حضرت علی اکبرؑ کے جسم پر زخم لگا سکے۔

صاحبِ کتاب ہذا رقم کرتے ہیں کہ اس پہلے حملہ میں ۵۲ یا ۵۳ اصحاب اور غلام درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ بعض نے ۵۶ نام لکھے ہیں۔

پہلے حملہ کے شہداء کے اسمائے گرامی

صاحبِ منتہی الآمال نے یہ نام ۵۶ لکھے ہیں جو درج ذیل ہیں:

① جناب نعیم بن عجلان یہ نعمان بن عجلان کے بھائی ہیں جو امیر المومنینؑ کے صحابی تھے اور بحرین و عمان میں حضرتؑ کی طرف سے عامل بھی تھے۔

② جناب عمران بن کعب بن حارث الاشجعی

③ جناب حنظلہ بن عمرو شیبانی

④ جناب قاسط بن زُہیر

⑤ جناب مقسط بن زُہیر جو قاسط کے بھائی تھے، البتہ شیخ مفیدؒ نے اپنے رجال میں اس مقسط کے بابا کا نام عبداللہ لکھا ہے نہ کہ زُہیر۔

⑥ جناب کنانہ بن عتیق تغلبی۔ جو کوفہ کے بہادروں، قاریوں اور عابدوں میں شمار ہوتے تھے۔

⑦ جناب عمرو بن ضبیعہ بن قیس۔ یہ بہادر شجاع شہسوار تھے۔

(۸) جناب ضرغامۃ بن مالک تغلبی۔ بعض نے لکھا ہے کہ نمازِ ظہر کے بعد مبارزت طلبی میں نکلے اور شہید ہو گئے۔

(۹) جناب عامر بن مسلم العبدی

(۱۰) جناب سالم۔ جو عامر بن مسلم کے غلام تھے اور یہ دونوں بصرہ کے شیعہ تھے۔

(۱۱) جناب سیف بن مالک العبدی

(۱۲) جناب ادھم بن اُمیہ

(۱۳) جناب یزید بن ثبیط (۱۰ تا ۱۳ یہ چار لوگ امام کی مدد کے لیے آئے تھے، جو پہلے حملے میں شہید ہو گئے)

(۱۴) جناب عبدالرحمٰن بن عبداللہ الارحبی الہمدانی۔ یہ وہ شخص ہے جسے اہلِ کوفہ نے قیس بن مسہر کے ساتھ مکہ میں امام حسینؑ کے پاس خطوط دے کر بھیجا تھا۔ یہ ۱۲ رمضان کو مکہ میں حضرت امامؑ کے پاس پہنچے تھے۔

(۱۵) جناب جباب بن عامر التیمی۔ یہ کوفہ کے شیعوں میں سے ہیں جنھوں نے جنابِ مسلمؑ بن عقیل کی بیعت کی تھی، لیکن جب کوفیوں نے جنابِ مسلمؑ پر ظلم کیا تو یہ امام حسینؑ کی خدمت کے قصد سے کوفہ سے نکلے اور راستے میں کسی مقام پر امام حسینؑ سے ملحق ہو گئے۔

(۱۶) جناب عمرو الجندعی۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ زخمی پڑے تھے۔ ان کی قوم میدانِ جنگ سے انہیں باہر لائی اور ایک سال تک مریض رہے اور پھر گھر میں ہی وفات پائی۔

(۱۷) جناب حُلاس بن عمرو الازدی

(۱۸) جناب نعمان بن عمرو۔ یہ حُلاس کے بھائی تھے۔ یہ دونوں کوفی تھے اور حضرت علیؑ کے صحابی تھے بلکہ حُلاس تو حضرتؑ کے لشکر کے کمان داروں میں سے ایک تھے۔

(۱۹) جناب سوار بن ابی عمیر، یہ پہلے حملہ میں مجروح ہوئے اور شہداء میں پڑے تھے، ان کو قید کیا گیا اور ابن سعد کے پاس لے گئے۔ عمر سعد نے حکم دیا اسے قتل کر دو لیکن ان کی قوم نے ان کی سفارش کی، اس طریقہ پر ان کی جان بچ گئی لیکن قید میں مجروح تھے اور چھے ماہ کے بعد وفات پا گئے۔

(۲۰) جناب موقع بن ثمامہ۔ یہ بھی زخمی ہو کر مقتولین میں گر گئے تھے، ان کی قوم انھیں کوفہ لائی اور چھپا دیا لیکن ابن زیاد کو اطلاع مل گئی۔ اس نے قتل کا حکم دیا لیکن ان کی قوم بنی اسد نے سفارش کی تو وہ قتل سے بچ گئے۔ البتہ سخت قید میں رہے بلکہ زارہ نامی مقام جو عمان میں تھا، پر جلاوطن کر دیا اور شدید زخموں کی وجہ سے مریض ہو گئے اور ایک سال بیماری اور عالمِ غربت میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

(۲۱) جناب عمار بن سلامۃ الدالانی الہمدانی۔ یہ اصحابِ امیرالمومنینؑ بلکہ حضرتؑ کے مجاہدین میں سے تھے

(۲۲) جناب زاہر جو عمرو بن الحمق کے غلام تھے۔ یہ محمد بن سنان کے جدامجد تھے اور ۶۰ ہجری میں حج سے مشرف ہوئے اور وہاں سے امام حسینؑ کی صحابیت میں آ گئے اور حملۂ اولیٰ کے شہداء میں شامل ہو گئے۔

(۲۳) جناب جبلہ بن علی الشیبانی جو کوفہ کے بہادروں میں سے تھے۔

(۲۴) جناب مسعود بن الحجاج التمیمی

(۲۵) جناب عبدالرحمٰن بن مسعود بن حجاج۔ یہ اور ان کے باپ شجاع اور جانے پہچانے تھے۔ یہ دونوں کربلا میں ابن سعد کے ساتھ آئے تھے۔ دونوں ابن سعد سے اجازت لے کر امام حسینؑ کو سلام کرنے آئے لیکن ان کا سلام کرنا ان کے لیے سعادت مند ثابت ہوا اور یہ امام حسینؑ کی خدمت میں ہی رہے اور پہلے حملے کے شہداء میں شامل ہو گئے۔

(۲۶) جناب زُہیر بن بشر الخثعمی

(۲۷) جناب عمار بن حسان بن شُریح الطائی جو مخلص شیعہ تھے اور امام حسینؑ کے ساتھ مکہ سے کربلا تک رہے۔ حسان اصحاب علیؑ سے تھے اور صفین میں شہید ہوئے اور یہ عمار حملۂ اولیٰ میں شہید ہو گئے۔

(۲۸) جناب مسلم بن کثیر ازدی کوفی تابعی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے اور کسی جنگ میں ان کے پاؤں پر زخم آ گیا تھا۔ یہ کوفہ سے آئے اور کربلا میں امام حسینؑ سے ملحق ہوئے اور روزِ عاشور پہلے حملہ کے شہیدوں میں شامل ہو گئے۔

(۲۹) جناب زہیر بن سلیم ازدی، یہ وہ بزرگ ہیں جو شبِ عاشور امام عالی مقامؑ سے ملحق ہوئے ہیں۔

(۳۰) جناب عبداللہ بن یزید ثبیط

(۳۱) جناب عبیداللہ بن یزید ثبیط

(۳۲) جناب جندب بن حجیر کندی خولانی۔ یہ حضرت امیرالمومنینؑ کے صحابی تھے۔

(۳۳) جناب جنادہ بن کعب انصاری۔ یہ مکہ سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ امامؑ کے ساتھ شامل ہوئے۔

(۳۴) جناب سالم بن عمرو۔

(۳۵) جناب قاسم بن حبیب ازدی

(۳۶) جناب بکر بن حی التیمی

(۳۷) جناب جوین ابن مالک التمیمی

(۳۸) جناب اُمیہ بن سعد الطائی

(۳۹) جناب عبداللہ بن بشر، جو مشہور بہادروں میں سے تھے۔

(۴۰) جناب بشر بن عمرو

(۴۱) جناب حجاج بن بدر بصری۔ یہ مسعود بن عمر کا خط بصرہ سے لائے تھے۔

(۴۲) جناب قعنب بن عمرو نمری بصری

(۴۳) جناب عائذ بن مجمع بن عبداللہ عائذی۔ ان کے علاوہ امام حسینؑ کے دس غلاموں نے شہادت نوش کی اور دو غلام حضرت امیرالمومنینؑ بھی اسی حملہ میں شہید ہوئے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(۴۴) جناب اسلم بن عمرو۔ یہ امامؑ کے کاتب تھے۔

(۴۵) جناب قارب بن عبداللہ دئلی۔ ان کی ماں امامؑ کی کنیز تھیں۔

(۴۶) جناب منجح بن سہم جو امام حسنؑ کے غلام تھے اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا آئے۔

(۴۷) جناب سعد بن الحرث، یہ حضرت علیؑ کے غلام تھے۔

(۴۸) جناب نصر بن ابی نیزر۔ یہ بھی حضرت علیؑ کے غلام تھے اور ان کے والد مولا امیرالمومنینؑ کے باغ میں کام کرتے تھے۔

(۴۹) جناب حرب بن نبھان۔ یہ حضرت حمزہ سید الشہداء کے غلام تھے۔

(۵۰) جناب اشعث بن سعد

(۵۱) جناب قیس بن ربیع

(۵۲) جناب سعد بن ربیع

(۵۳) جناب عبداللہ بن ربی دجانہ

(۵۴) جناب محمد بن مقداد

(۵۵) جناب سلیمان

(۵۶) جناب کرش بن زُہیر

لشکرِ اسلام پر لشکرِ کفر کا دوسرا حملہ

محمد بن ابی طالب لکھتے ہیں: فَمَا بَقِیَ مِن اَصحَابِ الحُسَین علیه السلام اَحَدٌ اِلَّا اَصَابَهُ مِن سَهَامِهِم

''پہلے حملہ کی یلغار کی وجہ سے اصحابِ حسینؑ سے کوئی ایسا نہیں تھا جسے لشکرِ کفر کا کوئی تیر نہ لگا ہو اور وہ زخمی نہ ہوا ہو''۔ چونکہ امامؑ کے لشکر کی تعداد کم تھی لہٰذا شہدا کی شہادت بہت نمایاں تھی لیکن لشکرِ کوفہ کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے ان کے کثیر تعداد میں مقتولین کے باوجود ان مقتولین کی کمی نمایاں نہ تھی۔

جو اصحابِ امامؑ باقی بچ گئے تمام زخمی، تھکے ماندے، پیاسے تھے لیکن اس کے باوجود کمالِ قوت سے خیام کے آگے دوسری مرتبہ صف بستہ ہو گئے۔ اپنے میمنہ اور میسرہ کو آراستہ کیا۔ اُس طرف لشکر ابن سعد نے پہلے حملے کے بعد صرف گھوڑوں کو پانی پلایا، اپنی زرہ اور اسلحہ کو صاف کیا اور تھوڑی سی دیر کے بعد پانی وغیرہ پی کر انھوں نے بھی دوبارہ اپنی صفیں مرتب کیں اور خیام کی طرف کسی پہاڑ سے آنے والے سیلابی ریلے کی طرح یہ لشکرِ کفر بڑھنے لگا اور تیراندازی شروع کر دی۔

مرحوم شیخ صدوق اپنی امالی میں لکھتے ہیں: اس دن امام حسینؑ کا سنِ مبارک ستاون سال سے زیادہ تھا۔ حضرتؑ نے اس ناگفتہ بہ حالت میں اپنی ریش مبارک کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور بدعا کی جس میں بتایا کہ چند مرتبہ خدا کا غضب مخلوق پر بہت شدید تھا۔

غَضَبَ اللّٰهُ عَلَى الْيَهُودِ حِينَ قَالَ عَزِيزُ ابْنُ اللّٰهِ غَضَبَ اللّٰهُ عَلَى النَّصَارٰى حِينَ قَالُوا الْمَسِيحِ بن اللّٰهِ وَاَشْتَدَّ غَضَبَهُ عَلٰى هٰذِهِ الْعَصَابَةِ الَّذِينَ يُرِيدُهُ قَتْلَ ابن نَبِّيهِمْ

''ایک مرتبہ اس وقت اللہ غضب ناک ہوا جب یہود نے عزیر کو ابن اللہ کہا۔ پھر اس وقت غضبناک ہوا جب نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰؑ اللہ کا بیٹا ہے اور آج تو اللہ کا غضب شدید ہے کہ یہ قوم اپنے پیغمبرؐ کے بیٹے کو قتل کر رہی ہے''۔

شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں لکھا ہے کہ اس دوران میں بنی تمیم کا ایک ناپاک شخص عبداللہ بن خوزہ ابن سعد کے لشکر سے نکلا اور امام حسینؑ کے خیام کی طرف روانہ ہوا۔ پیچھے سے ابن سعد کے لشکر نے اسے آوازیں دیں اور کہا: عبداللہ موت کی طرف کیوں جاتے ہو؟ کیا اپنی شجاعت پر ناز ہے کہ اس طرح بے پروا جا رہے ہو؟

اس نے جواب دیا: اِنِّي اَقْدَمُ عَلٰى رَبٍّ رَحِيمٍ وَشَفِيعٍ مُطَاعٍ

امامؑ نے پوچھا: یہ شخص کون آ رہا ہے؟

عرض کیا گیا: یہ عبداللہ بن خوزہ ہے۔

حضرتؑ نے سر آسمان کی طرف اٹھایا اور بارگاہِ الٰہی میں بدعا کی: اَللّٰهُمَّ جَرِّهُ اِلَى النَّارِ ''میرے اللہ! اس سرکش کو جہنم میں ڈال دے''۔ ابھی امامؑ کی بدعا مکمل نہ ہوئی تھی کہ اس کا گھوڑا کودا اور چھلانگ لگائی تو یہ ناپاک خشک نہر میں سرنگوں

ہو گیا لیکن اس کیفیت سے کہ اس کا بایاں پاؤں رکاب میں پھنسا ہوا تھا اور دایاں پاؤں ہوا میں تھا جب کہ اس کا چہرہ لٹک رہا تھا۔ اس کا گھوڑا کودتے ہوئے اس کے سر، چہرے اور شکم میں اس قدر پاؤں مار رہا تھا کہ اس کے سر، چہرے اور شکم کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ اسی اثناء میں جناب مسلمؓ بن عوسجہ نے اس کی کمر پر تلوار سے ضرب ماری اور اسے جہنم میں پہنچا دیا۔
لشکرِ کوفہ نے امامؑ کی بددعا کے ڈر سے پھر اس وقت کوئی جسارت اور بے حُرمتی نہ کی اور کسی کو میدان میں قدم آگے بڑھانے کی طاقت نہ رہی۔

عمر بن سعد نے جب لشکر کی یہ حالت دیکھی تو غضبناک ہو کر لشکر کو گالی بکنے لگا اور کہا: امامؑ سے جنگ کرنے آگے کیوں نہیں بڑھتے اور میدان میں کیوں نہیں نکلتے؟ کیا اُس قلیل لشکر سے جو تمام زخمی، بھوکے اور پیاسے ہیں، سے ڈرتے ہو؟
لشکرِ کفر ابن سعد کی ترغیب اور تحریص سے حرکت میں آیا اور امامؑ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ عمرو بن حجاج سردار میمنہ نے اپنے سواروں کو حکم دیا کہ امامؑ کے لشکر کے میمنہ پر حملہ کر دو۔ امامؑ کے لشکر کے میمنہ کے سردار زُہیر بن قین تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر اسی طرح لشکرِ کفر نے ہمارے اُوپر حملہ کر دیا تو ایک لحظے میں ہمارا لشکر شہید ہو جائے گا، تو بہتر سمجھا کہ خود اور دیگر تمام ساتھی گھوڑوں سے اُتر کر پیادہ ہو کر آگے بڑھیں اور اس لشکر کو روکیں۔

پس اس فرمان پر سب سوار اُترے اور نیزے لے کر دشمنوں کے آتے گھوڑوں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جوں ہی گھوڑے نزدیک آئے تو گھوڑوں کی آنکھوں میں نیزے مارے جس کی وجہ سے گھوڑے رُک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ اس ترکیب سے دونوں لشکر حیران ہوئے کہ یہ کیسی تدبیر ہے کہ اس قلیل تعداد نے لاکھوں کے لشکر کو روک لیا ہے۔
علامہ قزوینی نے ریاض الاحزان میں لکھا ہے کہ یہ تدبیر جنگوں کی تاریخ میں عجیب و غریب ہے جو زُہیر نے اپنائی اور آج تک ایسی تدبیر نہ کسی نے سنی تھی اور نہ دیکھی۔

اس ردِعمل سے عمرو بن حجاج کسی مار گزیدہ کی طرح اُچھلا اور بلند آواز سے لشکر کو آواز دی: اے بے غیرتو! مجھے اور خود کو ذلیل و خوار کر دیا ہے، یہ بہت قلیل جماعت ہے ایک ہی حملہ سے ان کو گھوڑوں کے سموں میں روند سکتے ہو، کیوں رُک گئے ہو، حملہ کرو۔

اس لشکرِ کفر نے دوبارہ اپنے گھوڑوں کو مہمیز لگائی تا کہ گھوڑے آگے بڑھیں لیکن گھوڑے ایک قدم بھی آگے نہ اٹھاتے تھے اور اسی حالتِ وحشت میں آرام سے کھڑے تھے۔ عمرو بن حجاج دوسری مرتبہ پھر شرمندہ ہوا اور اس کے دماغ سے تکبر اُڑ گیا اور کمالِ ذلت سے میدانِ جنگ سے واپس چلا گیا اور اپنے لشکر کو بھی واپس روانہ کیا۔
مرحوم مفیدؒ فرماتے ہیں کہ جوں ہی لشکرِ کفر نے امامؑ کے لشکر کی طرف پشت کی اور عقب نشینی کی تو اصحابِ حسینؑ نے

اس فرصت سے فائدہ اٹھایا اور نیزوں کو زمین پر پھینک دیا اور کمانوں میں تیر لگائے اور واپس جاتے ہوئے لشکرِ کفر پر تیروں کی بارش برسا دی اور کافی لشکریوں کو جہنم میں پہنچا دیا، جب کہ باقی لشکری اپنے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اِدھر اصحابِ حسینؑ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وقار و عزت سے اپنی صف کو دوبارہ منظم کر لیا۔

جنابِ حُر کا مکار قوم کو وعظ و نصیحت کرنا اور بھائی پر اثر

جب دوسرے حملے کے بعد میدان میں سکون اور آرام ہوا اور دونوں لشکروں نے اپنی صفوں کو پھر مرتب کیا تو حُر اپنے گھوڑے سے اُترے اور مرکب کا تنگ کھینچا اور پھر خشم آلود شیر کی طرح سوار ہوئے اور جلدی سے دنیا و آخرت کے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "میں قربان جاؤں، میں ایک شرمندہ اور روسیاہ بندہ ہوں کہ سب سے پہلے آپ کا راستہ میں نے روکا تھا اور بیابانوں میں غیر معروف راستوں پر آپ کو چلنے پر مجبور کیا اور مقام پر سختی کی کہ یہاں رکیں۔ اب میں اپنے بُرے کردار پر شرمندہ ہوں۔

اے فرزندِ پیغمبرؐ! خدا کی قسم! میں نہیں جانتا تھا کہ آپؑ کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے گا، مجھے معاف کر دیں اور اجازت دیں کہ اپنے سر کو آپؑ کے قدموں میں رکھ دوں کہ شاید میری گنوائی ہوئی عزت واپس آ جائے۔ یہ کہہ رہے تھے اور آنسو برابر جاری تھے اور ایسے زار و قطار رو رہے تھے جیسے ساون کے بادل کی بارش کے قطرات ہوتے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: اے حُر! تم ہمارے مہمان ہو، ابھی تمہاری تھکان بھی دُور نہیں ہوئی ہوگی۔ گھوڑے سے اُتر آؤ اور آرام کرو۔

حُر نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں۔ کاش میرا نام و نشان اس صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا اور یہ عمل مجھ سے سرزد نہ ہوا ہوتا۔ مجھے اب اجازت دیں کہ ابھی میدان میں جاؤں۔

بنا بر روایتِ لہوف حُر نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میں پہلا شخص ہوں جس نے آپؑ کے خلاف خروج کیا لہٰذا میری خواہش اور التماس ہے کہ مجھے میدان جانے کی اجازت دیں تا کہ میں پہلا شخص شمار ہوں جو آپؑ کے قدموں میں شہید ہوا۔

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: جنابِ حُر کا اس مقصد سے کہ میں پہلا شہید شمار ہوں، مراد یہ تھا کہ مبارزہ طلبی کرنے والوں سے پہلا شخص ہوں اور شہید ہو جاؤں ورنہ حملۂ اولیٰ میں امامؑ کے پچپن چھپن ساتھی شہید ہو چکے تھے اور جنابِ حُر ان کو جانتے تھے۔ جنابِ حُر کے بار بار التماس اور خواہش کرنے کے بعد حضرت امام حسینؑ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور روتی آنکھوں سے

حُر کو اجازت دی۔ جب اذنِ جہاد ملا تو یہ شجاع، دلیر اور بہادر شخص اپنی خوش قسمتی اور خوشحالی کو سنبھال نہ سکتا تھا۔ تیزی سے میدان میں آئے اور اپنے مرکب کو جولان دی۔ دونوں لشکر حُر کو دیکھنے میں مشغول تھے کہ اس رشید دلاور نے دل کی گہرائیوں سے ایک گرج دار نعرہ لگایا اور اپنا نام ونسب بیان کیا اور بآوازِ بلند بار بار یہ جملہ دہراتا رہا کہ میرا امیر ہے تو صرف حسینؑ۔

اَمِیری حُسَینٌ وَنِعمَ الامیر - لَهُ لُمعَةٌ کَالسِّراجِ المُنیر

پھر فرمایا: اے اہلِ کوفہ تمہاری مائیں تمہارا غم منائیں اور ان کے آنسو ہمیشہ جاری رہیں۔ اے ملاعین! کیا تم نے اس نیک، صالح، شائستہ بزرگوار کو پہلے دعوت دی۔ جب وہ تمہارے علاقہ میں آئے تو ان کو تنہا چھوڑ دیا۔ حالانکہ تمہارے دعوے تو یہ تھے کہ ہم اپنی جانیں آپؑ پر قربان کردیں گے۔ اب یہ کیسا انصاف ہے کہ لشکر لے کر آگئے ہو اور ان کو قتل کرنا چاہتے ہو اور ان کے اطراف میں چلے جانے کے راستے بند کر رکھے ہیں؟؟ انہیں اپنے وطن کی طرف اور نہ کسی اور طرف جانے دیتے ہو۔

اے بے وفا لوگو! اس سے بڑا ظلم کون سا ہو سکتا ہے کہ جس پانی سے حیوان اور یہود و مجوس سیراب ہو رہے ہیں لیکن ساقیٔ کوثر اور ان کی آل پر پانی بند کر دیا ہے اور اولادِ رسولؐ کا خون بہانے جا رہے ہو۔ تم بہت غلط راستے پر چل نکلے ہو، خدا تمہیں روزِ قیامت سیراب نہ کرے اور ابن سعد برباد ہو کہ اولادِ رسولؐ کا خون بہانا چاہتا ہے۔

جب جنابِ حُر کا کلام یہاں تک پہنچا تو فَحَمَلَ عَلَیهِ رِجَالٌ یَرمُونَه بِالنَّبلَة تو ابن سعد کے لشکریوں نے تیر کی بارش برسا دی۔ جنابِ حُر نے امامؑ اور اصحاب باوفا کی تشنگی پر بہت اونچی آواز سے گریہ کیا۔ اپنے خطی نیزے کو ہاتھ میں سنبھال کر گھوڑے کو ایسا تازیانہ لگایا کہ گھوڑا قلبِ لشکر میں جا لگا۔

اسی دوران میں جنابِ حُر کے بھائی مصعب بن یزید بھی وہ لشکرِ کفر سے نکلا اور گھوڑا دوڑا کر جنابِ حُر کے پاس آ پہنچا۔ لشکرِ کفر نے یہی سمجھا کہ مصعب جناب حُر سے جنگ کرنے جا رہے ہیں لہٰذا تمام گردنیں لمبی کر کے غور سے دیکھنے لگے۔ جنابِ حُر اپنے سگے بھائی کے قریب آنے سے پریشان ہوئے اور چہرے کا رنگ زرد ہو گیا کیونکہ اسے کبھی یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ میرا بھائی مجھ سے لڑے گا لیکن جوں ہی مصعب جناب حُر کے سامنے آئے تو اپنے گھوڑے سے اُترے اور بھائی کے پاؤں پر منہ رکھ کر رکابوں کو بوسہ دیا اور عرض کیا:

اے بھائی جان! تم دونوں جہانوں میں سرفراز ہو کہ میری ہدایت کا باعث بن گئے اور مجھے راہِ راست پر لانے کا سبب بنے۔ نیز مجھے لشکرِ خدا میں شامل کر دیا تاکہ بھائی سے بھائی جدا نہ ہو سکے۔ خدا کی قسم! اگر زمین اور آسمان سے مجھ پر تیر و شمشیر کے وار ہوتے رہیں تو بھی میں آپ سے جدا نہ ہوں گا۔

جنابِ حُر نے خوش ہو کر بھائی کو گلے لگایا اور گھوڑے پر بیٹھے ہوئے بھائی کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا: اب تم میرے

ساتھ ہو جاؤ اور ہم مل کر اس بے حیا لشکر سے جہاد کریں کیونکہ ان کافروں سے جہاد اور اس راہ میں قتل ہو جانا موجب سعادت اور سچائی ہے۔

مصعب نے عرض کیا: آپ جو فرمائیں گے میں اطاعت کروں گا البتہ میرا دل چاہتا ہے کہ شہادت سے پہلے بے مثال جمالِ حسینؑ کی زیارت کرلوں۔ مجھے ان کی خدمتِ اقدس میں لے جاؤ تا کہ ان کی قدم بوسی کرلوں اور اپنی تقصیروں کی معافی مانگ لوں۔ جنابِ حُر نے قبول کیا اور بھائی مصعب کو کائنات کے سلطان کی خدمت میں لے آئے۔ جب حضرتؑ کی خدمت میں پہنچے تو فوراً مصعب نے اپنے آپ کو گھوڑے سے گرا دیا اور پھر دوڑ کر حضرتؑ کے قدموں پر بوسے دیئے۔ جنابِ حُر امامؑ کے سامنے حاضر ہوئے اور اپنے بھائی مصعب کی تقصیروں کی معافی مانگی۔

حضرت امامؑ نے حُر کی تحسین و آفرین کی اور مصعب کی تقصیریں معاف کر دیں اور دونوں بھائیوں کے حق کی طرف آنے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس بنا پر جنابِ حُر کے میدانِ کارزار میں وعظ و نصیحت کا یہ فائدہ ہوا کہ ایک اور شخص یعنی حُر کا بھائی بھی راہِ حق پر آ گئے۔

جنابِ حُر کا اپنے بیٹے کو میدان میں بھیجنا اور بیٹے کی شہادت

مقتل ابومخنف میں ہے کہ جب جنابِ حُر نے جہاد کی اجازت مانگی اور حضرتؑ نے اجازت دی تو جنابِ حُر نے اپنے بیٹے علی سے کہا: اے بیٹے! ان ظالموں پر حملہ کرو اور اپنی جان امام حسینؑ پر قربان کر دو۔

علی نے قبول کیا اور خطی نیزہ ہاتھ میں لیے مرکب پر سوار ہو کر لشکرِ کفر کی طرف روانہ ہو گیا۔ حُر اپنے بیٹے کی جنگ دیکھتا رہا کہ اس کا بیٹا شیر غرّاں کی طرح ان لومڑی صفت انسانوں پر حملے کر رہا تھا۔ کبھی ان کے میمنہ پر اور کبھی ان کے میسرہ پر، جس طرف بھی رُخ کرتے تھے ان پست فطرت لوگوں کی لاشیں ایسے گرتی تھیں جیسے خزاں کے موسم میں ہوا سے درختوں کے پتے گرتے ہیں۔ اس لڑائی میں علی نے اپنے نیزہ سے ۲۴ لوگوں کو جہنم کے حوالے کر دیا۔ پھر کسی کو ان کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔ وہ شجاع اور دلیر میدان میں گھوڑے کو جولان دے رہا تھا اور مبارزہ طلبی کر رہا تھا۔ جو شخص بھی ان ناپاک لوگوں سے اس کے مقابل نکلتا تو فوراً بے دھڑک ہو کر نوکِ نیزہ سے اسے زمین پر پچھاڑ دیتا تھا اور بعض اوقات ایسا زمین پر گراتا کہ اس کی ہڈیاں تک ٹوٹ جاتیں۔

ابومخنف کے مقتل کے مطابق اس میدانِ شجاعت کے شیر جوان نے ستر نفر ابن سعد کے قتل کیے اور باقی کوئی شخص مقابلے کے لیے نہ نکلا۔ یہ جوان واپس محضر مبارکِ امامؑ میں آیا اور عرض کیا: مولاؑ! اب ہم سے راضی ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: خدا تم سے راضی ہے۔ پھر حضرتؑ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسئَلُکَ اَن تَرضٰی عَنھمَا فکانَّ رَاضٍ عنھمَا ''خدایا! ان باپ بیٹے پر راضی ہو جا، میں تو ان پر راضی ہوں''۔

پھر حُر نے بیٹے کو حملہ کرنے کا کہا اور خود بھی ساتھ گیا۔ دونوں نے اپنے آپ کو قلبِ لشکر میں ڈال دیا اور قلبِ لشکر کو دونوں باپ بیٹے نے تتر بتر کر دیا اور میمنہ میں کھلبلی مچا دی۔ پھر میسرہ پر حملہ کیا تو اس میں افراتفری بپا کر دی۔ مختصر یہ کہ لشکرِ ابن سعد کو آگ لگا دی اور تھوڑے سے وقت میں دو سو نفر کو جہنم میں پہنچا دیا۔

جنابِ حُر کے فرزند حملہ کرتے وقت یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اَنَا عَلیٌّ وَاَنَا بن الحُر افدی حُسَینًا مِن جَمِیعِ الضَّر

اَرجُو بذاك الفوزَ یَومَ الحشر – مع النَّبِی وَالاِمَامِ الطھر

''میں علی ہوں اور فرزندِ حُر ہوں۔ ہر مشکل اور ہر تکلیف کے باوجود حسینؑ پر جان قربان کروں گا۔ اس کے بدلے قیامت کو کامیابی ملے گی اور نبیؐ و امامؑ کا ساتھ ہوگا''۔

پھر حُر کے بیٹے نے حملہ کیا اور لشکر میں گھس کر ایسا حملہ کیا کہ پچاس بہادروں کو جہنم واصل کر دیا۔ لشکر اس کے آگے سے فرار کر رہا تھا۔ یہ واپس آنے لگا کہ حُر سے ملاقات ہوگی۔

حُر نے کہا: کہاں جاتے ہو واپس آؤ حملہ کرو اور سعادتِ ابدی حاصل کرو۔

علی نے دوسرا سخت حملہ کیا اور حملہ کرتے کرتے تھک گیا، پیاس اور بھوک نے اسے مزید جنگ کرنے سے روک دیا۔ اب لشکرِ کفر نے دیکھا کہ وہ تھک چکا ہے اور بھوک اور پیاس کی وجہ سے نڈھال ہے کہ اچانک سب نے یکبارگی اس پر حملہ کر دیا۔ ہر شخص نے وار کیا۔ کسی نے نوکِ نیزہ سے، کسی نے تلوار سے، کسی نے گرز اور عمود سے غرض علی پر اس قدر ضربیں لگائی گئیں کہ بدن ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔

علی نے کوشش کی کہ اپنے آپ کو باپ تک پہنچائے لیکن دشمنوں میں گھر چکا تھا، اس لیے باآواز بلند کہا: یَا اَبَتِ اَدرِکنِی ''بابا میری مدد کرو''۔ میں دشمنوں میں پھنس چکا ہوں۔ جب علی کی آواز جنابِ حُر کے کانوں میں پہنچی تو حُر اور اصحابِ علی کی مدد کو جانے لگے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے علی کے بدن کو تلوار سے اور نیزوں سے چھلنی کر دیا گیا اور سر کاٹ کر نیزہ پر سوار کر دیا۔

جب حُر نے بیٹے کا سر نیزہ پر دیکھا تو کہا: اَلحَمدُلِلّٰہِ الَّذِی لم تمت جَاھِلًا وَاستَشھدتَ بَینَ یَدَی الحُسَین ''خدا کا شکر ہے کہ تم دنیا سے بے دین اور جاہل نہیں گئے بلکہ امام حسینؑ کے سامنے شہادت کی منزل پر فائز ہوئے''۔

جنابِ حُر کی شہادت

جنابِ حُر اپنے بیٹے کی شہادت کے بعد خلوصِ دل سے سلطانِ عالمین کے پاس آئے، سر جھکائے، اذنِ جہاد مانگا۔ امامؑ نے اجازت دی اور وہ میدان کی طرف روانہ ہو گئے اور اصحابِ حسینؑ میں ان جیسا کوئی بہادر اور شجاع کوئی نہ تھا کیونکہ انہوں نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ عقول حیران رہ گئیں۔ جنابِ حُر کے بارے میں اربابِ مقاتل نے لکھا ہے کہ وہ ابن زیاد کے سالار تھے اور تمام شجاعوں سے شجاع اور نامور تھے۔ ایسے شجاع تھے کہ تن تنہا ایک ہزار گھڑسوار کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ پس یہ شجاع اجازت لے کر لشکرِ کفر پر اس کیفیت سے حملہ آور ہوئے کہ دونوں لشکروں کے ہوش اُڑ گئے کہ کون لڑ رہا ہے۔

مرحوم مُلا حسین کاشفی نے روضۃ الشہداء میں لکھا ہے کہ جب عمر بن سعد نے جنابِ حُر کے اس جلال اور عظمت کو دیکھا تو اس کے جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا کیونکہ وہ حُر کی شجاعت کو اچھی طرح جانتا تھا، لہٰذا پریشان ہو کر صفوان بن حنظلہ جو عرب میں شجاع شمار ہوتا تھا، سے کہا کہ جاؤ اور حُر کو نصیحت کرو اور نرمی سے بات کر کے اسے ہماری طرف لے آؤ ورنہ ان سے جنگ کرو اور ان کے سر کو تن سے جدا کر کے لاؤ۔

صفوان نے خود کو جنابِ حُر کے پاس پہنچایا اور کہا: اے حُر! آپ تو عقل مند اور صاحبِ دل شخص ہیں اور سب سے بڑے مبارز ہیں، آپ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ یزید کو چھوڑ کر حسینؑ کی طرف چلے جاؤ۔

جنابِ حُر نے فرمایا: اے صفوان! تجھ جیسے عقل مند اور سمجھ دار سے اس قسم کی بات عجیب ہے کیا تم نہیں جانتے کہ یزید ناپاک ظالم اور فاسق و فاجر ہے۔ اور امام حسینؑ پاک و پاکیزہ ہیں جن کی ماں کی شادی بہشت میں ہوئی اور جبرئیلؑ خود اُن کے گہوارے کی ڈوری ہلانے والا تھا اور پیغمبرؐ ان کو اپنی خوشبو فرماتے تھے۔

صفوان نے کہا: میں یہ تمام باتیں جانتا ہوں اور بہت زیادہ آگاہ ہوں لیکن دولت اور مقام و منصب یزید کے ساتھ رہنے میں میسر ہے۔ ہم سپاہی ہیں اور مال، منصب اور مرتبہ کے خواہش مند ہیں۔ تقویٰ و طہارت اور علمِ فضیلت ہمارے کیا کام آئیں گی؟

جنابِ حُر نے فرمایا: اے خاکسار! حق کو پہچانتا ہے اور اس پر پردہ ڈالتا ہے۔ صفوان کو غصہ آیا اور نیزہ حُر کے سینے میں مار دیا۔ پھر جنابِ حُر نے نیزہ مارا۔ کافی مرتبہ ردو بدل کے بعد صفوان کا نیزہ ٹوٹ گیا اور حُر نے پوری گرمی اور جوش سے اس کے سینے میں نیزہ مارا کہ ایک گز کی مقدار کے مطابق اس کی پشت سے نیزہ نکل آیا۔ پس اس نیزے سے وہ زین پر نہ بیٹھ سکا اور نیچے گرا۔ دونوں لشکر دیکھ رہے تھے کہ وہ زمین پر ایسے زور سے گرا کہ اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور دونوں لشکروں سے

آوازیں بلند ہوئیں۔

صفوان کے تین بھائی تھے، اس کے قتل ہونے کے بعد ان تینوں نے جنابِ حُر پر حملہ کر دیا تو جنابِ حُر نے گرج دار نعرہ بلند کیا اور عظمتِ خدا کو یاد کیا، اللہ اکبر کہا اور ایک کے کمر بند سے پکڑا اور زمین پر مارا اور ایسا زمین پر مارا کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اب دوسرے کے سر پر ایسی تلوار کی ضرب لگائی کہ سینہ تک چیر کر رکھ دیا۔ تیسرا بھائی بھاگا تو جنابِ حُر نے اپنے شکار کو بھاگنے میں کامیاب نہ ہونے دیا اور شکاری کی طرح اس کی پشت میں ایسا زور سے نیزہ مارا کہ نیزے کی نوک سینۂ پُر کینہ سے نکل آئی۔ وہ بھی جہنم واصل ہوا۔ پھر حُر نے امام حسینؑ کی طرف رُخ کیا اور بلند آواز سے عرض کیا: میرے آقا! اب مجھے بخش دیا ہے، اب مجھ پر راضی ہو؟

امامؑ نے فرمایا: نَعَم اَنتَ حُرٌّ كَمَا سَمَّتكَ اُمُّكَ "ہاں میں راضی ہوں تو ویسے ہی حُر جیسے تیری ماں نے تیرا نام رکھا ہے"۔ تم جہنم کے عذاب سے آزاد ہو۔

جب جنابِ حُر نے امام حسینؑ کی طرف سے یہ بشارت سنی تو بہت خوش ہوئے اور جنگ کی تھکان دُور ہو گئی اور تازہ دم ہو کر پھر حملہ آور ہوئے۔ آپ جس طرف حملہ کرتے کشتوں کے پُشتے لگاتے جاتے تھے اور جس طرف رُخ کرتے تھے سوار بمع سواری کے زمین پر گر جاتے تھے۔ اسی دوران میں ایک پیادہ شخص آیا اور اس نے حُر کے گھوڑے کو زخمی کر دیا تو حُر نے پیادہ جنگ شروع کر دی اور ہر طرف برابر حملہ کر رہے تھے۔

جب امام حسینؑ نے دیکھا کہ حُر پیدل لڑ رہے ہیں تو تازہ گھوڑا بھیجا جس پر سوار ہو کر پھر حُر نے جولان دی اور جو لشکر آپ پر اُمڈ آیا تھا اُسے دُور کیا اور متفرق کر دیا۔ ابھی حُر چاہتے تھے کہ امام حسینؑ کی زیارت کو آئیں تو اُسی وقت ہاتفِ غیبی کی آواز آئی: اے حُر! آگے آؤ، حوریں تیرے جنت میں آنے کی منتظر ہیں اور جلدی شہادت حاصل کرو۔ پس حُر نے امام حسین کی طرف رُخ کیا اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپ کی جدّ کے قریب جا رہا ہوں اگر کوئی پیغام ہو تو میں پہنچا دوں گا؟

امام حسینؑ نے رو کر فرمایا: اے حُر! خوش رہو ہم بھی تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔

جوں ہی امامؑ نے یہ جملہ فرمایا تو اصحاب کی آہ و زاری بلند ہوئی۔ حُر نے اپنے آپ کو لشکرِ کفر میں ڈالا اور اس قدر جنگ کی کہ نیزہ ٹوٹ گیا، پھر جنابِ حُر نے تلوار چلائی جس کے سر پر تلوار ماری اسے سینے تک چیر دیا اور جس کو کمر میں تلوار ماری اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ کبھی میمنہ پر اور کبھی میسرہ پر حملہ کرتے ہیں۔ پورے لشکر کو متفرق کر دیا اور لڑتے لڑتے ابن سعد سالارِ لشکر کے قریب پہنچ گئے تا کہ اس پرچم دار کفر کے سرنگوں کر دیں کہ اچانک شمر نے آواز دی کہ اے سپاہیو! ہمت کرو، حُر کو گھیر لو اور ان کو یہاں سے نکلنے نہ دو۔ پس لشکر نے یکبارگی حملہ کیا اور غلبہ کیا اور جنابِ حُر کو کافی زخم لگائے۔ حُر ان کے درمیان جوش و

خروش سے لڑتے رہے اور شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے کہ اچانک قسورہ بن کنانہ نے چھپ کر حُر کے سینے میں نیزہ مارا جو سینہ میں پیوست ہوگیا۔ جنابِ حُر جنگ میں گرم تھے، اپنے زخموں کا خیال تک نہ تھا۔ جب قسورہ نے یہ ضرب لگائی تو قسورہ کے سر پر تلوار ماری جس نے اس کے سینے تک چیر دیا اور وہ قسورہ گھوڑے سے گرا اور حُر بھی کافی خون بہہ جانے کی وجہ سے زین پر سنبھل نہ سکے اور گرتے ہوئے نعرہ لگایا: یَابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ اَدْرِکْنِی۔

امام حسینؑ گھوڑے پر سوار ہوئے اور حُر کو لشکرِ کفر سے نکال کر اپنے لشکر کے سامنے لے آئے اور گھوڑے سے اُترے اور بیٹھ گئے۔ پھر حُر کے سر کو جھولی میں لیا اور چہرے پر جمے گرد و غبار کو اپنی آستین سے صاف کیا۔ اس وقت تک حُر میں رمقِ جان باقی تھی، آنکھیں کھولیں تو اپنے سر کو امامؑ کی جھولی میں دیکھا اور مسکرا کر عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کیا آپؑ مجھ پر راضی ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: میں راضی ہوں اور خدا بھی راضی ہے۔

جنابِ حُر اس بشارت سے خوش ہوئے اور اسی خوشی میں روح پرواز کرگئی۔ امام حسینؑ نے حُر کی شہادت پر آنسو بہائے اور اصحاب بھی روتے رہے۔ امامؑ نے یہ مرثیہ پڑھا: لَنِعمَ الحُرُّ حُر بن رِیاح، صبورٌ عند مختلف الریاح "یعنی حُر ہوتو حُر بن ریاح کی طرح کہ جو ہر مصیبت پر صابر تھا"۔

پھر فرمایا: خدا کی قسم! تیری ماں نے تیرا نام صحیح رکھا ہے تو دنیا و آخرت میں آزاد ہے۔ جنابِ حُر کس قدر اچھے جوان تھے میرے اللہ جنابِ حُر کو رضوانِ جنت میں مقام عطا فرما اور حوروں کو ان کا خدمت گزار بنا دے۔

مرحوم سید جزائری نے لکھا ہے: جب امام حسینؑ کی نظرِ پاک جنابِ حُر کی شگافتہ پیشانی پر پڑی کہ چاند کے قُرص کی طرح شگافتہ ہے تو حضرتؑ کو بہت دُکھ ہوا اور اپنی جیب سے رومال نکالا اور حُر کے سر پر باندھ دیا۔

صاحب معالی السبطین نے لکھا ہے کہ شاہ اسماعیل صفوی نے حُر کی قبر کھودنے کا حکم دیا تا کہ جو رومال امام حسینؑ نے باندھا تھا وہ بطور تبرک اور تیمن کھول لیا جائے اور خزانہ میں محفوظ رکھا جائے اور غزوات اور جنگوں میں کامیابی کے لیے اس سے استمداد کی جائے لیکن جوں ہی وہ رومال جنابِ حُر کے ماتھے سے کھولا گیا تو تازہ خون جاری ہوگیا۔ شاہ اسماعیل نے حکم دیا کہ کوئی اور رومال باندھا جائے تا کہ خون رُک جائے لیکن خون بند نہ ہوا۔ کافی رومال بدل بدل کر باندھے گئے لیکن خون بند نہ ہوتا تھا تو مجبوراً وہی رومال جنابِ حُر کی پیشانی پر باندھ دیا گیا۔ خون فوراً بند ہوگیا۔

مرحوم حائری نے لکھا ہے کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ حُر کا سر بدن سے جدا نہیں کیا گیا تھا۔

شہادتِ مصعب بن یزید ریاحی

جب مصعب نے بھائی کی شہادت دیکھی تو امامؑ سے اجازت لی اور میدان میں گئے۔ لشکرِ کفر پر حملہ کردیا۔ شجاعانہ طور پر لڑتے رہے اور کثیر دشمنوں کو قتل کرنے کے بعد خود بھی شربتِ شہادت نوش فرمایا اور اپنے بھائی سے جا ملے۔

جنابِ حُر کے غلام عروہ کی شہادت

جناب حُر، ان کے بیٹے، اور بھائی کی شہادت کے بعد جنابِ حُر کا غلام عروہ جذباتی ہوکر میدان میں پہنچا اور جنگ کی، ملعونوں کو فی النار کیا اور اپنے سرداروں کی شہادت کا بدلہ لیا۔ پھر میدان سے واپس آیا اور امامؑ کے سامنے آیا اور امامؑ کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا: مولاؑ! مجھے معاف کردیں، میں آپؑ سے اجازت لیے بغیر میدانِ جہاد میں چلا گیا تھا۔ اپنے سرداروں کی زخمی لاشوں نے مجھے بے اختیار کردیا، میں جذباتی ہوگیا تھا۔ اب میں معافی مانگتا ہوں اور آپؑ سے اجازتِ جہاد مانگنے آیا ہوں۔

امامؑ نے اجازت دی، اذن ملنے کے بعد اس نے گھوڑے کو جولان دی اور اپنے آپ کو لشکرِ کفر میں ڈال دیا۔

ابن سعد نے حکم دیا کہ اس کا محاصرہ کرو، محاصرہ کرکے لشکرِ کفر نے ہر طرف سے وار کیا اور اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور وہ منزلِ شہادت پر پہنچا۔

امامؑ کا تیسری مرتبہ اتمامِ حجت اور تین امور سے ایک کا اختیار دینا

جنابِ حُر، ان کے بھائی، غلام اور جنابِ حُر کے بیٹے کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ دو لشکروں کے درمیان آئے اور وعظ و نصیحت کی۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے قوم! خدا سے ڈرو، رسولؐ اللہ کا حیا کرو، بے قصور میرا خون نہ بہاؤ، میرے باقی اصحاب کو قتل نہ کرو۔

اے قوم! میں نے جنگ کا آغاز نہیں کیا بلکہ تم نے پہلا تیر میری طرف پھینکا ہے، اور میرا ایک گروہ قتل کردیا ہے، باقی میرے صحابہ کو زخمی کردیا ہے، جنابِ حُر، ان کے بھائی، بیٹے اور غلام کو جو تمہارے لشکر سے نکل کر میرے ساتھ ملحق ہوئے تھے کو شہید کردیا گیا ہے لیکن ابھی وقت ہے، فرصت ختم نہیں ہوئی۔ میں تین راستے بتاتا ہوں ایک کو اختیار کرلو۔

1. مجھے راستہ دو میں خود یزید کے پاس جا کر اس سے بات کرلوں گا۔
2. یا مجھے راستہ دو اور میں حرمِ خدا یا حرمِ رسولؐ کی طرف پلٹ جاتا ہوں۔

۳ یا مجھے اور میرے ساتھیوں کو پانی دے دو۔

اس بے حیا اور بے شرم لشکر نے جواب دیا: جہاں تک پہلا راستہ ہے کہ یزید کے پاس جانے دو تو اس کا بالکل امکان نہیں کیونکہ آپ کی شیریں اور سحر آمیز ہیں، ممکن ہے کہ یزید کو اپنا گرویدہ بنالیں اور اس کے ہاتھ سے نکل جائیں اور دوبارہ اُمت میں فتنہ ڈال دیں اور جہاں تک دوسرا راستہ ہے کہ مدینہ یا مکہ پلٹ جاؤں تو یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اگر واپس گئے تو کئی لوگ تمہارے پاس جمع ہو جائیں گے اور تم دوبارہ خلافت کا دعویٰ کرو گے اور پھر فتنہ کھڑا ہو جائے گا۔

اور جہاں تک تیسرا راستہ ہے کہ پانی دے دو تو ہمارا وہی سابقہ ہے کہ جب تک یزید کی بیعت نہیں کرو گے آپ اور آپ کے اہلِ بیتؑ کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دیں گے۔

امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں ان کی انتہا درجے کی شقاوت دیکھی تو فرمایا: جب ان تینوں راستوں سے ایک بھی اختیار نہیں تو جنگ وقتال میں ایک ایک میدان میں نکلو اور مقابلہ کرو۔

لشکرِ کفر نے کہا: ہاں! آپ کی یہ بات ہمیں قبول ہے۔

امامؑ نے اپنے لشکر کی صف کو دیکھا اور فرمایا: اے میرے صحابیو! اب مبارزہ طلبی کرو اور شجاعت کے جوہر دکھاؤ۔

سامر ازدی کا زُہیر بن حسان اسدی سے قتل ہونا اور جنابِ زُہیر بن حسان کی شہادت

روضۃ الشہداءؒ اور اس کے بعد ریاض القدس میں ہے کہ پہلا مبارز جو لشکرِ کفر سے نکلا اور ھَل مِن مُبَارِز کا نعرہ لگایا، سامر نامی شخص تھا اور لشکرِ حسینیؑ سے جنابِ حُر، ان کے بیٹے، بھائی اور غلام کے بعد میدان میں نکلنے والے زُہیر بن حسان اسدی تھے۔ سامر نامی غدار مبارز ابن سعد نے بھیجا۔ تیز رو گھوڑے پر سوار، شاہانہ اسلحہ لگائے، گھوڑے کو جولان دی اور اپنا رعب جماتے ہوئے اپنا نام بتایا اور ھَل مِن مُبارِز کا نعرہ لگایا۔ جب کہ لشکرِ حسینیؑ سے زُہیر بن حسان نکلے۔ یہ عرب کے بہادروں اور بڑے شاہسواروں میں سے شمار ہوتے تھے اور انتہائی تجربہ کار تھے اور بہت سی جنگوں میں کامیابی حاصل کی تھی۔

امام علیہ السلام کی قدم بوسی کر کے انھوں نے عرض کیا: مولاؑ! جو شخص میدان میں آیا ہے میں اس کو جانتا ہوں بہت بڑا شجاع، بے باک اور سفاک ہے۔ اس لیے مجھے اجازت دیں کہ میں غدار کے لاف گراف کو اپنی تلوار کی تیزی سے ختم کردوں۔

حضرتؑ نے اجازت عطا کی اور یہ میدان میں آئے۔ آتے ہی سامر کا راستہ روک لیا۔

جونہی سامر نے زُہیر بن حسان کو اپنے مدمقابل دیکھا تو کانپ گیا کیونکہ زُہیر کی شجاعت کو جانتا تھا اس لیے اُس نے نصیحت کی کہ اے شہسوار نامدار! آپ کیوں میدان میں آگئے؟ کیوں اپنے مال، منال، اہل وعیال کو ضائع کرتے ہو اور بے

یارومددگار حسینؑ کی حمایت کرتے ہو کہ عاقبت قتل ہونا ہی ہے۔

زُہیر نے فرمایا: اے بے حیا! تجھے شرم نہیں آتی کہ فرزندِ پیغمبرؐ پر تلوار چلانے آ گیا اور اہلِ بیتؑ رسالت کو فانی دنیا کے واسطے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ ان کی آپس میں تلخ کلامی ہوئی اور ایک دوسرے کو سبّ وشتم کرتے رہے۔ پس زُہیر نے فرصت نہ دی اور اس کے منہ میں ایسا نیزہ مارا کہ اس بے ایمان کی گردن سے نکل آیا۔ ثَقَبَ الرُمح فاہ وَخَرَجَ السَّنَانُ مِن قفاہ فَاَرَ الدم مِن فَمِہٖ وَقَعَدَت اُمُّہٗ فِی مَاتِمِہ ''یعنی نیزے نے اس کے منہ میں سوراخ کردیا اور نیزہ گردن کی طرف سے نکل آیا۔ اس کے منہ سے خون جاری ہوا اور اس کی ماں اس کے ماتم میں مصروف ہوگئی اور وہ جہنم پہنچ گیا''۔

پھر زُہیر نے لشکرِ کفر کے سامنے آواز دی: یَا اَھلَ العِراقِ یَا اَھلَ الغَدرِ وَالنفَاق یَا اَربَابَ المَکرِ وَالشقاق ''اے اہلِ عراق! اے منافقو! اے مکارو! اے شقیو! اگر مجھے نہیں جانتے تو پہچانو میں زُہیر ابن حسان ہوں اور جنت کی طرف جا رہا ہوں''۔

ایک کوفی رئیس اور مشہور عرب نصر بن کعب میدان میں نکلا اور اس نے نصیحت کرنا شروع کردی کہ اے بہادرو اور دلیر نوجوانو! کیوں عبیداللہ ابن زیاد جو تمام نعمتوں کا والی ہے، سے دُور ہو؟ میں جانتا ہوں کہ تجھے ابن زیاد کے پاس شرم وحیا نہیں آنے دے رہی تو آؤ میں تمہیں اپنے امیر کے پاس لے جاتا ہوں جو تمہارا فقر دُور کردے گا۔

دلیر وشجاع نے غضبناک شیر کی طرح جگر کی گہرائیوں سے نعرہ لگاتے ہوئے کہا: اے ولدالزنا! میں نے سلطانِ دنیا و آخرت کی خدمت میں معرفت کے پھول چنے ہیں اور تجھے یہ معلوم تک نہیں۔ یہ کہتے ہی آگ برسانے والی تلوار اس کے سر پر ماری اور سر کو شگافتہ کردیا اور اس کے دو حصے ہوگئے۔

پھر نصر کا بھائی صالح بن کعب اپنے بھائی کا خون بہا لینے کے لیے میدان میں نکلا اور زُہیر کو گالیاں بکیں۔ زُہیر نے فرصت نہ دی اور آتے ہی خطّی نیزہ اس کی طرف مارا تو صالح گھوڑے سے ایک طرف گرا تاکہ زُہیر کے نیزے سے بچ سکے۔ اس کا گھوڑا رُک گیا اور اسے گرا دیا لیکن اس کا پاؤں رُکاب میں پھنس گیا اور وہ پیادہ نہ ہوسکا۔ پھر گھوڑے نے چھلانگیں لگانا شروع کردیں اور گھوڑے کے سُموں میں روندا جا رہا تھا اور اس کی ہڈیاں چور چور ہوگئیں۔

صالح کے بعد اس کا بیٹا طالح میدان میں آیا اور اپنے باپ اور چچا کا انتقام لینے کے لیے گفتگو کر رہا تھا کہ زُہیر نے اس کی ناف پر زوردار نیزہ مارا جس کی نوک پشت سے نکل آئی اور وہ جہنم میں پہنچ گیا۔ اسی طرح کافی دشمن آتے رہے اور زُہیر ان کو جہنم بھیجتے رہے۔ پھر ابن سعد نے حجر بن حجار سے کہا کہ کیا تم اس زُہیر کی دلیری اور بہادری کو نہیں دیکھتے کہ کس قدر مبارزت کر رہا ہے اس کی کوئی فکر کرو؟

حجر نے کہا کہ تین سو سوار تین مقامات پر کمین لگائیں، اور میں میدان میں اس کے مقابل جاتا ہوں جب وہ مجھ پر حملہ کرے گا تو میں فرار کر جاؤں گا اور ان کمین گاہوں کے قریب سے گزروں گا۔ جب زُہیر میرے پیچھے دوڑے گا تو کمین گاہوں میں چھپے سپاہی یکبارگی اس پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیں۔ پس تین صد نفر کمین گاہوں میں بیٹھ گئے اور حجر بن حجار میدان میں آیا اور دُور سے فریاد کی: اے زُہیر! میں تم سے لڑنے نہیں آیا بلکہ تجھے نصیحت کرنے آیا ہوں تا کہ تجھے ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔

جنابِ زُہیر نے ایک گرج دار نعرہ لگایا کہ اے بے دین! کیا کہتے ہو؟ یہ کہا اور اس ملعون پر حملہ کر دیا۔ ابن حجار دوڑا اور زُہیر اس کے پیچھے حملہ کرنے کے لیے دوڑے۔ جب ان کمین گاہوں کے پاس پہنچے تو ان تین سو سپاہیوں نے کمین گاہوں سے نکل کر زُہیر کو گھیر لیا اور دھوکے سے اس گروہ میں پھنس گئے۔ یہ بھوکے شیر کی طرح، بھوکے اور پیاسے لڑتے رہے اور ان تین صد افراد سے کافی ملعونوں کو زین پر گرا دیا۔ ان کے اسلحہ کے آلات گرم تھے اور بدن چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ ان کے کشتوں کے پُشتے لگا دیئے۔ لہٰذا لشکرِ کفر نے فیصلہ کیا کہ دُور کھڑے تیروں کی بارش برسائیں۔ پس تیروں کی بارش شروع ہوگئیں اور تھوڑے ہی وقت میں ان کے بدن پر اس قدر تیر تھے کہ جیسے خار پشت پُر ہوتا ہے۔ ان زخموں سے خون بہنا شروع ہوگیا۔ نیزوں، تیروں کے نوے زخم تھے جو سب مہلک تھے، اس وجہ سے زُہیر پر ضعف غالب آ گیا اور وہ زین پر کبھی دائیں اور کبھی بائیں جھک جاتے تھے۔

اصحابِ امام حسینؑ نے جب زُہیر کو لشکرِ کفر میں پھنسا دیکھا تو ان کی مدد کے لیے آئے اور ان کو لشکرِ کفر سے نکال کر اپنے لشکر کے پاس لے آئے۔ اس وقت زُہیر میں جان باقی تھی، انہیں زمین پر لیٹا دیا، سانس تیز چل رہی تھی۔ امامؑ نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے زُہیر کو دیکھا اور ان کے سر کو اپنی گود میں رکھا۔ اصحاب اردگرد کھڑے تھے اور امامؑ کے اس کے ساتھ نرم اور دھیمے سلوک کو دیکھ رہے تھے۔ ایک مرتبہ زُہیر کی آنکھ کھلی اور حضرتؑ کو اپنے سرہانے بیٹھا دیکھا تو مسکرائے۔

حضرتؑ نے دیکھا کہ زُہیر اپنے لبوں کو حرکت دے رہے ہیں تو فرمایا: اے میرے بہادر جوان! کوئی حاجت ہے تو بتاؤ؟

عرض کیا: میں قربان جاؤں، ابھی میرے لیے جنت سے پانی آ گیا ہے۔ پانی پی لوں۔ آپ تھوڑا توقف کریں تا کہ پھر میں اپنی حاجت بتاؤں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اے میرے اصحاب! زُہیر کو جنت دکھائی گئی ہے اور وہ بہشت کی شراب ہے جو اسے پلائی جارہی ہے۔ پس زُہیر نے منہ کو ایسے بند کیا جیسے کوئی شے پی رہا ہو۔ پھر ایک لمبی سانس لی اور ان کی روح کا طوطی (یُرزَقُونَ فرِحِین) پرواز کر گیا۔

امام حسینؑ نے بہت گریہ کیا اور فرمایا: خوش قسمت ہے زُہیر کہ جنت میں میرا ہمسایہ ہوگا۔

جنابِ عبداللہ بن عمیر کی شہادت

جناب زُہیر بن حسان اسدی کی شہادت کے بعد دونوں لشکروں کی نظریں میدان پر لگی ہوئی تھیں کہ اب کون میدان میں نکلتا ہے۔ اسی دوران میں لشکرِ کفر سے دو سوار نکلے، ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام سالم تھا۔ دونوں اپنے سامانِ جنگ سے مسلح ہو کر میدان میں اُترے۔ یسار نے اپنا تعارف کرایا۔ میں یسار، زیاد بن ابیہ کا غلام ہوں اور سالم نے کہا: میں عبداللہ ابن زیاد کا غلام ہوں۔ کون ہے جو اپنی زندگی پوری کر چکا ہو، آئے میدان میں۔

لشکرِ امامؑ سے بُریر اور حبیب نے میدان میں اُترنے کی غرض سے امامؑ کے پاس اذن لینے آئے۔ حضرتؑ نے فرمایا: ذرا صبر کرو۔ اسی دوران میں عبداللہ عمیر کلبی خدمتِ امامؑ میں آئے اور عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! مجھے اجازت دیں کہ ان دونوں بے دینوں کو جہنم میں پہنچا دوں۔ حضرتؑ نے ایک مرتبہ عبداللہ کو دیکھا کہ بلند قامت، گندمی رنگ، قوی بازو، کشادہ سینہ شخص ہے۔ فرمایا کہ تم ہی ان دونوں غلاموں کو قتل کرنے والے ہو، جاؤ اجازت ہے۔ میدان میں آئے اور اپنا حسب ونسب بتایا۔ اُن دو غلاموں نے کہا کہ ہم تمہیں نہیں جانتے میدان سے واپس چلے جاؤ اور زُہیر بن قین، بُریر یا حبیب کو بھیجو۔

عبداللہ نے ان کو للکارا کہ اے بد بخت غلامو! تم اس قدر بے عزت ہو چکے ہو کہ شجاع و دلاور اور سردارِ لشکر کو اپنے مقابل بلاتے ہو؟ یہ کہا اور ان پر حملہ کیا۔ پہلے یسار کو ایک ایسی کاری ضرب لگائی وہ خاک پر گرا لیکن چالاکی سے سالم تک جا پہنچا۔ سالم نے پیچھے سے آ کر تلوار کھینچی۔ اصحابِ امامؑ نے عبداللہ کو خبردار کیا کہ دشمن پشت سے حملہ آور ہے، لیکن عبداللہ نے توجہ نہ کی اور تلوار یسار کے سینے پر رکھی اور قوت لگائی کہ تلوار پشت کی طرف سے نکل آئے۔ یسار تو واصل جہنم ہو گیا لیکن اس دوران میں سالم نے پشت سے عبداللہ کو تلوار سے زخمی کر دیا۔ عبداللہ کو فرصت نہ ملی کہ ڈھال سے اپنی پشت کا دفاع کر سکیں، ہاتھ تلوار کے آگے کیے جس کی وجہ سے انگلیاں کٹ گئیں۔ عبداللہ اس زخم سے نہ گھبرائے بلکہ اسی شدت اور گرمی سے تلوار یسار کے سینے سے نکالی اور سالم کے پیچھے آئے اور اسے ایک ہی ضربت سے فی النار کر دیا۔

جب ابن زیاد کے غلاموں نے دیکھا تو سب میدان میں آئے اور عبداللہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اس شیرِ خدا نے کچھ غلاموں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ آخر تشنگی، بھوک اور خون ریزی نے ان کو کمزور کر دیا۔ ان کے بدن پر زیادہ زخم آ گئے، گھوڑے سے گرے اور شربتِ شہادت نوش فرمایا۔

جب امامؑ کو اطلاع ملی تو حضرتؑ نے روتے ہوئے فرمایا: میں اپنا اور اصحاب کا حساب اپنے رب کے پاس کروں گا

کہ انہوں نے مجھے کیا کیا تکلیفیں پہنچائیں۔

جناب بُریر بن خضیر ہمدانی کی شہادت

عاشورہ کا سورج چڑھ آیا۔ گرمی بڑھ گئی۔ پیاس نے اصحاب، اہلِ بیتؑ اور بچوں کو بہت تنگ کر رکھا تھا۔ ان کی حالت تشویش ناک ہونے لگی تو بے اختیار العطش العطش کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جب بچوں اور مستورات کی یہ آواز اصحاب اور جوانوں کے کانوں تک پہنچی تو تمام زندگی سے تنگ اور موت کے لیے جلدی کرنے لگے۔ البتہ تمام اصحاب اور جوانوں نے اس دنیا سے آنکھیں بند کرلی تھیں اور آخرت پر نظریں تھیں، لہٰذا ہر ایک دوسرے سے پہلے میدان میں جانے کے لیے تیار تھے۔ باربار خدمتِ امامؑ میں آتے اور عرض کرتے: السلام علیك یابن رسول اللّٰہ! ''فرزندِ رسولؐ! آپؑ پر سلامتی ہو، ہم جا رہے ہیں''۔

حضرتؑ ان کے جواب میں یہی فرماتے: علیکم السلام وَنَحنُ خَلفکُم کہ میں بھی تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔ تم جاؤ سلامتی سے۔ پھر آیت پڑھتے: وَمِنهُم مَن قَضٰی نَحبَه وَمِنهُم مَن یَنتظِر ''یعنی بعض چلے گئے اور بعض جانے کے لیے تیار ہیں''۔

نورالائمہ میں ہے کہ جناب عبداللہ بن عمیر کی شہادت کے بعد جناب بُریر میدانِ کارزار میں آئے۔ بُریر بن خضیر الہمدانی بہت بڑے زاہد، عابد اور قاریٔ قرآن تھے اور یہ بزرگوار حضرت امیرالمومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے اور کوفہ کے اشراف لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ پس یہ بزرگوار پُرغم دل اور دکھی وجدان سے امامؑ کی خدمت میں آئے۔ میدان میں جانے کا اذن چاہا کہ مولاؑ! میں چاہتا ہوں کہ آپؑ کے جدِ امجد کی خدمت میں جاؤں اور اس قوم کی شکایت کروں، کیا اجازت ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: ہاں اجازت ہے۔

ان بزرگوار کے کسی مقتل کی کتاب میں وضاحت نہیں کہ سوار ہوکر میدان میں آئے یا پیادہ تھے؟ بہرحال جب میدان میں آئے تو یہ رجز پڑھا: ''اے لوگو! میں بُریر فرزندِ خضیر ہوں اور خیر کو اہلِ خیر ہی جانتے ہیں۔ میں تم پر تلوار چلاؤں گا اور کوئی نرمی نہ کروں گا اور بُریر کا یہی کارِ خیر ہے''۔ پھر اس مکار اور منکرِ خدا قوم پر حملہ کردیا۔ جس طرف رُخِ انور کرتے سر جدا ہوتے نظر آتے، آپ ایسے حملے کر رہے تھے کہ بہرام فلک کو حیران اور مریخ کو پریشان کردیا۔ لشکرِ کفر کے سپاہی ان سے دُور دُور بھاگ گئے جب کہ بُریر پورے جوش اور جذبہ سے حملہ بھی کررہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:

"اے مومنین کے قاتلو! میرے قریب کیوں نہیں آتے؟ اور اے بدر کے مقتولین کی اولادو! آؤ بھاگتے کیوں ہو؟ اسی دوران میں لشکرِ کوفہ سے ایک بدبخت اِن کے سامنے آیا اور کہا: میں گواہ ہوں کہ تم گمراہوں سے ہو۔

بُریر نے فرمایا: تو فاسق و فاجر ہے اور فاسق و فاجر کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ اگر تو گواہی میں سچا ہے تو یہاں ہی مباہلہ کرتے ہیں تا کہ حق و باطل کی تمیز ہو سکے اور باطل حق کے ہاتھوں سے قتل ہو جائے۔ یہ فاسق فاجر یزید بن معقل مباہلہ پر راضی ہو گیا۔ دونوں آپس میں ٹکرا گئے۔ ابن معقل نے بُریر پر تلوار کا حملہ کیا لیکن وہ کارگر ثابت نہ ہوا، اب بُریر کی باری آئی تو تلوار اٹھائی اور اس کے سر پر ماری جس نے اس کے سر کو شگافتہ کر دیا اور سر سے آگے تلوار چلتی رہی۔ دونوں لشکروں نے یہ حالت دیکھی کہ تلوار نے اس حرام زادے کے سینہ پر کینہ تک شگاف کر دیا ہے اور وہ جہنم میں پہنچ چکا ہے۔ بُریر اس بے عنایت نعمت سے خوشحال ہوئے کہ جنگ کا معیار یہ ہے کہ ہر شخص پر حق و باطل کی تمیز روشن اور ظاہر ہو گئی۔

اس فاسق کے قتل کرنے کے بعد بُریر بن خضیر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ ایک مرتبہ جمالِ الٰہی کی زیارت کر لیں اور زیارت کو آخرت کا توشہ قرار دیں۔ حضرتؑ نے بُریر کو بہشت کی بشارت دی۔ پھر دوبارہ جناب بُریر میدان میں آئے اور غضبناک شیر کی طرح اس لشکرِ کفر پر حملہ کر دیا اور بغیر گھوڑے کے لشکر میں گھس گئے اور پوری قوت اور ہمت سے پیاس اور بھوک کو برداشت کرتے ہوئے پیاسے حسینؑ کی نصرت کرتے رہے اور کافی خون ریزی اور بھوک اور پیاس کی وجہ سے کمزوری غالب آ گئی۔ جب ان بزدل لشکریوں نے بُریر کی کمزوری اور ضعف کو دیکھا تو اردگرد آ گئے اور اسی دوران میں بجیر بن اوس نے پیچھے سے سر پر تلوار کا وار کیا اور بُریر شہید ہو گئے۔

کتاب نورالائمہ میں ہے کہ بجیر بن اوس کے چچازاد عبداللہ بن جابر بجیر کے پاس آیا اور اس کی ملامت کی اور کہا: اے بدبخت! کیا تو نے اچھا کیا ہے کہ جس پر فخر بھی کر رہا ہے؟ خدا کی قسم! بُریر قہرمان اور خاصانِ خدا سے تھے اور قاری و حافظ قرآن تھے۔ بہت بڑے صائم، قائم، عابد اور تہجد گزار تھے اور تجھ ناپاک کے علاوہ کوئی ان کے خونِ ناحق کو نہ بہاتا۔

بجیر اپنے اس کام سے شرمندہ ہوا اور نادم و پریشان میدانِ جنگ سے نکل گیا اور افسوس کرتا رہا۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب بُریر کی ضرب سے یزید بن معقل مارا گیا تو ایک ناپاک شخص رضی بن منقذ عبدی نے بُریر پر حملہ کیا اور بُریر نے اس پر حملہ کیا۔ ایک گھنٹہ ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے بالآخر بُریر نے اُسے زمین پر دے مارا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ رضی نے اپنے لشکر کی طرف دیکھ کر استغاثہ کیا تا کہ نجات ملے تو کعب بن جابر نے بڑھ کر جنابِ بُریر پر حملہ کر دیا اور اپنا نیزہ جنابِ بُریر کی پشت میں مارا۔ جب بُریر نے نیزہ لگنے کا احساس کیا تو اپنے آپ کو رضی پر گرا دیا اور اس کے چہرے کو دانتوں میں لیا اور ناک کو کاٹ دیا۔

دوسری طرف کعب بن جابر نے زور سے نیزہ مارا جو بُریر کی پشت میں چلا گیا اور وہ رضی کے جسم سے گر پڑے اور کعب نے بار بار جنابِ بُریر پر تلواروں کے وار کیے جس سے جنابِ بُریر شہید ہو گئے۔ رضی زمین سے اُٹھ بیٹھا اور کعب سے کہا کہ مجھے نعمت عطا کی جو زندگی بھر نہ بھولے گی۔ جب کعب بن جابر واپس آیا تو اس کی بیوی یا بہن نوار نے کہا کہ تو نے قاریوں کے سردار کو قتل کر کے ایسا کام کیا ہے خدا کی قسم! اب تم سے عمر بھر کلام نہ کروں گی۔

وہب بن عبداللہ بن حباب کلبی کی شہادت

جنابِ بُریر بن خضیر ہمدانی کے بعد وہب بن عبداللہ بن حباب کلبی کی مبارزت طلبی ہے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خوبصورت، خوش سیرت، سرخ رخسار، چہرہ مثلِ چاند، بال مثلِ مشک سیاہ، موزوں قد رشید تھے۔ وہب پہلے نصرانی تھے لیکن جب منزلِ ثعلبیہ سے امام حسینؑ کا گزر اس کے خیمے کے پاس سے ہوا اور پانی کا میٹھا چشمہ ظاہر کیا تو پھر وہب نے چشمہ دیکھا اور ماں نے پورا واقعہ سنایا تو اس کے دل میں نورِ ایمان نے روشنی پیدا کردی اور اپنا خیمہ اُکھاڑ کر ماں اور نئی دلہن (بیوی) کو لے کر امامؑ کے پاس آیا، مسلمان ہوا۔ اس کی ماں کا نام قمر تھا۔ جب روزِ عاشور امامؑ کی غربت دیکھی تو اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا: اے میری جان! تم جانتے ہو کہ مجھے تم سے اس قدر محبت ہے کہ تمہارے بغیر ایک گھنٹہ گزارنا بھی مشکل ہے لیکن اس کربلا کے صحرا میں عزیزِ زہراءؑ کی تنہائی اور غربت قابلِ برداشت نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی جان قربان کردوں تاکہ میں مادری حق بخش دوں اور قیامت تک راضی ہوں۔

وہب نے عرض کیا: اے مادرِ مہربان! آپ مطمئن رہیں میں اطاعت کروں گا اور اپنی یہ جان شاہِ دوعالمؑ پر قربان کردوں گا۔ لیکن اماں اس نوبیاہتا بیوی کا کیا بنے گا کہ جس نے غربت میں ہمارے ساتھ موافقت کی اور ابھی تک اس نے ہمارے وصال سے کوئی میوہ بھی حاصل نہیں کیا۔ اماں اگر اجازت دیں تو اپنی بیوی کو اپنی شہادت پر راضی کرلوں اور اپنی شہادت پر اس کی دلداری کرلوں۔

ماں نے کہا: اے میری آنکھوں کے نور! بے شک جاؤ لیکن یہ یاد رکھو کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں، تجھے کسی افسانہ میں فریب نہ دے کیونکہ عورتیں مردوں کو لوٹتی ہیں، خبردار! بیوی کی باتوں میں آکر سعادتِ ابدی اور ہمیشہ کی دولت سے محروم نہ ہو جانا۔

وہب نے کہا: مادر! آپ مطمئن رہیں میں نے محبتِ حسینؑ پر ایسی کمر باندھی ہے کہ کوئی فریب کی انگلی اسے نہیں کھول سکتی۔ پس وہب اپنی بیوی (جس کی ابھی شادی ہوئی تھی) کے پاس آیا، دیکھا کہ وہ خیمہ کے کونے میں زانو پر سر رکھے ہوئے

غمناک اور پریشان ہے اور دریائے غم میں ڈوبی ہوئی ہے اور رخساروں پر آنسو موتیوں کی طرح گر رہے ہیں۔ جوں ہی زوجہ کی نظر وہب پر پڑی تو کھڑی ہوگئی اور استقبال کیا۔ وہب نے زوجہ کا ہاتھ پکڑا کھلے چہرے اور نرم زبان سے کہا: اے میری دل نواز اور ہمدرد و مونس! اے میری جان! تجھے معلوم ہے کہ فرزندِ رسولؐ کا اس بیابانِ کربلا میں لشکرِ کفر نے محاصرہ کیا ہوا ہے اور حضرتؑ کی غربت کی حالت مَیں نہیں دیکھ سکتا، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اپنی جان اُن پر قربان کردوں اور شہادت کی منزل پر فائز ہوجاؤں تا کہ بروزِ قیامت خدا کی رضا اور رسول اللہؐ کی شفاعت، بتولِ عذرا کی خوشنودی اور مولا علیؑ کی عنایت حاصل کرسکوں اور ان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔

زوجہ نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے عرض کیا: اے میرے غم گسار! اے میرے وفادار انیس! میری ہزار جان امام حسینؑ کے غلاموں پر قربان! کاش کہ اگر شریعت میں عورت کو جنگ کی اجازت ہوتی تو میں بھی اپنی جان آقا و مولا حسینؑ پر قربان کردیتی کیونکہ یہ ایسے بزرگوار ہیں کہ نہ تو ان سے جان پیاری کی جاسکتی ہے اور نہ ان کو غربت میں چھوڑا جاسکتا ہے، تو اس حالت میں کیسے تجھے روک سکتی ہوں۔ البتہ مَیں جانتی ہوں کہ جو شخص آج اس گرم صحرا میں اپنی جان اس مظلوم پر قربان کرے گا تو حوریں، نشاط اور سرور سے استقبال کریں گی اور ان کی تمنا ہوگی کہ ہم جنت مَیں ایسی جنّتی کے ساتھ رہیں۔ مجھے یہ وہم ہے کہ جیسے دنیا میں آپ سے محروم ہو رہی ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آخرت میں بھی آپ کے جمال سے محروم رہوں اور آپ حوروں کے جمال کی وجہ سے مجھے بھول جائیں۔ لہٰذا میری خواہش ہے کہ دونوں فرزندِ رسولؐ کی خدمت میں جاتے ہیں، ان کے حضور میں میرے ساتھ وعدہ کرو کہ اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھو گے جب تک مجھے ساتھ نہ لے جاؤ۔

وہب نے قبول کیا اور دونوں فرزندِ زہراءؑ کی خدمتِ اقدس میں آئے۔ زوجہ نے گریہ و زاری، تضرع سے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میں نے سنا ہے کہ جو شہید بھی گھوڑے سے زمین پر آتا ہے، جنّتی حوریں اس کے پاس پہنچ جاتی ہیں اور قیامت تک اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ یہ میرے شوہر آپؑ پر اپنی جان قربان کرنا چاہتے ہیں، میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، ابھی تک میں نے اس سے کوئی استفادہ نہیں کیا اور اس صحرا میں غریب اور لاچار ہوں۔ یہاں نہ میرے ماں باپ، نہ بھائی، نہ خاندان، نہ مونس نہ ناصر، کوئی بھی نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ روزِ قیامت میرے شوہر میرے بغیر جنت مَیں قدم نہ رکھیں۔

میری دوسری گزارش ہے کہ مجھے آپؑ کے سپرد کردے اور آپؑ مجھے اپنے خانوادے کی سردار جنابِ زینبؑ خاتون کے سپرد کریں تا کہ جب تک زندہ رہوں میں جنابِ زینبؑ کبریٰ اور آپؑ کی بیٹیوں کی نوکری کرتی رہوں۔

امام حسین علیہ السلام اور اصحاب اس نئی دلہن کی اس تمنا پر بہت روئے۔ وہب نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! مجھے یہ شرط قبول ہے کہ روزِ قیامت اپنی زوجہ کو طلب کروں گا اور جب آپؑ کے جدِّ امجد رسولِ گرامیؐ کی شفاعت سے جنت میں

جانے کی اجازت ملے گی تو اپنی اس زوجہ کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گا، پس میں اسے آپؑ کے سپرد کرتا ہوں اور آپؑ اسے اپنے خانوادہ کی مخدراتِ عصمت کے سپرد کر دیں۔ یہ کہا اور اجازتِ جہاد طلب کی۔

اجازت ملی تو اپنے خیمہ میں آ کر جنگی اسلحہ اٹھایا اور داؤدی زرہ پہنی۔ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے چہرے سے خود سر پر رکھی، نیزہ ہاتھ میں لیا اور ملکی ڈھال اٹھائی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اچانک میدان میں نکل آیا۔ پہلے امام حسینؑ کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا پھر گھوڑے کو اس دشتِ کربلا میں جولان دی اور ایسے کرتب دکھائے کہ ہر واقف و ناواقف اور ہر دوست دشمن نے آفرین کہی۔ پھر مبارزہ طلبی کی اور جو بھی مقابل میں آیا تو نیزہ سے گھوڑے کی پشت سے زمین پر پھینکتا جاتا اور کبھی تلوار سے دو ٹکڑے کر دیتا تھا جب بہت سے دشمنوں کو جہنم پہنچایا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے تو ایک مرتبہ میدان سے ماں کے پاس آیا اور عرض کیا: اماں! اب مجھ پر راضی ہو یا نہیں؟

ماں نے کہا: ہاں راضی ہوں۔ بڑی جوانمردگی سے جنگ کی ہے تم نے لیکن میری خواہش ہے کہ جب تک تمہاری جان میں جان ہے جنگ میں سُستی نہ کرنا۔

بیٹے نے عرض کیا: اماں! آپ کے حکم پر عمل کروں گا لیکن اگر اجازت ہو تو ایک مرتبہ اپنی بیوی کو الوداع کہہ دوں؟ ماں نے اجازت دی، وہب خیمہ میں آیا تو دیکھا زوجہ نظر نہیں آئی لیکن دُکھی بین کی آواز آرہی ہے۔ تڑپ کر کہا: کون ہے اس قدر دکھی انداز سے رونے والا، تو ایک کونے سے آواز آئی: میں اُجڑی اپنے سہاگ کے لٹنے پر گریہ کناں ہوں کہ چند لحظوں کے بعد میری دنیا تاریک ہو جائے گی۔

وہب نے زوجہ کو تسلی دی اور الوداع کہہ کر خیمہ سے نکلے اور دوبارہ میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔ لوگو! میرا امیر حسینؑ ہے اور وہ وہی بہترین امیر ہے۔ پھر مبارزہ طلبی کی تو حکیم بن طفیل میدان میں آیا۔ جوں ہی وہ آیا۔ آتے ہی وہب نے اس پر حملہ کیا۔ نیزہ سے اسے زمین پر پھینکا اور اس قدر زور سے زمین پر مارا کہ اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور ہر دو لشکروں سے ہائے ہائے کی آواز آئی۔ پھر کوئی میدان میں نہ نکلا تو وہب نے گھوڑے کو مہمیز لگائی اور لشکرِ کفر پر حملہ آور ہو گیا۔ دائیں بائیں دونوں طرف لڑتا رہا، گھوڑوں کو نیزے مار کر زمین پر گرا دیتا تھا حتیٰ کہ وہب کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ پھر تلوار سے حملہ آور ہو گیا۔ اس قدر جنگ کی کہ فرشتوں نے ہزار زبان سے تلوار کی رفتار پر آفرین کہی۔

لشکرِ کفر اس جوان سے بہت خوفزدہ ہوا تو عمر بن سعد نے فریاد کی: اے مردنما عورتو! کیا ہو گیا ہے ایک تازہ جوان کی تلوار سے اس قدر دُور بھاگ رہے ہو، یہ لوہے کا بنا ہوا تو نہیں کہ اس پر کوئی تلوار اور تیر کارگر ثابت نہیں ہوتا۔

عمر بن سعد کی یہ للکار سن کر لشکرِ کفر نے وہب کو گھیر لیا اور تلواریں، تیر، نیزے اور پتھر مار کر ان کے جسم کو چھلنی کر دیا۔

فَوَقَعَت بِہٖ سَبعُونَ ضَربَۃً وَنَبلَۃً وَجَعَلُوہُ وَجَوادَہٗ کَالقُنفُذِ مِن کَثرَۃِ النبل والسھام ''یعنی تلوار کے ستر زخم تھے، نیزوں اور تیروں کے زخم اس کے علاوہ تھے اور وہب اور ان کا گھوڑا کثرتِ تیر و نیزہ لگنے کی وجہ سے خار پشت کی طرح ہوگیا تھا''۔ اسی دوران میں ایک بدبخت نے کمین لگا کر تیز تلوار سے گھوڑے کی چاروں ٹانگیں کاٹ دیں اور گھوڑے کے گرنے سے وہب بھی زمین پر گرے اور دونوں خاک و خون میں غلطاں ہوگئے۔

جناب مرحوم مجلسیؒ نے بحار اور سید نے لہوف میں لکھا ہے: اَخَذَت اِمرَاتُہٗ عُمُودًا وَاَقبَلَت نَحوَہٗ کہ وہب کی زوجہ نے اپنے شوہر کی یہ حالت دیکھی تو ایک عمود اٹھایا اور خون میں غلطاں اپنے شوہر کے پاس پہنچی اور پروانوں کی طرح اپنے شوہر کے اردگرد بھاگتی تھی اور لوگوں کو وہب سے دُور کرتی تھی۔ اب وہب میں اٹھنے کی سکت نہ رہی تو بیوی کو آستین سے پکڑ کر اُسے خیمے میں جانے کی تاکید کی لیکن وہ کسی صورت اس حال میں اپنے شوہر کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھی۔ اس لیے عرض کیا: اے میرے مونس اور غم خوار! مجھ پر افسوس کہ تجھے اس حالت میں چھوڑ کر چلی جاؤں۔

امام حسینؑ نے جب ان دونوں کی گفتگو سنی کہ وہب اپنی زوجہ کو خیمہ میں بھیجنا چاہتا ہے اور وہ جدا ہونے کو تیار نہیں تو وہیں سے امامؑ نے آواز دی: اِرجِعِی رَحِمَكِ الله ''اے زوجۂ وہب! خدا تجھ پر رحمت کرے ان عورتوں کے پاس واپس آجاؤ''۔

زوجۂ وہب امامؑ کا حکم سن کر وہب سے مایوس ہوکر خیمہ کی طرف واپس آئی اور وہب کی ماں کے پاس پہنچی اور اپنے شوہر کے فراق میں زمین پر گر پڑی اور سر میں خاک ملائی۔

مرحوم شیخ صدوق نے امالی میں یہ روایت بیان کی ہے کہ زوجہ وہ عمود لے کر لشکرِ کفر پر حملہ آور ہوگئی اور جب ایک ظالم نے وہب کے دائیں طرف ضرب لگائی اور دایاں بازو جدا ہوگیا تو وہب نے وہی عمود بائیں ہاتھ میں لے کر حملہ کردیا جبکہ دائیں ہاتھ سے خون کا فوارہ بہہ رہا تھا تو جس ملعون نے ضرب لگا کر وہب کا دایاں بازو شہید کیا تھا، اسی پر حملہ کیا اور اس کو فی النار کردیا۔ اسی دوران میں ایک ملعون نے جنابِ وہب کا بایاں بازو جدا کردیا۔ وہب زمین پر گر گئے اور لشکرِ کفر نے وہب کے اردگرد بھنگڑا ڈالا اور ان کو قیدی کیا۔ ابھی جان باقی تھی، ان کو عمر بن سعد کے پاس لائے۔ اس ملعون نے چند گالیاں بکنے کے بعد حکم دیا کہ ان کا سر جدا کر کے اس کی ماں کے قدموں میں پھینک دو۔ انہوں نے ایسا کیا، تو وہب کے سر کو زوجہ سے اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھا اور میل سرمہ سے اپنے شوہر کے خون سے اپنی آنکھوں کو خونی سُرمہ لگایا اور پھر خود اپنے شوہر کے بے سر بدن کے پاس آئی اور لاش پر گر پڑی اور اس قدر بین کیے کہ ہر دوست دشمن کو رُلا دیا۔ شمر ملعون نے اپنے غلام کو بھیجا کہ وہب کی زوجہ کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردے۔ یہ بدبخت غلام آیا تو جیسے ہی وہ شوہر کی لاش پر گریہ کناں تھی تو عمود سے اس قدر زور

سے اس مظلومہ کے سر پر ضرب ماری کہ سر شدید زخمی ہوگیا اور زوجہ کی روح شوہر کی لاش پر ہی پرواز کرگئی۔

وہب کی ماں میدان میں آئی، اپنے بے سر بیٹے کی لاش کو دیکھا تو ایک لحظہ کو ماتم کیا، پھر اُٹھ کر ملعونوں کو خطاب کر کے کہا: اب میرے لیے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اے ملعونو! میں گواہی دیتی ہوں کہ یہودی اور نصرانی تم سے بہتر ہیں، تم نے اپنے پیغمبرؐ کے بیٹے کو قتل کرنے کا پختہ عزم کیا ہوا ہے۔

ابو مخنف کی روایت کے مطابق اپنے بیٹے کا سر اُٹھا کر لشکرِ کفر کی طرف اس قدر زور سے مارا کہ ایک ملعون کو فی النار کردیا اور کہا: اے بے حیا لوگو! ہمارے نزدیک جو سر قربان کیا جاتا ہے واپس لینا وفا کے خلاف ہے۔ پھر یہ ماں اپنے بیٹے کے خیمہ میں آئی تو خالی خیمہ کو اکھیڑ دیا اور خیمہ کی چوب کو اٹھایا اور میدان میں آ گئی اور ان ملعونوں پر حملہ کردیا اور دو ملعونوں کو فی النار کردیا۔

امام حسینؑ نے جب یہ دیکھا تو آواز دی: اے مستورِ مدینہ! واپس آ جاؤ، عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے، میں ضامن ہوں کہ تم اور تمہارا بیٹا دونوں میرے نانا کے پاس ہوں گے۔

مادرِ وہب واپس آئی اور روتی ہوئی لوٹی۔ امامؑ نے اپنی مستورات کو فرمایا کہ مادرِ وہب کو تسلی دیں۔ کبھی کبھی جب مادرِ وہب کے بین بلند ہوتے تھے تو خود امام حسینؑ اسے تسلیاں دیتے تھے۔

وہب کے بعد عمرو بن خالد شہید ہوئے۔ ان کے بعد خالد بن عمرو بن خالد شہید ہوئے۔ ان کے بعد سعد بن حنظلہ تمیمی شہید ہوئے۔ ان کے بعد جناب عمیر بن عبداللہ مذحجی شہید ہوئے۔ ان کے بعد جناب حماد بن انس شہید ہوئے۔ ان کے بعد جنابِ وقاص بن عبید شہید ہوئے۔ ان کے بعد جناب شُریح بن عبید شہید ہوئے۔

جنابِ ہلال بن نافع کی شہادت

بقول ابی مخنف یہ بزرگوار حضرت علیؑ کے پروردہ ہیں اور تیراندازی میں اس قدر مشہورِ زمانہ تھے کہ ہر تیر پر اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھتے تھے تاکہ جہاں تیر لگے معلوم ہوجائے کہ کس کا تیر ہے۔ ان کا تیر کبھی خطا نہیں ہوا بلکہ رات کی تاریکی میں بھی کسی کی آنکھ کو نشانہ بنا سکتے تھے۔ چند صحابہ کی شہادتوں کے بعد ان کی رگوں میں جوش آیا اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جہاد کی اجازت ملی اور یہ کامیاب دلیر اور شجاع، غضنفر میدان میں آئے۔ لشکرِ کفر پر نگاہ کی تو لشکرِ کفر گھبرا گیا۔ اُنہوں نے تیر کمان سیدھی کی اور ابو مخنف کے مطابق ستر ملعون کو تیروں کا نشانہ بنایا اور ان کو جہنم کے سپرد کردیا۔ اور یہ رجز پڑھ رہے تھے: "اے ملعونو! میں یمنی بجلی جوان ہوں۔ میرا دین حسینؑ اور علیؑ کا دین ہے۔ آج میری جنگ میری آرزو ہے اور میری اس رائے پر میرا

عمل دیکھ رہے ہو۔

جنابِ قزوینی نے ریاض الاحزان میں لکھا ہے کہ جب ترکمان کے سارے تیر اپنے نشانے پر مار دیئے تو تیر کمان کو توڑ دیا اور افسوس سے لبوں کو کاٹتے ہوئے تلوار اٹھائی اور غلاف سے نکالی اور اس برق رفتاری، شرر بار سے حملہ شروع کیا۔ رکابوں پر زور دیا اور لگام ڈھیلی کردی اور قلبِ لشکر پر حملہ کردیا۔ آپ کی تلوار کے شعلے دشمن کے دلوں کو جلا رہے تھے۔ کثیر تعداد کو واصل جہنم کیا لیکن ہائے افسوس کہ یہ شاہسوار پیاس کی آگ میں جل رہا تھا۔ نوکِ زبان سے ناف تک خشکی ہی خشکی تھی اور ہوا کی گرمی نے ان کے بدن کی چاندی کو زردی مائل کردیا تھا۔ اگرچہ یہ شیردل بہت بہادر، چالاک اور دلیر تھے لیکن دشمن کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ جس قدر ان کو قتل کرتے ان کی تعداد میں فرق محسوس نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح لڑتے لڑتے ان کے بدن سے خون ریزی ہوتی رہی جس سے وہ کمزور ہوگئے۔ اسی دوران میں ایک ظالم نے چھپ کر گرز سے وار کیا اور آپ کا دایاں ہاتھ بے کار کردیا۔ جنابِ ہلال نے چُستی سے تلوار بائیں ہاتھ میں لی اور اس ملعون کو مارنا چاہا تاکہ اس سے انتقام لیں لیکن ایک اور ملعون نے چھپ کر بائیں بازو پر وار کردیا اور وہ بازو کٹ گیا۔ جب دونوں بازو کٹ گئے تو ان کو گرفتار کرلیا۔ جنابِ ہلال کے نزدیک روزِ روشن تاریک ہوگیا۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھتے اور جس طرف دیکھتے اور جہاں تک نظر جاسکتی تھی دشمن ہی دشمن ہے اور کوئی یار و مددگار نہ تھا۔

ان ملعونوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے دونوں بازو کٹ گئے اور اب یہ کچھ بھی نہیں کرسکتے تو ان پر ہجوم کردیا اور پکڑ کر گھسیٹ کر ابن سعد کے پاس لے گئے۔ ابن سعد نے گالیاں بکنا شروع کردیں۔ اسی اثنا میں شمر نے اس مظلوم کی گردن پر تلوار ماری اور سرتن سے جدا کردیا۔

شہادت جنابِ نافع بن ہلال بجلی

زیارتِ شہداء میں ہے: السلام علٰی نافع بن ھلال البجلی المرادی تو یہی مراد ہیں کہ اپنے بابا ہلال کی شہادت کے بعد میدان میں آئے۔ مرحوم واعظ قزوینی نے حدائق الانس میں شہادت کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ نافع بن ہلال کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، زوجہ بھی کربلا میں ساتھ تھی۔ یہ اپنے بابا کے بعد امامؑ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے کہ زوجہ نے ہاتھ پکڑ لیا اور میدان میں جانے سے روکا۔ نافعؒ اپنے باپ کی شہادت اور شہنشاہِ کربلا کی پیاس وغربت کو برداشت نہ کرسکتا تھا، اس لیے اس نے کہا: لَکِ الشِکِ والوَیل اَمَا تَری الحُسَین وَعِیَالہ وَ اولَادہ ''اے زوجہ! کیا تم امام حسینؑ اور ان کی اہلِ بیتؑ کی غربت کی حالت نہیں دیکھتی؟ کہ کس طرح دشمنوں کے چنگل میں گھر چکے ہیں''۔

اگر آج میں ان کی نصرت نہ کروں تو پھر میری غلامی بے کار ہے۔ امامؑ کے سمعِ مبارک تک ان کی آپس کی گفتگو پہنچی تو فرمایا: یَابن هِلالٍ لَا تُكَدِّرْ عَيْش العَيَال "اے ہلال! آپ نے تازہ شادی کی ہے، آپ کی زوجہ آپ کی وجہ سے بہت پریشان ہورہی تھی لہٰذا اس کی زندگی کو دکھی اور پریشان نہ کرو"۔

نافع نے عرض کیا: میں قربان جاؤں اگر آج آپؑ کو اس حالت میں دیکھ کر خاموش رہوں تو کل آپؑ کی جدِّ امجد رسولؐ کو کیا جواب دوں گا؟ آپؑ کو پیغمبرؐ کی روح کا صدقہ مجھے اذنِ جہاد عطا فرمائیں تا کہ اس حقیر جان کو آپؑ کے اُوپر قربان کروں۔

حضرتؑ نے اجازت دی اور داغ دار دل کے ساتھ یہ نوجوان خیمے سے نکلا۔ صاحبِ ریاض الاحزان لکھتے ہیں: فَبَرَزَ مِن بَعدِ اِذنِ الامَام مِن حِصَارِ الخِيَام كَالضَّرغَام العبوس مِنَ الاجام مَعَ الرُّمح وَالحِسَام وَالقَوس وَقَنَادِيل السِّهَام "یعنی جوں ہی امامؑ نے اجازت دی تو خیمہ سے ایک بہادر جوان، غضبناک شیر کی طرح باہر نکلے جبکہ نیزہ، تلوار، تیر کمان اٹھائے ہوئے تھے۔ جب میدان میں آئے تو لشکر ابن سعد کی طرف دیکھا اور یہ رجز پڑھا: "میں یمنی بجلی جوان ہوں، میرا دین حسینؑ اور علیؑ کا دین ہے۔ میں تمہیں بہادر جوان کی طرح ماروں گا اور خدا مجھے شہادت دے گا"۔

ابن سعد کے لشکر سے مزاحم بن حریث نے جواب دیا کہ میں تو عثمان کے دین پر ہوں۔

نافع نے فرمایا: تم شیطان کے دین پر ہو، ابھی تمہاری گردن جدا کرتا ہوں اور ایک کاری ضرب سے اس عثمانی ملعون کا سر جدا کردیا اور تلوار کو آفرین کہا۔ پھر جب میدان میں کوئی نہ نکلا تو انہوں نے لشکر پر حملہ کردیا۔ چونکہ یہ جوان پیاسا تھا اور لڑتے لڑتے تھک گیا تو لشکرِ یزید نے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور ہر طرف سے ان پر حملہ شروع کردیے۔ کسی نے تیر مارا، کسی نے تلوار ماری، کسی نے نیزہ مارا اور پشت میں سوراخ کردیئے۔ کثیر خون ریزی کی وجہ سے کمزور ہوگئے اور ہاتفِ غیبی کی آواز آئی کہ اے جوان! اِرجِعِي اِرجِعِي "آجاؤ، آجاؤ" اور جان پرواز کرگئی۔ نافع کی روح اپنے باپ ہلال کی روح سے جاملی اور دونوں جنت کے ساکن ہوگئے۔

جنابِ مسلم بن عوسجہ کی شہادت

صاحبِ ارشاد نے لکھا ہے کہ جب اصحابِ حسینؑ کی شجاعت اور دلیری اور جوانمردی سے لشکرِ ابن سعد کے بہت سے سپاہی قتل ہوگئے تو عرب کے جنگ کے دستور کے مطابق اور امام حسینؑ سے طریقۂ جنگ (مبارزہ طلبی) کو توڑ دیا گیا اور عمر بن حجاج نے لشکرِ کفر کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

اے احمقو! نادانو! کیا تم جانتے ہو کہ کن لوگوں سے جنگ کر رہے ہو۔ کب تک ان شیروں سے لڑتے رہو گے، یہ تو موت کو شہادت کی سعادت سمجھتے ہیں اگر اسی طرح مبارزہ طلبہ کا طریقہ جاری رہا تو یہ ہمارے سارے لشکر کو ختم کر دیں گے، لہٰذا اب کوئی بھی ان کی مبارزہ طلبی کے جواب میں میدان نہ جائے بلکہ جنگِ مغلوبہ (غلبہ کر دینے والی) کی جائے یعنی جو شخص بھی لشکرِ اصحابِ حسینؑ سے آئے اس پر یکبارگی حملہ کر کے قتل کر دو۔

عمر بن سعد نے عمرو بن حجاج کی اس تجویز پر آفرین کہا اور یہی اعلان میدان میں ہوا۔ اس وقت اصحابِ حسینؑ پر تشنگی غالب تھی اور ہر شخص زندگی سے اُکتا چکا تھا بلکہ ایک مرتبہ تو امام حسینؑ نے تلوار کھینچ لی کہ میدان میں جاؤں اور اس قدر جنگ کروں کہ شہید ہو جاؤں۔

اصحابِ حسینؑ سامنے آئے اور عرض کیا: آپؑ اپنی مسند پر تشریف رکھیں جب تک ہم زندہ ہیں آپؑ کو کوئی گزند نہ پہنچنے دیں گے۔ ابھی ہم زندہ ہیں، آپؑ آرام فرمائیں۔

امامؑ نے اصحاب کے جذبات دیکھے تو گریہ فرمایا اور دعا فرمائی: ابن سعد نے مبارزت طلبی کے طریقے کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا کیونکہ اصحاب حسینؑ میں سے ہر صحابی جب تک پانچ سو، ہزار کوفیوں کو قتل نہ کر دیتا شہید نہیں ہوتا تھا۔ پس عمرو بن حجاج لشکرِ کفر سے ذرا دُور ہو کر لشکرِ حسینیؑ کے قریب آیا اور آواز دی: اے اہلِ کوفہ! ذرا خاموش ہو جاؤ اور میری بات سنو کہ اپنے امام یزید (لعین) کی اطاعت پر ثابت قدم رہو اور جو اس سے پیچھے ہٹا وہ دین سے خارج ہو جائے گا۔ پس یہ حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ یہ اور ان کے ساتھی دین سے خارج ہیں، لہٰذا ان کا قتل کرنا واجب ہے، سُستی نہ کرو اور ان کے قتل میں جلدی کرو۔

جب امامؑ نے عمرو بن حجاج کی یہ تقریر سنی تو فرمایا: اے فرزندِ حجاج! لوگوں کو میرے خون بہانے اور قتل کرنے کی ترغیب دے رہے ہو؟ اے ظالم! کیا ہم دین سے خارج اور تم دین پر ثابت قدم ہو؟ خدا جانتا ہے اور تم بھی سارے اچھی طرح جانتے ہو کہ کون دین پر اور کون دین سے خارج ہے۔ اے بے مروت! میرا خون بہا کر تمہیں کچھ نہ ملے گا۔

عمرو بن حجاج نے امامؑ کے یہ جملے سنے تو غضبناک ہوا اور اپنے لشکرِ کفر کو یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دیا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ ابن سعد کے تیراندازوں نے امامؑ کے اصحاب پر تیر برسانے شروع کر دیے اور خیمہ پر شدید جنگ شروع ہوگئی۔ امامؑ کے اصحاب نے اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر لشکرِ کفر کے سامنے آگئے اور دشمنوں نے تیر و شمشیر کے حملوں کو اپنے چہروں اور جسموں پر لیا تا کہ کوئی تیر حسینؑ کی طرف نہ جانے پائے۔

مسلم بن عوسجہ اسدی نے پیچھے سے اس لشکرِ کفر پر حملہ کر دیا اور ان کے ساتھ باقی اصحاب نے لشکرِ کفر پر شدید حملہ

کردیا۔ اس حملہ میں مسلم کے کچھ ساتھی شہید ہوگئے۔ جب مسلم نے دیکھا تو اپنے باقی ساتھیوں کو للکارا کہ میری جان تم پر قربان ہوجاؤں کہ ثابت قدمی سے ان روباہ صفت لوگوں پر شدید حملہ کروں۔

لشکرِ کفر نے مسلم کا محاصرہ کرلیا لیکن مسلم نے شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ دشمن حیران ہوگیا اور ان کے صبر اور استقامت پر تعجب کیا کیونکہ لشکر پر حملہ کرتے اور کبھی پیچھے ہٹ کر دشمنوں کے تیروتلوار کے حملوں کو سینے میں لیتے۔ مسلم بن عوسجہ پیاسے تھے، بوڑھے تھے لیکن جوانوں کی طرح ہر طرف حملہ کررہے تھے اور جس طرح جنگ آذربائیجان میں دشمن کو مجبور کردیا تھا اسی طرح کربلا میں کشتوں کے پشتے لگادیئے۔

اس زاہد، عابد، شب زندہ دار نے روزِ عاشور وہ شجاعت دکھائی کہ آج تک کسی شجاع نے ایسی شجاعت نہیں دکھائی۔ پچاس ملعونوں کو اپنے نیزے سے واصلِ جہنم کیا، سات ملعونوں کو تلوار سے قتل کردیا۔ ان کے علاوہ سیکڑوں کو زخمی اور پامال کیا۔ ہائے افسوس کہ وہ ایک شخص تھا اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مسلم کو لڑتے لڑتے بہت زخم آئے، تیروں کے کثرت سے لگنے کی وجہ سے خار پُشت کی طرح ہوگئے تھے۔

جب ظالموں نے مسلم کو کمزور اور ناتواں دیکھا تو اَطراف سے حملے تیز کردیئے۔ اس قدر تلواروں اور نیزوں کے وار کیے کہ بلند قامت اور سخت جان مسلم کو گھوڑے سے گرادیا۔ جب زمین پر گرے تو ان ملعونوں نے اس قدر زخم لگائے کہ ان کو یقین ہوگیا کہ وہ شہید ہوگئے ہیں اور پھر چھوڑ دیا۔

جب امامؑ کو اس کیفیت کی خبر ملی تو امامؑ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہوگئے اور ٹوٹے دل سے حبیب بن مظاہر کو ساتھ لے کر مسلم کے سرہانے پہنچے۔ ابھی مسلم کی جان باقی تھی۔ جب امامؑ کی نظر مسلم ابن عوسجہ کے زخمی جسم پر پڑی کہ چہرہ خاک آلود ہے تو ان کے سر کو اپنی گود میں لیا اور فرمایا: وَمِنهُم مَن قَضٰی نَحبَه وَمِنهُم مَن یَّنتَظِر "یعنی اے مسلم! مطمئن رہو! ہم تمہارے پیچھے آرہے ہیں اور اکٹھے خدمتِ رسولؐ میں جائیں گے"۔

جب مسلم نے یہ آواز دلنواز سنی تو آنکھیں کھولیں اور حضرتؑ کو دیکھ کر بہت روئے۔ حبیب آگے بڑھے اور کہا: اے بھائی مسلم! خدا کی قسم! میرے لیے آپ کو اس حالت میں دیکھنا بہت مشکل ہے لیکن تمہیں جنت کی بشارت ہو۔

برادرِ مسلم! اگر میں نے تیرے بعد زندہ رہنا ہوتا تو تجھے ضرور کہتا کہ مجھے وصیت کروتا کہ اس پر عمل کروں، لیکن مجھے یقین ہے کہ میں پیچھے آرہا ہوں۔

مسلم نے کہا: برادرِ حبیب! میری ایک وصیت یاد رکھنا۔ حبیب نے کہا: بتائیں کیا وصیت ہے؟

مسلم نے کہا: وَصِیَّتِی عَلَیكَ اَن لَا تَدعَ هٰذَا الغریب وَاسَار اِلَی الحُسَین "میری یہی وصیت ہے کہ اس

غریب کو اکیلا نہ چھوڑنا اور اشارہ امامؑ کی طرف کیا"۔

حبیب نے کہا: اے برادر! مطمئن رہو کہ خدا نے مجھے آج کے دن کے لیے پیدا کیا ہے، اسی اثنا میں مسلم کی روح پُرفتوح بدن سے پرواز کرگئی اور طوبیٰ پر پہنچ گئی۔ حضرت امامؑ کچھ وقت مسلم کی لاش پر ماتم کر کے پھر حبیب کے ساتھ واپس آ گئے۔

جنابِ مسلمؓ بن عوسجہ کے فرزند کی شہادت

جناب مسلمؓ بن عوسجہ کو تین ملعونوں نے مل کر شہید کیا۔ یہ ملعون عبداللہ ضبانی، عبداللہ بن خشکارہ اسدی اور مسلم بن عبداللہ ضبانی تھے جو ہمیشہ میدانِ جنگ میں فخر و مباہات کیا کرتے تھے کہ ہم نے مسلمؓ بن عوسجہ جیسے بہادر کو شہید کیا ہے جب کہ شبث بن ربعی جو اگرچہ خود بھی بڑا ملعون اور شقی تھا، ان تینوں کو گالیاں دیتے ہوئے کہتا تھا کہ اے ظالمو! تمہاری مائیں تمہارے غم میں ماتم کریں تم نے تو اپنی عزت کو قطع کردیا اور اس پر فخر کرتے ہو؟ تم نے اس شخص کو قتل کیا ہے جس نے اسلام میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

جناب محمد بن ابی طالبؒ کی روایت کے مطابق جب مسلم عوسجہؓ کی شہادت کا علم ان کی زوجہ کو ہوا تو اس نے ماتم کیا اور نوحہ کرتے ہوئے کہا: واسیّداھا واعوسجاہ جب مسلمؓ عوسجہ کے خیمہ سے گریہ و ماتم کا شور بلند ہوا تو تمام اصحاب اور مخدراتِ عصمت بھی ضبط نہ کرسکیں اور ہر طرف ماتم ہی ماتم برپا ہوگیا۔

نورالآئمہ میں خوارزمی نے روایت نقل کی ہے کہ جناب مسلم عوسجہؓ کے بیٹے بالکل نوجوان تھے۔ جوں ہی انہیں معلوم ہوا کہ وہ یتیم ہوگئے ہیں تو نالہ و زاری کی پھر فرطِ غم میں نڈھال تلوار اٹھائی اور باپ کا بدلہ لینے میدان میں نکلے۔ حضرت امام حسینؑ نے جب اس تازہ غم دیدہ جوان کو میدان میں جاتے دیکھا تو فرمایا: بیٹے! کہاں جاتے ہو؟ تمہارے باپ شہید ہو چکے ہیں۔ اگر تم بھی آگے بڑھے تو شہید ہوجاؤ گے، تمہاری ماں تمہارے باپ کے غم میں نڈھال ہے، بے مونس ہے، اپنی ماں کے پاس واپس آ جاؤ۔

وہ نوجوان فرمانِ امامؑ پر واپس آ رہے تھے کہ ماں پہنچ گئی اور پوچھا: بیٹا! کیا ارادہ ہے؟ اگر تم نے جہاد سے جی چرایا تو میں تم پر راضی نہ ہوں گی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! واپس آؤ ممکن ہے کہ تمہاری ماں جہاد کرنے پر راضی نہ ہو۔ اس تازہ جوان بچے نے عرض کیا: مولاؑ! میری ماں تو جہاد کا حکم دے رہی ہے۔ امامؑ اور اصحابِ امامؑ کے بے ساختہ آنسو جاری ہوگئے کہ بچے بھی حمایت

اسلام میں شہید ہونا چاہتے ہیں۔

پس یہ نوجوان بچہ میدان میں آیا اور یہ رجز پڑھ کر دشمن کو للکارا: ''میرے امیر حسینؑ ہیں اور وہ بہترین امیر ہیں جو محمدؐ بشیر ونذیر کے دل کا سُرور ہیں، جو علیؑ اور فاطمہؑ کے فرزند ہیں۔ کیا دنیا میں ان کی مثل کوئی ہے؟ یہ رجز پڑھ کر لشکرِ کفر پر حملہ آور ہوگئے۔ پہلے حملے میں بیس افراد کو واصلِ جہنم کیا۔ لڑتے لڑتے پیاس نے نڈھال کردیا اور دشمنوں نے ہجوم کردیا اور زخمی کردیا جس کے باعث زمین پر گر گئے اور ان کا سر جدا کرلیا گیا۔ دشمنوں نے ان کا سر امام حسینؑ کے لشکر کی طرف پھینک دیا۔

ان نوجوان کی ماں دوڑی اور سر کو اُٹھا کر بوسہ دیا اور کہا: اے میری آنکھوں کے نور! آفرین ہے تم پر کہ تو نے مجھے جنابِ زہراءؑ کے سامنے سرخرو کردیا ہے۔ پھر اپنے بیٹے کے سر کو لشکر ابن سعد کی طرف پھینکا اور ایک کو قتل کردیا۔ پھر خود خیمہ کا عمود لیا اور کہا کہ اب شوہر اور بیٹے کے بعد زندگی بے کار ہے اور پھر ان ملعونوں پر حملہ کردیا اور یہ رجز بھی پڑھا: ''میں بوڑھی ہوں، دُکھی ہوں، کمزور ہوں لیکن ایسے حملہ کروں گی کہ آخر دم تک بنی فاطمہ زہراءؑ کا دفاع کرتی رہوں گی''۔ یہ رجز پڑھا اور عمودِ خیمہ کی ضرب سے دو ملعونوں کو قتل کردیا۔

ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق اس ضعیفہ داغ دیدہ کو لشکر نے محاصرہ کرکے اپنے بیٹے اور شوہر سے ملحق کردیا۔

ظہرِ عاشورہ سے پہلے لشکر ابن سعد کے حملے

کتبِ معتبرہ سے استفادہ ہوتا ہے کہ طلوعِ آفتاب سے دونوں لشکروں کی ایک دوسرے کے مدمقابل صف آرائی تھی لیکن ظہر کے نزدیک لشکر ابن سعد نے اپنا زور لگا کر چار حملے کیے کہ جلدی سے امام حسینؑ کو قتل کیا جائے، ان کی تفصیل یوں ہے:

● پہلا حملہ: جب عمرو بن زبیدی حجاج اور ابن سعد نے ایک ایک کی مبارزہ طلبی کے معاہدے کو توڑنے کا حکم دیا تو لشکر ابن سعد میں جوش وخروش پیدا ہوا، سوار اور پیدل دونوں حرکت میں آ گئے۔ پیادوں کا امیر شمر تھا اور سواروں کا امیر عمرو بن حجاج زبیدی تھا۔ کبھی میسرہ سے شمر اپنے پیادہ لشکر کو ولولہ دیتا تھا اور کبھی عمرو بن حجاج میمنہ کو جولان دیتا تھا۔ کبھی شمر میسرہ سے امامؑ کے لشکر کے میمنہ پر حملہ کرتا اور کبھی عمرو بن حجاج اپنی فوج سے امامؑ کے لشکر پر حملہ کرتا ہے لیکن حملہ کارگر ثابت نہیں ہوا کیونکہ امامؑ کے اصحاب گھوڑوں سے اُتر کر زانو زمین پر ٹیک لگا کر اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے نیزے پکڑتے اور آتے گھوڑوں کی آنکھوں میں مارتے تھے جس سے گھوڑے رُک جاتے اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھتے تھے لہٰذا لشکرِ کفر ذلت اور خفت سے پسپا ہونے پر مجبور ہوا اور شکست کھائی اور پیچھے بھاگنے لگا تو اصحاب نے نیزے زمین پر رکھ دیئے اور تیر چلانے شروع کیے جس سے

کافی یزیدی قتل ہوگئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔

● دوسرا حملہ: پہلے حملے کے ناکام ہونے پر شمر نے عمرو بن حجاج کی سرزنش اور ملامت کی اور خود امام علیہ السلام کے لشکر پر حملہ آور ہوگیا۔ شمر نے اپنے پیادہ لشکر کو للکارا، سواروں کو پیادہ کی مدد کے لیے بلایا اور دونوں کو جنگ پر برانگیختہ کر کے امامؑ کے میسرہ پر حملہ کر دیا۔ جبکہ میسرہ کے سردار جناب حبیب بن مظاہر اسدی جیسے شجاع تھے، انہوں نے ایسا مقابلہ کیا کہ اس کثیر لشکر کے مقدمے کو روکا اور بلند نیزوں سے لشکر کے تکبر کو توڑ دیا حالانکہ امامؑ کے لشکر میں صرف ۷۲ سوار تھے۔ انہوں نے ایسا جواب دیا کہ ٹڈی دل لشکر ایک دوسرے کے اُوپر گر رہا تھا اور شمر کے حملے کو ناکام بنایا اور وہ ذلیل وخوار ہوکر پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا۔

● تیسرا حملہ: جب ان دو حملوں سے پسپائی عروہ بن قیس نے دیکھی تو عمر سعد کو پیغام بھیجا کہ امامؑ کے لشکر کا مقابلہ کرنا آسان نہیں لہٰذا اور سوار اور پیادہ دستہ مجھے دو تو میں حملہ کرتا ہوں۔

علامہ قزوینی نے ریاض الاحزان میں لکھا ہے کہ یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ اس میں امام علیہ السلام کے اکثر اصحاب شہید ہوگئے اور باقی جو بچے سب زخمی ہوئے اور تھک گئے تھے۔ جب یہ کیفیت علیؑ کے غضب حضرت عباسؑ نے دیکھی کہ عروہ بن قیس تازہ لشکر لے کر شمر کی حمایت سے ہمارے لشکر کو تار و بار کر رہا ہے تو اللہ کے شیر کی غیرت نے جوش مارا اور ہاشمی جوانوں کو حکم دیا کہ ڈھال، تلواریں لے کر نکلیں اور حبیب بن مظاہر کی نصرت کریں۔

جب عروہ نے دیکھا کہ اب حضرت عباسؑ بھی اصحابِ امامؑ کی نصرت کے لیے آ رہے ہیں تو ابن سعد کے لشکر کے دن کی روشنی رات کی تاریکی بن گئی اور مجبوراً لشکرِ کفر نے فرار کرنے میں اپنی نجات سمجھی۔ ابن سعد کو جا کر کہا کہ امام حسینؑ کی یہ تھوڑی سی جماعت کس قدر شجاع ہے کہ ہمیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا، اس قلیل جماعت کی فکر کرو۔

● چوتھا حملہ: ابن سعد نے عروہ اور شمر کی درخواست پر تیراندازوں کا تازہ لشکر حصین بن تمیم کی سرداری میں مدد و نصرت کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ جاتے ہی اصحابِ حسینؑ پر اس قدر تیروں کی بارش برسائیں کہ ان کا لشکر صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔

اب چوتھے حملے میں لشکرِ کفر نے ایک طرف سے تلواروں کا حملہ کیا تو دوسری طرف سے تیراندازوں نے تیروں کی بارش کر دی۔ ایک طرف سے پتھر مارنے والوں نے ہجوم کر کے لشکرِ حق کا محاصرہ کر لیا اور پیادہ فوج گھوڑوں کو گرانے کے لیے کمین گاہوں میں بیٹھ گئی۔

مرحوم مفیدؒ فرماتے ہیں: اس ترکیب سے لشکرِ حق کے گھڑسوار زمین پر گرتے گئے اور وہ ملعون ایک ایک کا محاصرہ کر کے شہید کرتے رہے۔ لشکرِ حق کے پیادوں پر تیر برسائے گئے، جس سے ان کے خون بہتے رہے۔ یہ اصحاب پھر بھی بڑی دلیری

سے لڑتے رہے اور جوانمردی دکھاتے رہے۔ جب کچھ اصحاب شہید ہوگئے تو اصحاب کا گریہ وزاری بلند ہوا۔ امام حسینؑ نے یہ گریہ وزاری کی آوازیں سنیں تو خود اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے اصحاب کی نصرت کے لیے میدان میں آئے تو اصحاب نے اسداللہ الغالبؑ کی طرح جنگ کرتے امام حسینؑ کو دیکھا کہ لشکرِ کفر کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح مار رہے ہیں تو اصحاب میں اور زیادہ طاقت اور جرأت پیدا ہوئی اور بھوکے شیروں کی طرح لشکرِ کفر پر حملہ کر دیا، اس طرح کوفہ وشام کے لشکر کو خیام سے دُور کر دیا۔

کچھ اصحاب امامؑ پروانوں کی طرح امام علیہ السلام کے اردگرد چکر لگاتے رہے۔ اگر کوئی شخص امامؑ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو اصحاب سامنے آجاتے اور اس کے حملے کو اپنے اُوپر لیتے اور تیروں کو اپنے سینوں پر لیتے تھے۔

عمرو بن قُرظہ انصاری حضرتؑ کے اردگرد پروانہ وار چکر لگاتے کہ ہر آنے والے تیر کو اپنے ہاتھوں پر لیتے اور اگر تلوار کا وار ہوتا تو یہ جوان اپنے سینہ میں لیتا۔

لشکرِ کفر کا یہ حملہ شدید تر تھا بلکہ کربلا کی جنگ سے پہلے اور بعد میں اس قسم کا شدید حملہ نہیں دیکھا گیا اور نہ سنا گیا۔ اس حملہ میں زُہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر نے اس قدر ثابت قدمی اور بہادری سے جنگ لڑی کہ آج تک اس قسم کی شجاعت اور ثابت قدمی نہیں دیکھی گئی۔

اصحابِ امامؑ نے عمرو بن حجاج پر جنگ اس قدر تنگ اور شدید کر دی اور شمر پر اس قدر سختی آئی کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حصین بن تمیم پتھر مارنے والوں کے سردار تھے اور تیر اندازوں کے سردار عروہ بن قیس نے جس قدر تیروں اور پتھروں کی بارش سے اصحابِ امامؑ کو خیام سے دُور کرنے کی کوشش کی وہ ناکام رہے اور اصحاب نے خیامِ امامؑ کی حفاظت کو نہ چھوڑا۔

یہ لڑائی دوپہر تک ہوتی رہی۔ اصحابِ حسینؑ کے گھوڑے مارے گئے اور اصحاب پیادہ ہوگئے۔ عمر سعد نے دیکھا کہ خیام کی ایک سمت اصحاب اور انصار سے خالی ہے تو شمر سے کہا کہ پیادہ فوج لے جاؤ اور خیام کے قریب جا کر امام حسینؑ کے بچوں اور عورتوں کو ڈرا کر اُن کے گریہ کی آوازوں کو بلند کرو تا کہ امام حسینؑ اور اصحاب پریشان ہو کر جنگ سے پیچھے ہٹ جائیں۔

پس لشکر ابن سعد کے دو حصے کیے گئے، ایک گروہ امام حسینؑ اور اصحاب سے لڑتا رہا اور دوسرا گروہ خیام کی طرف آیا اور خیموں کی آگے والی طنابیں کاٹ دی اور خیموں کو اندر کی طرف گرا دیا۔ جب خیمے گرے تو بچے اور عورتیں جو خیموں میں تھے، خیام سے باہر نکلے اور ایک دوسرے سے دوسرے خیمے میں پناہ لینا چاہی لیکن جس خیمے میں جاتے وہ خیمہ گر جاتا تھا۔ بالآخر

بچوں کا گریہ وزاری بلند ہوا اور بچوں اور عورتوں نے سید الشہداءؑ کے خیمے میں پناہ لی اور سب ماتم کر رہے تھے اور ہر مستور وامحمداہ واعلیاہ کے بین بلند کر رہی تھی۔ جب یہ نوحہ و ماتم کی آواز امامؑ اور اصحاب کے کانوں میں گونجی تو اصحاب کو علم ہو گیا کہ دشمن خیام کے پاس پہنچ گیا ہے لہٰذا چاہتے تھے کہ واپس آ کر خیام کی حفاظت کریں لیکن دشمنوں نے راستے بند کیے ہوئے تھے۔ ان اصحاب سے دو یا تین نفر بہت غربت اور حمیت سے دشمن کی صفوں کو چیر کر خیام کی طرف آتے تو شمر کی فوج ان پر تیر برساتی اور وہ شہید ہو جاتے۔

جب امام علیہ السلام نے اہلِ بیتؑ کے رونے کی آواز سنی اور اپنے اصحاب کا حال بھی دیکھا کہ اہلِ بیتؑ کے گریہ کی وجہ سے نہ تو اصحاب جنگ کر سکتے ہیں اور نہ خیام کی طرف جا سکتے ہیں کیونکہ ایک گروہ لشکر خیام اور اصحاب کے درمیان حائل تھا، اگر ایک گھنٹہ اور اسی حالت میں رہے تو تمام اصحاب گرفتار ہو جائیں گے اور تمام مظلومانہ شہید ہو جائیں گے لہٰذا امامؑ نے ان اصحاب کو حکم دیا کہ تم خیام کی فکر نہ کرو، خدا کے سپرد کرو، ان کا خدا محافظ ہے تم جنگ میں مشغول رہو اور دشمنوں پر تابڑ توڑ ایسا حملہ کرو کہ خیام کے سامنے سے یہ لشکر ہٹ جائے اور تم پھر خیام کی طرف آنا۔

امام علیہ السلام کے حکم کے مطابق، اصحاب ایک جگہ جمع ہو گئے اور ایک دوسرے سے پشت لگا کر اور غربت اور حمیت سے شدید جنگ شروع کر دی۔ ادھر شمر نے اعلان کیا کہ خیام کو آگ لگا دو۔ حضرت امامؑ نے جب یہ سنا تو ٹھنڈی سانس لی اور آسمان کی طرف رُخِ انور کر کے بدعا کی: اَللّٰهُم لَا یُعجِزُكَ الشِمر ان تُحرِقَ جَسدَهُ فِی النَّارِ یَومَ القِیَامة

اے اللہ! تو شمر کو اپنے غضب کی آگ میں جلا دے، تیری راہ میں سب مصیبتیں برداشت کر رہا ہوں لیکن میری اہلِ بیتؑ تیرے حوالے ہیں۔ امامؑ میدان میں جنگ بھی کر رہے تھے اور مناجات بھی کر رہے تھے جب کہ بچے اور عورتیں دھوپ میں گریہ وزاری کر رہے تھے۔ جوں ہی خیمہ کے اردگرد آگ کے شعلے بلند ہوئے تو ہاشمی جوان بپھرے، ہر بیٹے کو ماں، بھائی کو بہن، باپ کو بچوں کی فکر ہوئی تو حملہ شدید کر دیا اور ہزاروں کو قتل کر کے خیام کی طرف آنے کا راستہ بنایا۔ ان جوانوں کے آگے آگے زُہیر بن قین بجلی راہ کھولتے آ رہے تھے اور باقی ان کے پیچھے دائیں بائیں حملہ کرتے آ رہے تھے۔ اسی دوران میں جناب خزیمہ اور انس بن ابی سجم شہید ہو گئے۔

اس لڑائی کے دوران میں ابوغدرہ نے زُہیر کو کہا کہ ہم نے خیام کو آگ لگا دی ہے تو زُہیر نے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر جب شمر نے ان اصحاب کو اس قدر شدید لڑائی کر کے خیام کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو فرار ہو گیا۔ زُہیر کے ساتھ دس اصحاب نے شمر کے بھاگتے ہوئے گروہ پر حملہ کر دیا۔ بہت سارے ملعونوں کو قتل کر دیا۔ باقی زخمی ہو کر دوڑ رہے تھے کہ کچھ اصحاب امامؑ نے ان کو فی النار کر دیا۔

مخدراتِ عصمت کو جب معلوم ہوا کہ زُہیر چند اصحاب کے ساتھ خیام کے پاس آ گئے ہیں اور شمر کا گروہ فرار کر گیا ہے تو گریہ وزاری سے افاقہ کیا لیکن جوانانِ بنی ہاشم کے لیے فکرمند تھیں۔ اسی دوران میں علمِ عباسؑ نظر آنے لگا اور بنی ہاشم کے جوانوں کے نعروں کی آوازیں مخدراتِ عصمت کے کانوں میں پہنچیں۔ تمام بیبیوں کی نظریں خیام کے دروازے کی طرف تھیں کہ اچانک امام حسینؑ، حضرت علی اکبرؑ، شہزادہ قاسمؑ، جناب عونؑ، جناب جعفرؑ، جنابِ عبداللہؑ اور دیگر ہاشمی جوان سب خیام کے پاس پہنچ گئے۔

اِدھر شبث بن ربعی نے شمر کی سرزنش کی اور کہا کہ اے بدبخت! ان بچوں اور عورتوں کا کیا قصور ہے، تو نے ان کو اس قدر رُلایا ہے کہ ہمارے جگر بھی کباب ہو گئے ہیں؟

شبث کی مذمت سے شمر رُسوا ہوا اور کہا گیا کہ اب عورتوں اور بچوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دیں گے صرف مردوں سے ہماری جنگ ہے۔

ظہرِ عاشورہ کے واقعات

● **نمازِ ظہر کی مہلت:** جب زوالِ عاشورہ ہوئی تو ابوثمامہ صائدی یا ابوثمامہ صیداوی کہ جن کا نام عمرو بن عبداللہ تھا، اپنے پیاسے امامؑ کے پاس آئے اور تشنگی، خستگی اور مجروح حالت کے باوجود عرض کیا: مولاؑ! ہمارے قتل ہو جانے میں کوئی شک نہیں۔

بروایت مجلسی کہا کہ جب تک ہم ان دشمنوں کو قتل نہ کر دیں ہم شہید نہیں ہوں گے البتہ ہماری دلی خواہش ہے کہ جب ہم اللہ کی ملاقات کو جائیں تو نمازِ ظہر آپؑ کی اقتدا میں پڑھی ہوئی ہو کیونکہ نماز کا وقت ہو رہا ہے۔

فَرَفَعَ الحُسَین رَأسَهُ اِلَی السَّمَاءِ وَقَالَ ذَکَرتَ الصَّلٰوۃَ جَعَلَكَ مِنَ المُصَلِّینَ

"امامؑ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا: تو نے اس وقت نماز کو یاد کیا، خدا تجھے نمازیوں میں سے اٹھائے"۔

اس وقت امام علیہ السلام نے اصحاب سے فرمایا: ان ظالموں سے اس قدر مہلت مانگو کہ تیر یا حملہ روک دیں تا کہ ہم نماز ادا کر لیں۔ بروایت ابومخنف امامؑ نے ابوثمامہ صیداوی سے فرمایا کہ اذان کہو اور بعض روایات کے مطابق حضرتؑ نے خود اذان پڑھی۔ پھر امام علیہ السلام نے ابن سعد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَنَسِیتَ شَرَائِعَ الاِسلَام اَلَا تَقِفُ عَنَّا الحَرب حَتّٰی نُصَلّی وَنَعُودُ اِلَی الحَرب

''ابن سعد! کیا تو نے شریعتِ اسلام کو بالکل ترک کر دیا ہے؟ ہمیں اتنی بھی چھوٹ نہیں کہ ہم کم از کم نماز کا فریضہ ادا کر لیں پھر جنگ کریں گے''۔

ابن سعد نے جواب نہ دیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیم

شہادت جناب حبیبؓ بن مظاہر اسدی

جب امام علیہ السلام کی فرمائش پر ابن سعد نے کوئی جواب نہ دیا تو حصین بن نمیر نے بلند آواز سے (طنزاً) کہا: یَاحُسَینُ صَلِّ فَاِنَّ صَلوٰتَکَ لَا تُقبَلُ ''اے حسینؑ! نماز پڑھ لو لیکن آپؑ کی نماز قبول تو نہ ہوگی''۔

اصحابِ حسینؑ نے یہ سنا تو سب تڑپ کر رہ گئے خصوصاً حبیبؓ بن مظاہر اسدی جو امامؑ کے ساتھ کھڑے تھے اور اس ملعون کے جواب میں کہا: وَیلَکَ لَا تُقبَلُ صَلوٰۃَ الحُسَینِ وَتُقبَل صَلوٰتَکَ یَابنَ الحمَارِہ ''اے بدبخت! امام حسینؑ کی نماز قبول نہیں ہوگی اور تمہاری نماز قبول ہوگی''۔

حصین کو حبیبؓ کا کلام سن کر غصہ آیا اور خنزیر کی طرح غضبناک ہو کر حبیبؓ سے کہا: اے حبیب! آؤ تم میرے ساتھ جنگ کرو۔ جنابِ حبیبؓ نے امامؑ سے اجازت لیتے ہوئے عرض کیا: اے میرے مولا و آقاؑ! میں نماز بہشت میں ادا کروں گا اور وہاں آپؑ کے سلام آپؑ کے جدّ امجد، والد گرامی اور بھائی کو پہنچاؤں گا۔

اگرچہ بحار میں مجلسی نے حبیبؓ کی شہادت نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد لکھی ہے لیکن ابومخنف اور ابن شہر آشوب وغیرہ نے نمازِ ظہر سے پہلے شہادت لکھی ہے کیونکہ ان کو نماز ادا کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جنابِ حبیبؓ نے حصین بن نمیر پر حملہ کیا اور تلوار اس کے سر پر اس قدر زور سے ماری کہ اس ملعون نے گھوڑے کی لگام کھینچی اور اپنے سر کو پیچھے کر لیا جس سے ضرب گھوڑے کے سر پر لگی اور گھوڑے کا دماغ پھٹ گیا۔ گھوڑے نے بدک کر ملعون حصین کو زمین پر گرا دیا۔ حبیبؓ نے بڑھ کر اس کے سر کو جدا کرنے کی کوشش کی کہ حصین کے ساتھیوں نے حصین کو حبیبؓ کے چنگل سے چھڑا لیا۔ اس وقت حبیبؓ نے یہ رجز پڑھا:

''میں حبیب بن مظاہر ہوں، میدان کا شجاع اور شیرِ غضنفر ہوں۔ تم تعداد میں بہت زیادہ ہو اور ہم قلیل ہیں لیکن ہم تم سے زیادہ طاقتور ہیں۔ ہم تم پر حجت تمام کرتے ہیں اور حق کو ظاہر کرتے ہیں اور تم سے زیادہ متقی ہیں''۔ پھر حملہ کیا اور ۳۵ افراد کو ایک ہی حملہ میں فی النار والسقر کر دیا۔ بلکہ محمد بن ابی طالب کی روایت کے مطابق ۶۲ ملعونوں کو واصلِ جہنم کیا۔ حبیبؓ نے سخت جنگ کی، سیکڑوں کو قتل کیا اور لڑتے لڑتے کثیر تلواروں، تیروں، نیزوں کے زخم لگ گئے اور خون جاری رہا جس کی وجہ سے کمزوری اور ضعف غالب آ گیا۔

اسی وقت بنی تمیم کے بدیل بن صریم نے ان پر حملہ کیا اور تلوار سے حبیبؓ کے سر پر ضرب لگائی اور ایک ملعون نے نیزہ مارا جس سے حبیبؓ زین سے زمین پر آ گئے۔ حبیبؓ اُٹھنا چاہتے تھے مگر زخموں اور پیاس نے نڈھال کر دیا تھا۔ آپ کی حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حصین بن نمیر جو پہلے بچوں اور عورتوں کی طرح میدان سے بھاگ گیا تھا، نے آپؓ کے سر پر تلوار کی ضرب لگائی اور جس ملعون نے نیزہ مارا تھا اپنے گھوڑے سے اُترا اور حبیبؓ کا سرِ مبارک جدا کر دیا۔

حصین نے اس تمیمی سے کہا کہ میں حبیبؓ کے قتل میں شریک ہوں لہٰذا ان کا سر مجھے دو تا کہ گھوڑے کی گردن میں لٹکاؤں اور گھوڑے کو دوڑاؤں اور لوگ دیکھیں کہ میں نے اس قتل میں شرکت کی ہے۔ پس گھوڑے کی گردن میں حبیب کا سر لٹکایا اور اپنے لشکر کو دکھایا اور پھر اس تمیمی کو سر واپس کر دیا۔

جب یہ لشکرِ کفر کوفہ آیا تو اسی تمیمی شخص نے حبیب کا سر اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا اور ابن زیاد کے دربار کی طرف جا رہا تھا کہ جناب حبیبؓ کے بیٹے قاسم (جو تازہ جوان تھے) نے بابا کے سر کو دیکھا تو اس گھڑسوار کے پیچھے پیچھے چلتے رہے اور اس سے جدا نہ ہوئے۔ جب وہ ملعون ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوا تو قاسم بھی دربار میں چلے گئے۔ جب وہ ملعون باہر آیا تو قاسم بھی باہر آ گئے۔ اس ملعون کو شک ہوا اور کہا کہ اے بچے! تمہیں کیا ہے کہ میرے پیچھے پیچھے آتے ہو اور مجھ سے جدا نہیں ہوتے۔

قاسم نے کہا: کچھ بھی نہیں۔

ملعون تمیمی کہنے لگا: یہ بلاوجہ نہیں، بتاؤ کہ تم میرے تعاقب میں کیوں ہو؟

قاسم نے کہا: یہ سر جو تیرے گھوڑے کی گردن میں ہے یہ میرے بابا کا سر ہے؟ کیا مجھے یہ سر دیتے ہو کہ اس کو دفن کر دوں؟

ملعون تمیمی نے کہا: ابن زیاد راضی نہیں ہوگا کہ اسے دفن کیا جائے اور میں ابھی اس قتل پر انعام لینا چاہتا ہوں۔

قاسم نے کہا: خدا تجھے بُری سزا دے گا، خدا کی قسم! تو نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو ہر لحاظ سے تم سے بہتر تھا۔ یہ کہا اور گریہ زاری کی اور دل میں تمنا کی کہ کاش انتقام لے سکتا۔ پس خدا نے اس کی تمنا پوری کی اور مصعب بن زبیر کی کوفہ کی گورنری کے دوران میں اس ملعون کو خود قاسم نے قتل کر کے اپنے بابا کا انتقام لے لیا۔

جنابِ زُہیر بن قین بجلی کی شہادت

جنابِ حبیبؓ کی شہادت کے بعد جمالِ امامت پر تھکان اور دل شکستگی کی کیفیت دیکھی تو زُہیر بن قین نے عرض کیا: میں

آپؐ کے قدموں کی خاک پر قربان جاؤں۔ مَا هٰذَا الانکسار الَّذِي اَرَاهُ فِي وَجهِكَ؟ "آپؑ غمگین کیوں ہیں اور دل کیوں دکھی ہے؟ آپؑ کے چہرے پر حزن و ملال ہے حالانکہ ہم تو حق پر ہیں"۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم واقعاً حق پر ہیں۔

زُہیر نے عرض کیا: یامولای أتاذن لی فی البراز "مولاؑ! مجھے اذنِ جہاد مل سکتا ہے؟"

امام علیہ السلام نے اجازت دی تو زُہیر نے یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آ کر للکارا: "میں زُہیر بن قین ہوں، میں تلوار سے امامِ حسینؑ کا دفاع کروں گا کیونکہ حسینؑ فرزندِ رسولؐ ہیں اور مجھے کوئی عار محسوس نہ ہوگا"۔

پھر لشکرِ کفر پر حملہ کیا اور ان کو مولی گاجر کی طرح کاٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ پہلے ہی حملے میں پچاس شجاعوں کو ہلاک کر دیا اور زُہیر کے حملہ کی شدت کو دیکھ کر لشکرِ کفر ثابت قدم نہ رہ سکا۔ انہوں نے فرار کا راستہ اختیار کیا۔ اس وقت زُہیر کے دل میں خیال آیا کہ شاید امام علیہ السلام نے نمازِ ظہر پڑھ نہ لی ہو اور میں جماعت سے محروم رہ جاؤں گا اس لیے جلدی میدان سے امام پاکؑ کے حضور ہو گئے۔

امامؑ کے ساتھ نماز پڑھی تو نماز کے ختم ہوتے ہی جناب سعید بن عبداللہ کی شہادت ہوگئی تھی تو پھر زُہیر میں شہادت حاصل کرنے کا جذبہ اُٹھا۔ امامؑ کے سامنے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور خم ہو کر عرض کیا: اے سلطان اقلیم ایمان و یقین! مجھے آپؑ کی جدّ اور پاک باباؑ کی زیارت کا ازحد شوق ہے، مجھے اجازت دیں۔

امامؑ نے اجازت دی اور میدان میں آئے، اپنے آپ کو لشکرِ کفر میں ڈال دیا۔ بے پروا ہو کر قلبِ لشکر کی طرف توجہ کی، صفوں کو چیرتا ہوا اور لاشوں کو گراتا اور سروں کو اُڑاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ابی مخنف کے مطابق ستر بہادروں کو واصلِ جہنم کر دیا اور خدا جانتا ہے کہ اس لشکرِ کفر کو تہس نہس کر دیا۔

جب تک نیزہ ہاتھ میں رہا اور نیزہ کام کرتا رہا تو اس نیزے سے قتل کرتے رہے۔ جب نیزے نے کام کرنا چھوڑ دیا تو آتش بار تلوار کو ہاتھ میں لیا اور للکار کر کہا: اے بے حیا لوگو! رسولِ پاک تمہاری اس بے حیائی کو دیکھ رہے ہیں اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ پیغمبرِ اکرمؐ کے سامنے فرزندِ پیغمبرؐ کو قتل کر رہے ہو؟ یہ رجز پڑھتے تھے اور دائیں بائیں حملہ کرتے ہوئے لشکرِ کفر میں عظیم ہنگامہ اور ہلچل مچا دی۔

بروایت محمد بن ابی طالب ایک سو بیس شجاعانِ کفر کو قتل کر دیا لیکن افسوس کہ پیاس کی شدت، زخموں کی کثرت، بڑھاپے کی کمزوری اور میدان کی حدت نے اس شجاع پر ضعف کا غلبہ کر دیا اور دوڑتے گھوڑے سے گر پڑے، دشمنوں نے احاطہ کر لیا اور کثیر بن عبداللہ شعبی و مہاجر بن اوس تمیمی نے دائیں بائیں سے زُہیر پر حملہ کر دیا اور تلوار اور نیزوں سے چھلنی کر دیا۔

جب زُہیر زین سے زمین پر گرے تو امام علیہ السلام کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو جاری ہوگئے اور حضرتؑ بین کرکے فرماتے تھے: لَا یَبعدُکَ اللّٰہ یا زُھیر ، لعن اللّٰہ قاتلك لَعَنَ اللّٰہُ الَّذِینَ مَسَخَرا قِردَةً وَخَنَازِیر "اللہ لعنت کرے ان پر جنہوں نے تمہیں قتل کیا، اللہ ان کو بندر اور خنزیر کی شکلوں میں مسخ کردے"۔

اے زُہیر! تو نے میری نصرت کی اور نصرت کا حق ادا کردیا اور ہمیشہ میرا پشت پناہ رہا ہے۔ تم میرے لشکر میمنہ کے سردار تھے حقیقتاً آپ میری دائیں آنکھ تھے۔ آپؓ اور حبیبؓ کے چلے جانے سے میرے دو پَر ٹوٹ گئے اور میری طاقت ختم ہوگئی۔

نمازِ ظہر کی ادائیگی اور جناب سعید بن عبداللہ کی شہادت

ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ جنابِ حبیبؓ بن مظاہر کی شہادت کے بعد اس دشتِ آشوب میں نمازِ خوف ادا کی گئی۔ نمازِ خوف وہ نماز ہے جو دشمنوں کی کثرت اور ان کے متوقع حملہ کی صورت میں پڑھی جاتی ہے۔ نماز پڑھنے والوں کے دو گروہ کیے جاتے ہیں، ایک گروہ امامؑ کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اور دوسرا امامؑ کے آگے کھڑا ہو کر امامؑ اور نمازیوں کی حفاظت کرتا ہے۔

(از مترجم: امامؑ نے بھی اپنے نمازیوں کی دو صفیں بنائیں ایک صف امامؑ کے آگے اور ایک امامؑ کے پیچھے تھی اور نماز پڑھتے رہے)

جب عمر بن سعد حرامزادے نے دیکھا کہ امام علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں تو حکم دیا کہ تیرانداز ان پر تیروں کی بارش برسا دیں۔ امامؑ نے جب ان بے شرموں کی بے شرمی دیکھی تو نمازیوں میں سے دو شخصوں کو منتخب کیا: ایک جناب سعید بن عبداللہ الحنفی اور دوسرے زُہیر بن قین۔ حضرتؑ نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم آگے کھڑے ہو جاؤ اور ہر آنے والے حملہ کا دفاع کرو تا کہ ہم نماز ادا کرلیں۔

پس دونوں اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر دائیں بائیں امامؑ کے آگے کھڑے ہوگئے۔ جدھر سے نیزہ یا تیر آتا، آگے بڑھ کر ہاتھوں اور سینوں سے استقبال کرتے اور امامؑ سے ہر حملہ کو روکتے رہے۔ جنابِ سعید کو تیرہ تیر لگے، البتہ نیزوں اور تلواروں کے زخم ان کے علاوہ تھے اور اس جوان مرد نے حضرت امام حسینؑ کا اس قدر دفاع کیا کہ دشمن بھی حیران رہ گئے بلکہ ان کی استقامت سے غضب ناک ہوئے اور قریب آئے اور تلواروں کے کئی وار ان پر کیے حالانکہ تیرہ تیر تو پہلے ان کو لگ چکے تھے اور تلواروں اور نیزوں کے زخم الگ تھے۔ ان تلواروں کی ضربوں، تیروں اور نیزوں کے زخموں اور تیرہ تیر سینے میں لگنے

کے باوجود سعید نے استقامت دکھائی اور امامؑ کے آگے کھڑے ہوکر سدِ سکندری کی طرح مقاومت کی۔ پھر دشمنوں نے قریب آ کر نیزوں سے زخمی کرنا شروع کر دیا لیکن پھر بھی وہ کھڑے رہے اور جناب سعید کی استقامت اور کھڑے رہنا اس وقت تک رہا جب تک امامؑ نماز پڑھتے رہے تا کہ کوئی تیر مولاؑ کو نہ لگے۔ جوں ہی نماز ختم ہوئی اور امامؑ نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ پڑھا تو جنابِ سعید بن عبداللہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گرے۔ آپؑ مناجات میں مشغول تھے اور دشمنوں پر یوں لعنت کر رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ العَنھُم لَعنَ عَادٍ وَثَمُودٍ اَللّٰھُمَّ اَبلِغ نبیلک عَنِّی السلام وَابلِغہُ مَا لَقِیتُ مِن اَلَم الجَراح فَاِنِّی اُرِدتُ بِذٰلِکَ نُصرَۃَ ذُرِّیَۃ نبیلک

"اے خدایا! اس قوم پر لعنت کر جیسی لعنت عاد وثمود پر کی ہے۔ خدایا! اسی حال میں میرے سلام نبی پاک کو پہنچا دے اور انھیں میرے حال سے مطلع فرما دے کہ اب یہ حالت ہوگئی ہے اور جگر سوز زخموں کو اپنی جان پر لیا ہے۔ خدایا! یہ تمام مصیبتیں ذُریت پیغمبرؐ کی راہ میں برداشت کی ہیں اور ان تمام کا مقصد رسولؐ اللہ کے مظلوم اور غریب فرزند کی نصرت ہے"۔

بعض مقاتل کی کتب میں ہے کہ سعید زخمی ہوکر زمین پر گرے تو خان اور خاک میں غلطاں اپنے آپ کو امامؑ کے قدموں تک کھینچ لائے اور سر امامؑ کے قدموں پر رکھ دیا اور اسی حال میں ان کی روح پرواز کرگئی۔

دو بھائیوں جناب عبداللہ غِفاری اور عبدالرحمٰن غِفاری کی شہادت

امام علیہ السلام کی غربت کی حالت دیکھ کر یہ دونوں بھائی روتے ہوئے آئے۔ امامؑ نے پوچھا: یَابَنِی اَخِی مَا یُبکِیکُمَا فَوَاللہ اِنِّی اَرجو اَن تکُونَا بَعدَ سَاعَۃٍ قَرِیرِی العِین "اے میرے بیٹو! روتے کیوں ہو، خدا کی قسم! ایک گھنٹہ کے بعد تم بہت خوش اور مسرور ہوگئے اور تمہاری آنکھوں کا نظارہ جمالِ مصطفیٰؐ ہوگا"۔

دونوں بھائیوں نے عرض کیا: یابن فَاطِمۃ البَتول جَعَلنَا وَاللہ فَدَاکَ "اے فرزند فاطمہؑ! خدا ہماری بے حقیر جانوں کو آپ کا فدیہ بنائے"۔

خدا کی قسم! ہم اپنے اُوپر نہیں روتے، ہماری تو ہزار جانیں آپؑ کے ایک بال پر قربان ہیں، ہم روتے ہیں تو آپؑ کے حالات کہ آپ اس قدر مشکلات میں گھر چکے ہیں اور ہم آپؑ کو اس مشکل وقت میں فائدہ نہیں دے سکتے۔ ہماری تعداد کم ہے اور لشکرِ کفر کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہمارے دل آپؑ کی مظلومیت اور غربت پر کباب ہو رہے ہیں۔ ایک گھنٹے کے

بعد آپؑ کی حالتِ زار کیا ہوگی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے وفادارو! وہی ہوگا جو خدا کو منظور ہوگا۔ بھائیوں نے ہاتھ جوڑ کر جہاد کی اجازت طلب کی۔ امامؑ نے اجازت دے دی اور فرمایا: بیٹو! تم چلو ہم تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ پس دونوں بھائیوں نے امامؑ سے الوداع کہا اور میدان کی طرف نکلے۔ میدان کی حالت، دشمن کی کثرت دیکھ کر آپس میں یہ بات طے کی کہ ایک دوسرے سے پشت ملا کر اکٹھے جنگ کرتے رہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ پس دو شیروں کی طرح فوج پر ان دو بھائیوں نے حملہ کیا، اور چند نامردوں کو واصلِ جہنم کیا۔ لڑتے لڑتے پیاس کی شدت زخموں کی کثرت اور میدان کی حدت سے ضعف کا غلبہ ہوا اور بازو سُست ہو گئے اور لڑتے لڑتے زمین پر گرے اور ان کی روحیں پرواز کر گئیں۔

شہادتِ طرماح بن عدی

دو سرداروں جنابِ حبیبؓ اور جنابِ زہیرؓ کی شہادت کے بعد لشکرِ امامؑ پر تھکان اور گھبراہٹ مکمل طور پر چھا گئی تھی کیونکہ باقی ماندہ اصحاب تمام زخمی حالت میں تھے اور اتنی کمزوری پیدا ہو چکی تھی کہ حرکت کرنے کی ہمت و طاقت بھی ختم ہو رہی تھی۔

دوسری طرف پیاس اور بھوک کی شدت نے اہلِ بیتؑ میں صبر اور برداشت کی طاقت ختم کر دی تھی کیونکہ آہ وزاری، بچوں کی العطش کی آوازیں آ رہی تھیں۔ غم واندوہ کا غبار، امامؑ کے لشکر اور خیام کا احاطہ کیے ہوئے تھا کہ ہر دیکھنے والا خود بخود مظلومیت اور غربتِ حسینؑ پر رو رہا تھا۔ اسی دوران حاتم طائی کے قبیلے کے چشم و چراغ یعنی طرماح بن عدی سے برداشت نہ ہوا اور جان قربان کرنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ یہ طرماح زمانے کے مشہور شجاعوں سے تھے اور حضرت علیؑ کے شاگردوں سے تھے، یہ بلند قامت، جسیم، فصیح و بلیغ اور بہت طاقتور تھے۔ شبِ عاشورا اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر امام حسینؑ کے پاس آئے تھے اور حضرتؑ سے درخواست کی تھی کہ مولاؑ میں آپؑ کو محفوظ مقام پر لے جاتا ہوں۔ لیکن امامؑ نے کسی محفوظ مقام پر جانا قبول نہ کیا۔ جب طرماح نے دیکھا کہ امامؑ کسی طور اس مشن کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو یہ خود امامؑ کے اصحابِ باوفا میں شامل ہو گئے اور ظہرِ عاشور تک اصحاب کے ساتھ زخمی بھی ہوئے اور اصحاب کے ساتھ ہر دکھ میں شامل رہے۔ روزِ عاشور بعد از نمازِ ظہر اسلحہ اٹھایا، بڑی تیر کمان بازو میں لٹکائی، تیروں کا تھیلہ اُٹھایا اور شیر ببر کی طرح میدان میں وارد ہوئے۔ آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

"میں طرماح ہوں جس کی ضرب کی شدت معروف ہے، میں تمہارے سر ہوا میں اڑانے آ گیا ہوں"۔

لشکرِ کفر نے جب طرماح کا نام سنا تو کانپنے لگے اور دُور بھاگنے لگے۔ ابن سعد نے لشکر کو للکارا کہ اے قوم! دس بیس نفر

اس کا مقابلہ نہ کرسکو گے لہٰذا یک بارگی سب حملہ کر دوں کہ شاید کامیاب ہو جاؤ۔ پس لشکرِ کفر نے بھڑوں اور مکھیوں کی طرح ان پر حملہ کر دیا لیکن اس شیر خوار کو ذرا بھر خوف لاحق نہ ہوا، تلوار لہرائی اور چیتے کی طرح دشمن پر لپکے، پھر کیا تھا؟ سر ہوا میں اڑ رہے تھے، ہاتھ کٹ کٹ کے زمین پر گر رہے تھے جس کمر میں ضرب لگاتے دو ٹکڑے کر دیتے اور جس سر میں ضرب لگاتے، سینے تک چیر دیتے۔ کربلا کے میدان میں محشر کا سا سماں تھا۔ جو شخص ان کی جنگ کو دیکھتا اس کے طوطے اُڑ جاتے تھے۔ اس پہلے حملہ میں ستر یزیدیوں کو جہنم پہنچایا اور بادل کی طرح گرجتے، اور جوش کھاتے آگے بڑھتے جاتے تھے کہ پیدل فوج کے کثیر گروہ کو جہنم رسید کر دیا۔ طرماح گھوڑے کو بار بار جولان دے رہے تھے کہ اتفاقاً گھوڑے کو ایسا نیزہ لگا کہ گھوڑا زمین پر گرا جس سے بلند قد و قامت طرماح خاک میں غلطاں ہو گئے۔ تھکے ماندے، پیاس، بھوکے اور زخمی تھے اور خون بہہ جانے کی وجہ سے ضُعف نے غلبہ کر لیا تھا۔ اس لیے اب وہ اٹھنے کے قابل نہ رہے۔ جسے غنیمت سمجھتے ہوئے لشکرِ کفر نے احاطہ کر لیا اور ہر طرف سے وار کیے اور سر بدن سے جدا کر دیا اور ابن سعد کے پاس سر لے گئے۔

بعض مقاتل میں ہے کہ جب طرماح زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گرے تو بے ہوش ہو گئے اور لشکر نے موت کا یقین کر کے چھوڑ دیا اور ان کو گیارہ محرم کی رات کو ہوش آیا۔

پھر ان کے بعد عبدالرحمٰن بن عبداللہ یزنی شہید ہوئے، پھر یحییٰ بن سلیم مازی، ان کے بعد مالک بن انس بن مالک، ان کے بعد جناب عمرو بن مطاع، ان کے بعد جناب قیس بن مبہ، ان کے بعد جناب عمرو بن قُرظہ انصاری شہید ہوئے۔

شہادتِ حنظلہ بن سعد شیبانی

نمازِ ظہر کے بعد اصحاب کافی تعداد میں شہید ہو چکے تھے، جو تھوڑے بہت باقی تھے وہ بھی زخمی، پیاسے، بھوکے، جن کی حالت بیان کرنے کی قلم میں جرأت نہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے کریم دوستو! اے اولادِ آدم کے نجیبو! تم نے مال و منال، فرزند و عیال، جان و جلال سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ چند لحظات اور اس مصیبت پر صبر و استقامت دکھاؤ۔ شربتِ شہادت تمہیں بھی مل جائے گا اور موت ایک پُل ہے جس سے گزر کے وادیٔ رحمت میں پہنچ جاؤ گے اور جنت کے اعلیٰ درجوں میں مقیم ہو گے۔ اور ابھی اس زندان سے دار الجلال میں منتقل ہو جاؤ گے۔

اسی دوران میں ابن سعد نے آواز دی: اے میرے لشکر! جلدی کرو کہ دن گزرنے والا ہے۔ اس تھوڑی سی جماعت کی

زندگی کے چراغ بجھا دو، ان کا اور کوئی ناصر نہیں ہے۔ بس یہی کچھ ہیں، حملہ کرو اور تلواروں کا ایک لقمہ بنا دو۔ پس لشکرِ کفر نے حملہ کر دیا۔ تیر، پتھر اور نیزے مارنے لگے۔ اس وقت حنظلہ بن سعد شیبانی امامؑ کے آگے آگئے اور اپنے سینے کو آنے والے تیروں اور نیزوں کے لیے پیش کر دیا تاکہ کوئی وار امام حسینؑ تک نہ پہنچے۔ جنابِ حنظلہ نے حفاظتِ امامؑ کی بہت کوشش کی اور للکار کر لشکرِ کفر کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

اے بدبختو! اے ظالمو! اس کام سے باز آ جاؤ۔ بروزِ قیامت تمہارا وہی حال ہوگا جو جنگِ احزاب کے وقت رسولؐ اللہ کے مقابلین کا ہوا تھا، یا جو حال قومِ ثمود اور عاد کا ہوا تھا۔ اے قوم! خدا سے ڈرو اور اس مظلوم پر اس قدر ظلم نہ کرو۔

ابن شہرآشوب نے لکھا ہے کہ حضرت امامؑ نے حنظلہ سے فرمایا: خدا تم پر رحمت کرے، تم نے نصیحت کا حق ادا کر دیا ہے لیکن یہ قوم اب خدا کے سخت عذاب اور ناراضگی کی مستحق ہو چکی ہے، ان پر کسی نصیحت کا اثر نہیں ہوگا؟ بلکہ ان کی شقاوت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

حنظلہ نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، آپؑ کو کیا انتظار ہے؟ کیا آپؑ خدا کے حضور نہیں جانا چاہتے اور اپنے روحانی بھائیوں سے ہم بھی جا کر ملیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: کیوں نہیں، پس تم جاؤ ہم تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔

اجازت ملتے ہی حنظلہ شیر کی طرح میدان میں آئے اور ایک کثیر تعداد کو جہنم میں بھیجا۔ پھر لڑتے لڑتے گر گئے۔ گرے تو خدا سے مناجات کی اور ظالموں پر لعنت کی۔ اسی دوران میں ایک ظالم آیا اور مناجات والی زبان کو کاٹ دیا اور کہا کہ تیری یہی زبان ہمیں نصیحت کرتی تھی اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

شہادتِ حجاج بن مسروق

حجاج امام حسین علیہ السلام کے مؤذن بھی تھے اور امامؑ کے گھوڑے کی رکاب پکڑنے والے بھی تھے۔ یہ بہت زیادہ نمازی، روزہ دار، قاریٔ قرآن اور حافظِ فُرقان تھے۔ حجاج بن مسروق نے جب امام حسینؑ کی یہ حالتِ غربت دیکھی تو دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک ہوگئی اور اپنی جان کے اب تک سالم ہونے پر شرمندہ ہوئے، لہٰذا امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں قربان جاؤں، میری قربانی کا ابھی وقت نہیں آیا، مجھے بھی اجازت دیں۔

حضرتؑ نے روتے ہوئے اُسے اجازت دی۔ حجاج دکھی دل اور پریشان حالت سے میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھا:
"میں حسینؑ کی طرف آیا ہوں جو ہادی بھی ہیں اور مہدی بھی ہیں۔ میں ابھی حسینؑ کے ناناؐ نبی پاک کی ملاقات کو جا رہا

ہوں"۔ پھر حملہ کر دیا اور پہلے ہی حملے میں پندرہ بہادروں کو جہنم میں پہنچا دیا اور پھر کثیر پیادہ فوج کو زندگی سے محروم کر دیا۔
محدث قمی نے منتہی الآمال میں لکھا ہے کہ حجاج نے دشمن کے ۲۵ نفر ہلاک کر دیئے، دشمن ان کی تلوار کی ضرب سے تنگ آ گئے اور دُور و نزدیک سے تیر بارانی کر رہے تھے۔ لڑتے لڑتے آپ زخمی ہو گئے۔ خستگی اور پیاس نے غلبہ کیا، کمزور ہونے لگے تو دشمنوں نے محاصرہ کر لیا اور نیزوں اور تلواروں نے بدن کے سوراخ اور ٹکڑے کر دیئے۔

شہادتِ ہاشم بن عتبہ بن وقاص

صاحبِ روضۃ الشہداء نے اس جوان کی شہادت کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ جب نمازِ ظہر کے بعد امام حسینؑ کے اکثر اصحاب شہید ہو گئے اور لحظہ لحظہ سخت ہوتا گیا تو اچانک بیابانِ کربلا سے ایک سوار آیا اور بڑے رُعب سے میدان میں آیا۔ اپنے گھوڑے کو خوبصورت جولان دے رہا تھا، جبکہ سوار زہرہ اور مریخ کی طرح چمک رہا تھا۔ سر پر خوبصورت خود لگائے تھا، ایک لمبا نیزہ ہاتھ میں تھا اور بڑی خوبصورت کمان اور تیروں سے بھرا ترکش کاندھے پر لٹکا رکھا تھا۔ اُس نے اپنی یمنی تلوار کو زہر آلود کیا ہوا تھا اور میدان میں غرائے ہوئے حملہ آور ہوئے اور کہا کہ جو مجھے جانتا ہے تو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں ہاشم بن عتبہ بن وقاص ہوں، سعد بن ابی وقاص کا بھتیجا ہوں اور عمر بن سعد منافق کا چچازاد ہوں۔

پھر لشکرِ امامؑ کی طرف مخاطب ہوا: السلام علیك یابن رسولؐ اللّٰہ

اگر چہ میرا چچازاد دشمن کے ساتھ ہے لیکن میں تمہارا محبّ اور وفادار ہوں۔ اس ہاشم نے صفین میں جنگ کی اور عجم کے ساتھ جنگ میں اپنے چچا کے ساتھ شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ تاریخ صحابہ میں معلوم ہے۔ پھر لشکرِ ابن سعد کی طرف منہ کر کے کہا: مجھے اس لشکر میں سے کسی سے غرض نہیں مجھے صرف میرے چچازاد سے کام ہے وہی میرے مقابل آئے۔

عمر بن سعد نے یہ بات سنی اور ہاشم کا طعنہ سنا تو وہ کانپنے لگا کیونکہ وہ ہاشم کی شجاعت اور لڑائی کے انداز کو جانتا تھا اس لیے لشکر کو للکار کر کہا: اے بہادرو! یہ سوار میرے چچازاد ہے، میرا اس کے مقابل جانا مصلحت کے خلاف ہے، تم میں کون ہے جو اس کے مقابل جا کر میرے دل کو شفا دے۔

امیر حلب سمعان بن مقاتل میدان میں آیا۔ یہ دمشق کے قریبی علاقہ سے ہزار سواروں کے ساتھ ابن زیاد کی مدد کے لیے آیا ہوا تھا۔ یہ شخص تجربہ کار تھا اور اس نے دنیا کی سردی گرمی دیکھی ہوئی تھی۔ جب یہ میدان میں آیا تو ہاشم کو للکارا۔

اے بزرگِ عرب! تیرے چچازاد کو ابن زیاد سے کیا برائی پہنچی ہے؟ اب تو رے اور طبرستان کی ولایت اسی کے نام ہے اور یہ عمر بن سعد پورے لشکر کا سالار ہے۔ اس چچازاد کو چھوڑ دیا اور حسینؑ سے جا ملا جس کے پاس نہ حکومت، نہ مقام، نہ

خزانہ، نہ نوکر چاکر ہیں۔ پس دولت اور دنیا سے منہ نہ پھیر اور اپنے بخت پر لات مت مار۔

ہاشم نے کہا: اے بد بخت! تو اس چند روزہ زندگی کو دولت سمجھتا ہے اور اس بے اعتبار دنیاوی وقار کو بخت کا نام دیتا ہے حالانکہ نہ دولت قابلِ اعتبار ہے اور نہ اس کے بخت و اقبال کو دوام ہے۔

اے سمعان! ذرا انصاف کرو اور بہشت کی ہمیشگی کی نعمتوں کو اس مُردار دنیا سے ترجیح دو یہ دنیا کتوں کی غذا ہے، اسے چھوڑ دو اور فرزندِ مصطفیٰؐ کی خدمت میں آجاؤ اور رضائے الٰہی اور سعادتِ سرمدی کی دولت حاصل کرو۔

سمعان کو یہ باتیں سن کر غصہ آیا اور کہا: اے ہاشم! تمہیں نہ اپنے چچازاد کی شرم ہے، نہ ابن زیاد کو خاطر میں لاتے ہو، تم بہت مغرور ہو چکے ہو، تمہیں غرور نے عقل سے دُور کر دیا ہے۔

ہاشم نے کہا: میں ابن زیاد پر لعنت کرتا ہوں جس نے میرے چچازاد کو دھوکا دیا ہے جس کی وجہ سے عمر بن سعد نے دین کو دنیا کے بدلے بیچ دیا ہے۔ میں بلند ہمت ہوں، دنیا کو آخرت کے بدلے قربان کرتا ہوں، فانی کو ضائع اور باقی کو محفوظ رکھتا ہوں۔ یہ فانی دنیا جس پر تم فخر کرتے ہو، جلدی ختم ہو جائے گی اور تم عذابِ عظیم میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

سمعان پھر بات کرنا چاہتا تھا کہ ہاشم غضب ناک ہو گئے اور اُسے للکارا کہ تم مجادلہ کرنے آئے ہو یا مقابلہ کرنے آئے ہو؟ پھر سمعان پر حملہ کر دیا اور دونوں نے ایک دوسرے پر نیزوں سے وار کیا۔ پھر ہاشم نے نیزہ پھینک دیا اور تلوار اٹھائی اور سمعان کے سر پر مارنا چاہی تو سمعان نے ہاشم کے سینہ کی طرف نیزہ سیدھا کیا۔ ہاشم نے تلوار کی پشت نیزہ پر ماری، نیزہ سمعان کے ہاتھ سے گر پڑا، وہ تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ہاشم نے مہلت نہ دی اور برق رفتار تلوار اس کے سر پر ماردی اور وہ زمین پر ہی دو ٹکڑے ہو گیا۔

اس وقت لشکرِ حسینؑ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ہاشم نے لشکرِ کفر کے سامنے کھڑے ہو کر کہا: اے چچازاد عمر بن سعد! تیرے باپ سعد بن وقاص نے جنگ احد میں رسولؐ اللہ کے دفاع میں دشمنوں کو تیر مارے اور دشمنوں کے شر سے دفاع کیا اور پیغمبرؐ نے انہیں دعا دی تھی اور میرے باپ عتبہ بن ابی وقاص نے رسول پاکؐ کے دندانِ مبارک کو پتھر مارا تھا اور دشمنوں کی مدد اور نصرت کرتا رہا۔ آج عجیب حالت ہے تو ایسے باپ کا بیٹا ہو کر دشمن کا ناصر ہے اور فرزندِ مصطفیٰؐ پر تلوار کھینچ رکھی ہے۔ میں اپنے عتبہ جیسے باپ کے باوجود اہلِ بیتؑ کی حمایت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اہلِ بُغض و نفاق کو بنیادوں سے ختم کردوں اور یہاں یُخرِجُ الحَی مِنَ المَیِّتِ وَیُخرِجُ المَیِّت مِنَ الحی کا راز صحیح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اُس دن سید کائنات رسول پاکؐ کی زبان تیرے باپ کو دعا دے رہی تھی اور آج تجھ پر زبانِ رسولؐ لعنت کر رہی ہے۔ اُس دن زبانِ رسولؐ میرے باپ پر لعنت کر رہی تھی اور آج مجھ پر آفرین کر رہی ہے۔

عمر ابن سعد نے یہ کلام سنا تو ٹھنڈی آہ کھینچی اور اپنا سر جھکا لیا اور بے شرم آنکھوں سے ندامت کا پانی بہنا شروع ہوگیا۔ سمعان کے قتل ہو جانے کے بعد اس کے بھائی نعمان بن مقاتل اپنے ہزار جوانوں سے ہاشم پر حملہ آور ہوگیا۔ ہاشم نے ذرا بھر خوف محسوس نہ کیا اور ان کے حملہ کے جواب میں اپنے ہاتھ اور بازوؤں کو کام میں لائے اور ایسے جوہر دکھائے کہ چشمِ انصاف حیران ہوگئی۔

شہادتِ فضل ابن علیؑ

جب امام علیہ السلام نے دیکھا کہ ہاشم پر ہزاروں سپاہیوں نے یک بارگی حملہ کر دیا ہے تو اپنے باقی ماندہ اصحاب کو حکم دیا کہ جاؤ اور ہاشم کی مدد کو پہنچو تو جنابِ فضل بن علیؑ امام حسینؑ کے بھائی ۹ اصحاب کے ساتھ ہاشم کی مدد کو نکلے لیکن عمر بن سعد نے فوراً دو ہزار سپاہی آگے روانہ کیے کہ اصحابِ حسینؑ جنابِ ہاشم کی نصرت کو نہ پہنچ سکیں۔

عمر بن سعد کے دو ہزار گھڑ سواروں نے جنابِ فضل بن علیؑ کا راستہ روکا اور ان سے جنگ شروع ہوگئی، جنگ کا شور و غل، تلواروں کی مار کی آوازیں آسمان تک پہنچ رہی تھیں۔ جنگ شدید ہوئی، لشکرِ کفر نے اصحابِ حسینؑ کے ۹ افراد کو شہید کر دیا۔

جنابِ فضل بن علیؑ چونکہ اپنے باپ علیؑ کی طرح ذوالفقارِ حیدری میں مصروف کار تھے اور کبھی کبھی نیزہ علوی بھی استعمال کرتے اور دشمنوں کے سینوں کو چیر رہے تھے اور کبھی اپنی تلوار سے سر اُڑا رہے تھے۔ اور اس قدر شجاعت دکھائی کہ دو ہزار کا لشکر پیچھے ہٹنے لگا اور اعلان ہوا کہ دُور سے تیروں کی بارش کردو، تو تیروں کی بارش میں اُن کا گھوڑا شدید زخمی ہونے کی وجہ سے گر گیا۔ حضرت فضل بن علیؑ نے پیدل لڑنا شروع کر دیا، لڑتے لڑتے زخمی ہوگئے تو دشمنوں نے گھیرا ڈال لیا اور ظالموں نے ظلم سے شہید کر دیا۔ اور امام حسینؑ کے بھائیوں سے سب سے پہلے شہید ہیں جو تشنہ لب اور سوختہ جگر سے ساقیؑ کوثر باپ سے جا ملے۔

جب ابن سعد کے لشکر نے دس اصحاب کو شہید کر لیا تو پھر نعمان بن مقاتل کی مدد کے لیے آیا جو اپنے ہزار سپاہیوں کے ساتھ جنابِ ہاشم کا محاصرہ کیے ہوئے تھا اور تنہا ہاشم ان سے لڑ رہے تھے اور سواروں اور پیادہ کو تہِ تیغ کر رہے تھے۔ جس طرح گھوڑے کو جولان دیتے تو ہر طرف مُردار کی بو آتی تھی اور جس طرح حملہ کرتے تو مخالفوں کا خون ہی خون نظر آتا تھا۔ نعمان بن مقاتل نے اپنی سپاہ کو للکارا کہ آگے بڑھو اور میرے بھائی کا بدلہ لو، اس وقت ہاشم نے ہاتھ لمبا کیا اور اسے کمر بند سے پکڑا اور زین سے زمین پر گرا دیا جس سے اس کی ہڈیاں چور چور ہوگئیں اور وہ فی النار ہوا اور اس کے علم دار کو نعمان بن مقاتل کے

ساتھ ملحق کر دیا اور علم گر گیا۔ جب نعمان بن مقاتل کی فوج نے اسے مقتول اور اس کے علم کو سرنگوں دیکھا تو پیچھے دوڑے اور بچاؤ بچاؤ کی آوازیں دیتے جا رہے تھے۔ اب اس مقام پر ابن سعد کا لشکر پہنچ گیا اور ان دوڑتے ہوئے فوجیوں کو واپس کیا اور اب ہاشم کا محاصرہ تین ہزار کے لشکر نے کر لیا۔ اس وقت ہاشم کثرتِ زخم، شدتِ پیاس اور حدتِ میدان کی وجہ سے بدن پر ضعف غالب آ گیا۔ نہ بھاگنے کی طاقت تھی، نہ جنگ کرنے کی صلاحیت۔ اس کے باوجود جوش میں تھے اور شوق رکھتے تھے کہ جنگ کریں لیکن کمزوری نے نڈھال کر دیا اور اسی حالت میں شربتِ شہادت نوش کیا اور عارضی دنیا سے ہمیشگی کی طرف چلے گئے۔

- ......شہادت جناب جنادہ بن الحارث الانصاریؒ
- ......شہادت جناب عمرو بن جنادہؒ
- ......شہادت جناب معلّیٰ بن المعلّیٰؒ
- ......شہادت جناب معلّی بن حنظلہ الغفاریؒ
- ......شہادت جناب جابر بن عروہ انصاریؒ
- ......شہادت جناب انس بن معقلؒ
- ......شہادت جناب علی بن مظاہر اسدیؒ
- ......شہادت داؤد بن مالکؒ
- ......شہادت جناب یزید بن شعثاءؒ
- ......شہادت ابوعمرو النہشلیؒ
- ......شہادت جناب شوذب غلامِ عابس بن شبیب شاکری
- ......شہادت جناب عباس بن شبیب شاکری

اِدھر کافی اصحابِ حسینؑ کی شہادت کے بعد چند اصحاب باقی رہ گئے تھے، جو تھکے ماندے، زخمی، گھبرائے ہوئے، مرجھائے ہوئے بھوکے پیاسے تھے۔ اُدھر لشکرِ کفر کے درندے انتظار میں تھے کہ اب کون شجاع میدان میں آتا ہے تاکہ جنگی درندوں کی طرح اسے چیر پھاڑ کھائیں۔ اس وقت زمانے کے شجاع اور نامور جناب عابس بن شبیبؒ میدان میں جانے کے لیے تیار ہوئے۔ آپؒ حضرت امام حسینؑ کے پاس آئے اور جھک کر سلام کیا اور کہا: خدا کی قسم! زمین پر کوئی شخص آپ سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں، اگر میرے پاس یہ طاقت ہوتی کہ ظلم وستم کو آپ سے دُور کر سکوں تو ضرور کرتا۔

میں قربان جاؤں اور آپ گواہ رہیں کہ میں آپ اور آپ کے بابا کے دین اور آئین پر ہوں اور اس عقیدہ سے اپنی جان قربان کرنا چاہتا ہوں۔ پس اجازت لینے کے بعد تلوار لے کر میدان میں اُترے۔ جب میدان کے وسط میں پہنچے تو لشکرِ کفر کے ربیع بن تمیم کی روایت ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جب عابس ببر شیر کی طرح تلوار سے قلبِ لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ آپؑ کو میں نے غزوات اور جنگوں میں بہت دیکھا تھا اور ان کے حملوں کو بہت پسند کیا تھا۔ وہ بہادروں کے سردار تھے۔

میں نے آواز دی: اَیُّهَا النَّاسُ هٰذَا اَسَدُ الاسود هٰذَا ابن شَبِیب لَا یُخرِجَنَّ اِلَیهِ اَحَدٌ

"اے لوگو! یہ شیروں کا شیر ہے، یہ ابن شبیبؓ ہیں، ان کے مقابل جو بھی نکلا وہ مارا جائے گا"۔ جوں ہی عابس وسطِ میدان میں آئے تو بادل کی طرح گرجے اور مبارز طلب کی لیکن کسی کو باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔

عمر بن سعد نے للکار کر کہا: اے لشکریو! جب ان سے جنگ نہیں کر سکتے تو دُور و نزدیک سے تیر اور پتھر برساؤ۔ لشکرِ کفر نے موسمِ برسات کی بارش کی طرح پتھر اور تیر برسائے۔ جب عابس نے یہ حالت دیکھی تو خود اور زرہ کو بدن سے اُتار لیا اور پتھروں اور تیروں کی بارش کی پروا کیے بغیر لشکر پر حملہ کر دیا۔ کبھی عمود سے کام لیتے، کبھی تلوار چلاتے اور کبھی نیزے سے جنگ کرتے۔ لشکر بن سعد کے سپاہی آپ کی دلیری، جانثاری پر حیران تھے اور بعض ان کی شجاعت اور جرأت پر تعجب کرتے تھے۔

ربیع بن تمیم راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم! میں نے عابس کو دیکھا کہ دو سو سپاہیوں کو آگے لگا کر بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک رہے تھے۔ میں نے آواز دی: اے عابس! اس قدر کثیر لشکر میں بغیر خود اور زرہ کے لڑ رہے ہو، کیا آپ کو موت کا ڈر نہیں؟

عابسؓ نے کہا: میں ہجر کے سمندر میں ہوں، مجھے خونریزی کا کوئی خوف نہیں۔ جس کے سر سے تلواریں گزرتی رہی ہوں وہ تیروں کی بارش سے کیا خوف کھائے گا۔ یہ کہا اور مجھ سے گزر گئے اور خود کو تلواروں، نیزوں اور تیروں میں ڈال دیا۔ آپ بھوکے شیر کی طرح غُراتے تھے۔ صفوفِ لشکر کو چیرتے جا رہے تھے لیکن لشکرِ کفار بھی اذیت دینے سے باز نہ آ رہا تھا۔ کافی لڑائی کے بعد میں نے دیکھا کہ سر سے پاؤں تک خون میں غلطاں ہیں، سر میں کئی ضربیں لگی ہوئی ہیں۔ آپ کا جسم شہد کے چھتے کی طرح سوراخ سوراخ ہے۔ آپ کثرتِ پیکاں کی وجہ سے خارپشت کی طرح ہو گئے تھے اور زین پر ریحان کی شاخ کی طرح کبھی دائیں جھک جاتے اور کبھی سیدھے ہو جاتے۔

خون ریزی کی وجہ سے ضعف کا غلبہ ہو گیا۔ آپ کی روح اڑنے والی ہو گئی، اشقیاء نے یہ حالت دیکھی کہ آپؑ کی زندگی کا سورج غروب ہونے والا ہے تو غنیمت سمجھتے ہوئے نزدیک آئے اور اس تھکے ماندے شیر کا محاصرہ کر لیا۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ چند سپاہیوں نے عابس کا سر بدن سے جدا کیا اور پھر آپس میں جھگڑا کیا۔ ایک کہتا

تھا کہ قاتل میں ہوں اور دوسرا کہتا کہ قاتل میں ہوں۔
یہ اطلاع عمر بن سعد کو ملی تو اُس نے کہا کہ تم بے وقت جھگڑا کرتے ہو۔ اسے ایک شخص تنہا قتل کر بھی نہیں سکتا تھا۔

شہادتِ جناب جونؓ غلام ابی ذر غفاریؓ

(از مترجم: یہ جناب ابی ذر غفاری کے غلام تھے جسے اُنہوں نے رسولؐ پاک کو بخشا تھا، رسول پاکؐ نے علیؑ کو ہدیہ کیا۔ حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو تحفہ دیا۔ حضرت امام حسنؑ نے اسے حضرت امام حسینؑ کو بخشا اور روزِ عاشور حضرت امام حسین نے حضرت امام سجادؑ کو بخش دیا)۔

جب جنابِ جونؓ نے دیکھا کہ اصحاب یکے بعد دیگرے شہادت کے بستر پر سوتے جا رہے ہیں اور دشمنوں نے ان کے سفید چہروں کو سرخ کر دیا ہے اور اُدھر یزید لشکر امام حسینؑ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ ہے اور حضرت امام حسینؑ کی ہتکِ حرمت کی گئی اور یہ لوگ فرزندِ رسولؐ کو گالیاں اور طعنے دے رہے ہیں تو آپ کی غیرت میں جوش آیا۔ رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا، گویا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ صبر کا بند ٹوٹنے کو تھا کہ امام حسینؑ کی نظر اِن کے چہرے پر پڑی۔ آپؑ کے چہرے پر اضطراب دیکھا تو فرمایا: اے جونؓ! کیا سوچ رہے ہو، کیا خیال آیا ہے، آپ کا اختیار میرے پاس ہے بتاؤ کیا چاہتے ہو؟

جنابِ جونؓ نے دست بستہ عرض کیا: قربان جاؤں، میرا خیال ہے کہ میں اپنا سر آپؑ کے قدموں میں رکھ دوں کیونکہ اب مجھ میں طاقت نہیں رہی کہ آپ کا یہ حال دیکھتا رہوں، آپ کی غربت پر خاموشی سے نظر جمائے رکھوں اور دشمن کی بکواسات کو سنتا رہوں۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اِنَّمَا تَبِعتَنَا طَلَبًا لِلعَافِيَةِ فَلَا تَبتَلِي بِطَرِيقَتِنَا "آپ اس سفر میں ہمارے ہمراہ ہوئے کہ عافیت اور سلامتی حاصل رہے لیکن یہ زمینِ بلا ہے۔ اپنے آپ کو ہماری وجہ سے مصیبت اور بلا میں نہ ڈالو"۔

جب غلام نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ مہربانی اور کرم کی وجہ سے مجھے معذور فرما رہے ہیں تو اپنے آپ کو مولاؑ کے قدموں پر گرا دیا اور عرض کیا: مولاؑ! میں جان دینے سے گھبرانے کی وجہ سے اب تک خاموش نہیں ہوں بلکہ دیکھ رہا ہوں کہ خوشحالی کے زمانہ میں آپ کے دروازے کا نوکر رہوں اور آج مشکل وقت اور آپؑ غربت کے وقت میں آپ کو تنہا چھوڑ دوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

میں قربان جاؤں، جانتا ہوں کہ مجھے جان قربان کرنے سے کیوں معذور فرمایا ہے اور مجھے اجازت نہیں دے رہے ہیں

کیونکہ میں سیاہ ہوں، میرے خون سے بدبو آتی ہوگی۔ میں پست نسب ہوں۔ اِنَّ رِیحِی لَمُنتِنٌ وَ اِنَّ حَسَبِی لَئِیمٌ وَلَونِی الاَسوَد "میرے خون میں بدبو ہے، چہرہ سیاہ ہے، اے مولاؑ! میری ان صفات کی وجہ سے مجھے بہشت سے کیوں محروم فرماتے ہیں حالانکہ بہشت میں میرا چہرہ سفید، میری بو معطر اور حسب اعلیٰ ہو جائے گا"۔

اے مولاؑ! میں آپؑ کے قدموں سے سر اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک اپنا یہ سیاہ خون آپؑ کے خون سے مخلوط نہ کر دوں۔ حَتّٰی اختَلَطَ هٰذَا الدَّمُ الاَسوَدُ مَعَ دِمَائِکُم یہ کہتا رہا اور قدموں پر سر رکھ کر زار وقطار روتا رہا۔ جونؓ اس قدر رویا کہ حضرت امام حسینؑ اس کی محبت کے جذبہ پر گریہ کناں ہو گئے اور فرمایا:

اے نیک انجام غلامِ جونؓ! اجازت ہے جاؤ ہم بھی تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ پھر جونؓ نے ایک مرتبہ اہلِ بیتؑ عظام کے خیام پر حیا کی نظر دوڑائی اور درد انگیز ٹھنڈی آہ لی اور کہا: اے اہلِ بیتؑ! جون غلام کو اجازت مل گئی ہے۔ میں خدا حافظ کہتا ہوں اور میری عرض ہے کہ میری نوکری میں اگر کمی یا کوئی نقص آیا ہو تو مجھے امام حسینؑ کے صدقے معاف کر دینا۔ جنابِ جونؓ کی آواز سنتے ہی خیام سے بچوں اور مخدرات کے گریہ کی آواز بلند ہوئی کیونکہ بچوں کو جنابِ جونؓ سے بہت محبت تھی، اس لیے بچے باہر نکل آئے اور جونؓ کے اردگرد حلقہ ڈالا اور ماتم کرنا شروع کر دیا۔ حضرت جونؓ ایک ایک بچے کے قدموں پر بوسہ دیتے اور تسلی و دلداری کرتے تھے اور ایک ایک کا ماتھا چوم کر ان کو خیمہ میں روانہ کرتے تھے۔

پھر امام حسین علیہ السلام کی قدم بوسی کر کے غضب ناک شیر کی طرح میدان میں نکلے اور یہ رجز پڑھا: "اب کفار اس سیاہ کی تلوار کی تیز رفتاری کا مزہ چکھیں گے۔ میں سبطِ نبی کا دفاع کرتا ہوں اور زبان اور ہاتھ سے دفاع کرنے آیا ہوں اور اس دفاع کے صدقے قیامت کو نجات ملے گی"۔

یہ رجز پڑھ کر تیزی سے دشمن پر حملہ کر دیا اور جنگ کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے اور دشمنوں کو جہنم پہنچانا شروع کر دیا اور لڑتے لڑتے بہت زخم آئے اور خون بہہ جانے اور پیاس کی شدت سے کمزوری آ گئی۔ دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ آپ جب زین سے زمین پر آئے تو ہر شہید کی طرح امام پاکؑ کو فریاد کی جس طرح ہر شہید آخری وقت امام حسینؑ کو پکارتا تھا اور امامؑ اس شہید کے سرہانے جاتے، سر گود میں لیتے، مہربانی فرماتے۔ لہٰذا جونؓ کو بھی یہ خواہش ہوئی کہ میں بھی آخری وقت میں امامؑ کی زیارت کر لوں لہٰذا زین سے گرتے ہوئے ایک دفعہ خیام کی طرف نگاہ کی اور عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَیكَ یَامَولَایَ یَا اَبَا عَبدِاللهِ اَدرِکنِی

"آقا جان! میرا سلام ہو، حضرت امام حسینؑ خون بار آنکھوں سے جونؓ کے سرہانے پہنچے اور جونؓ کا سر اپنی گود میں لیا اور بلند آواز میں گریہ کیا اور اپنا معصوم ہاتھ جنابِ جونؓ کے سر اور چہرے پر پھیرا اور یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ بَیِّض وَجھَهٗ وَطَیِّب

رِیحَهُ وَاحشُرهُ مَعَ الابرَارِ ”میرے اللہ! جونؓ کے چہرے کو سفید نورانی فرما، اس بو کو معطر فرما اور بروزِ محشر ابرار کے ساتھ محشور فرما“۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعا سے جنابِ جونؓ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح نورانی ہوگیا۔ آپؓ کے خون سے عطر وعنبر کی خوشبو آئے گی۔ (از مترجم: کربلا کی خاک سے جو خوشبو آتی ہے وہ اسی جونؓ کے متعلق دعا کا اثر ہے)

جناب امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: بابا بزرگوار کی شہادت کے بعد جب غاضریہ کے لوگ شہدا کے لاشوں کو دفن کرنے آئے تو جنابِ جونؓ کی لاش دس دن کے بعد نظر آئی اور اس وقت ان کا چہرہ نورانی وسفید اور عطر کی خوشبو آرہی تھی۔

- ......شہادت حریرہ غلام
- ......شہادت جناب یزید مہاجر جعفی
- ......شہادت سیف بن حارث
- ......شہادت جناب مالک بن عبد سریع
- ......شہادت جناب سوید بن عمرو بن ابی المطاع
- ......شہادت جناب احمد بن محمد ہاشمی

حضرت امام حسینؑ کے نو غلاموں کی شہادت

صاحبِ روضۃ الشہداء لکھتے ہیں: حضرت امام حسین علیہ السلام کے گھر کے تین غلام جناب محمد بن مقداد، جناب عبداللہ، جناب ابو دجانہ اجازت لے کر تینوں اکٹھے میدان میں آئے اور کفار سے سخت جنگ کی۔ جب دوسرے غلاموں نے ان کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا دیکھا تو چھے غلام جناب قیس بن ربیع، جناب اشعث بن سعد، جناب عمر بن قرطبہ، جنابِ عظمہ، جنابِ کماد، جنابِ سعد میدان میں ان کی مدد کے لیے پہنچے، ان سب نے اکٹھی جنگ کی، جنگ بہت گرم ہوگئی۔ لڑتے لڑتے یہ نو غلام زخمی ہو گئے اور تلواروں، نیزوں کی ضربوں کی کثرت اور پیاس کی شدت کی وجہ سے بسترِ شہادت پر ہمیشہ کے لیے آرام کرنے پہنچ گئے۔

ترکی غلام کی شہادت

جب تمام اصحاب اور غلام شہید ہو گئے تو ایک غلام ترک جو قاریٔ قرآن اور حافظ فرقان تھا، امام حسین علیہ السلام کے

دروازے کا غلام تھا، بچے ان سے بہت مانوس تھے۔ صاحب روضۃ الشہداء نے لکھا ہے کہ جب اس غلام نے حضرت امام حسینؑ کی غربت اور تنہائی دیکھی تو برداشت نہ کرسکا اور درخشاں ماتھے اور روشن چہرے سے شہنشاہِ ولایت کی خدمت میں آیا اور ادب و احترام کے بعد عرض کیا: میری جان آپؑ پر فدا ہو، ہمارے لشکر میں سے کوئی بھی میرے علاوہ نہیں رہا گویا اب اہلِ بیتؑ کے جوانوں کی باری آ گئی ہے اور مجھ میں طاقت نہیں کہ اپنے مخادیم اور مخدوم زادوں کو خدا نہ کرے زخمی دیکھوں، مجھے اجازت دیں تا کہ اپنی جان کو قربان کروں۔ حضرتؑ نے ان پر نگاہِ کرم کی اور فرمایا: اے غلام! میں نے تجھے اپنے بیمار بیٹے کو بخش دیا ہے اور آپ کا اختیار ان کے پاس ہے لہٰذا بیمار امامؑ سے اجازت لیں۔ غلام امام زین العابدینؑ کی خدمت میں آیا اور حضرتؑ کے بستر کے گرد طواف کیا اور حضرتؑ کے قدموں پر بوسہ دیا۔

حضرت امام زین العابدینؑ نے چشمِ مبارک کھولی تو ترکی غلام کو دیکھا اور فرمایا: کیوں رو رہے ہو؟

غلام نے عرض کیا: میں نے آپؑ کے والد سے جنگ کی اجازت مانگی تو اُنہوں نے فرمایا: تم میرے فرزند امام زین العابدینؑ کے اختیار میں ہو، ان سے اجازت لو۔

پس میں آپؑ کی خدمت میں آیا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ مجھے محروم نہیں کریں گے اور مجھے جنگ لڑنے کی اجازت دیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کردیا ہے، لہٰذا اپنی مرضی کے خود مالک ہو۔

اس نیک صفات غلام نے حضرت امام زین العابدینؑ سے خدا حافظ کی اور خیمہ سے باہر آیا۔ جب خیام اہلِ بیتؑ کے سامنے سے گزرا تو دکھی آواز میں فریاد کی: اے مخدراتِ عصمت! مجھ پر راضی رہنا، اگر کوئی نادانستہ کوتاہی ہوئی ہو تو معاف کردینا اور قیامت کے دن مجھ نوکر اور خدمت گزار کو یاد رکھنا خدا تمہارا محافظ ہو۔

اہلِ حرم کا شور و غل بلند ہوا۔ چھوٹے چھوٹے بچے خیام سے باہر آ گئے اور اس غلام کے ارد گرد حلقہ بنا لیا اور ماتم کرنے لگے۔ غلام نے بچوں کو تسلیاں دیں اور ان کو خیام میں واپس بھیجا۔ پھر روتی ہوئی آنکھوں سے میدان میں آیا اور یہ رجز پڑھا:
"سمندر میرے نیزوں اور تلواروں کی ضربتوں سے موجزن ہوتا ہے اور فضا میرے تیروں اور بھالوں سے پُر ہو جاتی ہے"۔

اس رجز سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کے پاس تیر، کمان، تلوار اور نیزہ وغیرہ تھا اور انہی ہتھیاروں سے دشمنوں پر حملہ کردیا۔ جو شخص بھی مقابلے میں نکلتا اُسے قتل کردیتا جن کی تعداد کافی ہوگئی، پھر گھمسان کی لڑائی میں لڑتے لڑتے تشنگی اور تھکان کے غلبہ نے کمزور کردیا۔

ایک مرتبہ اپنے امام زین العابدینؑ کی خدمت میں آیا اور امامؑ نے اسے آفرین کہا۔ اس کے مبارزہ طلبی کو پسند کیا اور

بہت تعریف کی اور شربتِ کوثر کی بشارت دی۔ پس غلام نے امام زین العابدینؑ کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ لیا اور دوبارہ مخدراتِ عصمت کو خدا حافظ کہا اور ان کی خدمت سے دُوری پر بہت گریہ کیا اور پھر میدان میں آیا اور لشکر پر ایسا حملہ کیا کہ دشمنوں کی کثیر تعداد کو تہِ تیغ کر دیا اور لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا۔ پھر زخموں کی کثرت، پیاس کی شدت اور میدانِ جنگ کی حدت نے غلبہ کر کے اس کو کمزور کر دیا اور اسی کمزوری کی وجہ سے زمین پر گرا اور گرتے ہوئے خیام کی طرف نظر دوڑائی تو امام حسینؑ اس کے پاس موجود تھے۔

حضرت امام حسینؑ اسے امام سجادؑ کے خیمے میں لائے، اُس کے چہرے پر اپنا چہرہ رکھا، امام سجادؑ اس کے پاس تھے۔ غلام نے آنکھیں کھولیں تو اپنے سر کو امام حسینؑ کی جھولی میں پایا اور امام زین العابدینؑ کو اپنے سرہانے دیکھا تو مسکراتے ہوئے باپ بیٹے پر سلام کیا اور اسی حالت میں اس کی روح پرواز کر گئی۔

بنی ہاشم کے جوانوں کا آپس میں الوداع کرنا

جب تمام اصحاب اور محبّ، غلام درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ حضرت خامسِ آلِ عبا اپنے جوانوں کے ساتھ تنہا رہ گئے اور ان جوانوں کے مشام میں جدائی اور فراق کی بُو پہنچی تو ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈال کر یعنی گلے لگا کر ایک دوسرے کو اُونچی آواز سے روتے ہوئے الوداع کہا۔

جناب مرحوم واعظ قزوینی لکھتے ہیں: ان جوانوں کے ایک دوسرے سے وداع کرنے، خدا حافظی کہنے کا راز یہ تھا کہ ان جوانوں کو فراق اور جدائی کا یقین تھا لیکن وصال کا محض اِحتمال تھا اور اِحتمال یہ تھا کہ ان جوانوں میں کوئی ایک زندہ رہ جائے گا تو اس کی شہادت میں بدا حاصل ہو جائے گی۔

بنی ہاشم سے پہلا شہید کون؟

صاحبانِ مقاتل کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب تک اصحاب اور غلام زندہ تھے اس وقت تک بنی ہاشم سے کوئی شہید نہیں ہوا لیکن اصحاب اور غلاموں کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی قربانیاں دینے کا وقت آیا اور ایک ایک کر کے میدان جاتے رہے اور شہادت پاتے رہے۔ البتہ جس چیز پر تاریخ میں شدید اختلاف ہے وہ بنی ہاشم کے پہلے شہید پر ہے کہ پہلے میدان میں کون گیا اور شہید ہوا؟

اس مسئلے میں دو نظریے ہیں:

① پہلے شہید جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ ہیں۔ اور یہ قول ابن شہرآشوب کا مناقب میں ہے۔ علامہ مجلسی کا

بحارالانوار اور جلاء العیون میں، حبیب السیر ، ابوالفتوح رازی ھروی اور ابی مخنف کے مقتل میں بھی یہی ہے۔

(۲) پہلے شہید جناب حضرت علیؑ بن الحسینؑ علی اکبرؑ ہیں۔ اور یہ قول مختار جناب محمد بن ادریس، صاحب مقاتل الطالبین، صاحب لہوف سید بن طاؤس، صاحب ارشاد شیخ مفید، صاحب تاریخ طبری اور صاحب روضۃ الصفا کا ہے۔

ہمارے خیال میں دوسرے نظریے کا موید زیارت ناحیہ کا وہ پاک جملہ ہے جو جنابِ علی اکبرؑ کی زیارت کے بارے میں ہے: اَلسَّلَامُ عَلَيكَ يَا اَوَّلَ قَتِيلٍ مِن نَسئلِ خَيرِ سَلِيلٍ مِن سُلَالَةِ اِبرَاهِيمَ الخَلِيلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيكَ وَعَلٰى اَبِيكَ ''سلام ہو تجھ پر اے ابراہیم خلیل کی پاک نسل کے پہلے شہید''۔

★......★......★

بنی ہاشم کی قربانیاں

حضرت علی اکبرؑ کی تفصیلی شہادت

تمام اصحاب اور انصار باوفا کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی باری آئی کہ ان ہاشمی جوانوں کی تعداد ۳۲ نفر تھی، ان کے میدان میں جانے سے پہلے خود حضرت امام حسینؑ میدان میں جانے کے لیے آمادہ ہوگئے تو ان جوانوں نے امام عالی مقامؑ کے گرد گھیرا ڈالا اور حضرتؑ کے پاؤں پر اپنے آپ کو گرا دیا اور عرض کیا: آپؑ کے قدموں کی خاک پر قربان ہوجائیں جب تک ہم میں سے ایک بھی زندہ ہوگا آپ کو میدان میں نہیں جانے دیں گے۔

ان تمام جوانوں میں سب سے زیادہ جو دکھی دل تھے اور امامؑ کی غربت پر تڑپ رہے تھے وہ آپ کے رشید جوان، دلیر، فرزند دلبند حضرت علی اکبر سلام اللہ علیہ تھے۔ پس اُنہوں نے اپنا سر بابا کے قدموں پر رکھ دیا اور عرض کیا:

یَا اَبَتَہٗ لَا اَبقَانِیَ اللّٰہُ بَعدَکَ طَرفَۃَ عَین "اے میرے مظلوم بابا! اللہ مجھے ایک لحظہ بھی آپ کے بعد زندہ نہ رکھے۔ آپ ایک گھنٹہ صبر کریں اپنی جنگ کو مؤخر کریں تا کہ میں آپؑ پر جان قربان کرلوں۔ پھر آپؑ کی جو مرضی ہو ویسے کرنا"۔

جب امام حسینؑ نے اس انداز میں بیٹے کی بات سنی تو رنگ تبدیل ہوگیا اور طبیعت مرجھانے لگی۔ حضرت علی اکبرؑ کے سر کو قدموں سے اٹھایا اور اپنے سینہ سے لگایا اور پاک خوبصورت چہرے پر بوسے دیئے اور گریہ کرتے ہوئے فرمایا: علیؑ! بیٹے کیا سوچ رہے ہو، کیا چاہتے ہو؟

جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ نے عرض کیا: بابا! اب زندہ رہنا میرے لیے حرام ہوگیا ہے، ابھی خیمہ میں گیا تو بچوں کو تسلیاں دیں اور مخدراتِ عصمت کو گریہ زاری کو بڑی مشکل سے روکا ہے۔ یہ جملہ کہا اور علی اکبرؑ بلند آواز سے زار و قطار رونے لگے۔

امام حسینؑ نے بیٹے کو پھر سینے سے لگایا اور بوسہ دیا۔ پھر جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ نے عجز و انکسار اور شدید اصرار کے ساتھ جہاد کرنے کا اذان چاہا۔

فَلَمَّا كَثُرَت مُبَالِغَتَهُ فِي الاستِيذان وَاَشَدَّ جَزَعَهُ وَهُوَ عطشَانٌ اَذِن لَهُ الحُسَين وَهُو وَلَهَان

"یعنی جب اِذنِ جہاد لینے میں بہت مبالغہ کیا اور شدید جزع کی جب کہ وہ پیاسے بھی تھے تو امام حسینؑ نے انھیں اجازت دی لیکن امامؑ اس وقت حیرت زدہ تھے"۔

جب اجازت ملی تو جناب اکبر سلام اللہ علیہ بہت خوش اور مطمئن ہوئے اور میدان جانے کی تیاری کی۔ جب امامؑ نے بیٹے کو جنگ کی تیاری کرتے دیکھا تو اپنے عزیز کو پاس بلایا اور خود اپنے ہاتھوں سے جنگ کا لباس پہنایا۔

وَرَتَّبَ عَلٰى قَامَتِهِ اَسلِحَةَ الحَرب وَالبَستَهُ الدِرعَ وَشَدَّ فِي وَسطِهِ مِنطِقَةً لَهُ مِنَ الاَدِيمَ فَوَضَعَ عَلٰى مَفرَقِهِ مغفِرًا فولاذِيًا وَقَلَّدَهُ سَيفًا مصرِيًا وَاَركَبَهُ العقَابَ بُرَاقًا عَاوِيًا

"یعنی امام پاکؑ نے اپنے فرزند دلبند کے جسمِ مطہر پر جنگ کا اسلحہ پہنایا، زرہ پہنائی، چمڑے کا کمر بند جو رسولؐ اللہ کا تھا، کمر پر باندھا، سر پر ایک فولادی خود رکھا، مصری تلوار حمائل کی اور برق رفتار عقاب پر سوار کیا"۔

اب فرمایا کہ بیٹا جاؤ اور اہلِ حرم سے الوداع کر کے آؤ۔ حضرت علی اکبر سلام اللہ علیہ روتی آنکھوں اور سسکیوں سے خیام میں آئے اور آواز دی: السلام علیکن یابنات رسول اللہ۔ اہلِ بیتؑ نے جوں ہی حضرت علی اکبرؑ کی دلنشیں آواز کو سنا اور ستاروں کی طرح اپنے خیام کے بروج سے نکلے اور جنابِ اکبرؑ کے رخساروں کی شمع کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہوگئے۔ پھر علی اکبرؑ کی جنگ کی تیاری دیکھ کر خیام سے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ پھوپھیاں، بہنیں، سب چھوٹے بڑے زیارتِ اکبرؑ کے لیے اکٹھے ہوگئے اور جناب علی اکبرؑ کے گھوڑے کے ارد گرد حلقہ بنایا۔

فَاَخَذَت عَمَاتَهُ وَاَخوَاتَهُ بِرِكَابِهِ وَعِنَابِهِ وَقَوَائِمِ مَرِكِبِهِ وَامطَرن عَلَيهِ سَحَائِبَ العُيُونِ الهَاطِلَه

"پھوپھیوں نے گھوڑے کی رکابوں اور لگام کو پکڑا اور چھوٹے بچوں اور بہنوں نے گھوڑے کے پاؤں کو پکڑا اور ساون کے بادلوں کی طرح آنسو بہانا شروع کیے"۔

اسی وقت بڑے دل گردے اور جگر کی مالک جناب لیلیٰ سلام اللہ آگے آئیں اور اپنے بیٹے کی گردن میں ہاتھ ڈال کر زبانِ حال سے فرمایا: اے اکبرؑ! مجھے قیامت تک پریشان اور دکھی نہ کر، یہ وادیٔ بلا ہے۔ تیرے بابا کے ناصر چلے گئے ہیں۔

تیری روانگی دیکھ کر میری آنکھوں میں دنیا تاریک ہوگئی ہے۔

جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ نے ماں کے جواب میں زبانِ حال سے فرمایا: اماں! میرے بابا اکیلے ہوگئے ہیں، میں بابا کی غربت اور آپ کی بے کسی نہیں دیکھ سکتا۔

شہزادے کی میدان میں آمد

شہزادہ علی اکبر علیہ السلام نے اہلِ بیتؑ کو تسلیاں دے کر الوداع کہا اور میدان کی طرف آئے۔ صاحبِ روضۃ الشہداء لکھتے ہیں: حضرت علی اکبر سلام اللہ علیہ اٹھارہ سال کے کڑیل جوان تھے۔ چہرہ آفتابی، خَلق اور خُلق میں شبیہ پیغمبرؐ تھے۔ جب آپؑ میدان میں آگئے تو ان کے رخساروں کی شعاع سے میدانِ جنگ منور ہوگیا اور ابن سعد کا لشکر جمالِ اکبرؑ دیکھ کر اس قدر حیران ہوا کہ ابن سعد ملعون سے سپاہی پوچھتے تھے کہ اے ظالم! تو ہمیں ایسے خوبصورت جوان سے جنگ کے لیئے لایا ہے؟

جب عمر سعد نے دیکھا کہ شہزادہ عقاب گھوڑے پر سوار ہے تو کہا کہ یہ امام حسینؑ کا بیٹا ہے جو شکل وصورت میں شبیہ پیغمبرؐ ہے۔ روایت میں ہے کہ جب اہلِ مدینہ کو جناب رسول اکرمؐ کی زیارت کا شوق غالب آجاتا تو آپ جناب علی اکبرؑ کے چہرے کی زیارت کرتے اور جب رسول پاکؐ کے اندازِ کلام کو سننے کا شوق مجبور کرتا تو شہزادے کے کلام اور گفتگو کو سنتے تھے۔ اس پاکیزہ شہزادے نے میدان میں گھوڑے کو جولان دی اور یہ رجز پڑھا: "میں علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ ہوں اور ہم نبیؐ کے اقرب ہیں"۔

ابوالموید خوارزمی لکھتا ہے کہ حضرت اکبر سلام اللہ علیہ بڑی شان سے میدان میں آئے، اور مبارزہ طلبی کی لیکن کوئی بھی لشکرِ اعدا سے باہر نہ نکلا، بار بار مبارز طلب کرنے کے باوجود کوئی نہ آیا۔ پس شہزادے نے خود لشکر پر حملہ کردیا اور میمنہ ومیسرہ اور قلبِ لشکر کو ایسا درہم برہم کیا کہ دشمن کے سپاہی آگے سے بھاگ رہے تھے اور الامان الامان کی آوازیں آرہی تھیں۔ پس شہزادہ علی اکبرؑ واپس بابا کے پاس آئے اور عرض کیا: بابا جان! مجھے پیاس نے مار دیا ہے اور لوہے کے ان ہتھیاروں نے مجھے آزردہ کردیا ہے۔ پس فھل لی شربۃٌ من سبیل "کیا پانی کا ایک گھونٹ مل سکتا ہے۔ اگر ایک گھونٹ مل جائے تو میدان لشکرِ اعدا سے صاف کردوں گا"۔

امام حسینؑ نے فرمایا: بیٹا! میرے قریب آؤ۔ جناب علی اکبرؑ قریب آئے تو امامؑ نے بیٹے کے لبوں اور منہ سے خاک کو صاف کیا اور حضرت رسول پاکؐ کی انگوٹھی بیٹے کے منہ میں رکھ دی تاکہ چوستے رہیں اور تشنگی سے تسکین مل جائے۔ علی اکبرؑ دوبارہ میدان میں آئے اور مبارز طلب کیا۔ ابن سعد نے طارق بن شبث کو بھیجا کہ جاؤ اور حسینؑ کے بیٹے کا کام تمام کردو

تا کہ ابن زیاد سے تمہیں رقہ اور موصل کی حکومت لے کر دوں۔

طارق نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ میں فرزندِ رسولؐ کو بھی قتل کر دوں اور تو اپنا وعدہ بھی پورا نہ کرے۔ عمر سعد نے قسم کھائی کہ وعدہ وفائی کروں گا اور یہ میری انگوٹھی لے لو اور ضمانت کے طور پر رکھ لے۔ طارق نے عمر سعد کی انگوٹھی کو پہن لیا اور رقہ وموصل کی حکومت کے لالچ میں جناب اکبرؑ سے جنگ کرنے آ گیا۔ یہ مکمل اسلحہ سے مسلح تھا، اُس نے پہلے نیزہ سے شہزادہ علی اکبرؑ پر وار کیا۔ شہزادے نے اُس کے وار کو رد کرتے ہوئے اپنا نیزہ اس کے سینے میں ایسا مارا کہ دو بالشت پشتِ ملعون سے نکل آیا۔ طارق گھوڑے سے زمین پر گرا تو شہزادے نے اپنے عقاب نامی گھوڑے سے اُسے روند دیا جس سے اس کے بدن کے اعضا ٹوٹ گئے۔ پھر اس کا بیٹا عمر بن طارق آیا تو وہ بھی اسی انداز سے باپ سے ملحق ہوا۔ پھر طارق کا دوسرا بیٹا طلحہ بن طارق اپنے باپ اور بھائی کے غم میں آگ کے شعلے کی طرح جوش مارتا ہوا لپکا اور شہزادے کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تا کہ آپؑ گھوڑے سے گر پڑیں لیکن اسد اللہ کے فرزند کا ہاتھ ملعون کی گردن میں ایسے آیا کہ اس کی گردن کی رگوں اور ہڈیوں کو توڑ دیا اور زین سے زمین پر دے مارا۔ یہ دیکھ کر لشکر میں ہائے ہائے کی آوازیں بلند ہوئیں اور شہزادے کی طاقت، ہیبت اور شوکت کے پیش نظر لشکرِ کفر کے قدم اُکھڑ گئے۔ عمر سعد خوفزدہ ہو گیا اور مصراع بن غالب سے کہا کہ تم جاؤ اس ہاشمی جوان کو شکست دو۔

مصراع مقابلے میں آیا تو شہزادے نے نیزہ سے حملہ کیا اور دادا علیؑ کی طرح نعرہ بلند کیا جس سے تمام لشکر خوفزدہ ہو گیا کیونکہ اکبرؑ کو اپنے بابا اور دادا سے شجاعت ورثے میں ملی تھی۔ مصراع جان کے خوف سے اور شہزادے کی ہیبت سے گھبرا گیا تھا۔ شہزادے نے اپنی تلوار سے اس کے نیزے کو کاٹ دیا جب مصراع نے تلوار اُٹھائی اور حملہ کرنا چاہا تو شہزادے نے اللہ اور رسولؐ کا نام لے کر اس کے سر پر تلوار سے ایسے وار کیا کہ زین تک چیر دیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ جب دونوں ٹکڑے زمین پر گرے تو دشمن کے لشکر سے ہائے ہائے کی آوازیں بلند ہوئیں۔

عمر بن سعد نے محکم بن طفیل اور ابن نوفل کو بلایا اور ہر ایک کو ہزار ہزار سپاہی دے کر شہزادے کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ یہ دونوں سردار دو ہزار کا لشکر لے کر آ گئے اور حملہ آور ہو گئے۔ شہزادے نے ان کا حملہ بھی رد کیا اور پھر ان پر حملہ کیا اور ایسا شدید حملہ کیا کہ یہ دو ہزار کا لشکر فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ شہزادۂ علی اکبر نے ان کا تعاقب کرتے کرتے لشکر تک جا پہنچے۔ آپؑ بھوکے شیر کی طرح ان کو قتل کرتے جا رہے تھے۔ اس قدر قتل کیا کہ لشکر میں شور بلند ہوا اور پورے لشکر نے حملہ کر دیا۔ ہر طرف سے مارو مارو کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسی شور وغل میں جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ کی آواز امام حسینؑ کے کانوں تک پہنچی۔ اس وقت امامؑ کبھی اٹھتے تھے اور کبھی بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے: اکبرؑ! تیرا بابا تیرے زورِ بازو پر قربان۔

لشکر نے ہر طرف سے حملہ کردیا تھا لیکن شہزادے کے سامنے جو آتا وہ بچ کر نہ جاتا تھا۔ اس حملہ میں شہزادے نے ایک سو اسّی ملعون واصلِ جہنم کیے۔ لیکن زخم زیادہ لگ چکے تھے اور پورا جسم زخمی ہوگیا تھا۔ چنانچہ زخموں کی کثرت، پیاس کی شدت اور جنگ کی حدت سے اس شیرِ خدا کے ہاتھوں کی حرکت میں ضُعف اور کمزوری آنے لگی۔ ایک مرتبہ پھر لشکر سے نکل کر بابا کے پاس آئے اور یہی عرض کیا: یَا اَبَۃ العَطَش قَد قَتَلَنِی فَھَل اِلٰی شُربَۃٍ مِنَ المَاءِ سَبِیل ''بابا! پیاس نے مجھے بہت کمزور کردیا ہے کیا کچھ پانی ملنے کی اُمید ہے کہ پانی پی کر کچھ طاقت حاصل کروں اور دشمنوں سے پھر جنگ کروں؟''

امامؑ نے اپنے جوان بیٹے کو کوئی جواب نہ دیا البتہ فرمایا: بیٹا! میں شرمندہ ہوں کہ تجھے اس حال میں پانی نہیں دے سکتا۔ پس بیٹے کو سینے سے لگایا، عرق آلود چہرے کو بوسہ دیا اور فرمایا: حَبِیبِی اِصبِر قَلِیلًا حَتّٰی یُسقِیکَ رَسُول اللّٰہِ بِکَاسِہٖ

''میرے جگر گوشے اور میرے میوۂ دل! میرے دل کی ٹھنڈک اور سکون! تھوڑا صبر کرو آپ کو رسولؐ پاک اپنے جام سے سیراب کریں گے۔ اس بشارت پر شہزادے کے دل کو خوشی محسوس ہوئی اور سکون ملا۔ آپؑ تازہ دم ہوکر پھر میدان میں گئے اور حملہ آور ہوئے۔

لشکرِ اعدا نے یمین و یسار سے شہزادے پر یکبارگی حملہ کردیا جس سے حضرت کو بہت زیادہ زخم آئے۔ اس کے باوجود ایک کثیر گروہ کو واصلِ جہنم کیا۔ جب پیاس کی شدت نے حملہ کیا تو پھر بابا کے پاس آئے اور پانی مانگا۔ حضرت امام حسینؑ نے (محض) تسلیاں دیں۔ شہزادہ علی اکبرؑ نے مدینہ کی طرف رُخِ انور کرکے فریاد کی: یَاجَدَّاہ العَطَش پھر نجف کی طرف رُخ کر کے اپنے دادا کو فریاد کی: یَاعَلِی العَطَش امام حسینؑ نے جب بیٹے پر شدتِ پیاس کے اثر کو دیکھا تو فرمایا: یَابُنَیَّ یَعِزُّ عَلٰی جَدِّکَ محمد مصطفیٰؐ وَعَلٰی عَلِیٍ اَن تَدعُوھُم فَلَا یُحِیبُوکَ وَتَستَغِیث بِھِم فَلَا یُغِیثُون ''میرے بیٹے! تیرے باپ پر یہ بات کس قدر گراں ہے کہ آپ اُسے بلائیں اور وہ جواب نہ دیں۔ آپ ان سے فریاد کرتے ہیں اور فریادرسی نہیں کرتے۔ بیٹا! اپنی زبان باہر نکالو، جناب اکبرؑ نے اپنی خشک زبان نیم سوختہ کباب کی طرح نکالی تو امام حسینؑ نے اکبرؑ کی زبان کو اپنے منہ میں رکھ لیا کہ شاید پیاس کی کمی ہوجائے لیکن پیاس کی کمی نہ ہوئی۔ پھر حضرتؑ نے انگوٹھی جناب علی اکبرؑ کے منہ میں رکھی لیکن پیاس کم نہ ہوئی۔ آخرکار فرمایا: بیٹا! تمہارے لیے اب دنیا کا پانی ختم ہوچکا ہے، اب جاؤ اور شام سے پہلے اپنے ناناؐ سے کوثر پر سیراب ہوجاؤ۔

جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ مایوس ہوئے اور میدان کی طرف لوٹے۔ شہزادہ علی اکبرؑ جنگی قواعد کے مطابق گرج کر حملے کر رہے تھے اور کشتوں کے پُشتے لگا رہے تھے۔ حضرتؑ کے چہرے پر پسینہ تھا اور رخسار مخمل کے پھول کی طرح سرخ

ہوگئے تھے۔ اسی دوران میں ایسی جگہ حملہ کرتے ہوئے گزرے جہاں مرۃ بن منقذ کمین گاہ میں کھڑا تھا، اسی ملعون نے اپنی زہرآلود تلوار ایسے زور سے سر پر ماری کہ آبرو تک زخم ہوگیا۔ ابھی اس زخم سے آسودہ نہیں ہوئے تھے کہ اسی مرۃ بن منقذ نے آتش فشاں نیزہ شہزادے کے پہلو میں مارا جس سے آسمان ولایت کا یہ چاند زین پر سنبھل نہ سکا۔ شہزادے نے گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ جب لشکر نے علی اکبر سلام اللہ علیہ کی یہ حالت دیکھی تو بھاگتے ہوئے قریب آ گئے اور شہزادے کا محاصرہ کرلیا۔ فَقَطَّعُوہ بِاَسیاھُم ''اور تلواروں سے آپؑ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے''۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: ایک ملعون نے زہرآلود تیر شہزادے کے حلق میں مارا جس سے شہزادے کی توانائیاں ختم ہوگئیں، ایک ہاتھ سے ڈھال اور دوسرے ہاتھ سے تلوار گرگئی۔ شہزادے نے گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال دیں تاکہ گھوڑا خیام کی طرف لے جائے لیکن ہر طرف سے لشکر کی کثرت تھی اور گھوڑا خیام کا راستہ کھو بیٹھا تھا اور بجائے خیام کی طرف جانے کے دشمنوں کے لشکر میں چلا گیا۔ جہاں سے گھوڑا گزرتا ہر ملعون تلوار کا وار کرتا تھا بلکہ جس ملعون کے ہاتھ میں جو کچھ تھا وہ مارتا تھا۔ لشکرِ اعدا نے اس قدر مارا کہ علامہ مجلسی لکھتے ہیں: فَقَطَّعُوہ بِسُیُوفِھِم اِرباً اِرباً ''انہوں نے شہزادے کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے''۔

جناب علی اکبرؑ کی لاش کا خیام میں پہنچنا

جونہی جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ زین سے زمین پر آئے تو بابا کو پکارا: یَا اَبَتَ ھٰذَا جدِی قد سَقَانی ''بابا! میرا سلام، مجھے ناناؐ نے سیراب کردیا ہے''۔ امام حسینؑ بیٹے کے پاس پہنچے، جب لاش پر نظر پڑی تو دیکھا کہ خون میں لت پت ہے۔ جسدِ اطہر کو سیدھا کیا اور سر اپنی گود میں رکھا۔ پدری محبت نے جوش مارا تو کافی دیر تک بیٹے کے جسم پر لگے زخموں کو دیکھتے رہے۔

علامہ قزوینی ریاض الاحزان میں رقم طراز ہیں: کَانَ الحُسَینُ عَلٰی تِلك الحَالةِ جَالِسًا عَلَی التُّرَاب کَھَیئَۃِ الثَّاکِلِ المُلتَھَب فَوَادُہ

''حضرت امام حسینؑ اپنے جوان کے پاس ایسے بیٹھے تھے جیسے وہ باپ بیٹھا ہو جس کا جوان بیٹا فوت ہوگیا ہو، اور دل دکھی ہوتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ سینے میں غم کا خزینہ ہے۔ آنکھوں کی نظر کمزور ہوگئی تھی۔ اعضاء شل ہوگئے تھے۔ ہڈیاں کانپ رہی تھیں۔ دنیا سے منہ موڑ لیا تھا۔ روشن دن امامؑ کی نظروں میں تاریک رات ہوگئی ہے۔ زندگی سے تنگ ہوگئے، کبھی بیٹے کو آوازیں دیتے تھے اور جواب نہیں ملتا تھا۔ پوچھتے تھے، تم کہاں ہو تو وہ بولتے نہ تھے، کبھی دشمنوں پر لعنت کرتے

ہیں، کبھی لبوں اور منہ سے خون صاف کرتے ہیں۔ کبھی اپنے چہرے کو بیٹے کے زخموں پر رکھتے ہیں اور کبھی فرماتے: بیٹا! اب تو راحت میں ہو۔ کبھی فرماتے: بیٹا تم باپ کو تنہا چھوڑ گئے ہو۔ کبھی فرماتے: الدنیا بعدك العفا، تمہارے بعد دنیا تاریک ہے، میں بھی تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔

ان تمام بینوں اور نوحوں کے بعد سر اُٹھایا تو دیکھا سترہ جوان ایک ایک کر کے آ رہے ہیں اور سب نے جناب اکبر سلام اللہ علیہ کے سرہانے حلقۂ ماتم برپا کر دیا ہے۔ سینہ زنی کرتے ہیں اور زار و قطار رو رہے تھے اور ایسا ماتم کر رہے تھے کہ زمانے نے ایسا ماتم نہیں دیکھا ہوگا۔ ان کے مروارید کی طرح کے آنسو مسلسل جاری تھے۔ آہ و گریہ زاری آسمان تک پہنچ رہی تھی۔ وہ اس بیابان میں خون پسینہ بہا رہے تھے اور اپنے سروں میں خاک ڈال رہے تھے۔

حضرتؑ نے فرمایا: آؤ میرے جوان کا جنازہ اُٹھاؤ اور خیام میں لے جاؤ تاکہ سب بیبیاں ماتم کریں۔ جوانوں نے لاش اُٹھائی اور ٹکڑے ٹکڑے سترہ جسم کو خیام کی طرف لے گئے، جب لاش اٹھائی تو ان جوانوں کا گریہ اس قدر بلند ہوا کہ خیام میں مستورات نے سن کر ماتم شروع کر دیا۔ اہلِ حرم کا گریہ بہت بلند ہوا اور اس قدر ماتم ہوا کہ ملائکہ ملائے اعلیٰ میں رونے لگے۔

امام حسینؑ کبھی جنازے سے آگے اور کبھی جنازے سے پیچھے چلتے تھے۔ کمر خمیدہ تھی، رنگ اُڑا ہوا تھا۔ عمامہ ڈھلا ہوا تھا، ریشِ مبارک میں خاک ملائی ہوئی تھی اور وَلدِی وَلدِی کے بین کرتے آ رہے تھے۔ ایک طرف سے جنابِ عباسؑ علمدار اور دوسری طرف سے جعفر بن علیؑ نے امام حسینؑ کو بغلوں سے سہارا دیا ہوا تھا، حضرت کبھی اکبرؑ کے جنازہ پر نظر کرتے اور کبھی سر جھکا کر گریہ کرتے۔

علامہ قزوینی لکھتے ہیں: خیام کے دروازے تک جناب علی اکبرؑ کے جسم میں جان کی رمق تھی اور کسی کسی وقت بولتے بھی تھے لیکن جوں ہی خیام کے دروازے پر پہنچے تو اکبرؑ کی گفتگو بند ہوگئی، غور سے دیکھا گیا تو روح بھی پرواز کر گئی تھی۔ اسی اثناء میں ایک بچہ خیام سے نکلا۔ حیرت زدہ کبھی دائیں دیکھتا، کبھی بائیں دیکھتا کہ اچانک جب علی اکبرؑ کی لاش پر نظر پڑی تو بچوں نے روتے ہوئے اپنے آپ کو لاش پر گرا دیا اور ایسی گریہ زاری کی کہ ہر سننے والا رو پڑا۔

جنابِ عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ کی شہادت

تمام اصحاب کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کے جوانوں نے ایک دوسرے سے الوداع کرنا شروع کر دیا اور الوداع الوداع، الفراق الفراق کی صدائیں بلند ہوئیں تو آلِ عقیل سے جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل سامنے آئے۔ یہ بہت

خوبصورت جوان تھے۔عبداللہ اپنے ماموں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امامؑ کے قدموں پر سر رکھ کر بوسہ دیا، پھر عرض کیا: اے مسندِ ولایت و امامت کے مالک! مجھے اجازت دیں تا کہ اپنی ہمت کے گھوڑے کو آخرت کی طرف جولان دوں اور جنابِ مسلم بن عقیلؑ کو آپؑ کا سلام پہنچاؤں۔

حضرت امام حسینؑ نے دیکھا کہ شہزادہ میدان میں جانے کے لیے تڑپ رہا ہے تو فرمایا: بیٹا! ابھی تو تمہارے بابا مسلمؑ کے فراق کا غم بھی تازہ ہے۔تم بھی مجھے اپنے فراق میں تڑپانا چاہتے ہو۔تم مسلمؑ کی یادگار ہو۔تمہارے بابا کا دکھ میرے لیے کافی ہے، اگر کر سکتے ہو تو یہ کرو کہ اپنی ماں رقیہ خاتون کو اس دشتِ کربلا سے دُور لے جاؤ کیونکہ اس لشکرِ کفر کا ہدف صرف میں ہوں۔

جنابِ عبداللہ بن مسلمؑ نے دل شکستہ امامؑ کو قسم دی اور عرض کیا کہ میں قربان جاؤں۔آپؑ کے مشن پر آج سب سے پہلے قربانی میرے والد مسلمؑ تھے، اس لیے آپؑ کے اقربا میں سب سے پہلے میں جان قربان کرنا چاہتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: بیٹا! میری آنکھیں تمہیں دیکھ کر ٹھنڈی اور دل خوش ہوتا ہے۔میں آپ کا فراق کیسے برداشت کر سکتا ہوں، تمہارے بغیر میری زندگی تاریک ہے۔اگر ضرور اجازت لینا چاہتے ہو تو بسم اللہ جاؤ ہم بھی تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔

جنابِ عبداللہ بہت خوش ہوئے، اور ماں اور بہنوں سے الوداع کر کے میدان میں آئے۔

ابومخنف نے لکھا ہے کہ شہزادہ ہلالی تلوار لیے دشمن کے سامنے آیا اور اپنے گھوڑے کو جولان دی اور مبارز طلب کیا۔جو سامنے آیا اسے اپنی تیغ کی ضربت سے خاک و خون میں ملا دیا، کبھی تلوار چلاتے اور کبھی شہابِ ثاقب جیسے نیزے کو کام میں لاتے اور اپنے بابا کے خون کا انتقام لینے کے لیے لشکر کو زیروزبر کرتے۔یوں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔

جنابِ عبداللہ کے سامنے ایک شجاع قدامہ بن اسد فزاری آیا۔یہ بڑا جنگجو، تجربہ کار، نیزہ زنی میں مشہور تھا۔کبھی شہزادے پر حملہ کرتا اور کبھی فرار کر جاتا، کبھی عبداللہ کو للکارتا اور کبھی دُور ہو جاتا اور مسکراتا تھا اور جنگ سے گریز کرتا تھا۔اس طریقے سے جنگ کرنے کا مقصد جنابِ عبداللہ کو تھکا دینا تھا۔حالانکہ عبداللہ پہلے ہی بھوک اور پیاس کی شدت کے سبب بہت تھکے ہوئے تھے۔پس حملہ کرنے کی ہمت نہ رہی اور ایک جگہ پر رُک گئے۔جوں ہی قدامہ آگے آیا تو غربتِ ہاشمی کے جوش سے زین پر کھڑے ہو کر اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ آدھا گلہ کٹ گیا اور پھر کمر بند میں ہاتھ ڈال کر اس ملعون کو زین سے زمین پر دے مارا اور خود اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر حملہ آور ہوئے۔شہزادے نے تین حملوں میں اٹھانوے دشمنوں کو واصلِ جہنم کیا۔جب ابن سعد نے جنابِ عبداللہ کی شجاعت کو دیکھا تو کہا: اے لشکر والو! اس شہزادے کے مقابل نکلو لیکن کوئی مقابل نہ آیا۔عبداللہ ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔کوئی مبارز کو سامنے نہ آیا لیکن پیاس کی شدت کے باوجود میمنۂ لشکر پر حملہ کر دیا۔پھر

میمنہ کو میسرہ پر پلٹ دیا اور کافی سواروں کو ہلاک کیا۔ ان ہلاک شدگان میں حمیر بن حمیر بھی تھا جو نہروان کے خارجیوں سے ایک تھا۔ اس کے ہمراہ اُس کا بیٹا کامل بن حمیر بھی ہلاک ہوگیا۔ اب شہزادہ اپنے مرکز کی طرف آنا چاہتے تھا کہ سواروں اور پیادوں نے گھیر لیا اور محاصرہ تنگ کردیا۔

اسی دوران میں خداع دمشقی نے کمین گاہ سے نکل پر اپنے سواروں کے ساتھ عبداللہ پر حملہ کردیا اور شہزادے کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے جس سے شہزادہ زین سے زمین پر آئے اور لشکر میں تنہا گھر گئے۔

صاحب ارشاد شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں: اسی وقت عمرو بن صبیح نے جناب عبداللہ کی نورانی پیشانی پر تیر مارنا چاہا تو عبداللہ نے اپنے ہاتھوں کو چہرے پر رکھ لیا۔ تیر ہاتھوں کی پشت پر لگا جس نے ہاتھ کو پیشانی سے متصل کردیا۔ عبداللہ نے کوشش کی کہ ہاتھ کو پیشانی سے ہٹائیں لیکن ممکن نہ ہوا کیونکہ ہاتھ کو تیر نے پیشانی سے پرو دیا تھا۔ اسی دوران میں ایک ملعون نے شہزادے کے سینے میں نیزہ مارا اور جناب عبداللہ کی شہادت واقع ہوئی۔

جناب جعفر بن عقیلؑ کی شہادت

جعفر بن عقیلؑ نے جناب عبداللہ بن مسلمؑ کی شہادت کو دیکھا تو اپنے عم زاد کی مظلومانہ شہادت پر بہت روئے اور امام حسینؑ سے اجازت مانگی کہ میدان میں جانا چاہتا ہوں۔ امامؑ نے اجازت دی اور یہ تشنہ لب اور خستہ جسم شیرِ نر میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھے: ''میں ابطحی وطالبی جوان ہوں، اور ہاشم کی اولاد سے ہوں۔ ہم تمہارے سردار ہیں اور یہ حسینؑ تمہارے کائنات کے امیر ہیں''۔ تلوار لہرائی اور گرج دار آواز سے للکارا کہ کوئی مبارز ہے تو آئے پس جو بھی مقابلے میں آیا فوراً جہنم پہنچا۔

جناب جعفر نے پندرہ ملاعین کو ہلاک کردیا جبکہ ابومخنف نے اپنے مقتل میں پینتالیس ملاعین کی ہلاکت لکھی ہے۔ شہزادے نے تشنہ جگر اور خستہ جسم کے باوجود شجاعت کے جوہر دکھائے۔ لڑتے لڑتے تھک گئے تو ایک شخص بشر بن سوط الہمدانی کمین گاہ سے نکلا اور تلوار کی ضرب سے جناب جعفرؑ کا ہاتھ کاٹ دیا۔ پھر ایک اور ملعون نے عمود جناب جعفرؑ کے سر پر مارا جس سے شہادت واقع ہوئی۔

ان کے بعد جناب عبدالرحمٰن بن عقیل، ان کے بعد محمد بن ابی سعید بن عقیل اور ان کے بعد جناب موسیٰ بن عقیل شہید ہوئے۔

شہادتِ اولادِ جعفر بن ابی طالبؑ

جنابِ عقیلؑ کی اولاد کی شہادتوں کے بعد جناب جعفر بن ابی طالبؑ کی اولاد کی شہادتیں شروع ہوئیں۔ اہلِ تاریخ

نے لکھا ہے کہ جنابِ جعفرؓ کے دو بیٹے تھے جناب محمد بن جعفرؓ اور جناب عون بن جعفرؓ۔ لیکن صاحب عمدۃ الطالب نے لکھا ہے کہ جناب جعفر طیارؓ کے آٹھ بیٹے تھے: (۱) جناب عبداللہ بن جعفر طیار (۲) جناب عون بن جعفر (۳) جناب محمد الاکبر بن جعفر (۴) جناب محمد اصغر بن جعفر (۵) جناب حمید بن جعفر (۶) جناب حسین بن جعفر (۷) جناب عبداللہ الاصغر بن جعفر (۸) جناب عبیداللہ بن جعفر

ان آٹھ فرزندوں کی والدہ جناب اسماء بنت عمیس تھیں۔ ان آٹھ ہستیوں سے دو کربلا میں شہید ہو گئے اور وہ جناب محمد اصغر اور عون بن جعفر ہیں۔

صاحب ارشاد شیخ مفیدؒ نے ان دو شہیدوں کو جناب عبداللہ بن جعفر کے فرزند لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر نے یہ دو بیٹے مکہ سے باہر امامؑ کے ساتھ شامل کیے تھے کہ اگر جنگ ہو جائے تو یہ دونوں امامؑ پر اپنی جان قربان کر دیں اور ان دونوں شہزادوں کو سفارش کی کہ اپنی ماں کے ساتھ رہنا۔

شہادت جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ

صاحب روضۃ الشہداء لکھتے ہیں: اولادِ عقیلؓ کی شہادت کے بعد اولادِ جعفر طیارؓ کی باری آئی اور اولادِ جعفر طیارؓ میں سے سب سے پہلے جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور جہاد کی اجازت چاہی۔ حضرتؑ نے اذنِ جہاد عطا فرمایا اور جنابِ محمدؓ میدان میں آئے اور رجز پڑھ کر دشمنوں کو یوں للکارا: ''اے دشمنو! میں تم سے جنگ کرنے آیا ہوں اور امام حسینؑ پر اپنی جان قربان کرنے آیا ہوں، میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گا اور جعفر طیارؓ کے پاس تمہاری شکایت کروں گا''۔

آپ یہ رجز بھی پڑھتے تھے اور حملہ بھی کر رہے تھے اور اس مکار بدکار قوم کو ہلاک کر رہے تھے، آخر لڑتے لڑتے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ جناب زینب خاتونؑ نے اپنے بیٹے کے فراق میں گریہ کیا اور امام حسینؑ نے انھیں تسلی دی۔

جناب مجلسیؒ بحار میں لکھتے ہیں: یہ شہزادہ امامؑ سے اجازت لے کر ماں اور بھائی کے ہاتھوں اور چہروں کے بوسے لے کر میدان میں آئے اور دس ملاعین کو واصلِ جہنم کیا۔ آپؑ نے سخت جنگ کی اور میدانِ جنگ کو ملاعین کے خون سے رنگین کر دیا۔

اب عامر بن نہشل تمیمی نے شہزادے پر حملہ کیا تو موت نے جنابِ زینبؑ خاتون کے دل کے میوہ کی شاخِ حیات کو خشک کر دیا۔ جب بی بی زینبؑ کو اپنے بیٹے کی شہادت کی اطلاع ملی تو بڑے اطمینان سے فرمایا: اگر میرا جوان بیٹا چلا گیا ہے تو

کوئی غم نہیں کیونکہ میرے بھائی کا تو بال بھی بیکا نہیں ہونے دیا۔

جنابِ عون بن عبداللہ بن جعفر کی شہادت

جناب عون بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے بھائی کو جب کشتہ اور خون میں لت پت دیکھا تو میدانِ کارزار میں آئے۔ آپؑ نے اپنے بھائی کے قاتل کو دیکھا کہ جنابِ محمد کی لاش کے پاس کھڑا ہے اور خون آلود تلوار ہاتھ میں ہے تو جنابِ عون نے ایک کاری ضرب لگا کر قاتل کو ہلاک کر دیا اور دوسرے جوانوں کی مدد سے بھائی کی لاش کو خیمہ میں لے آئے۔

پھر امام حسینؑ سے عرض کیا: اے آقائے بندہ نواز! میں نے اپنے بھائی کی موت کو دیکھا تو بے اختیار ہو گیا۔ اب آپؑ سے اجازت لینے آیا ہوں تاکہ بھائی کے پاس پہنچ جاؤں۔

امام حسینؑ نے بھانجے کو سینے سے لگایا، چہرے پر بوسہ دیا اور روتی آنکھوں سے جہاد کی اجازت دی۔

جناب مجلسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ محمد کے بعد عون افسردہ دل اور شکستہ قلب سے میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھ کر دشمنوں پر حملہ کر دیا: "اگر تم نہیں جانتے تو سنو میں جعفر طیارؓ کی اولاد سے ہوں جو جنت میں پرواز کرتے ہیں اور یہ بہت بڑا شرف ہے"۔ پھر شمشیر آذری لہرائی اور دشمنوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور آتش فشاں نیزے سے کافروں کے جگر کو چیرتے ہوئے سواروں کو بھگا دیا حتیٰ کہ تیس سواروں اور اٹھارہ پیادوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

شدید لڑائی کے دوران میں اچانک عبداللہ طائی شجاع نے کمین گاہ سے نکل کر جنابِ عون کی پشت پر عمود مارا جس سے اُن کی کمر کے مہرے ٹوٹ گئے اور جنابِ عون گھوڑے پر سنبھل نہ سکے۔ آپ زین سے زمین پر آئے تو روح پرواز کر گئی اور امام حسینؑ کے جوانوں نے جا کر خون آلود اور خاک آلود لاش کو بھائی کی لاش کے ساتھ سلا دیا۔

امام حسنؑ کی اولاد کی شہادتیں

حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھانجوں کی شہادت کے بعد امامؑ کے بھتیجوں کی باری آئی۔ جنابِ امام حسنؑ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن حسنؑ میدان میں آئے۔

جنابِ عبداللہ بن امام حسنؑ کی شہادت

مرحوم ملا حسین کاشفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں: جناب عبداللہ بن حسنؑ ابھی نوجوان تھے۔ اپنے چچا امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اے چچا! مجھے اجازت دیں کیونکہ اب میری طاقتِ برداشت ختم ہو گئی ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: میں تمھیں کس طرح جنگ کی اجازت دوں کہ تم میرے بھائی کی نشانی ہو اور مجھے بہت پیارے ہو۔

جناب عبداللہ نے امامؑ کو تسلیم دی اور اجازت لینے میں اصرار کیا۔ بالآخر امامؑ سے اجازت مل گئی اور میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھا: "اگر مجھے نہیں پہچانتے تو ٹھیک ہے ورنہ سن لو میں امام حسنؑ کا بیٹا ہوں"۔ میدان میں آئے اور ذرا بھر توقف نہ کیا اور بے درنگ ابن سعد کے قلبِ لشکر پر حملہ کر دیا اور صفوں کو منتشر کر دیا اور بڑھتے بڑھتے ابن سعد تک جا پہنچے۔ ابن سعد شہزادے کی تلوار کے خوف سے اپنے سواروں میں چھپ گیا۔ جناب عبداللہ میدان میں آئے، اور مبارزہ طلبی کی۔

ابن سعد لشکر کے سامنے آیا اور لشکریوں کو اس شہزادے سے جنگ پر ترغیب دی۔ خلعت، غلام، گھوڑے اور درہم و دینار دینے کا وعدہ کیا۔ اس وقت بختری بن عمرو شامی سامنے آیا اور کہنے لگا: اے ابن سعد! تو لشکر کا سردار ہے اور سالاری کا دعوے دار ہے لیکن اس شہزادے کی تلوار کی ضرب کا سامنا کرنے سے کیوں فرار ہوتا ہے۔ خود اس کے مقابل جاؤ۔

ابن سعد شرمندہ ہوا اور کہنے لگا: اے بختری! جان ہر ایک کو عزیز ہے اور اگر میں اس شہزادے سے دور نہ بھاگتا تو بچ سکتا تھا، یوں اپنی عمر ختم کر بیٹھتا۔ اگر میری بات پر شک ہے تو ابھی یہ شہزادہ میدان میں کھڑا ہے تم جاؤ تا کہ تمہیں ہاشمیوں سے جنگ کا پتہ لگ جائے اور تم ان سے جنگ کا مزہ چکھ لو۔

بختری ابن سعد کی بات سن کر غضب ناک ہوا اور اپنی قیادت میں پانچ سو سواروں کے ساتھ جناب عبداللہ سے جنگ کرنے نکلا۔ اس وقت لشکرِ امامؑ سے امام حسنؑ کے غلام، محمد بن انس، اسد بن ابی دجانہ اور پیروزان شہزادے کی نصرت کے لیے نکلے۔ جناب پیروزان نے اپنے آپ کو بختری کے سامنے پیش کیا۔ بختری نے غضبناک ہو کر پیروزان پر حملہ کیا۔ پیروزان نے بھی حملے کا جواب دیا۔ شہزادے نے اپنے غلام پیروزان کی نصرت میں سواروں کو نیزے سے روکا، اسد اور محمد بن انس نے بھی حملہ کر دیا۔ جب پیروزان نے دیکھا کہ شہزادے نے حملہ کر دیا ہے تو بختری کے مقابل سے ہٹ کر غلاموں اور امامؑ سے مل گیا اور ایک حملہ کر کے پانچ سو سواروں کے پاؤں اکھیڑ دیئے اور وہ اس طرح بھاگے کہ قلبِ لشکر میں جا پہنچے۔

اس وقت شبث بن ربعی نے پانچ سو سواروں کے ساتھ بختری کو للکارا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ اس قدر سواروں کے ہم راہ ہونے کے باوجود بھی ان چار بھوکے پیاسوں سے بھاگ رہے ہو، پس اُسے اپنے لشکر کی طرف واپس موڑا اور خود بھی پانچ صد کا لشکر لے کر حملہ آور ہو گیا اور ان چار شخصوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

جناب عبداللہ سلام اللہ علیہ نے شبث پر حملہ کیا، محمد اور اسد ساتھ تھے جبکہ پیروزان نے پھر بختری پر حملہ کیا اور اس کے لشکر کو زیر وزبر کر دیا۔

عمر بن سعد نے کہا: میں پیروزان کی جنگ دیکھ رہا تھا۔ خدا کی قسم! اگر اسے ایک گھونٹ پانی کا دیا جاتا تو وہ پورے لشکر کے لیے کافی رہتا کیونکہ وہ بہت بڑے شجاع تھے، اور میں شمار کر رہا تھا کہ پیروزان نے ایک سوتیس یزیدوں کو نیزہ سے اور بیس یزیدیوں کو تلوار سے ہلاک کیا۔ پیروزان جنگ کرتے کرتے تھک گئے اور واپس آنا چاہتے تھے کہ امام حسینؑ کے پاس واپس پہنچ جائیں لیکن اسی دوران میں عثمان موصلی پیچھے سے چھپ کر آیا اور نیزہ پیروزان کی کمر میں دے مارا جس سے وہ گھوڑے سے گر گئے تو سر پر خولی اور تلوار سے جنگ شروع کر دی۔

جب اسد بن ابودجانہ نے دیکھا کہ پیروزان پیدل لڑ رہے ہیں تو اپنے گھوڑے کو جولان دی اور اس گروہ پر حملہ کر دیا جس نے پیروزان کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور ان اشقیا کے چودہ ملاعین کو قتل کر دیا جب کہ باقی بھاگ گئے۔

اسد جناب پیروزان کے قریب آئے اور کہا: اے بھائی! ہمت کرو میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ پیروزان سوار ہونا چاہتے تھے کہ اچانک دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر کر حملہ شروع کر دیا۔ اسد نے پیروزان کو چھوڑ دیا اور دشمنوں کے ساتھ جنگ میں مصروف ہو گئے۔

اسی دوران میں بختری جناب اسد کے دائیں طرف سے آیا اور ان کے پہلو میں نیزہ مارا جس کی نوک دوسرے پہلو سے نکل آئی اور جنابِ اسد کے ہاتھ سے اپنا نیزہ گر گیا۔ آپؑ نے چاہا کہ تلوار چلائیں لیکن ہاتھوں نے کام نہ کیا اب اس حالت کو غنیمت سمجھتے ہوئے ازرق بن ہاشم آیا اور ایک ضربت سے اسد کو شہید کر دیا۔

شہزادہ جناب عبداللہ بن حسنؑ شبث بن ربعی سے مصروفِ جنگ تھے۔ حضرت کے جسم پر سترہ بڑے بڑے زخم لگ چکے تھے لیکن اس قدر شدید حملے کیے کہ دشمن فرار ہو گیا۔ پھر شہزادے نے دیکھا کہ لشکر نے اسد اور پیروزان کا محاصرہ کر لیا ہے تو ان کی نصرت کے لیے ان کے پاس پہنچے۔ وہاں جا کر دیکھا تو اسد شہید ہو چکے تھے۔ جناب عبداللہ نے جنابِ اسد کے قاتل کو ہلاک کیا اور بختری کو زخمی کیا جبکہ اس کا لشکر فرار کر گیا۔ پھر جنابِ عبداللہ جنابِ پیروزان کے پاس آئے اور ہاتھ لمبا کر کے ان کو زمین سے اُٹھایا، زین پر اپنے آگے رکھا اور روانہ ہو گئے۔

شہزادے کا گھوڑا چند قدم تک چلا، پھر رُک گیا کیونکہ اس گھوڑے کو سیکڑوں تیر لگے تھے۔ پھر یہ گھوڑا پیاسا، بھوکا اور تھکا ہوا تھا۔ اس لیے جب دو شخص زین پر سوار ہوئے تو دو شخص کو اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ شہزادہ عبداللہ گھوڑے سے اُترے اور پیروزان کو زین پر سوار رکھا۔ شہزادے کے چچا جنابِ عون بن علیؑ کی نظر پڑی تو انھوں نے شہزادے کو تازہ دم گھوڑا دیا اور عبداللہ سوار ہو گئے اور پیروزان کو جنابِ عون کے سپرد کر دیا۔ عون چند قدم ہی چلے تھے کہ پیروزان زمین پر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔

شہزادہ عبداللہ بہت روئے، عون بھی روئے۔ عبداللہ دوبارہ میدان میں آئے اور مخالف لشکر سے مبارز طلب کیا لیکن کسی کو شہزادے کے مقابل نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ابن سعد کو غصہ آیا اور اپنے لشکر کو گالیاں دیں، لعنت کی کہ تم اس شہزادے کے مقابل کیوں نہیں لڑتے۔

یوسف بن اجار نے ابن سعد سے کہا: رے کی جاگیر تم نے لینی ہے اور لشکر کی سالاری کا علم بھی تو نے سنبھالا ہوا ہے تو خود ان کے مقابل کیوں نہیں جاتا جبکہ ہماری کیوں مذمت کرتا ہے۔

عمر بن سعد نے جواب دیا: مجھے اپنے امیر نے یہ حکم نہیں دیا کہ میں خود دشمنوں سے لڑوں بلکہ اس لشکر کو میرے اختیار میں دیا کہ اس لشکر میں سے جسے چاہوں جنگ پر بھیجوں۔ تو میرے فرمان کے تابع ہے نہ کہ میں تیرے فرمان کے تابع ہوں۔ اب جاؤ اور اس شہزادے سے جنگ کرو ورنہ ابن زیاد کے پاس تمہاری شکایت کروں گا۔

یوسف بن اجار عمر بن سعد کی شکایت کے خوف سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے جناب عبداللہ کے مقابل آ گیا اور آتے ہی حضرتؑ کے سینے میں نیزہ مارا۔ لیکن شہزادے نے اس کے وار کو رد کر دیا اور اس کے حلقوم میں ایسا نیزہ مارا کہ نوکِ نیزہ گردن سے نکل آئی۔ وہ شقی گھوڑے سے گرا اور واصلِ جہنم ہوگیا۔ جب اس کے بیٹے طارق بن یوسف نے باپ کی یہ حالت دیکھی تو انتقام لینے کے لیے عبداللہ پر حملہ آور ہوا۔ وہ بے ہودہ زبان بول رہا تھا اور حیا ادب کو بالکل چھوڑ دیا، گالیاں بکنے لگا۔

جناب عبداللہ برداشت نہ کر سکے اور طارق پر نیزے کا وار کیا۔ طارق نے چستی سے تلوار نکالی اور جناب عبداللہ کے نیزے کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اب طارق نے اسی تلوار سے (بھوکے پیاسے تھکے ماندے) شہزادے کے سر پر کاری ضرب لگانا چاہتا تھا کہ عبداللہ زین میں کھڑے ہوئے اور طارق کے تلوار والے ہاتھ کو ایسا مضبوطی سے پکڑا کہ جوں ہی اس کے ہاتھ کو مروڑا اس کی آستین کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ جناب عبداللہ بن حسنؑ نے دوسرا ہاتھ اس کی کمر میں ڈالا اور زین سے زمین پر ایسے زور سے گرایا کہ بدن کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔

طارق کے چچا مدرک بن سہیل نے جب اپنے بھتیجے کے مرنے کی حالت کو دیکھا تو غم والم سے بھرے دل سے غضب ناک ہو کر میدان میں آیا اور جنابِ حیدر کرارؑ اور ان کی اولاد کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ شہزادے سے برداشت نہ ہوا لہٰذا جوں ہی آیا شہزادے نے تلوار سے حملہ کر دیا جس سے اس کا سر، اور دو ہاتھ تن سے جدا ہو گئے۔ اس کے بدن کا آدھا حصہ زمین پر گرا اور آدھا حصہ زین پر رہا۔ شہزادے نے پاؤں سے پکڑ کر اس کے آدھے زین والے حصے کو گھوڑے سے دور پھینک دیا اور اس کے قیمتی گھوڑے پر خود سوار ہوئے اور مبارز طلب کی۔ لشکرِ کفر نے شہزادے کی تلوار کی ضربوں سے خائف تھا۔ اس لشکر پر شہزادے کا رعب بیٹھ گیا تھا لہٰذا مبارز طلبی کے باوجود کوئی مبارز نہ نکلا۔ شہزادہ عبداللہ لشکر پر حملہ کرنا چاہتے تھے کہ اچانک

صحرا میں ایک مضبوط نیزہ آیا، حضرت نے اسے اٹھایا اور سر کے اُوپر گھما کر لشکر کے میمنہ پر حملہ کردیا اور لشکر کی صف توڑ دی۔ آپ نے نیزہ سے بارہ ملاعین کو ہلاک کیا۔

اب پیاس کی شدت، زخموں کی کثرت اور گرم میدان کی حدت نے مجبور کیا کہ ایک مرتبہ خیام کے پاس حضرت امام حسینؑ کے پاس آئے اور عرض کیا: یَاعَمَّاہُ العَطَشَ

حضرتؑ نے فرمایا: اے چچا کی آنکھوں کی روشنی! اب تمہیں تمہارے دادا اور باپ آبِ کوثر ہی سے سیراب کریں گے۔ اور آپ کے دل کے زخموں پر راحت کی مرہم لگائیں گے۔

پس اس بشارت سے جناب عبداللہ کو سرور آیا اور پیاس کی شدت کا احساس کم ہوگیا، وہ پھر میدان میں آ گئے۔ اس دفعہ پانچ ہزار یزیدیوں نے شہزادے پر یکبارگی حملہ کردیا۔ وہ تیروں، تلواروں، نیزوں اور خنجروں سے شہزادے کو زخم لگا رہے تھے، زخم اس قدر لگے کہ آپ حملہ نہ کر سکتے تھے حتیٰ کہ ان کے گھیرے سے نکل بھی نہ سکے تھے۔

حضرت عباسؑ علمدار نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو عبداللہ کے پاس آئے اور لشکر کے محاصرے کو توڑ کر میدان میں لائے۔ جناب عبداللہ کو بہت زیادہ زخم لگ چکے تھے اور آہستہ آہستہ چل رہے تھے کہ پیچھے سے بنھان بن زُہیر نے آکر کاندھوں پر ضرب لگائی جس سے شہزادہ زمین پر گر گئے اور روح پرواز کر گئی۔

جناب عباس علمدارؑ نے یہ دیکھا تو گھوڑا دوڑایا اور بنھان بن زُہیر کے سر پر پہنچے اور ایک ضرب سے اس کا نجس سر کاٹ دیا۔ اس کے بیٹے حمزہ بن بنھان نے حملہ کیا تو عباس غازیؑ نے اسے بھی ہلاک کردیا اور عبداللہ کو اُٹھا کر خیام کے پاس لے آئے۔

شہادت حضرت قاسم بن الحسنؑ

روزِ عاشور حضرت قاسم بن حسنؑ بڑے دکھی دل، پُر درد خاطر سے قبلۂ عالم امکان حضرت امام حسینؑ کے پاس آئے اور عرض کیا: یَا عَمَّ الاِجَازۃَ لِاَمضِی اِلٰی قِتَالِ ھٰولاءِ الکفرۃِ "چچا! مجھے میدان میں جا کر کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت دی جائے کیونکہ اب مجھ میں روزِ عاشور کی مزید مصیبتیں برداشت کرنے کی طاقت ختم ہوگئی ہے"۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے میرے بھائی کی جان! تمہیں میدان میں جانے کی اجازت کیسے دوں اور تمہارے فراق کو کیسے برداشت کروں۔ میں تمہارے لطیف اور نرم و نازک پیکر کو تیروں اور تلواروں کے میدان میں کیسے بھیجوں۔ میرا دل (یہ سوچ کر بھی) کانپتا ہے۔

قاسمؑ نے چچا کا دامن پکڑا اور بہت روئے۔ جناب قاسم اس قدر دُکھی بین کر رہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے کہ امامؑ کے صبر کے بند ٹوٹ گئے اور قاسمؑ کے گلے میں بانہیں ڈال کر زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ دونوں چچا بھتیجا کو ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر روتے ہوئے جب دوسرے جوانوں نے دیکھا تو وہ بھی زار و قطار رونے لگے۔ اور جب ان کے رونے کی آواز خیام میں گئی تو مخدراتِ عصمت اور اطفالِ اہلِ بیتؑ کا گریہ بلند ہوا۔

قاسمؑ رو رو کر جس قدر التجا کرتے تھے اجازت نہ ملتی تھی۔ جنابِ قاسمؑ پریشان حالت اور روتی آنکھوں سے اپنے خیمے کے ایک کونے میں آ بیٹھے اور غم کے زانو بغلوں میں رکھ کر بابا کے فراق، ماں کی تنہائی، چچا کی غربت، بھائیوں کی شہادت اور مستورات کی بے چینی کی وجہ سے اس قدر افسردہ اور غمگین تھے کہ موت کے آثار نمایاں ہو رہے تھے جب کہ ایک طرف دیکھ رہے تھے کہ باقی تمام جوان میدان جانے کے لیے حاضر کھڑے ہیں اور اذن لے کر باری باری اپنی جانیں قربان کرتے جا رہے ہیں۔

جنابِ طریحی نے منتخب التاریخ میں لکھا ہے کہ جب جنابِ قاسمؑ اجازت ملنے سے مایوس ہوئے فَجَلَسَ مَغمُومًا حَزِینَ القَلْبِ مَتَالما وَوَقَعَ رَاسَهُ عَلٰی رکبتیه

"زانوؤں پر سر رکھ کر غمگین اور پریشان ایک طرف جا بیٹھے اور اپنی بے کسی و یتیمی پر زار و قطار روتے اور ہر سانس کے ساتھ بابا بابا کہتے رہے۔ اسی غمگینی کی حالت میں یاد آیا کہ بابا نے بازو پر ایک تعویذ باندھا تھا اور وصیت کی تھی کہ اے قاسمؑ! جب غم و اندوہ کا پہاڑ تمہارے اُوپر غلبہ کرے تو اس تعویذ کو کھولنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا اس پر عمل کرنا۔ اپنے دل میں خیال کیا کہ آج تک چچا کے زیرِ سایہ رہا ہوں، کبھی کوئی غم اور اندوہ نہیں دیکھا اور آج تک ایسا مشکل وقت بھی مجھ پر نہیں آیا۔ اور یہ حالت کبھی نہیں دیکھی، آج دکھوں کے پہاڑ میرے اُوپر آ رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ آج تعویذ کھولوں اور اس کے مضمون کو پڑھوں اور عمل کروں۔ تعویذ کو کھولا تو دیکھا کہ بابا نے اپنی تحریر میں یہ لکھا تھا:

یَا وَلَدِی یَا قَاسِم اِذَا رَاَیتَ عَمَّکَ الحُسَینَ بِکَربَلَاءِ وَقَد اَحَاطَ الاَعدَاء فَلَا تَترُکِ البَرَازَ وَالجِهَادَ لِاَعدَاء اللّٰه وَاَعدِاءِ رَسُولِ اللّٰه وَلَا تَبَخل عَلَیهِ بِرُوحِكَ وَكُلَّمَا نَصَاكَ عَنِ البَرَازِ عَاودهٗ لیاذن لَكَ

"اے نورِ دیدہ قاسمؑ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ جب تمہارے چچا دشمنوں میں گھر جائے تو کوشش کرنا کہ اپنا سر ان کے قدموں پر قربان کر دو۔ اگر وہ تمہیں جان قربان کرنے کی اجازت نہ دیں تو بار بار اجازت مانگنا تاکہ اجازت دے دیں کیونکہ حسینؑ پر جان قربان کرنا ابدی سعادت کی کنجی ہے"۔

جنابِ قاسم سلام اللہ علیہ نے بابا کی وصیت پڑھی تو خوشی سے آرام نہ کرسکے بلکہ فوراً چچا کے پاس آئے اور بابا کی لکھی تحریر دکھائی۔ جوں ہی حضرت امامؑ کی نظر بھائی کی تحریر پر پڑی اور مضمون نظروں سے گزرا بَکٰی بُکَاءً ا شَدِیدًا تو اُونچی آواز سے رونے لگے۔

عقدِ قاسم سلام اللہ علیہ

(نوٹ از مترجم: بعض کتب میں عقد کی روایات موجود ہیں اور امامؑ کے فعل میں کئی مصالح ہوتی ہیں لیکن ذاکرین نے جنابِ قاسمؑ کی شادی کی جو بنا رکھی اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے)

جب شہزادہ نے بابا کی تحریر چچا کو دی تو امام متاثر ہوئے اور روکر فرمایا کہ یہ وصیت تھی جو آپؑ کو بابا نے کی تھی اور ایک وصیت میرے بھائی نے بھی مجھے کی تھی لہٰذا اس پر بھی عمل ہونا چاہیے۔

منتخب التواریخ میں ہے کہ فَاَخَذَ بِیَدِ القَاسِمِ وَاَدخلَ الخیمه وَطَلَب عونًا وَعباسًا امامؑ نے جنابِ قاسمؑ کا ہاتھ پکڑا، خیمہ میں تشریف لائے، جنابِ عباسؑ علمدار اور جنابِ عون وغیرہ کو بلایا''۔ جنابِ قاسمؑ کی ماں کو بلایا اور فرمایا: یَا اُمَّ وَلَد اَلَیسَ لِلقَاسِمِ ثیابٌ جُدَدٌ قَالَتَ لَا ''اے جوان کی ماں! کیا قاسم کے لیے نئے کپڑے موجود ہیں''۔ بی بی نے عرض کیا: نہیں۔ امامؑ نے بہن جنابِ زینبؑ سے فرمایا: اے بہن بھائی حسن کی امانتوں والا صندوق لے آئیں۔ بی بی وہ صندوق لائیں، کھولا اور امام حسنؑ کا عمامہ اور قبا نکال کر جنابِ قاسمؑ کو پہنائے۔ پھر فرمایا: میری بیٹی فاطمہ جو جنابِ قاسمؑ سے منسوب ہیں کو بلائیں۔ مخدراتِ عصمت روتی آنکھوں اور دکھی دلوں سے جنابِ فاطمہؑ کو لائیں۔ جنابِ فاطمہؑ کے پیچھے پیچھے تمام مخدراتِ عصمت تشریف لائیں۔ حضرت امامؑ نے ایک ہاتھ جنابِ فاطمہؑ کا پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں جنابِ قاسمؑ کا ہاتھ پکڑا اور جنابِ عباسؑ و عونؑ کو گواہ بناتے ہوئے تمام مخدراتِ عصمت میں عقد کا خطبہ پڑھا اور روتے ہوئے جنابِ فاطمہؑ کے ہاتھ کو جنابِ قاسمؑ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: یہ میرے پاس تمہاری امانت تھی۔ پھر حضرتؑ نیز آپؑ کے بیٹوں اور مخدراتِ عصمت نے اس خیمہ کو خالی کر دیا۔

صاحب روضۃ الشہداء میں ہے کہ جنابِ قاسمؑ نے جنابِ فاطمہؑ کا ہاتھ پکڑا اور دیکھ رہے تھے اور سر جھکایا ہوا تھا کہ لشکر ابن سعد کی آواز جنابِ قاسمؑ کے کانوں میں پہنچی کہ وہ کہہ رہے تھے: اے حسینؑ! تمہارا کوئی مبارز بچ گیا ہے یا سب ہلاک ہو گئے ہیں؟

کتاب حدائق الانس میں ہے کہ جب قاسمؑ (و فاطمہؑ) نے ھل من مبارز کی آواز سنی تو دونوں امامؑ کی غربت پر

رونے لگے۔ جنابِ قاسمؑ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، پس اُٹھے اور جنابِ فاطمہؑ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

جنابِ فاطمہؑ نے عرض کیا: یابن العم ابن ترید؟ "اے چچازاد! کہاں جاتے ہو؟"

جنابِ قاسمؑ نے فرمایا: میں اپنے سر کو چچا کے قدموں پر قربان کرنا چاہتا ہوں۔

بی بی نے جنابِ قاسمؑ کے دامن کو پکڑا اور زار وقطار رو کر عرض کیا: اے قاسم! مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہو؟

جنابِ قاسمؑ نے رو کر فرمایا: تجھے خدا کے سپرد کر کے جا رہا ہوں، اب ہم شادی کی خوشیاں آخرت میں منائیں گے اور وہاں ملاقات ہوگی، گھبرانا نہیں ہر مصیبت پر صبر کرنا۔

جنابِ فاطمہؑ نے رو کر عرض کیا کہ قیامت کو کہاں ملاقات ہوگی اور کیسے پہچانوں گی کوئی نشانی تو بتاؤ۔

جنابِ قاسمؑ نے فرمایا: مجھے اپنے بابا اور دادا کے پاس پاؤ گی اور اپنی آستین سے کچھ کپڑا پھاڑا اور فرمایا: یہ میری نشانی ہے کہ جس کی آستین پھٹی ہوئی ہوں وہ قاسمؑ ہوگا۔

جنابِ قاسمؑ میدان میں

علامہ مجلسی لکھتے ہیں: جب امام عالی مقامؑ نے دیکھا کہ جنابِ قاسم مبارزہ کے لیے باہر آئے ہیں اور جنگ کرنے کے لیے اذن چاہتے تو قاسمؑ کو گلے لگایا اور کافی دیر تک دونوں چچا بھتیجا روتے رہے۔ دونوں اس قدر روئے فَجَعَلَا يَبكِيَانِ حَتّٰى غُشِيَ عَلَيهِمَا کہ دونوں کو غش آ گیا۔

صاحبِ منتخب التواریخ لکھتے ہیں: گریہ وزاری کے بعد امامؑ نے پوچھا: يَاوَلَدِی اَتَمشِي بِرِجلِكَ اِلَى المَوتِ "اے میرے نورِ نظر! کیا خود موت کی طرف چل کر جاتے ہو؟"

جنابِ قاسمؑ نے عرض کیا: میری روح آپؑ پر قربان، میری جان قربان، میں کیسے موت کی طرف نہ جاؤں۔ كَيفَ يَاعَم اَنتَ بَينَ الاعداءِ وَحِيدًا فَرِيدًا "جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپؑ دشمنوں کے درمیان غریب وتنہا ہیں"۔

فَلَم يَزَل الغُلَام يُقَبِّلُ يَدَيهِ وَرِجلَيهِ شہزادہ بار بار کبھی مولاؑ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا اور کبھی پاؤں پر گر کر بوسہ دیتا تا کہ اجازت مل جائے۔ جب امامؑ نے جنابِ قاسمؑ کے شدید اشتیاق اور بار بار کا التماس دیکھا تو ثُمَّ اِنَّ الحُسينَ شَقَّ اَذيَاقَ القَاسِمِ وَقَطَعَ عَمَامَتَهُ نِصفَين خود جنابِ قاسمؑ کی قمیص کے دامن کو دونوں طرف سے پھاڑا اور عمامے کے دو حصے کیے۔ ایک حصہ سر پر باندھا اور دوسرا حصہ کفن کی شکل بنا کر گلے میں ڈال دیا۔ اس طرح جوان کو آراستہ کر کے روانہ کیا تا کہ جو بھی اس حالت کو دیکھے ان پر رحم کرے اور اس کا دل ان کی یتیمی اور جوانی پر دکھی ہو جائے۔ تلوار بھی کمر میں لٹکائی اور پھر فرمایا:

اب پہلے خیمہ میں جا کر مخدرات کو الوداع کرلو۔ شہزادہ قاسمؑ خیام میں آئے اور سب بیبیوں کو الوداع کہا۔

جنابِ فاطمہؑ نے پوچھا کہ قیامت کو کہاں ملو گے اور نشانی کیا ہوگی تو جناب قاسمؑ نے فرمایا: اے میری چچازاد! اَعرِفْنِي بِهَذا الرِّدْن المقطوعة "مجھے شہداء کی صف میں دادا اور بابا کے نزدیک اس پھٹی ہوئی آستین سے پہچان لینا"۔

علامہ مجلسی بحار اور جلاء العیون میں لکھتے ہیں: كَانَ وَجهَهٗ كِفلقَةِ القَمرِ "کہ جناب قاسمؑ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن اور منور تھا"۔

لشکر ابن سعد کا سرکاری مؤرخ حمید بن مسلم کہتا ہے: میں ابن سعد کے لشکر میں تھا، اچانک میں نے دیکھا کہ امام حسینؑ کی طرف سے ایک چودھویں کے چاند کی طرح درخشاں چہرے والے جوان نے طلوع کیا جس نے تلوار لگائی ہوئی تھی اور لمبا پیراہن پہنا ہوا تھا اور نعلین کا ایک تسمہ کھلا ہوا تھا۔ جب میدان میں آئے تو یہ رجز پڑھا:

"اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو سنو! میں فرزندِ حسنؑ ہوں جو سبطِ پیغمبرؐ ہیں۔ امام حسینؑ تم ظالموں میں گرفتار ہیں۔ میں ان کے دفاع میں لڑنے آیا ہوں۔ اے ابن سعد! اولادِ پیغمبرؐ اس قدر پیاسی ہے کہ دنیا ان کی نظر میں تاریک ہے"۔

جنابِ قاسمؑ کی اس (پُرسوز) گفتگو سے ابن سعد کے دل کو آگ لگ گئی۔ خود بھی رویا اور لشکر والے بھی روتے رہے۔

ابن سعد نے کہا: اے لشکر والو! اس شیریں نوجوان کو جانتے ہو؟

لشکریوں نے کہا: ہم نہیں جانتے۔

ابن سعد نے کہا کہ یہ امام حسنؑ کا یتیم ہے کہ اس فصاحت و بلاغت سے بات کر رہا ہے، شجاعت اور رشادت اس کے جسم سے ظاہر ہے۔ یہ تم سے جنگ کرنے آیا ہے تا کہ لشکر کے ایک گروہ کی زندگی تباہ کردے، پس بہتر یہ ہے کہ اس کا محاصرہ کرو اور موت کے گھاٹ اُتار دو۔

لشکریوں کا دل نہ چاہتا تھا کہ اس نوجوان پر تلواروں اور نیزوں کے وار کریں، اس لیے پیادہ لوگوں کو ابن سعد نے حکم دیا کہ پتھروں کی بارش کردیں۔ اچانک شہزادے نے دیکھا کہ ہر طرف سے پتھروں کی بارش شروع ہوگئی ہے۔ روزِ عاشوران چار اشخاص پر پتھر برسائے گئے۔

(۱) جناب حر بن یزید ریاحی (۲) جنابِ عابس بن شبیب شاکری (۳) جناب شہزادہ قاسم بن حسن (۴) جناب سیدالشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام۔

پھر ابن سعد سے مخاطب ہو کر فرمایا: اَمَا تَخَافُ اللهَ اَمَا تَراهِبُ اللهَ يَا اَعمَى القَلب اَمَا تَرَاعِي رَسُول الله "اے عمر بن سعد! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے ہو؟ اے دل کے اندھے! رسول اللہ کی حُرمت کی رعایت کیوں نہیں کرتے؟

صاحب روضۃ الشہداء میں ہے کہ شہزادے نے فرمایا: وَيلَكَ قَتَلتَ الشُّبَانَ وَاَفنَيتَ الكُهُولَ وَقَطَعتَ الفُرُوعَ وَاجتَثَثتَ الاصولَ وَهَذِهِ بَقِيَّةُ اللہ سِردِمَةٌ قَلِيلَةٌ مُستَاصِلَة ''افسوس ہے تم پر اے ابن سعد! اے بے حیا! تو نے ہمارے جوانوں کو قتل کر دیا ہے، ہمارے بزرگوں کو پریشان کر دیا ہے۔ ہماری اصل فرع کو کاٹ دیا ہے، ذُریتِ پیغمبرؐ کے اب تھوڑے سے افراد باقی ہیں''۔

اَفَلَا تكُفُّ عَنِ الجَفَا وَسَفلِ الدِماءِ ''کیا تم بھی جفا کو جاری رکھو گے کیا اب بھی خون بہاتے رہو گے؟'' کیا ان بچوں اور مخدرات کو جن کے باپ، بھائی، بیٹے مارے گئے کو اپنے وطن جانے نہیں دو گے تاکہ وہ ایک طرف ہو کر زندگی گزار سکیں۔

عمر بن سعد ملعون نے کوئی جواب نہ دیا۔

جنابِ قاسمؑ نے پھر فرمایا: اے ابن سعد! ہائے افسوس تو دعویٰ تو مسلمانی کا کرتا ہے لیکن اپنے گھوڑے کو پانی پلاتا ہے اور نواسۂ رسولؐ کو پیاسا رکھا ہے اور پانی بچوں پر بھی بند کر دیا حالانکہ بچوں اور مخدرات کی حالت شدتِ پیاس سے تشویشناک ہے۔

جنابِ قاسمؑ کی شجاعت وشہادت

ابومخنف نے لکھا ہے کہ جنابِ قاسمؑ روزِ عاشور ۶۱ ہجری میں چودہ سال کے تھے۔ میدان میں آئے، گھوڑے کو جولان دی اور مبارز طلب ہوئے۔

ابن سعد نے اِدھر اُدھر دیکھا، ازرق شامی پر نظر پڑی، اسے بلوایا۔ یہ ملعون بڑا مغرور تھا، اس نے اس وقت تک جنگ کا اسلحہ نہیں اٹھایا تھا کیونکہ اس قسم کی جنگ کو معمولی سمجھتا تھا۔ ابن سعد نے کہا: اے ازرق! ہر سال امیر کوفہ سے انعام لیتے رہتے ہو اور اپنی شجاعت کے قصے آسمانوں تک پہنچاتے ہو، اس کربلا کی جنگ میں ابھی تک تم نے ذرا بھر شجاعت نہیں دکھائی۔ یہ جوان مبارز طلب ہے اور کوئی شخص میدان میں نہیں جاتا، لہٰذا تم اس جوان سے جا کر جنگ کرو۔

ازرق ابن سعد کی بات سن کر غصے میں آ گیا اور کہا کہ اے ابن سعد! شام کے شاہسوار مجھے ہزار سواروں کے برابر سمجھے ہیں، اب تم مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہو اور ایک بچے سے جنگ کرنے کے لیے بھیجتے ہو!! یہ بچہ ہے اس کے منہ سے ابھی دودھ کی خوشبو آ رہی ہے، کسی اور کو اس کے مقابل بھیجو۔

ابن سعد نے کہا: اس بچے کو معمولی مت سمجھو، خدا کی قسم! اگر یہ پیاسا نہ ہوتا تو تن تنہا ہزاروں لشکریوں کے لیے کافی

ہوتا اور تمام کو قتل کر دیتا۔ خصوصاً یہ جوان جو تجھے بچہ نظر آتا ہے، اسے شجاعت پیغمبرؐ سے ورثہ میں ملی ہے۔ حسنؑ کا فرزند ہے، علیؑ کا پوتا ہے، تم جاؤ اور اس کی بہادری کا نظارہ کرو۔

ازرق نے سمجھا کہ اب کوئی چارہ نہیں، اس لیے جانا پڑے گا۔ ابن سعد نہیں چھوڑتا۔ ازرق کے چار بیٹے تھے جن میں سے ہر ایک شجاعت و تہور میں مشہور تھا۔ اُس نے اپنے بڑے بیٹے کو بلایا اور غضب ناک ہو کر کہا کہ جاؤ اور اس نوجوان کا سر کاٹ دو۔ یہ بڑا بیٹا تمام جنگی اسلحہ سے آراستہ ہو کر شہزادے کے مقابل آ گیا۔ اپنی تلوار بلند کی اور حیدرؑ کے پوتے پر حملہ کر دیا۔ جنابِ قاسمؑ نے جب دیکھا کہ ایک سوار تلوار لہرائے میرے سر پر آن پہنچا ہے تو ڈھال اپنے چہرے کے سامنے کی اور چاند جیسے چہرے کو چھپا لیا۔ ازرق کے بیٹے نے تلوار کی ضرب لگائی جس سے جنابِ قاسمؑ کی ڈھال کے دو ٹکڑے ہو گئے اور حضرتؑ کا بایاں ہاتھ بھی زخمی ہو گیا۔

جب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا تو جنابِ محمد بن انس کو ایک اور ڈھال دے کر شہزادہ قاسم کی نصرت کے لیے بھیجا۔ جب محمد بن انس پہنچے تو قاسمؑ نے اپنے عمامہ کا ایک حصہ پھاڑا اور اپنے ہاتھ کے زخم پر باندھا۔ نئی ڈھال ملی تو شہزادے کو اپنے چچا کی مہربانی پر خوشی ہوئی۔ ڈھال لے کر تلوار سے ازرق کے بیٹے پر ایک ایسی ضرب لگائی اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا اور خود اس کے سر سے گر پڑی۔ اس کے سر کے بال بہت لمبے تھے اس لیے شہزادہ قاسمؑ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے نیچے جھکے، ہاتھ لمبا کیا اور اس ملعون کے بالوں سے پکڑ کر اپنے گھوڑے کو حرکت دی اور اس ملعون کو گھسیٹا، پھر اسے بالوں ہی سے پکڑ کر اٹھایا اور زور سے زمین پر مارا۔ یوں وہ واصلِ جہنم ہوا۔

قاسمؑ نے اس ملعون کو قتل کر کے اس کی قیمتی تلوار کو اٹھا لیا اور مبارز طلب ہوئے۔ ازرق نے دوسرا بیٹا بھیجا، وہ آیا اور شہزادے کو گالی دی تو شہزادے نے اسے مہلت ہی نہ دی اور اس کے پہلو میں ایسا نیزہ مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پھر ازرق کا تیسرا بیٹا صرصر کی طرح میدان میں بھائیوں کا بدلہ لینے آیا، بدزبانی کی اور گالیاں بکنا شروع کیں کہ اے بے رحم! تو نے میرے دو بے مثل بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔

جنابِ قاسمؑ نے فرمایا: پریشان نہ ہو، اگر بھائیوں سے محبت ہے تو تجھے بھی ابھی ان کے ساتھ ملحق کر دیتا ہوں۔ اس ملعون نے غصہ میں آ کر جنابِ قاسمؑ کو نیزہ مارنا چاہا۔ جنابِ قاسمؑ نے جلدی سے اس کے بھائی کی تلوار سے اس کا وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا جس سے نیزہ پھینکنا چاہتا تھا۔ اس وقت یہ ملعون میدان سے بھاگ گیا۔ قاسمؑ اس کے پیچھے حملہ آور ہوئے اور اسے تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ زین تک دو ٹکڑے ہو گیا اور یوں جہنم میں پہنچ گیا۔

پھر ازرق کا چوتھا بیٹا میدان میں آیا، ابھی اس کی آمد سے اُڑنے والی گرد نہ بیٹھی تھی کہ تلوار کی ایک ضرب سے

شہزادے نے اسے جہنم واصل کر دیا۔ لشکر نے شہزادے کی قوتِ بازو اور شوکت اور اندازِ جنگ پر حیرانی کا اظہار کیا تو جنابِ قاسمؑ نے یہ رجز پڑھا: ''اے یزیدیو! میں قاسمؑ ہوں اور علیؑ کا بیٹا ہوں''۔

اُدھر ازرق نے اپنے چار بیٹوں کے قتل ہو جانے پر گریبان چاک کیا، خیمے میں گیا، جنگ کا اسلحہ اٹھایا اور تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر سیلاب کی طرح میدان میں آیا۔

صاحبِ منتخب التواریخ لکھتے ہیں: ازرق کے چار بیٹوں سے لڑائی کی وجہ سے اگرچہ قاسمؑ کے بازوؤں میں کمزوری آ چکی تھی، پیاس کی شدت تھی۔ فَھَمَّ بِالرُّجُوعِ اِلَی الْخَیمۃ خیام کی طرف سانس لینے اور تھکان دُور کرنے کے ارادے سے چلنا چاہتے تھے کہ اچانک ازرق شامی نے راستہ روک لیا اور للکار کر کہا: تو نے میرے چاروں بیٹوں کو بے رحمی سے قتل کر دیا جن کی دنیا میں کوئی نظیر نہ تھی! اب جاتے کہاں ہو؟ میں بدلہ لینے آیا ہوں۔

جنابِ قاسمؑ واپس آئے، دیکھا کہ پہاڑ کے اُوپر ایک پہاڑ رکھا ہے یعنی یہ ملعون آلات حرب اور اسلحہ جنگ سے مکمل آراستہ ہے۔ جنابِ قاسمؑ کے دل میں ذرا بھر خوف نہ آیا اور بے خطر فرمایا: اے بدبخت! تیرے بیٹے جہنم میں تیرے منتظر ہیں، ابھی ان کے پاس بھیج دیتا ہوں۔

جناب ملا حسین کاشفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں: جب امام حسینؑ نے ازرق ملعون کو قاسمؑ کے مقابل آتے ہوئے دیکھا تو اپنے شہزادے پر رحم آیا کیونکہ ازرق کی شجاعت پوری دنیا میں مشہور تھی لہٰذا امامؑ نے ہاتھ اٹھائے اور شہزادے کی کامیابی کے لیے دعا مانگی۔ اِدھر خیام میں جب پتہ چلا کہ ازرق شامی مقابل آ گیا ہے تو تمام مخدراتِ عصمت نے حکمِ امامؑ سے روتی آنکھوں اور پریشان دلوں کے ساتھ جنابِ قاسمؑ کی فتح و نصرت کی دعا کی۔ گویا خیام میں گریہ اور اضطراب کا زلزلہ آ گیا۔ اُدھر لشکرِ کفر کی تمام صفیں غور سے دیکھ رہی تھیں کہ ان دو میں سے کون غالب آتا ہے؟ ازرق نے پہلے نیزے سے جنابِ قاسمؑ پر وار کیا۔ شہزادے نے بھی مقابلے میں نیزہ اٹھایا۔ دونوں کے درمیان بارہ مرتبہ نیزوں کا ردوبدل ہوا۔ ازرق غضبناک ہوا اور نیزہ جنابِ قاسمؑ کے گھوڑے کے پیٹ میں دے مارا، گھوڑا زخمی ہو کر گرا تو قاسمؑ پیدل ہو گئے۔ امام حسینؑ نے دیکھا تو محمد بن انس یا بقولِ قزوینی جنابِ عباسؑ کو تازہ دم بہترین گھوڑا دیا کہ قاسمؑ کو پہنچاؤ۔ قاسمؑ کے رخسار محبتِ امام میں چمک اُٹھے۔ رکابوں کو چوما اور گھوڑے پر سوار ہوئے، تلوار کھینچی اور ازرق پر حملہ آور ہوئے۔ ازرق کی نظر تلوار پر پڑی تو (دھوکا دینے کے لیے) کہا: اے جوان! یہ تو میرے بیٹے کی تلوار ہے ہزار دینار سے خریدی تھی، تمہارے ہاتھ میں کیوں کر لگی؟

جنابِ قاسمؑ نے فرمایا: اسی کے ذریعے تجھے شربت پلانا چاہتا ہوں اور تجھے بیٹے کے پاس پہنچاتا ہوں۔ اے ازرق! یہ کیا جواز ہے کہ اپنے آپ کو دنیا کے بڑے شجاعوں میں شمار کرتے ہو اور گھوڑے کا تنگ کھلا ہوا ہے اور جنگ کرتے

ہو۔

پس جوں ہی ازرق جھکا کہ تنگ کو دیکھے، جنابِ قاسم نے اس قدر زور سے تلوار کا وار کیا کہ ہرے ملائم کھیرے کی طرح دو ٹکڑے ہو گیا اور ہر ٹکڑا گھوڑے کے دونوں جانب نیچے گر گیا۔ اب قاسمؑ نے دیکھا کہ ازرق کا گھوڑا بھاگنا چاہتا ہے تو چھلانگ لگا کر فوراً اس گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنے چچا کے بھیجے ہوئے گھوڑے کی لگام ہاتھ میں تھام کر خیام کی طرف چچا کے حضور پہنچے اور عرض کیا: یَاعَم العَطَشَ العَطَشَ ''چچا جان! ایک گھونٹ پانی مل جائے تو اس لشکر کو تہہ تیغ کر دوں''۔

امام عالی مقامؑ نے جنابِ قاسم کو سینے سے لگایا اور اپنی انگوٹھی قاسمؑ کے منہ میں رکھ دی۔

جناب قزوینی لکھتے ہیں: اس انگوٹھی سے پانی کا چشمہ نکلا اور قاسمؑ سیراب ہو گئے۔ پھر میدان میں جانے لگے تو امامؑ نے فرمایا: ایک مرتبہ خیام میں جاؤ اور الوداع کر لو۔ خیام میں آئے تو ماں نے استقبال کیا اور فرمایا: قاسمؑ! میں تم پر بہت راضی ہوں پھر چہرے پر بوسے دیئے۔

جنابِ قاسمؑ نے جنابِ فاطمہ بنتِ حسینؑ کو دیکھا کہ سر کو زانوؤں پر رکھے رو رہی ہیں تو فرمایا: هَا اَنَا جِئتُكِ ''اے چچازاد! گریہ مت کرو، زندگی ختم ہونے والی چیز ہے''۔

جنابِ فاطمہؑ نے آواز سنی تو جلدی سے سر بلند کر کے استقبال کیا اور عرض کیا: اَلحمدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَرَانِی وَجهكَ قَبلَ المَوت ''خدا کا شکر ہے کہ شہادت سے پہلے آپؑ کی زیارت ہو گئی''۔

جنابِ قاسمؑ نے فرمایا: اے میری چچازاد! فرصت نہیں کہ بیٹھوں اور باتیں کروں۔ شہزادے نے ماں اور چچازاد کو تسلیاں دیں اور الوداع کر کے میدان کی طرف نکلے۔

صاحب روضۃ الشہداء نے لکھا ہے کہ جب قاسمؑ نے میدان میں جانے کا ارادہ کیا تو گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدان میں آئے۔ جوں ہی میدان میں پہنچے یزیدی لشکر سے آوازیں آ رہی تھیں کہ وہ دیکھو ازرق شامی کا قاتل دوبارہ میدان میں آ گیا ہے، لہٰذا جنگ کے طبل بجنے شروع ہو گئے اور ہر طرف سے حملہ کرنے کا اعلان ہو گیا۔

شہزادے کی نظر علم پر پڑی جو عمر بن سعد کے ہاتھ میں تھا، لہٰذا شہزادے نے حملہ کر کے حاملِ علم تک پہنچنے کی کوشش کی جب کہ حاملِ علم قلبِ لشکر میں تھا۔ پس پہلی صف پر حملہ کر کے آگے بڑھے، پھر دوسری صف پر حملہ کر کے اُسے چیرا۔ پھر تیسری صف پر حملہ کر کے راستے سے ہٹایا، پھر چوتھی صف اور پانچویں صف تک جا پہنچے۔

حالت یہ تھی کہ صاحب حدائق الانس لکھتے ہیں: آپ جس صف کے پاس پہنچتے تو وہ صف خود بخود شہزادے کے رعب اور ہیبت سے کھل جاتی تھی۔ دشمن خائف ہو کر جنابِ قاسمؑ کو راستہ دیتے اور قاسمؑ گزر جاتے۔ پھر پیچھے سے صف بند

ہوجاتی۔ جب پانچویں صف پر پہنچے تو قاسم نے اپنے آپ کو لشکر کے درمیان گھرا ہوا پایا۔ آپؑ ابھی اس (کثیر لشکر کے) علمدار تک نہ پہنچ سکے تھے کہ تمام لشکر نے شہزادے کا محاصرہ کرلیا، ہر طرف سے نیزوں اور تلواروں سے حملہ آور ہوگئے۔ زخموں سے خون جاری تھا۔ لڑتے لڑتے قاسمؑ تھک گئے۔ بازوؤں کی طاقت کمزور ہوگئی۔ جب لشکرِ اعداء نے دیکھا کہ قاسمؑ جنگ کرسکتے ہیں اور نہ واپس جاسکتے ہیں بلکہ اب تو ان کی آواز بھی خیام تک نہیں پہنچ سکتی تو اس ضمن میں صاحب روضۃ الشہداء رقمطراز ہیں کہ تب پیادہ فوج نے ان کا راستہ بند کردیا ہے۔ حضرتؑ جنگ میں مشغول تھے کہ کئی گھڑسواروں نے ان کا محاصرہ کرلیا ہے اور تیروں، نیزوں، گرزوں اور تلواروں سے حملہ آور ہوئے۔

جنابِ قاسمؑ نے ایک شدید حملہ کیا جس میں تیس پیدل فوجیوں اور پچاس گھڑسواروں کو گرا دیا، جس سے اس صف سے راستہ مل گیا، لہٰذا چاہتے تھے کہ لشکر کے درمیان سے باہر نکل آئیں لیکن شہزادے کے گھوڑے کو اس قدر نیزے اور تیر لگے کہ گھوڑا گر گیا۔ جنابِ قاسم پیدل ہوگئے۔ اسی دوران میں شبث بن سعد نے جنابِ قاسمؑ کے سینے میں ایسا نیزہ مارا کہ پشت سے نکل آیا۔

اس قسم کے گہرے زخم (تقریباً ستائیس تھے) جن سے کثیر مقدار میں خون بہہ گیا۔ آپؑ نے آواز دی: یَاعَمَّاہ اَدرِکنِی ''چچا جان! میری مدد کو آئیے''۔

جیسے ہی امامؑ نے بھتیجے کی آواز سنی، تیزی سے میدانِ جنگ میں آئے۔ لشکر کی صفوں کو حملہ کر کے ہٹایا اور وسطِ لشکر میں جنابِ قاسمؑ کو خاک وخون میں غلطاں پایا۔ شبث ملعون شہزادے کے سر پر کھڑا سر کاٹنے کے انتظار میں تھا۔ حضرت امامؑ نے ایک ہی ضرب سے شبث ملعون کو جہنم میں رسید کیا۔ پھر قاسمؑ کو اٹھایا اور خیموں میں لے آئے۔ ابھی قاسمؑ کی کچھ سانسیں باقی تھیں۔ حضرتؑ نے سر کو گود میں لیا اور چہرے پر بوسے دیئے۔ جنابِ قاسمؑ کی ماں اور دیگر بیبیاں گریہ کررہی تھیں۔ جنابِ قاسمؑ نے آنکھیں کھولیں، سب کو سرہانے دیکھا تو مسکرائے اور آپؑ کی روح پرواز کرگئی۔

مؤلف کتاب ہذا کے مطابق کسی صاحبِ مقتل نے جنابِ قاسمؑ کا قاتل شبث بن سعد کو نہیں لکھا سوائے روضۃ الشہداء کے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت قاسمؑ کا قاتل عمر بن سعد ازدی تھا۔

جناب شیخ مفیدؒ ارشاد میں لکھتے ہیں: حمید بن مسلم جو عاشور کے دن تاریخ نویس تھا، کہتا ہے: ''جب جنابِ قاسمؑ کا قاتل عمر بن سعد ابن نفیل ازدی تھا اور امام حسینؑ نے اس پر حملہ کیا تو یزیدی لشکر اس عمر بن سعد بن نفیل کی حمایت میں امامؑ پر حملہ آور ہوا۔ وَحَمَلَ خَیلُ اَھلِ الکُوفَۃِ لِیَستَنقِذُوہ فَتَوطَاتَہُ بِاَرجلِھَا حَتّٰی مَاتَ

کہ عمر بن سعد بن نفیل ازدی کو امام حسینؑ سے بچالیا۔ لیکن جب جنگ کا گردوغبار بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا کہ امام

حسین قاسمؑ کے سر کے پاس کھڑے ہیں اور قاتلوں پر لعنت کر رہے ہیں، جبکہ قاسمؑ خاک وخون میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنے شہزادے کے ٹکڑے ٹکڑے جسم کو سینے سے لگایا اور خیام میں لائے اور میں نے دیکھا کہ جنابِ قاسمؑ کے قدم زمین پر لگتے آ رہے تھے۔ آپؑ نے قاسمؑ کو خیام میں جنابِ علی اکبرؑ اور دیگر شہداء کے ساتھ رکھ دیا۔

مرحوم طریحی نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ جب قاسمؑ کو حضرت امام حسینؑ خیمہ میں لائے تو وَبِهِ رَمَقٌ فَفَتَحَ عَيْنَيْهِ فَجَعَلَ يُكَلِّمُهُ

"قاسمؑ نے آنکھیں کھولیں اور چچا، پھوپھیوں، ماں اور دیگر مخدرات کو دیکھا کہ سب کھڑے رو رہے ہیں۔ پھر سب کو سلام کیا اور آپؑ کی روح پرواز کر گئی۔ ان کے بعد جنابِ احمد بن حسن مجتبیٰؑ شہید ہوئے اور ان کے بعد جناب ابوبکر بن حسنِ مجتبیٰ کی شہادت ہوئی۔

جناب حسن مثنیٰ کا میدان میں جانا، زخمی ہونا اور قید ہونا

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے تمام فرزندوں کی شہادت کے بعد صرف حسن مثنیٰ باقی بچے۔ یہ جلیل القدر، عظیم المنزلۃ، فاضل، بارع، متقی و پرہیزگار ہستی تھے اور حضرت علیؑ کی طرف سے صدقات کے والی رہ چکے تھے۔

سید مرحوم نے لہوف میں لکھا ہے کہ ان کا تذکرہ کتبِ مقاتل میں نہیں ہے صرف مجلسی، ابن شہر آشوب، صاحب عمدۃ المطالب اور سید نے لہوف میں لکھا ہے کہ جناب حسنِ مثنیٰ نے واقعۂ کربلا میں اپنی جان قربان کی اور جب تک طاقت اور توانائی تھی، اپنے چچا کی حمایت کی۔

قزوینی مرحوم نے کتاب مصابیح سے نقل کیا ہے کہ جناب حسن مثنیٰ نے میدانِ جنگ میں سترہ یزیدیوں کو ہلاک کیا اور سترہ زخم جسم پر سہے۔ آپؑ زخموں کی کثرت اور قوت کے ضعف کی وجہ سے بے حال ہو کر زمین پر گر گئے اور بے ہوش ہو گئے اور شہداء میں بے ہوش پڑے تھے۔

صاحبِ عمدۃ المطالب لکھتے ہیں: جب امام حسینؑ اور انصار اور بنی ہاشم سب شہید ہو گئے تو ابن سعد نے حکم دیا کہ تمام شہداء کے سر تن سے جدا کیے جائیں۔ جب حسن مثنیٰ کے سر پر آئے تو اُن میں کچھ رمقِ جان باقی تھی۔ ابن سعد کو اطلاع دی گئی کہ ان کے بارے کیا کیا جائے تو اسماء بن خارجہ بن عتبہ بن عصیرہ بن حدیقہ بن بدر الفرازی ابوحسان نے سن لیا۔ وہ ابن سعد کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابن سعد! حسن بن حسن مثنیٰ میرا بھانجا ہے لہٰذا مجھے بخشا جائے۔ عمر بن سعد نے قبول کیا اور اس کو اختیار دے دیا۔

مرحوم مجلسیؒ نے بحار میں لکھا ہے کہ جوں ہی اسماء نے سفارش کی اور وہ قبول ہوئی تو اس نے فریاد کی: تمہیں خدا کی قسم کوئی شخص میرے بھانجے حسن بن مثنیٰ کو ہاتھ نہ لگائے۔

صاحب عمدۃ المطالب نے لکھا ہے کہ اسماء نے ابن سعد سے کہا کہ حسن بن مثنیٰ میرا بھانجا ہے، میں اسے ابن زیاد کے پاس لے جاؤں گا، سفارش کروں گا اور اُس نے قبول کی تو ٹھیک ورنہ تم اسے قتل کر دینا۔

ابن سعد مان گیا اور کہا کہ حسن بن حسن مثنیٰ کو اسماء ابوحسان کے سپرد کردو۔ ابی حسان اسماء جناب حسن مثنیٰ کو زخمی حالت میں خیمہ اٹھالایا۔

علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ زخموں کی کثرت سے بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو آنکھیں کھولیں، دیکھا کہ نہ امام حسینؑ ہیں، نہ چچا عباسؑ، نہ جوانانِ بنی ہاشم اور نہ خیام۔ پوچھا میں کہاں ہوں اور اہلِ بیتؑ کہاں ہیں؟

جواب دیا گیا کہ یہ کوفہ ہے اور تمہارے تمام چچا اور بھائی مارے گئے ہیں۔ اب ان کے سروں کو نیزوں پر سوار کر کے اور خواتین کو قید کر کے کوفہ میں لایا گیا ہے۔

جب ابی احسان اسماء نے ابن زیاد کے سامنے اپنے بھانجے حسن مثنیٰ کی سفارش کی تو اس حرام زادے نے کہا: ہمارا مقصود تو صرف (نعوذ باللہ) خارجی کا قتل تھا اور حسن مثنیٰ تیرا بھانجا ہے، لہٰذا اُسے قتل نہیں کرتے بلکہ قیدیوں کے ساتھ شامل کر کے شام بھیجتا ہوں۔ حسن مثنیٰ کو شام بھیجا گیا اور اُنہوں نے شام سے واپسی پر مدینہ میں وفات پائی۔

شہادتِ اولادِ علیؑ

شہادت جناب ابوبکر بن علیؑ

امام حسنؑ کی اولاد کی شہادت کے بعد اولادِ علیؑ کی باری آئی۔ حضرت علیؑ کی اولاد سے پہلے جوان جو عازمِ میدان ہوئے اور شہید ہوئے وہ جناب ابوبکر بن علیؑ ہیں جن کا نام عبداللہ ہے۔

مرحوم شیخ علی نے اپنے رجال میں لکھا ہے کہ ان کی ماں مسعود بن خالد دارمیہ کی بیٹی لیلیٰ ہیں اور ان کا خالو ابوالاسود الدئل ہے۔

مرحوم کاشفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں: جناب ابوبکر بن علیؑ امام حسینؑ کے حضور مشرف ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اجازت دیں تا کہ ان ظالموں سے اپنے عزیزوں کا انتقام لے سکوں۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: آپؑ ایک ایک کر کے جا رہے ہیں اور مجھے تنہا چھوڑتے جا رہے ہیں، آپ ان مخدراتِ

عصمت کو کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔

امامؑ کا کلام سن کر ابوبکر بن علیؑ زار و قطار رونے لگے اور عرض کیا: اے میرے آقا اور مولاؑ! آج تک ہم نے جو دیکھا آپؑ کی بزرگی اور آقائی ہی دیکھی ہے لیکن آپؑ کی ظاہری عزت کا آفتاب زوال پذیر ہے جو ہم غلاموں سے دیکھا نہیں جا سکتا۔ اس کے علاوہ کافی مدت سے مجھے خواہش تھی کہ آپؑ کی خدمت میں تحفہ دوں لیکن آپؑ کے شایانِ شان تحفہ نظر نہیں آ رہا تھا، اب آج دیکھ رہا ہوں کہ جان قربان کرنے سے بڑا تحفہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ مجھے اجازت دیں کہ اپنی جان آپؑ کے قدموں پر قربان کر سکوں۔

جناب امام علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ اجازت ہے ہم بھی تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ وَمِنهُم مَن قَضٰی نَحبَه وَمِنهُم مَن یَّنتظِر

وہ شجاع اجازت ملتے ہی بھائیوں سے الوداع کر کے میدان میں آئے اور پہلے اس کوفہ و شام کو وعظ و نصیحت کی کہ اے بے دین اور سنگ دل لوگو! تم نے دین کو بیچ دیا اور غضبِ الٰہی کو خرید لیا۔ نیز چند روزہ عیش کی خاطر ابدی عذاب کو قبول کیا ہے۔ تم نے ایسے شجاع جوان قتل کر دیے ہیں جن کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ اب تم جانِ رسولؐ اور میوۂ باغِ بتولؑ کو بھی خاک و خون میں ملانا چاہتے ہو اور ارکانِ توحید کو گرانا چاہتے ہو۔ پھر تلوار نکالی اور حیدر کرارؑ کی طرح قلبِ لشکر پر حملہ کر دیا۔ اور ملعون کا قتلِ عام کیا، حتیٰ کہ کثیر زخموں اور پیاس کی شدت سے کمزوری پیدا ہو گئی تو ایک ملعون عبداللہ بن عقبہ غنوی نے حملہ کر دیا اور انھیں شہید کر دیا۔

مرحوم مجلسی نے بحار میں لکھا ہے کہ ابوبکر کا نام عبیداللہ تھا۔ صاحبِ ارشاد شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں: عبیداللہ بن علیؑ اور ابوبکر بن علیؑ دونوں حضرت علیؑ کے فرزند ہیں اور ان کی ماں مسعود ثقفی کی بیٹی لیلیٰ تھیں۔

قزوینی مرحوم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میری تحقیق یہ ہے کہ عبیداللہ اور ابوبکر دو بھائی تھے اور ابوبکر بن علیؑ کربلا میں شہید ہوئے۔

ان کے بعد جناب عمر بن علیؑ شہید ہوئے۔ ان کے بعد جناب عثمان بن علیؑ شہید ہوئے۔

شہادتِ عون بن علیؑ

اپنے بھائیوں ابوبکر بن علی، عمر بن علی اور عثمان بن علی کے بعد جنابِ عون جو بہت خوبصورت جوان تھے۔ امامؑ کی خدمت میں آئے اور اجازت لینے کے بعد عرض کیا کہ مجھے دشمنوں سے جنگ کرنے کی بہت جلدی ہے۔

امامؑ نے فرمایا: کیا دشمن کا لشکر بہت زیادہ ہے اور وہ سوار ہیں؟

عون نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! شیر کو کبھی لومڑیوں کی کثرت کا خوف نہیں ہوتا۔ اجازت ملی، میدان میں آئے۔ گھوڑے کو جولان دیا اور قلبِ لشکر پر حملہ کردیا۔ ابن حجار نے دو ہزار کے لشکر کے ساتھ ان کا محاصرہ کرلیا۔ عون نے تلوار سے ان کی صفوں کو چیرا اور لشکر کو اپنے آگے لگا کر بھگا دیا۔ جنگ کرتے کرتے آپ مجروح ہوئے تو خیام کی طرف آئے۔ امامؑ نے شاباش دی اور فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم مجروح ہو اور کثرتِ زخم میں خیام میں جاؤ اور مرہم لگاؤ۔

عرض کیا: اے برادر! آپؑ کو اپنے جدّ رسولؐ پاک کی روح کی قسم! مجھے جنگ سے نہ روکو۔ ممکن ہے کہ میں پیاس کی شدت سے مرجاؤں۔ مجھے علم ہے کہ ساقیٔ کوثر جام اٹھا کر کھڑے ہیں۔ وہ مجھے اشارہ کرتے ہیں لہٰذا میں جلدی جانا چاہتا ہوں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اس گھوڑے ادھم پر سوار ہوجاؤ جو مولا علیؑ نے تمہیں دیا تھا۔ عون کے لیے وہ گھوڑا آیا۔ خود حضرت امام حسینؑ نے سوار کیا، زرہ پہنائی، تیغ یمانی حمائل کی، رومی نیزہ عطا کیا اور عون میدان میں آئے۔

جب صالح بن یسار کی نظر پڑی تو وہ کانپنے لگا اور اس کے دل کا دیرینہ کینہ تازہ ہوگیا۔ کیونکہ حضرت امیرؑ کی حکومت میں اس نے شراب پی تھی اور مستی کی حالت میں حضرتؑ کے پاس لایا گیا تو حضرتؑ نے عون کو فرمایا تھا کہ اسے اسّی کوڑے لگاؤ۔ عون نے حکمِ امامؑ پر عمل کرتے ہوئے اسے اسّی کوڑے مارے۔ اس کے دل میں عون کے خلاف کینہ چھپا ہوا تھا۔ جب عون میدان میں آئے تو یہ نام کا صالح اور عاقبت کا طالح انتقام لینے کے لیے تلوار کھینچے اور گالیاں بکتے ہوئے عون پر حملہ آور ہوا۔ چونکہ وہ زبان درازی کر رہا تھا اس لیے جنابِ عون نے اسے مہلت نہ دی اور اُس کے منہ پر نیزہ مارا جو گردن سے نکل آیا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ اس وقت میمنہ اور میسرہ سے ہزار ہزار کے دستوں نے جنابِ عون پر حملہ کردیا۔ جو قریب آتا جنابِ عون اُسے موت کی وادی میں بھیج دیتے۔ جنگ کرتے کرتے بہت زخم آئے اور توانائی میں ضعف آ گیا۔ شدتِ پیاس نے دنیا تاریک کردی اور بھوک نے بہت کمزور کردیا تھا تو اس وقت ایک ملعون خالد بن طلحہ نے ایک ایسا نیزہ مارا کہ آپؑ زین پر نہ سنبھل سکے اور جب زمین پر آئے تو پڑھا: بسم اللّٰه وَبِاللّٰه وَعلٰی مِلَّةِ رَسُول اللّٰه "اے فرزندِ رسولؐ! میں آپؑ کی حمایت کے لیے دنیا میں آیا تھا اور آپؑ کی وفاداری میں آخرت کی طرف جا رہا ہوں"۔ یہ کہا اور روح پرواز کرگئی۔

عون کے بعد جناب جعفر بن علیؑ شہید ہوئے اور ان کے بعد جناب عبداللہ بن علیؑ شہید ہوئے۔

جناب محمد بن عباس علمدارؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت

صدر قزوینی مرحوم کتاب حدائق الانس میں لکھتے ہیں: جن شہداء نے امامؑ پر جان قربان کی ان میں جناب محمد بن عباس

بھی ہیں۔حضرت عباسؑ علمدار کے تین بیٹے تھے ان میں ایک محمد نامی بیٹے کربلا میں اپنے بابا کے ساتھ موجود تھے۔جناب قمر بنی ہاشم کو ان سے بڑی محبت تھی اور کبھی انھیں خود سے جدا نہ کرتے تھے۔یہ جوان عبادتِ خدا میں اس قدر سجدہ ریز ہوتے کَانَ بَینَ عَینَیہِ اَثرِ السُجُود ''پیشانی پر سجود کے آثار نمایاں تھے،ان کی نمازِ شب کبھی قضا نہ ہوئی تھی''۔

جب جنابِ قمر بنی ہاشم نے بھائی حسینؑ کی حالت زار دیکھی تو پہلے اپنے بھائیوں کو امامؑ پر قربان کیا اور پھر اپنے بیٹے محمدؑ کو بلایا،کفن پہنایا،تلوار کمر سے لٹکائی اور امامؑ کے پاس لائے۔امامؑ کا پہلے طواف کیا اور حضرت امامؑ سے اپنے بیٹے کے جہاد کرنے کی اجازت مانگی۔حضرت امامؑ نے فرمایا:اے میرے نور!دنیا سے آخرت کی طرف جاؤ،ہم بھی آرہے ہیں۔

جنابِ محمدؒ نے چچا کے ہاتھوں اور پاؤں پر بوسہ دیا،پھوپھیوں سے الوداع کیا اور میدان میں اُترے۔ان کی جنگ کی کیفیت اور مبارزہ طلبی کا اندراج کتبِ مقتل میں مذکور نہیں۔پس صرف ابن شہرآشوب وغیرہ نے ان کو کربلا کے شہداء میں شمار کیا ہے۔ان کا قاتل قبیلۂ بنی دارم کا ایک بدبخت شخص ہے جس نے قمر بنی ہاشم کے دل پر جوان بیٹے کی موت کا داغ لگایا۔

جب حرملہ بن کاہل کوفہ آیا تو اُس نے جناب محمد بن عباسؑ علمدار کا سر اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا ہوا تھا اور علامہ مجلسیؒ قمرِ عذاب نے قمرِ عذاب میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب اہلِ بیتؑ کوفہ لائے گئے تو ایک سوار کے گھوڑے کی گردن میں قَدْ عَلَّقَ فِی لبب فَرَسِہٖ رَاسَ غُلامٍ اَمرَء ایک ایسے جوان کا سر لٹک رہا تھا جس کے چہرے کے ابھی بال نہیں اُگے تھے لیکن حسن اور درخشندگی میں چودھویں کے چاند کی طرح وہ چمک رہا تھا۔ وَالفَرسُ یَمرَحُ فَاِذَا طَاطَا رَاسَه لَحِقَ الرَّاسُ الارضَ یہ سوار اس سر کے ساتھ تمسخر اور مزاح کرتا تھا کہ جب گھوڑے کا منہ نیچے کرتا تو وہ زمین سے رگڑا جاتا اور خاک پر گھسیٹا جاتا۔

راوی کہتا ہے:میں نے اس سوار سے پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے؟تو مجھے جواب ملا کہ یہ جناب محمد بن عباسؑ کا سر ہے۔

پھر مرحوم صدر قزوینی لکھتے ہیں:اس قمرِ عذاب کی روایت کو جس نے بھی نقل کیا ہے انہوں نے اسے عباسؑ بن علیؑ کا سر لکھا ہے اور جس جس ذاکر اور واعظ نے منبر پر پڑھا ہے،وہ عباسؑ بن علیؑ پڑھتے ہیں لیکن کسی نے غور وفکر نہیں کی کہ یا کاتب سے سہو ہوئی یا ناقلِ روایت سے بھول ہوگئی کہ محمد کی جگہ پر عباس لکھ دیا اور محمد کو بھول گئے۔جس سے اشتباہ واقع ہوگیا ورنہ حضرت ابوالفضل العباسؑ قمر بنی ہاشم کے دو یا تین فرزند تھے اور آپ ایک بیٹی کے باپ تھے،لہٰذا کم ازکم عباسؑ بن علیؑ علمدار کی عمر پینتالیس سال ہوگی اور اگر پینتالیس سال ہو تو وہ کیسے غُلامٍ اَمرَد ہوسکتے ہیں۔

اس روایت کے اس لفظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد محمد بن عباسؑ ہیں نہ کہ عباسؑ بن علیؑ۔پس اگر کسی مقام پر عباسؑ بن علیؑ لکھا ہے تو یہ ناقل کی غفلت ہے یا کاتب کی بھول۔

بہرصورت راوی قاسم بن اصبغ کہتے ہیں کہ میں نے سر کو پہچان لیا لیکن سوار نہ پہچانتا تھا کہ یہ کون ہے؟ میں نے پوچھا کہ یہ سوار کون ہے؟ تو جواب ملا: یہ حُرملہ بن کاہل اسدی ہے۔

راوی کہتے ہیں: تھوڑے عرصے کے بعد میں نے اسی حُرملہ کو دیکھا جس کا چہرہ سیاہ تارکول کی طرح ہوگیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: اے بدبخت و پلید اس دن بارہ محرم کو قیمتی گھوڑے کی لگام تیرے ہاتھ میں تھی اور تو بڑی شان وشوکت سے چل رہا تھا۔ تیرے گھوڑے کی گردن میں چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوا چہرہ لٹک رہا تھا تو خوش وخرم تھا۔ تیرا چہرہ بڑے چمک دار تھا۔ آج یہ حالت کیسے بن گئی کہ قبیح ترین اور بدصورت ترین ہے؟

قاسم کہتا ہے کہ حرملہ نے زاروقطار رونا شروع کردیا اور کہا: اے قاسم! خدا کی قسم! جس دن سے یہ فعل کیا (محمد بن عباس کے سر کو لٹکانا) ہر رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ دو شخص غضبناک ہوکر آتے ہیں، میرے گریبان کو پکڑتے ہیں اور بھڑکتے ہوئے آگ کے شعلوں میں ڈال دیتے ہیں۔ آج تک ہر رات یہی ہوتا ہے اور کبھی مجھے ان سے خلاصی نہیں ملتی کیونکہ میں نے امام حسینؑ کے ساتھ آئے ہوئے ایسے شہزادے کو قتل کیا تھا جس کے چہرے پر ابھی ریش کے بال تک نہیں اُگے تھے اور پیشانی پر آثارِ سجود تھے۔ اس دن سے لے کر آج رات تک وہی شہزادہ خواب میں مجھے جہنم میں غوطے دیتا ہے اور جو شخص اُس وقت بیدار ہو وہ میری چیخ وپکار بھی سنتا ہے۔

سردارِ کربلا، علمدارِ کربلا قمرِ بنی ہاشم حضرتِ ابوالفضل العباسؑ کی شہادت

جو کچھ کتبِ مقاتل سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قمرِ بنی ہاشم ظہرِ عاشورہ کے بعد تمام بھائیوں کی شہادت کے بعد شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کی کیفیت کے بارے میں کتب میں چار روایات ہیں۔

① پہلی روایت بہ نقلِ شیخ مفیدؒ: جب روزِ عاشور تمام اصحاب شہید ہوگئے، انصار واقربا، شہزادگان تمام خاک وخون میں غلطاں ہوگئے تو اہلِ بیت حسینؑ میں سے صرف حضرت عباسؑ باقی تھے۔ جب بے حیا لشکرِ عمر سعد نے امامؑ کو تنہا اور غریب دیکھا تو جسارت کی اور گالیاں بکنا شروع کیں۔ وہ خیام کے قریب آگئے اور ایک جماعت نے امامؑ پر حملہ کردیا۔ حضرت امام حسینؑ، عترتِ طاہرہ کے تحفظ اور حفاظت کے لیے ذوالفقارِ حیدری لہرائی اور بادل کی طرح گرجے اور جوش سے نعرہ بلند کیا۔ حضرت عباسؑ بھی امامؑ کے ساتھ دشمنوں پر حملہ میں شامل ہوگئے۔ اسداللہ کے ان دو فرزندوں نے ایک ہی حملۂ حیدری سے ان لومڑیوں اور خرگوشوں کے لشکر کو خیام سے دُور بھگا دیا۔

حملہ کے دوران حضرت امام حسینؑ پر تشنگی کی شدت ہوئی، آپؑ لشکر کے درمیان میں آئے ہوئے تھے، للہٰذا عزم بالجزم

کیا کہ فرات پر جاؤں اور اپنے اور بھائی کے جگر کو پانی سے ٹھنڈا کروں۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کی مدد سے فرات کی طرف روانہ ہوئے اور بھوکے شیروں کی طرح عالم سے آنکھیں بند کر کے لشکر کو ریوڑ کی طرح آگے لگا رکھا تھا۔ ان کو قتل کرتے اور پھینکتے جاتے تھے اور مکڑی کی طرح لشکر کو متفرق کرتے جاتے تھے۔

حضرت امام حسینؑ تلوار کا وار کرتے اور فرماتے: اَنَا ابنُ رَسُولِ اللّٰه اور حضرت عباسؑ علمدار تلوار چلاتے تو فرماتے: اَنَا ابنِ اَسدُ اللّٰه کنارۂ فرات تک پہنچ گئے۔ عباسؑ آگے آگے تھے۔ امامؑ فرات میں اُترنا چاہتے تھے کہ لشکر نے حملہ کردیا اور فرات میں داخل ہونے کا موقع نہ دیا۔ ایک بنی دارمی لشکر کو ان الفاظ سے للکار رہا تھا: وَیلکُم حُولوا بَینَهُ وَبَینَ الفُراتِ وَلَا تُمَكِّنُوهُ مِنَ المَاءِ

''اے لشکر والو! خبردار! حسینؑ اور فرات کے درمیان حائل ہوجاؤ اور کسی صورت پانی تک نہ پینے دو۔ حضرتؑ نے اس للکارنے والے شخص کو بددعا کی: اَللّٰهُمَّ اَعطِشهُ ''میرے اللہ! اسے پیاس کا مزہ چکھا''۔

دارمی کو غصہ آیا اور تیر کمان میں ایک زہر آلود تیر لگایا اور امامؑ کے حلق کا نشانہ لگایا۔ وَرَمَاهُ بِسَهمٍ اَثبَتَهُ فِي حَنَكِهٖ اس ملعون کا تیر حلق میں لگا۔ امامؑ نے ہاتھ سے تیر کو نکالا تو خون کا فوارہ نکلا۔ لشکر نے دیکھا کہ امام حسینؑ نے دونوں ہاتھ اپنے حلق پر رکھے ہیں۔ وَبَسطَ یَدَیہِ تَحتَ حَنَكِهٖ فَامتَلَأَت رَاحَتَاهُ بِالدَّمِ فَرَمٰی دونوں ہاتھوں سے خون لیا اور پھینک دیا اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَشكُو اِلَیكَ مَا یُفعَلُ بِابنِ بِنتِ نَبِیكَ ''اے خدا! میں تیرے پاس شکایت کرتا ہوں تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے نبی کی بیٹی کے بیٹے سے یہ اُمت کیا سلوک اور رویہ اختیار کیے ہوئے ہے''۔

حضرت عباسؑ علمدار نے جب اپنے غریب بھائی کی یہ حالت دیکھی کہ حلق میں تیر لگ جانے کی وجہ سے پانی بھی نہ پی سکے دل کو شدید دکھ ہوا اور فوجِ اشقیاء پر غضبناک ہوکر ایسا حملہ کیا کہ سروں کو گیند کے مثل اور خون کو مثلِ نہر کے جاری کردیا۔ حضرت عباسؑ اکیلے لڑتے رہے تھے، جو شخص آگے بڑھتا قتل ہوجاتا حتیٰ کہ تمام لشکر نے فرزندِ علیؑ پر یک بارگی حملہ کردیا اور حضرت عباسؑ کو اپنے محاصرے میں کرلیا۔

امامؑ اپنی خونبار آنکھوں سے علم کو دیکھ رہے تھے کہ علم قائم ہے تو میرا دل قائم ہے۔ حضرت عباسؑ نے شجاعت کے جوہر دکھائے جب تک طاقت تھی لڑتے رہے لیکن زید بن ورقا، حکیم بن طفیل میں سے ایک نے حضرتؑ کا دایاں ہاتھ اور ایک نے بایاں ہاتھ قلم کردیا۔ علم سرنگوں ہوا تو امامؑ کی اُمیدیں ختم ہوگئیں اور کمر ٹوٹ گئی۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت جناب عباسؑ علمدار کو اتنے زخم لگائے گئے کہ کمزوری اور ضعف سے گر پڑے اور پھر اُٹھنے کی ہمت نہ ہوئی اور روح پرواز کرگئی۔

(۲) دوسری روایت: ابن شہر آشوب و مجلسیؒ: مرحوم مجلسی نے بحار الانوار کی دسویں جلد میں ابن شہر آشوب سے شہادت حضرت عباسؑ علمدار کو اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت عباسؑ سقائے اہلِ بیتؑ، علمدار حسینیؑ قمر بنی ہاشم اپنے مادری بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ چونکہ شجاعوں کے سردار تھے لہٰذا امام حسینؑ نے علم ان کے سپرد کیا تھا۔ حضرت عباسؑ پانی لینے فرات کے کنارے پہنچے، جب لشکر کو آپؑ کے مقصد کا علم ہوا تو انہوں نے حضرتؑ کا راستہ روکا اور حملہ کر دیا۔ حضرتؑ نے جواباً حملہ کیا اور ان کی جماعت کو بکھیر دیا۔ لڑائی کے دوران میں زید بن ورقا نے ایک کھجور کے پیچھے چھپ کر حملہ کیا اور زہر آلود تلوار سے دایاں ہاتھ کاٹ دیا۔ قمر بنی ہاشم نے تلوار بائیں ہاتھ میں رکھ لی، لڑتے رہے حتیٰ کہ کمزوری پیدا ہوگئی۔ بائیں ہاتھ سے قتل کرتے رہے۔ جب ذرا ضعف آیا تو حکم بن طفیل طائی نے ایک کھجور کے پیچھے سے نکل کر بائیں بازو کو شہید کر دیا۔

حضرتؑ زندگی سے مایوس ہوگئے اور موت کا انتظار کرنے لگے۔ جب لشکر نے دیکھا کہ اب دونوں ہاتھ کٹ چکے ہیں لہٰذا اب قریب آئے اور گھیرا ڈالا۔ اس وقت حضرت عباسؑ یہ شعر پڑھ رہے تھے: "اے نفسِ مطمئنہ! کفار سے گھبرا نہیں، تجھے جنت کی بشارت ہو"۔

فرزندِ سید مختار کے ساتھ میرے دونوں ہاتھ قلم ہوگئے ہیں۔ حضرت عباسؑ کٹے ہوئے بازوؤں سے ایک مقام پر رک گئے۔ بازوؤں سے خون جاری تھا اور غربت کی حالت میں کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھ رہے تھے۔ اشقیاء بے غیرت آئے اور ثواب کی نیت سے آپ کو گالیاں بکتے تھے اور تلواریں، نیزوں کی ضربیں لگاتے۔ پھر ایک ملعون آیا، گالیاں بکنے کے بعد ایک گُرز حضرتؑ کے سر پر مارا کہ جس سے آپ زین سے زمین پر آئے اور روح پرواز کر گئی۔ جب امامؑ نے نہر فرات کے کنارے علمدارؑ کو اس حالت میں دیکھا تو بہت روئے اور لشکر کو مخاطب ہو کر فرمایا: "اے قوم! تم اپنے پیغمبرؐ کی اولاد پر جسارت، تجاوز کیا، جلدی سزا ملے گی"۔

(۳) تیسری روایت: منتخب التواریخ طریحی: جنابِ عباس علمدارؑ امام حسینؑ کے بھائی تھے جب آپؑ نے دیکھا کہ تمام بھائی، عزیز اقارب، انصار اور اصحاب شہید ہوگئے ہیں تو آپؑ خون کے آنسو روئے اور دردناک آہیں بھرنے لگے۔ آپؑ شہیدوں کے غم میں زار و قطار روتے تھے اور رب الدارجات کی ملاقات کے لیے بے تاب ہوگئے۔

فَحَمَلَ الرَّايَةَ وَجَاءَ نَحوَ اَخِيهِ الحُسَين وَقَالَ هَل مِن رُخصَةٍ روتی آنکھوں سے علم اٹھایا اور بھائی کے پاس آئے اور عرض کیا: اب مجھے بھی اجازت دیں تا کہ میں بھی اپنی جان قربان کر دوں۔ فَبَكَى الحُسَينُ بُكَاءً ا شَدِيدًا حَتّٰى اَبرَيَاقُهُ یہ سن کر حضرت امام حسینؑ اس قدر شدت سے روئے کہ قمیص بھی تر ہوگئی۔ پھر فرمایا:

كُنتَ عَلَامَةً مِن عَسكَرِی وَمَجمَع عَدَدِنَا فَاِذَا اَنتَ مَضَيتَ يُول جَمعُنَا اِلَى الشَّتَاتِ وَعِمَارَتِنَا

تَنبَعثُ اِلَی الحزَاب ''اے بھائی! تم تو میرے لشکر کے علمدار ہو، تمہارے پاس تو افراد اور میرا لشکر جمع رہتا ہے۔ جب تم چلے جاؤ گے تو ہمارا اجتماع افتراق میں اور ہماری آبادی بربادی میں بدل جائے گی''۔ فَقَال العبَاسُ فِدَاكَ رُوحُ اَخِیكَ یَاسَیِّدِی قَد ضَاقَ صَدرِی مِنَ الحَیٰوةِ الدُّنیَا حضرت عباس سلام اللہ علیہ نے عرض کیا: میری روح آپؑ پر قربان ہو جائے میرا دل دنیا سے اُکتا چکا ہے۔ مرنا اس زندگی سے بہتر ہے کہ آپؑ اور اہلِ بیتؑ کو دشمنوں کے ہاں اس طرح پریشان اور خوار دیکھوں، بچوں کی العطش العطش کی آوازیں سنوں۔ مجھے اجازت دیں کہ ان ظالموں کو انتقام کی تلوار کا مزہ چکھاؤں۔

امامؑ نے اجازت دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ دیکھا تو فرمایا: اے بھائی! اگر آپ کا مقصود میدان میں جانا ہے تو پہلے ان کو وہ پیغام دینا جو میں تمہیں دیتا ہوں۔ اگر انہوں نے اس کو نہ سنا اور اس پر عمل نہ کیا تو پھر ان سے جنگ کرنا۔ جب شجاعوں کے سردار کو قبلہ عالم سے اجازت ملی تو محکم پہاڑ ایسے بدن اور مستحکم دل کے ساتھ میدان میں قدم رکھا۔ کَانَ فَارِسًا هَمَامًا وَبَطَلًا ضَرغَامًا وَکَانَ جَسورًا عَلَی الطَّعنِ وَالضَرب فِی مَیدانِ الکِفَاحِ وَالحرَب وہ بہت بڑے شہسوار، شجاع، شیر غضنفر، تجربہ کار نیزہ زن اور تلوار چلانے کے ماہر تھے۔ اپنے مخصوص گھوڑے پر سوار ہو کر مصری تلوار، رومی خود اور مکّی ڈھال لے کر میدان میں اُترے۔

میدان کے درمیان گھوڑے کو روکا اور رکابوں سے پاؤں نکال کر ایک نعرہ لگایا: یَاقَومِ اَنتُم کَفَرَةٌ اَم مُسلِمُون ''اے بے حیا گروہ! تم کافر ہو یا مسلمان؟'' اگر تم مسلمان ہو تو اسلام کا یہ طریقہ نہیں کہ پیغمبرؐ کی اولاد اور جنابِ فاطمہ زہراءؑ کی ذریت اور ساقیٔ کوثر کے فرزندوں کو نہر فرات کے کنارے پیاسا رکھ کر ظلم کیا جائے۔ پھر حضرت عباسؑ نے امام حسینؑ کا پیغام پہنچایا۔

یَقُولُ اِنَّکُم قَتَلتُم اَصحَابَهُ وَ اِخوَتَهُ وَبنَی عَمِّهِ وَبَقِیَ فَرِیدًا مَعَ عَیَالِهِ وَاَطفَالِهِ وَوَصلوا اِلَی الهَلَاكِ

''امام حسینؑ فرما رہے ہیں کہ تم نے میرے اصحاب، بھائی، چچازاد سب شہید کر دیے، اب میں اپنے اہل و عیال، بچوں کے ساتھ تنہا رہ گیا ہوں اور میرے بچے پیاس سے دنیا سے گزرنے والے ہیں''۔

وَهُوَ مَعَ ذٰلِكَ یَقُول لَکُم دَعُونِی اَن اَخرَجَ اِلَی طَرَفِ الرُّومِ اَو الهِندِ وَاُخلِی لَکُم الحِجَازَ وَالعِرَاقَ

''اس کے باوجود امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ تم مجھے چھوڑ دو، میں روم یا ہندوستان کی طرف چلا جاؤں

گا اور حجاز و عراق کو خالی کر دوں گا"۔

اگر میری یہ خواہش پوری کرتے ہو تو وعدہ کرتا ہوں کہ کل قیامت کو تمہاری شکایت نہیں کروں گا اور اپنے جوانوں کے خون کا بدلہ نہیں مانگوں گا۔ خدا کی جو مرضی آئے گی تمہارے ساتھ کرے گا۔ اے بد بخت لوگو! میرے بھائی کی یہ خواہش پوری کرو، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔

اس بے حیا قوم نے باب المراد کی نصیحتیں سنیں تو کچھ رونے لگے اور کچھ خاموش کھڑے رہے۔ پھر کچھ لوگ ایک طرف ہو کر گھوڑوں سے اُترے، سر میں خاک ملائی اور رونے لگے۔

اے بے انصاف لوگو! اگر یہ خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے تو پانی دے دو جو ان کی ماں فاطمہ زہراءؑ کا حق مہر ہے تاکہ چھوٹے چھوٹے بچے مرنے سے بچ جائیں۔ یہ بات سن کر اکثر لوگ رونے لگے۔

شمر نے شبث بن ربعی کو ساتھ لیا اور دونوں ایک طرف ہو گئے۔ پھر چلتے ہوئے قمر بنی ہاشم کے قریب آئے اور آہستہ سے کہا: اے ابوتراب کے فرزند! جاؤ اپنے بھائی سے کہہ دو کہ تمام دنیا پر پانی آ جائے اور ہمارے اختیار میں ہو تو بھی ایک قطرہ نہیں دیں گے نہ تمہیں اور نہ تمہارے اہلِ بیتؑ کو اور نہ بچوں کو، البتہ یزید کی بیعت کر لینے سے سب کچھ مل سکتا ہے۔

جناب قمر بنی ہاشم مایوس ہو کر واپس بھائی کے پاس آئے اور ان ملاعین کا جواب بتایا اور روتے رہے۔ حضرتؑ نے سر نیچے کر لیا اور اس قدر روئے کہ گریبان تک قمیص بھی تر ہو گئی۔ جناب قمر بنی ہاشمؑ بھی کھڑے روتے رہے۔ لشکر والوں نے شور مچایا اور گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ ہم سورج کی گرمی میں جل رہے ہیں، جلدی میدان میں نکلو۔ لشکر کی زبان درازیوں پر خیام میں مخدراتِ عصمت کی آہ و بکا تھی۔ بچے العطش العطش کر رہے تھے۔

حضرت عباس علمدارؑ اپنی زندگی سے سیر ہو چکے تھے اور مزید جینا پسند نہ کرتے تھے، اس لیے رو کر امام حسینؑ سے عرض کیا: مجھے اجازت دیں کہ شاید تلوار کی گرمی سے ان چھوٹے بچوں کے لیے پانی لا سکوں، اجازت ملی کہ جاؤ (صرف) پانی لے آؤ۔ جنابِ عباسؑ مشک لینے کی خاطر خیام میں آئے اور زبانِ حال سے فرمایا: اے بچو! خدا حافظ! میری خدمت پر راضی رہنا۔

جب مخدراتِ عصمت نے الوداع کی آواز سنی تو تمام بیبیاں پریشان اور اضطراب زدہ ہو گئیں اور اسی کیفیت میں جنابِ زینب سلام اللہ علیہا غش کر گئیں اور باقی مخدرات کا گریہ بلند ہوا۔ بچوں نے چچا کے دامن میں پناہ لی اور گریہ کیا اور ایک خشک مشک لائے اور علمدارؑ سے پانی طلب کیا۔

حضرت قمر بنی ہاشمؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا:

اِلٰهِي وَسَيِّدِي اُرِيدُ اُعِيدُ بَعدِتِي وَامِلِي لِهٰؤُلاءِ الاطفال قربةً مِنَ المَاء

''اے میرے اللہ! میری امید کو ناامیدی میں نہ بدلنا، کاش ایک مشک پانی ان بچوں کے لیے لاسکوں''۔

فَرَكِبَ فَرَسَهُ وَاخَذَ رُمحَهُ وَالقِربَةَ فِي كَتفِهِ

''پس اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، نیزہ اُٹھایا، مشک کندھے سے لٹکائی اور سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے''۔

عمر سعد ملعون نے دریائے فرات پر چار ہزار سواروں کو بطورِ موکل مقرر کر رکھا تھا کہ امام حسینؑ کا کوئی شخص فرات کے پانی کو دیکھ بھی نہ سکے۔

فَلَمَّا رَاَوُا العباسَ قَاصِدًا نَحوَ الفُرَاتِ اَحَاطُوا بِهِ مِن كُلِّ جَانِبٍ وَمَكَانٍ

''جب لشکر نے حضرت عباسؑ علمدار کو فرات کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو ہر طرف سے راستہ روک لیا''

حضرت عباسؑ نے نعرۂ حیدری لگاتے ہوئے فرمایا: اے بدبخت قوم! کیا یہی مسلمانی ہے کہ اس پانی کو سور، بھیڑیئے اور یہود و نصاریٰ تو پی رہے ہیں لیکن اولادِ پیغمبرؐ پیاسی مر رہی ہے؟ اس کے بعد حضرتؑ نے حملہ کر دیا:

فَشَدَّ عَلَيهِم بِالفَوجِ المُتَقَابِلِ بِالسَّمهَرِي الذَّابِلِ وَهُوَ يُهَمهِمُ كالاسد الباسل وكشفَهُم عَنِ المَشرَعَةِ بِالصَّولَةِ الحَيدَرِيَّةِ والسَّودَةِ الغَضَنفَرِيَّةِ

اور نعرۂ حیدری بلند کر کے ان کو فرات کے کنارے سے ہٹا دیا تو ان ملاعین نے تیروں کی بارش کر دی۔ حضرتؑ کے دریائے غیرت میں جوش آیا اور قہاریت کا سمندر موجزن ہو گیا۔ آپؑ نے ایک لحظہ میں لومڑی صفت لشکر کو متفرق کر دیا۔ لشکر والے ایسے بھاگتے تھے جیسے لومڑی شیر سے بھاگتی ہے۔ نہر فرات پر عباسؑ کا قبضہ ہو گیا۔ آپؑ فرات میں داخل ہوئے تو پانی سے آنے والی نسیم حضرتؑ کے مشام میں پہنچی۔ آپؑ نے رکابوں کے نیچے والے پانی کو ہاتھوں میں اٹھایا اور پانی کو دیکھتے رہے، پیاس کی شدت تھی۔ فَذَكَرَ عَطَشَ الحُسَين، لیکن پھر امام حسینؑ اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی پیاس یاد آئی تو آپؑ نے پانی کو دریا میں پھینک دیا اور مشک بھر کر کندھے پر لٹکائی اور فرات سے باہر نکل آئے۔

جب لشکر نے دیکھا کہ حضرت عباسؑ فرات سے پانی کی مشک بھر کر خیام میں لے جانا چاہتے ہیں تو ایک دم سب نے حملہ کر دیا اور حضرتؑ کے خیام کو جانے والے راستے بند کر دیئے بلکہ ہر طرف احاطہ کر لیا۔ فحَارَبَهُم مُحَارَبَةً عَظِيمَةً بہت

شدید جنگ ہوئی۔ اسی جنگ کے دوران میں نوفل بن ازرق ملعون نے کمین گاہ سے نکل کر تلوار سے حملہ کیا جس سے جنابِ عباس علمدارؑ کا دایاں بازو کٹ گیا۔ یوں باب المراد کی آدھی امیدیں ٹوٹ گئیں۔ فَحَمَلَ الْقِرْبَةَ عَلٰی کَتِفِهِ الایسر حضرتؑ نے نیزہ اور مشک بائیں بازو میں کر لیے۔ ایک ملعون نے کمین گاہ سے تلوار کا وار کیا جس سے حضرت غازیؑ کا بایاں بازو بھی قلم ہوگیا۔ اب ابوالفضل العباسؑ کی امیدیں نا اُمیدی میں بدل گئیں۔

ہزاروں مشکل سے مشک کو اپنے دانتوں میں لیا اور اسی حال میں ایڑیاں لگا لگا کر خیام کی طرف گھوڑے کو تیز دوڑا رہے تھے کہ دو تیر دشمن کی طرف سے آئے۔ فَجَاءَ سَهْمٌ فَاَصَابَ الْقِرْبَةَ ثُمَّ جَاءَ سَهْمٌ آخَرُ فِي صَدْرِهٖ کہ ایک تیر مشک میں لگا اور دوسرا تیر سینہ مبارک پر لگا اور وہیں پیوست ہوگیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ پھر ایک اور تیر آیا جو سیدھا حضرتؑ کی دائیں آنکھ میں لگا۔ لیکن آپؑ کے ہاتھ نہ تھے کہ تیر نکالتے۔

اربابِ مقاتل نے لکھا ہے: ان تیروں کے لگنے سے شدتِ درد کی وجہ سے آپؑ نے زمین پر اس طرح پیچ و خم کھائے۔ فَانْقَلَبَ عَنْ فَرَسِهٖ اِلَى الْاَرْضِ کہ زین سے زمین بوس ہوگئے اور امامؑ کو آواز دی: يَا اَخِي الْحُسَيْنَ اَدْرِكْنِي "بھائی حسینؑ میری مدد کو پہنچیے"۔

جب آواز گوشِ امامت میں گونجی تو خدا گواہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام بہت مشکل سے اُٹھے اور بڑی مشکل سے بھائی کے پاس پہنچے اور جب بھائی کی حالت دیکھی تو خاک و خون میں غلطاں پایا۔ ہاتھ کٹ چکے تھے، سینہ زخمی تھا۔ امام حسینؑ نے یہ بین کر کے ماتم کیا:

وَاعَبَّاسَاهُ وَاقُرَّةَ عَيْنَاهُ وَاقِلَّةَ نَاصِرَاهُ

مرحوم صدر قزوینی حدائق الانس میں لکھتے ہیں: اس روایت کی سند کے مرحوم طریحی بھی معتقد ہیں کہ امامؑ بھائی کی لاش کو خیام میں لائے۔ جبکہ اسی روایت کے آخر میں لکھتے ہیں: فَجَدَّدُوا الْاَحْزَانَ وَاَقَامُوا الْعِزَاءَ جب لاش خیام میں آئی تو پھر ماتم اور گریہ زاری کی تجدید ہوگئی اور اس طرح مخدراتِ عصمت اور بچوں نے عزاداری کی اور سوگ منایا۔

ابومخنف اور مرحوم طریحی کا اس روایت پر اعتقاد ہے لیکن مشہور عندالجمہور یہی ہے کہ امامؑ نے جس قدر کوشش کی کہ لاش کو خیام میں لے جائیں، نہ لے جا سکے۔

چوتھی روایت از ابومخنف وطریحی: ابومخنف اور طریحی نے اس روایت کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ مرحوم طریحی لکھتے ہیں:

لما التقى العسكران وَا امتاز الرِّجالة من الفُرسانِ

یعنی روزِ عاشور جب حق و باطل کے لشکروں کا مقابل ہوا تو صفیں ایک دوسرے کے سامنے لگ گئیں۔ سوار اور پیادے علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ مبارزہ کا آغاز ہوا اور دونوں لشکروں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی، جب کہ جنابِ امام حسینؑ کے لشکر پر پیاس کا غلبہ تھا، اس لیے حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو بلایا اور فرمایا کہ بھائیوں اور بھتیجوں کو بلا کر کنواں کھودیں کہ شاید پیاسوں کے لیے پانی حاصل ہو جائے۔

حضرت عباسؑ نے امامؑ کے حکم کے مطابق عمل کیا اور کنواں کھودا لیکن پانی نہ نکلا چنانچہ اس کنویں کو بند کر دیا اور دوسرا کنواں کھودا اس سے بھی پانی نہ نکلا۔ اس کنویں کو بھی بھر دیا۔ فَتَزَ ایدَ العَطَش علیھم

اب پیاسوں کی پیاس میں مزید شدت آ گئی تو حضرت عباسؑ نے امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا: اے بھائی! ہماری پیاس بہت شدید ہو گئی ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری کیا حالت ہو گئی خصوصاً بچوں اور تازہ جوانوں کی حالت بہت تشویش ناک ہے، ان کے لیے پانی کی کوئی اور فکر کرنی چاہیے۔

حضرت امامؑ نے فرمایا: بھائی! ہمت کریں اور نہر فرات پر جائیں شاید پانی لانے میں کامیاب ہو جائیں۔

حضرت عباسؑ نے عرض کیا: سمعًا وطاعۃ اور حضرتؑ نہر فرات کو جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

حضرت امامؑ نے اپنے چند صحابی جنابِ عباسؑ کے ساتھ روانہ کیے۔ نہر فرات پر حضرت عباسؑ علمدار مع اصحاب کے پہنچے۔ وَسَارُوْ حَتّٰی اَشْرَفُوا عَلَی المشرَعَۃِ جب نہر فرات پر پہنچے تو محافظینِ فرات جوش و خروش میں آ گئے اور راستہ روک کر پوچھا کہ تم کیوں اور کیسے آئے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہم امام حسینؑ کے لشکر سے ہیں اور پیاس سے نڈھال ہیں خصوصاً امام حسینؑ کے اہلِ حرم بہت پیاسے ہیں، ہم عترتِ رسولؐ کے لیے پانی لینے آئے ہیں۔

ابن زیاد کے لشکر نے نامناسب جواب دے کر اصحابِ حسینؑ پر حملہ کر دیا۔ جب علیؑ کے فرزندِ رشید نے کوفیوں کی بے حیائی دیکھی تو آگ برسانے والی تلوار نکالی اور نعرۂ حیدری لگا کر لشکر پر حملہ کر دیا۔ اب یہ حال تھا کہ موسمِ خزاں میں جس طرح درختوں سے پتے گرتے ہیں اسی طرح ان ملاعین کے سر گر رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر ان ملاعین نے فرات کا کنارہ چھوڑ دیا تب حضرت عباسؑ علمدار نے بلند آواز سے فرمایا: ہم موت سے ڈرنے والے نہیں اور بہت جفاکش ہیں۔ پھر نہر فرات میں داخل ہوئے۔ پہلے اپنی مشک بھر لی، پھر چلّو میں پانی لیا کہ پئیں فَذَکرَ عَطَشَ الحُسین لیکن اپنے بھائی کی پیاس کو یاد کر کے فرمایا: خدا کی قسم! جب تک امام حسینؑ پیاسے ہیں میں اپنے خشک لبوں کو تر نہیں کروں گا۔ پھر مشک بھر کے مولاؑ نکلے اور اپنے آپ سے کہا کہ اے عباسؑ اگر امام حسینؑ کے بعد زندہ رہنا چاہتے ہو تو ذلیل اور خوار ہوں گے اور اگر امام حسینؑ سے

پہلے پانی پینا چاہتے ہو تو یہ ناممکن ہے کہ ہم ٹھنڈا پانی پئیں اور امام حسینؑ موت کا ناگوار شربت، یہ کوئی دین داری نہیں۔

جب حضرت عباسؑ نہر کے کنارے پر آئے تو لشکر ابن سعد کی نظر حضرت عباسؑ اور اُن کی مشک پر پڑی۔ اُنہوں نے تیراندازی شروع کردی۔ ہر طرف سے جنابِ عباسؑ کی طرف تیر آرہے تھے اور حضرت عباسؑ خیام کی طرف جارہے تھے، اور بڑی دقت سے مشک کو سینے سے لگائے حفاظت کررہے تھے، جب کہ دشمن کی طرف سے آنے والے تیر اپنے جسم سے لے رہے تھے تاکہ مشک کو کوئی تیر نہ لگنے پائے۔ اس دوران میں آپؑ کا جسم خارپشت کی طرح ہوگیا۔ پھر برص بن شیبان نامی ملعون نے چھپ کر تلوار کا وار کیا۔ فَطَارَت مَعَ السَّیف تو حضرتؑ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا لہٰذا حضرتؑ نے بائیں ہاتھ سے زمین پر گرتی ہوئی تلوار اٹھائی اور بائیں بازو سے جنگ شروع کردی اور یہ رجز پڑھا:

"اے ملاعین! اگر تم نے میرا دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے تو بھی میں دین کی حمایت کرتا رہوں گا اور اپنے صادق امامؑ سے وفا کرتا رہوں گا جو نبیِ معظمؐ کے سبطِ امین ہیں"۔

ابومخنف اور طریحی نے لکھا ہے کہ جنابؑ نے بائیں ہاتھ سے (قَتَلَ مِنهُم رِجَالًا وَنَكَسَ اِبطَالًا) کئی بہادروں کو قتل کیا اور کافی دلیروں کے قریب تھے کہ عمر بن سعد نے اپنی سپاہ کو للکارا: وَيلكم اَرشَقُوا القِربَةَ بِالنَّبلِ، "اے لشکریو! تم پر افسوس ہے، ایسا کام کرو کہ عباسؑ یہ مشک خیام میں نہ لے جائے"۔ تم مشک پر تیروں کی بارش برسا دو۔ فَوَاللّٰهِ اِن شَرِبَ الحُسَينُ المَاءَ اَفنَاكُم عَن اٰخِرِكُم اَمَا هُوَ الفَارِس ابن الفَارِس "خدا کی قسم! اگر حسینؑ نے پانی پی لیا تو وہ تمام لشکر کو قتل کردیں گے کیا تم نہیں جانتے کہ وہ میدانِ شجاعت کے زوردار اور مقامِ رشادت کے شہسوار کے فرزند ہیں"۔

ابن سعد کی اس تحریص و ترغیب سے تمام لشکر نے حضرت عباسؑ پر ہجوم کردیا۔ حضرت عباسؑ نے بائیں ہاتھ سے اُن پر حملہ کیا اور اسّی ملاعین کو جہنم واصل کیا۔ اسی دوران میں عبداللہ بن یزید شیبانی نے چھپ کر حملہ کیا اور حضرتؑ کا ہاتھ بھی شہید کردیا۔ آپؑ کی تلوار زمین پر گر پڑی۔ فَانكَبَّ عَلَى السَّيفَ بفيه، گھوڑے سے جھک کر تلوار منہ کے ساتھ اٹھائی اور دانتوں میں تلوار پکڑ کر حملہ جاری رکھا۔ اس حالت میں کبھی تلوار کی نوک سے اور کبھی رکابوں کے کونوں سے حملہ کرتے تھے جب کہ آپ کے بازوؤں سے خون جاری تھا۔

جب ابن سعد کے لشکر نے دیکھا کہ اب عباسؑ کوئی حملہ نہیں کرسکتے تو سب نزدیک آئے اور فَحَمَلُوا عَلَيهِ بِاجمَعَهِم جَمِيعًا اُنہوں نے مل کر بابُ الحوائج پر حملہ کردیا۔ ہر شخص اپنے باپ، بھائی، چچا اور بیٹے کا بدلہ لینے کے لیے ضربیں لگا رہا تھا۔ یوں عباسؑ خط دار کے نازنین بدن کو نیزوں سے چھلنی کردیا گیا۔ اسی دوران میں ایک ملعون نے لوہے کا گرز آپؑ کے سر پر مارا۔ فَضَرَبَهُ رَجُلٌ مِنهُم بِعُمودٍ مِن حَدِيدٍ فَفَلَقَ هَامَتَهُ وَانصَرَعَ عَفِيرًا عَلَى الارضِ کہ حضرتؑ کا

دماغ باہر نکل آیا اور حضرتؑ زمین پر گر پڑے اور عرض کیا:

یَا اَبَا عَبدِاللّٰہ عَلَیکَ مِنِّی السَّلَام ، بھائی! میں جا رہا ہوں، آپؑ کی سلامتی نصیب ہو، میری وفا کو قبول کرنا۔ یہ آواز امام حسینؑ کے کانوں میں پہنچی تو خیام سے یہ بین کرتے ہوئے نکلے: وَا اَخَاہُ وَاعَبَّاسَہُ۔

امامؑ روتے ہوئے آئے اور عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ کر دیا اور ان کو حضرت عباسؑ سے دُور ہٹا کر حضرت عباسؑ کے سرہانے بیٹھے اور ایک نوحہ پڑھا اور ماتم کیا۔ پھر حَمَلَہُ عَلیٰ ظَھرِ جَوادِہٖ وَاَقبَلَ اِلَی الخیمہ بھائی کی لاش کو گھوڑے پر سوار کیا اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر آگے آگے چلتے ہوئے خیام کی طرف چلتے آئے۔ خیام میں لاش اُتاری اور لاش پر بیٹھ کر بہت گریہ زاری کی۔ تمام حاضرین نے ماتم شروع کیا۔ پھر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے بھائی! خدا تمہیں جزائے خیر دے تم نے خوب جہاد کیا۔

علامہ قزوینی لکھتے ہیں: لاش کا خیمہ لانے والی روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمارے علماء اور ہمارے مخالفین کی اکثریت نے یہ روایت نقل نہیں کی بلکہ علما نے تصریح کی ہے کہ حضرت عباسؑ کی لاش کثرتِ زخم اور جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کی وجہ سے قابلِ حال نہ تھی اور شہداء کو دفن کرنے والی شخصیت نے ان کو وہاں ہی دفن کر دیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے کیونکہ ان کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔

امام حسینؑ کی تنہائی اور جہاد کے لیے تیاری

علامہ مجلسی بحارالانوار میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ اِلتَفَتَ الحُسَینُ عَن یَمِینِہٖ فَلَم یَرَاحَدًا مِنَ الرِّجَالِ وَالتَفَتَ عَن یَسَارِہٖ فَلَم یَرَاحَدًا

کہ امام حسینؑ نے دائیں طرف دیکھا تو کوئی مرد نظر نہ آیا پھر بائیں طرف نظر کی تو اُدھر بھی کوئی مرد نہ تھا اور تمام یار و انصار شہید ہو چکے تھے۔ اور امام سجادؑ کی نظر امامؑ کی اس غربت کی حالت میں پڑی تو آپؑ نے آسمان کی طرف غریبانہ نگاہ کی، دکھی دل سے آہ بھری اور اپنے مقام سے اُٹھے، تلوار اٹھائی، اگرچہ باوجود کمزوری اور ضُعف کے چلنے کی طاقت بھی نہ تھی اور کمزوری اور ضُعف کی وجہ سے تمام اعضا و جوارح کانپتے تھے لیکن اس حالت میں بھی اپنے بابا کے پاس گئے۔ جب امامؑ نے اپنے بیٹے کو مڑ کر دیکھا تو امام سجاد علیہ السلام کانپتے ہوئے آ رہے تھے۔ امام حسینؑ نے بیٹے سے فرمایا: اے میرے نورِ نظر! واپس چلے جاؤ، آپؑ حجتِ خدا ہیں اور میرے خلیفہ ہیں۔ پھر امام حسینؑ اپنے اس بیٹے کو خود خیمہ میں لائے اور بیمار کے پاس بیٹھے اور اسرارِ امامت ان کے سپرد کیے نیز وصیتیں فرمائیں۔

مرحوم طریحی نے منتخب میں لکھا ہے کہ حضرت زین العابدینؑ نے فرمایا کہ بابا اپنی شہادت سے ایک گھنٹہ پہلے میرے خیمے میں تشریف لائے اور میرے دل کی تسلی کی خاطر یہ حدیث فرمائی: اے میرے نورِ نظر! ایک دن جبرئیلؑ جنابِ دحیہ کلبی کی صورت میں ہمارے ناناؐ کے پاس آیا، میں اور بھائی حسنؑ اپنے ناناؐ کے کاندھوں پر بیٹھتے اور اترتے تھے کہ جبرئیلؑ نے آسمان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور ایک انار، ایک بہی اور ایک سیب لیا اور ہمارے ہاتھوں میں دے دیا۔

رسول پاکؐ نے فرمایا: اے میرے نورِ نظر! اب گھر چلے جاؤ، ہم گھر آ گئے اور اپنے بابا اور تمہارا دادا کو یہ واقعہ سنایا تو بابا نے فرمایا: یہ مت کھاؤ جب تک رسولؐ پاک تشریف نہ لے آئیں۔ ہم نے ان جنتی میووں کو محفوظ رکھا یہاں تک کہ رسول پاکؐ ہمارے گھر تشریف لائے، ہم پانچ نجباء ایک جگہ جمع ہوئے اور وہ میوے درمیان میں رکھے۔ سب نے ان پھلوں کو اس قدر کھایا کہ سب سیر ہو گئے لیکن انار، بہی اور سیب پھر بھی اسی حالت میں تھے اور ہم ان پھلوں سے جب اور جس قدر بھی کھاتے وہ ویسے کے ویسے رہتے، یہاں تک کہ ناناؐ کا اس دنیا سے وصال ہو گیا۔ فَقَدنا الرُّمّان وَبَقِیَ السَّفر جل والتُّفَاحَۃ

جب رسولِ گرامیؐ کا انتقال ہو گیا تو انار غائب ہو گیا اور بہی اور سیب باقی رہے۔ جب بابا علیؑ شہید ہوئے تو بہی بھی غائب ہو گیا اور سیب باقی رہا جو آج تک اپنی لطافت اور تازگی کے ساتھ موجود ہے۔

جب سے ظالموں نے پانی بند کیا ہے، مجھ پر تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سیب کی خوشبو لیتا ہوں اور میری تشنگی دُور ہو جاتی ہے۔ اے میرے نورِ نظر! آج اس سیب کا رنگ تبدیل ہو گیا ہے اور اس کی تراوت و تازگی ختم ہو گئی ہے۔ اَیقَنتُ بِالفَنَاءِ اس لیے مجھے اپنی موت کا یقین ہے اور میرے جانے کے ساتھ وہ سیب بھی غائب ہو جائے گا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: جب میں مقتل میں گیا اور اُس سیب کو تلاش کر رہا تھا تو وہ سیب تو نہ مل سکا لیکن اس کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی، اب جب بھی باباؑ کی زیارت کو جاتا ہوں اس سیب کی خوشبو محسوس کرتا ہوں اور ہر زوار جو کربلا میں جاتا ہے اُسے سحری کے وقت قبرِ مطہر سے اُسی سیب کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے بیٹے کو تسلی دی اور فرمایا: اے میرے نورِ نظر! آپؑ میرے خلیفہ اور جانشین ہیں، آپؑ حجتِ خدا ہیں، یہ آپؑ کو قتل نہیں کریں گے لیکن آپؑ قیدی ضرور ہوں گے اور شام جاؤ گے، پھر مدینہ آؤ گے، میرے شیعہ اور دوست آپؑ کی زیارت کے لیے آپؑ کے گھر آئیں گے، آپ ان کو میرا اسلام پہنچا دینا اور کہنا: جب میرے غریب باباؑ میدان میں جانے لگے تو تمہیں سلام بھیجتے تھے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے تمہاری راہ میں سر قربان کیا ہے، خود قربان ہوا، اکبرؑ، اصغرؑ قربان کیے، بہنوں اور بیٹیوں کی چادریں قربان کیں لیکن تم سے اجر کوئی نہیں مانگا، بس میرا پیغام یاد رکھنا کہ جب بھی ٹھنڈا پانی پینا، میرے خشک لبوں کی پیاس کو یاد رکھنا۔

شِیعَتِی مَھمَا شَرِبتُم مَاءَ عَذْبٍ فَاذکُرُونِی "شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا تو مجھے یاد کرنا"۔

امام حسینؑ کا اہلِ حرم سے پہلا وداع کرنا

جب آخری رخصت کو حسینؑ آئے حرم سے
سب بیبیاں لپٹیں شہِ والا کے قدم سے

جب امام عالی مقامؑ کے تمام یار و انصار اور اقربا شہید ہوگئے اور سب کو خاک پر سویا پایا تو اُدھر دشمن کی طرف سے بار بار مبارزہ طلب کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ آپؑ خود میدان میں جانے کے لیے تیار ہوگئے۔ اس لیے اہلِ حرم سے الوداع کرنے خیام میں آئے اور بلند آواز سے کہا:

یَا سَکِینَۃُ یَا رُقَیَّۃُ! یَا زَینبُ! یَا اُمِّ کلثوم! عَلَیکُنَّ مِنِّی السَّلَام

اے سکینہؑ! اے رقیہؑ! اے زینبؑ! اے اُمِ کلثومؑ! تم پر میرا سلام ہو، خدا حافظ!

اہلِ حرم یہ آواز سنتے ہی حضرتؑ کے اردگرد جمع ہوگئے اور بقول صاحب بیت الاحزان سب سے پہلے سکینہؑ باپ کے پاس آئی اور عرض کیا: یَاابَتَاہُ اِستَسلَمتَ لِلمَوت بابا! کیا آپؑ نے موت کو قبول کرلیا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: کَیفَ لا یَستَسلِمُ مَن لَا نَاصِرًا لَہُ وَلَا مُعِین، اے بیٹی! میں کس طرح شہادت سے گھبراؤں اور شہید ہونے پر راضی نہ ہوں جب کہ میرا کوئی یار و انصار نہیں ہے۔

جنابِ سکینہؑ نے عرض کیا: یَا اَبَتَاہُ رُدَّنَا اِلَی حَرَمِ جَدِّنَا، اے بابا! اگر آپؑ بھی شہید ہونے جا رہے ہیں تو پھر ان تمام عورتوں اور بچوں کو ہمارے جد کے حرم پر پہنچا دو۔

امامؑ نے فرمایا: لَو تُرِکَ القَطَا لَنَامَ وَغَفِی، یعنی ہائے افسوس! اگر مرغ قطا کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ کبھی اپنا آشیانہ نہیں چھوڑتا یعنی اگر مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیں تو کبھی اپنا وطن اور نانا کا حرم نہ چھوڑتا۔

جب حضرتؑ نے اظہار فرمایا تو خواتین مضطرب ہوئیں اور اُن کو یقین ہوگیا کہ حضرت شہادت کو جانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ لہٰذا سب عورتوں اور بچوں نے یک بارگی گریہ زاری اور آہ و فریاد شروع کردی۔ امامؑ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور ان کو خاموش کیا اور وداع کو نامکمل چھوڑ کے میدان کی طرف چلے گئے۔

امام علیہ السلام کی عمر بن سعد سے گفتگو

امام عالی مقامؑ جب میدانِ جنگ میں آئے تو آواز دی کہ کہاں ہے عمر بن سعد؟ وہ ملعون نزدیک آیا تو حضرتؑ نے

فرمایا: تجھے تین کاموں میں اختیار دیتا ہوں کہ ایک کو انجام دو۔

اُس بے حیا نے کہا کہ وہ تین کام کون کون سے ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: تَتْرُکُنی حَتّٰی اَرْجِعَ اِلَی الْمَدِیْنَةِ الی حرم جدی ''پہلا یہ ہے کہ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو تا کہ میں مدینہ اپنے جد کے پاس واپس چلا جاؤں۔ قال: مَالِی اِلٰی ذٰلِکَ مِن سَبِیلٍ، عمر بن سعد نے کہا: یہ کام تو میں نہیں کرسکتا کیوں کہ اپنے امیر ابن زیاد کی طرف سے مجھے اجازت نہیں کہ آپؑ کو چھوڑ دوں۔ قَالَ اِسْقِنِی بِشَرْبَةٍ مِنَ الْمَاءِ امام عالی مقام نے فرمایا: میری دوسری خواہش ہے کہ مجھے پانی کا گھونٹ دیا جائے کیوں کہ میں بہت پیاسا ہوں۔

قَالَ اللعین بن اللعین ولا اِلَی الثانیة من سبیل اس ملعون عمر بن سعد لعین بن لعین نے جواب دیا کہ یہ دوسری حاجت بھی پوری نہیں کرسکتا۔

قَالَ ان کَانَ لَابُدَّ مِن قَتْلِی فَلْیُبْرِزْ اِلَیَّ رَجُلًا بَعْدَ رَجُلٍ ،امامؑ نے فرمایا کہ اگر تم نے مجھے قتل ہی کرنا ہے تو میری تیسری خواہش یہ ہے کہ میرے ساتھ جنگ کرنے ایک ایک شخص آئے۔ اس ملعون نے یہ خواہش قبول کی اور آواز دی۔

امام زین العابدینؑ سے امام حسینؑ کا وداع بروایت صدر قزوینی

مرحوم صدر قزوینی نے ''حدائق الانس'' میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ کے تمام یار و انصار اور اقربا زمینِ کربلا میں شہید ہوگئے تو امام تمام شہداء کے لیے دکھی تھے، اب حضرتؑ کے علاوہ کوئی باقی نہ تھا، پس حضرتؑ نے دکھی دل سے هَل مِن نَّاصِرٍ یَنصُرُنِی، اور هَل مِن ذَابٍ یَذُبُّ عَن حَرَمِ رَسُولِ اللّٰهِ کی صدائیں بلند کیں:

> فَخَرَجَ علی بن الحُسَین زین العابدین وَکَانَ مَرِیضًا لَا یُقدِرُ اَن یَقِلَّ سَیفَهٗ وَاُمُّ کَلثُوم تُنَادی خَلفَه یَابُنَیَّ اِرجَعْ
>
> ''بابا کے یہ استغاثے سن کر امام زین العابدینؑ خیمہ سے نکلے جبکہ وہ مریض تھے اور تلوار بھی نہ اٹھا سکتے تھے۔ جناب اُم کلثوم نے دوڑ کر اپنے بھتیجے کے دامن کو پکڑا اور رو کر فرمایا: اے میرے نورِ نظر! کہاں جاتے ہو اور اس حالت میں کیوں جاتے ہو؟ آپؑ تو جنگ کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے''۔

جناب امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

> فَقَالَ یَا عَمَّتَاه ذَرِینی اُقَاتِل بَینَ یَدَی ابنِ رَسولِ اللّٰه

''اے پھوپھی اماں! مجھے چھوڑ دیں میں اپنی جان فرزندِ رسولؐ پر قربان کرنا چاہتا ہوں''۔

فقال الحسين يا ام كلثوم خذيه لئلاً تبقى الارض خالِيًا من نسلِ آل محمد

''یہ حالت دیکھ کر امام حسینؑ علیہ السلام نے آواز دی: اے کلثومؑ! میرے بیٹے کو پکڑ لو، تا کہ زمین نسلِ آلِ محمدؐ سے خالی نہ ہو جائے''۔

پس حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو بازو سے جنابِ اُم کلثومؑ نے پکڑا اور دوسرے بازو سے جنابِ زینب کبریٰ نے پکڑا اور خیمہ میں لائیں اور اپنے بستر پر سُلا دیا، کیونکہ امام زین العابدینؑ بیمار تھے اور بیماری کی وجہ سے ان کے بدن میں لرزہ تھا، سانس بند ہو چکا تھا لہٰذا جوں ہی بستر پر لیٹے، غشی طاری ہو گئی۔

ہفتم سے جو اعدا کی ہوئی شہ پہ چڑھائی — بیمار کو پانی نہ ملا کیسی ٹھنڈائی
عاشور کو غش تھا کہ یکایک خبر آئی — شہ ذبح ہوئے لٹ گئی زہراؑ کی کمائی
ہوش آیا تو گھر آگ سے جلتے ہوئے دیکھا
ماں بہنوں کو بلوے میں نکلتے ہوئے دیکھا

شہادت جناب علی اصغرؑ

سن کر یہ صدا گردنِ تسلیم جھکائی
تلوار سے کھودی لحد اور لاش لٹائی
جب خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی
تعویذ پہ منہ رکھ دیا رقت بہت آئی
فرمایا کہ ڈر ڈر کے نہ رونا علی اصغرؑ
ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغرؑ

جناب علی اصغرؑ کی شہادت میں، ان کے سِن میں اختلاف ہے اس لیے دونوں روایات بیان کر دی ہیں۔ پہلی روایت یوں ہے: عاشور کے غم زدہ اور دکھی دن جب امام حسینؑ کا کوئی یار اور ناصر باقی نہ رہا تو حضرتؑ خود میدان کی طرف جانے کے لیے تیار ہوئے۔ آپؑ نے خیام کے دروازے پر آ کر خدا حافظی کا سلام کیا۔ جونہی عورتوں اور بچوں نے حضرت کا وداعی سلام سنا تو سب حضرت امامؑ کے گرد جمع ہو گئے۔ امامؑ ہر ایک کو تسلیاں دیتے رہے اور صبر و حوصلہ کی تلقین کرتے رہے۔

اسی دوران میں جنابِ علی اصغرؑ کی آواز امامؑ کے گوشِ امامت میں پہنچی۔ سید نے لہوف میں لکھا ہے کہ حضرت امامؑ نے بہن سے فرمایا: میرے چھوٹے بچے کو لاؤ تا کہ ان کو بوسہ دے کر خدا حافظی کر لوں۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا جنابِ علی اصغرؑ کو لائیں جو شدتِ پیاس سے رو رہے تھے اور آرام نہ کر پاتے تھے۔ بارش کی طرح آنسو جاری تھے۔ آنکھیں اندر کی طرف دھنس چکی تھیں۔ پیٹ پشت سے چمٹا ہوا تھا اور لب سوختہ تھے۔ امامؑ نے علی اصغرؑ کو ہاتھوں پر لیا اور چاہتے تھے کہ بیٹے کے خشک ہونٹوں اور آنسوؤں سے آلودہ چہرے کو بوسہ دیں کہ اچانک حُرملہ ملعون نے ایک تیر مارا جس نے علی اصغرؑ کے گلے کو کاٹ کر ذبح کر دیا۔ امامؑ نے بہن کو بلایا اور فرمایا: بچے کو لے لو اور اس کی نگرانی کرو۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے روتی آنکھوں، دکھی دل اور سوختہ جگر سے بچے کو اٹھایا تو امامؑ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر بچے کے گلے سے بہنے والے خون کو لیا اور چلو بھر کر آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا: بہن! یہ مصیبت بہت بڑی مصیبت ہے البتہ خدا دیکھ رہا ہے۔

قال الباقر فَلَم یَسقُط مِن ذٰلِكَ الدَّمِ قَطرَةٌ عَلَی الاَرضِ

''حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: امام حسینؑ نے علی اصغرؑ کا جو خون آسمان کی طرف پھینکا اس کا ایک قطرہ واپس زمین پر نہیں گرا''۔

شہادتِ علی اصغرؑ کی دوسری روایت

مرحوم مجلسی بحارالانوار میں لکھتے ہیں: جب زمینِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے تمام یار و انصار شہید ہو گئے اور آپؑ نے تمام جوانوں کو خاک و خون میں غلطاں دیکھا تو دل پر تمام کے فراق کا داغ لگ گیا۔ چنانچہ امامؑ نے یہ استغاثہ بلند کیا۔

هَل مِن ذَابٍّ یَذُبُّ عَن حَرَمِ رَسُولِ اللهِ هَل مِن مُوَحِّدٍ یَخَافُ اللهَ فِینَا وَهَل مِن مُغِیثٍ یَرجُواللهَ فِی اِغَاثَتِنَا

''حضرتؑ نے اپنے دکھی دل سے آواز دی کہ کوئی ہے جو اس صحرا میں حرمِ پیغمبرؐ کا شر سے دفاع کرے؟ آیا کوئی موحد ہے جو خدا سے ڈرتا ہو اور ہمیں نہ ڈرائے؟ آیا کوئی ہے جو فی سبیل اللہ آلِ محمدؐ کی فریاد رسی کرے؟

جب امامؑ کی آواز خیام کے اندر پہنچی تو تمام اہلِ حرم کا گریہ و زاری بلند ہوا، امامؑ یہ آہ و زاری سن کر خیام میں آئے۔

فَقَالَ نَاوَلُونِی عَلِیًا اِبنِی الطِّفل حَتّٰی اُوَدِّعَہٗ ،حضرتؑ نے تمام اہل وعیال کو خاموش کرادیا لیکن علی اصغرؑ مسلسل رو رہے تھے۔

حضرتؑ نے فرمایا: میرے اصغرؑ کو میرے پاس لاؤ تا کہ ان سے الوداع کرلوں۔ جناب علی اصغرؑ حضرت کے ہاتھوں پر آئے، امامؑ نے دیکھا کہ پیاس سے نڈھال ہیں تو آپؑ کے آنسو جاری ہوگئے۔ جس سے تمام مستورات رونے لگیں اور عرض کرنے لگیں: اے مولاؑ! دو دن ہوگئے ہیں کہ پانی اور غذا نہ ہونے کی وجہ سے اصغرؑ کی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہوگیا ہے اور یہ بچہ پیاسا اور بھوکا ہے۔

حضرتؑ بچے کی حالت سے بہت متاثر ہوئے اور آپؑ نے دیکھا کہ پیاس کی شدت میں جل رہا ہے اور مسلسل آنسو بہا رہا ہے تو حضرتؑ اتمامِ حجت کے لیے ذوالجناح کی زین پر سوار ہوئے اور اپنے بیٹے کو لیے میدان میں آئے اور بچے کو دونوں ہاتھوں پر اُٹھا کر بلند کیا۔ پھر بلند آواز سے کہا: اِن اَکُن اَنَا اثم علی نزعمکم، اگر تمہارے اعتقاد کے مطابق میں قصوروار ہوں تو اس بچے کی کوئی تقصیر نہیں ہے۔ آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ کس طرح پیاس ہے اور اب پیاس سے مر رہا ہے۔ اے لشکر والو! ایک گھونٹ پانی دے دو تا کہ اس بچے کی جان بچ جائے۔ اگر مجھے پانی نہیں دیتے تو آؤ یہ بچہ لے جاؤ اسے خود پانی پلا دو اور پھر مجھے واپس کردو تا کہ اس کی ماں کے حوالے کردوں۔

ملاعین نے جواب دیا: اذنِ امیر کے بغیر ایک گھونٹ پانی آپ کو اور آپ کی اولاد و ذریت کو نہیں دیں گے۔ اسی دوران حُرملہ بن کاہل نے تیر مارا۔ فَاستَھدف حَلَق الرضیع وعَبرَت النشابة من حَلقِهٖ اِلَی عَضُدِ الحسین، حُرملہ کا تیر علی اصغرؑ کے گلے سے گزرتا ہوا امام حسینؑ کے کاندھے میں جا لگا۔ امامؑ نے اصغرؑ کے گلے سے خون چلّو میں لیا اور آسمان کی طرف پھینکا۔ پھر بچے کو خیمے میں لائے اور ماں کو دیا اور فرمایا:

اخرجی وخذی ابنك الشهيد فان جده سقاه ان الكوثر

"اپنے بچے کو لو اس کے دادا نے کوثر پلا دیا ہے"۔

شہادت علی اصغرؑ کی تیسری روایت

ابو مخنف نے لکھا ہے:

اِنَّهٗ اَقبَلَ اِلَی اُمِّ کَلثُومِ وَقَالَ لَهَا یَا اُختَاہ اَوصِیكَ بِوَلَدِي الاَصغَر فَاِنَّهٗ طِفلٌ صَغِیرٌ وَلَه مِنَ العُمر سِتَّةُ اَشهُر

''امامؑ غریب و مظلوم نے تمام عورتوں میں سے جناب اُم کلثوم سے فرمایا: اے بہن! میں آپؑ کو اپنے شیرخوار علی اصغرؑ کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کی حالت کی رعایت کرنا اور حفاظت کرنا کیونکہ وہ چھے ماہ کے ہیں''۔

اُم کلثومؑ نے عرض کیا: اے بھائی! تین دن ہوگئے ہیں کہ یہ بچہ پانی اور ماں کے دودھ سے محروم ہے، لہٰذا بہتر ہے کہ اس بچے کے لیے قومِ اشقیاء سے پانی مانگیں تاکہ اس کی تشنگی دُور ہو جائے۔

حضرتؑ نے فرمایا: میرے شیرخوار بچے کو میرے پاس لاؤ۔ پس بچے کو لایا گیا اور امامؑ کے حوالے کیا گیا تو امامؑ گھوڑے پر سوار ہوئے، عبائے مبارک کندھے پر ڈالی اور چھوٹے بچے کو اپنی عبا سے ڈھانپا تاکہ سورج کی گرمی اور حرارت سے محفوظ رہے کیوں کہ سورج کی گرمی اور خون ریزی سے پیاس میں شدت آجاتی ہے۔

راوی کہتا ہے: طلوعِ آفتاب سے اس وقت تک امامؑ کئی مرتبہ خیام میں گئے اور پھر میدان میں آئے اور ہر مرتبہ اتمامِ حجت کے لیے کوئی چیز اپنے ساتھ لائے۔ ایک مرتبہ قرآن لائے اور فرمایا: اے قوم! کیا یہ وہی قرآن نہیں جو میرے جدِ امجد پر نازل ہوا؟ اور میں فرزند پیغمبرؐ نہیں ہوں۔

دوسری مرتبہ رسولِؐ گرامی کا عمامہ پہن کر آئے اور فرمایا: اے قوم! کیا یہ عمامہ، زرہ اور اُونٹ رسول پاکؐ کے نہیں ہیں؟

سب نے کہا: ہاں یہ سب نشانیاں رسولِؐ اسلام کی ہیں۔

پھر میدان میں آئے تو اپنے حسب ونسب کا اظہار کیا۔ پھر آئے تو خطبہ و نصیحت و موعظہ کر کے اتمامِ حجت کیا۔ ایک مرتبہ سر پر عبا کیے ہوئے میدان میں آئے۔ لوگوں نے کہا: خدا معلوم اس مرتبہ کون سی نشانی لائے ہیں۔ لشکر ابن زیاد دیکھ رہا تھا کہ اچانک حضرتؑ نے عبا سے ہاتھ نکالے اور ایک شیرخوار بچے کو جو قنداقہ میں لپٹا ہوا تھا، اس قدر بلند کیا کہ تمام لشکر والوں نے دیکھا اور حضرتؑ نے بلند آواز سے فرمایا: اے کوفیو! اے شامیو! اَمَا تَرَوْنَهُ كَيْفَ يَتَلَظّٰى عَطَشًا'' کیا تم نہیں دیکھتے کہ شدتِ پیاس سے اس کی حالت کیا ہوگئی ہے'' یعنی قریب المرگ ہے۔ فَاسْقُوْهُ شُرْبَةً مِنَ الْمَاءِ'' اس بچے کو پانی پلا دو۔

کتاب منبع الدموع میں ذکر ہے کہ لشکر کے سپاہی ایک دوسرے کی مذمت کرتے تھے کہ اگر اس بچے کو ایک گھونٹ پانی دے دوں تو کیا ہو جائے گا؟ لشکر سے ایک ہمہمہ بلند ہوا یعنی ترحم کے لیے ہائے ہائے کی آوازیں آئیں۔

ابن سعد نے سوچا کہ کہیں لشکر میں بغاوت نہ ہو جائے لہٰذا حرملہ کو للکار کر کہا: اِقْطَعْ كَلَامَ الْحُسَيْن ''حسینؑ کو سخت جواب دو''۔ حُرملہ نے کہا: اے امیر! باپ کو جواب دوں یا بیٹے کو؟ یہ کنایہ تھا کہ باپ کو نشانہ بناؤں یا بیٹے کو اپنے تیر کا نشانہ بناؤں؟

عمر بن سعد نے کہا: کیا تمہیں بچے کے گلے کی سفیدی نظر نہیں آتی؟ حُرملہ اپنے گھوڑے کو ایک ٹیلے پر لایا اور پھر گھوڑے سے اُتر کر تیر کمان میں رکھا۔ راوی کہتا ہے: جب تیر کے چلنے کی آواز آئی تو میں نے امامؑ کے ہاتھ پر نگاہ کی، وہ بچہ ذبح شدہ مرغ کی طرح تڑپ تڑپ کر اپنی جان دے رہا تھا۔

ابو مخنف نے لکھا ہے: فَذُبِحَ الطِّفلُ مِنَ الاذُنِ اِلَی الاذُنِ ''اس زہرآلود تیر نے ایک کان کے نیچے سے لے کر دوسرے کان کے نیچے تک بچے کو ذبح کر دیا''۔ پھر امامؑ نے بچے کا خون ہاتھوں پر لیا اور آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا: اے میرے اللہ! گواہ رہنا کہ گویا انہوں نے منت مان لی ہے کہ ذُریت پیغمبرؐ سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔

ثُمَّ رَجَعَ بِالطِّفلُ مَذبُوحًا دَمُهُ یَجرِی عَلی صَدرِ الحُسَین

پس حضرتؑ دلِ پُرحسرت سے اپنے مذبوح بیٹے کو واپس خیام میں لائے، ایک ہاتھ میں قنداقہ تھا اور دوسرے ہاتھ سے جلد سے لٹکے سر کو پکڑے ہوئے تھے جبکہ خونِ علی اصغرؑ امام پاکؑ کے سینے پر جاری تھا۔ امامؑ نے جنابِ اُم کلثومؑ کو بلایا اور بچے کو ان کے سپرد کیا۔ بی بی پاکؑ نے ٹھنڈی آہ بھری اور پھر بین کیے اور تمام مستورات جمع ہو کر ماتم کرتی رہیں۔

شہادتِ علی اصغرؑ کے بارے میں فاضل دربندی کی چوتھی روایت

مرحوم دربندی لکھتے ہیں:

لما سمع هذا النور النَّیِّر والقمر المنیر استغاثة ابیه قطع القماط والقٰی نَفسَهُ

''جب امام حسینؑ کے استغاثے کی آواز نورِ تاباں اور ماہِ درخشاں شہزادہ علی اصغرؑ نے سنی تو اپنے قنداقے کو پھاڑ دیا اور خود کو گہوارے سے زمین پر گرا دیا''۔

وَبکٰی وَضجَّ حیرًا بِذٰلِكَ روحی وَ اَرواح العَالَمین فَداهُ اِلَی اِجَابَةِ دَعوةَ ابیه فرجع الامامُ اِلَی نحو الخیام وَسَئَلَ الصدیقة الصغریٰ اعنی زینب عَن سَبَبِ تِلكَ الحَالة فَاَخبرَتهُ بِمَا صَنَعَ الطِّفلُ بَعدَ اِستِغَاثِتِهٖ وَ اِستِنصَادِهٖ

زمین پر خود کو گرانے کے بعد بلند آواز سے گریہ و نالہ اور آہ و زاری کی اور اس طریقے سے بابا کے استغاثہ کا جواب دے رہے تھے''۔ اصغرؑ کی حالت دیکھ کر خیام میں کہرام مچ گیا۔ امامؑ نے یہ آوازِ غم سنی تو خیمہ میں آئے اور جنابِ صدیقہ صغریٰؑ اور حضرت زینب کبریٰؑ سے خیام میں کہرام برپا ہونے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے بھائی! جب سے آپؑ نے استغاثہ بلند کیا ہے اس شیرخوار نے قنداقہ کے بند توڑ دیئے اور خود کو گہوارے سے گرا دیا اور رو کر کہتا ہے: بابا میں آ رہا ہوں،

اس کی یہ حالت اور آپؑ کی غربت پر تمام مستورات میں گریہ وزاری ہوا"۔

امامؑ نے فرمایا: میرے شیر خوار بچے کو لاؤ۔

جناب علی اصغرؑ امامؑ کے ہاتھوں پر آئے۔ حضرتؑ نے زین پر اپنے آگے گود میں سنبھالا اور میدان کی طرف آ گئے۔

مرحوم طبرسی احتجاج میں لکھتے ہیں: جنابِ علی اصغرؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ خیام کے عقب میں گھوڑے سے اُترے اور تلوار سے گڑھا کھودا اور اپنے خون آلود بیٹے اصغرؑ کو اس گڑھے میں دفن کر دیا۔ پھر بارگاہِ الٰہی میں رو کر عرض کیا: خداوندا! ہمارا انتقام ان دشمنوں سے خود لے۔

مرحوم شیخ جعفر شوستریؒ اپنی کتاب خصائص میں لکھتے ہیں: حضرت امام حسینؑ نے شہزادہ علی اصغرؑ کو دفن کیا، جب کہ اور کسی شہید کو دفن نہیں کیا، اس کی پانچ وجوہ ہو سکتی ہیں:

① شیر خوار بچے کا دفن کرنا ایک شخص کے لیے ممکن تھا۔

② جنگ کے بعد دوسرے شہیدوں کی طرح شیر خوار کا سر نہ کٹے۔

③ دوسرے شہداء کی طرح تین دن تک دھوپ اور گرمی میں نہ پڑا رہے۔

④ شیر خوار بچے کا جسم پامالی سے بچ جائے۔

⑤ دوبارہ اس خون آلود قنداقہ پر نظر نہ پڑے اور دل کو مزید دکھ نہ ہو۔

نصرتِ امامؑ کے لیے جِنوں کی آمد

جناب طریحی منتخب میں لکھتے ہیں: جب امام حسینؑ کربلا کی سرزمین پر بے یار و مددگار اور تنہا ہو گئے تو جن فوج در فوج امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدم بوسی کے بعد عرض کیا:

یَاحُسَیْنُ نَحنُ اَنصَارُکَ فَمُرنَا بِاَمرِکَ مَاتشاءَ فَلَو اَمَرتَنَا بِقَتلِ کُلِّ عَدُوٍ لَکُم لَفَعلنَا

"کہ اے مولا حسینؑ! ہم آپؑ کے مددگار اور ناصر ہیں، جو چاہتے ہو ہمیں حکم دو۔ اگر آپؑ اپنے تمام دشمنوں کے قتل کر دینے کا حکم دیں تو ہم تمام کو قتل کر دیں گے"۔

حضرت امامؑ نے ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا:

جَزَاکُمُ اللّٰهِ خَیرًا اِنِّی لَا اُخَالِفُ قَولَ جَدِّی

"خدا تمہیں جزائے خیر دے، میں اپنے ناناؐ کے فرمان کی مخالفت نہیں کر سکتا کیونکہ انہوں نے مجھے یہ

فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ شَاءَ اَن یَرَاکَ مقتولًا مَلَطَّخا بِدِمَائِکَ مَخضَبًا شَیبَکَ بِدَمَائِکَ مَذبُوحًا مِن قَفَاکَ

"مشیتِ خدا یہ ہے کہ تمہیں مقتول اور خون و خاک میں غلطاں دیکھے، داڑھی کو خون سے رنگین اور سر کو پسِ گردن کٹتے ہوئے دیکھے۔

پس حضرت امامؑ نے جنوں سے فرمایا: یہ میرے بارے میں خدا کی چاہت ہے، البتہ میرے ناموس اور اہلِ کے بارے میں میرے پاک ناناؐ نے فرمایا تھا:

وَقَد شَاءَ اللّٰہ اَن یَرىٰ حَرمَکَ سَبَایَا عَلٰى اقطَابِ المَطَایَا وَ اِنِّی وَاللّٰہِ سَاَصبُر

"خدا کی چاہت یہ ہے کہ اہلِ بیتؑ قیدی ہو کر بے پالان اُونٹوں پر سوار دیکھے"۔

اے جنوں کے سردار! میں خداوندِ عالم کی چاہت اور رسولِ پاکؐ کے اشارہ پر عمل کرتے ہوئے صبر کروں گا اور شہید ہونے کے لیے تیار ہوں اور اہلِ بیتؑ کے قیدی ہونے پر بھی آمادہ ہوں اور خدا احکم الحاکمین ہے۔

لشکرِ کفر پر امام حسینؑ کا اتمامِ حجت

ابومخنف لکھتے ہیں:

ثُمَّ نَزَلَفَ نَحوَ القَومِ وَقَالَ: یَاوَیلَکُم عَلٰى مَا تُقَاتِلُونِی؟ أَعَلٰى حَقٍّ تَرَکتُہُ اَم عَلٰى سُنَّۃٍ غَیَّرتُھَا اَم عَلٰى شَرِیعَۃٍ بَدَّلتُھَا؟

"امامؑ لشکرِ کفر کے پاس گئے اور فرمایا: اے سپاہِ کوفہ و شام! اے گروہِ خون آشام! میرے ساتھ کیوں لڑتے ہو؟ میرا قصور کیا ہے؟ میرے گناہ کون سے ہیں؟ کیا کسی کا حق غصب کیا ہے یا کسی کے مال کو پاؤں تلے پامال کر دیا ہے یا پیغمبرؐ کی شریعت کو بتدیل کر دیا ہے؟ یا دین میں مَیں نے کوئی بدعت جاری کر دی ہے؟ آخر تم کیوں میرے خون کے پیاسے ہو؟"

فوجِ اشقیاء نے جواب دیا:

نُقَاتِلُکَ بُغضًا مِنَّا لِاَبِیکَ یَاحُسَین

"اے حسینؑ! ہم تم سے جنگ بھی کریں گے اور تمہارا خون بھی بہائیں گے"۔

کیونکہ ہم سب کے دلوں میں تمہارے بابا علیؑ کا بغض موجود ہے، علیؑ نے ہمارے والدین کو قتل کیا ہے۔

فَلَمَّا سمع صَلوات اللّٰہ عَلَیہِ کَلَامَھم بَکَی بُکَاءً شَدِیدًا فَجَعَلَ یَنظُرُ یَمِینًا وَشِمَالًا فَلَم یَرَ اَحَدًا مِن اَصحَابِہٖ وَانصَارِہٖ اِلَّا مَن صَافَعَ التُراب بجبینَہ وَقَطَعَ الحمَام اَنینَہُ

''جب امامؑ نے ان کی بات سنی تو بہت بلند آواز سے روئے، دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی یارومددگار نظر نہ آیا مگر وہی نظر آئے جن کی جبینوں پر مٹی اور جسموں سے روح نکل چکی تھی''۔

پس دکھی دل سے بلند آواز سے فرمایا:

یَامُسلِم بن عَقیل یَاھَانی عروۃ ، یا حبیب بن مظاھر، یا زھیر بن قین، یایزید بن مظاھر، یایحیٰی بن کثیر ، یاھلال بن نافع ، یاابراھیم بن الحصین ، یاعمیر المطاع، یا اسدالکلبی...... الی اخر

کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر اپنے اقارب کو ندا دی اور فرمایا: اے علیؑ بن الحسینؑ! اے میرے رشید جوان، اے میری اُمید، اے علی اکبرؑ! اُٹھو اور اپنے غریب بابا کی حالت زار کو دیکھو، اے میرے علمدارؑ ، اے میری پشت پناہ، اے میرے بھائی عباسؑ ! اُٹھو میری غریبی اور بے کسی کی حالت دیکھو، ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو پھر فرمایا:

مَالِی اُنَادِیکُم فَلَا تُجِیبُونِی وَادعُوکُم فَلَا تَنتَصِرُونَ

اے میرے یاروانصار! اے میرے روحانی مددگارو! میں تمہیں پکارتا ہوں تم جواب نہیں دیتے''۔

(شبِ عاشور تو کہتے تھے، ہم اکیلے چھوڑ کے نہیں جائیں گے)''میں بلاتا ہوں تم میری مدد کو نہیں آتے؟''

اَنتُم نِیَامٌ اَرجُوکُم تَنتَبِھُونَ

''تم سوئے ہوئے ہو تو میری خواہش ہے کہ بیدار ہو کر میری غربت کی حالت کو دیکھو''۔

اَم مَالَت محبتکُم عَن اِمَامِکُم

''کیا تمہاری محبت اپنے امامؑ سے کم ہوگئی ہے اور دلوں سے امامؑ کی الفت ختم ہوگئی ہے جو جواب نہیں دیتے؟''

ھٰذِہٖ بَنَاتُ الرَّسُولِ لِفَقدِکُم قَد عَلَاھُنَّ النَحولَ

''اے میرے عزیزو! خاک سے سر اُٹھا کر اہلِ بیتؑ کی نالہ وزاری، آہ و بے قراری کی چیخیں سنو کہ تمہارے لیے گریہ کر رہے ہیں، تمہارے فقدان کی وجہ سے نالہ زاری بلند ہے کیونکہ تم ہی تو تھے جو

کہتے تھے: جب تک ہم زندہ ہیں ہم اہلِ بیتؑ کی حفاظت اور حمایت کریں گے اب تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان کو روتا چھوڑ کر خود چلے گئے اور آرام سے سو گئے"۔

قُومُوا عَن نَومَتِكُم اَيَّتُهَا الكِرَامَ وَادفَعُوا عَن حَرَمِ الرَّسُولِ الطُّغَاةَ اللِّئَام

"اٹھو! نیند کو چھوڑو! رسولِ خدا کی اولاد کو ان کافروں اور فاسقوں کے ظلم سے نجات دو اور عترتِ پیغمبرؐ سے ان کے شر کو دُور کر دو"۔

پس حضرتؑ نے اپنی کرامت، شرافت اور وسیع عنایت سے زبان شہداء سے معذرت کی اور یوں فرمایا: اے عزیزو! سوتے رہو سونا اب تمہارا حق بھی ہے۔

صَرَعَكُم وَاللّٰهِ رَيبُ المنون وغدر بِكُمُ الدَّهرُ الخَئُونَ وَ اِلَّا لَمَا كُنتُم عَن دَعُوتِي تُقصِرُونَ وَلَا عَن نُصرَتِي تَحتَجِبُون

"کیونکہ خدا کی قسم! زمانے نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے، خیانت کار زمانے نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہے، ورنہ تم ایسے صحابہ نہ تھے کہ حسینؑ کو تنہا چھوڑ دیتے اور ناموسِ پیغمبرؐ کو دشمنوں کے سپرد ہونے دیتے"۔

فَهَا نَحنُ عَلَيكُم مُفتَجِعُونَ وَبِكُمُ لَاحِقُونَ

"پس آگاہ رہو کہ میں بھی تمہاری طرح سے ان بناتِ رسولؐ اور نوجوان بیٹیوں کے غم میں بہت دکھی ہوں اور مجبور ہوں کہ میں بھی ان کو تنہا چھوڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں"۔

ثُمَّ صَفَقَ صَفقَةً وَقَالَ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيهِ رَاجِعُونَ

پھر حضرت امامؑ نے افسوس کے ہاتھ ملے اور کلمۂ استرجاع پڑھا اور پھر اپنے اصحابِ وفا کا مرثیہ پڑھتے رہے"۔

خامسِ آلِ عباؑ کا مبارزہ اور اظہارِ شجاعت

حضرتؑ کے اتمامِ حجت کے بعد جب کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کی سرکشی میں اضافہ ہوا تو امامؑ نے عمر بن سعد سے فرمایا:

اُخَيرُوكَ فِي ثَلَاثِ خِصَالٍ

"میں تجھے تین کاموں میں اختیار دیتا ہوں ان میں سے ایک کو اختیار کرو"۔

ابن سعد نے کہا: وہ تین کام اور خواہشیں کیا ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: تین کام یہ ہیں:

یا مجھے چھوڑ دو تاکہ اپنے اہلِ بیتؑ کو ساتھ لے کر روضۂ رسولؐ پر چلا جاؤں یا پھر شدتِ پیاس کی وجہ سے میرا جگر اور لب خشک ہیں، مجھے پانی دے دو یا میدانِ جنگ میں میرے مقابل ایک ایک شخص آئے۔

عمر بن سعد نے کہا: آپؑ کی تیسری خواہش پر عمل کروں گا اور اس پر امامؑ کا ابن سعد سے معاہدہ ہوا۔

مرحوم مجلسیؒ نے بحارالانوار میں لکھا ہے:

ثُمَّ دَعَی النَّاسَ اِلَی البَرَازِ

"یعنی امامؑ بغیر فوج کے میدان میں گئے اور مبارزت طلبی کی اور رجز میں اپنے حسب ونسب کو بیان کیا:

ثُمَّ وَقَفَ قِبَالَ القَومِ وَسَیفُهُ مُصلَّتٌ ایساً من الحیواة عَازِمًا عَلَی الموت

"یعنی پھر امامؑ سپاہ کوفہ وشام کے مقابل آئے۔ آپؑ نے تلوار کو غلاف سے نکالا ہوا تھا، زندگانی سے مایوس تھے، موت کے لیے تیار تھے تو اس حالت میں امامؑ نے قوم کو خطاب کیا:

یَا اَهلَ الکُوفَةِ قُبحًا لَکُم وَترحًا وَبُوسًا وَتعسًا فَحِینَ استَصرَختُمونَا وَالهِین فَاَتَینَاکُم موجِفِین......الخ

"اے بے وفا کوفیو! تم پر افسوس ہے کہ اس قدر مجھے ذلیل وخوار کرنے پر اُتر آئے ہو، قیامت کے عذاب سے بچو! جو تمہیں کہنا تھا وہ کہہ دیا ہے تاکہ بروزِ قیامت تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نہیں جانتے تھے"۔

پھر امامؑ نے مبارزہ طلب کیا۔

روضۃ الشہداء میں ملا حسین کاشفی نے لکھا ہے کہ دشمن کی فوج سے تمیم بن قحطبہ جو شام کا مشہور شجاع تھا، وہ آیا اور کہا: اے فرزندِ ابوتراب! کب تک دشمنی کرو گے، تمہارے سب فرزند شہید ہو گئے ہیں اور تمام یار وانصار اور غلام تمہیں چھوڑ گئے ہیں۔ آپ ابھی تک جنگ کرتے ہو۔ ایک تنہا شخص کیسے ۲۰ ہزار کا مقابلہ کرے گا؟

امام حسینؑ نے فرمایا: اے شامی! کیا میں تم سے جنگ کرنے آیا ہوں؟ یا تم مجھ سے جنگ کر رہے ہو؟ میں نے تمہارا راستہ روکا ہے، یا تم نے میرا راستہ روکا ہے؟ تم نے میرے بھائی، بیٹے اور انصار سب قتل کر دیے ہیں۔ اب میرے اور تمہارے درمیان تلوار چلنے کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟ پس زیادہ بکواس مت کرو اور جس کام کے لیے آئے ہو وہ کرو۔ یہ کہہ کر دل سے

ایک نعرہ لگایا کہ لشکریوں میں سے کافی لوگوں کے دل بیٹھ گئے اور یہ تمیمی خاموش کھڑا رہا۔ جیسے اُس کے ہاتھ شل ہو چکے ہوں۔ امامؑ نے اس کی گردن پر تیغ چلائی جس سے اس کا سر پچاس قدم دُور جاپڑا۔ پھر لشکر پر حملہ کیا تو آپؑ کی تلوار کی ضرب اور ہاتھ کی ضرب سے لشکر گھبرا گیا۔ یزید ابطحی نے لشکر کو للکارا۔ اے بے ہمت اور بے غیرت لوگو! تم سب گھبرا گئے ہو، اب دیکھو میں تنہا کس طرح یہ کام کرتا ہوں۔ پھر اسلحہ لگا کر امام حسینؑ کے سامنے آیا۔ یہ شخص شام، عراق، مصر، روم کے علاقوں میں بہت مشہور جرأت مند، دلیر اور بہادر تھا۔ سپاہِ عمر نے جب اس یزید ابطحی کو امام حسینؑ کے مقابل دیکھا تو خوشی سے ایسے نعرے لگائے کہ اہلِ بیتؑ ان نعروں کی آوازوں سے گھبرا گئے۔

فَلَمَّا رَآهُ زَعَقَ عَلَيهِ زَعقَةً عَلَوِيَّةً وَحَمَلَ عَلَيهِ حَملَةً هَاشِمِيَّةً

جب وہ امام حسینؑ کے مقابل آیا تو امامؑ نے اسے للکارا، کیا تم مجھے نہیں جانتے، اس طرح گستاخی کر کے میرے مقابل آئے ہو؟

ابطحی نے جواب نہ دیا اور امام حسینؑ پر تلوار سے حملہ کر دیا۔ حیدر کرارؑ کے فرزند نے ذوالفقار نیام سے نکالی اور اس کی کمر پر ایسی ضرب لگائی کہ تازہ کھیرے کی طرح دو ٹکڑے ہو گیا۔ لشکر حضرت امامؑ کے ہاتھوں کی طاقت اور تلوار کی ضربات سے حیران ہوا اور ہر طرف سے الحذر الحذر کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ امام عالی مقامؑ میدان میں گھوڑے کو جولان دیتے اور مبارزہ طلبی کرتے رہے۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں:

كَانَ يَقتُلُ كُلُّ مَن بَرَزَ اِلَيهِ حَتَّى مَقتَلَةً عَظِيمَةً

''کہ جو بھی امامؑ کے مقابل آیا اسے امامؑ نے قتل کر دیا حتیٰ کہ امامؑ نے بہت سے یزیدی لشکریوں کو قتل کیا''۔

پھر میمنہ پر حملہ کر دیا اور فرمایا:

اَلمَوتُ خَيرٌ مِن رَكُوبِ العَارِ
وَالعَارُ اَولٰى مِن دَخُولِ النَّارِ

''کہ موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے اور ذلت جہنم میں داخل ہونے سے بہتر ہے''۔

جب میسرہ پر حملہ کیا تو یہ رجز پڑھ رہے تھے:

''میں حسینؑ بن علیؑ ہوں، اپنے باباؑ کے مشن کو آگے چلاؤں گا اور میں دینِ مصطفیٰؐ پر چل کر عترتِ نبیؐ

کی حفاظت کرتا رہوں گا"۔

صاحب منتہی الآمال لکھتے ہیں: بعض روات نے کہا ہے: خدا کی قسم! ہم نے ایسا شخص آج تک نہیں دیکھا، جس کا لشکر نے احاطہ کر رکھا ہو، اس کے بھائیوں، بیٹوں، مددگاروں کو قتل کر دیا گیا ہو۔ اس کے اہلِ بیتؑ محصور ہو کر رہ گئے ہوں اور جو پھر بھی امام حسینؑ کا سا زیادہ شجاع ہو، کیونکہ ان ناگفتہ بہ حالات میں امام حسینؑ نے وہ شجاعت کے جوہر دکھائے کہ لوگوں کو علیؑ کی شجاعت بھول گئی۔

تمام مصائب امامؑ کے دل پر اور پھر تشنگی، گرمی کی شدت، زخموں کی کثرت کے باوجود گردِ اضطراب اور اضطرار ان کے دامن پر نہ بیٹھی اور کسی قسم کے تزلزل کے آثار ان کے وجود پر نظر نہ آئے۔ اسی حالت میں آپ ضربیں لگاتے اور دشمنوں کو قتل کرتے جا رہے تھے۔ کبھی بہت بہادر سپاہی حضرتؑ پر حملہ کر دیتے تو ان کو ایسا جواب دیتے۔ وہ اُن بھیڑوں کی طرف بھاگتے نظر آتے جن کو اپنے شکار ہو جانے کا ڈر ہو یعنی لشکر ابن سعد امامؑ کے حملہ کے آگے اس طرح بھاگتے تھے۔ پھر دوبارہ یہ تیس ہزار کا لشکر جمع ہو جاتا تھا اور ایک دوسرے کی پشت کو مضبوط کرتے تھے لیکن جب امامؑ حملہ کرتے تو ٹڈیوں کے منتشر جھنڈ کی طرح اُڑتے اور بھاگتے جاتے اور اطراف دشمن سے خالی ہو جاتے۔ آپ قلبِ لشکر سے اپنے مرکز کی طرف دیکھتے اور یہ کلمۂ مبارکہ پڑھتے: لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

مرحوم قزوینی ریاض الاحزان میں لکھتے ہیں:

وَتَمَلَّی مَفرَقَهُ الشریف اِلَی القَدمِ بِالنَّاقِعِ مِنَ الدَّمِ یَرَیٰ شَخصَهُ فِی الجَولَانِ کَاَنَّهُ شَجَرَةُ الاُرجُوان

"امامؑ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک خون سے لت پت تھے، حرکت اور جولان دیتے وقت حضرتؑ کے قد وقامت ارغوان کے درخت کی شاخوں کی طرح رنگین ہوتے"۔

وَهُوَ مَعَ ذٰلِكَ یَطلُبُ المَاءَ

"اس کے باوجود کہ حضرتؑ اپنی پیاس کی شدت کا ذکر فرماتے تھے"۔

سورج کی گرمی، حرکت کی گرمی، اسلحہ کی گرمی، روزہ دار چہرہ، کثرتِ زخم، شبِ عاشور کی بیداری، بچوں اور اہلِ بیتؑ کا دکھ درد، جوانوں کی شہادت کا داغ، سب نے حضرتؑ کو اس قدر نڈھال کر دیا کہ حضرتؑ کو یہ دنیا دھوئیں کی طرح (وہم و خیال) نظر آتی تھی۔

عمر سعد کی عہد شکنی

روزِ عاشور ابن سعد نے دو مرتبہ امامؑ سے عہد شکنی کی اور اپنی خباثت، خیانت کا اظہار کیا۔ پہلے اس وقت عہد توڑا کہ جب ظہرِ عاشورہ سے پہلے طرفین کے درمیان عہد ہوا تھا کہ لشکرِ اسلام لشکر ابن سعد کے ساتھ ایک ایک کر کے جنگ کرے گا، یعنی ایک ایک شخص دونوں طرف سے میدان میں نکلے گا اور دونوں باہم لڑیں گے۔ اس معاہدہ پر کچھ دیر تک عمل ہوتا رہا لیکن جب ابن سعد کے لشکر نے دیکھا کہ اس قلیل لشکر کا جو سپاہی بھی آتا ہے جب تک کثیر سپاہیوں کو قتل نہ کر لے مارا نہیں جاتا تو لشکر ابن سعد سے عمرو بن حجاج زُبیدی نے للکارا:

يَاحَمقٰى اَتَدرُونَ مَن تُقَاتِلُونَ ، تُقَاتِلُونَ قَومًا مُستَمَنّين لَا يَبرزُ مِنكُم اَحَدٌ

"اے احمقو! تم جانتے ہو کہ کن لوگوں سے لڑ رہے ہو؟ یہ اہلِ حجاز کے شجاع ہیں، یہ ایسے لوگ ہیں جن کی تمنا (محض) شہادت ہے"۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ میدانِ رزم کو مجلسِ بزم سمجھتے ہیں، روزِ جنگ کو شبِ زفاف جانتے ہیں۔ تم اس قوم سے اس عہد پر عمل نہیں کر سکتے لہٰذا یہ عہد توڑ دو اور اب تم ایک ایک میدان میں نہیں جاؤ گے، صبر کرو کہ جب حسینؑ کا کوئی صحابی بھی میدان میں آئے تو بجائے ایک ایک نکلنے کے یکبارگی ہر طرف سے حملہ کرنا ہے، پس عہد توڑ دیا گیا۔

دوسری مرتبہ اس وقت عہد توڑا گیا جب ابن سعد نے امام حسینؑ سے عہد کیا تھا کہ اپنے لشکر سے ایک ایک بہادر کو امامؑ کے مقابل بھیجے گا لیکن جب چند شجاع اور نامور مثلاً تمیم بن قحطبہ اور یزید ابطحی وغیرہ امام حسینؑ کے ہاتھوں حیرت انگیز طریقے سے واصلِ جہنم ہو گئے تو شمر غضب ناک ہوا اور ابن سعد کو ملامت کر کے کہا: یہ کیا عہد ہے جو حسینؑ سے کیا ہے؟ اگر دنیا کے اول سے عالم کے ختم ہونے تک تمام روئے جہان کے مبارز امام حسینؑ کے مقابل جاتے رہے تو تمام گروہ ہلاک ہوتے جائیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنے عہد و پیمان کو توڑ اور حکم جاری کر کہ اب لشکر یکبارگی امام حسینؑ پر حملہ کر دے اور اُن کا کام تمام کر دے۔

ابن سعد نے شمر کی تجویز کو قبول کیا اور حکم جاری کیا کہ تمام لشکر تلوار، نیزہ، خنجر، تیر، پتھر، لکڑی، عمود، گرز، کلنگ، ساطور وغیرہ سے امام مظلومؑ پر حملہ کر دے، لہٰذا ان ملاعین نے چاروں طرف سے امامؑ پر حملہ کر دیا اور بارش کے قطرات کی طرح آلاتِ حرب امامؑ کے سر، چہرے اور بدن پر برس رہے تھے۔

حمید بن مسلم کوفی کہتا ہے:

فَوَ اللّٰهِ مَا رَأَيتُ مَكثُورًا قَطُّ وَقَد قُتِلَ وَلَدُهُ وَاَهلُ بَيتِهِ وَاَصحَابِهِ اَربَطُ جَاشًا وَلَا

اَمضٰی جنَانًا مِنه

''خدا کی قسم! میں نے عالمِ کائنات میں امام حسینؑ سے زیادہ دل شکستہ نہیں دیکھا۔ جس کے بھائی، بیٹے اور انصار شہید ہو چکے ہیں لیکن جنگ کے وقت قوتِ قلب اور ثباتِ قدم اس قدر زیادہ ہے کہ مثال نہیں ملتی''۔

مرحوم سید لہوف میں فرماتے ہیں:

حَتّٰی قَتَلَ مِنهُم قَتَلَةً عَظِیمَةً یَنهَزِمُونَ مِن بَینَ یَدَیهِ کَاَنَّهُم الجُرادُ المُنتَشرُ

''حضرتؑ نے اس قدر دشمنوں کو قتل کیا کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور لشکر آپؑ کے حملہ سے اس طرح پراگندہ ہو گیا جیسے مکڑی بیابان میں پراگندہ ہو جاتی ہے۔ زمینِ کربلا دشمنوں کے وجود سے خالی ہو گئی۔ حضرتؑ اپنے مرکز پر نیزہ پر ٹیک لگائے ذرا خستگی دُور کر رہے تھے کہ دشمن کا لشکر دربار ابن سعد کے للکارنے اور شمر کے دُشنام کرنے پر جمع ہو گیا اور چاروں طرف سے حضرتؑ پر حملہ کر دیا۔ حضرتؑ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے یمین و یسار پر ایسا حملہ کیا کہ سر گیند کے مثل اُچھلنے لگے اور خون ندی کے مثل جاری تھا''۔

اگرچہ لشکر نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا لیکن اس قدر شجاعت سے جنگ کی کہ زین پر بیٹھ کر پیچ و تاب کھاتے تھے کہ ہر شخص حضرتؑ کو اپنے سامنے دیکھتا تھا۔ اس لیے ایک زخم بھی حضرتؑ کو پشت پر نہ لگا۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے جدِ حسینؑ پر جس قدر زخم تھے وہ سب جسم کے اگلے حصے میں تھے کیونکہ حضرتؑ نے دشمن کو کبھی پشت نہیں دکھائی البتہ ایک زخم جو سامنے سے تھا اتنا گہرا تھا کہ پشت کی طرف بھی سوراخ ہو گیا اور وہ سہ شُعبہ تیر کا زخم تھا جو حضرتؑ کے سینے میں لگا۔ اس تیر کو جس قدر کوشش کی آگے سے نکالیں وہ سہ شُعبہ ہونے کی وجہ سے نہ نکلا تو مجبوراً اُس کو پشت سے نکالا گیا۔

پس امام حسینؑ نے چند گھنٹوں میں اس قدر دشمنوں کو قتل کیا کہ ضعیف فہم اور ناقص عقول عوام اس کا انکار کرتے ہیں کہ ایک شخص اس قدر کیسے قتل کر سکتا ہے؟

صاحب مناقب کی روایت کے مطابق امام حسینؑ نے بارہ حملے کیے اور ہر حملہ میں دس ہزار ملاعین سے زیادہ کو جہنم پہنچایا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بے نظیر و دلیر امامؑ نے ان حملوں میں اٹھارہ ہزار بے دینوں کو واصلِ جہنم کیا۔

طریحی مرحوم نے منتخب میں لکھا ہے:

فَتَارَةً يَحمِلُ عَلَى المَيمَنَةِ وَأُخرىٰ عَلَى المَيسَرةِ حَتّٰى قَتَلَ مَا يَزِيدُ عَلٰى عَشرَةِ آلَافِ فَارِسٍ

''آپؑ کبھی میمنہ پر حملہ کرتے اور کبھی میسرہ پر، حتیٰ کہ دس ہزار سوار سے زیادہ ملاعین کو موت کے گھاٹ اُتار دیا''۔

مرحوم مجلسیؒ نے تمام اربابِ مقاتل سے کم تر تعدادِ مقتولین نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ حضرتؑ نے زخمیوں کے علاوہ نوصد پچاس ملاعین کو تہِ تیغ کیا۔ اس وقت ابن سعد نے سمجھا کہ اس کائنات میں کسی کی جرأت اور طاقت نہیں کہ امام حسینؑ سے جنگ کرے اور اگر اس طرح جنگ رہی تو تمام لشکر باری باری ختم ہو جائے گا۔

تشنگی کی وجہ سے ضعف اور کمزوری

صدر قزوینی مرحوم اپنی کتاب حدائق الانس میں لکھتے ہیں: جو کتبِ مقاتل کی عبارتوں سے مستفاد ہے وہ یہ ہے کہ امامؑ عالم امکان حضرت امام حسینؑ جب تک سوار اور مشغولِ جنگ رہے تلوار کی ایک ضرب بھی جسدِ مبارک پر نہ لگی البتہ تیر، نیزہ، پتھر، عمود کے زخم بدن پر زیادہ تھے اور تیر کی کثرت زرہ کے حلقوں میں پیوست تھی اور بدنِ اطہر کا کوئی مقام زخم سے خالی نہ تھا لیکن اس وقت تک تلوار کا ایک بھی زخم جسم پر نہ لگا تھا کیونکہ کسی کو جرأت نہ تھی کہ نزدیک آئے اور تلوار کی ضرب لگائے۔

وَالسِّهَامُ يَاخُذُهُ مِن كُلِّ نَاحِيَةٍ وَهُوَ يَتَّقِيهَا بِصَدرِهٖ وَنَحرِهٖ وَيَقُولُ يَا اُمَّةَ السُّوءِ بِئسَ مَا خَلَفتُم مُحَمَّدًا فِي عِترَتِهٖ

''جب کہ تیر بارش کی طرح ہر طرف سے آتے تھے اور امامؑ ان تیروں کو اپنے سینے، چہرے اور گلے میں برداشت کرتے رہے اور فرماتے کہ تم بہت بُری اُمت ہو، تم نے اپنے پیغمبرؐ کی عترت سے بُرا سلوک کیا ہے''۔

حضرتؑ نے جس قدر بھی نصیحت فرمائی کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ ان کی بے شرمی اور بے حیائی میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت امامؑ میں جس قدر قوت و قدرت تھی اُس کے مطابق جہاد میں سُستی نہ کی بلکہ فَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتَّى اَصَابَتْهُ جِرَاحَاتٌ عَظِيمَةٌ قَد ضَعُفَ عَنِ القِتَالِ مسلسل جنگ و جدال، قتل و قتال میں مشغول رہے حتیٰ کہ زخموں کی کثرت اور زخموں سے خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری اور ضعف ہونے لگا۔ اس کمزوری کی حالت میں مالک ابن النسیر الکندی ملعون ڈرتے ڈرتے قریب آیا اور امامؑ کا امتحان لینے کی خاطر پہلے گالی بکی (امتحان اس چیز کا لیا کہ شاید امام حسینؑ کمزور نہ ہوں بلکہ

محض کمزوری کا اظہار کر رہے ہوں اور اچانک حملہ کر دیں اور میں جہنم واصل ہو جاؤں) جب اس ملعون نے دیکھا کہ امامؑ کا جواب دینے کا حال بھی نہیں ہے تو اسے یقین ہو گیا کہ حضرتؑ میں قوت اور قدرتِ جنگ کمزور پڑ گئی ہے اس لیے اس کا دل مضبوط ہوا، زہر آلود تلوار غلاف سے نکالی اور اس قدر زور سے تلوار حضرتؑ کے سرِ اقدس پر ماری کہ سر پر موجود عمامے کے دو حصے ہو گئے اور عمامہ سر سے گر پڑا اور سر سے آبرو تک شگاف ہو گیا۔ حضرتؑ نے اُسے بددعا کی کہ اس ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ پیے۔

صاحبِ مُقمقام لکھتے ہیں: مالک بن النسیر الکندی قریب آیا۔ اُس نے امامؑ کو گالی بکی اور تلوار کی ضرب لگائی۔ سرِ مبارک پر آبرو تک شگاف ہو گیا۔ حضرتؑ نے زخم کو کپڑے سے باندھا اور دوسرا عمامہ اس پر باندھا اور بددعا کی:

لَا اكلتَ بِيَمِيْنِكَ وَلَاشَرِبتَ بِهَا وَحَشَرَكَ مَعَ الظَّالِمِينَ

"اس ہاتھ سے نہ کھائے گا نہ پیے گا اور تجھے خدا ظالموں کے ساتھ محشور کرے گا"۔

امام علیہ السلام کی بددعا کے اثر سے اس کے ہاتھ شَل ہو گئے گویا کہ لکڑی کے ہوں اور مسلسل فقیر ہوتا گیا اور اپنی ذلت کی حالت میں واصلِ جہنم ہوا۔

مرحوم مجلسیؒ فرماتے ہیں: حضرتؑ کے عمامے کے نیچے ایک ریشمی ٹوپی تھی۔ کندی نے وہ ٹوپی چرا لی۔ جنگ کے بعد گھر آ کر اُس نے بیوی سے طشت مانگا اور ٹوپی کو دھونے میں مشغول ہو گیا۔ طشت خون سے پُر ہو گیا۔ اس کی بیوی نے رونا شروع کیا اور کہا: ہائے افسوس تجھ پر کہ فرزندِ پیغمبرؐ کو قتل کیا اور ان کے سر کی ٹوپی کو چرا کر گھر لایا ہے۔ خدا کی قسم! اب اس گھر میں نہ رہوں گی۔

منتخب طریحی میں ہے کہ وہ ظالم اُٹھا اور عورت کے پیچھے آیا، چاہتا تھا کہ طمانچہ مار کر عورت کو واپس لائے۔ اسی وقت اس کے ہاتھ جسم سے کٹ گئے اور حضرتؑ کی بددعا پوری ہو گئی۔

اہلِ حرم سے امام حسینؑ کا دوسرا وِداع

اربابِ مقاتل کی کتب سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ روزِ عاشورہ امام حسینؑ نے اہلِ حرم سے دو مرتبہ الوداع اور خدا حافظی کی۔ اگرچہ امام علیہ السلام کئی مرتبہ خیام میں آئے اور میدان میں گئے لیکن باقاعدہ وِداع دو مرتبہ کیا اور دوسری مرتبہ اہلِ حرم سے گفتگو کی اور یہ وِداع اس وقت کیا جب میدان میں جہاد کر کے تشنگی کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے اور جسم پر کثیر زخم لگے ہوئے تھے، اور سرِ اقدس بھی مالک ابن النسیر الکندی کی تلوار کی ضرب سے شگافتہ ہو چکا تھا اور حضرتؑ ننگے سر خیام اہلِ بیتؑ

میں آئے اور اہلِ حرم سے ایک رومال کے ذریعے زخم کو بندھوایا اور اُوپر عمامہ باندھ دیا۔ آپؑ کا چہرہ خون آلود تھا، اسی حالت میں فرمایا:

یَا زَیۡنَبُ یَا اُمَّ کَلۡثُومٍ یَاسِکِینَۃُ یَا رُقَیَّۃُ یَافَاطِمَۃُ عَلَیۡکُنَّ مِنِّی السَّلَامِ

جب اہلِ حرم کی نگاہ حضرتؑ کے خون آلود چہرے پر پڑی تو سب نے گریہ کیا کیونکہ اہلِ حرم نے پہلے وداع میں امامؑ کو صحیح وسالم دیکھا تھا لیکن اس دفعہ دیکھا تو سرِ مبارک شگافتہ تھا، پہلو زخمی تھا، سینہ جلا ہوا تھا، بدن کانپتا تھا، دل مجروح اور تمام اعضاء و جوارح سے خون جاری تھا۔

سب سے پہلے جس ہستی نے اُٹھ کر امامؑ کا استقبال کیا اور امامؑ کے پاس آئیں وہ جناب زینب سلام اللہ علیہا تھیں۔ آپؑ بھائی کے پاؤں میں گر گئیں اور رو کر فرمایا:

اَخِی یَا اَخِی یَاخَیۡرَ ذُخۡرٍ فَقَدۡتُہٗ　　وانفس شیٔ صانني منه نافِس

''اے بھائی! اے بہن کے بہترین ذخیرہ بھائی! آج آپؑ میرے ہاتھ سے جا رہے ہو اور آج میں آپؑ جیسے جواہر کو کھو رہی ہوں''۔

اَخِی الۡیَوۡمَ مَاتَ الۡمُصۡطَفٰی وَوَصِیُّہٗ　　وَلَمۡ یَبۡقَ لِلۡاِسۡلَامِ بَعۡدَکَ حَارِسٌ

''میرے برادر! حقیقت میں آج پیغمبرؐ خدا، علی مرتضیٰؑ دنیا سے جا رہے ہیں۔ آپؑ کے بعد دین اسلام کا نگہبان کون ہوگا؟

اَخِی مَنۡ لِاَطۡفَالِ النُّبُوَّۃِ یَا اَخِی　　وَمَنۡ لِلۡیَتَامٰی اِنۡ قَضَیۡتَ نوائسِ

''میرے بھائی! آپؑ کے بعد ان بچوں کا نگہبان کون ہوگا؟ اور ان یتیموں کی سرپرستی کون کرے گا؟''

پھر جنابِ اُم کلثومؑ آئیں، اپنے بھائی کے دامن کو پکڑا اور گریہ وزاری سے عرض کیا:

قَدۡ کُنۡتَ لِی ذُخۡرًا وَلٰکِنِ الۡفَتٰی　　اَبَدًا اَلَیۡہِ حَمَامَہٗ مَجۡلُوبُ

فَالۡاٰنَ بَعۡدَکَ ظَلَّ مَجۡدِی قَالِصٌ　　وَلِمَاءِ وَجۡھِی حِقَّۃٌ وَنُضُوبُ

''اے بے کسوں کی پناہ گاہ! ہم پر رحمت کا سایہ آپؑ تھے، اب آپؑ کا سایہ ختم ہو رہا ہے اور ہماری عظمت برباد ہو جائے گی۔ ہمیں آپؑ کے بعد زندگی کی کوئی خواہش نہیں، پس رو رو کر مر جائیں گے''۔

پھر جنابِ سکینہؑ خاتون سلام اللہ علیہا نے دکھی اور پُر درد انداز میں بابا کے دامن سے پکڑا اور سوز و گداز سے عرض کیا:

أَبِي يَا أَبِي مَا كَانَ أَسرعَ فُرقَتِي لَدَيكَ فَمَن لِي بَعدَكَ اليَومَ يَكْفُلُ

وَمَن لِليَتَامٰى بَعدَ فَقدِكَ سَيِّدِي وَمَن لِلأَيَامٰى كَافِلٌ وَمُكَفَّلٌ

''اے بابا جان! ابھی میری یتیمی کا وقت نہ تھا، آپ کتنی جلدی مجھ سے جدا ہو رہے ہیں؟ آپ کے بعد ان بیوگانِ کا جو دشمنوں کے درمیان محصور ہیں، کون نگہبان ہوگا؟''

فَعَذبٌ حيوَاتي بَعدِ فَقدِكَ وَالِدِي وَمَا دُمتُ حَتَّى لِلقِيَامَةِ حَنظَلٌ

بابا جان! جب تک آپؑ کا پُر محبت سایہ رہا، ہماری زندگی میٹھی (خوش گوار) اور اچھی تھی، اب ہماری زندگی تلخ اور نامناسب ہوگی''۔

اسی طرح باقی تمام مخدراتِ عصمت نے امامؑ کے گرد ہالہ ڈالا ہوا ہے جیسے پانچ ستارے عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، چودھویں کے چاند کا احاطہ کیے ہوتے ہیں۔ تمام مستورات مضطرب، پریشان، کانپتی ہوئی اور سہمی ہوئی تھیں کہ چند ساعت کے بعد ہم پر کیا کیا مصیبتوں کے پہاڑ آنے والے ہیں۔ ان تمام کی پناہ گاہ تو امامؑ تھے جو ابھی جا رہے تھے''۔

چونسٹھ خواتین تھیں، کسی نے امامؑ کے دامن کو پکڑا، کوئی امامؑ کا طواف کر رہی تھی، کوئی غمگین چہرے سے آنسو بہا رہی تھی، کوئی ماتم کر رہی تھی، غرض اس قدر ندبہ و غلغلہ تھا کہ ملائکہ میں بھی گریہ برپا ہوگیا۔ حضرتؑ کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھتے تھے اور مسلسل آنسو جاری تھے۔

امامؑ ان مخدرات اور بچوں کی مظلومیت اور غربت پر گریہ فرما رہے تھے اور اہلِ بیت امامؑ کی غربت اور مظلومیت، تنہائی اور خون آلود جسم پر رو رہے تھے۔ ایک قیامت برپا ہوگئی تھی کہ سوائے خدا کے اس پر حقیقتاً کوئی واقف نہیں اس لیے وداعِ دوم کو بڑے مصائب میں شمار کیا گیا ہے۔

بہرصورت امام اب تو خیام میں ٹھہر سکتے تھے اور نہ میدان میں جا کر جنگ کی طاقت رکھتے تھے کیونکہ اگر خیمے سے باہر جاتے تھے تو مخدرات لپٹ جاتی ہیں اور باہر نہیں آنے دیتی تھیں۔ اگر خیمہ میں ٹھہرتے ہیں تو لشکر بے حیائی کرتا ہے اور خیام کی طنابوں کے قریب آتا جا رہا ہے اور آوازے لگاتا ہے کہ اے حسینؑ! کب تک خیام میں رہو گے؟ کیوں باہر نہیں آتے؟ ہم گرمی میں تمہارے انتظار میں کھڑے ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں یہاں ہوں کہیں چلا تو نہیں گیا، ابھی آ رہا ہوں، پھر خود کو مخدرات سے باہر نکالا اور سفارش کی کہ رونے کی آواز بلند نہ ہو، کیوں کہ تمہارا رونا دشمن کی شماتت کا باعث ہوگا، لیکن اگر میری شہادت کے بعد گریہ و زاری بلند

ہوئی تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

شیخ جعفر شوستریؒ خصائص میں لکھتے ہیں: جب امامؑ نے مستورات کو خاموش کیا اور بہنوں کو صبر وسکوت اور بچوں کی دیکھ بھال کی وصیت فرمائی تو جناب زینب سلام اللہ علیہا نے جو اپنا گریہ روک نہ سکتی تھیں اور بہت داغ دیدہ تھیں، جب دیکھا کہ امامؑ کی مرضی ہمارے صبر وسکون میں ہے تو عرض کیا: بھائی جان! میں صبر کروں گی، گریہ کو اپنے گلے میں روکتی رہوں گی، خیمہ ہی میں بیٹھی رہوں گی، بچوں کی نگہداری کروں گی اور میں اس قدر صبر کروں گی کہ مجھ سے عاجز آجائے گا۔

پھر امامؑ نے فرمایا: بہن میری دوسری یہ خواہش ہے کہ بے تابی اور بے قراری نہیں کرنی۔

بی بی نے عرض کیا: اس پر بھی عمل کروں گی۔

پھر امامؑ نے فرمایا: بہن ایک پرانی قمیص مجھے دو جس پر کوئی طمع نہ کرے۔

بی بی نے عرض کیا: برادر پرانی قمیص کو کیا کرنا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: بہن جب میں قتل ہو جاؤں گا تو یہ میرا لباس بھی لوٹ لیں گے اور میرے بدن کو برہنہ کریں گے، اس پرانے لباس کو اس لباس کے نیچے پہننا چاہتا ہوں، تا کہ کوئی اس پرانے لباس کو نہ اُتارے۔

جب مخدراتِ عصمت نے یہ سنا کہ آقا امامؑ نے پرانا لباس طلب کیا ہے جو اس لباس کے نیچے پہنیں گے اور وہی ان کا کفن ہوگا تو بلند آواز سے پھر رونا شروع کر دیا۔

ثُمَّ اتی بِثوبٍ عَتیق فَخَرَّقَهٗ وَمَزَّقَهٗ مِن اَطرَافِهٖ وَجَعَلَهٗ تَحتَ ثیابه

''پرانا لباس لایا گیا تو حضرتؑ نے اُسے کئی جگہوں سے پھاڑ دیا اور پھر اپنے لباس کے نیچے اس پرانے پھٹے لباس کو پہن لیا''

امام حسینؑ کا امام زین العابدینؑ سے وداع

جب امام حسینؑ کی شہادت کا وقت آیا تو امامؑ مخدراتِ عصمت سے الوداع کر کے دکھی دل سے خیمہ سے نکلے اور ذوالجناح پر سوار ہوئے تا کہ میدان میں جائیں کہ اچانک چونسٹھ عورتوں اور بچے روتے ہوئے حضرتؑ کے ذوالجناح کے اردگرد جمع ہو گئے۔ جب رونے کی آواز حضرت امام سجاد علیہ السلام کے کانوں تک پہنچی تو وجہ پوچھی، ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؑ کے بابا سفرِ آخرت پر عازم ہیں اور مخدراتِ عصمت اور بچے ان سے وداع کر رہے ہیں اور گریہ وزاری ہو رہی ہے تو امامؑ زین العابدینؑ بہت ہی متاثر اور مضطرب ہوئے اور بہت کمزور اور ضعیف آواز سے عرض کیا:

یَا اَبَۃَ مَھلًا مَھلًا ''بابا صبر کریں، صبر کریں!!''

امام حسینؑ نے جب اپنے بیمار بیٹے کی آواز سنی تو خیمہ میں آئے۔ امام زین العابدینؑ نے دیکھا کہ بابا ان کے خیمے میں تشریف لے آئے ہیں تو پھوپھی سے عرض کیا کہ مجھے سہارا دیں تاکہ اُٹھ کر بابا کا استقبال کروں۔ امام حسینؑ بیٹے کے خیمہ میں آئے اور امامت و ولایت کی انگوٹھی اپنی انگشت مبارک سے اُتاری اور امام زین العابدینؑ کی انگشت میں پہنا دی۔

جناب محمد بن مسلم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ ولایت کی انگوٹھی امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کہاں گئی؟ کیا وہ بھی لُٹ گئی تھی تو امام صادق علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ انگوٹھی پیغمبرؐ کی میراث میں سے ہے۔ جب امام حسینؑ جنابِ امام زین العابدینؑ کے خیمے میں آئے اور اپنے بعد بیٹے کو اپنا وصی اور جانشین مقرر فرمایا تو وہ انگوٹھی بھی بیٹے کو پہنا دی اور اسرارِ امامت ان کے سپرد کیے جس طرح یہ کام رسولِ مختار نے حضرت علیؑ سے کیا تھا اور حضرت علیؑ نے آخری وقت یہی انگوٹھی امام حسینؑ کو پہنائی اور امام حسنؑ نے اپنے آخری وقت میں امام حسنؑ کو پہنائی اور امام حسینؑ نے اپنے بیٹے زین العابدینؑ کو پہنائی اور امام زین العابدینؑ نے آخر وقت میں وہ انگوٹھی میرے بابا امام محمد باقر علیہ السلام کو پہنائی اور بابا نے وقتِ آخر مجھے سپرد کی اور اب وہی انگشتری میرے ہاتھ میں ہے اور جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے وقت وہ انگوٹھی پہن کر نمازِ جمعہ پڑھتا ہوں۔

جنابِ محمد بن مسلم روایت کرتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن خدمتِ امامؑ میں مشرف بہ زیارت ہوا۔ حضرتؑ نماز میں مشغول تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرتؑ نے اپنا ہاتھ لمبا کیا اور مجھے وہ انگوٹھی پہنی ہوئی دکھائی۔ اس انگوٹھی کی چمک نے میری آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور اس انگوٹھی پر یہ نقش تھا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عدۃً لِلقَاءِ وَاللّٰہ

بہرصورت امام حسینؑ نے امامت کے اَسرار اپنے بیٹے امام زین العابدینؑ کے سپرد کرنے کے بعد بیٹے کو سینے سے لگایا، چہرے پر بوسہ دیا اور مصائب اور مشکلات میں صبر کرنے کی وصیت کی اور یوں بیٹے سے الوداع کیا۔

فَحَرَّکَ ذُوالجَنَاحَ فَطوَی العَرصَۃَ کَاَنَّھَا یَطِیرُ بِالجَنَاحِ وَقَد مَلَأھَا مِنَ الصُّھَیلِ وَالصِّیَاعِ

''پس ذوالجناح کو حرکت دی تو وہ کبوتر کی طرح اُڑ کر میدان میں جا پہنچا۔ امام علیہ السلام کو میدان کے درمیان پہنچایا''۔

جب لشکرِ کفر نے فرزندِ پیغمبرؐ کو میدان میں دیکھا تو ہر طرف سے ٹڈی کے غول کی طرح حملہ کر دیا اور اس عہد کو توڑ دیا کہ ایک ایک کر کے لڑنا، حضرتؑ نے باوجود خستگی، شکستگی، بھوک اور تشنگی کے ایسے حملے کا جواب دیا گویا تازہ دم ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کی شجاعت کا ظہور

جب حضرت امام حسین علیہ السلام میدانِ کربلا میں کوفیوں اور شامیوں کے لشکر کے درمیان گھر گئے اور مبارزہ طلبی سے ایک ایک شجاع کو واصلِ جہنم کر چکے حتیٰ کہ دشمن کی صفوں سے کوئی مقابلہ کے لیے نہ نکلا تو شمر نے ابن سعد کو تجویز دی کہ ایک ایک مبارز والا عہد توڑ دے اور جنگِ مغلوبہ کا اعلان کر دے ورنہ تمام لشکرِ کفر دستِ حسینؑ سے ضائع ہو جائے گا۔

ابن سعد نے بھی حالات کو دیکھتے ہوئے یکبارگی حملہ کرنے کا اعلان کر دیا اور جو چیز جس کے ہاتھ میں تھی اس سے حملہ آور ہوا اور جنگ کے مختلف حرب استعمال کیے گئے۔ پس زمانہ میں واحد فرزندِ پیغمبرؐ پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا گیا۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام نے عمامہ سر پر باندھا اور ہاتھوں پر ریشمی دستانے چڑھائے اور ذوالفقار کو نیام سے نکال کر ہاتھ میں لے کر حملہ کیا۔ آپؑ کبھی میمنہ پر اور کبھی میسرہ پر حملہ کرتے تھے، آپؑ جس طرف حملہ کرتے لشکر والے کمزوری دکھا کر بھاگ جاتے تھے۔ کبھی کبھی قلبِ لشکر پر حملہ کیا اور تمام کو تار و مار کر دیا۔

چونکہ ابن سعد نے عہد توڑ دیا کہ ایک ایک نکلے اور جنگ مغلوبہ کا اعلان کیا۔ اس کے باوجود فرزندِ حیدر کرّارؑ کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گیا تھا۔ ابن سعد نے دیکھا کہ میرے لشکر کا شیرازہ بکھرنے والا ہے تو پریشان ہو کر اپنی ڈاڑھی کو نوچنے لگا اور لشکریوں کو للکارا:

أَتَدرُونَ بِمَن يُقَاتِلُونَ هَذَا ابنُ اَنزَعِ البَطِين هَذَا اِبن قَتَّالَ العَرَبِ

"کیا تم جانتے ہو کہ کس شخص سے جنگ کر رہے ہو، یہ حیدر کرّار کا فرزند اور عربوں کو قتل کرنے والے کا بیٹا ہے"۔

لشکر والوں نے کہا: اے امیر! اب کیا کریں؟ جو تو نے حکم دیا وہ ہم نے کر دیا، اب جو حکم دو گے اس پر بھی عمل کریں گے۔

ابن سعد نے کہا: امام حسینؑ کے دل کو دکھی کرو تا کہ ان پر فتح حاصل ہو۔

لشکریوں نے کہا: ہم کس طرح ان کے دل کو دکھی کریں؟

ابن سعد نے کہا: اس پر حملہ کرو تا کہ وہ تم پر حملہ کریں۔ پھر تم پیچھے ہٹتے جاؤ۔ حسینؑ تمہارا تعاقب کرے گا تو اس طریقے سے اسے خیام سے دُور کر دینا۔ جب وہ خیمہ سے دُور ہو جائے تو تم حسینؑ اور خیام کے درمیان حائل ہو جانا اور اہلِ بیتؑ کو زجر اور ایذا کی دھمکیاں دینا شروع کر دینا۔

جب ان کے گریہ کی آواز بلند ہو گی تو وہ آواز حسینؑ کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔ اس طرح ان کا دل ٹوٹ جائے گا

اور وہ پریشان حال ہوں گے جس سے ان کے ہاتھ کام کرنا چھوڑ دیں گے۔

پس ان بدبختوں نے شیر بیشۂ شجاعت پر حملہ کر دیا۔ امامؑ نے ان کا مقابلہ کیا اور برابر ان ملعونوں کو خیام اہلِ بیتؑ کے اطراف سے دُور بھگاتے رہے۔ جب ان کی بے حیائی حد سے بڑھ گئی تو امامؑ نے ان پر بھرپور حملہ کیا۔ لشکر ابن سعد فرار ہو گیا۔ امامؑ نے تعاقب کیا اور خیام سے دُور ہو گئے۔ اس وقت شمر ملعون کے ایک ہزار سوار پیادہ لشکر کو ساتھ لے کر خیام اور امام حسینؑ کے درمیان حائل ہو گئے۔ ومالُوا بَینَهُ وَ رَحلَهُ۔ جب مخدراتِ عصمت نے امام حسینؑ کو خیام کے پاس نہ دیکھا اور شمر ملعون کے لشکر کو دیکھا تو خیام میں چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ ہائے ہائے کی صدائیں گونجنے لگیں اور وامحمدا واعلیاہ واحسناہ واحسیناہ کے بین بلند ہوئے۔ جب ان بینوں کی آواز امام حسینؑ نے سنی تو اپنے خیام کی طرف آنا چاہا لیکن شمر نے راستہ روک لیا تھا۔ اس وقت امامؑ نے غضب اور غیرت سے فرمایا:

یَا شِیعَةَ آلِ اَبِی سُفیَانِ اِن لَم یَکُن لَکُم دِینٌ وَلَا کُنتُم تَخَافُونَ العَارَ فَکُونُوا اَحرارًا فِی دِنیَاکُم

"اے ابوسفیان کے پیروکارو! اگر تمہارا کوئی دین ہے اور تم ننگ و عار سے خائف نہیں ہو تو پھر دنیا میں آزاد مرد بنو"۔

شمر ملعون نے کہا: مَا تَقُولُ یَابنَ فَاطِمَةُ البَتُولُ "اے فرزندِ فاطمہؑ! کیا کہہ رہے ہو؟"

حضرتؑ نے دوبارہ فرمایا:

اَنَّا الَّذِی اَقَاتِلُکُم وَاَنتُم تُقَاتِلُونِی وَالنِّسَآءِ لَیسَ عَلَیهِنَّ جَنَاحٌ

"میں تمہارے ساتھ جنگ کر رہا ہوں تم میرے ساتھ جنگ کرو، عورتوں کا کیا گناہ ہے کہ خیام کی طرف حملہ آور ہو رہے ہو، میرے حرم کے خیام سے دُور ہو جاؤ"۔

شمر نے لشکر سے کہا:

اِلَیکُم مِن حَرَمِ الرَّجُلِ فَلَعَمرِی اَنَّهُ کُفوٌ کَرِیم

"اس شخص کے حرم سے دُور ہو جاؤ، مجھے اپنی ذات کی قسم کہ یہ شخص کریم کفو ہے اور اس کی مثل کائنات میں کوئی چیز نہیں ہے"۔

پس سپاہی حرمِ اہلِ بیتؑ سے دُور ہو گئے اور حضرتؑ پر حملہ کر دیا اور حضرت امامؑ نے بھی غضبناک شیر کی طرح حملے کا جواب دیا اور ایسی تلوار چلائی کہ اہلِ لشکر کے سر ایسے گر رہے تھے جیسے موسمِ خزاں میں درختوں سے پتے گرتے ہیں۔ جس

طرف بھی حملہ کرتے دشمن بھاگ جاتے اور حضرتؑ گرد وغبار میں اپنی خشک زبان خشک ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے فرماتے:

لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ العَلِيِّ العَظِيم

پھر سپاہ ابن سعد پر حملہ کر دیا اور ان کو مولی گاجر کی طرح کاٹتے جاتے تھے۔

حَتّٰی اَصَابَتهُ مِن تَكَاثُرِهِم وَتَجَاسُرِهِم جَرَاحَاتٌ مُنكَرَةٌ وَنَشِبَت فِي ثُقبَاتِ دِرعِهَا سِهَامٌ كَثِيرَةٌ

"حتیٰ کہ لشکر کی کثرت اور جسارت کی وجہ سے بہت زیادہ زخم لگے۔ حضرت امام باقر علیہ السلام کی روایت میں ہے کہ تین صد بیس سے زیادہ زخم لگے تھے اور یہ تمام زخم امامؑ کے جسم کے اگلے حصے پر تھے"۔

آپؑ کا اس قدر خون زمین پر بہہ گیا کہ جہاد کرنے میں حضرتؑ کمزور ہو گئے تھے۔ چنانچہ کچھ وقت توقف کیا تا کہ کچھ استراحت کر سکیں کہ اچانک ایک ظالم نے پتھر مارا جو امامؑ کی پیشانی پر لگا اور سجدہ کے وقت پیشانی کی زمین پر لگنے والی ہڈی ٹوٹ گئی جس سے خون امامؑ کے چہرہ پر اور چہرہ سے ریش مبارک پر اور ریش مبارک سے سینہ پر گر رہا تھا۔ امامؑ نے چاہا کہ اپنی قمیص کی آستین سے پیشانی اور چہرے کا خون صاف کریں تو اچانک زہر آلود سہ شعبہ تیر حضرتؑ کے سینۂ مبارک یا دل پُرنور پر لگا۔ حضرتؑ نے اس وقت فرمایا: بسم اللّٰه وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰه۔ پھر آسمان کی طرف چہرہ اُٹھا کر فرمایا: خدایا! تو جانتا ہے کہ یہ لوگ اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہیں کہ زمین پر جس کے علاوہ کوئی فرزند پیغمبرؐ نہیں ہے۔ پھر ہاتھ تیر میں ڈالا اور پشت سے تیر کو نکالا کیوں کہ سہ شعبہ تیر تھا اس لیے تیر والے سوراخ سے ایسے خون جاری ہوا جیسے موسلا دھار بارش میں پرنالہ سے پانی گرتا ہے۔ اس گرتے خون کو ہاتھوں میں لے کر آسمان کی طرف پھینکا تو ایک قطرہ واپس نہ آیا۔ آپؑ اس خون کو لے کر چہرے اور سر کو خضاب کرتے تھے اور کبھی خون سے اپنی ریش مبارک کو رنگین کرتے اور فرماتے تھے۔ میں اسی کیفیت میں اپنے نانا سے ملاقات کروں گا اور اپنے قاتلوں کے نام ان کو بتاؤں گا۔

اسی دوران میں ایک اور تیر آیا اور امامؑ کی سواری کو لگا۔ گھوڑا خون میں غلطاں ہو کر زمین پر گر پڑا۔ یہ گھوڑا مرتجز تھا نہ کہ ذوالجناح، امامؑ پیادہ ہو گئے۔ اب لشکر نے بہت بے حیائی کی اور حضرتؑ پر حملہ کر دیا۔ حضرتؑ دشمن کو اپنے سے دُور کرتے رہے، حملہ کرتے اور پھر واپس اپنی جگہ آ کر رُک جاتے اور تھکان دُور کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن الحسنؑ المجتبیٰؑ کی شہادت

صدر قزوینی مرحوم نے حدائق الانس میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام حسنؑ کے عبداللہ نامی دو بیٹے تھے۔

ایک عبداللہ اکبر اور دوسرے عبداللہ اصغر تھے۔ ایک کی ماں اُم اسحاق بنت طلحہ ہے اور دوسرے کی ماں اُم ولد ہے۔ دونوں بھائی کربلا کے شہید ہیں۔

مؤرخین کے مطابق امام حسنِ مجتبیٰ کے پندرہ بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں: بیٹوں کے نام یہ ہیں:

(۱) حسنؑ بن حسنؑ (۲) عمرو بن حسنؑ (۳) حسینؑ بن حسنؑ (۴) زید بن حسنؑ (۵) عبداللہ بن حسنؑ (۶) عبدالرحمٰن بن حسنؑ (۷) عبداللہ بن حسنؑ (۸) اسماعیل بن حسنؑ (۹) محمد بن حسنؑ (۱۰) یعقوب بن حسن (۱۱) جعفر بن حسنؑ (۱۲) طلحہ بن حسنؑ (۱۳) حمزہ بن حسنؑ (۱۴) ابوبکر بن حسنؑ (۱۵) قاسم بن حسنؑ

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی نسل جنابِ حسن بن حسن مثنیٰ اور زید بن حسنؑ سے چلی۔

شہادت جناب عبداللہ اصغرؑ

بعض مؤرخین کے مطابق یہ شہادت امام حسینؑ کے پہلے حملہ کے موقع پر واقع ہوئی۔ بعض نے دوسرے حملے کے دوران میں لکھی ہے، بعض نے امام حسینؑ کے سواری کے وقت اور بعض نے امام حسینؑ کے سواری سے گرنے کے وقت لکھی ہے۔

جناب امیر محمد، روضۃ الصفاء میں اور طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: جب مقاتلہ کے دوران میں امامؑ کے گھوڑے کو تیر لگا اور گھوڑا گرا تو امام حسینؑ میدان میں پیدل مبارزہ طلبی کر رہے تھے لیکن پھر بھی کوئی آگے آنے کی جرأت نہ کرتا تھا حالانکہ حضرت نہایت تھکے ہوئے اور پیاس سے نڈھال تھے۔ اسی دوران میں ایک بچہ خیام سے باہر نکلا جو عبداللہ بن حسنؑ تھا۔

شیخ طریحی منتخب التواریخ میں جناب عبداللہ کی شہادت، امامؑ کی جنگ سے پہلے لکھتے ہیں:

وَدَّعَ اَهلَهُ وَاَولَادَهُ وَدَاعَ مُفَارِقٍ لَا يَعُود وَكَانَ عَبدُ اللّٰهِ بن الحَسَنِ الزكي وَاقِفًا بِاَزَاءِ الخَيمَةِ هُوَ يَسمَعُ وَدَاعَ الحُسَين فَخرَجَ فِي اثرِهٖ وَيَبكِي وَيَقُولُ وَاللّٰه لَا اُفَارِقِ......الخ

''جب امام حسینؑ اہلِ خیام اور مخدراتِ عصمت سے وداع کر رہے تھے اور اپنی اولاد اور بیٹیوں سے خدا حافظی کر رہے تھے تو جناب عبداللہ بن حسنؑ یہ گفتگو سن رہے تھے کہ امامؑ نے فرمایا: اے مستورات اب دوبارہ مجھے نہ دیکھو گی میرا یہ آخری وداع ہے۔ اب تم میری آواز نہیں سنو گی کیونکہ میں جا رہا ہوں اور واپس نہیں آؤں گا''۔

امامؑ خیام سے نکلے تو عبداللہ بھی آپؑ کے پیچھے نکلے اور زاروقطار رو کر کہتے جا رہے تھے، خدا کی قسم! میں اپنے چچا کو اکیلا نہ چھوڑوں گا۔ اے چچا جان! جہاں بھی جاؤ مجھے ساتھ لے جاؤ، میرا باپ نہیں، چچا بھی چلا گیا تو کہاں جاؤں گا۔ آپؑ چچا سے جدا نہ ہوئے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ البتہ اکثر اہلِ تاریخ نے امامؑ کے جہاد کے دوران میں جناب عبداللہ کی شہادت لکھی ہے نہ کہ امامؑ کے گر جانے کے وقت جسے ذاکرین میں مشہور ہے۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ حضرتؑ پیدل تھے اور پیادہ صورت میں جنگ اور دفاع میں مشغول تھے۔ کبھی ٹھہر جاتے اور تھکان دُور کرتے اور کبھی حملہ کرتے۔ اسی حالت میں عبداللہ نے اپنے آپ کو چچا کے پاس پہنچایا ہو۔

مرحوم سید کی ''لہوف'' سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ حضرتؑ پیادہ تھے اور کھڑے تھے تاکہ تھکان دُور کرلیں۔ فَلَبِثُو هُنَيئَةً ثُمَّ عَادُوا اِلَيهِ یزیدی لشکر بھی کچھ وقت آرام کرتا تھا، لیکن دوبارہ حملہ کرتا اور حضرتؑ کا محاصرہ کرلیتا تھا۔ فَخَرَجَ عَبدُاللّٰهِ بن الحَسَن بن عليّ تو اس وقت عبداللہ بن حسنؑ خیام سے نکلے۔

مرحوم سید نے ''لہوف'' میں لکھا ہے:

فَلَحِقَتهُ زَينَب بنتِ عَلِيٍ لِتَحبِسَهُ فَاَبٰى وامتَنَعَ اِمتَناعًا شَدِيدًا

''جنابِ زینبؑ نے عبداللہ کو روکنا چاہا کہ نہ جاؤ لیکن عبداللہ راضی نہ ہوئے اور یہ کہتے تھے کہ خدا کی قسم! میں اپنے چچا کو اکیلا نہ چھوڑوں گا جہاں بھی وہ جائیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا''۔

اس وقت حرم سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں تو امامؑ کے جہاد میں کمزوری عارضی ہوگئی اور امامؑ زمین پر بیٹھ گئے۔ نظر خیام کی طرف لگائی اور غور سے سنا کہ مخدرات کے رونے کی آواز ہے اور جب عبداللہ کے بار بار باہر آنے کے اصرار کو سنا کہ عبداللہ باہر نکلنا چاہتے ہیں اور جنابِ زینب عبداللہ کے ہاتھ سے پکڑ کر خیمہ کی طرف کھینچتی ہیں اور میدان میں جانے سے روکتی ہیں۔ بالآخر عبداللہ نے اپنا ہاتھ جنابِ زینبؑ کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور دوڑتے ہوئے چچا کے پاس پہنچ گئے۔ عبداللہ نے دیکھا کہ ابجر بن کعب زین سے جھک کر تلوار کی ضرب سے امام حسینؑ کو قتل کرنا چاہتا ہے تو عبداللہ نے غصہ اور بلند آواز سے کہا:

وَيلَكَ يَابنَ خَبِيثَه أَتَقتُل عَمّى فَضَرَبَهُ بِالسَّيفِ فَاتَقَاهَا الغُلَامُ بِيَدِهٖ فَاطَنَّهَا اِلَى الجِلدِ

''اس ملعون ابجر نے تلوار کی ضرب امامؑ کے سر پر لگائی تو عبداللہ نے اس ضرب کے آگے اپنے ہاتھ کر دیے تاکہ چچا کو ضرب نہ لگے لیکن تلوار کی ضرب سے بچے کے ہاتھ کٹ گئے اور صرف جلد کا چمڑا

بچ جانے کی وجہ سے لٹکنے لگے۔ شہزادے نے فریاد کی: ''اے اماں! میری مدد کرو''۔

امامؑ نے عبداللہ کو اپنی آغوش میں بٹھایا اور فرمایا: اَجِرِ یَابُنَیَّ، ''بیٹا صبر کرو ابھی تکلیف ختم ہوجائے گی''۔

اسی دوران میں فَرَمَاہ حُرمَلَه بِسَهمٍ فَذَبَحَهُ وَهُوَ فِي حِجرِ عَمِّہٖ حرملہ نے تیر مارا جو عبداللہ کے حلق میں لگا اور عبداللہ اپنے چچا کی آغوش میں ہی ذبح ہوگئے۔

امام حسینؑ کا زین چھوڑنا

حائری مرحوم معالی السبطین میں لکھتے ہیں: امام حسینؑ کے سقوط کے کئی اسباب بیان ہوئے ہیں۔ مرحوم سید نے لہوف میں لکھا ہے کہ جب امام دشمنوں کے تیروں سے خارپشت (سیہی) کی طرح ہوگئے تو صالح بن وھب نے حضرتؑ کے پہلو میں نیزہ مارا اور حضرتؑ زین سے زمین پر آگرے، جب کہ گرتے ہوئے یہ فرمارہے تھے: بِسمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ

مرحوم صدوق امالی میں لکھتے ہیں: حضرتؑ کے گلے میں تیر لگا جس کی وجہ سے زین چھوڑنا پڑ گئی اور زمین کو زینت بخشی اور تیر کو نکال کر پھینک دیا۔

ابومخنف لکھتے ہیں: خولی نے حضرتؑ کو تیر مارا جو حضرتؑ کے سینۂ اقدس میں پیوست ہوگیا اور حضرتؑ زین سے زمین پر آگرے۔ آپؑ خون میں غلطاں تھے، تیر نکالا تو خون کا فوارہ پھوٹا۔ لحظہ لحظہ حضرتؑ کے ہاتھ خون سے پُر ہوجاتے اور خون کو سر، چہرہ اور ریش مبارک پر مل لیتے تھے اور فرماتے کہ میں اسی حالت میں نانؐا سے ملاقات کروں گا اور اُمت کی شکایت کروں گا۔

امامؑ کے زین سے زمین پر آنے کا انداز

اربابِ مقاتل نے امام حسینؑ کے زین سے زمین پر آنے کے انداز میں اختلاف کیا ہے۔ مرحوم سید ''لہوف'' میں لکھتے ہیں:

وَلَمَّا اَثخَنَ الحُسَينَ بِالجِرَاحِ وَبَقِيَ كالقنفذ طَعَنَهُ صَالِح بن وَهبَ المرى عَلٰى خَاصِرَتِهٖ طعنةً فَسَقَطَ الحُسَين عَن فَرَسِهٖ اِلَى الاَرضِ عَلٰى خَدِّهٖ الايمن

''یعنی جب امامؑ زخموں کی کثرت کی وجہ سے کمزور ہوگئے اور تیروں کی کثرت کی وجہ سے بدن قنفذ کی طرح ہوگیا تو اس حالت میں صالح بن وہب مری نے حضرتؑ کے پہلو میں اس قدر زور سے نیزہ مارا کہ حضرتؑ دائیں رخسار کے بل زین سے زمین پر آئے''۔

شیخ صدوق امالی میں لکھتے ہیں:

رَمٰی بِسَهمٍ فَوقَعَ فِی نحرِهٖ وَخَرَّ عَن فَرَسِهٖ فَاَخَذَ السَهم فرمٰی بِهٖ وَجَعَل یَتَلَقّٰی الدَّم بِکَفِّهٖ فَلَمَّا امتَلَاَتْ لَطَخَ بِهَا رَاْسه وَلحیتَهٗ وَیَقُولُ اَلقٰی اللّٰه عَزَّوجَلَّ وَاَنَا مَظلُومٌ مُتَلَطِّخٌ بِدَمِی ثُمَّ عَلٰی خَدِّهٖ الأیسر صَرِیعًا

''تیر حضرتؑ کے گلوئے مبارک پر لگا تو تیر کو نکالا، دونوں ہاتھوں پر خون لیا اور خون سے سر، صورت اور ریش مبارک کو خضاب کیا اور فرمایا: میں اسی حالت سے خدا کے پاس جاؤں گا اور میں ایسا مظلوم ہوں جو اپنے خون میں رنگین ہوں۔ پھر زین سے زمین پر بائیں رخسار کے بل آئے''۔

مرحوم قزوینی ریاض الاحزان میں لکھتے ہیں: حضرتؑ کا زمین پر گرنا ایک یا دو مرتبہ نہ تھا بلکہ کئی مرتبہ کمزوری کی وجہ سے زمین پر گر پڑے، پھر اُٹھتے ہی ایک مرتبہ دائیں رخسار کے بل گرے، دوسری مرتبہ بائیں رخسار کے بل گرے اور پھر سجدہ کی حالت میں گرے۔

جنابِ زینبؑ کا اضطراب اور استغاثہ

جب امام عالی مقامؑ زین سے زمین پر آئے تو اُٹھ کر بیٹھ گئے اور گلے سے تیر نکالا۔ بی بی زینبؑ نے جب بھائی کو اس حال میں دیکھا تو غم زدہ ہو کر ابن سعد سے کہا:

یَا عُمرو اَیُقتَلُ اَبوعَبدُ اللّٰهِ وَاَنتَ تَنظُرُ اِلَیهِ

''اے ظالم! میرے بھائی امام حسینؑ قتل ہو رہے ہیں اور تم تماشا دیکھتے ہو''۔

ابن سعد نے اس وقت اس قدر گریہ کیا کہ دُمُوعُهٗ یَسِیلُ عَلٰی خَدَّیهِ وَ لِحیَتِهٖ آنسو اس کے رخساروں اور داڑھی پر بہنے لگے۔ لیکن اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا اور بی بی کو جواب نہ دیا۔

جب بی بی نے دیکھا کہ ابن سعد نے بے پروائی کی اور جواب نہیں دیا تو مجبوراً لشکر کی طرف دوڑیں اور فرمایا: اَمَا فِیکُم رَجُلٌ مُسلِمٌ ''کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں ہے''

لشکر سے بھی کوئی جواب نہ آیا تو ناچار اس مقام پر آئیں جہاں بھائی گرے ہوئے تھے، بھائی کا طواف کیا اور کسی کو بھائی کے قریب نہ آنے دیا۔

حضرتؑ نے بہن سے فرمایا:

اُختِی لَقَد کَسَرتِ قَلبِی اِرجِعِی اِلَی الخَیمَةِ

''اے بہن! میرا دل ٹوٹ گیا ہے تم جلدی خیمہ میں پلٹ جاؤ''۔

ذوالجناح کی وفاداری

روایت میں ہے جب امامؑ حالت تیر یا نیزہ کے سبب زین سے زمین پر آئے کچھ وقت تو سجدہ کی حالت میں پڑے رہے، پھر زمین سے اُٹھے، تلوار ہاتھ میں لی اور جس قدر ہمت تھی جہاد کیا۔ اس دوران میں ذوالجناح امامؑ کا طواف کرتا رہا اور بے یارومددگار غریب مظلومؑ کی حمایت کرتا رہا اور جب تک امامؑ لڑتے رہے یہ امامؑ کی حفاظت کرتا رہا۔

ابومخنف لکھتے ہیں:

لَمَّا اَصرَعَ الحُسَینِ فَحمَلَ فَرَسُهُ یُحَامِی عَنْه وَیَثِبَ عَلَی الفَارِسِ فَیَهبِطَهُ عَن سَرجِهٖ وَیَدوسَه حَتّٰی قَتَلَ الفَرسُ اَربَعِینَ رَجُلًا

''جب امامؑ زین سے زمین پر آئے تو ذوالجناح آپؑ کی حمایت کرتا رہا، سواروں پر حملہ کرتا تھا، دانتوں سے شہسواروں کو گریبانوں سے پکڑتا اور زین سے زمین پر کھینچ لیتا اور زمین پر دے مارتا تھا۔ پھر انہیں سموں تلے رگڑ دیتا اور اس طریقے سے اس قومِ بدبخت کے چالیس افراد کو واصلِ جہنم کیا''۔

ذوالجناح کی خیام میں آمد

ابن شہرآشوب اپنے مناقب میں روایت کرتے ہیں:

ذوالجناح تَمَرَّغَ فِی دَمِ الحُسَینِ وَقَصَدَ نَحوَ الخَیمَةِ وَلَه صَهِیلٌ عالٍ وَیَضرِب بِیَدَیهِ الاَرضَ

''ذوالجناح نے اپنا سر اور چہرہ امامؑ کے خون میں رنگین کیا پھر خیام کا قصد کیا جب کہ ہنہناہٹ غم زدہ تھی، روتا، آنسو بہاتا اور دوڑتا ہوا آیا تو ذوالجناح کے زخموں سے خون جاری تھا۔ اپنے پاؤں زمین پر مارتا تھا اور دوڑتا تھا تاکہ خیام سے کوئی تشنہ لب حسینؑ کے مددگار کو لے جائے۔

اسی حالت میں خیام کے قریب آیا۔ جب خیام کے دروازے پر آیا تو فراق کی فریاد کی اور مخدراتِ عصمت تک اپنی آواز پہنچائی۔ جونہی اہلِ حرم نے ذوالجناح کی آواز سنی تو بے اختیار سب خیمہ کے دروازے پر آگئیں تاکہ دیکھیں کہ امامؑ تشریف لائے ہیں یا خالی ذوالجناح آیا ہے۔ جب بیبیوں نے مرکب کو بغیر راکب کے دیکھا اور یہ ملاحظہ کیا کہ ذوالجناح کی لگامیں کٹی ہوئی، زین ایک طرف ڈھلی ہوئی، چہرہ اور سر خون سے غلطاں ہے نیز فریاد کرتا ہے، کبھی زمین کو اپنے سموں سے کوٹتا

ہے اور کبھی سر کو زمین پر مارتا ہے تو بیبیوں کی آہ وزاری اور گریہ وفریاد بلند ہوئیں، سب کو معلوم ہوگیا کہ امامؑ پر بڑی مصیبت نازل ہوگئی ہے، چنانچہ تمام بیبیاں خیام سے باہر آئیں اور ایک ولولہ وزلزلہ برپا ہوا۔ ہر بی بی اپنے چہرے پر ماتم کر رہی تھی، ہر خاتون برہنہ پا تھی، بال بکھرے ہوئے تھے اور بین کر رہی تھی۔ وا اماماہ واسیداہ۔ پھر بیبیوں نے ذوالجناح کے گرد حلقہ بنالیا۔ چونسٹھ مستورات اور بچوں نے ذوالجناح کو گھیر لیا، بعض نے ذوالجناح کی لگام کو پکڑ کر مولاؑ کے متعلق پوچھا۔ بعض نے رکابوں کو بوسہ دیا اور بارش کے قطروں کی طرح اُن کے آنسو جاری تھے اور بعض نے خم ہوکر گھوڑے کے سموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ بعض اس ذوالجناح کے بدن سے تیر نکال رہی تھیں۔ بعض اس ذوالجناح کے چہرے سے جو خونِ امامؑ اپنے ہاتھوں پر لگا کر اپنے بالوں اور چہرے کو خضاب کر رہی تھیں۔ ذوالجناح بھی مستورات کے ساتھ گریہ وزاری کر رہا تھا اور باشعور انسان کی طرح آنسو بہا رہا تھا۔ ذوالجناح سے بیبیوں نے کہا کہ ہمیں وہاں لے چل جہاں حسینؑ کو اُتارا ہے تو ذوالجناح آگے آگے اور تمام مستورات، بچے اور کنیزیں ذوالجناح کے پیچھے پیچھے ماتم کرتے ہوئے مقتل کی طرف روانہ ہوگئیں۔ امام زین العابدینؑ ان کے ہمراہ موجود نہ تھے کیونکہ وہ بیمار تھے اور ان کے علاوہ کوئی خیمہ میں باقی نہ تھا۔

جب یہ سب مقتل میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک ظالم کسی کا سر کاٹ رہا ہے۔ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا اور ذوالجناح کے علاوہ کوئی بھی نہ جانتا تھا کہ جو مظلوم خاک وخون میں غلطاں ہے اور جس کا سر کاٹا جارہا ہے وہ امام حسین علیہ السلام ہیں۔

امام حسینؑ کو شہید کرنے کے لیے کئی لوگوں کو بھیجا گیا

حضرت امام حسین علیہ السلام کے بدن پر تیروں، نیزوں اور تلواروں کے زخموں کی کثرت کی وجہ سے ایک وقت ایسا آیا کہ آپؑ زین سے زمین پر آگئے۔ ابن سعد کی طرف سے دو دو، یا تین تین شخص امام حسینؑ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آتے تھے لیکن وہ واپس چلے جاتے تھے کیونکہ جو بھی حضرتؑ کو اس حالت میں دیکھتا اس کو رحم آجاتا تھا اور قتل کا ارادہ ترک کر دیتا تھا۔

کتاب ریاض الشہادت اور روضۃ الشہداء میں اسماعیل بخاری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے امامؑ کے قتل کے ارادے سے امامؑ کے قریب آیا۔ حضرتؑ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا:

اِنصرِف ، لَستَ اَنتَ بِقَاتِلِي

''تم واپس چلے جاؤ تم میرے قاتل نہیں ہو، میں نہیں چاہتا کہ تم جہنم میں جاؤ''۔

وہ شخص بہت رویا اور عرض کیا: اے فرزندِ پیغمبرؐ! میں قربان جاؤں آپؑ اس حالت میں بھی ہماری فکر کرتے ہیں، اس

شخص کے اندر انقلاب برپا ہوگیا۔ اس نے اپنی ننگی تلوار ہاتھ میں لیے عمر بن سعد کی طرف رخ کیا اور رو کر کہا کہ اس غریب نے کیا قصور کیا ہے کہ سب لشکر تلوار و خنجر لے کر کھڑا ہے۔ اس مظلوم نے کیا گناہ کیا ہے کہ پانی بند کردیا گیا اور اسے قتل کرنے کے درپے ہوگئے ہو۔

اس بے دین لشکر نے کوئی جواب نہ دیا تو اس شخص نے اپنی تلوار ابن سعد کی طرف ماری لیکن ابن سعد نے اپنے آپ کو پیچھے کرلیا اور اپنے غلاموں اور نوکروں کو اس شخص پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ انہوں نے اس شخص پر ہجوم کردیا اور گرز، عمود، تلواریں، نیزے اور پتھر مار مار کر اسے شہید کردیا۔

اس جوان نے زندگی کے آخری لحظات میں امامؑ کی طرف منہ کر کے عرض کیا: اے فرزندِ پیغمبرؐ! گواہ رہنا کہ یہ مجھے آپؑ کی محبت کے جرم میں قتل کر رہے ہیں اور کل بروزِ قیامت میری شفاعت کرنا۔

امامؑ نے کانپتی اور دھیمی آواز سے فرمایا:

طِب نَفسًا فَاِنّي شَفِيعٌ لَكَ عِندَ اللّٰهِ

"تجھے خوشخبری ہو میں تمہاری اللہ کے پاس شفاعت کروں گا"

لشکر ابن سعد نے اس جوان پر حملہ کر کے شہید کردیا۔ لیکن امام حسینؑ کو قتل کرنے کے لیے کوئی شخص آمادہ نہ تھا بلکہ جسے بھی قتل کے لیے بھیجا جاتا وہ نزدیک آ کر وحشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتا تھا اور اس ہولناک خیانت سے بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس حالت پر ابن سعد اپنے لشکر سے غضب ناک ہوا اور گالیاں دیں۔ لشکر والوں نے کہا کہ تم خود قتلِ امامؑ کے لیے کیوں نہیں جاتے اور فرزندِ پیغمبرؐ کے خون بہانے کے جرم کو اپنے دوش پر کیوں نہیں لیتے۔

ابن سعد حرام زادہ گھوڑے سے اُترا اور برہنہ خنجر لے کر امامؑ کے قریب آیا۔ امامؑ نے جب قدموں کی آہٹ سنی تو خاک سے اپنا سر اٹھایا اور عمر سعد کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

يَا عُمرو أَأَنتَ جِئتَ بِقَتلِي "اے عمر! تو میرے قتل کے لیے آیا ہے، تجھ جیسا اور کوئی بے رحم نہیں ہے"

عمر ملعون کو شرم آئی اور وہ واپس آ گیا۔ ہر طرف دوڑ دوڑائی کہ کس شخص کو اس مقصد کے لیے بھیجا جائے کہ اچانک اس کی نظر ایک نصرانی پر پڑی جو اپنا سر نیچے کیے ہوئے اپنے خیمے میں جا رہا تھا۔ اس نصرانی کو ابن سعد نے بلایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب جو شخص بھی قتل کی نیت سے امامؑ کے قریب جاتا، شرمندہ ہو کر واپس آ جاتا۔ نصرانی کو کہا گیا کہ وہ شخص غریب زخمی جو دیکھ رہے ہو، وہ تمہارے دین کا دشمن اور ہمارے نزدیک مغضوب ہے اگر اسے قتل کردو تو یقیناً عیسٰی نبی کے مقرب بندے بن جاؤ گے۔

نصرانی نے اس خیال سے کہ یہ لشکرِ اسلام ہے اور اسلام پیغمبرِ خاتمؐ کی طرف سے منسوب ہے اور ان کا رہبر اولیائے خدا میں سے ہوتا ہے، الماسی خنجر عمر بن سعد سے لیا اور فرزندِ پیغمبرؐ کو قتل کرنے کے قصد سے قتل گاہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب امامؑ کے قریب پہنچا، اور اس کی نظر امامؑ غریب پر پڑی کہ تیروں، نیزوں، تلواروں کے اس قدر زخم لگے ہوئے ہیں کہ بدن کا کوئی مقام خالی نہیں اور چہرہ باوجود خون میں غلطاں ہونے کے اس قدر نورِ کبریائی سے درخشاں ہے کہ آنکھیں ان کے چہرے کو دیکھ کر شرما جاتی ہیں۔ بے اختیار حضرتؑ کے جمال اور کمال میں محوِ حیرت ہوگیا۔ وہ آگے بڑھا اور نہایت عاجزی سے عرض کیا۔ اے عالم کے سردار! اے اولادِ آدمؑ کے محبوب! میں تمہارا نام اور خاندان نہیں جانتا لیکن تمہارے جلال میں حیران ہوں۔ تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ تو سہی کہ تم کون ہو؟ اور بدن پر اس کثرت سے زخموں کی کیا وجہ ہے؟

نصرانی نے دیکھا کہ یہ مظلوم غریب خاک پر سوئے ہوئے ہیں اور اپنے خدا سے مناجات کر رہے ہیں اور جواب نہیں دیتے لیکن آنکھ کھولی اور ایک کیمیا اثر نظر اس نصرانی پر ڈالی کہ ایک نظر سے اس کا وجود کی خاک سونے میں بدل گئی۔ اس نے دوبارہ عرض کیا: آپؑ کو مسیح کی قسم اور مریم مقدس کی قسم! مجھے جواب دو کہ آپ کون ہیں اور کیوں زخمی ہیں؟ پھر بھی جواب نہ سنا پھر اپنے دین کے تمام مقدسات کی قسمیں دیں۔ پھر بھی جواب نہ سنا، پھر ایک قدم آگے بڑھا، دائیں اور بائیں کو دیکھا۔ کربلا کے دشت میں شہداء کی لاشیں دیکھیں کہ تمام خاک وخون میں غلطاں تھیں۔ جوان، بزرگ، چھوٹے بڑے، سب خاک پر پڑے تھے۔ حضرتؑ کو ان شہدائے کربلا کی قسم دے کر پوچھا لیکن پھر بھی جواب نہ ملا تو عرض کیا: اے غریب و بے نوا! اے یارومددگار شہید! خدارا مجھے جواب دو۔ اس مرتبہ بھی نصرانی کو کوئی جواب نہ ملا۔ اسی دوران میں اس نصرانی نے دیکھا کہ ایک معظّمہ خاتون جوں ہی خیمہ سے نکلی اس غریب نے پریشان ہوکر خاک سے سر اُٹھایا اور اسے خیمہ میں پلٹ جانے کا اشارہ کیا۔

اس نصرانی نے اسی معظّمہ خاتون کی قسم دی تو اب حضرتؑ برداشت نہ کر سکے، سر خاک سے اُٹھایا اور اپنا تعارف کرایا۔

نصرانی نے ادب کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا اور عرض کیا: آقا آپؑ حسینؑ ہیں نا! جو کوفیوں کے ہاتھوں گرفتار ہیں، آپؑ کی تقصیر کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: مجھ سے نہ پوچھو بلکہ ان لشکر والوں سے پوچھو کہ میری تقصیر کیا ہے؟

نصرانی نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، میں نے بہت پہلے خواب دیکھا تھا اور اب اس کی تعبیر دیکھ رہا ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں تمہارے خواب کو بھی جانتا ہوں کہ وہ کون سا خواب تھا۔

نصرانی نے عرض کیا: میں قربان جاؤں میرا خواب بیان فرما دیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم نے خواب میں میرے جدّ کو دیکھا کہ میرے غم میں تمام پیغمبروںؑ میں سر کو زانوئے غم پر رکھے

ہوئے ہیں، اس دوران میں حضرت عیسیٰؑ نے تجھے فرمایا: مجھے پیغمبروںؑ کے سامنے شرمندہ نہ کرنا یعنی اپنے ہاتھ فرزندِ پیغمبرؐ کے خون سے آلودہ نہ کرنا۔

نصرانی نے عرض کیا: اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ جَدَّکَ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

میں مسلمان ہوا اور تلوار نکال کر ابن سعد کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا اور چند ملاعین کو قتل کر دیا۔ لشکریوں نے اس نومسلم کو گھیر لیا اور اسے قتل کر دیا۔ جب یہ جوان گرا تو امامؑ کی طرف دیکھا اور امامؑ سے عنایت کا تقاضا کیا۔ امام علیہ السلام نے چاہا کہ اٹھیں لیکن اُٹھ نہ سکے اور فرمایا: اے جواب! میری معذرت قبول کرنا کیونکہ میں اُٹھ نہیں سکتا۔

مصاحت مقدس امام حسینؑ کی لشکر کی طرف سے توہین

جب امام علیہ السلام زخموں کی کثرت اور پیاس کی شدت سے زمین پر گر پڑے تو ابن سعد کو یقین ہو گیا کہ اب امامؑ کے اندر طاقت اور قدرت نہیں رہی کہ اُٹھ سکیں، لہٰذا شمر ملعون نے خیام کا رُخ کیا اور خیمہ پر نیزہ مارا اور کہا: آگ لے آؤ تا کہ ان خیام کو مع ان کے ساکنوں کے جلا کر راکھ کر دوں۔

مستورات نے شمر کی آواز سن کر نالہ و زاری کی اور اس قدر دکھی بین کیے کہ لشکرِ ابن سعد کے سپاہی بھی ان کی مظلومیت اور غربت پر رونے لگے۔ پھر شبث بن ربعی آگے بڑھا اور شمر کو واپس پلٹا لیا۔ خیام میں مخدراتِ عصمت ان ظالموں کے خوف سے خاموش ہو گئیں اور کانپتی اور ڈرتی ہوئی آواز بھی نہ نکالتی تھیں۔

اس وقت شمر نے لشکر سے کہا: تمہاری مائیں تمہارے غم میں روئیں کس کا انتظار ہے؟ کیوں کھڑے ہو؟ یہ شخص تو گر چکا ہے نہ معلوم اس میں جان ہے یا روح پرواز کر چکی ہے؟ تمام مل کر اس پر حملہ کرو اور اسے ہمیشہ کی نیند سلا دو۔ پس یہ سنتے ہی لشکریوں نے ہر طرف سے امامؑ پر ہجوم کیا اور حضرتؑ کا محاصرہ کر لیا۔

ابوالحوق ملعون نے امامؑ کی پیشانی میں تیر مارا کہ پہلے فرات کے کنارے پر بھی اسی مقام پر تیر مارا گیا تھا۔ ابوایوب غنوی نے امامؑ کے گلوئے مبارک پر تیر مارا۔

صاحب ریاض الاحزان رقمطراز ہیں: تلوار کی ضربیں، نیزے کے زخم اور وجود مقدس پر اعدا کی جنایات اس قدر تھیں کہ قوتِ امامت کے علاوہ ان کو برداشت کرنا ناممکن ہے کہ اس وقت زندہ رہے۔ اسی دوران میں سنان ابن انس حرامزادے نے (کہ اسے شمر کے برابر اہلِ فنِ حرب سمجھا جاتا تھا) ایک لمبے نیزے سے حضرتؑ پر حملہ کیا اور نیزے کی نوک گلے کی گودی میں لگائی۔

محمد بن جریر طبری لکھتا ہے: جب سنان نے گلے کی گودی میں نیزہ مارا اور باہر نکالا تو امامؑ کی روح اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔ اس لیے بعض صاحبِ مقاتل سنان بن انس کو امامؑ کا قاتل سمجھتے ہیں اور اس میں کوئی بُعد بھی نہیں، کیونکہ اس ملعون کے نیزے نے امامؑ پاک کے گلوئے مبارک کو کاٹ دیا گویا حضرتؑ نحر ہو گئے، اس لیے تو امام زمانہؑ زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں فرماتے ہیں: اَلسَّلَامُ عَلٰی مَن ھُوَ نَحرُہُ مَنحُور
لیکن محمد بن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ ایک اور ملعون نے حضرتؑ کے کاندھے پر تلوار کی ضرب لگائی اور زرعہ بن شریک نے ہاتھ کی ہتھیلی کو جدا کر دیا اور عمرو بن خلیفہ جعفی نے گردن کی رگوں پر تلوار کی ضربیں لگائیں۔

قاتلِ امامؑ کون؟

جب امامؑ میدان میں زخمی جسم سے زمین پر گر پڑے تو ابن سعد نے ایک امیر لشکر سے کہا کہ تم معطل کیوں کھڑے ہو، حسینؑ کا کام ختم کرو۔ خولی نے جلدی کی کہ وہ امامؑ کا سر جدا کرے۔ جونہی یہ حرام زادہ امامؑ کے قریب پہنچا تو اس کا بدن کانپنے لگا کیونکہ جب امامؑ نے نظر اُٹھا کر اُسے دیکھا تو اس کے اندر لرزہ پیدا ہو گیا لہٰذا وہ اپنے مقصدِ شوم میں کامیاب نہ ہوا۔
کتاب تبر المذاب میں لکھا ہے: جب خولی کانپتا اور ہانپتا ہوا واپس آیا اور شمر نے اس کی یہ وحشت زدہ صورت دیکھی تو کہا کہ تیرے ہاتھ شل ہو جائیں کانپتا کیوں ہے؟
اس نے کہا: خدا کی قسم! میں فرزندِ رسولؐ کو کبھی قتل نہیں کروں گا۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔
شمر زنازادہ نے کہا: کَلَحَت ھٰذِہِ اللِّحیَۃُ لِاَنَّھَا تُنبِتُ عَلٰی غَیرِ رَجُلٍ یعنی بُرے ہیں تیرے بال جو چہرے پر ہیں، کیونکہ تو مرد نہیں اور تیرے چہرے کے بال (ڈاڑھی) ایک نامرد کے بال ہیں''۔
مرحوم طریحی لکھتے ہیں: جب امامؑ وصالِ حق کے قریب تھے تو چالیس سواروں نے حضرتؑ کے قتل کا ارادہ کیا اور ہر ایک چاہتا تھا کہ وہ امامؑ کا سر تن سے جدا کرے۔ ان میں سے ایک شبث بن ربعی تھا جب وہ آگے آیا تو حضرتؑ نے آدھی آنکھ سے دیکھا، شبث کے ہاتھوں سے تلوار گر گئی اور وہ بھاگ گیا۔
سنان ابن انس نے کہا: حسینؑ کو قتل کیوں نہیں کیا؟ اپنی تلوار مجھے دے دو۔ شبث نے اپنی تلوار اسے دے دی۔ سنان قتل گاہ میں آیا، جونہی امامؑ کے قریب گیا اور امامؑ نے جلالت کی آنکھ سے اُسے دیکھا تو اس کے بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا اور وہ ڈر گیا۔ تلوار اُس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ وہاں سے چلا گیا۔
مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: سنان بن انس النخعی گھوڑے سے اُترا اور تلوار حضرتؑ کے گلو مبارک پر ماری اور کہا: خدا

کی قسم کہ میں تمہارا سر بدن سے جدا کرنے آیا ہوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تو فرزندِ رسولؐ ہے اور تیرے والدین تمام کائنات سے بہتر ہیں۔ اُس نے امامؑ کا سر جدا کر دیا۔

لیکن اربابِ مقاتل میں مشہور ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا قاتل شمر ذی الجوشن ملعون ہے۔

شمر کے قتل کرنے کی کیفیت

الحاج مرزا رفیع گرم رودی اپنی کتاب ذریعۃ النجاۃ میں لکھتے ہیں: جب امام علیہ السلام غشی کی حالت میں زمین پر پڑے تھے تو شمر قریب آیا اور جوتوں سمیت حضرتؑ کے سینۂ اقدس پر بیٹھ گیا۔ امامؑ نے جب اس ملعون کو اپنے سینے پر بیٹھا محسوس پایا تو فرمایا:

یَا وَیلَکَ مَنۡ اَنۡتَ فَقَدِارۡتَقَیۡتَ مُرۡتَقًا عَظِیۡمًا

''ہائے وائے ہو تجھ پر! تو کون ہے؟ تو بہت بلند اور عظیم مقام پر بیٹھا ہے''۔

اس ملعون نے جواب دیا: میں شمر ہوں۔

امام حسین نے فرمایا: میں کون ہوں؟

شمر نے کہا: تم حسینؑ بن علی ہو، تمہاری ماں فاطمہ الزہراءؑ اور جدِ محمد مصطفیٰؐ ہے۔

امامؑ نے فرمایا: اے ملعون! میرے حسب ونسب کو بھی جانتا ہے اور پھر بھی مجھے قتل کرنے آیا ہے؟

شمر بولا: اگر تمہیں قتل نہ کروں تو یزید کا انعام کیسے وصول کروں گا؟

امامؑ نے فرمایا: تیرے نزدیک یزیدی انعام بہتر ہے یا میرے جدؐ کی جنت کی شفاعت؟

شمر نے کہا: یزید کا انعام ایک جو کے دانے کے برابر بھی میرے لیے تم سے اور تمہارے جد کی شفاعت سے بہتر ہے۔

امامؑ نے فرمایا: اب اگر تو نے ہی مجھے قتل کرنا ہے تو ایک گھونٹ پانی پلا دے۔

شمر نے کہا: ایک گھونٹ پانی بھی ہرگز نہیں دوں گا بلکہ پیاسا ماروں گا۔

امامؑ نے فرمایا: اپنے سینے سے قمیص ہٹا تا کہ میں اپنے قاتل کی نشانی دیکھ لوں۔

شمر نے اپنے شکم اور سینے سے قمیص ہٹائی تو امامؑ نے دیکھا کہ یہ ملعون اُبلق (ڈبا) اور مبروص ہے اور اس کا چہرہ کتوں اور خنزیروں کے مشابہہ لگتا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: میرے نانا رسولِ پاکؐ نے سچ فرمایا تھا۔

شمر نے کہا: تمہارے ناناؐ نے کیا کہا تھا؟

امامؑ نے فرمایا: میرے ناناؐ نے میرے بابا علیؑ سے فرمایا کہ یا علیؑ! تمہارے اس بیٹے کو ایک مبروص اور ابلق اور کتوں اور خنزیروں کے مشابہہ شخص قتل کرے گا۔

شمر ملعون غضب ناک ہوا اور کہا: مجھے کتوں اور خنزیروں سے تشبیہہ دیتے ہو۔ خدا کی قسم! میں پسِ گردن سے تمہارے سر کو جدا کروں گا۔ پھر اس ملعون نے امامؑ کو منہ کے بل لٹایا اور پسِ گردن ضربیں مار مار کر سر کو تن سے جدا کر دیا۔

شمر حرام زادہ جب سر جدا کر رہا تھا تو یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

(مفہوم اشعار): ''آج تجھے قتل کر رہا ہوں حالانکہ مجھے علم الیقین ہے کہ تیرا باپ پیغمبرؐ کے بعد ساری دنیا سے بہتر تھا''۔

''آج میں تجھے قتل کرتا ہوں حالانکہ جانتا ہوں کہ عنقریب پشیمان ہوں گا اور میرا ٹھکانہ جہنم ہوگا''۔

یہ ملعون حضرت امامؑ کے حلقوم کی جس رگ کو کاٹتا تھا، امامؑ کی یہ ندا آئی:

وامحمداہ واجدّاہ واحسناہ واجعفراہ واعقیلا ، واعباساہ ، واقتیلا واقلۃ ناصراہ

مرحوم طریحی لکھتے ہیں: جب اس ملعون نے امام علیہ السلام کا سر جدا کیا تو سر کو نیزہ پر بلند کیا اور تکبیر پڑھی تو لشکر نے بھی اس کے بعد تکبیریں کہیں۔

ابومخنف تحریر فرماتے ہیں: لشکر نے تین بار تکبیر کہی، زمین میں زلزلہ آیا، شرق و غرب عالم تاریک ہوگئے۔ برق و رعد نے لوگوں کو ڈرایا، آسمان سے تازہ خون کی بارش ہوئی اور منادی نے آسمان سے ندا دی: خدا کی قسم! امام فرزند امام، برادرِ امامؑ اور آئمہ کے باپ حسین بن علی بن ابی طالب سلام اللہ علیہ کو شہید کر دیا گیا۔ قد قتل الحسین والاقد ذبح الحسین

شمر ملعون کا امام حسینؑ کو شہید کرنا

مرحوم علامہ مجلسیؒ بحار الانوار میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ جَاءَ شِمر و سَنانَ بن اَنَس وَالحُسَین بِاٰخَرَ رَمَقٍ یَلُوکُ لِسَانَہ مِنَ العَطَش وَیَطلَبُ المَاء

''شمر، سنان بن انس کے ہمراہ امام حسینؑ کا سر جدا کرنے کے لیے آیا تو امامؑ کے آخری سانس تھے، شدتِ پیاس کے سبب سے زبان منہ میں ہی زخمی ہو چکی تھی اور حضرتؑ اس کیفیت میں پانی

مانگ رہے تھے"۔

فَضَرَبَهٗ شِمر لعنة الله بِرِجلِهٖ

اس ملعون نے بجائے پانی دینے کے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور کہا:

يَابن اَبِي تُرَاب اَلَستَ تَزعَمُ اَنَّ اَبَاكَ عَلَى الحَوضِ النَّبِي يَسقِي مَن اَحَبَّهُ فَاصبِر حَتّٰي تَاخذُ المَاءَ مِن يَدِهٖ

"اے ابوتراب کے بیٹے! کیا تیرا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ تیرا باپ علیؑ ساقیٔ کوثر ہے؟ جس کو چاہے گا پلائے گا۔ اگر یہی عقیدہ ہے تو ذرا صبر کرتا کہ میں تمہیں قتل کردوں اور تجھے تیرے باپ علیؑ پانی پلا دے"۔

ثم قَالَ لِسَنانِ اِجتَز رَاْسَهُ قَفَاءً

"پس شمر نے سنان سے کہا: جس حالت میں حسینؑ زمین پر پڑا ہے، پسِ گردن سے سر کاٹ لے"۔

سنان نے کہا: میں یہ کام نہیں کرتا اور فرزندِ پیغمبرؐ کے خون کو اپنے ذمے نہیں لیتا۔ شمر غضبناک ہوا اور سنان کو گالیاں دیں۔ پھر غصہ میں آکر اپنے نجس جوتوں سمیت حضرتؑ کے سینے پر سوار ہوگیا اور پُرخون ریش مبارک میں ہاتھ ڈالا، اس وقت امامؑ نے فرمایا:

يَاشِمر تَقتُلَنِي وَلَم تَعرِف مَن اَنَاء

"مجھے قتل کر رہے ہو تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟"

شمر نے کہا کہ جانتا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے ناناؐ، باباؑ اور ماںؑ تمام کائنات سے بہتر ہیں۔ پھر ان کو گالی بکی اور کہا: میں تمہیں قتل کرتا ہوں اور میرے دل میں خوف ہے اور نہ رحم ہے؟

فَضَربَ بِسَيفِهٖ اِثنٰي عَشَرَ ضَربَةً ثُمَّ جَزَّ رَاْسَهُ الشريف

"اس ملعون نے بارہ ضربیں لگائیں اور سر کو بدن سے جدا کر دیا۔ اس وقت زمین کو زلزلہ آیا اور سرخ آندھی چلی"۔

تنبیہہ و توجیہ! قتلِ امامؑ کی کیفیت روایات میں مختلف ہے اور جو مدرک معتبر مستند ہے وہ یہ ہے

اوّلاً: حضرت امام حسینؑ کو ذبح کیا گیا۔

ثانیاً: حضرتؑ کا سر مبارک پسِ گردن سے کاٹا گیا۔

اما اولاً: مدرک ذبح تو امام زمانہؑ کی زیارت کا وہ جملہ ہے جس میں ذبح سمجھا جاسکتا ہے اور زیارت کا فقرہ یہ ہے:

والشمر جَالسٌ عَلٰی صدرك ومولغٌ سيفه عَلٰی نَحرِكَ قَابِضٌ عَلٰی شَيبتك بِيدِهٖ ذَابِحٌ لَكَ بِهندِهٖ (بحار الانوار، ج ۱۰۱، ص ۳۲۲)

'میرا سلام ہو اس مظلوم پر جس کے سینے پر شمر بیٹھا تھا اور تلوار کو مقام نحر پر مار رہا تھا اور اُس نے خون آلود ریشِ مبارک کو ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا اور تلوار سے ذبح کر رہا تھا"۔

اس کے علاوہ متعدد روایات ہیں جو صراحتاً دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ ایک طریقے سے ذبح/شہید ہوئے۔ ان روایات میں سے ایک ریّان ابن شُبیب کی ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

يَابْنَ شُبَيب! اِن كُنتَ بَاكِيًا لِشَيءٍ فَابكِ لِلحُسَين بن علی بن ابی طالب فَاِنَّهٗ ذُبِحَ كَمَا يُذبَحُ وَالكَبش (بحار الانوار، ج ۱۰۱، ص ۱۰۳، سطر ۲)

"اے فرزند شبیب! اگر دنیا میں کسی چیز پر رونا چاہتے ہو تو پس امام حسینؑ کے مصائب پر رویا کرو کیونکہ آپ کو ایسے ذبح کیا گیا جیسے گوسفند کو ذبح کیا جاتا ہے"۔

ثانیاً: سرِ مبارک کے پسِ گردن جدا کرنے کا مدرک بہت سی روایات ہیں یعنی جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ ان روایات سے ایک روایت علامہ مجلسیؒ نے بحار میں نقل فرمائی ہے، جس میں جنابِ زینبؑ کے دو فقروں میں تصریح ہے کہ فرماتی ہیں:

هَذَا حُسينٌ مَحزُوزُ الرَّاسِ مِنَ القفاد مَسلُوبُ العَمَامَةِ وَالرِّدَا...... الخ

"یہ حسینؑ ہے جس کا سر پسِ گردن سے جدا کیا گیا......"۔

دوسرے مقام پر یوں فرماتی ہیں:

هَذَا حُسَينٌ بالعراء صَرِيعٌ بِكَربَلا ، مَجزوز الرَّاسِ مِنَ القَفَاءِ مَسلُوبُ العَمَامَةِ والرِداء...... الخ

"یہ خاک آلود حسینؑ ہے جو کربلا میں مارا گیا، اور سر پسِ گردن جدا کیا گیا جس کا عمامہ اور چادر اور کپڑے بھی لوٹ لیے گئے۔

شمر ملعون کا امام حسینؑ کے سر کو نیزے پر بلند کرنا

شمر ملعون نے سر تن سے جدا کیا تو امامؑ کے سینے سے اُترا اور بلا فاصلہ خون میں لت پت سر کو ایک لمبے نیزے پر چڑھا

کر بلند کیا اور بلند آواز سے نعرۂ تکبیر لگایا۔ ابن سعد کے لشکر کی نظر جب سر پر پڑی تو انھوں نے بھی نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے۔

شمر ملعون کا نیزہ پر سرِ مقدس کو بلند کرنے کا راز یہ تھا کہ تمام لشکر دیکھ لے اور مطمئن اور خوش ہو جائے، اسی وجہ سے سب نے تکبیریں کہیں۔ جونہی امامؑ کا سر جدا ہوا، زمین میں زلزلے شروع ہو گئے اور فضا سے بہت شور و غل بلند ہوا اور کئی قسم کی آوازیں آنے لگیں۔

وَزُلزِلَتِ الاَرضُ وَاظلَمَتِ السَّمٰوٰتُ وَانکَسَفَتِ الشَّمسُ بِحَيثُ بَدَتِ الانجُم

"زمین کو زلزلہ آیا، آسمان تاریک ہو گیا۔ سورج کی روشنی ایسی تاریکی میں بدلی کہ ستارے نظر آنے لگے"۔

وَقَطَرَ مِنَ السَّمَاءِ الدَّمُ سَبعَ قَطَرَاتٍ

"سات قطرے خون کے آسمان سے گرے اور آسمان سے ندا آئی"۔

قَد قُتِلَ وَاللّٰهِ الاِمَامُ بن الامام اخ الامام الحسينُ بن علی قُتِلَ وَاللّٰهِ الهَمَامُ بن الهمام الحُسَينُ بن علی

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ عمر بن سعد کے لشکر سے ایک شخص نے نعرہ لگایا تو انہوں نے پوچھا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے خود اپنی آنکھوں سے رسول پاک کو دیکھا ہے کہ وہ ایک نظر امام حسینؑ پر ڈالتے ہیں تو دوسری نگاہ لشکر پر کرتے ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ ابھی عذابِ الٰہی نازل ہونے والا ہے، اس لیے نعرہ لگایا ہے۔ لوگوں نے اس کی مذمت کی اور کہا کہ یہ شخص دیوانہ ہو گیا ہے۔

راوی نے امامؑ سے سوال کیا کہ یہ نالہ و گریہ کرنے والا کون تھا؟

حضرتؑ نے فرمایا: میں تو اسے جبرئیلؑ سمجھتا ہوں کہ اپنے سردار کی شہادت پر نالہ کیا اور اگر چاہتا تو ایک چیخ سے تمام کائنات کو برباد کر دیتا۔

حضرت امام حسینؑ کا لباس لوٹنا

امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگ ایک گھنٹہ تک متحیر ہو گئے، کیونکہ زمین کو زلزلہ آ گیا تھا۔ فضا میں ہولناک آوازیں بلند ہو رہی تھیں، سورج کو گرہن لگ گیا، ہوا تاریک ہو گئی، ستارے ظاہر ہو چکے تھے، اس کے ساتھ ساتھ آسمان سے خون برسا، سرخ اور سیاہ آندھی چلی، دنیائے عالم کی حالت بدل گئی۔ لوگوں میں عجیب وحشت پیدا ہو گئی کہ ابھی آسمان سے کوئی

عذاب آنے والا ہے یا زمین اپنے اہل کو غرق کرنے والی ہے۔

ایک گھنٹے کے بعد آہستہ آہستہ فضا روشن ہوئی، گردوغبار بیٹھ گیا۔ سرخی ہر طرف ہوئی، زمین کا زلزلہ رُک گیا۔ لوگوں کی حالت معمول کے مطابق ہونے لگی اور حیرت و درماندگی سے نکلے تو ملاعین نے پھر سے سرکشی شروع کردی۔ ظلم اور تجاوز کرنا شروع کردیا، شرارت اور فساد کا اعادہ کیا اور امامِ مظلومؑ کی لاش پر ہجوم کر کے حضرتؑ کے لباسِ تن کو لوٹ لیا۔

① پیراہنِ امامؑ اسحاق بن حیوۃ حضرمی نے اٹھایا اور جب پہنا تو برص کے مرض میں مبتلا ہوگیا اور اس کے سر اور چہرے کے بال گر گئے۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: امامؑ کے اس پیراہن میں ایک صد تیرہ سوراخ تھے جو نیزوں، تیروں اور تلواروں کی وجہ سے ہوئے تھے۔

② حضرتؑ کا عمامہ اخنس بن مرثد یا جابر بن یزید اودی نے لوٹا اور جب سر پر باندھا تو وہ دیوانہ اور مجذوم ہوگیا۔

③ حضرتؑ کی نعلینِ مبارک اسود بن خالد نے چرائی۔

④ اور حضرتؑ کی انگشتری بحدل بن سلیم نے لوٹی اور انگوٹھی اتارنے کے لیے امامؑ کی انگلی بھی کاٹ ڈالی۔

اربابِ تاریخ نے لکھا کہ اس انگوٹھی کو اتارنے اور امامؑ کی انگلی کاٹنے کے جرم میں جناب مختار ثقفی نے اس ملعون بحدل بن سلیم کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے اور وہ اپنے خون میں تڑپتا رہا اور تڑپتے ہوئے واصلِ جہنم ہوا۔

⑤ ایک ریشمی کپڑا قیس بن اشعث نے لوٹا، یہ ملعون جذام میں مبتلا ہوا اور گھر والوں نے اسے دُور کردیا اور اسے گندگی پر ڈال دیا اور ابھی یہ زندہ تھا کہ کتے اس کے گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھاتے رہے۔

⑥ حضرتؑ کی زرہ عمر بن سعد نے لوٹ لی اور جب مختار ثقفی نے عمر بن سعد کے قتل کا حکم دیا اور وہ قتل ہوگیا اور جہنم میں پہنچ گیا تو اس کے قتل کو زرہ دی گئی۔

مرحوم محدث قمی منتہی الآمال میں لکھتے ہیں: حضرتؑ کی دو زرہیں تھیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ امامؑ کی دوسری زرہ مالک بن یسر نے لوٹی اور وہ دیوانہ ہوگیا۔

⑦ حضرتؑ کی شمشیر (بروایت شیخ مفید در ارشاد) اسود بن حنظلہ نے لوٹی۔

مرحوم محدث قمی منتہی الآمال میں لکھتے ہیں: یہ تلوار اور ذوالفقار کے علاوہ تھی۔ کیونکہ ذوالفقار تو نبوت و امامت کے مواریث سے ہے جو محفوظ اور مامون رہی۔

⑧ مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: اُوپر والی شلوار ابجر بن کعب تمیمی نے لوٹی، اور نیچے والی شلوار کے بارے میں اہل

حرم سے سوال کیا اور اُس نے اس کو پارہ پارہ کر دیا۔

۹۔ منتخب طریحی نے لکھا ہے کہ اس ملعون کے ہاتھ اسی وقت شل ہو گئے اور وہ اُسی وقت مر گیا۔

شہادتِ امامؑ کے بعد ذوالجناح کی خیام میں آمد

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کا سر کاٹ لیا گیا، عبا لوٹ لی گئی اور امامؑ کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ اس وقت امام حسینؑ کا مخصوص گھوڑا یعنی ذوالجناح جو امامت کے مواریث میں سے تھا، آنسو بہاتا ہوا اپنے آقا کے بدن کا طواف کرتا رہا اور جو شخص اس کو پکڑ کر مالِ غنیمت بنانے کے لیے آگے بڑھتا وہ اپنی ٹانگوں سے اسے دُور کر دیتا۔ لشکر والوں نے جس قدر بھی ذوالجناح کو پکڑنے کی کوشش کی کہ مالِ غنیمت بنا سکیں وہ ناکام رہے کیونکہ یہ حیوان اماناتِ امامت میں سے تھا اور کوئی شخص امامت کی مخصوص امانت کو نہیں رکھ سکتا (جو چیزیں امامؑ کے لباس سے لوٹی گئیں مثلاً عمامہ، شمشیر، انگوٹھی وہ امامت کے مواریث میں سے نہ تھیں)۔

یہ ذوالجناح خستگی، تشنگی اور بدن میں کثیر تیروں کے پیوست ہونے کے باوجود امامؑ کی لاش کا طواف کر رہا تھا اور آرام اور سکون نہ کرتا تھا۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف آ جاتا تھا اور دکھی بین کرتا تھا اور آنسو بہاتا تھا۔ نیز دشمنوں کو پاؤں سے مارتا اور امامؑ سے دُور کرتا۔ چونکہ اس ذوالجناح کو امام حسینؑ سے بہت محبت تھی، لہٰذا امامؑ کے بدن کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ دشمنوں نے اس کو ''مُھر'' سے تشبیہ دی۔ (مُھر گھوڑے کا وہ بچہ ہوتا ہے جو کسی صورت ماں سے جدا نہیں ہوتا)

مرحوم طریحی منتخب میں لکھتے ہیں: جب امامؑ شہید ہو گئے تو ذوالجناح بین کرتا اور شہیدوں میں پھرتا رہتا تھا۔ عمر بن سعد نے کہا کہ اس گھوڑے کو پکڑ لاؤ کیونکہ یہ نجیب اور اصیل گھوڑا ہے۔ جو شخص پکڑنے آتا وہ اسے دانتوں سے کاٹتا اور پیروں سے مارتا اور جہنم میں پہنچا دیتا۔

ابن سعد نے دیکھا کہ اب کوئی چارہ نہیں رہا تو حکم دیا کہ اُسے اپنے حال پر چھوڑ دو اور دیکھو کہ کیا کرتا ہے۔ لشکر والے دُور ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ذوالجناح امام حسینؑ کی لاش پر آیا اور نالہ و زاری اور بیان کرنے شروع کر دیے۔ سب نے دیکھا کہ ذوالجناح حضرت امام حسینؑ کی خوشبو سونگھتا ہے اور حضرتؑ کے زخموں پر منہ رکھ کر چومتا ہے اور ایسی ماں کی طرح روتا ہے جس کا نوجوان بیٹا مر گیا ہو۔

پھر انھوں نے دیکھا کہ ذوالجناح میدان سے واپس آیا اور خیام میں مخدرات کی طرف سے رخ کیا۔ خیام کے دروازے پر روتا ہوا ہنہنایا تو تمام مخدرات بے سروپا برہنہ باہر دوڑیں۔ جب ذوالجناح کو خالی دیکھا تو دل سے سرد آہیں نکلیں

اور چہروں پر ماتم کرنے لگیں اور یہ بیان کیے: واسیداہ واحُسیناہ..... اور ذوالجناح کے اردگرد ماتمی حلقہ بنا لیا۔ ہر کوئی ذوالجناح سے اپنی زبانِ حال میں باتیں کر رہا تھا۔ البتہ ان سب کا ایک سوال مشترک تھا اور وہ یہ تھا کہ اے ذوالجناح! تم تو اپنے مالک کے بڑے وفادار تھے، انھیں کیوں چھوڑ آئے ہو اور واپس نہیں لائے ہو؟

ذوالجناح بہت شرم کرنے والا تھا لہٰذا شرم کے مارے اپنے دائیں ہاتھ کو پیٹ کے نیچے کرلیا اور بائیں ہاتھ کو آگے لمبا کرلیا اور اپنے سر کو شرمندگی کی وجہ سے بائیں ہاتھ کے نیچے چھپالیا جب کہ آنسو مسلسل بارش کی طرح جاری تھے۔ اور بچوں، مخدرات کی غربت اور حالت ذوالجناح کو مزید بے قرار کر رہی تھی اور ان مظلوموں کا دکھی انداز میں اس قدر گریہ وزاری سنی تو دیوانہ وار کبھی اس طرف جاتا اور کبھی اُس طرف جاتا نیز دکھ اور پریشانی کی وجہ سے اس قدر اپنا سر زمین پر مارا کہ روح پرواز کر گئی۔ چنانچہ ابن شہرآشوب نے مناقب میں لکھا ہے:

اِنَّہٗ رَمٰی بِنَفْسِہٖ عَلَی الارضِ وَجَعَلَ یَصهَلُ وَیَضرِبُ رَأسَهُ الارضِ عِندَ الخیمة حَتّٰی مَاتَ

مرحوم قزوینی حدائق الانس میں لکھتے ہیں: ذوالجناح کی حالتِ موت کے بارے چار روایات اور بھی ہیں:

① صاحب روضۃ الشہداء ابوالموید خوارزمی سے نقل کرتے ہیں کہ ذوالجناح امامؑ کی شہادت کے بعد بیابان کی طرف چلا گیا اور کسی نے اس کو پھر نہ دیکھا اور غائب ہو گیا۔

② مرحوم دربندی لکھتے ہیں: جناب شہربانو اس ذوالجناح پر سوار ہوئیں اور وہ شہرِ رے آگئیں البتہ یہ روایت نہایت ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

③ ابومخنف نے عبداللہ بن قیس سے نقل کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امامؑ کا ذوالجناح دشمنوں کو امامؑ سے دُور کر رہا تھا، پھر خیام کی طرف آیا۔ وہاں سے فرات کی طرف گیا اور خود کو فرات میں ڈال دیا اور اس میں ڈوب گیا پھر اسے کسی نے نہیں دیکھا۔

④ بعض نے لکھا ہے کہ یہ ذوالجناح کربلا سے مدینہ آیا اور مسجد نبویؐ کے سامنے پہنچ کر امامؑ کی شہادت کی خبر رسول پاک کو دی اور اب ذوالجناح امام زمانہؑ کے پاس موجود ہے۔

پامالیٔ لاش سید الشہداءؑ

مرحوم کلینی اپنی کتابِ شریف 'کافی' میں ادریس بن عبداللہ سے نقل کرتے ہیں:

لَمَّا قُتِلَ الحُسَین ارادُوا وَالقَومَ اَن یُوطئوہ الخَیلَ

جب امامؑ شہید ہوئے تو ابن سعد کے لشکر نے امامؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑانے چاہے، جنابِ فضّہ نے جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کی خدمت میں عرض کیا کہ دشمن پامالی کرنا چاہتے ہیں۔ اے بی بی زینب! سفینہ جو رسول پاکؐ کا آزاد کردہ غلام تھا، جب دریا میں اس کی کشتی ٹوٹ گئی اور تیرتے ہوئے ایک جزیرہ میں پہنچے تو ایک شیر نے سفینہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ سفینہ نے فوراً کہا:

یا ابَا الحارث اَنَا مولٰی رسول اللّٰہ

''اے شیر! میں رسولؐ اللہ کا آزاد کردہ غلام ہوں، مجھے اذیت نہ دینا''۔

فَہَمہَمَ بَینَ یَدَیہِ حَتّٰی اَوقَعَہُ بَینَ الطّریق

جونہی شیر نے رسول پاکؐ کا نام سنا تو سفینہ کو اذیت نہ دی بلکہ سفینہ کو اشارہ کر کے اپنے اُوپر سوار کیا اور راستے پر لے آیا۔ پھر جنابِ فضّہ نے عرض کیا: اے بی بی زینب! میں نے سنا ہے کہ اس علاقہ میں بھی ایک شیر رہتا ہے، اگر مجھے اجازت ہو تو میں جاؤں اور اس شیر کو اس واقعۂ شہادتِ امامؑ کی اطلاع دوں تا کہ اس غربت اور بے بسی کی حالت میں وہ ہماری فریاد کو پہنچے اور مولاؑ کے جسم کی حفاظت کرے۔

بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے اجازت دے دی۔ جنابِ فضّہ صحرا کی طرف گئیں اور خود کو شیر کی کچھار تک پہنچایا، نزدیک گئیں اور بلند آواز سے کہا:

یَا اَبَا الحارث فَرفَعَ رَأسَہٗ اے ابوالحارث! شیر نے سر اُٹھایا تو فضّہ نے کہا: أَتَدرِی مَا یُرِیدُونَ اَن یَعمَلُوا غَدًا بابی عبداللّٰہ ''اے شیر! تم جانتے ہو کہ خدا سے بے خبر اس گروہ کا کل کیا ارادہ ہے اور سلطانِ دین و دنیا کے جسم کے بارے میں کیا سوچ ہے؟'' یُرِیدُونَ اَن یُوطِئُوا الخَیلَ ظَھرہ ''ان ملاعین کا ارادہ ہے کہ امامؑ کے بدن پر گھوڑے دوڑا دیں اور سینۂ اقدس اور پشتِ مبارک کی ہڈیوں کو چُور چُور کر دیں''۔

جب شیر نے یہ دکھی خبر سنی تو غراتا اور آنسو بہاتا ہوا سید الشہداء علیہ السلام کے مقتل میں آیا اور پُرحسرت نگاہوں سے شہداء کو دیکھا، زار و قطار رویا اور شہیدوں کے بدنوں میں جسم مطہر سید الشہداءؑ کو تلاش کر کے اس طرح کرتا کہ ہر شہید کو دیکھتا اور آگے گزر جاتا بالآخر امامؑ کے زخمی بدن کو تلاش کر لیا۔ یہ ایسا بدن تھا جس کے تمام اعضاء و جوارح زخمی تھے اور کوئی عضو سالم نہ تھا۔ شیر نے اپنے دونوں ہاتھ اس شہید کے بدن پر ایسے رکھے کہ بدن شیر کے ہاتھوں کے نیچے چھپ گیا اور محفوظ ہو گیا۔

لشکرِ کوفہ نے گھوڑے بدن پر دوڑانے چاہے تو دیکھا کہ شیر لاش پر بیٹھا ہے۔ ابن سعد کو خبر دی تو اس ملعون نے کہا کہ

یہ ایک امتحان اور آزمائش ہے، اسے آشکار و ظاہر نہیں ہونا چاہیے۔ پھر لشکریوں کو حکم دیا کہ فی الحال لاش پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں کیوں کہ اس میں مصلحت نہیں۔ یہ ملعون پامالی سے منحرف ہوگئے اور شیر گیارہویں کی رات شہداء کے پاس رہا اور لاشِ امامؑ کی حفاظت کرتا رہا۔ پھر گیارہ محرم کو مقتل کو چھوڑ کر چلا گیا۔

گیارہ محرم کی عصر کے وقت جب ابن سعد نے اپنے فوجیوں کی لاشوں کو دفن کرنے کا حکم دیا تو شیر کے چلے جانے کی وجہ سے چند لوگوں سے کہا کہ اب حسینؑ کے بدن پر گھوڑے دوڑا دو، تا کہ ابن زیاد کے حکم پر عمل درآمد ہو جائے۔

علامہ مجلسی نے بحار (ج ۴۵، ص ۵۹) میں پامالی کرنے والوں کے نام یہ لکھے ہیں: ① اسحاق بن حیوہ الحضرمی ② اخنس بن مرثد ③ حکیم بن طفیل السنبسی ④ عمرو بن صبیح الصیداوی ⑤ رجا بن منقذ العبدی ⑥ سالم بن خیثمہ ⑦ صالح بن وھب ابی الجعفیان ⑧ واحظ بن ناعم ⑨ ہانی بن ثبیت الحضرمی ⑩ اُسید بن مالک

ابوعمرو زاہد سے روایت ہے کہ میں نے ان لوگوں کے نسب کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دس کے دس حرام زادے ہیں۔ جب مختار ثقفی نے انہیں پکڑا تو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کو زمین پر پھیلا کر میخیں ٹھوک دیں اور پھر ان خبیثوں کے ابدان پر اس قدر گھوڑے دوڑائے کہ یہ سب واصلِ جہنم ہوگئے۔

تنبیہ و توجیہہ: متعدد روایات موجود ہیں جن میں حضرت امامؑ کے بدنِ مطہر کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کرنا ثابت ہے۔ ان روایات سے ایک روایت امام باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے اور اس حدیث کا آخری فقرہ ہمارا شاہد ہے:

وَلَقَد قُتِلَ بِالسَّيفِ وَالسِّنَانِ والحجارہ والخشب وبالعصاء ولقدا وَطوءُ الخيلُ بَعدَ ذٰلِكَ

''فرمایا: حضرت سید الشہداءؑ تلواروں، نیزوں، پتھروں، لکڑیوں اور عصا سے قتل ہوئے اور شہادت کے بعد گھوڑوں سے بدن کو پامال کیا گیا''۔

شامِ غریباں اور غارتِ خیام

امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب لشکر والے امامؑ کی لاش لوٹنے سے فارغ ہوئے تو سوار اور پیادہ ظالم سپاہیوں نے خیام کی طرف ہجوم کیا اور لباس، چادریں، گھر کے سامان، سواریاں، آلات و اسبابِ حرب لوٹنے لگے اور اس لوٹ میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے رہے۔

اربابِ مقاتل نے لکھا ہے کہ پہلے تو فوجِ اشقیاء تلواریں نکال کر خیام میں داخل ہوئی اور لوٹنا شروع کیا۔ جب تمام سامان لوٹ لیا تو پھر مزید تجاوز کرتے ہوئے مخدرات اور بچوں کے لباس لوٹنے شروع کیے۔ چند لمحوں میں بچیوں کے

گوشوارے چھن گئے، کانٹے اُتر گئے اور مستورات کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں۔

اہلِ بیتؑ سید الشہداءؑ کے لیے سخت ترین مصائب کا وقت یہی تھا جب یہ پاک لوگ ان کمینہ صفت اور پست فطرت کوفیوں کے چنگل میں پھنس گئے۔ دشمنوں کی فوج کے ایک صحافی حمید بن مسلم نے کہا ہے:

فَوَاللّٰہِ لَقَد کُنتُ اَرَی المَرأَۃَ مِن نِسَائِہٖ وَبَنَاتِہٖ وَاَھلِہٖ تُنَازِعُ ثُوبَھَا وَعَن ظَھرِھَا حَتّٰی تَغلِبَ عَلَیہِ فَیَذھَب بِہٖ عَنھَا

"کہ خدا کی قسم! میں نے شامِ غریباں امام حسینؑ کی عورتوں، بیٹیوں اور اہلِ بیتؑ کو دیکھا کہ جب ان کی چادریں چھیننا چاہتے تھے تو یہ مخدراتِ عصمت قبل اس کے کہ نامحرم ان کی طرف چادر چھیننے کے لیے ہاتھ دراز کریں خود ہی اپنی چادریں، زیورات اور سامان زمین پر پھینک دیتی تھیں تاکہ نامحرم مال لوٹ کر چلے جائیں اور معترض نہ ہوں"۔

صاحب بیت الاحزان نے لکھا ہے: سب سے پہلے جسے لشکرِ کفار نے لوٹا وہ بی بی جنابِ زینب سلام اللہ علیہا ہیں کہ ان کے سر سے چادر اور مقنعہ چھین لیا گیا۔ گوشوارے کانوں سے کھینچ لیے۔ ان کے بعد جنابِ اُم کلثومؑ، جنابِ فاطمہ کبریٰؑ کے گوشوارے اس قدر جلدی سے کھینچے کہ ان کے کان بھی زخمی ہو گئے۔

کتاب مصائب المعصومینؑ میں لکھا ہے: شمر ملعون جب امام سجاد علیہ السلام بیمارِ کربلا کے خیمہ میں داخل ہوئے، شمر کے ساتھ چند اور بھی منافق تھے جنھوں نے امام سجادؑ کو قتل کرنا چاہا۔ شمر نے اجازت دی کہ جس طرح اپنے بستر پر سوئے ہیں اسی حالت میں قتل کر دو۔

حمید بن مسلم کہتا ہے: میں آگے آیا اور کہا: سبحان اللہ! کیا تم چھوٹے بچوں کو قتل کرتے ہو۔ اے قوم! یہ بزرگوار! عمر نوجوانی میں ہے اور اس قسم کا صدمہ اور بیماری دیکھ رہا ہے اسے چھوڑ دو۔ جب میں نے بہت منت سماجت کی تو وہ ملعون امامؑ کے قتل سے باز آئے۔ لیکن جنابِ زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

نَظَرَ اِلٰی زَینِ العَابِدِینَ فَرَاٰہُ مَطرُوحًا عَلٰی نَطعٍ مَنَ الاَدِیمِ وَھُوَ عَلِیلٌ فَجَذَبَ النَّطعَ مِن تَحتِہٖ وَالقَاہُ مَکبُوبًا عَلٰی وَجھِہٖ

"نیلی آنکھوں والے ملعون نے ہمارا سامان لوٹا، پھر اس ملعون کی نظر امام سجاد سید الساجدینؑ پر پڑی۔ امام چمڑے کے ٹکڑے پر سوئے ہوئے تھے اور سخت بیمار تھے۔ اس ملعون نے چمڑے کے اس ٹکڑے کو اس زور سے کھینچا کہ امام سجادؑ منہ کے بل زمین پر گر گئے"۔

شیخ صدوقؒ امالی میں جناب فاطمہ بنت الحسینؑ سے روایت لکھتے ہیں: جب فوجِ اشقیاء ہمارے خیام میں داخل ہوئی تو میں چھوٹی سی تھی، میرے پاؤں میں دو سونے کی پازیبیں تھیں۔ ایک ملعون آیا اور وہ پازیبیں میرے پاؤں سے اتارنے لگا اور وہ رو بھی رہا تھا۔ میں نے کہا تو روتا کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا: گریہ کیسے نہ کروں کہ دخترِ رسولؐ کی توہین کر رہا ہوں۔

میں نے کہا: اگر تو جانتا ہے کہ میں دخترِ رسولؐ ہوں تو پھر لوٹتا کیوں ہے؟

ملعون نے کہا: میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں (یہ پازیبیں) نہ اتاروں گا تو کوئی اور آ کر اُتار لے گا۔

جنابِ فاطمہؑ کبریٰ فرماتی ہیں: جو کچھ ہمارے خیام میں تھا وہ لوٹ لیا گیا حتیٰ کہ ظالم ہمارے سروں سے چادریں بھی چھین کر لے گئے۔ بی بی فرماتی ہیں: خیام لٹنے کے بعد میں خیام کے دروازے پر کھڑی تھی اور اپنے بابا اور اصحاب کے ٹکڑے ٹکڑے ابدان کو "قربانی کے گوشت کی طرح" زمین پر پڑا دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ بے دین گروہ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اِدھر اُدھر جا رہے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ بابا کی شہادت کے بعد بنی اُمیہ ہمارے ساتھ کیا کریں گے؟ کیا ہمیں قتل کر دیں گے یا قیدی بنائیں گے؟

اچانک میں نے دیکھا کہ ایک بے حیا ملعون گھوڑے پر سوار آیا اور عورتوں کو آگے لگاتے ہوئے نیزے کی اَنی سے زخمی کر کے ہانک رہا تھا۔ ان بیبیوں کی کوئی پناہ نہ تھی اس لیے ایک دوسرے کی پناہ لیتی تھیں حالانکہ ان بیبیوں کا سامان اور لباس لوٹ لیا گیا تھا۔ ان بیبیوں کی فریاد اور آواز یہ تھی:

وَامُحَمَّدَاهُ وَا اَبَتَاهُ وَاعَلِيَّهُ وَاقِلَّةِ نَاصِرَاه وَاحَسَنَاهُ وَاحُسَيۡنَاهُ

کبھی کبھی یہ بھی استغاثہ کرتی تھیں:

اَمَا مِن مُجِيۡرٍ يُجِيۡرُنَا وَاَمَا مِن ذَائِدٍ يَذُوۡدُ عَنَا

"یعنی کوئی ہے جو رسولؐ زادیوں کو پناہ دے، کوئی ہے جو رسولؐ کی بیٹیوں کو ظالموں کے شر سے بچا سکے"۔

جناب فاطمہؑ کبریٰ فرماتی ہیں: میں یہ حال دیکھ کر پریشان ہوگئی اور میرے ہوش اُڑ گئے، میرے جسم میں کپکپی طاری ہوگئی اور اس بے حیا سوار کے ڈر سے کبھی پھوپھی اُم کلثومؑ کی دائیں طرف جاتی اور کبھی بائیں طرف جاتی تھی کہ اس ظالم کے شر سے محفوظ رہ سکوں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ وہ ملعون میرا تعاقب کر رہا ہے اور لحظہ بعد میں نے محسوس کیا کہ اس ملعون کے نیزے کی اَنی میرے کندھوں کے درمیان آ لگی ہے۔ میں فوراً زمین پر گر پڑی۔ وہ بے حیا، بے مروت اپنے گھوڑے سے اُترا اور میرے خلخال اس طرح کانوں سے کھینچے کہ میرے کان زخمی ہو گئے۔ پھر میری چادر اور مقنعہ اُتارا اور خیام کی جانب چلا گیا۔

میں زمین پر گری ہوئی تھی، میرے چہرے سے خون جاری تھا، شدید صدمے اور تکلیف کی وجہ سے غش کھا گئی۔ جب غشی کی حالت ختم ہوئی اور ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ پھوپھی زینبؑ میرے پاس بیٹھی ہیں اور رو رو کر فرماتی ہیں: اے پھوپھی کی جان! اے فاطمہؑ! اُٹھو تا کہ خیمہ کے اندر جائیں اور دیکھیں کہ باقی بیٹوں اور تمہارے بیمار بھائی سجادؑ پر کیا گزری ہے۔ میں اُٹھی اور عرض کیا: پھوپھی اماں! کیا آپؑ کے پاس کوئی کپڑا ہے کہ نامحرموں سے اپنے سر اور چہرے کو ڈھانپ لوں۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا: اے فاطمہؑ! عَمَّتُكِ مِثْلُكِ تیری پھوپھی بھی تیری طرح ہے یعنی میری چادر بھی چھین لی گئی ہے اور سر ڈھانپنے کے لیے کچھ نہیں بچا۔

جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں: جب میں پھوپھی کے ساتھ خیمہ میں آئی تو دیکھا کہ خیمہ میں جو کچھ تھا وہ لٹ چکا ہے اور بھائی سجادؑ اسی حال میں منہ کے بل خاک پر پڑے تھے۔ کیونکہ ظالم نے امام سجادؑ کے نیچے سے چمڑے کا فرش ایسے زور سے کھینچا تھا کہ بیمار امامؑ منہ کے بل زمینِ کربلا پر گر گئے۔ اور ابھی اسی حالت میں پڑے تھے۔ وہ بیمار تھے اور تشنگی و خستگی کی وجہ سے اُن میں اٹھنے، بیٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ جب پھوپھی اور میں نے بیمار کو اس حال میں دیکھا تو بے اختیار گریہ کیا۔ امام سجادؑ نے بھی بہت گریہ کیا۔ وہ ہماری غربت اور دربدری پر رو رہے تھے اور ہم ان کی بیماری، پیاس، بھوک اور خاک پر اُوندھے منہ پڑے ہونے پر رو رہے تھے۔ پس ہم نے سجادؑ بیمار کے بازو کو پکڑ کر زمین سے اٹھایا اور سیدھا کر کے بٹھایا اور سب نے گریہ کیا۔ بیمارِ مظلومؑ کے پاس بیٹھ کر سب بیبیاں رو رہی تھیں نیز خوف و اضطراب اور ماتم کر رہی تھیں۔ امام سجادؑ کی حالت یہ تھی کہ نہ سو سکتے تھے اور نہ بیٹھ سکتے تھے بلکہ شدتِ بھوک اور پیاس کی وجہ سے کبھی سر خاک سے اٹھاتے اور کبھی خاک پر رکھ دیتے تھے۔ کبھی پریشان بیبیوں کی طرف دیکھتے کہ برہنہ ہیں اور تازیانوں اور نیزوں کی وجہ سے بدن پژمردہ اور خشک ہو گئے ہیں جس سے امامؑ کو اور زیادہ تکلیف ہوئی۔

شیخ مفید مرحوم حمید ابن مسلم سے نقل کرتے ہیں: خیموں کے لٹنے اور مستورات کے سر برہنہ ہونے کے بعد ہم بیمارِ کربلا کے سرہانے پہنچے۔ شمر نے ساتھیوں سے کہا: اس بیمار کو قتل کر دو۔ حمید کہتا ہے کہ میں نے شمر کو ملامت کی اور کہا: کیا اس گھر میں اس قدر مقتولین کافی نہیں ہیں؟

صاحب اخبار الاوّل نے لکھا ہے کہ شمر نے امامؑ کو قتل کرنے کے لیے خنجر کھینچا تو ہر طرف سے بچوں اور مستورات کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے آپ کو امام زین العابدینؑ پر گرا دیا اور امامؑ کو اپنی بغل میں کر لیا اور بہت روئیں لیکن بھائی حسینؑ کی وصیت پر عمل کیا کیونکہ امام حسینؑ نے وصیت کی تھی کہ بہن! میری شہادت کے بعد ظالم کئی مرتبہ میرے بیمار بیٹے کو قتل کرنا چاہیں گے، تب آپؑ سے جس قدر ہو سکے گریہ وزاری کرنا اور آنسو بہا بہا کر حجت

خدا کی جان کی حفاظت کرنا۔

پس جناب زینبؑ امام سجادؑ کے اُوپر گر پڑیں اور شمر سے فرمایا: وَاللّٰہ لَا تقتُل حَتّٰی اَقتُلَ ''خدا کی قسم! میں اپنے بیمار کو مقتول نہیں دیکھوں گی، تو پہلے مجھے قتل کردے''۔

شمر ملعون خنجر ہاتھ میں لیے ہر طرف ھرولہ کر رہا تھا اور دکھی عورتیں اور ڈرے ہوئے بچے آہ وزاری کر رہے تھے۔ گریہ وزاری اس قدر شدید تھی کہ عمر بن سعد دوڑتا ہوا جبکہ اس ملعون نے سیدالشہداءؑ کی زرہ پہن رکھی تھی، مخدرات کے نزدیک آیا اور گریہ وزاری سنی۔ اہلِ بیتؑ نے فریادیں کیں اور بچوں نے روتے ہوئے کہا: اے ظالم! اولادِ علیؑ پر آخر کس قدر ظلم وتشدد کرتے رہو گے؟ اے بے رحم! ہم کس کس مصیبت پر صبر کریں؟

ابن عمر اگرچہ بڑا شقی القلب تھا لیکن مستورات کے گریہ وزاری سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے اصحاب سے کہا:

لَا یَدخلَ مِنکُم اَحَدٌ بَیوتَ ھٰولاءِ النِسَاءِ وَلَا تَعرضُوا لِھٰذا الغلام

''کوئی شخص بھی ان عورتوں کے گھروں (خیموں) میں داخل نہ ہو کسی کو اجازت نہیں اور کوئی بھی اس نوجوان سے معترض نہ ہو''۔

جب پاک مستورات نے اس لعنتی کردار سے ذرا بھر ترحم دیکھا تو ایک خواہش اور کردی:

سَئَلَتهُ النسوة لِیَسترجع مَا اَخذَ مِنھُنَّ لِیَستُرنَ بہٖ

''جو لشکر نے ہمیں سے لوٹا ہے وہ سامان، خصوصاً چادریں واپس کردے تاکہ ہم اپنا پردہ بنا سکیں''۔

ابن سعد نے لشکر کو بلند آواز سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

مَن اَخَذَ مِن مَتَاعِھِنَّ شَیئًا فَلیَردَّہٗ عَلَیھِنَّ

''جس جس شخص نے ان پردہ داروں کا مال ومتاع لوٹا ہے واپس لوٹا دو''۔

لیکن افسوس کہ کسی ایک نے بھی کوئی ایک شے واپس نہ لوٹائی۔

وَکّلَ بِالفُسطَاطِ وَبَیُوتِ النِسَاءِ وَعَلی بن الحُسَین جماعة مِمَّن کَانُوا مَعَہٗ وَقَالَ اِحفظُوھُم لِئلَّا یَخرُجَ مِنھُم اَحَدٌ لَا تَسئوُنَ اِلَیھِم

''اس کے بعد عمر سعد نے خیام پر ایک جماعت کو مقرر کیا کہ ان عورتوں اور بچوں کی حفاظت کریں تاکہ کوئی ان سے باہر نہ نکل پائے نیز کوئی شخص ان کو اذیت نہ دے اور ان کے خیام کی حفاظت کرو۔ یہ حکم دے کر ابن سعد چلا گیا''۔

خیامِ حسینیؑ کو آگ لگانا

جب خیام اور اہلِ خیام کی حفاظت کے لیے ابن سعد نے ایک جماعت مقرر کی تو شمر بہت غضب ناک ہوا اور خولی و سنان سے کہا کہ آخر ابن سعد اولادِ علیؑ سے اس قسم کا نرم برتاؤ کیوں کرتا ہے حتیٰ کہ اُس نے بیمار کی سفارش کی اور ہمیں اس کے قتل سے باز رہنے کی تاکید کی۔ تم دونوں دیکھتے رہو اور ابن زیاد کے سامنے ابن سعد کے خلاف گواہی دینا ہے۔

جب شمر کے نظریے کی اطلاع ابن سعد کو ملی تو وہ خوف سے مارا مارا آیا اور کہا: اے لشکر ہمارا مقصود حسینؑ تھا، اسے قتل کر دیا ہے لیکن عورتوں اور بچوں کا کوئی قصور نہیں، پھر جو انھوں نے دکھ دیکھ لیے، پریشانیاں دیکھ لیں اور مصیبتوں پر تحمل کیا۔ اب اس پر تم راضی نہیں ہو اور میرے اس حکم پر خوش نہیں ہو تو جاؤ میں یہ حکم واپس لیتا ہوں جو ظلم کر سکتے ہو کرو مگر میری شکایت نہ کرنا۔ پس شمر ملعون چند دشمنوں کے ساتھ خیام کے پاس آیا اور حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو خیام سے نکال دو۔

سید بن طاؤس در لہوف میں فرماتے ہیں:

ثُمَّ اَخرَجَ النِسَاءَ مِنَ الخَیمَۃ وَاَشعَلُو فِیهَا النَّارَ فَخرَجنَ حواسر ، ملباتٍ حَافِیَاتٍ بَاکِیَاتٍ یَمشِینَ سَبَایَا فِی اُسَرِ الذِلَّۃِ

"راوی کہتا ہے کہ تمام عورتوں اور بچوں کو خیام سے باہر نکالا گیا۔ پھر خیام کو آگ لگا دی گئی۔ مخدراتِ عصمت نے جب یہ حالت دیکھی تو سر برہنہ اور ننگے پاؤں روتے اور آہ و فریاد کرتے ہوئے وہاں سے نکلے۔ اس وقت ان بے دینوں نے انھیں قیدی بنایا اور ذلت و خواری سے لے گئے"۔

مرحوم قزوینی رقم طراز ہیں: راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ تمام مخدرات باہر دوڑیں حتیٰ کہ بچوں کو پابرہنہ گرم ریت پر آرام نہ آتا تھا، کبھی دائیں بھاگے اور کبھی بائیں بھاگتے تھے اور ہر بچہ یا محمدؐ، یا علیؑ کا ورد کر رہا تھا۔ لیکن میں نے ایک مخدرہ معظمہ خاتون کو دیکھا کہ آگ لگے خیمے میں تھی، کبھی باہر جاتی اور کبھی خیمہ کے اندر جاتی۔ بہت مضطرب اور پریشان تھی۔ میں نے سوچا کہ کوئی قیمتی چیز خیمہ میں ہے۔ میں نے پوچھا کہ خیمہ سے دُور کیوں نہیں جاتی؟ اس معظمہ بی بی نے فرمایا کہ اس آگ لگے ہوئے خیمے میں میرا بیمار بھتیجا ہے۔

★ ★ ★

گیارھویں فصل

شبِ شامِ غریباں کے ہولناک واقعات

اس رات بہت ہولناک واقعات ہوئے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دو بچوں کی شہادت

صاحبِ کتاب ہٰذا کا بیان ہے: خیامِ حرم میں آگ لگنے اور کوفی وشامی بھیڑیوں اور کتوں کے وحشیانہ حملوں کے بعد مخدراتِ عصمت اور بچے، ان خونخوار درندوں سے محفوظ رہنے کے لیے اِدھر اُدھر متفرق ہو گئے۔ پھر آگ کے بجھ جانے اور ان بے غیرتوں کے چلے جانے کے بعد اسی حاطہ میں پھر اہلِ بیتؑ اور مستورات، چھوٹے بچے دوبارہ جمع ہو گئے اور مل کر حلقہ بنایا۔

بحرالمصائب میں ہے کہ گیارھویں کی پُر درد رات جنابِ زینبؑ کبریٰ نے فِضّہ سے فرمایا: میرے بھائی کے بچوں کو ایک ایک کر کے اکٹھا کریں لیکن پتا چلا کہ دو بچے نہیں ہیں۔ دکھی دل سے گریہ زاری کی اور اپنے آپؑ سے کہا: مجھے تو بھائی کی وصیت ہے کہ میرے بچوں کا خیال رکھنا، آج پہلے دن ہی وصیت پر عمل نہ ہو سکا۔ تعجب ہے زینبؑ کی غربت پر۔ آج صبح جب بھائی نے وداع کیا تو اہم وصیت یتیموں کی حفاظت کی تھی۔ پھر اپنی بہن اُم کلثومؑ سے فرمایا: آج ہم سب مصائب میں گھرے رہے، میں نہیں جانتی کہ یہ دو بچے کہاں گئے ہیں؟ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے ہیں؟

پس دونوں بہنیں کربلا کے صحرا میں بچوں کو تلاش کرنے کے لیے نکلیں۔ ہر طرف بچوں کو تلاش کیا حتیٰ کہ ایک ٹیلے کے قریب پہنچیں جس پر گھاس اُگی ہوئی تھی تو ایک چھوٹے سے پودے کے نیچے ان دونوں یتیموں کو دیکھا کہ ایک دوسرے کی گردن میں بانہیں ڈالے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کے منہ پر منہ رکھا ہوا ہے اور اس قدر یہ شہزادے روتے رہے ہیں کہ خاکِ کربلا آنسوؤں سے گیلی ہو چکی ہے۔

جنابِ زینبؑ نے بہن اُم کلثومؑ کو بلایا کہ بچے مل گئے ہیں، دونوں بہنیں ان کے سرہانے بیٹھی روتی رہیں، پھر جنابِ زینبؑ نے فرمایا: بہن! اب رونے کا فائدہ نہیں اُٹھو ایک کو تم اُٹھاؤ اور ایک کو میں اٹھاتی ہوں، لیکن آہستہ آہستہ اٹھایا کہیں نیند سے بیدار نہ ہو جائیں کیوں کہ بھوکے اور پیاسے ہیں لیکن جوں ہی ان کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ دونوں شہید ہو چکے ہیں۔

خدا نے حضرت موسیٰؑ نبی کے لیے یہ روضہ خوانی کی تھی: یَامُوسٰی صَغِیرُھُم یُمِیتُہُ العَطَش وَکَبِیرُھُم جِلدُہُ منکَمِش

گویا یہی چھوٹے بچے ہوں گے جو تشنگی سے فوت ہو گئے۔

امام حسینؑ کی انگلیاں کاٹنا

مرحوم صدر قزوینی نے اس کافر کا مفصل حال تین کتابوں بحار، منتخب طریحی اور تاج الملوک سے نقل کیا ہے جو ہم یہاں مختصراً بیان کرتے ہیں:

ایک حجازی شخص کہتا ہے: ایک دن میں مدینہ کے کوچہ میں سے گزر رہا تھا کہ جناب جابر بن عبداللہ انصاری سے ملاقات ہوگئی جن کے ہاتھ کو نظر کی کمزوری کی وجہ سے غلام نے پکڑا ہوا تھا لیکن جابر بہت روتے جا رہے تھے۔ میں آگے بڑھا اور رونے کی وجہ پوچھی۔

جابر نے کہا: ابھی قبر رسولِ مطہرؐ کی زیارت سے آ رہا ہوں، راستے میں اس غلام نے کہا: ایک شخص کی ہیئت دیکھ کر مجھ میں لرزہ پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے غلام سے پوچھا کہ یہ شخص کس صورت کا ہے؟

غلام نے کہا: یہ شخص ایک گدا ہے جس کا چہرہ تارکول کی طرح سیاہ ہے، بالوں کو گویا آگ لگی ہوئی ہے، آنکھیں سرخ اور پھٹی ہوئی ہیں اور ہاتھ خشک شدہ ہیں۔

میں نے غلام سے کہا کہ جاؤ اس شخص کو بلا کر لاؤ۔ غلام گیا اور اس شخص کو بلا لایا۔ جب بازار سے نکل گئے تو تنہائی میں اس شخص سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ اور اس قدر بدصورت کیوں ہو گیا ہے؟

اس شخص نے کہا: اے جابر! میں تمہیں پہچانتا ہوں کہ پاک رسولؐ کے صحابۂ خاص میں سے ہو اور تم بھی مجھے پہچانتے ہو کہ میں بریدہ بن وائل ہوں جو امام حسینؑ کے قافلہ کا ساربان تھا۔ ابھی یہ کلام اس کے منہ میں تھی کہ بہت رویا۔ جابر نے بھی جب امام حسینؑ کا نام سنا تو بہت روئے۔

پھر اس بدبخت شخص نے کہا: کربلا کے سفر میں خامسِ آلِ عباؑ ہمیشہ مجھ پر مہربانی کرتے رہتے تھے۔ ایک منزل پر تجدیدِ وضو کے لیے شلوار اور قمیص کو اُوپر کیا تو میری نظر سنہری ازار بند پر پڑی جو بادشاہ ایران نے اپنی بیٹی جنابِ شہر بانو کو بطور ہدیہ دیا تھا اور اس ازار بند میں جواہر پروے ہوئے تھے اور بہت قیمتی تھا۔ میرے دل میں یہ ازار بند لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ حضرت امام عالی مقامؑ سے مانگنے کا ارادہ کرتا لیکن حضرتؑ کی ہیبت مانع ہو جاتی۔ انتظار میں تھا کہ امامؑ کے ازار بند کو چوری

کرلوں لیکن چوری کرنے کا موقع بھی نہ ملا اور قافلہ کربلا میں پہنچ گیا۔

شب عاشور جب امامؑ نے تمام صحابیوں، غلاموں اور ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور ان کو اپنے وطن پلٹ جانے کی ہر ایک کو اجازت دے دی۔ مجھے بھی فرمایا اور معذرت بھی کی کہ میرے حالات تبدیل ہو گئے ہیں، معاف کرنا جس قدر میرا کرایہ بنتا تھا اس سے زیادہ اور انعام کے ساتھ دیا اور وطن کو چلے جانے کی اجازت بھی دے دی۔ مگر اس قدر تاکید کی کہ آج رات اس سرزمین سے نکل جا، کیونکہ میرا اور میرے جوانوں کا قبرستان یہاں ہی ہے اور اگر اس صحرائے کربلا میں رہو گے تو تمہارے اُوپر بہت مشکل ہوگا۔

میں آگے بڑھا اور آپؑ کے دونوں ہاتھوں پر بوسہ دیا اور اپنا کرایہ اور انعام وصول کیا۔ آقا زادوں سے خدا حافظی کی، اُونٹوں کو آگے لگایا اور روانہ ہوگیا۔ راستے میں ازار بند کا خیال آیا کہ ازار بند حاصل نہ کرسکا۔ بہت پریشان ہوا اور بہت ہی تکلیف ہوئی کہ ازار بند حاصل نہ ہوسکا۔ بالآخر مصمم ارادہ کیا کہ جس طرح ممکن ہوا ہر صورت ازار بند لوں گا۔ لہٰذا کربلا کے شرقی سمت کی طرف سے ایک تحتانی جگہ تھی اس میں اتر گیا، اُونٹوں کو چراگاہ کی طرف بھیج دیا، بالآخر دسویں کا دن غروب ہوا البتہ عصر کے وقت بہت تنگ ہوا تھا کہ اچانک ہوا تاریک ہوگئی، سخت آندھی چلی، زلزلہ آیا، سورج کی ٹکی سیاہ ہوگئی تھی، نعرے بلند ہو رہے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ اس کائنات میں کوئی عظیم حادثہ ہوگیا ہے کہ زمین میں زلزلہ ہے، آسمان سے خون برس رہا ہے، اپنے آپ پر کنٹرول نہ کرسکا لہٰذا اُٹھا اور اُونٹوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا اور خود نینوی میں آیا۔ دیکھا کہ ابن سعد کا لشکر واپس جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: اہلِ کوفہ نے امامؑ کو شہید کردیا ہے اور اہلِ بیتؑ کو قیدی بنا لیا ہے۔

میں اپنے مقصد کے حصول کی خاطر قتل گاہ کی طرف گیا۔ میری نظر ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جسموں پر پڑی کہ بغیر غسل و کفن کے خاک پر پڑے ہیں۔ ان مقتولین کے درمیان گردش کی کہ میری نظر ٹکڑے ٹکڑے ہوئے نازنین جسدِ حسینؑ پر پڑی کہ خاک پر پڑے ہیں اور دشمن لباس بھی لوٹ کر لے گئے۔ اس تاریکی شب کے باوجود ان کے بدنِ مبارک سے نور چمک رہا تھا جو چاند کے نور پر غالب تھا۔ میں نے وہ شلوار تلاش کی جس میں ازار بند تھا جب ازار بند کو دیکھا تو حضرتؑ نے کئی گرہیں لگائی ہوئی تھیں تا کہ کوئی کھول نہ سکے۔ میں خوش ہوا اور ڈرتے کانپتے ہوئے ازار بند کو کھولنے میں مشغول ہوگیا، اچانک دیکھا کہ امامؑ نے دایاں ہاتھ بلند کیا اور ازار بند پر رکھ دیا۔ میں ڈر گیا اور اپنی جگہ سے اُٹھا اور حیران ہوا کہ اگر زندہ ہیں تو پھر سر کیوں نہیں؟ اور اگر زندہ نہیں تو ہاتھ کو کس طرح حرکت دیتے ہیں، ایک لحظہ سوچا اور پھر شقاوت میرے اُوپر غالب ہوگئی اور قریب آیا، ہاتھ ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ہاتھ نہ ہٹا سکا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ حضرتؑ اسی دائیں ہاتھ سے مجھے اس قدر

شدید مارا کہ میری ہڈیوں کے جوڑ اور اعضاء کے جوڑ ٹوٹتے محسوس ہوئے۔ لیکن میں نے بہت بے شرمی کی اور حضرتؑ کے سینے پر پیر رکھا اور پوری طاقت سے ہاتھ کو بجائے خود ایک انگلی کو ازاربند سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن نہ ہٹا سکا۔ پس میرے پاس ایک چاقو تھا، اسے نکالا اور کھولا اور چاقو سے امامؑ کے ہاتھ کی پانچ انگلیاں کاٹ دیں۔

البتہ منتخب التواریخ میں لکھا ہے: تلوار سے حضرتؑ کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے تھے۔ وہ ظالم خود کہتا ہے: میں نے آسمان سے خوفناک صدائیں اور گرج سنی کہ زمین کانپنے لگی، میں نے اب ازاربند کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا کہ اپنے پیچھے سے گریہ وزاری کی بہت دکھی آواز سنی جس سے میرا جسم کانپنے لگا۔ آسمانی بجلی چمکی گویا آسمان سے کوئی تارہ ٹوٹ کر گرا ہو اور مجھے لگا ہو۔ پس اپنے آپ کو اسی قتل گاہ میں گرا دیا۔ اچانک دیکھا کہ پیغمبرؐ خدا، علی مرتضیٰؑ، فاطمہ زہراؑ اور حسن مجتبیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین اور دیگر بزرگان جن کو میں نہ جانتا تھا آئے ہیں اور امامؑ کے اردگرد حلقہ بنا کر ماتم کرنا شروع کر دیا:

فَنَادیٰ رَسُولُ اللّٰهِ! یَا سَبط احمد یَعَزُّ عَلَینَا اَن نِرَاكَ مُرَضَّضًا

''پیغمبرؐ خدا نے بلند آواز سے فرمایا: اے فرزند دختر احمدؐ! ہم پر یہ بہت گراں ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ کی لاش کو پامال کیا گیا ہے''۔

ثُمَّ مَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ یَدَهُ اِلٰی نَحوِ الکُوفَةِ

پھر پاک رسولؐ نے اپنا ہاتھ کوفہ کی طرف بڑھایا اور امامؑ کے سر کو کوفہ سے لائے اور بدن سے ملحق کر دیا''۔

اور امام اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپؑ نے پہلے پیغمبر اکرمؐ پر، پھر امیر المومنینؑ پر، پھر فاطمۃ الزہراءؑ پر اور پھر امام مجتبیٰؑ پر سلام کیا۔

پیغمبرؐ نے فرمایا: اے میرے دل کی ٹھنڈک! تجھے اس حال میں کیسے دیکھوں تمہارا جسم کیونکر اس طرح ٹکڑے ٹکڑے اور سوراخ سوراخ ہوا ہے۔ تمہارے جسم کی ہڈیاں کس طرح چور چور ہو گئی ہیں؟

عرض کیا: اے میرے ناناؐ!

مِن سَنَابِكِ الخَیلِ سَحَقِنِی وَهَشَّمَت عِظَامِی

''گھوڑوں کے سُموں (ٹاپوں) نے مجھے ایسے پیس دیا کہ تمام جسم کی ہڈیاں چور چور ہو گئی ہیں''۔

پیغمبرؐ خدا بلند آواز سے روئے اور وَاحُسَینَاهُ وَ وَا وَلَدَاهُ کے بین کرتے رہے۔ پھر حضرت امیر المومنینؑ آگے بڑھے اور فرمایا: حسینؑ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری ڈاڑھی خون آلود ہے اور چہرہ مجروح ہے، تمہیں گوسفند کی طرح ذبح کیا گیا ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے عرض کی: ہاں بابا! شمر ملعون نے میرا سر پسِ گردن کاٹا ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے بہت زیادہ رو لینے کے بعد فرمایا: اے کاش! میں زندہ ہوتا اور اپنی جان تمہارے اُوپر قربان کرتا۔ پھر جنابِ فاطمہ زہراءؑ اپنے شہید بیٹے کے قریب آئیں اور فرمایا: اے میرے نور! یہ تم حسینؑ ہو جو خاک پر پڑے ہو، ابھی تک تمہیں دفن ہی نہیں کیا گیا اور تمہاری قبر ہماری قبور سے دُور کر دی گئی۔

فَقَالَت الاَقِی اللّٰہِ فِی یَومِ حَشرِنَا وَاَشکُوا اَلَیہِ مَا الاَقِی مِنَ البَلَاءِ ثُمَّ مَرَّغت فَرقَھَا بِدَامِہٖ

''پس فرمایا: بروزِ قیامت خدا سے جب ملاقات کروں گی تو جو مصیبتیں مجھ پر اور میری اولاد پر آئیں سب کے لیے شکایت کروں گی، پھر اپنے فرزند حسینؑ کے خون سے اپنے سر کے بال خضاب کیے''۔

منتخب طریحی میں ہے کہ سید الشہداءؑ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: اے جدِ بزرگوار! خدا کی قسم! ہمارے جوانوں کو قتل کیا، ان کے لباس اور اموال کو لوٹ لیا گیا۔ اسی طرح کچھ لحظات جناب سید الشہداءؑ اپنے بزرگوں سے باتیں کرتے رہے اور اپنا حال بتاتے رہے۔ اس وقت جناب زہراءؑ نے رسولِؐ پاک کے حضور میں عرض کیا:

یا رسولؐ اللہ! آپ کی اُمت نے میرے فرزند پر یہ مصیبتیں نازل کی ہیں؟ اے بابا! مجھے اجازت دو کہ میں اپنے بیٹے کے خون سے اپنے سر کے بالوں کو خضاب کرلوں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اے فاطمہؑ! اپنے بالوں کو خضاب کرلو۔ میں بھی اپنی ریش کو خونِ حسینؑ سے خضاب کرتا ہوں۔ پس پیغمبر اکرمؐ، مولا علیؑ، جنابِ فاطمہؑ اور حسن مجتبیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین نے خونِ سید الشہداءؑ سے خضاب کیا۔ پھر رسولؐ اللہ کی نظر امام حسینؑ کے ہاتھوں پر پڑی تو فرمایا: اے میرے نورِ نظر!

مَن قَطَعَ یَدَکَ الیُمنٰی وَثَنِی بِالیُسرٰی

''تمہارے ہاتھوں پر کس ظالم نے ظلم کیا ہے؟''

امامؑ نے عرض کیا: میرا ایک ساربان تھا، ازار کے لالچ میں اُس نے میرے ہاتھوں پر ظلم کیا ہے۔ ابھی جب آپؐ تشریف لائے ہیں اس ملعون نے اسی وقت یہ کام کیا ہے۔ جب آپؐ کی آواز سنی تو اس نے اپنے آپ کو مقتولین میں چھپا دیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسولِؐ خدا اپنی جگہ سے اُٹھے اور میرے پاس آئے اور فرمایا: اے بے مروت! میرے بیٹے نے تیرا کیا نقصان کیا ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ کو جسے جبرئیلؑ اور ملائکہ چومتے تھے، تو نے شہید کر دیا۔ کیا پہلے زخم اور ضربیں کم تھیں کہ تم نے بھی ضربیں لگائیں۔ سَوَّدَ اللّٰہُ وَجھَکَ یَاجَمَّال ''اے جمال تیرا چہرہ سیاہ ہو۔ اب تو کبھی دنیا و آخرت میں اچھائی نہ دیکھے گا''۔ اور خدا تجھے دونوں ہاتھوں سے محروم کر دے گا اور بروزِ محشر قاتلین کے گروہ میں محشور ہوگا۔

چونکہ رسولؐ خدا نے میرے لیے یہ دعا کی تو اسی وقت میرے ہاتھ شل ہوگئے، چہرہ سیاہ ہوگیا اور میری یہ حالت بن گئی۔

بعض مقاتل اس واقعہ کے منکر ہیں اور حکایت ساربان کے بنیادی طور پر انکاری ہیں لیکن بندۂ حقیر کی نظر میں کوئی بُعد نہیں اور کسی منطق اور بُرہان کے منافی نہیں اور پھر ماثور اور مروی بھی ہے۔

سرِ مطہر کا کوفہ پہنچنا

اربابِ مقاتل میں اختلاف ہے کہ سرِ مطہر کو کون کوفہ لے گیا اور کون ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ بعض نے لکھا ہے: سرِ مطہر لے جانے والا شمر ملعون تھا۔ بعض نے لکھا ہے: خولی بن یزید ملعون سر کو کربلا سے کوفہ لانے والا تھا۔ صاحبِ کتاب ہذا کا بیان ہے: امامؑ کا سرِ مقدس عصرِ عاشورہ تن سے جدا ہوگیا اور جدا کرنے والا شمر تھا۔ اسی وقت کوفہ سے کربلا منتقل ہوا اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ سر کو کوفہ لے جانے والا کون تھا۔ اس میں دو قول اور چند روایات ہیں:

① قولِ مشہور: اربابِ مقاتل کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ عمر بن سعد نے خولی بن یزید اصحی پلید کو سرِ مقدس امامؑ دیا اور کہا: اسے فوری طور پر امیر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ صاحب ارشاد، لہوف، روضۃ الشہداء، نفس المہموم و منتہی الآمال کا یہی نظریہ ہے۔

صاحبِ ارشاد فرماتے ہیں:

وَسَرّح عمر بن سعد مِن يَومِهٖ ذَٰلِكَ وَهُوَ يَومِ عَاشُورَا بِرَأسِ الحُسَينِ عليه السلام مع خولي بن يزيد الاصبحي وحميد بن مسلم الازدي إِلَىٰ عبيدالله بن زياد وَاَمَر برؤس الباقين مِن اَصحَابِهٖ وَاَهلِ بيتِهٖ فقُطِعَت وَكَانُوا اِثنِينَ وَسَبعِينَ رَاْسًا سَرّح بها مع شمر بن ذي الجوشن وَقَيسِ بن الاشعث وعمرو بن الحجاج فَاَقبَلُوا حَتّٰى قَدِمُوا بِهَا عَلٰى ابن زياد

"یعنی عمر بن سعد اسی دن روزِ عاشور امامؑ کے سرِ مقدس کو خولی، حمید بن مسلم کے ہمراہ عبیداللہ بن زیاد کو بھیج دیا اور باقی اصحاب اور بنی ہاشم کے سر کاٹنے کا حکم دیا۔ سر کاٹے گئے تو وہ بہتر تھے۔ ان بہتر سروں کو شمر نے قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج کی سرپرستی میں عبیداللہ ابن زیاد کے پاس بھیجا اور انہوں نے یہ سر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیئے"۔

۲ لہوف میں روایتِ سید: عمر بن سعد نے روزِ عاشورہ امامؑ کے مقدس سر کو خولی اور حمید بن مسلم کے ہمراہ عبیداللہ بن زیاد کو بھیجا اور باقی شہداء کے سر کاٹ کر شمر، قیس بن اشعث اور عمر بن حجاج کے ساتھ کوفہ بھیجے۔

۳ روایت صاحب روضۃ الشہداء: عمر بن سعد نے سروں کو قبائل میں تقسیم کیا۔ بائیس سر بنی ہوازن کو دیے، چودہ سر بنی تمیم کو جن کا سردار حصین بن نمیر تھا، تیرہ سر بنی کندہ کو جن کا امیر قیس بن اشعث تھا، چھے سر بنی اسد کو دیے جن کا سردار ہلال بن اعور تھا، پانچ سر بنی ازد کو دیے۔ بارہ سر بنی ثقیف کے حوالے کیے اور ان سب کو کوفہ کی طرف روانہ کیا اور امامؑ کے سر کو ان سے پہلے خولی کے ذریعے کوفہ بھیج دیا گیا۔

راوی کہتا ہے کہ خولی سرِ مقدس کو کوفہ لایا، اس کا گھر کوفہ سے ایک منزل پہلے تھا، لہٰذا رات گھر میں رہا۔ اس کی بیوی انصار میں سے تھی اور اہلِ بیتؑ کی محبہ تھی۔ خولی نے اپنی بیوی کے ڈر سے امامؑ کے سر کو تنور میں رکھ دیا اور اُوپر ڈھکنا دے دیا اور خود سو گیا۔ عورت نے پوچھا کہ چند دن سے کہاں چلا گیا تھا۔ اس نے کہا: ایک شخص نے یزید سے بغاوت کی تھی، اس سے جنگ کرنے گیا تھا۔ عورت نے اور کچھ نہ پوچھا اور اسے کھانا دیا اور وہ کھانا کھا کر سو گیا۔ اس مومنہ عورت کی عادت تھی کہ نمازِ شب پڑھتی تھی۔ اس رات نمازِ شب کے لیے اٹھی تو اس طرف آئی جہاں تنور تھا تو گھر کو روشن دیکھا گویا لاکھوں شمعیں اور چراغ کی روشنی ہے۔ جب غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ روشنی تو تنور سے باہر آ رہی ہے۔ بہت تعجب کیا اور کہا: سبحان اللہ! نہ میں نے تنور کو روشن کیا اور نہ کسی اور سے کہا تو پھر یہ روشنی کہاں سے آ گئی؟

اسی حیرت کی حالت میں دیکھا کہ تنور سے نکلنے والا نور آسمان کی طرف جا رہا ہے تو اس کے تعجب میں مزید اضافہ ہوا۔ اچانک اس نے چار خواتین دیکھیں جو آسمان سے اُتری ہیں اور تنور کی طرف گئیں۔ ان میں سے ایک تنور کے سر پر گئی اور اس سر کو باہر نکال کر بوسہ دیا اور اپنے سینے پر رکھا اور گریہ کیا اور یہ بین کیا: اے ماں کے شہید بیٹے! اے ماں کے مظلوم بیٹے! خدا بروزِ قیامت تجھے قتل کرنے والوں سے ضرور بدلہ لے گا اور جب تک یہ فیصلہ نہ ہوگا عرشِ الٰہی کا پایہ نہیں چھوڑوں گی۔

دوسری خواتین بھی اس خاتون کے ساتھ ساتھ بہت گریہ کرتی رہیں۔ سب نے سر کو بوسہ دیا اور پھر سر کو تنور میں رکھ کر غائب ہو گئیں۔ خولی کی یہ انصاری بیوی اٹھی اور تنور سے سر کو اٹھایا اور غور سے دیکھا تو پہچان گئی کیونکہ یہ حسینؑ ہیں۔ امام حسینؑ کو اس مومنہ نے کئی بار دیکھا ہوا تھا۔ اُس نے بین کیا اور بے ہوش ہو گئی۔ اس نے بے ہوشی میں دیکھا کہ ہاتفِ غیبی کی آواز آ رہی ہے: اُٹھو اے عورت تجھے تیرے شوہر کے گناہوں کا مواخذہ نہ ہوگا۔

عورت نے ہاتف سے پوچھا کہ یہ چار بیبیاں جو سرِ مقدس پر روتی رہیں کون تھیں؟ جواب ملا کہ جو بی بی سر کو سینے پر رکھتی تھیں اور سب سے زیادہ رو رہی تھیں اور ماتم کر رہی تھیں وہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا تھیں اور دوسری عورت جنابِ خدیجہ

الکبریٰؑ تھیں، تیسری عورت حضرت مریمؑ مادرِ حضرت عیسیٰؑ تھیں۔ چوتھی عورت جنابِ آسیہ زنِ فرعون تھیں۔

پس یہ انصاری عورت ہوش میں آئی تو کسی کو نہ دیکھا، تنور سے سر کو نکالا، بوسہ دیا، مشک وعنبر، کستوری اور گلاب کے عرق سے اسے اچھی طرح دھویا، کافور لگایا، بالوں میں کنگھی کی اور پاک مقام پر رکھا اور خولی کو بیدار کر کے کہا: اے ملعون! اے پست و بدبخت! یہ کس کا سر ہے کہ جو تو گھر لایا ہے اور تنور میں رکھ دیا ہے؟ یہ تو فرزندِ رسولؐ کا سر ہے! اُٹھ اور سن کہ آسمان و زمین تک گریہ زاری ہو رہی ہے اور ملائکہ کے گروہ آ رہے ہیں اور اس سرِ مقدس کی زیارت کر کے جا رہے ہیں۔ وہ گریہ وزاری اور ماتم کر رہے ہیں اور تجھ پر لعنت کر رہے ہیں۔ میں اس دنیا میں اور آخرت میں تجھ سے بے زار ہوں۔ پس سر پر چادر کی اور گھر سے ہمیشہ کے لیے باہر چلی گئی۔

خولی نے کہا: اے عورت کہاں جا رہی ہو؟ بچوں کو کیوں یتیم کر رہی ہو؟

مومنہ نے کہا: اے لعین تو نے فرزندانِ مصطفیٰؐ کو یتیم کیا تو تجھے کوئی خوف نہ آیا لیکن اپنے بچوں کی یتیمی کا بڑا احساس ہے۔ پس وہ عورت چلی گئی اور پھر کسی نے اسے نہیں دیکھا۔

کلامِ محدث قمی در منتہی الآمال: عمر بن سعد نے شہادتِ امامؑ کے بعد سب سے پہلے کام یہ کیا کہ امام علیہ السلام کے سر کو بذریعہ خولی اور حمید بن مسلم کوفہ بھیجا اور خولی بہت جلدی سفر کر کے کوفہ پہنچ گیا لیکن چونکہ رات ہو گئی تھی اور رات کو ابن زیاد کی ملاقات ناممکن تھی اس لیے رات کو سر سمیت اپنے گھر چلا گیا۔

طبری اور ابن نما کی روایت ہے کہ زوجۂ خولی نوار کا کہنا ہے: یہ ملعون سر کو گھر لایا اور بڑے تغار (یا ٹوکرے) کے نیچے رکھ دیا اور بستر پر آرام کرنے لگا۔ میں نے پوچھا: کیا خبر لائے ہو؟

اس نے کہا: ایک دینار لایا ہوں اور سرِ حسینؑ لایا ہوں۔

میں نے کہا: ہائے تم پر افسوس کہ لوگ گھروں میں سونا چاندی لاتے ہیں اور تو بدبخت فرزندِ رسولؐ کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم! اب تیرا اور میرا سر ایک سرہانے پر اکٹھا نہ ہوگا۔ میں نے یہ کہا اور اُٹھ کر اس ٹوکرے کے پاس گئی۔ میں نے دیکھا کہ نور عمودی کی طرح زمین سے آسمان کی طرف جاری ہے۔ پھر سفید پرندے دیکھے جو اس سر کے اردگرد طواف کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور یہ ملعون سرِ مطہر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔

۲ قول غیر مشہور: اور یہ رائے صاحب قبر مذاب واقدی کی ہے وہ رقم طراز ہے: امام حسینؑ کا سر کربلا سے کوفہ لانے والا شمر تھا اور جب شمر فرزندِ رسولؐ کے سر کو اپنے گھر لایا تو چونکہ کافی دیر ہو گئی تھی اور رات کو ابن زیاد سے ملنا مشکل تھا لہٰذا گھر میں مٹی پر سر رکھا اور اُوپر ایک تغار یا ٹوکرہ رکھ دیا اور خود سو گیا۔ شمر کی بیوی رات کو اُٹھی اور دیکھا کہ اس ٹوکرے سے آسمان کی

طرف نور کی لہر اُٹھ رہی ہے۔ وہ اس کے قریب آئی تو رونے والوں کے رونے کی آوازیں سنیں اور شمر کے پاس آئی اور کہا: اے شخص! میں نے یہ یہ کیفیت دیکھی ہے، بتا اس تغار کے نیچے کیا ہے؟

شمر نے کہا: یہ ایک خارجی کا سر ہے جس نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا۔ اب اس کے سر کو یزید کے پاس بھیجوں گا تاکہ وہ مجھے کثیر انعام عطا کرے۔

عورت نے پوچھا کہ اس خارجی کا نام کیا تھا کہ جس سے نور کا ظہور ہو رہا ہے اور وہ بریدہ سر گفتگو کرتا ہے۔

شمر نے کہا: اس کا نام حسینؑ بن علیؑ ہے۔

عورت کی ایک چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر گئی اور غش کر گئی۔ جب ہوش آیا تو کہنے لگی: اے شمر مجوسی! کیا خوفِ خدا تمہیں لاحق نہ ہوا کہ فرزندِ پیغمبرؐ کو قتل کر دیا اور ان کے سر کو اتنی ذلت اور توہین سے تغار کے نیچے رکھ دیا ہے۔ پس وہ ضعیفہ گریہ زاری کرنے لگی اور سر کے قریب آ کر سر کو اٹھایا، سینے سے لگایا، بوسے دیے، اپنی جھولی میں رکھا اور گھر کی تمام عورتوں کو بلا کر بتایا کہ آؤ اس غریب مظلوم حسینؑ پر مل کر گریہ کریں۔ اگر ان کی ماں زندہ ہوتی تو ان کے سر پر گریہ کر رہی ہوتی۔ تمام عورتیں آئیں اور ماتم کیا۔ آخر شب جب اس ضعیفہ کی آنکھ لگی تو خواب میں دیکھا کہ اس کا گھر وسیع ہو چکا ہے اور ملائکہ سفید پرندوں کی شکل میں اُڑ رہے ہیں۔ پھر دو معظمہ خواتین آئیں، ایک جنابِ فاطمہ زہراءؑ اور دوسری جنابِ مریمؑ مادرِ حضرت عیسیٰؑ تھیں۔ انہوں نے خون آلود سر کو اٹھایا اور زار و قطار رونا شروع کیا۔ پھر دیکھا کہ کئی شخص خون کے آنسو بہاتے ہوئے آئے، ان کے درمیان نبی اکرمؐ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے تھے، انھوں نے سر کو اٹھایا اور بوسہ دیا۔ پھر ایک دوسرے کو سر دیتے گئے اور زار و قطار گریہ کیا۔ جنابِ فاطمہ زہراءؑ اور جنابِ خدیجۃ الکبریٰؑ میرے پاس آئیں اور فرمایا: تم جو ہم سے چاہتی ہو ہم تمہیں عطا کریں گے۔ جو حاجت ہے مانگو، ہم دیں گے: فَإِنَّ لَكَ عِندَنَا مِنَّةً۔ کیونکہ ہماری گردن پر حق ہے کہ ہمارے بیٹے کے سر کا احترام کیا۔ اگر چاہتی ہو کہ جنت میں ہمارے ساتھ رہے تو ابھی اُٹھو اور اپنے کام کو مکمل کرو اور ہم تک پہنچو۔

شمر کی اس مومنہ بیوی کی خواب سے آنکھ کھلی اور دیکھا کہ ابھی سرِ مقدس اس کے زانو پر ہے تو پھر گریہ زاری شروع کر دی اور پہلے سے زیادہ آزردہ ہوئی۔

شمر نے دیکھا کہ بیوی کو قرار ہے نہ آرام تو وہ آیا اور بیوی سے سر لینا چاہا لیکن بیوی نے سر دینے سے انکار کر دیا اور کہا:

طَلِّقْنِي فَإِنَّكَ يَهُودِي اى وَلَدَ الزنا

"اے ظالم! مجھے طلاق دے تجھ جیسے یہودی اور حرام زادے شوہر کے ساتھ میں زندگی نہیں گزار

سکتی"۔

شمر نے اُسے طلاق دی اور کہا: سر مجھے دے اور میرے گھر سے چلی جا۔

عورت نے کہا: میں تیرے گھر کو چھوڑ رہی ہوں لیکن تجھے سر نہ دوں گی۔ شمر نے جس قدر اصرار کیا اور اذیت دی۔ عورت نے سر نہ دیا حتیٰ کہ شمر نے اس عورت کو لاتوں اور تازیانوں سے اس قدر مارا کہ وہ شہید ہوگئی اور جنابِ فاطمۃ الزہراءؑ سے ملحق ہوگئی۔

شہداء کے سر کاٹنے کا حکم

گیارہویں کی پُرغم اور اندوہ گیں رات گزرنے کے بعد گیارہ محرم کی صبح جب ابنِ سعد نیند سے اُٹھا تو ظہر تک چند کام کیے اور بوقتِ عصر کوفہ کی طرف روانگی کی۔

الف: شہداء کے سر جدا کیے گئے اور قبائل میں سروں کو تقسیم کیا گیا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ب: اپنی نجس لاشوں کو دفن کرنا۔

ج: شہداء کے لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر پامال کرنا۔

سروں کو کاٹنے کی تفصیل سید بن طاؤس نے لہوف میں یوں لکھی ہے:

عمر بن سعد نے شمر کو قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج کے ساتھ سروں کو کوفہ میں ابن زیاد کے پاس پہنچانے کا حکم دیا تو قبائل کے سرداروں نے شور مچایا کہ ہمیں اس خدمت کا موقع دیا جائے تا کہ ہم بھی ابن زیاد کے دربار میں قرب حاصل کرسکیں اور آبرومند بن جائیں۔

ابن سعد نے ان ملاعین کی درخواست قبول کی اور شہداء کے سروں کو ان قبائل میں تقسیم کردیا۔ یہ سر بہتر یا اٹھتر تھے۔ تیرہ سر قبیلہ کندہ کے سپرد کیے گئے جن کا سردار قیس بن اشعث تھا۔ بارہ سر قبیلہ ہوازن کو دیے گئے جن کا سردار شمر بن ذی الجوشن ملعون تھا۔ سترہ سر بنی تمیم کو دیے گئے اور دوسرے قبائل کو تیرہ، تیرہ سر دیے۔ ان تمام قبائل نے سروں کو نیزوں پر بلند کیا اور کوفہ کی طرف چلے گئے۔

ب: شرح دفن اجساد: مرحوم قزوینی ریاض القدس میں فرماتے ہیں: ابن سعد نے حکم دیا کہ مقتولین کو جمع کیا اور ان پر نماز پڑھی گئی اور پھر ان کو دفن کردیا گیا۔ کتبِ مقاتل میں ہے کہ قبیلہ بنی ریاح کے کچھ لوگ ابن سعد کے پاس آئے اور التماس کی کہ حُر ہمارے قبیلہ سے تھا، اجازت دی جائے کہ اسے دفن کردیں۔ ابن سعد نے اجازت دے دی اور حُر دفن ہوگئے۔

ج: پامالی شہداء: صدر قزوینی لکھتے ہیں: امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا: ابن سعد نے شہدائے آل محمدؑ کو دفن نہ کیا اس کی وجہ کیا تھی؟ تو حضرتؑ نے فرمایا: دو وجہیں تھیں:

① یہ لاشے صحرا میں پڑے رہیں تا کہ درندے ان کو نوچیں اور ان کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

② اس لیے دفن نہ کیا کہ وہ کہتے تھے کہ یہ خارجی اور بے دین ہیں جس طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینب عالیہ سلام اللہ علیہا نے جنابِ فضّہ کو عمر بن سعد کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ ہم اس پر خوش نہیں کہ تم اپنے لاشوں کو دفن کرتے ہو اور ہمارے شہیدوں کو خاک پر پڑا رہنے دیا۔ ہمیں اجازت دے تا کہ ہم عورتیں اپنے شہداء کو دفن کر دیں۔

عمر سعد نے جواب دیا کہ دفن کا حکم ہمارے مقتولین کے لیے ہے لیکن تمہارے شہداءؑ کے لیے حکم آیا ہے کہ ان کی لاشوں پر گھوڑا دوڑا کر لاشوں کو پامال کیا جائے۔

★ ★ ★

بارھویں فصل

کاروانِ اہلِ بیتؑ کی کربلا سے کوفہ کی طرف روانگی

جب گیارھویں کا دن دوپہر کو پہنچا تو ابن سعد نے حکم دیا کہ لشکر زمینِ کربلا کو چھوڑ دے اور کوفہ کی طرف حرکت کرے۔ لشکر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس نے دوسرا حکم جاری کیا: اہلِ بیتؑ کے قیدیوں کو سوار کرو اور ان کی نگرانی کرو تا کہ ان سے کوئی قیدی گم نہ ہو جائے۔

کاروانِ اہلِ بیتؑ میں مردوں سے صرف امام سجاد علیہ السلام، زید و عمر فرزندانِ امام حسنؑ اور امام باقر علیہ السلام تھے۔ خدا معلوم کس طرح مخدراتِ عصمت کو بغیر پالان اور محمل کے اُونٹوں پر سوار کیا گیا۔ بلکہ ایک روایت میں ہے کہ ان ظالموں نے نیزوں اور تازیوں سے بچوں اور عورتوں کو بے پالان اُونٹوں پر سوار کیا۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: اہلِ بیتؑ باشرافت کو اُونٹوں پر سوار کیا گیا اور وہ اونٹ ایسے تھے جن کی پشت پر نہ محمل نہ سائبان صرف چھوٹی سی گدیاں تھیں، ان دشمنوں میں ان کے چہروں پر کوئی پردہ نہ تھا حالانکہ یہ سب پیغمبرؐ خدا کی امانتیں تھیں۔ ان کو ترک و روم کے قیدیوں کی طرح سخت ترین سلوک سے لے جایا جا رہا تھا۔

ان قیدیوں میں امام سجاد علیہ السلام بھی تھے جو اس قدر بیماری کی وجہ سے لاغر اور کمزور تھے کہ سب ان کی زندگی سے نااُمید تھے۔ اس بے غیرت قوم نے اس حالت کے باوجود ان کے ہاتھ پسِ گردن باندھے ہوئے تھے اور زیارتِ ناحیہ کے جملے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالی گئیں اور اُونٹ پر بٹھا کر دونوں پاؤں کو اُونٹ کے پیٹ کے نیچے سے آپس میں باندھ دیا گیا۔

جب قیدیوں کو ابن سعد کے حکم سے جبراً اور قہراً اُونٹوں پر سوار کر دیا گیا تو انہیں لشکر کے ساتھ کربلا سے روانہ کیا گیا اور حالت یہ تھی کہ آگے آگے علم تھے، ان کے پیچھے شہداءؑ کے سر نیزوں پر سوار تھے۔ ان کے پیچھے کاروانِ اہلِ بیتؑ کے قیدی تھے۔ طبل اور نقارے بج رہے تھے، لشکر کی ''ہاہو'' اور شور و غل اس قدر زیادہ تھا کہ کوئی بات سنائی نہ دیتی تھی۔ اکثر اُونٹوں پر عورتوں کی جھولیوں میں دو سالہ، تین سالہ بچے تھے جو سب کے سب سر برہنہ اور ننگے پاؤں پریشان حال، بالوں میں خاک اور آنسو بہا رہے تھے۔ ان بچوں کو جوں ہی کوئی بہانہ ملتا وہ اپنے غریب، باپ کی جدائی، بھائی اور چچا سے فراق پر بہت روتے

تھے اور شقی القلب فوجی نیزوں کی اَنیوں اور تازیانوں سے اُنھیں خاموش کراتے تھے۔

قیدیوں کا عبور مقتل سے

کوفہ کی طرف روانگی کے وقت کاروانِ اہلِ بیتؑ کو مقتل سے گزارا اور اس بات پر تمام مقاتل کا اتفاق ہے۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ یہ اہلِ بیتؑ کی خواہش پر مقتل سے گزارا گیا یا ظالموں نے اہلِ بیتؑ کو زیادہ دکھی اور پریشان کرنے کے لیے مقتل سے گزارا گیا۔ اکثر کتب کی عبارتوں سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ظالموں نے اہلِ بیتؑ کو زیادہ دکھ، اذیت اور تکلیف دینے کے لیے مقتل سے گزارا۔

لیکن صاحب قمقام نے تصریح کی کہ مقتل سے گزارنا اہلِ بیتؑ کی خواہش تھی کیوں کہ اہلِ بیتؑ نے کہا تھا:

بحق اللّٰہ اِلَّا مَرَرتم بِنَا عَلٰی مَصرعِ الحُسَین

"خدا کی قسم! ہمیں مقتلِ حسینؑ سے گزارنا"۔

ان کے علاوہ صاحب منتہی الآمال بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ کی اپنی خواہش پر اُنھیں مقتل سے گزارا گیا۔ کیونکہ وہ لکھتے ہیں: جب ان ملاعین نے خیموں کو آگ لگا دی اور شعلے بلند ہوئے تو فرزندانِ پیغمبرؐ ڈر کر ننگے پاؤں اور سر برہنہ خیموں سے دوڑ کر نکلے اور لشکر والوں کو قسم دی کہ ہمیں مقتلِ حسینؑ سے گزارنا۔ پھر مقتل کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب ان دکھی اور غریب مستورات کی نگاہ میں بے سر شہداء کے خاک و خون میں غلطان لاشوں پر نظر پڑی تو ماتم شروع ہوگیا۔ سر و چہرہ پر ماتم کیا گیا اور نوحہ وزاری کی گئی۔

روایات کے مطابق تمام اہلِ بیتؑ سے امام سجاد علیہ السلام کی حالت بہت نازک ہوگئی جیسے ابھی روح پرواز کرنے والی ہے۔ امام زین العابدینؑ خود فرماتے ہیں: جب میری یہ حالت میری پھوپھی زینب سلام اللہ علیہا نے دیکھی تو فرمایا:

یہ تمہارا کیا حال ہوگیا ہے۔ اے میرے ناناؐ! باباؑ اور بھائیوںؑ کی یادگار! اپنی جان سے کھیل رہے ہو، اپنے آپ کو سنبھالو۔

میں نے کہا: میں کس طرح جزع فزع نہ کروں اور یہ حالت نہ ہو جب کہ اپنی آنکھوں سے اپنے بابا، بھائیوں، چچاؤں، چچازادوں اور انصار کو خاک و خون میں لت پت زمین پر برہنہ دیکھ رہا ہوں، ان کے لباس لوٹ لیے گئے، نعلین اور عمامے اُتار لیے گئے، بغیر کفن اور دفن کے پڑے ہیں اور کوئی بھی ان کے پاس نہیں گویا یہ دیلم کے خاندان سے ہیں۔

پھوپھی نے فرمایا: جو کچھ دیکھا ہے اس پر جزع فزع نہ کرو۔ خدا کی قسم! یہ عہد و پیمان تھا جو آپؑ کے ناناؐ نے آپؑ کے

دادا علیؑ، باپ حسینؑ اور چچا حسنؑ سے لیا تھا اور خدا نے اسی اُمت کے ایک گروہ سے عہد لیا جو آسمانوں پر مشہور ہیں کہ جدا شدہ اعضائے شہداء کو جمع کریں گے اور دفن کردیں گے اور اپنی خاک آلود ابدان اور خاک آلود جسموں سے محبت کریں گے۔ اس سرزمین میں آپؑ کے بابا کی قبر کی خاص نشانی رکھیں گے جس کا اثر کبھی پرانا اور مٹنے والا نہ ہوگا اور شب و روز اس قبر کے نشان کو نہ مٹا سکیں گے۔

اور اکثریت گمراہانِ رہبرانِ کفر والحاد ان نشانات کو مٹانے کی پوری کوشش کریں گے لیکن بجائے مٹنے کے روز بروز یہ مقدس نشاناتِ کربلا واضح اور آشکار ہوتے جائیں گے۔

میں نے پوچھا: پھوپھی اماں! یہ کون سا عہد تھا اور کون سی حدیث ہے؟ پھوپھی نے فرمایا: ہاں مجھے اُم ایمن نے بتایا ہے کہ رسولِؐ پاک ایک دن جنابِ زہراءؑ کے گھر تشریف فرما تھے۔ حسنین شریفینؑ بھی موجود تھے۔ رسولؐ پاک اور حسنینؑ نے خُرما اور بالائی تناول فرمائی۔ پھر رسولؐ پاک نے اپنے ہاتھ دھوئے جبکہ مولا علیؑ پانی ڈال رہے تھے۔ حضرتؐ نے پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور علیؑ و فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کی طرف سرور و نشاط کی نظر کی۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا۔ پھر قبلہ کی طرف رخ فرمایا اور ہاتھ اُوپر اُٹھا کر دعا کی۔ پھر روتے روتے سجدہ کیا اور (حالتِ سجدہ میں بھی) بلند آواز سے رو رہے تھے اور آنسو مسلسل جاری تھے۔

پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور چل پڑے حالانکہ آنسو کا قطرہ قطرہ گر رہا تھا گویا بارش برسنے کی حالت تھی۔ جنابِ رسولؐ گرامی کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسنین شریفینؑ بہت غمگین ہوئے اور میں بھی بہت متاثر ہوئی اور دکھی ہوئی لیکن ہم میں سے کسی نے بھی غم کی وجہ نہ پوچھی اور سببِ گریہ کا سوال نہ کیا۔ پھر یہ حضرت رسولؐ گرامی کا رونا اتنی دیر تک جاری رہا کہ حضرت علیؑ اور فاطمۃ الزہراءؑ کو پوچھنا پڑا کہ رونے کی وجہ کیا ہے؟

یارسولؐ اللہ! کس چیز نے آپ کو اس قدر رُلایا ہے کہ ہمارے دل زخمی اور دکھی ہو رہے ہیں؟

حضرتؐ نے فرمایا: برادر جان! تمہاری وجہ سے بہت خوش اور شادمان تھا اور اس قدر مسرور تھا کہ آج تک اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی۔ تجھے دیکھا اور خدا کا آپؑ جیسی نعمت دینے پر شکریہ ادا کیا اور حمد کی۔ اسی وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا تمہارے دل کی حالت کو جانتا ہے اور جانتا ہے کہ تمہاری خوشی حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسنین شریفینؑ کے واسطہ سے ہے۔ پس اپنی نعمت کو آپؐ پر کامل کیا اور عطیۂ خاص کی عنایت کی اور انھیں ان کی ذُریت، ان کے محبوں اور شیعوں کو بہشت میں آپؐ کا ہمسایہ بنا دیا ہے۔ آپؐ اور ان کے درمیان جدائی نہ ہوگی۔ وہ بغیر کسی منت سماجت کے عطا سے فائدہ حاصل کریں گے جس طرح آپؐ فائدہ لیتے ہیں اور ان پر بھی عطا ہوگی جس طرح آپؐ پر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ

آپؐ اور وہ راضی اور خوش ہو جائیں گے بلکہ حق تعالیٰ ان کی اور آپ کی رضایت سے بھی زیادہ عنایت کرے گا۔

اور یہ عنایت اور لطف ان کثیر امتحانات اور ابتلات کے بدلے ہوگی جو دنیا میں آپؐ اور ان پر آئیں گے اور وہ مصائب اور دکھ جو آپؐ کی اُمت کی طرف سے آپؐ کو اور ان کو پہنچیں گے۔ وہ لوگ اپنے آپؐ کو اُمت رسولؐ میں سمجھتے ہوں گے جب کہ خداوند آپؐ سے بہت دُور ہوں گے اور اس اُمت کے گروہ کی طرف سے کبھی ضربِ شدید نا قابلِ برداشت لگے گی اور کبھی وہ آپ کا اور ان کا قتل و کشتار بھی کر دیں گے۔ تیری ذُریت کی قتل گاہیں مختلف اور پراگندہ ہوں گی اور ان کی قبریں ایک دوسرے سے بہت دُور ہوں گی۔ پس اپنے لیے اور ان کے لیے خیر کی تلاش کرو، اور اللہ کی قضا و قدر پر راضی ہو۔

پس میں نے اللہ کی حمد کی اور اللہ کے ہر فیصلہ پر رضامندی کو اختیار کیا۔ پھر جبرئیلؑ نے مجھے کہا: اے محمد مصطفیٰؐ! آپؐ کے بھائی آپؐ کے بعد منکوب اور دخلوب ہو جائیں گے اور آپؐ کے دشمنوں سے رنج و غم دیکھیں گے۔ آپؐ کے بعد مخلوق سے بدترین اور شقی ترین شخص آپؐ کے بھائی علیؑ کو قتل کر دے گا، ان کے قاتل کی مثال ناقۂ صالحؑ کے پاؤں کاٹنے والے کی طرح ہے۔

آپؐ کے بھائی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک شہر کی طرف ہجرت کریں گے کہ وہ شہر شیعوں کا محلِ نشوونما ہوگا۔ اس شہر میں اہلِ بیتؑ پر بہت مصیبتیں آئیں گی اور یہ کہ آپؐ کے سبط امام حسینؑ ایک جماعت اور بیٹوں اور اہلِ بیتؑ کے سمیت فرات کے کنارے کربلا کی زمین میں قتل کر دیا جائے گا۔ کربلا کو کربلا اس لیے کہا جاتا ہے کہ حزن اور دکھ جو دشمنوں سے آپؐ کے فرزندوں کو دیئے جائیں گے اُن کا شمار کرنا ناممکن ہے اور جس میں اس قسم کے غم اور دکھوں کی کثرت ہوگی۔

یہ زمینِ کربلا روئے زمین پر پاکیزہ ترین اماکن میں سے ہے اور تمام زمین کے حصوں سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اس زمین میں آپ (حسینؑ) اور ان کے عزیز اور ساتھی شہید کیے جائیں گے۔ کربلا بہشت کی زمینوں میں سے ایک ہے جب وہ دن آئے گا جس دن آپ کا سبط اور ان کے ساتھی شہید ہوں گے اور لشکر ان کا احاطہ کیے ہوئے ہوگا تو آپؐ کے غضب اور آپؐ کے فرزندوں کے غضب کی وجہ سے زمین کو لرزہ ہوگا، پہاڑوں میں بھی جنبش پیدا ہوگی۔ دریا کی موجیں متلاطم ہوں گی اور ہر چیز خدا سے اجازت چاہے گی کہ آپ کے اس مظلوم اور غریب سبطؑ کی مدد کرے اور خدا وحی کرے گا کہ میں قادر ہوں، کوئی شخص ان پر غالب نہیں آ سکتا اور نہ ان کو شکست دے سکتا ہے۔

اور اپنے اولیاء کی نصرت اور ان کے دشمنوں سے انتقام لینے پر بھی قادر ہوں۔ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جس نے میرے نمایندوں کو چھوڑ دیا اور توہین کی، ان کو قتل کیا، عہد توڑا اور اہلِ بیتؑ پر ظلم کیا تو ان کو ایسا عذاب دوں گا کہ کسی پر یہ عذاب نہ ہوا ہوگا۔ ان ظالموں پر تمام سماوی اور ارضی موجودات چیخ اُٹھیں گے اور جنہوں نے عترتؑ پر ظلم کیا اور توہین کی وہ

ان پر لعنت کریں گے۔ جب آپؐ کے فرزندوں اور اہلِ بیتؑ کی قبروں کی طرف روانگی ہوگی تو خدا خود ان کی روح قبض کرے گا اور ساتویں آسمان سے فرشتوں کو بھیجے گا جن کے پاس:

① زمرد اور یاقوت کے ایسے ظروف ہوں گے جو آبِ حیات سے پُر ہوں گے۔

② بہشتی لباسوں سے کئی لباس ہوں گے۔

③ جنت کے عطروں میں سے ایک عطر ہوگا۔

پس فرشتے ان کربلا والوں کو اس آبِ حیات سے غسل دیں گے اور بہشتی لباس پہنائیں گے اور جنتی عطر لگائیں گے اور گروہ در گروہ ہو کر ان پر نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔

نمازِ جنازہ کے بعد آپؐ کی اُمت کے ایک گروہ کو جن کو کفار نہ جانتے ہوں گے اور نہ وہ خونِ شہداء میں کردار و گفتار قصد کسی لحاظ سے شامل ہوں گے، بھیجے گا جو ان شہداء کے جسموں کو دفن کریں گے اور سید الشہداءؑ کی قبر کا بہت بڑا نشان بنائیں گے تاکہ اہلِ حق کے لیے یہ نشانِ حق موجود رہے اور اہلِ ایمان کے لیے سچائی کا سبب بنے۔ نیز ہر شب و روز ہر مہ آسمان سے ایک لاکھ فرشتے اس قبر کا طواف کرنے کے لیے آتے رہیں گے اور حضرتؑ پر صلوات پڑھتے اور تسبیح کرتے رہیں گے اور جناب امام حسینؑ کے زائرین کی بخشش کے لیے دعا کریں گے اور یہ فرشتے ان تمام زائرین کے نام بمع ولدیت اور سکونت کے لکھیں گے جو خلوص سے زیارت کے لیے آئیں گے اور ان زائرین کے ماتھے پر نورِ عرشِ الٰہی سے یہ عبارت لکھی جائے گی۔

''یہ شخص سید الشہداءؑ کی قبر کا زوار اور افضل الانبیاءؐ کے بیٹے کی قبر کا زوار ہے''۔

روزِ قیامت اس کے ماتھے پر نورِ الٰہی کی روشنائی سے لکھی گئی عبارت سے نور ساطع ہوگا کہ جس سے آنکھیں شرما جائیں گی اور اسی نور سے یہ زائرین پہچانے جائیں گے۔

گویا اے محمدؐ! آپ میرے اور میکائیل کے درمیان ہوں گے اور علیؑ ہمارے آگے ہوں گے اور ساتھ فرشتے اس قدر زیادہ ہوں گے کہ ان کی تعداد بے شمار ہوگی۔ اس نور کے صدقے جو ان کی پیشانیوں سے ظاہر ہوگا، ان کو تمام مخلوق سے جدا کرلیں گے اور وہ اس دن ہول و وحشت سے نجات پالیں گے۔

اور یہ حکمِ خدا ہے ان لوگوں کے بارے جنہوں نے آپؐ کی قبر یا آپؐ کے بھائی کی قبر یا آپؐ کے دو سبطوں (حسنؑ و حسینؑ) کی قبروں کی زیارت کی ہوگی اور خلوصِ دل سے قربۃ الی اللہ زیارت کی ہوگی۔ البتہ اُمت کے کچھ لوگ جو لعنت اور غضبِ الٰہی کے مستحق ہوں گے وہ بھی آئیں گے اور ان قبروں کے نشانات کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے لیکن خدائے متعال قادر ہے، وہ ایسے نشانات کبھی مٹا نہیں سکیں گے۔ پھر رسولِ خداؐ نے فرمایا: اس جبرئیلؑ کی خبر نے مجھے بہت رُلایا اور

اندوہناک کردیا۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ابن ملجم نے باباؑ کو ضرب لگائی اور حضرتؑ کا وقتِ موت قریب آیا تو میں نے عرض کیا: باباجانؑ! اُم ایمن نے مجھے اس طرح کی حدیث سنائی تھی۔ مجھے یہ پسند ہے کہ وہی حدیث آپؑ سے سنوں تو بابا نے فرمایا: اے بیٹی! حدیث اسی طرح ہے جس طرح اُم ایمن نے آپ کو سنائی ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپؑ اور آپؑ کے گھر کی بیٹیاں اس شہر کوفہ میں اسیر ہوکر آئیں گی اور انہیں ذلت آمیز طریقے سے لایا جائے گا۔ آپؑ کو ہر لحظہ سے خوف رہے گا کہ ظالم مرد ہم پر ظلم کریں گے۔ اس وقت صبر کرنا، خدا کی قسم! روئے زمین پر آپؑ کے علاوہ اور آپؑ کے محبوں اور شیعوں کے علاوہ کوئی ولی خدا نہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی تو فرمایا: اُس روز جب اہلِ بیتؑ پر ظلم ہوگا، ابلیس خوشی سے پرواز کرے گا اور اپنے تمام شاگردوں اور دوستوں کو اکٹھا کر کے کہے گا:

اے جماعتِ شیطانی وابلیسی! میں نے اپنا بدلہ اولادِ آدمؑ سے لے لیا ہے اور ان کی موت سے اپنی انتہائی آرزو کو پہنچ گیا ہوں اور جو لوگ اہلِ بیت پیغمبرؐ کے محبت اور پیرو ہوں تو کوشش کرو کہ لوگوں میں ان پیروکاروں کو مشکوک کردو اور لوگوں کو ان کی دشمنی پر برانگیختہ کرو تا کہ اس طریقے سے لوگوں کی گمراہی اور ان کا کفر مسلّم اور محقق ہوجائے اور ان کو نجات دینے والا بھی کوئی نہ آسکے۔

ابلیس اگر چہ بہت دھوکا باز اور جھوٹا ہے لیکن یہ بات اس نے اپنے شیطان بھائیوں کو سچ بتائی ہے۔ اگر کوئی شخص اہلِ بیتؑ سے دشمنی رکھے تو اس کا کوئی عمل صالح اُس کے لیے نافع نہیں ہے اور اگر اہلِ بیتؑ سے کسی شخص کو محبت ہو تو کوئی گناہ سوائے گناہانِ کبیرہ کے اُسے نقصان نہیں پہنچاتا۔

اس حدیث کو سننے سے جنابِ سجادؑ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آپؑ کی حالت بہتر ہوگئی۔ اس تمام کارواں سے جب مقتل سے گزرے تو جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے دکھی آواز اور دلی غم واندوہ سے رو رو کر یہی بین کرتی تھیں:

وَامحمداہ صلّ عَلٰی عَلَیکَ مَلِیکَ السَّماءِ ھٰذَا حُسَینٌ مُرمَلٌ بالدِّماء مَقطَع الاعضَاء
وبِنَاتُکَ سُبَایَا وَ اِلَی اللّٰہِ المُشتکٰی وَ اِلٰی محمد المُصطَفٰی......الخ

"وامحمداہ! نانا آپؐ پر آسمانوں کے فرشتے صلوات پڑھتے ہیں جبکہ یہ آپ کا حسینؑ خون میں لت پت ہے، اعضاء کٹے ہوئے ہیں اور آپؐ کی بیٹیاں قیدی ہیں، اللہ ہمارا تیرے پاس شکوہ ہے، یہ حسینؑ جو خاک وخون میں غلطان ہے، جسم گرد آلود ہے، اسے اولادِ زنا نے قتل کیا ہے۔ اے اصحابِ

محمدؐ! یہ مصطفیؐ کی ذریت ہے جو قیدی ہیں"۔

اس قسم کے دُکھی بین اس طرح کیے کہ دوست دشمن ان کی غربت پر رو پڑے۔ جناب سکینہؑ باباؑ کے ٹکڑے ٹکڑے بدن پر گر پڑیں اور اس قدر نالہ وفریاد کی کہ جس کی توصیف ممکن ہی نہیں۔

محدث قمیؒ لکھتے ہیں: جناب سکینہؑ خاتون نے باباؑ کے جسم کو آغوش میں لیا اور جناب سکینہؑ فرماتی ہیں کہ اس سے مجھ پر ایسی حالت طاری ہوگئی گویا میں بے ہوش ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو میں نے سنا تو میرے بابا فرما رہے تھے:

شِیعَتِی مَا اِن شَرَبتُم مَاءَ عَذبٍ فَاذکُرُونِی

اَو سَمِعتُم بِغَرِیبٍ اَو شَهِیدٍ فَانِدبُونی

"اے میرے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کرنا اور اگر کسی غریب یا شہید کی مظلومیت دیکھو تو مجھ پر ندبہ کرو اور گریہ کرو، جس قدر کر سکتے ہو"۔

★ ★ ★

تیرھویں فصل

دفن شہدائے کربلا

صاحبِ ارشاد رقم طراز ہیں کہ جب ابن سعد کا لشکر کربلا سے کوفہ روانہ ہوگیا تو قبیلۂ بنی اسد کے کچھ لوگ جو غاضریہ میں آباد تھے، آئے اور امام پاکؑ اور دیگر تمام شہداءؑ پر نمازِ جنازہ پڑھی اور کلی کلی بکھرے زہراءؑ کے پھولوں کو دفن کیا اور امامؑ کو اس مقام پر جہاں آج قبرِ مطہر ہے دفن کیا اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کو حضرت کے پائنتی کی طرف دفن کیا اور دیگر شہداء کو حضرت امامؑ کی پائنتی کی طرف دس گز کے فاصلہ پر ایک مشترکہ قبر میں دفن کیا۔

حضرت عباس علمدار علیہ السلام کو جہاں وہ شہید ہوئے، وہاں دفن کیا۔ یہ بنی اسد شہداءؑ کی تدفین کے بعد تمام عرب کے قبائل پر فخر کرتے تھے کہ ہم نے امام حسینؑ اور ان کے اصحاب اور ساتھیوں کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کیا۔

حضرت امام سجادؑ کا تدفین شہداء میں آنا اور بنی اسد کی رہنمائی کرنا

علامہ مجلسی نے بحار میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب میرے جدِّ امجد زمینِ کربلا پر وارد ہوئے تو جناب محمد حنفیہ اور تمام بنی ہاشم کو ایک خط لکھا جس کا مضمون کچھ یوں تھا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ، مِنَ الحُسَین بنِ عَلِی اِلٰی مُحمد بن الحنفیه وَمَن قبله مِن بَنِی هَاشم

اَمَّابَعدُ! فکَانَ الدُّنیَا لَم تکُن وَکَانَ الآخرة لَم تزَل وَالسَّلَام

”یعنی دنیا فانی ہے اور آخرت ہمیشہ کے لیے ہے“۔

خط لکھنے اور مدینہ ارسال کرنے کے بعد اس زمین کے مالکوں کو بلایا جو اہلِ غاضریہ تھے اور چار فرسخ ضرب (x) چار فرسخ (چار فرسخ مربع یا ۲۲ کلومیٹر مربع) زمین ساٹھ ہزار دینار میں خریدی اور اس کو وقف کیا اور اس وقف کا متولی انہی بنی اسد کے مالکوں کو اس شرط پر بنایا کہ آج سے دس دن بعد وہ یہاں آئیں گے اور تمام شہداءؑ کے ابدانِ مطہرہ کو دفن کریں گے۔

دوسری شرط یہ تھی کہ جو شیعہ دُور و نزدیک سے قبرِ مطہر کی زیارت کو آئیں تو ان کا استقبال کریں، ان کو تین دن اپنا مہمان ٹھہرائیں اور ان کو اقامت میسر کریں۔

اہلِ غاضریہ کے اسدی لوگوں نے یہ شرطیں قبول کیں اور رقم آپس میں تقسیم کی اور حضرتؑ سے رخصت ہوئے۔ دس دن کے بعد جب لشکر ابن سعد امام حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کر کے، سر جدا کرنے اور لباس لوٹنے کے بعد کوفہ چلا گیا تو شہداء کی لاشیں دھوپ میں پڑی تھیں۔

بنی اسد کی عورتوں نے دیکھا کہ ہمارے مرد تو شہداء کے دفن کرنے سے خوف کھا رہے ہیں تو اپنے شوہروں کو رو کر کہا: اے بے مروت مردو! کیا تم نے فرزندِ رسولؐ کی شرط قبول نہیں کی تھی کہ اجسادِ طاہرہ اور ابدانِ مطہرہ کو دفن کریں گے؟ اب تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ مقتل کی طرف نہیں جاتے اور خاموش ہو۔ کیا خوفِ خدا تم میں نہیں ہے اور پیغمبر اکرمؐ سے شرم نہیں آتی؟ کیا قیامت کے دن پر تمہارا یقین نہیں ہے؟

بنی اسد کے مردوں نے کہا: ہمیں وہ شرط بھی یاد ہے اور خوفِ خدا بھی لاحق ہے اور قیامت پر یقین بھی ہے لیکن ابن زیاد سفاک و ظالم کے ظلم سے ڈرتے ہیں۔ اگر اسے علم ہو گیا کہ ہم نے شہداء کو دفن کیا ہے تو ہمیں قتل کر دے گا۔

عورتوں نے مردوں سے کہا کہ اگر تمہیں جانوں کا خطرہ ہے تو ٹھیک ہے ہمیں خطرہ نہیں بلکہ اگر خطرہ ہے بھی تو اپنی جانیں بنی ہاشم کی عورتوں پر فدیہ کے طور پر قربان کر دیں گی۔

اِنَّا نَذۡهَبُ اِلٰی دَفۡنِ اَجۡسَادِ الشُّهدَاءِ اَنۡفُسنَا لَهُم الفداء واللّٰهُ يُعطِی الجزاءَ

''ہم مقتل میں جاتی ہیں اور اجساد مطہرہ کو دفن کرتی ہیں، اس کا اجر ہمیں خدا دے گا''۔

پھر عورتوں نے رونا شروع کیا، نالہ و زاری کی، مائیں بہنیں اپنے اپنے خیمے سے بیلچے اور کلنگ اور قبر کھودنے کے دیگر آلات اٹھا لائیں اور جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔ پس بنی اسد کے جوانوں نے اپنی عورتوں کی حمیت اور ہمت دیکھی تو خود کمر ہمت باندھی اور بیلچے، کلنگ وغیرہ عورتوں سے لے کر خود کربلا میں پہنچے۔ ان کی عورتیں ان کے پیچھے سر و چہرہ پر ماتم کرتی اور روتی ہوئی آئیں اور کربلا میں قتل گاہ تک ماتم کرتی رہیں۔

بنی اسد کے لوگ قتل گاہ میں حیران اور سرگرداں کھڑے تھے اور اجساد و ابدانِ مطہرہ کو دیکھ رہے تھے کہ ٹکڑے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں۔ سب موسمِ بہار کے بادلوں کی طرح آنسو بہانے لگے کیونکہ لاشوں کی ایسی حالت ہو چکی تھی کہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ آقا کون ہے اور غلام کون؟ باپ کون ہے اور بیٹا کون؟ وہ پریشان کھڑے تھے کہ ایک نقاب پوش سوار وہاں پہنچ گیا اور بنی اسد کے لوگوں سے پوچھا کہ کیوں حیران و پریشان کھڑے ہو؟

بنی اسد کے لوگوں نے آنے کا مقصد بتایا اور عرض کیا: ہم تو کسی کو پہچانتے نہیں کس طرح دفن کریں؟

اس سوار نے کہا: اَنَا اَعرِفُهُم وَ اُعَرِّفُكُم اِيَّاهم وَاحِدًا وَاحِدًا ''میں ان سب کو جانتا ہوں اور تمہیں سب کا ایک

ایک کر کے تعارف کراتا ہوں"۔

پھر اس وجودِ مقدس نے بنی اسد کے گروہ کی نصرت کی اور ان کی رہنمائی میں شہداء کی تجہیز و تدفین میں مشغول ہو گئے۔ ایک ایک شہید کے پاس آتے اور اُس وجودِ مقدس سے ان کا نام پوچھتے اور پھر دفن کر دیتے۔

مرحوم مفید ارشاد میں لکھتے ہیں:

وَحَفَرُ لِلشُّهَدَآءِ مِن اَهلِ بَيتِهٖ وَاَصحَابِ الَّذِينَ صُرِعُو حَولَه ، مَا يَلى بِرجلَى الحُسَينِ وَجَمعُوهُم وَدَفَنُوهُم جَمِيعًا

"یعنی تمام شہداء جو اہلِ بیتؑ سے تھے، جو امام حسینؑ کے اردگرد پڑے تھے، اُن کے لیے ایک گڑھا کھودا اور تمام کو اس گڑھے میں جمع کیا اور نماز پڑھی اور دفن کر دیا"۔

پھر تلاشی کے دوران میں ایک ایسے بدن کو دیکھا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا، سر ساتھ نہ تھا اور زخم قابلِ شمار نہ تھے تو وجودِ مقدس امام سجاد علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کس شہید کا بدنِ مبارک ہے؟

جوں ہی امام سجاد علیہ السلام کی نظر زخمی بدن پر پڑی تو رو کر اس بدن پر گر پڑے اور بلند آواز سے گریہ کیا: بنی اسد کے مرد و زن نے بھی گریہ کیا اور پورا گھنٹہ امامؑ اس مظلوم بدن پر آنسو بہاتے اور ماتم کرتے رہے۔ نیز سر میں خاک ملائی، پھر فرمایا:

اے بنی اسد! یہ میرے مظلوم بابا حسینؑ کا بدنِ مبارک ہے۔ امامؑ نے نماز پڑھائی اور خود اس مبارک بدن کو دفن کیا، یعنی اس قبر میں جو خود رسولؐ اللہ نے تیار کی تھی، دفن کر دیا اور بڑی حسرت اور دکھ سے قبر پر مٹی ڈالی اور اس قدر آنسو بہائے کہ یہ خاک گِلِ گارا بن گئی اور پھر کانپتی انگلی سے قبر پر لکھا:

هٰذَا قَبرُ حُسَينَ بنِ عَلِى بنِ اَبِى طَالِب

اور اپنے باباؑ کی وصیت کے مطابق کہ جو آخری وداع کے موقع پر امام حسین علیہ السلام نے کی تھی یعنی اپنے بھائی علی اکبرؑ کو میرے قریب ترین دفن کرنا۔ جنابِ شہزادہ علی اکبر علیہ السلام کے مبارک بدن کو ان کے باباؑ کے پائنتی کی طرف دفن کر دیا۔

سید الشہداءؑ اور دیگر شہداء کی تدفین کے بعد بنی اسد نے رخصت لی تو امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اے دوستو! آپ نے مجھ پر بہت احسان کیا ہے اور اپنے احسان کو ختم کر رہے ہو حالانکہ کام ابھی مکمل نہیں ہوئے کیونکہ ایک شہید باقی ہے جو ان شہداء سے دُور جا کر شہید ہوئے ہیں اور وہ سلطانِ کربلا کے وفادار بھائی حضرت عباس علمدار

ہیں۔ پس بنی اسد کے لوگ امام سجاد علیہ السلام کے ساتھ نہر علقمہ کے قریب آئے، لاش کی حالت دیکھی تو سب زار و قطار گریہ کرتے رہے اور ماتم برپا رہا۔ پھر یہاں قبر کھودی گئی اور حضرت عباس علمدارؑ کے بدنِ مطہر کو، کٹے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ عبا میں رکھ کر دفن کر دیا گیا۔

★......★......★

چودھویں فصل

کوفہ میں اہلِ بیتؑ کا وُرُود

گیارہ محرم کی ظہر کے بعد ابن سعد نے کربلا سے کوفہ جانے کا حکم جاری کیا اور تمام لشکر مع اہلِ بیتؑ کے قیدیوں کے کوفہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ کوفہ کے نزدیک پہنچ کر ابن زیاد کو اطلاع دی گئی کہ لشکر فتح و کامیابی سے کربلا سے آ رہا ہے اور تمام شہداء کے سر اور اہل بیتؑ کے تمام باقی افراد کو قیدی کر کے لا رہے ہیں، لہٰذا اب امیر کے حکم کی انتظار ہے کہ کوفہ میں کس وقت، کس دروازے اور کس حالت اور کس شان میں داخل ہونا ہے؟

جب ابن زیاد کے پاس یہ پیغام پہنچا تو بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ خوشی کے طبل بجائے جائیں، لشکر کے سرداروں اور سالاروں کو دربار میں دعوت دی جائے اور شہر میں منادی ندا کرے کہ کوئی شخص جنگی آلات لے کر گھر سے باہر نہ نکلے، پس ہر گلی، کوچہ پر نگہبانوں اور سیکورٹی کے افراد کی ڈیوٹیاں لگ گئیں تا کہ شہر میں امن امان قائم رہے اور کوئی شور و شرابہ نہ ہو۔

پھر خولی بن یزید اصبحی کو بلایا اور حکم دیا کہ امام حسینؑ کے سرِ مطہر کو قیدیوں کے استقبال کے لیے ابن سعد کے پاس لے جاؤ تا کہ وہ اس سر کو ایک لمبے نیزے پر بلند کرے اور تمام سروں کو قیدیوں کے آگے آگے لایا جائے۔ چنانچہ ابن زیاد کے حکم کے مطابق مسلح فوجی تلوار نیام سے نکالے ہوئے ہر چوک اور موڑ پر تعینات کیے گئے۔ لوگ تماشا دیکھنے کے لیے گھروں سے باہر نکلے اور شہر کوفہ دریا کی موجوں کی طرح ہجوم سے جھوم رہا تھا۔

جاسوسوں نے سلطانِ کربلا کی شہادت کی خبر پورے شہر میں پھیلا دی تھی حتیٰ کہ گھروں میں بیٹھی عورتوں تک خبر پہنچ گئی کہ امامؑ کو شہید کر دیا گیا اور ان کے اہلِ بیتؑ کو قیدی بنا کر اب شہر کوفہ میں لا رہے ہیں۔

اچانک کوفہ کے مرد و زن، پیر و جوان، شریف اور بے پروا لوگوں کی چیخیں نکل گئیں اور ہر طرف سے واحسیناهُ وا اماماهُ کی فریادیں اور بین بلند ہوئے اور زمین اور زمان میں شور و غل پیدا ہوا۔ حکومت کے کرایہ داروں اور پولیس کے جوانوں نے رعب جمانے اور ہر شورش صدا کو خاموش کرنے کے لیے طبل اور نقارے بجانے شروع کر دیے اور طبل اور نقارے کی آوازیں شہر کے ہر کونے سے بلند ہوئیں۔

اسی اثنا میں شہر کے دروازہ سے خولی پہنچ گیا جبکہ اس کے بہت لمبے نیزے پر امام حسینؑ کا سر سوار تھا اور وہ سر چاند کی

طرح نیزے پر نور افشانی کر رہا تھا۔ جب سپاہیوں اور دیگر لوگوں کی نظر اس سرِ مطہر پر پڑی تو ہر شخص کے منہ سے اللہ اکبر کی تکبیر بلند ہوئی۔ قیدی مستورات اور بچوں نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا کہ لشکر تکبیریں کیوں لگا رہا ہے۔ اچانک ایک لمبے نیزے پر امام حسینؑ کا سرِ مطہر سوار دیکھا تو چونسٹھ مستور اور بچوں نے بلند آواز سے گریہ شروع کیا اور ماتم کیا۔

اسی وقت جب جناب زینب سلام اللہ علیہا کی نظر بھائی کے سر پر پڑی تو بی بی نے روزِ عاشور کے بعد پہلی دفعہ اس حالت میں سر کو دیکھا تو آپؑ کی ایسی حالت ہوگئی کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ فقط اس قدر لکھنے کی طاقت ہے کہ بی بی بار ترستی نظروں سے بھائی کے سر کو دیکھتی تھی۔ لوگ پہلی کے چاند کی طرح اس سر کی طرف اشارے کر رہے تھے تو بی بی نے دکھی دل سے یہ بین کیے:

برادرم، اور میرے ہلال، تو نے روزِ عاشور غروب کیا اور میری آنکھوں سے اوجھل ہوگئے تو میری دنیا اب تاریک ہو چکی ہے۔

أَخِي يا أَخِي اى المصائب اشتكي: فِراقكَ أَمِ هَتِكي وَنَالِي وغُربَتِي،

''اے بھائی! کون سے مصائب کی شکایت کروں''۔

أَخِي لَيتَ هَذَا النجر كان بمنحري: وياليت هَذَا السهم كان بمهجتي

''بھائی کاش! آپؑ کے بجائے میں نحر ہو جاتی اور تیر میرے قلب پر لگتے''۔

أَخِي بَلِّغِ المُختَارَ طَهَ سَلامنَا: وَقُل أُمُّ كُلثُومٍ بِكَربٍ ومِحنَةٍ

''اے بھائی! بہن کی اس حالتِ زار سے اللہ کے رسولؐ کو آگاہ کر دو کہ میری بہنیں مصائب میں گھر چکی ہیں''۔

أَخِي بَلِّغِ الكرَّارَ عَنِّي تَحِيَّةٍ : وَقُل زَينَبُ اَضحتْ تَسَاقُ بِذِلَّةٍ

''اے بھائی! میرے سلام میرے پاک بابا علیؑ کو پہنچا دینا اور کہہ دینا آپؑ کی بیٹی زینبؑ کو ذلت وخواری سے کوفہ شہر میں لائے ہیں''۔

ان بینوں کے بعد مخدرہ بی بی نے فرطِ غم میں اپنا سر محمل کی چوب پر مارا تو پیشانی زخمی ہوگئی جس سے خون جاری ہوگیا۔

اہلِ بیتؑ کے وُرُودِ کوفہ کے حالات

جب اولادِ رسولؐ و فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کو روتی آنکھوں خون شدہ دلوں سے کوفہ میں داخل کیا گیا تو تماشائیوں

کے ہجوم کی وجہ سے گزرنے کا راستہ بند ہوگیا، تقریباً بیس سر نوکِ نیزہ پر سوار تھے اور چونسٹھ عورتوں کو اُونٹوں پر سوار کیا ہوا تھا اور محمل ایسے تھے کہ پردہ تک نہ تھا یا بعض اُونٹوں کے محمل ہی نہ تھے۔ ہر مستور کی جھولی میں چھوٹے چھوٹے بچے تھے، جس کے سر اور پاؤں برہنہ تھے اور وہ زاروقطار رو رہے تھے۔ کوفی زن و مرد، چھوٹے بڑے سب تماشائی بن کر کھڑے تھے۔ بعض مسکراتے تھے اور بعض رو رہے تھے۔

جدیلہ اسدی کی روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میں اکسٹھ ہجری میں کوفہ تھا۔ لشکر ابن زیاد کربلا سے واپس آیا اور آلِ احمدؐ کے قیدیوں کو بازارِ کوفہ سے لایا گیا۔ میں نے ایسی چند عورتوں کو دیکھا کہ گریبان چاک اور سینے پر ماتم کرتے ہوئے اور چہرے پر طمانچے مارتے ہوئے، اور آنسو بہاتے ہوئے آرہی تھیں۔ میں نے ایک بوڑھے سے ان دل شکستہ قیدیوں کے بارے پوچھا تو بوڑھے نے جواب دیا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ پیغمبرؐ کے فرزند کا سرِ اقدس نوکِ نیزہ پر بلند کیا ہوا ہے۔

اسی دوران میں مَیں نے ایک عورت کو دیکھا جو نورانی چہرے سے ایک ایسے کمزور اُونٹ پر سوار ہے جس اُونٹ پر نہ پالان تھا اور نہ بی بی کے چہرے پر حجاب تھا۔ میں نے اس بوڑھے شخص سے پوچھا کہ یہ معظمہ خاتون کون ہیں؟

اس نے کہا: یہ اُم کلثوم بنت علیؑ بن ابی طالب ہیں۔

جنابِ اُم کلثومؑ کے پیچھے ایک بیمار کمر خمیدہ جوان کو دیکھا کہ جو ایک کمزور اُونٹ کی کوہان پر سوار ہے، برہنہ سر، پاؤں نیچے سے باندھے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے پنڈلیوں سے خون جاری تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟

بوڑھے نے بتایا: یہ علیؑ بن الحسینؑ ہیں۔

ان کو دیکھتے ہی مجھے بے ساختہ رونا آ گیا اور بولنے کی طاقت ختم ہوگئی لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ کوفہ کی عورتیں مکانوں کی چھتوں پر بیٹھ کر اس کارواں کا تماشا کر رہی تھیں اور ان بچوں کو جو مستورات کی جھولیوں میں تھے، کو نان اور خرما دے رہی تھیں۔

بی بی اُم کلثومؑ نے فرمایا:

حَرَجٌ علی من یَتَصِدقُ عَلَینَا اَهلَ البَیتِ فَاِنَّ الصَّدَقَةَ عَلَینَا حَرَامٌ

اے کوفی عورتو! یہ ہمدردی جو تم کر رہی ہو بے شک ہمارے بچے بھوک سے مر جائیں لیکن صدقہ ہم اہلِ بیتؑ پر حرام ہے"۔

پھر بچوں سے نان اور کھجور لے کر پھینک دیتی تھیں۔ جنابِ اُم کلثومؑ کی اس کیفیت سے مرد و زن بہت روئے اور بعض لوگوں کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ یہ اولادِ پیغمبرؐ ہیں اور وہ سرِ مقدس فرزندِ زہراءؑ کا ہے تو ان لوگوں نے گریبان چاک

کیے اور بلند آواز سے یہ بین شروع کر دیے:

وَابنتَ نَبِیَّ اللّٰہ وَاحسَنَاہ وَاحُسینَاہُ

ان مستورات میں ایک ایسی بی بی کو دیکھا جس کا سر ننگا، بال پریشان اور بالوں سے چہرے کا پردہ بنایا ہوا تھا اور دونوں ہاتھ بھی چہرے پر رکھے ہوئے تھے تاکہ نامحرموں سے اپنی صورت کو چھپا لے۔

میں نے پوچھا کہ یہ مخدرہ کون ہیں؟

بتایا گیا کہ یہ جناب سکینہؑ بنت امام حسینؑ ہیں۔

پھر میں نے ایک اُونٹ پر تین بچیوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ان کے چہرے چاند جیسے تھے لیکن سر برہنہ اور پا برہنہ تھے اور بال پریشان تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون بیبیاں ہیں؟

مجھے بتایا گیا کہ ایک رقیہؑ، دوسری صفیہؑ اور تیسری فاطمہ صغریٰؑ ہیں۔

ان بچیوں کی پریشان حالت دیکھ کر میں نے اس قدر ماتم کیا اور سر و صورت پر اتنا پیٹا کہ میری آنکھوں کا نور ختم ہوگیا۔ اسی طرح دیگر مخدرات ایک دوسرے کے پیچھے آئیں اور گزر گئیں حتیٰ کہ میں نے ایک معظمہ خاتون کو دیکھا کہ جو آنسو بہاتے ہوئے فریاد کرتی ہیں:

اَمَا یَغُضُّونَ اَبصَارَکُم عَن حَرَمِ رَسُولِ اللّٰہِ

''کیا تم حرمِ رسولِؐ خدا کا تماشا دیکھ رہے ہو؟ شرم کرو اور آنکھیں بند کرو''۔

لوگوں کی ہائے کی آواز نکلی اور پوچھا کہ یہ کون معظمہ ہے؟

بتایا گیا: ھٰذِہٖ زَینَب بنتِ علیؑ ۔ ''یہ علیؑ کی بیٹی زینبؑ ہیں''۔

میں نے دیکھا کہ اُس بی بی نے فرمایا: اے کوفیو! تمہارے مردوں نے ہمارے مرد قتل کر دیے اور اب تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں تو کن کے مردوں نے ہمیں قتل کیا ہے؟

کوفہ کے لوگ بی بی کا کلام سن کر اس قدر روئے کہ شہر میں آہ و فغاں کی صدائیں تھیں، انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹتے تھے۔

ایک کوفی عورت کا اہلِ بیتؑ کی حالت دیکھ کر متاثر ہونا

مقاتل میں لکھا ہے: ایک ضعیفہ عورت تماشائی بن کر آئی تھی اور قیدیوں کو دیکھ رہی تھی اور اپنے مکان کی چھت پر بیٹھ کر

قیدیوں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اسی اثنا کچھ محترم اور معظم خواتین کو دیکھا کہ جو بے حجاب محملوں میں اُونٹوں پر بیٹھی تھیں، پریشانی اور نالہ وفغان میں مصروف ہیں۔ اس ضعیفہ نے آواز دی:

اے دل شکستہ اور پریشان قیدی عورتو! مِن اَیِّ الاُسَارٰی اَنتُنَّ ''تم کس قبیلہ، ملت اور شہر کے قیدی ہو؟''

ایک معظّمہ خاتون نے جواب دیا: یہ کیسا سوال کر رہی ہو؟

ضعیفہ نے کہا: میں نے اپنی زندگی میں بہت سے قیدی دیکھے ہیں لیکن کوئی قیدی تمہاری طرح کے نہیں دیکھے کہ آفتاب کی گرمی نے تمہارے چہرے کی چمک کو ماند کر دیا، گرسنگی اور تشنگی کے صدمات تمہیں آئے ہیں، اس کے باوجود تمہارے چہروں سے نور طلوع ہوتا ہے اور تمہارے روحانی شکل و شمائل دیکھتے دیکھتے دل سیر نہیں ہوتا۔

ایک معظّمہ خاتون نے جواب دیا کہ نَحنُ بَنَاتُ آلِ رَسُولِ اللّٰه وَبَنَاتِهِ وَنِسَاء الحُسین ''ہم رسولؐ اللہ کی بیٹیاں ہیں، بعض خود پیغمبرؐ کی بیٹیاں اور بعض فرزندِ پیغمبرؐ امام حسینؑ کی بیٹیاں ہیں''۔

پس جوں ہی اس ضعیفہ کو علم ہوا کہ یہ آلِ رسولؐ ہیں تو اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر مارے اور فریاد کی:

وَامُصِیبَتَاہ عَلَیکُم یَا اَھلَ بَیتِ رَسُولِ اللّٰه ''ہائے اہلِ بیت پر مصائب۔ یہ ضعیفہ مکان کی چھت سے نیچے اُتری اور اپنی بیٹیوں، بہنوں اور بھانجیوں، بھتیجیوں کو خبردار کیا کہ حضرت علیؑ کی بیٹیوں اور اولادِ فاطمہؑ واولادِ رسولؐ کو ابن زیاد نے روم کے قیدیوں کی طرح مظلومانہ انداز میں کوفہ میں داخل کیا ہے کہ جس شہر میں ان بیبیوں کے والد اور دادا نے حکومت کی تھی۔ اُٹھو اور تمہارے پاس جو لباس، چادریں اور مقنعے ہیں وہ لاؤ، ان قیدیوں کے سر پر چادریں، مقنعے نہیں ہیں اور بے حجابی کی وجہ سے بہت شرمندہ ہیں۔

اس ضعیفہ کی بیٹیوں، بہنوں کے پاس جو لباس اور چادریں تھیں لائیں۔ ان چادروں اور مقنعوں کو ضعیفہ نے ایک تھیلے میں بند کیا اور جلدی سے گھر سے نکل کر قیدیوں کے پاس آئی اور جنابِ اُم کلثومؑ کے قریب آئی اور عاجزانہ انداز میں عرض کیا:

یَا سَیِّدَتِی خُذِی فَاستُرِی هٰذهِ النِّسوَان

''اے میری سردار! یہ لباس اور چادریں لو اور ان سر برہنہ عورتوں میں تقسیم کر دو تا کہ اپنا پردہ بنا لیں اور برہنگی کا دکھ کم ہو جائے''۔

جنابِ زینبؑ کبریٰ نے فرمایا: اے ضعیفہ! اگر یہ سامان صدقہ کے طور پر لائی ہے تو جان لے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔

اس ضعیفہ نے عرض کی: لَا یَا سَیِّدَتِی اِنَّمَا هِیَ هِبَّةٌ مِنِّی اِلَیکُم اینها هدیه ''نہیں میری سردار بی بی! یہ صدقہ نہیں بلکہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے جو آپ کو بخش رہی ہوں''۔

بیبیوں نے مجبوری سے وہ کپڑے اور چادریں قبول کرلیں اور اپنے آپ کو نامحرموں سے چھپا لیا۔
جب زجر بن قیس حرام زادے کی نظر اس ضعیفہ عورت پر پڑی کہ اس نے چادریں اور لباس دیئے ہیں تو اس ضعیفہ کو گالیاں دیں اور سخت گھرکیاں دیں مگر ضعیفہ ابن زیاد کے ڈر سے عورتوں میں چھپ گئی۔

بازارِ کوفہ میں اہلِ بیتؑ کے خطاب

روایت قمقام: صاحب قمقام لکھتے ہیں: اہلِ بیتؑ کے خطبات کو درج کرتا ہوں البتہ ان کا ترجمہ خلاصہ کے طور پر بیان کیا جائے گا۔

صاحبِ احتجاج نے حذیم بن شتیر سے روایت کی ہے کہ راوی کہتا ہے کہ میں نے بازارِ کوفہ میں جنابِ زینبؑ بنت علیؑ کو دیکھا کہ ان سے زیادہ کسی کا فصیح و بلیغ خطاب نہیں سنا۔ گویا وہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے لہجے میں بول رہی تھیں۔ بازار میں شور وغل تھا، لوگوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا گیا اور پھر حکم دیا کہ خاموش ہو جاؤ، سب لوگ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ اُونٹوں کے گلے میں بجنے والی گھنٹیاں بھی رُک گئیں تو بی بی نے یہ خطبہ پڑھا۔

جنابِ زینبؑ کا خطبہ

قَالَت بَعدَ حَمدِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالصَّلٰوۃِ علٰی رَسُولِہٖ، اَمَّا بَعدُ یَا اَھلَ الکُوفَۃِ وَیَا اَھلَ الخَتَلِ وَالغَدرِ وَالخَذلِ (وَالمَکرِ) اَلَا فَلَا رَقَأتِ العِبرَۃِ وَلَا ھَدات الزَفرَۃ اِنَّمَا مِثلُکُمْ کَمَثَلِ الَّتِی نَقَضَت غَزَلَھَا مِن بَعدِ قُوَۃٍ اِنکَاثًا تَتَّخِذُونَ اِیمَانکُمْ دَخَلًا بَینَکُم اَلَاوَھَل فِیکُم اِلَّا الصَّلَف وَالعَجَبَ وَالشَّنَفَ وَالکِذب وَمَلَقَ الاماء وَغَمزِ الاعداد...... الخ

”جنابِ عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب کبریٰؑ نے یہ خطبہ دیا تو حمد خدا اور نعت رسولؐ خدا کے بعد فرمایا:
اے مکار، غدار، کوفیو! خدا کبھی تمہارا یہ رونا بند نہ کرے اور فریادیں ساکت نہ کرے، تم نے ایمان کی بنیاد مکر و دھوکا پر رکھی ہے لہٰذا تم سے دشمنی، جھوٹ کے علاوہ کیا توقع کی جا سکتی تھی۔ یہ تمہارا رونا مگرمچھ کا رونا ہے۔ تم اس سے زیادہ رونے کے اہل ہو۔ پھر اپنے آپ پر ہنسو کیونکہ بڑا عیب اور ننگ اپنی زندگی میں لگا دیا ہے کہ ہمارے ساتھ دھوکا کیا۔ اور یہ اپنا ننگ اور عیب کبھی دھو نہیں سکتے کیونکہ تم نے فرزندِ رسولؐ سید جوانانِ جنت، مستضعفین کے ملجا و پناہ، نورِ ہدایت کو قتل کیا ہے۔ یہ تم

نے آخرت کے لیے ذخیرہ بنا کر آگے بھیجا ہے، یہ تمہاری یہاں اور وہاں دونوں جہان میں بربادی ہے۔تم نے بہت بُرا سودا کیا ہے۔غضبِ خدا کو خود دعوت دی ہے۔ذلت وخواری کو خود گلے لگایا ہے۔ ہائے افسوس! تم پر کہ تم نے رسولؐ کے جگر کو قتل کر دیا ہے اور رسولؐ کی ذُریت کو قیدی کر لیا ہے"۔

لَقَدۡ جِئۡتُم شَیۡئًا اِذًا تَکَادُ السَّمٰوٰتِ یَتَفَطَّرنَ مِنۡهُ وَتَنشَقُّ الارضَ وَتُخُرُّ الجِبَال هدًّا

"تم نے بہت بُرا اور ناپسندیدہ کام کیا ہے۔آخرت کا عذاب بہت سخت ہے جہاں کوئی حامی و ناصر نہ ہوگا۔اب تمہاری زندگی چند روزہ ہے جو تمہیں مہلت کے طور پر دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ گناہ کرو اور خدا تم سے انتقام لے۔تم اس کی قدرت سے بھاگ نہیں سکتے"۔

جب یہ خطبہ بی بی نے دیا تو مرد حیران و پریشان ہو کر رو رہے تھے۔ایک بوڑھا جو میرے ساتھ کھڑا تھا، اس قدر رویا کہ اُس کی ریش آنسوؤں سے تر ہوگئی اور آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہہ رہا تھا:

بِاَبِی وَاُمِّی کهولَهُم خَیرُ الکُهول وَشَبَابهُم خَیرَ شَبَابِ وَنَسلَهُم نَسلَ کَرِیم وَفَضلُهُم فَضلَ عَظِیم

"میرے ماں باپ قربان! آپؑ کے بوڑھے کائنات سے افضل، آپؑ کے جوان افضل ترین جوان اور آپؑ کی نسل کریم ترین نسل ہے"۔

اس مقام پر جناب امام سجاد علیہ السلام نے بی بی کو خطبہ بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

اَنتِ عَالِمَةٌ غَیر مُعَلَّمَة وَفَهِمَةٌ غَیر مُفَهمَةٌ

"آپ عالم بعلم الٰہی ہیں، کسی اور سے علم حاصل کرنے کے بغیر علم رکھتی ہیں"۔

خطبہ امام سجادؑ

سید بن طاؤس میں حذیم سے روایت کی ہے کہ ان کے بعد جناب امام سجاد علیہ السلام نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔حمد وثنا کے بعد فرمایا:

قَالَ اَیُّهَا النَّاسُ مَن عَرَفَنِی فَقَد عَرَفَنِی وَمَن لَم یَعرِفنِی فَاَنَا عَلِی بنِ الحُسَین المَذبُوحِ بِشَطِّ الفَراتِ مِن غیرِ دُخلٍ وَلَا تَراثٍ اَنَا ابنُ مَن اَنتَهَکَ حَرِیمَهُ وَسَلَبَ نَعِیمَهُ وَانتَهَب مَالَهُ وَسُبِیَ عَیَالَهُ اَنَا بنُ مَن قُتِلَ صَبرًا فَکَفٰی بِذٰلِکَ فَخرًا...... الخ

"امامؑ نے فرمایا: جو مجھے جانتے ہیں سو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ان کو اپنا نام و نسب بتاتا ہوں تاکہ وہ بھی جان لیں۔ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جسے لبِ فرات بلا جرم و خطا گوسفند کی طرح ذبح کیا گیا ہے۔ جس کی مخدررات کو قیدی بنایا گیا ہے، مال لوٹا گیا، مخدرات کی چادریں چھین لی گئیں، خیام کو آگ لگا دی گئی تھی حتیٰ کہ میرے بابا حسینؑ کو شہید کر دیا"۔

اے لوگو! بتاؤ کیا تم نے ان کو خطوط لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت نہ دی تھی؟ اور دھوکا اور مکر سے تاکید کی، پھر آشکارا ان کے لیے بیعت بھی کی لیکن جب وہ تمہارے پاس آئے تو بیعت کا عہد و پیمان توڑ دیا اور ان کے قتل کے درپے ہوگئے حتیٰ کہ شہید کر دیا۔ پس بربادی ہے تمہارے لیے دونوں جہانوں میں کیوں کہ تم نے بہت بڑی .... جہاں بھیجی ہے، بہت غلط تم نے فیصلہ کیا۔ اب رسولِ پاکؐ کے سامنے کس طرح جاؤ گے اور کیا جواب دو گے؟ ان کی عترت کو قیدی بنایا، نامحرموں میں متعارف کرایا، کیسے جواب دو گے؟"

جب امام علیہ السلام نے خطبہ یہاں تک پڑھا تو لوگوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اور کہا کہ ایسا ہی ہے جیسے آپؑ کہہ رہے ہیں۔ ہم نے دونوں جہان برباد کر دیے ہیں۔ ہم نے غلط کیا۔ اب آپؑ حکم کریں کہ ہم آپؑ کے دشمنوں کو ابھی ہلاک کر دیں اور رسولِ پاکؐ کے سامنے سرخرو ہوں تو امام سجاد علیہ السلام نے جھڑک کر فرمایا:

هَيهَاتَ هَيهَاتَ اَيَّتُها الغَدَرَةُ المَكَرَة حِيلَ بَينكم وَبَينَ شَهَوَاتِ اَنفُسِكُم اَتُرِيدُونَ اَن تَاتُوا اِلَيَّ لَمَا اَتَيتُم اِلٰى اَبَائِي مِن قَبلُ كَلَّا وَرَبَّ الرَّاقِصَاتِ اِلٰى مِن فَاِنَّ الجُرحَ لَمَا يَندَمِلُ قُتِلَ اَبِي بِالامسِ وَاَهَل بَيتِهٖ مَعَهٗ فَلَم يَنسَنِي ثكُل رَسُولِ اللّٰه عَلَيهِ وَصَلَّى اللّٰه وَاٰلِهٖ وثكُل اَبِي وَبَنِي اَبِي وَوَجدُه بَينَ لِهَا زِمِي وَمِرَارَتُه بَينَ حَنَاجِرِي وَحَلقِي وَغُصصه تُجرِي فِي فِرَاشِ صَدرِي

"ہائے افسوس اور ہائے افسوس! اے دھوکے بازو! یہ حیلہ گریاں کرتے ہیں، یہ تمہارا ارادہ دھوکا ہے کیونکہ امام حسینؑ سے بھی یہی وعدے کیے تھے۔ ابھی رسول اللہؐ کی رسالت بھولی نہیں، رسولؐ کی شہادت کا دکھ، دادا کے سر پر ضرب کا دکھ، چچا حسنؑ کے جگر کے ٹکڑوں کا درد اور مظلومِ حسینؑ کی شہادت تو کل کی بات ہے اور ہمیں بھولی نہیں وہ زخم ابھی باقی ہیں لیکن تم نے ہمارا نقصان ہی نہیں کیا اپنا نقصان کیا ہے"۔

خطبہ جناب فاطمہؑ الصغریٰ

احتجاج طبرسی میں زید بن موسیٰ بن جعفرؑ سے روایت ہے کہ جب کربلا سے کوفہ قافلہ آیا تو جناب فاطمہؑ صغریٰ نے یہ خطبہ بازارِ کوفہ میں دیا:

فَقَالَت اَلحمدُ لِلّٰہِ عَدَدَ الرَّمَلِ وَالحِصٰی وَزِنَۃَ العَرشِ اِلٰی الثَّرٰی اَحمُدُہٗ وَاومَنُ بِہٖ وَاَتَوَکَّلُ عَلَیہِ وَاَشھَدُ اَن لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ وَاَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبدُہٗ وَرَسُولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَاَنَّ الطُّغَاۃَ ذَبحُوا اَولَادَ بِشَطِّ الفَرَاتِ مِن غَیرِ دَخلٍ وَلَا تُرَاثٍ: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِن اَن اَفترٰی عَلَیکَ الکِذبَ وَاَن اَقُولَ عَلَیکَ خَلَافَ مَا اَنزَلَت عَلَیہِ مِن اَخذِ العُھُودِ لِوَصِیِّہٖ عَلِی ابنِ اَبِی طَالِبِ المَسلُوبِ حَقُّہٗ المَقتُولَ مِن غَیرِ ذَنبٍ کَمَا قُتِلَ وَلَوہ بِالاَمِس فِی بَیتٍ مِن بُیُوتِ اللّٰہِ تعالٰی وَبِھَا مَعَشر مُسلِمَۃ بِاَلسِنَتِھِم تَعسًا لِرؤُسِھِم مَا دَفَعت عَنہ ضیما فِی حِیوٰتِہٖ وَلَا عِندَ مَمَاتِہٖ حَتّٰی قَبضۃ اِلَیکَ مَحمُودًا النقیبۃ طَیِّبَ العَریکہ معروف المناقب۔۔۔۔ الخ

"بی بی نے حمدِ خدا اور رسولؐ پاک پر درود و سلام کے بعد اپنے جدّ امجد حضرت علیؑ کے مناقب و فضائل پڑھے اور چند آثارِ محمودہ اور دین کے احکام مضبوط کرنے میں ان کے کردار اور شرک کی بنیادوں کو گرانے اور امتحانات کا شہادت تک تذکرہ کیا۔

پھر اہلِ بیتؑ کے فضائل پڑھے اور کوفیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: اے کوفیو! خدا نے تمہاری آزمائش ہمارے ذریعہ سے کی ہے اور ہماری آزمائش تمہارے مسلط ہوجانے سے ہم کامیاب ہوئے اور تم ناکام کیونکہ تم نے اللہ کے علم کے خزانوں اور حکمت کے پروانوں کو دھوکے سے قتل کردیا۔ ہمارے خون کو حلال اور ہمارے اموال کے لوٹنے کو مباح سمجھا ہے، گویا ہمیں ترک اور کابل کی اولاد سمجھا ہے۔

میرے جدّ امجد امیرالمومنینؑ کو شہید کیا ہے، اور کل میرے بابا کو شہید کیا ہے اور ابھی ہمارا خون تمہاری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور یہ تمہارے پرانے کینے کی وجہ سے ہوا اور تمہارے دل خوش ہوگئے اور غضبِ الٰہی کو دعوت دی ہے، خدا تم سے انتقام لے گا اور ابھی اللہ کی لعنت اور عذاب کے منتظر رہو۔ عنقریب تمہیں خدا آپس میں الجھائے گا اور ایک دوسرے کا خون بہاؤ گے۔ تمہارے

دلوں پر خدا نے مہریں لگا دی ہیں کہ تم حق بات سن سکو۔ شیطان نے تمہارے ان افعال پر پردہ ڈال دیا ہے اور تمہیں صاف اور اچھے اعمال دکھاتا ہے تاکہ تمہیں راہِ ہدایت نہ مل سکے"۔

یہاں تک خطبہ دیا تو مکر مخزولی نے دو شعر پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ ہمیں علیؑ کے قتل کرنے اور اس کی اولاد کو قیدی بنانے پر فخر ہے۔

پاک بی بیؑ نے فرمایا: تیرے منہ میں خاک، کہ جس قوم کو خدا نے پاک و پاکیزہ پیدا کیا اور رکھا اور تمام کائنات پر اس کو فضیلت دی ایسی قوم کو قتل کر کے اور اس کی اولاد کو قید کر کے فخر کرتے ہو۔ یہ تمہارے دلوں میں ہمارے خلاف حسد و بغض اور کینہ ہے جو اب کربلا میں ظاہر ہوا ہے حالانکہ یہ فضائل خدا نے دیے ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهِ ذُوالفَضلِ العَظِيمِ ، وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوْرًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّوْرٍ

"جسے اللہ دے اس کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے--- اور جس کے لیے اللہ نور قرار نہ دے اس کو نور نہیں مل سکتا"۔

لوگوں کا گریہ بلند ہوا اور انہوں نے کہا: يَاابنَةَ الطَّيِّبِينَ ، اے بی بی طیبہ، نصیحت بس کرو ہمارے دل جل چکے ہیں، ہمارے اندر آگ بھڑک رہی ہے۔

خطبہ جنابِ اُم کلثومؑ

مرحوم سید نے لہوف میں لکھا ہے: اس کے بعد روتی ہوئی آواز سے جناب اُم کلثومؑ نے یہ خطبہ دیا:

يَا اَهلَ الكُوفَةِ سَوْأَةً لَكُم مَا لَكُم خَذَلتُم حُسَينًا وَقَتَلتُمُوهُ وَانتَهَبتُم اَموَالَهُ وَوَرِثتُمُوهُ وَسَبَيتُم نِسَائَهُ وَنَكَبتُمُوهُ فَتَبًا لَكُم وَسُحقًا وَيلَكُم اَتَدرُونَ اى دَوَاهٍ دُهَتكُم وَاَى وِزرٍ عَلٰى ظُهُورِكُم حَمَلتُم وَاَىَّ دِمَاءٍ سَفَكتُمُوهَا وَاَىَّ كَرِيمَةٍ اَصَبتُمُوهَا وَاَىَّ صَبِيَةٍ سَلَبتُمُوهَا وَاَىَّ اَموَالٍ انتَهَبتُمُوهَا قَتَلتُم خَيرَ رِجَالَاتٍ بَعدَ النَّبِيِّ وَنُزِعَتِ الرَّحمَةُ مِن قُلُوبِكُم اِلَا اِنَّ حِزبَ اللّٰهِ هُمُ الفَائِزُونَ وَحِزبُ الشَّيطَانِ هُمُ الخَاسِرُونَ

"اے اہلِ کوفہ! تم بہت بُرے ہو، تمہیں کیا ہوگیا کہ حسینؑ کی مدد نہ کی بلکہ ان کو قتل کیا اور ان کے اموال لوٹے اور وارث بن گئے۔ ان کے اہل و عیال کو قیدی بنایا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ کتنی بڑی

زیادتی تم نے کی اور کتنا بڑا بوجھ اپنے اُوپر اٹھایا، کس قدر عظیم خون بہائے، اور کتنی عظیم بیٹیوں کو سر برہنہ کیا۔ کیا تمہارے دلوں میں ذرا بھر رحم نہ تھا کہ تم نے ایسا کیا ہے؟ اور پیغمبرؐ کے بعد سب سے بہتر اور افضل شخص کو قتل کر دیا ہے"۔

اس خطبہ پر کوفی روتے رہے، عورتوں نے بالوں میں مٹی ملائی اور سر وصورت پر ماتم کیا۔

مسلم معمار کا آنکھوں دیکھا واقعہ

مسلم کہتے ہیں کہ مجھے ابن زیاد نے دارالامارہ کی اصلاح اور مرمت کے لیے بلایا۔ میں کوفہ میں بنائی، گچ کاری اور دارالامارہ کی تعمیر میں مشغول ہوگیا۔ جب میں دارالامارہ کے دروازوں کی گچ کاری کر رہا تھا کہ (فَاِذًا بِالزَّعقَاتِ قَدِ ارتَفَعَت مِن جَنبَاتِ الكُوفَةِ) اچانک اطراف کوفہ سے خوفناک اور عجیب وغریب آوازیں سنائی دیں اور اس قدر شور وغل تھا کہ گویا زمین کو زلزلہ آ گیا۔ خادم سے میں نے پوچھا کہ یہ کس قسم کا شور اور آوازیں ہیں؟

خادم نے کہا: ابھی کوفہ میں ایک خارجی کا سر لائے ہیں جس نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ میں نے پوچھا کہ اس خارجی کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: حسینؑ بن علیؑ ہے۔

جب میں نے یہ نام سنا تو خادم سے دُور چلا گیا اور لَطَمتُ بوَجهِي حَتّٰى خشيت عَلٰى عَينِي اَن تَذهَبَا میں نے منہ پر طمانچے مارنے شروع کیے اور اس قدر گچ آلود ہاتھوں سے ماتم کیا کہ مجھے اپنی آنکھوں کے ختم ہوجانے کا ڈر ہوا۔ اپنے ہاتھوں کو دھویا اور محل سے باہر نکلا اور محلہ کناسہ کی طرف گیا۔ یہاں تماشائی لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ گزرنے کو راستہ نہ ملتا تھا اور یہاں تمام لوگ قیدیوں اور سروں کے آنے کے انتظار میں کھڑے تھے۔

اسی اثناء میں دیکھا کہ اِذًا قُبِلَت نَحوَ اَربَعِينَ شِقَّةً تَحمِلُ عَلٰى اَربَعِينَ جَمَلًا فِيهَا الحَرَمَ وَالنِّسَاءُ وَاَولَاد فَاطِمَةَ کہ تقریباً چالیس اُونٹ (جن کے پالان چند لکڑیوں کے ٹکڑے تھے جو آپس میں بندھے ہوئے تھے) پر اولادِ فاطمہؑ، ذُریت پیغمبرؐ اور حرم سید الشہداءؑ کو بٹھایا ہوا ہے اور ہر اُونٹ پر لکڑی کی گھٹڑی باندھے تھے اور ان دل شکستہ اور کبوترانِ حرم کو ان پر بٹھایا ہوا ہے۔

اِذًا بِعَلِي بنِ الحُسَينؑ عَلٰى بَعِيرٍ بِغَيرِ وَطَاءٍ وَاَودَاجهٗ تَشخَبُ دمًا

"مسلم کہتے ہیں کہ اچانک میری نظر بیمارِ امامؑ پر پڑی کہ انتہائی کمزوری اور لاغری سے بغیر محمل کے اُونٹ پر بیٹھا ہوا ہے اور پنڈلیوں اور گردن سے خون بہہ رہا تھا۔ (شخب اس پستان کو کہتے ہیں جو

دودھ سے لبریز ہو اور جونہی ہاتھ کی انگلیوں کا اشارہ ہو تو اس پستان سے دودھ آنا شروع ہو جائے!)

مسلم معمار کہتا ہے کہ اسی طرح خون جنابِ سجادؑ بیمار کی رگوں سے بہہ رہا تھا اور بڑی حالت زاری سے آنسو کے ساتھ آہستہ آہستہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

يَا اُمَّةَ السُّوْلَا سَقيًا لِرَبِيعِكُم يَا اُمَّةَ لَم تَرَعٰى جَدّنَا فِينَا

تَسِيرُونَا عَلَى الاَقتَابِ عَادِيَة كَاَنَّنَا لَم نَشُيّد فِيكُم دِينًا

''اے بدترین! خدا تمہیں رُسوا کرے کہ تم نے ہمارے جدّ کا ہمارے حق میں لحاظ نہ رکھا، اور اولادِ پیغمبرؐ کو اُونٹوں کی کھڑیوں پر بٹھایا اور قیدی بنا کر کوفہ شہر میں لائے۔ کیا ہم تمہارے دین کے مرشد نہ تھے؟''

مسلم کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امامؑ کے ان جملات کے بعد کوفی اہلِ بیتؑ کے بچوں کو کھجور، نان، بادام دیتے تھے اور جنابِ اُم کلثومؑ فریاد کرتی تھیں اے مسلمان نما درندو! یہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔ ہم آلِ محمدؐ ہیں اور بچوں سے کھجور، نان، بادام وغیرہ لے کر پھینک دیتی تھیں۔ کوفہ کے زن و مرد یہ دیکھ کر زار و قطار روتے تھے کہ دیکھو بچے بھوک سے مرنے والے ہیں اور مخدرہ بی بی ان کو کھجور اور نان سے محروم کر رہی ہے۔ جب بی بی پاکؑ نے عورتوں کا گریہ دیکھا تو فرمایا:

تَقتُلُنَا رِجَالُكُم وَتَبكِينَا نِسَاءُكُم ''تمہارے مرد ہمارے قاتل ہیں اور تمہاری عورتیں ہماری مظلومیت پر روتی ہیں''۔ فَالحَاكِمُ بَينَنَا وَبَينَكُمُ اللّٰهُ يَومَ فَصلِ القَضَاءِ ''خدا ہمارے اور تمہارے درمیان بروزِ قیامت فیصلہ کرے گا''۔

مسلم کہتا ہے: جب بی بی پاک اہلِ کوفہ سے خطاب کر رہی تھی تو اس وقت ایک شور و غل پیدا ہوا۔ جب دیکھا تو شہداء کے سر لائے جا رہے ہیں۔ يُقَدِّمُهُم رَأسُ الحُسَينِ وَهُوَ رَأسٌ زهرِی اَشبَهُ الخَلقَ بِرَسُولِ اللّٰهِ یعنی تمام سروں سے آگے آگے امام حسینؑ کا سر تھا۔ وہ سر چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا اور رسولؐ اللہ کے مشابہہ تھا۔ ریش مبارک ایسے خوبصورت لگ رہی تھی جیسے چاند کے اردگرد ہالہ ڈالا ہوا ہے اور ریشِ مبارک اپنے خون سے رنگین تھی اور جب ہوا چلتی تو وَالرِّيحُ يَلعَبُ يَمِينًا وَشِمَالًا ''ریشِ مبارک کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف ہو جاتی''۔

اچانک جنابِ زینبؑ نے اپنے بھائی کا سر دیکھا، جونہی سر پر نظر پڑی جو نیزے پر تھا تو برداشت نہ کرسکیں اور فَنَطَحَت جَبِينَهَا بِمَقدَمِ المَحمَلِ حَتّٰى رَاَينَا يَخرُجُ مِن تَحتِ قِنَاعِهَا ''بی بی نے اپنا سر بلند کیا اور پیشانی کو محمل کی ایک لکڑی پر مارا۔ محمل چلتا رہا اور خون گرتا رہا''۔ پھر فَاومَئَت اِلَيهِ بِخِرقَةٍ وَجَعَلَت تَقُولُ بھائی کی طرف شکستہ دل اور شگافتہ پیشانی سے اشارہ کیا اور فرمایا: ''اے زینبؑ کے پہلی رات کے ہلال! لوگ تیری طرف انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں، ابھی تمہارا کمال پورا نہ ہوا تھا کہ بہن کی آنکھوں کے سامنے غروب کر گیا''۔

اے حسینؑ برادر! میں آپؑ کی مصیبتوں اور دکھوں سے باخبر ہوں لیکن یہ مصیبت کبھی فراموش نہ ہوگی کہ تیرا سرنوکِ نیزہ پر ہو اور زینبؑ کے سر پر چادر نہ ہو۔

اپنے آپ میں کہتی تھی کہ شاید میرا اور آپؑ کا اس انجام تک موقع نہ آئے گا۔ اب میرے اُوپر وہی مصائب آ گئے جن کا ڈر تھا۔ اے میرے دل کے ٹکڑے اور زینبؑ کا جگر! صرف ایک مرتبہ اپنی بیٹی فاطمہؑ صغریٰ سے ایک لفظ تو بول دو ورنہ وہ مرجائے گی۔ اے میرے بھائی! آپؑ تو بہت نازک دل تھے اور اپنے بچوں سے بڑی محبت تھی اب ان بچوں سے ایک ایک حرف بات تو کرلو۔

زندانِ کوفہ میں آمد

روایت حدائق الانس: مرحوم صدر قزوینی جناب شیخ صدوقؒ کی امالی سے روایت نقل کرتے ہیں: جب اہلِ بیت رسالتؑ، حرمِ ولایت ستارے انتہائی مظلومیت کی حالت میں کوفہ داخل ہوئے تو اسی دن ابن زیاد کے دربار میں پیش نہ کیا بلکہ ابن زیاد کا حکم تھا کہ قیدیوں کو زندان میں لے جائیں اور کل دربارِ عام ہوگا اس میں ان قیدیوں کو پیش کیا جائے اور دوسرا حکم یہ ہوا کہ امام سجادؑ کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر قید خانہ میں رکھا جائے۔

راوی حاجب کہتا ہے: میں کارواں کے ساتھ تھا اور ان دل شکستہ خواتین کو زندان کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو جہاں سے گزرتے ہر گلی اور بازار تماشائیوں سے پُر تھے، جونہی تماشائیوں کی نظر ان بے حال عورتوں اور بچوں کی غربت و مظلومیت پر پڑی تو ایک دم لوگوں کے گریہ کا شور وغل بلند ہوتا تھا، سر و صورت پر طمانچے مارتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ اس حالت میں ان مظلوموں کو زندان میں لے جایا گیا۔

کاش کہ آج کوئی نجف میں خبر پہنچا تا کہ یا علیؑ اُٹھو اور اپنی آنکھوں سے خون بہاؤ کیونکہ آپؑ کی بیٹیوں کو زندانِ کوفہ میں لے جا رہے ہیں۔ اے کاش! زہراؑ آج دیکھتیں کہ نوجوان بیٹیاں اور بے کس بچے اور بیمار امامؑ کے ساتھ کس حالتِ زار میں زندان پہنچے ہیں۔ جونہی مخدرات عصمت و طہارت کی نظر زندان پر پڑی تو بہت سوز اور گریہ و زاری بلند ہوا اور ہر ایک زندانی کی اپنی زبانِ حال تھی۔ فَحُبِسُوا فِي سِجنٍ وَضِيقٍ عَلَيهِم

شیخ صدوق فرماتے ہیں: تمام اسیروں کو ایک انتہائی تنگ مکان میں زندانی کیا گیا اور ان پر بہت سختی کی۔ مرحوم علامہ صاحب ریاض الاحزان لکھتے ہیں: میں نے جس قدر تحقیق کی اور کسی کتاب میں اس زندان کی کوئی تفصیل موجود نہیں کہ اس زندان کی چھت تھی یا نہ؟ ایک کمرہ تھا یا متعدد کمرے تھے؟ ان میں ضروریاتِ زندگی مہیا تھیں یا نہ تھیں؟

لیکن اہلِ بیتؑ پر سختی اور تنگی کرنے کی کیفیت تو واضح ہے کہ سپاہی زندان میں قیدیوں کو آنے جانے سے روکتے تھے، پانی اور کھانا نہیں دیتے تھے۔ جس طرح مغضوب علیہم قیدیوں سے سلوک کیا جاتا ہے بلکہ ان سے بھی اہلِ بیتؑ پر زیادہ سختی کی گئی ہے۔

صاحب ریاض الاحزان لکھتے ہیں:

وَالظَّاهِرُ اَنَّهُم سُجِنُوا ذُكُورًا وَاُنَاثًا السَّادَةِ وَالاَمَاءِ وَالخَادِمَةِ وَالمَخدُومَةِ فِي سِجنٍ وَاحِدٍ لَا يَدرُونَ مَا يَفعَلُ وَيَستَقبِلُهُم مِنَ الخُطُوب المَتَوَلِّدَةِ مِنَ البَغضَاءِ وَالحِقدِ وَالاَحَنِ

"یہ اخبار سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اہلِ بیتؑ کے کارواں کے مرد اور عورت، سردار اور کنیزوں، خادم اور مخدوم سب کو ایک ہی زندان میں رکھا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کل ابن زیاد ان سے کیا سلوک کرے گا۔ تمام قیدیوں پر خوف اور لرزہ طاری تھا"۔

يَتَضَرَّعُونَ وَيَنُوحُون وَيَبكُونَ وَيَندِبُونَ عَلٰى مَا هُم عَلَيهِ مِنَ الحَالَةِ القَادِحَة العَاضَةِ الكَاضَةِ المُفجِعَةِ المُفضِعَةِ

تمام قیدی دل کی گہرائیوں اور بند بند سے روتے، نوحہ کرتے اور ایک نوحہ میں ہوتا تو دوسرا گریہ کرتا۔ ایک آہ اور ٹھنڈی سانسیں لیتا تو دوسرا گریہ کرتا، ایک مناجات کرتا اور یاجدّی یاجدّی کہتا تو دوسرا بابابابا کر کے فریاد کرتا تھا۔ ایک بھائی بھائی کرتا تو دوسرا دکھوں پر روتا تھا۔ ایک زمانے کی بے وفائی پر روتا تو کوئی کوفیوں کی بے وفائی پر روتا اور سب سے زیادہ دکھی تو حسینؑ کی بہن تھی جس کے دل تمام کے دکھ اور درد تھے اور تمام کو تسلیاں بھی دیتی تھیں۔ جوانوں کو تسلیاں دیتی حالانکہ جنابِ زینبؑ کو تسلی دینے والا کوئی نہ تھا۔ کیونکہ جب ان کے دل پر مصائب کا اجتماع ہوتا تو ایسی دکھ بھری آہ کھینچتی تھیں کہ عرش بریں کانپ جاتا تھا۔

صاحب ریاض الاحزان نے لکھا ہے:

فلما جلست زینب بنت علی فی المجالس وحولها النساء والبنات والیتامٰی بحالة تقشعر منه الجلود بل یذوب الحجر الجلمود

"جب زینبؑ عالیہ دختر امیر المومنینؑ زندان میں پہنچیں اور بیٹھیں اور ان کے اردگرد دل خون عفیف مستورات، غمگین دل بیٹیاں اور دکھی یتیم اور دل شکستہ بچے بیٹھے تو دل پانی اور جگر کباب ہو گیا تھا"۔

بی بی کی حالت یہ تھی:

اَخَذَت تَبکِی بِحرَقَۃٍ وَتَوَجُّعَ وَتَنَوحُ بِشَجوِہٖ وَتفضَعُ وَتَبکِی بَبَکائِھَا الحَوَاتِین وَالآمَاءَ وَالارَامِلَ وَالیَتَامٰی وَالمُسَلبات وَالایامٰی...... الخ

''بی بی زینب اپنی اور دوسری خواتین کی غربت اور مظلومیت پر بہت روئیں کہ زندان میں جگہ تنگ، زن و مرد ایک جگہ، بغیر فرش اور چراغ کے تو بہت گریہ کیا اور دل پُر درد سے ٹھنڈی سانسیں لیتی تھیں۔ بی بی کے آنسو کے قطرات لؤلؤ کی طرح گرتے تھے۔ بی بی کو روتا دیکھ کر تمام عورتوں میں ماتم اور کہرام مچ گیا''۔

جنابِ زینبؑ نے اُم کلثوم بہن سے کہا: اے بہن! ہمارے دن تاریک ہوں گے۔ اس سے زیادہ ہم پر کیا ظلم کرتے ہیں۔ آؤ مل کر روئیں بلکہ اس مظلوم پر روئیں جس کے آخری وقت میں سرہانے نہ تھیں اور آنکھیں بند نہ کرسکیں۔ اے حسینؑ! بہنیں تیرے پیاسے ہونٹوں پر قربان ہوجائیں، تیرے بیٹوں اور یتیم بچوں پر قربان ہوجائیں۔

مرحوم ریاض الاحزان میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا سُجِنُوا وَطَبَقَ بَابُ السِّجنِ عَلَیھِم تَفَرَّقَ النَّاسُ عَنھُم اِمَّا شَامِتِینَ فَرِحِینَ اَمَّا بَاکِینَ مُنتَجِبِینَ فَمَضَوا لِسَبِیلِھِم

''جب تمام قیدی زندان میں آگئے اور زندان کا دروازہ بند کردیا تو تماشائی لوگ متفرق ہوگئے، بعض خوش اور مسرور تھے جبکہ بعض روتے اور غمگین تھے۔ تمام لوگ گھروں کو چلے گئے لیکن اہلِ بیتؑ کے افراد زندان میں بھوکے پیاسے روتے رہے''۔

شیخ صدوق لکھتے ہیں: جب قیدی ابن زیاد ملعون کے دربار میں تھے تو ابن زیاد نے جناب اُم کلثوم بنت امام حسینؑ کو مخاطب کرکے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ جس نے تمہارے مردوں کو قتل کیا، دیکھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا کردیا ہے؟

بی بی پاکؑ نے فرمایا: اَعِدَّ لِجَدِّہٖ جَوَابًا فَاِنَّہٗ خَصمِکَ غَدًا ''اے بے حیا! تو میرے جد کے لیے جواب تلاش کر کیونکہ کل وہ تیرے دشمن ہوں گے اور خدا تجھ سے ہمارے اُوپر ظلموں کا بدلہ لے گا''۔

عمر بن سعد سے ابن زیاد کی بے اعتنائی

عمر بن سعد نے عظیم جنابت کا ارتکاب کیا اور فرزندِ پیغمبرؐ کو شہید کیا اور اہلِ بیتؑ کو قیدی کرکے کوفہ لایا اور زندان میں

پہنچا دیا۔ پھر یہ ملعون بڑے غرور، تکبر، رعب سے عبیداللہ بن زیاد کے پاس گیا اور پورے غرور ونخوت سے اپنی قدرت اور بخت کے اظہار پر بڑا فخر کرتا تھا۔ یہ ابن زیاد سے مدح، تعریف، شاباش ملنے کی اُمید میں بیٹھا تھا لیکن اس کا غرور، تکبر، نخوت، ٹوٹ گیا جب ابن زیاد نے کوئی محبت کا اظہار نہ کیا اور کوئی تعریف اور شاباش نہ دی۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ جب بن سعد اور ابن زیاد کی ملاقات ہوئی ابن زیاد نے عمر بن سعد سے کہا:

اِیتِنِی بِکِتَابِ الَّذِی کَتَبتُہ اِلَیکَ فِی مَعنَی قَتلِ الحُسَینِ وَمَلِکَ الرَّای ''وہ حکم نامہ مجھے واپس کرو جو امام حسینؑ کے قتل کے بارے لکھ کر دیا تھا''۔

عمر بن سعد نے کہا: وہ حکم نامہ تو میں گم کر بیٹھا ہوں، خدا کی قسم! گم ہو گیا۔

ابن زیاد نے کہا: اس حکم نامہ کو ہر صورت حاضر کرنا پڑے گا۔ اگر وہ حکم نامہ مجھے واپس نہ کیا تو کبھی میری طرف سے کوئی انعام نہ ملے گا کیونکہ امام حسینؑ کی طرف جنگ کرنے کے لیے تیرے جانے میں سستی اور کاہلی تھی اور کربلا نہیں جانا چاہتا تھا اور بوڑھی عورتوں سے زیادہ اپنے آپ کو عاجز شمار کرتے تھے کیا تو وہی شخص نہیں ہے جو کہتا تھا کہ بخدا قسم میں جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا ہوں۔ رے کی جاگیر چھوڑ دوں یا امام حسینؑ کا قتل چھوڑ دوں۔

ابن سعد نے کہا: ہاں میں یہ کہتا تھا اور تجھے بھی اس فعل سے روکتا تھا اور نصیحت کرتا تھا کہ میرا باپ بھی مجھ سے ان امور میں مشورہ کرتا تو یہی کہتا اور جو تجھے میں نے کہا تھا وہی اپنے باپ کو کہتا اور پدری حقوق ادا کرتا۔ لیکن تم نے میری نصیحت کو نہ جانا۔

ابن زیاد نے کہا: اے بد بخت تم جھوٹے ہو تم نے مجھے کوئی نصیحت نہیں کی بلکہ اپنی مرضی اور شوق سے کربلا گیا۔

ابن سعد نے جب ابن زیاد کا یہ رویہ دیکھا تو اپنی مذمت اور سرزنش کی اور کہا کہ سب سے زیادہ غلط کام میں نے کیا ہے کہ ابن زیاد کی اطاعت کی اور خدا کی نافرمانی کی ہے اور اپنے رحم کو قطع کیا ہے۔ پس ابن زیاد کے دربار سے مغموم اور غضبناک باہر آیا اور بار بار اپنے آپ کو یہ ملعون کہتا تھا کہ میں نے بہت بڑا نقصان اٹھایا ہے۔

اہلِ بیتؑ کی ابن زیاد کے دربار میں پیشی

۱۲ محرم الحرام کی رات اہلِ بیتؑ نے ابن زیاد کے زندان میں گزاری۔ پس ۱۲ محرم کی صبح دارالامارہ کا دروازہ کھلا، چھڑکاؤ کیا گیا اور جھاڑو دیا گیا۔ مدعو امرا، اعیان، وزراء اور حکومتی ارکان دربار میں آئے۔ ابن زیاد فرعونِ زمانہ بن کر نمرود اور شداد کی طرح دربار میں آیا اور تخت پر بیٹھا تو منافق، کفار، چاپلوس اور اشرار ارد گرد جمع ہو گئے۔ ہر شخص اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

دربان اور غلام جمع ہو گئے۔ ہر شخص اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ دربان اور غلام مع سپاہیوں کے دارالامارہ کے دروازے سے باہر صف بستہ کھڑے تھے۔

فَامَرَ اللَّعِينَ فِي النَشَأتَين بَاِحضَارِ رَاسِ الحُسَين فِي طَشتٍ مِنَ اللُّجَينِ "ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کے سر کو سنہری طشت میں رکھ کر میرے پاس لایا جائے۔ فاحضرَہ عندہ وسائیر الرؤس منصوبۃ علی الاخشاب بالباب "پس سلطانِ مظلومینؑ کے سر کو لائے اور اس ملعون کے سامنے رکھ دیا اور دوسرے سر جو تقریباً دو صد تھے"۔

یہ سر پہلے دارالامارہ میں موجود تھے۔ نوکِ نیزہ پر چمکتی شمع اور مشعل کی طرح ہر چہرہ روشن تھا۔ کوفہ کے .... اور اوباش لوگ خوشحالی، خوش گزرانی اور تماشا کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ ان سروں کو بھی ابن زیاد کے سامنے لایا گیا۔

ثُمَّ اَمَر بِاحِضَارِ الاُسَارَای ذَکُورًا وَاُنَاثًا مِنَ السِّجنِ فِی المَجلِسِ "ایک حکم یہ دیا کہ آلِ رسولؐ اور اولادِ فاطمہؑ بتولؑ کے قیدیوں کو زندان سے دربار میں لایا جائے"۔

یہ حکم ملتے ہی دشمن زندان کے دروازے پر پہنچ گئے اور زندان سے نیزوں اور تازیانوں سے آلِ رسولؐ کے قیدیوں کو لایا گیا جب کہ قیدی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ گویا نہایت غربت اور ذلت سے دربار میں لایا گیا۔

فَادخُلُوهُم عَلَیهِ وَالرأس بَینَ یَدَیهِ وَ وَاقفُوهُم اجمَعَ لَدَیهِ "اس حالت سے اسیروں کو دربار میں لایا گیا کہ قیدی ابن زیاد کے سامنے کھڑے ہو گئے، قیدی مردوں کے سر جھکے ہوئے تھے، چھوٹے بچے کانپ رہے تھے، مستورات نے بالوں سے منہ کو چھپایا ہوا تھا اور ایک دوسرے کے پیچھے چھپ رہی تھیں۔ فَاطرَقَ عِندَہٗ رِجَالُهُم وَاستَتَرَت نِسَائُهُم بَعضُهُنَّ بِالشُّعُورِ "بعض عورتوں نے اپنے چہروں کو آستینوں سے چھپایا ہوا تھا"۔

ابن زیاد کے جلاد تلواریں نیام سے نکالے ہوئے ان قیدیوں کے اردگرد کھڑے تھے، قیدی ان ظالموں کے خوف سے کانپ رہے تھے۔ عوام تماشا دیکھنے کے لیے ہجوم کر رہی تھی کیونکہ ابن زیاد نے اَذَّنَ لِلنَّاسِ اِذنًا عَامًّا لوگوں کو دربار میں آنے کا اذنِ عام دیا تھا اور حاجبین کو منع کر دیا تھا کہ کسی آنے والے کو نہ روکا جائے۔ اس لیے دربار کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

امام سجاد علیہ السلام جو بیمار بھی تھے اور اپنی بیماری کے ساتھ زنجیر پہنے ہوئے ابن زیاد کے سامنے کھڑے تھے، نے فرمایا:

سَنَقِفُ وَتَقِفُونَ وَنَسئَلَنَّ وَتَسئَلُونَ وَاَنتُم لَا تَعُدُّونَ وَلَا تَرَونَ لِرَسُولِ اللّٰهِ جَوَابًا

"عنقریب ہم اور تم رسولِؐ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تو رسولؐ اللہ کو کیا جواب دو گے؟"

ابن زیاد نے امامؑ کی ذلیل کردینے والا کلام سنا لیکن جواب نہ دیا۔ جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا جو بے نقاب تھیں، دربار کے گوشہ میں چند چادر والی کنیزوں کے درمیان کھڑی تھیں اور اپنے بالوں سے چہرے کا پردہ بنایا ہوا تھا۔

صاحب ارشاد لکھتے ہیں:

فَدَخَلَت زَینَبُ اُختَ الحُسَین فِی جُملَتِہِم متنکرۃً وَعَلَیھَا اَرذل ثیابھا فَمَضَت حَتّٰی جَلَسَت نَاحِیَۃِ مِنَ القَصرُ وَحفّت بھا امائھا

''یعنی جنابِ زینبؑ ایسے انداز میں دربار میں وارد ہوئیں کہ کوئی پہچان نہ سکے، پرانے لباس کے ساتھ جو جگہ جگہ سے جلا اور پھٹا ہوا تھا، کنیزوں کے جھرمٹ میں تھیں، محل کے گوشے میں بیٹھ گئیں اور کنیزوں نے حلقہ ڈالا ہوا تھا''۔

ابن زیاد متوجہ ہوا کہ کنیزوں کے درمیان وہ مخدرہ معظمہ پوشیدہ ہیں اور خود کو عام عورت ظاہر کر رہی ہیں تاکہ کوئی پہچان نہ پائے اس لیے اس ملعون نے پوچھا:

مَن ھٰذِہٖ الَّتِی اِنحَازَت فَجَلَسَت نَاحِیَۃً مِنَ القَصرِ

''یہ عورت کون ہے جو دربار کے ایک کونے میں کنیزوں کے جھرمٹ میں بیٹھی ہے''۔

کسی نے اس ملعون کو جواب نہ دیا۔ دوسری مرتبہ اس نے پوچھا تو بھی جواب نہ ملا۔ تیسری مرتبہ اس نے پوچھا تو ایک کنیز نے جواب دیا:

ھٰذِہٖ زَینَبُ بِنتِ فَاطِمَۃُ سَلَامُ اللّٰہِ عَلَیھَا

''یہ زینب بنت فاطمہؑ سلام اللہ علیہ ہیں''۔

جب ابن زیاد کو علم ہوا کہ یہ مخدرہ دختر احمد مختار اور حیدر کرارؑ ہے، یتیموں کی ماں ہے، زہراء بتولؑ کی بیٹی ہے، امام حسینؑ کی بہن ہے، خدا کی ناموس ہے، علی اکبرؑ کی پھوپھی ہے، تو اس کے ذہن میں آیا کہ ان کو چھوڑ دوں کہ یہ مظلومہ ہے، چھ بھائیوں کا داغ موت سینے پر لیے ہے۔ ۱۸ بنی ہاشم کے جوانوں کی شہادت سے کمر جھکی ہوئی ہے۔ دروازۂ کوفہ پر سر زخمی ہو گیا ہے، شب گذشتہ زندان میں بھوکے پیاسے یتیم بچوں کی آہ و بکا سنتی رہی ہے۔ پس اُس نے کہا:

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی فَضَحَکُم وَقَتَلَکُم وَکَذِبَ اَحدُوثتکم

''حمد ہے خدا کے لیے جس نے تمہیں ذلیل کیا اور قتل کر دیا اور تمہارا جھوٹ ظاہر کر دیا''۔

بنت علیؑ برداشت نہ کر سکی اور فوراً جواب دیا:

اَلحمدُ لِلّٰهِ الَّذِی اکرمنَا بِنَبِیِّهٖ مُحَمَّدًا وَطَهرنَا مِنَ الرِّجسِ تَطهِیرًا اِنَّمَا یَفتَضِحُ الفَاسِقُ وَیَکذِبُ الفَاجِرُ وَهُوَ غَیرُنَا

''ہم اس اللہ کی حمد کرتے ہیں جس نے ہمیں محمدؐ جیسا نبی دے کر مکرم فرمایا اور ہمیں رجس سے پاک رکھا، ذلیل ہوتا ہے فاسق اور جھٹلایا جاتا ہے فاجر اور وہ ہم نہیں ہمارا دشمن ہے''۔

ابن زیاد نے کہا: اے علیؑ کی بیٹی! اللہ نے تمہارے اہلِ بیتؑ سے کیا سلوک کیا اور وہ کس طرح خوار ہوئے؟

بی بی پاکؑ نے فرمایا: کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیهِم القَتلَ فَبَرَزُوا اِلَی مَضَاجِعِهِم ''اللہ نے ہمارے لیے شہادت روزِ اول سے لکھی تھی جو ہم نے قبول کی اور جو شہید راہِ حق ہو گئے اور وہ مرتبہ عالیہ پر فائز ہو گئے''۔

سَیَجمَعُ اللّٰهُ بَینَكَ وَبَینَهُم فَیُحَاجُونَ اِلَیهِ وَیَختَصِمُونَ

''عنقریب خدا تمہیں اور ان شہداء کو ایک جگہ پر جمع کرے گا اور شہداء خدا کے سامنے تم سے انتقام لیں گے''۔

پھر بی بی پاکؑ نے فرمایا:

فَانظُر لِمَنِ الفَتحُ یَومَئِذٍ ثَکِلَتكَ اُمُّكَ یَابنَ مَرجَانَة

''اے مرجانہ کے بیٹے! اس دن دیکھنا کہ کون کامیاب ہوتا ہے تیری ماں تیرے غم میں روئے! تو نے بہت بڑی جرأت کی اور خاندانِ رسالت کو ویران کر دیا اور اہلِ بیتؑ کو دربدر کر دیا''۔

فَغَضِبَ ابنِ زِیَادِ فَاستَشَاط

''ابن زیاد کو بی بی کے کلام پر غصہ آیا اور بہت سخت جواب دیئے''۔

عمرو بن حریث داروغہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اُس نے تخت کے قریب آ کر کہا:

اَیُّهَا الاَمِیرُ اَنَّهَا اِمرَاَۃٌ وَالمَرَاَۃُ لَا تُؤَاخِذُ بِشَیءٍ مِن مَنطِقِهَا

''اے امیر! ایک عورت سے کوئی بحث کرتا ہے اور وہ بھی ایسی عورت جو داغ دیدہ اور ستم رسیدہ ہو''۔

ابن زیاد نے کہا: قَد شَفَا اللّٰهُ نَفسِی مِن طَاغِیَتِكَ وَالعُصَاۃَ مِن اَهلِ بَیتِكَ ''تیرے بھائی کو قتل کر کے میرے دل کو شفا مل گئی ہے اور تیرے اہلِ بیتؑ کے نافرمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مجھے بہت خوشی اور لذت محسوس ہوئی ہے''۔

بی بی معظمہ کو ابن زیاد کے ان بکواسات سے بہت دکھ ہوا اور اسی دکھ کی وجہ سے رو کر فرمایا:

لَقَد قَتَلَت کَھلِی وَاَبرَزتَ اَھلِی وَقَطعتَ فَرعِی وَاجتَثَثتَ اَصلِی فَاِن یُشفلک ھٰذا فَقَد اسنفیت

''اے ابن زیاد! تو نے ہمارے بزرگ (امام حسینؑ) قتل کیے، آلِ محمدؐ کی عورتوں کے پردے لوٹ کر ان کو بے حجاب کر دیا، ان کے خیموں کو آگ لگا دی، ان کو قیدی کر کے بے پالان اُونٹوں پر سوار کر کے دربار میں لے آیا ہے، بازاروں میں نامحرموں کے ہجوم میں پھرایا ہے اور اس دربار کے پُر ہجوم اجتماع میں ہمیں حاضر کیا ہے۔

اے ابن زیاد! تو نے ہمارے نوجوانوں کو قتل کیا جن کی مثل کائنات میں نہ تھی جیسے قاسمؑ، علی اکبرؑ، عباسؑ۔

اے ابن زیاد! تجھے معلوم ہے کہ تو نے کیا جرم کیا ہے خدا کی قسم! تو نے ہمیں اُجاڑ دیا اور برباد کر دیا ہے۔ اے ابن زیاد! اگر ان کاموں سے تیرے دل کو شفا ملتی ہے تو اے شقی بے حیا! کیا مجھے قتل کرنے سے بھی تجھے شفا ملتی ہے تو شفا حاصل کر لے''۔

ملعون نے یہ کلام سن کر حاضرین کی طرف منہ پھیرا اور کہا: ھٰذِہٖ شَجَاعَۃٌ وَلَقَد کَانَ اَبُوھَا شُجَاعًا شَاعِرًا ''یہ عورت بہت فصیح و بلیغ ہے، کلام کا قافیہ، ردیف شاعرانہ ہے، اس کا باپ بھی بڑا فصیح و بلیغ تھا اور کلام میں قافیہ ردیف کو نظم کرتا تھا اور بہت اچھے شعر پڑھتا تھا''۔

جنابِ زینبؑ کبریٰ نے فرمایا: اے ابن زیاد! عورت کو فصاحت و بلاغت اور کلام میں قافیہ ردیف کو منظم کرنے کی کیا ضرورت ہے خصوصاً مجھ جیسی دُکھی عورت کو ایسے کلام کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں میرے دل کے غموں نے مجھے اس بات پر وارد کیا ہے کہ اپنے بہت سے زیادہ فضائل سے بہت کم احوال کو بیان کرو۔

اے ابن زیاد! مجھے بہت تعجب ہوا ہے کہ تو ایسا شخص ہے کہ جسے امام کو قتل کرنے سے شفا ملتی ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ قیامت کو تجھ سے انتقام لیا جائے گا۔

پس جب ابن زیاد نے سمجھ لیا کہ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا سے کلام کر کے اس کو شرمندہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو ایسا جواب سنتا ہوں کہ میں خود لاجواب اور شرمندہ ہو جاتا ہوں اور میرا کفر اور منافقت مزید ظاہر ہوتی ہے تو مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس مظلومہ سے بات نہ کی جائے لہٰذا پھر جنابِ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: یہ بی بی کون ہے؟

کہا گیا کہ یہ جنابِ اُم کلثومؑ ہیں اور امام حسینؑ کی دوسری بہن ہیں۔

فَقَالَ یَا اُمَّ کُلثُومِ: اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی قَتَلَ رِجَالُکُم فَکَیفَ تَرَون مَا فُعِلَ بِکُم

''اے اُم کلثومؑ! خدا کی حمد ہے جس نے تمہارے مردوں کو قتل کر دیا، پس تمہارا کیا خیال ہے اُس کے بارے میں جو تم سے ہوا؟''

فَقَالَت یَابنَ زِیَادِ لَئِن قَرَّت عَینُکَ بِقَتلِ الحُسَینِ فَطَالَ مَا قَرَّت عَینُ جَدِّہٖ صلی اللّٰہ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم بِہٖ

''جنابِ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا نے فرمایا: اگر قتلِ حسینؑ سے تیری آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے، تو جان لے کہ وہ زمانہ بہت طولانی تھا کہ رسولؐ پاک کی آنکھ امام حسینؑ کو دیکھ کر ٹھنڈی ہوتی تھی''۔

وَکَانَ یُقَبِّلُہُ وَیَلثَمُ شَفَتَیہِ وَیَضعَہُ عَلٰی عَاتِقِہٖ

اے ابن زیاد! تجھ پر خدا کی لعنت ہو! تو نے اس ہستی کو قتل کر دیا اور ان کے نازک بدن کو گرم ہوا اور ریت پر صحرا میں پڑا رہنے دیا اور ان کے سر کو نوکِ نیزہ پر بلند کر دیا حالانکہ حسینؑ کے ناناؐ تو اُن کے بوسے دیتے اور ان کے لبوں کو جو آج تیرے نیزے کی وجہ سے مرجھا چکے ہیں، چومتے رہتے تھے اور کئی بار ان کو اپنے دوشِ مبارک پر سوار کرتے تھے۔

فَقَالَت یَابنَ زِیَادِ اَعِد لِجَدِّہٖ جَوَابًا فَاِنَّہٗ خَصمُکَ غَدًا

''اے ابن زیاد! بروزِ قیامت رسول پاکؐ کا جواب تیار کرو کیونکہ کل وہ تیرے دشمن ہوں گے اور پوچھیں گے''۔

پس اس مکار نے سمجھ لیا کہ جنابِ اُم کلثومؑ بھی اپنی بہن کی طرح حاضر جواب ہیں اور اُنہیں بھی اپنے باپ علیؑ سے فصاحت و بلاغت وراثت میں ملی ہے۔ اگر وہ ان سے مزید بات کرے گا تو وہ خود شرمندہ اور رُسوا ہو گا۔ لہٰذا اس ملعون نے منہ امام سجاد علیہ السلام بیمارِ کربلا کی طرف پھیرا اور کہا: یہ بیمار کون ہے؟

بتایا گیا کہ یہ علیؑ بن حسینؑ ہیں۔

ملعون نے کہا کہ کیا علیؑ بن حسینؑ کربلا میں شہید نہیں ہوئے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے شقی! میرا ایک بھائی تھا جس کا نام علیؑ تھا، لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔

ابن زیاد نے کہا: لوگوں نے نہیں اللہ نے اُسے قتل کیا ہے۔

حضرت امامؑ نے ابن زیاد کے جواب میں یہ آیت کریمہ تلاوت کی: اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنفُسَ حِینَ مَوتِھَا

اب ابن زیاد کو یہ بھی سمجھ آ گئی کہ اگر ان سے بات جاری رکھی تو یہ مجھے رسوا کر دیں گے پس غضب ناک ہوا اور کہا:

لَکَ جُرأۃٌ عَلٰی جَوَابِی "تم میں اتنی جرأت ہے کہ میری ہر بات کا بے باکی سے جواب دیتے ہو؟"

اِذْھَبُوا بِہٖ فَاضْرِبُوا عُنُقَہٗ "اس کو لے جاؤ اور قتل کرو"۔ جب جناب زینب سلام اللہ علیہا نے امامؑ کے قتل کی بات سنی تو فرمایا:

یَابْنَ زِیَادٍ اِنَّکَ لَمْ تُبْقِ مِنَّا اَحَدًا فَاِنْ عَزَمْتَ عَلٰی قَتْلِہٖ فَاقْتُلْنِی مَعَہٗ

"اے ابن زیاد! تو نے پہلے ہمارا کوئی مرد زندہ نہیں چھوڑا، تمام کو قتل کر دیا، کوئی ہمارا محرم باقی نہیں رہا، سوائے اس بیمار جوان کے۔

اے ابن زیاد! اگر اس نوجوان کو قتل کرنا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر دے"۔

ابن زیاد ملعون نے بی بی کی بات پر توجہ نہ کی اور جلاد کو پکارا۔ نیلی آنکھوں والا ایک جلاد سامنے آیا اور امام سجاد علیہ السلام کے بازو سے پکڑا تا کہ دربار سے باہر لے جا کر قتل کر دے۔ اس وقت تمام مستورات اور بچوں نے آ کر امام سجادؑ کے اردگرد حلقہ بنا کر ماتم شروع کر دیا۔

صاحب ارشاد لکھتے ہیں: جناب زینب سلام اللہ علیہا نے بیمار امامؑ کے گلے میں بانہیں ڈال کر فرمایا:

اے ابن زیاد! وہی خون کافی ہیں جو تو نے بہا دیئے، میں ان کے گلے سے بانہیں نہیں نکالوں گی حتیٰ کہ اگر ان کو قتل کرنا ہے تو ساتھ مجھے بھی قتل کر دے۔

روایت میں ہے کہ یہ ظالم ایک لحظہ تو آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ ساکن، حیران اور متفکر رہا۔ پھر درباریوں سے کہا: مجھے اس رحم اور اپنوں سے محبت پر تعجب ہے۔ خدا کی قسم! جناب زینب سلام اللہ علیہا کو امامؑ بھتیجے کے ساتھ قتل ہونا پسند ہے لیکن پھر اس کے دل میں رحم آیا اور کہا: اے جلاد! اس بیمار کو چھوڑ دو، یہی بیماری اس کے لیے کافی ہے۔ اس وقت جناب سجادؑ نے پھوپھی سے فرمایا:

اے پھوپھی جان! آپؑ خاموش ہو جائیں تا کہ میں اس ملعون سے بات کروں۔ پھر امام سجادؑ نے ابن زیاد کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ابن زیاد! کیا تو مجھے قتل کر کے ہمیں ڈرانا چاہتا ہے۔ کیا تو یہ بات نہیں جانتا کہ شہادت ہماری کرامت ہے اور قتل ہونا ہماری عادت ہے۔

ابن زیاد غضبناک ہوا اور حکم دیا کہ اس بیمار کے گلے میں طوق ڈالا جائے۔ پس طوق ڈالا گیا اور پاؤں میں زنجیر پہنائے گئے اور پھر سب قیدیوں کو زندان میں بند کر دیا گیا۔ ایک راوی جو ابن زیاد کے ملازمین میں سے تھا۔ کہتا ہے: میں دربار سے زندان تک ان قیدیوں کے ساتھ تھا کہ جس کوچہ اور گلی سے گزرتے۔ تماشائیوں کا ہجوم ہو جاتا تھا اور تمام مرد و زن

اپنے سر دچہرہ پر ماتم کر رہے تھے اور زار و قطار رو تے تھے۔

مرحوم سید بن طاؤس لکھتے ہیں: جناب زینت سلام اللہ علیہا السلام نے فرمایا:

لَا يَدخُلَن عَلَينَا بِحُرَّةٍ اِلَّا اُم وَلَدٍ اَو مَملُوكَة فَاِنَّهُنَّ سَبِينَ وَنَحنُ سَبِينَا

"یعنی زندان میں کوئی آزاد عورت ہمارے پاس نہ آئے جب کہ کنیزیں آ سکتی ہیں خواہ اولاد دار ہوں یا نہ ہوں کیونکہ ایسی کنیزیں بھی قیدی تھیں اور آج ہم بھی قیدی ہیں"۔

زندان میں گریہ وزاری اور ماتم ہر وقت جاری رہا۔

ابن زیاد کا سرِ مطہر کو بازاروں میں پھرانا اور امامؑ کے سر کا کلام کرنا

صاحبِ ارشاد لکھتے ہیں: دوسرے دن صبح ابن زیاد کے حکم سے بَعَثَ بِرأسِ الحُسَينِ فَدِيرَ بِهِ فِي سُكَكِ الكُوفَةِ وَقَبَائِلِهَا "امام حسینؑ کے سر کو کوفہ کے تمام بازاروں، گلیوں اور قبائلِ عرب میں پھرایا گیا"۔

مرحوم مجلسی علیہ الرحمہ بحار میں روایت کرتے ہیں کہ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر کے کمرے میں بیٹھا تھا کہ اچانک میں نے ایک بلند نیزہ دیکھا، جس پر امام حسینؑ کا سر نصب تھا۔ جب وہ نیزہ میرے گھر کے سامنے سے گزرا تو میں نے سنا کہ سرِ مطہر یہ آیت قرآن پڑھ رہا تھا:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا

اس سر مقدس سے یہ آیت سنتے ہی میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں کانپ گیا اور عرض کیا:

رَاسُكَ يَابنَ رَسُولِ اللهِ اَعجَبُ اَعجَب

اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کے سر کا بولنا بہت عجیب وغریب ہے"۔

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے: اِنَّهُ صُلِبَ بِرَاسِ الحُسَينِ بالصياذف الكُوفة فتنحنح الرَّأسُ وَقرَءَ سُورَة الكَهفِ ...... اِلٰى قوله: اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى

شعبی کہتا ہے کہ جب مظلومِ کربلا کے سر کو صرافیوں کے بازار میں لٹکایا گیا تو میں نے خود دیکھا کہ سر مقدس نے کھانسی کی اور سورۂ کہف کو اس آیت تک پڑھا۔ پس کوفیوں پر ضلالت بھی چھائی ہوئی تھی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ سرِ مطہر نے ایک موقع پر یہ آیت پڑھی جسے تمام خلق نے سنا: وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

ایک راوی کہتا ہے کہ میں نے امام علیہ السلام کے لبوں کی حرکت کو دیکھا، میں نے توجہ کی تو سنا کہ یہ آیت پڑھ رہے تھے: فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

بعض معتبر کتب میں حارث بن وکیدہ سے روایت ہے، اس نے کہا کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے امامؑ کے سر کو نوکِ نیزہ پر اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے خود سنا کہ سرِ مطہر نے سورۂ کہف کی آیت کی تلاوت کی۔ میں شک میں پڑ گیا اور متحیر ہوا کہ ایک طرف تو امامؑ کی دلربا آواز سے صدائے مبارک سن رہا تھا اور دوسری طرف یہ فکر کرتا تھا کہ یہ سر بغیر بدن کے کیسے بول سکتا ہے؟ تو مجھے خطاب کر کے سرِ مطہر نے فرمایا:

يَابْنَ وَكِيْدَةَ اَمَا عَلِمْتَ اِنَّا مَعَاشِرُ الْاَئِمَّةِ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّنَا تُرْزَقُ

"اے پسرِ وکیدہ! کیا تم نہیں جانتے کہ ہم ائمہ علیہم السلام اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور رزق کھاتے ہیں"۔

جب یہ سنا تو میرا تعجب اور زیادہ ہو گیا اور میں نے دل میں خیال کیا کہ اس سرِ مطہر کو ان بدبختوں کے پاس نہیں رہنا چاہیے کہ یہ ظالم اسے اس قدر خفت سے پھرا رہے ہیں اور توہین کر رہے ہیں بس دل میں فیصلہ کیا کہ اس سرِ مقدس کو ان لوگوں سے چرا لوں۔ یہ خیال کرتا تھا کہ سرِ مقدس نے پھر مجھ سے خطاب کر کے فرمایا:

يَابْنَ وَكِيْدَه لَيْسَ لَكَ اِلٰى ذٰلِكَ سَبِيْل

"اے فرزندِ وکیدہ! میرا خون بہانا خدا کے نزدیک بہت بڑا امرِ عظیم ہے بہ نسبت اس کے کہ اب یہ میرے سر کو پھرا رہے ہیں، ان کی جو مرضی ہے کرنے دو۔ عنقریب انھیں اپنے اس برے عمل کی سزا ملے گی"۔

اِذَا الْاَغْلَالُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُوْن

"جب ان کی گردنوں میں آگ کے طوق اور جہنم کی زنجیریں ہوں گی"۔

ابن زیاد کی تقریر پر عبداللہ بن عفیف کی تنقید اور ان کی مظلومانہ شہادت

ابن زیاد اتنا شقی تھا کہ آلِ احمدؐ کے اسیروں کی سرزنش اور توہین کر کے زندان بھیج دیا اور وہ قیدی اپنی جان سے سیر تھے، امام سجاد علیہ السلام کے پاؤں میں زنجیر اور گلے میں طوق ڈال دیا گیا اور روتی آنکھوں سے ان کو اس خاندان (خانہ خراب) میں بھیج دیا گیا جو مسجد کے ساتھ واقع تھا۔ اس کے دوسرے دن (تیرہ محرم) کو سرِ اقدس کو تمام کوچوں اور بازاروں میں پھرایا گیا اور خود ابن زیاد رعب اور دبدبے سے مسجد میں آیا، تمام حکومتی اور خوشامدی افراد اس کے ساتھ مسجد میں آئے۔ اچھا، بُرا ہر شخص مسجد میں آیا، مسجد بھر گئی تھی اور یہ شقی بن شقی بے شرمی اور بڑی بے حیائی سے منبر پر بیٹھ گیا اور یہ خطبہ پڑھا:

قَالَ اَلحمدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَظھَرَ الحق وَاھلُہ وَنَصَرَ اَمِیرُ المُؤمِنِینَ یزید وَحِزبَہٗ وَقتَل الکَذَابِ بن الکَذَّاب وَشِیعَتِہٖ

''حمد ہے اس خدا کی جس نے حق کو اور اہلِ حق کو ظاہر کیا اور امیرالمومنین یزید (معاذاللہ) اور اس کے گروہ کی مدد کی اور کذاب بن کذاب (نعوذ باللہ) اور ان کے شیعوں کو قتل کر دیا''۔

جب یہ بکواس اس ملعون کی زبان سے نکلی تو ایک مخلص زاہد، عابد شیعہ اور بہادر جناب عبداللہ بن عفیف برداشت نہ کر سکے اور اپنی جگہ سے اُٹھے (یہ امیرالمومنینؑ کے صحابیوں میں سے ہیں اور ان کی ایک آنکھ جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کی نصرت میں ضائع ہوگئی تھی اور دوسری آنکھ جنگِ جمل میں مولا علیؑ کی حمایت میں قربان ہوگئی تھی، اس نابینائی کے باوجود اکثر اسی مسجد میں عبادت کے لیے ٹھہرے رہتے تھے اور شب و روز یہاں عبادت کرتے تھے) اور للکار کر کہا: اے ولدالزنا! اِنَّ الکَذَّابَ بن کَذَّاب اَنتَ وَاَبُوکَ ''جھوٹا اور فرزندِ کذاب تو ہے اور تیرا باپ تھا اور وہ جھوٹا ہے جس نے تجھے اس شہر کا امیر بنایا ہے اور اہلِ ایمان کی جان کو آگ لگا دی ہے''۔

اے بے دین! فرزندِ پیغمبرؐ کو قتل کرتا ہے اور پھر مسلمانوں کے سامنے منبر پر آ کر یہ بکواس کرتا ہے۔ اے بے حیا! منبر سے نیچے اُتر آ تو اس کا اہل نہیں ہے۔

ابن زیاد غضبناک ہوا اور پوچھا کہ یہ اندھا کون ہے؟ کہ میرے ساتھ اس طرح گستاخانہ کلام کر رہا ہے؟

عبداللہ بن عفیف نے کہا: گستاخانہ کلام کرنے والا میں ہوں، اے دشمنِ خدا! تم نے ذُریت محمدؐ کو قتل کر دیا جنہیں اللہ پاک نے پاک و پاکیزہ خلق کیا تھا اور پھر تو مسلمانی کا دعویٰ کرتا ہے؟

جناب عبداللہ بن عفیف نے مزید کہا: اِبنِ زِیَاد فَضَّ اللّٰہُ وَلَعَنَ اللّٰہُ اَبَاکَ وَعَذَّبَکَ وَاخزَاکَ ''خدا تیرے منہ کو توڑ دے، تیرے باپ پر لعنت ہو، تجھ پر عذاب کرے اور رُسوا کرے اور تجھے اور تیرے باپ اور تیرے امیر کو جہنم کی آگ میں جلائے''۔

اے زنازادے! کیا امام حسینؑ کو قتل کرنا کافی نہ تھا کہ اب منبروں پر ان پر سب و شتم کر رہا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ ابن زیاد کا غضب اور زیادہ بڑھ گیا، اس کی گردن کی رگیں پُرخون ہوگئیں اور اُس نے کہا: اس بدبخت اندھے کو میرے سامنے لاؤ۔ غلام اور محافظ عبداللہ بن عفیف پر ٹوٹ پڑے اور اُن کو پکڑ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنا چاہا تو اُن کی قوم اور رشتہ دار اور بزرگانِ کوفہ ان کے اطراف میں جمع ہوگئے اور ان کی حمایت کی اور ابن زیاد کے محافظوں کو اُنہیں پکڑنے نہ دیا۔ اسی اثنا میں ان کے اپنے ایک گروہ نے ان کو چھپا لیا اور ان کو اپنے گھر پہنچا دیا۔

ابن زیاد غیض وغضب کے ساتھ منبر سے اُتر آیا اور دارالامارہ چلا گیا اور حکم دیا کہ اس اندھے کو ہر صورت میں گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کروں۔

صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں: جب ابن زیاد دارالامارہ میں بیٹھا اور ارکانِ حکومت آئے تو ابن زیاد نے جناب عبداللہ بن عفیف کی جرأت اور جسارت کے کمال کی شکایت کی کہ اس اندھے نے آج ہماری شان وشوکت اور غرور وتکبر کو خاک میں ملا دیا۔

محافظین نے کہا: حق آپ کے ساتھ ہے اور اس اندھے نے بڑی توہین کی ہے لیکن ہمیں اس سے زیادہ دکھ اس بات کا ہے کہ ازدی قبیلہ کے بزرگان ہمارے مقابلے میں آ گئے اور عبداللہ کو ہم سے محفوظ کر لیا، یہ بات ہم پر بہت گراں گزری ہے۔

ابن زیاد ان خوشامدیوں کی تحریک سے غضبناک ہوا اور حکم دیا کہ بنی ازد کے اشراف اور بزرگان کے گھروں پر اچانک چھاپے مارو اور ان کو اپنے عزیزوں کے ہمراہ گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ۔ پس ابن زیاد کے سپاہی ان بزرگان کے گھروں پر حملہ آور ہوئے اور ان تمام کو گرفتار کر لیا۔ ان کے ہاتھ باندھ دیے گئے اور زندان میں ڈال دیا گیا۔

ان اشراف میں عبدالرحمٰن محبؓ ازدی بھی تھا جو قبیلہ ازد کا سردار تھا۔ پس ابن زیاد ملعون نے محمد بن اشعث، عمرو بن حجاج اور شبث کو بلایا اور کہا کہ جاؤ اور اس ظاہری و باطنی اندھے کو پکڑ لاؤ۔ یہ تین خونخوار سردار اپنے نوکروں، سپاہیوں اور غلاموں کے ساتھ عبداللہ بن عفیف کے دروازے پر گئے۔ ازدی قبیلہ کے کچھ لوگ یہاں موجود تھے انہوں نے مزاحمت کی تو جنگ شروع ہوگئی اور ازدی قبیلہ نے ابن زیاد کے سپاہیوں پر ہجوم کیا تو وہ شکست کھا گئے جب کہ ازدیوں کو فتح ہوئی۔ ابن زیاد کے کچھ سپاہی قتل ہو گئے اور کچھ زخمی ہو گئے۔

ابن زیاد کو خبر ملی تو اس ملعون نے مصری قبیلہ کو ان تین سرداروں کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ قبیلہ پہنچا تو پھر لڑائی شروع ہوگئی۔ دونوں طرف سے کافی لوگ مارے گئے اور ابن زیاد کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی۔ ابن زیاد کے سپاہیوں نے عبداللہ بن عفیف کے گھر داخل ہونے کے لیے ہجوم کیا اور دروازہ توڑ دیا۔ عبداللہ بن عفیف کی ایک بیٹی تھی جو باپ کی خدمت کرتی تھی۔ اس لڑکی نے فریاد کی بابا! ان سپاہیوں نے دروازہ توڑ دیا اور اب اندر داخل ہونے والے ہیں اور آپ کو گرفتار کر لیں گے اور مجھے یتیم بنا دیں گے یہ کہا اور گریہ وزاری شروع کر دی۔

عبداللہ نے کہا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک ڈرو نہیں اور میرے دل کو بھی مت توڑو، پس مجھے تلوار دو اور میرے پہلو میں کھڑی ہو جاؤ اور دیکھتی رہو، جس طرف سے دشمن آئے مجھے بتاتے رہنا۔ بیٹی نے باپ کو تلوار دی اور خود ایک جگہ کھڑی ہوگئی کہ اچانک ابن زیاد کے سپاہیوں کا لشکر تلواریں اور نیزے لیے شور وغل اور ہلہلہ سے اندر پہنچ گیا۔

ضعیف ونحیف مگر دریا دل عبداللہ ایک تنگ مقام پر کھڑے ہوگئے۔ اور اپنی تلوار کو اپنے گرد گھمایا، پھر حسرت بھری صدا سے کہا: کاش میری آنکھیں ہوتیں تو میں ابن زیاد کے سپاہیوں کی جانیں ان کے ہاتھوں پر رکھ دیتا۔ ان ملاعین نے عبداللہ کے اطراف سے حملہ شروع کیا۔ بیٹی بتاتی رہی بابا اب دائیں طرف سے آئے ہیں، اب بائیں طرف سے لیکن بید کی شاخوں کی طرح کانپ رہی تھی اور شجاع ضعیف ایسی تلوار مارتے کہ سپاہی گر جاتا حتیٰ کہ بقول ابی مخنف تیس سپاہیوں کو جہنم واصل کیا۔ آپ لڑتے لڑتے تھک گئے اور کمزور ہوگئے۔ بیٹی نے جب دیکھا کہ اب اس کے باپ تھک چکے ہیں اور لڑنے کے قابل نہیں رہے لہٰذا گرفتار ہوجائیں گے تو ایک دکھی فریاد کی کہ ہائے میری بے کسی کہ میرے باپ کا کوئی حامی اور ناصر نہیں ہے۔

بیٹی بار بار بلند آواز سے یہی کہتی کہ لوگو! میرے بابا کا کوئی مددگار نہیں، بابا! میں تیری غربت اور مظلومیت پر بہت دکھی ہوں۔ لَيْتَنِي كُنْتُ رَجُلًا حَتَّى أُخَاصِمَ بَيْنَ يَدَيْكَ کاش میں مرد ہوتی تو تمہارے سامنے اپنی جان قربان کردیتی لیکن بابا میں مجبور ہوں کہ تجھے اس حالت میں دیکھ رہی ہوں، کاش میں مرجاتی۔

بالآخر اس ضعیف عبداللہ بن عفیف کو گرفتار کرلیا گیا، ان کے ہاتھ باندھ دیئے اور کھینچتے اور گھسیٹتے اور ناسزا کہتے ہوئے ابن زیاد کے دربار میں لے گئے۔ اسی دوران میں اپنی بیٹی کے رونے کی آواز عبداللہ بن عفیف کے کانوں تک پہنچی تو غیرت میں آگ بگولا ہوکر کہا:

اے مرجانہ کے بیٹے! مجھے جلدی قتل کردے، میں اپنی بیٹی کا نامحرموں میں رونا اور نالہ کرنا برداشت نہیں کرسکتا۔ پس ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کو قتل کردو اور اس کے بدن کو لٹکا دو۔ اس سفید ریش، عابد اور شب زندہ دار کو قتل کیا گیا اور بدن کو لٹکا دیا گیا۔ رات کو ازدی قبائل جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ ہمارے لیے یہ بہت بڑی ننگ و عار کی بات ہے کہ ہمارے بزرگ کی لاش لٹکتی رہے اور ہم بستروں پر آرام سے سوتے رہیں۔ پس جمع ہوکر اسی رات جناب عبداللہ بن عفیف کا بدن سولی سے اُتارا اور غسل و کفن دے کر اور نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کردیا۔

شہادتِ امام حسینؑ کی یزید کو اطلاع اور اس کا خوشی منانا

جنابِ سید الشہداءؑ کے شہید ہونے اور اہلِ وعیال کو قیدی کرنے کے بعد کوفہ میں مسجد کے ساتھ ایک ویران گھر میں زندان کے طور پر بند کردیا گیا۔ سید الشہداءؑ کے سر کو کوفہ کے بازاروں اور کوچوں میں پھرانے کے بعد ہر طرف اپنی فتح و کامیابی کی بشارتیں بھیجیں خصوصاً مدینہ اور شام کی طرف امام حسینؑ کی شہادت کی خوشخبری بھیجی۔

سید علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: ابن زیاد نے یزید کو ایک خط لکھا جس میں امام حسینؑ کی شہادت اور ان کے اہلِ بیتؑ کو

قیدی کرنے کی بشارت دی۔ جب قاصد شام پہنچا اور یزید کو ابن زیاد کا بشارت نامہ دیا تو یہ ملعون بہت خوش ہوا اور امامؑ کی شہادت سے اس کو بڑی راحت محسوس ہوئی۔

وہ ایک لحظہ کو سوچنے لگا اور بشارت نامہ پر غور کیا اور باطنی سرور کا اظہار کیا۔ اس نے سوچ لیا کہ یہ بہت بڑا سانحہ ہوا ہے جو مسلمانوں کی پریشانی اور غصے کا باعث بن سکتا ہے اور مسلمان اس واقعہ میں توبیخ اور تشنیع کریں گے لہٰذا بحسبِ ظاہر اس واقعہ کو ناپسند کیا اور کہا کہ اِنَّ ابنَ مَرجَانہ فَعَلَ کذا کذا "ابن مرجانہ ملعون نے امام حسینؑ کو شہید کیا اور ظلم کیا"۔

میں اس کے افعال پر راضی نہیں تھا اور میں نے اسے امام حسینؑ کے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ وَاِنَّمَا اَمَرْتُہٗ بِدَفْعِہٖ وَطَرْدِہٖ عَنْ حُدُوْدِ الاِسْلَامِیَہ "میں نے تو اسے اسلامی حدود سے باہر بھیج دینے کا کہا تھا تاکہ وہ لوگوں کو اپنی طرف جمع نہ کرسکیں اور اپنی حکومت نہ بنالیں اور وہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ہماری حکومت کو تسلیم کرلیں اور حکومت کے کاموں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کریں"۔

ابن زیاد بے وقوف نے جلد بازی میں ان پر ظلم کیا اور انہیں قتل کردیا اور ان کے اہلِ بیتؑ کو قیدی کر کے کوفہ لایا گیا۔

فَفَعَلَ کُلُّ ذٰلِکَ بِسُوْءِ سَرِیْرَتِہٖ وَضَعفَ رَایَہُ قَبَّحَہُ اللّٰہُ وَمَا صَنَعَ ھمہ

"یہ تمام کام ابن زیاد نے اپنے خبث باطنی اور بُری صفات کے مالک ہونے کی وجہ سے انجام دیا ہے۔ خدا اس کے چہرے کو سیاہ کرے"۔

اس نے یہ کام بنی اُمیہ کی حکومت کی مضبوطی کے لیے کیا ہے۔ کچھ لوگ تو اس کے اس کام کی تعریف کر رہے ہیں لیکن میں اس کے ان کاموں کو بُرا سمجھتا ہوں جب کہ ابن زیاد کی طرف جواب لکھا:

اے ابن زیاد! تمہارا بشارت نامہ اور فرح انگیز خط بہت اچھے وقت میں میرے پاس پہنچا جس سے میرا اعتماد تم پر اور زیادہ ہوگیا ہے۔ کیونکہ تم نے میری خوشیوں میں اضافہ کردیا ہے۔ تم پر آفرین اور ہزار آفرین کہ تم نے آلِ سفیان کا حق ادا کردیا اور ہماری سابقہ جنگوں میں بہائے جانے والے خون کا اولادِ علیؑ سے انتقام لے لیا ہے۔ جب میرا یہ خط پہنچے تو جلدی سے تمام مقتولین کے سروں اور قیدیوں کو شام بھیج دینا تاکہ عراق میں کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پائے کیونکہ عراق شیعوں کا علاقہ ہے، جب کہ شام محبانِ آلِ اُمیہ کا علاقہ۔

یزید نے لکھا کہ سروں اور قیدیوں کو ایسے راستے سے بھیجنا کہ راستہ میں اعراب ان کی حمایت پر کمربستہ نہ ہوجائیں اور جس قدر ان کو ذلیل وخوار کرسکتے ہو، کرو کہ یہ ہمارے بزرگوں کی خوشی کا باعث ہوگا۔

زندان میں اہلِ بیتؑ کو خوف زدہ کرنا

صاحبِ ارشاد لکھتے ہیں: جب ملاعین امام حسینؑ کے سر کو کوفہ میں پھرانے سے فارغ ہوئے تو عبیداللہ ابن زیاد ملعون نے سرِ مطہر کے ساتھ دوسرے شہداء کے سروں کو اہلِ بیتؑ کے قیدی قافلہ کے ساتھ زجر بن قیس اور ابا بردہ بن عوف، طارق بن ابی ظبیان اور شمر کی سربراہی میں شام بھیجا۔

تاریخِ کامل میں ہے کہ جب مخدراتِ عصمت کو کوفہ لایا گیا تو زندان میں رکھا گیا۔ ایک دن زندان کے باہر سے زندان کے اندر پتھر ڈالا کہ جس پتھر پر لکھا تھا کہ ابن زیاد نے تمہارے بارے شام قاصد بھیجا ہے جب وہ واپسی حکم نامہ لائے گا تو اس پر عمل ہوگا۔ اگر تم نے تکبیریں سنی تو سمجھ لینا کہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا ورنہ اپنی زندگی گزارنا۔

چند دنوں کے بعد ایک اور خط پتھر کے ساتھ باندھ کر زندان میں ڈالا گیا۔ اس خط کا مفہوم یہ تھا کہ شام کی طرف بھیجے ہوئے قاصد کے واپس آنے میں تین دن باقی ہیں، لہٰذا تم وصیتیں کرلو۔

قاصد یزید کا خط لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا جس میں یزید نے لکھا تھا کہ امام سجادؑ اور قیدیوں کو شام میرے پاس بھیج دو۔ ابن زیاد نے محفر بن ثعلبہ اور شمر بن ذی الجوشن کو بلایا اور ان کی نگرانی میں قیدیوں کو شام بھیج دیا۔ پھر عبدالملک بن حرث السلمی کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر پہنچانے کے لیے عمر بن سعید مدینہ کے والی کے پاس بھیجا۔

ابن زیاد کے حاجب عبدالملک کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابن زیاد کے پیچھے پیچھے میں قصر میں داخل ہوا تو اچانک دیکھا کہ آگ کے شعلے ابن زیاد کے چہرے کے سامنے آ گئے۔ اس نے ان سے بچنے کے لیے اپنی آستین چہرے پر رکھی اور چہرے کو پھیر لیا۔

ابن زیاد نے پوچھا: کیا تو نے یہ شعلے دیکھے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا کہ اس بات کو لوگوں میں مخفی رکھنا اور کسی کو بیان نہ کرنا۔

ابن زیاد نے شہادتِ امامؑ کی اطلاع مدینہ بھیجی

ابن زیاد نے عبدالملک بن حارث کو مدینہ شہادتِ امامؑ کی اطلاع کے لیے بھیجا۔ عبدالملک خط لے کر مدینہ وارد ہوا تو ایک قریشی نے پوچھا کہ کیا خبر لائے ہو؟ عبدالملک نے کہا کہ اپنے امیر (عمرو بن سعید) سے سننا۔ اس قریشی نے کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْن کہ خدا کی قسم! حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا ہے۔

عبدالملک مدینہ کے والی عمرو بن سعید کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ عبدالملک نے کہا: وہ خبر لایا ہوں

جس سے آپ کو خوشی اور سرور ہوگا اور وہ ہے امام حسینؑ کی شہادت کی اطلاع۔

عمرو بن سعید نے کہا کہ پھر یہاں نہ بیٹھو، باہر جاؤ اور لوگوں میں اعلان کرو۔ عبدالملک کہتا ہے کہ جوں ہی میں نے ندا دی تو ہاشمی گھروں سے ایسی آہ و فغاں اور گریہ زاری بلند ہوئی کہ اس قدر غم و ماتم میں نے نہ کبھی سنا اور نہ دیکھا تھا۔ میں دوبارہ عمرو بن سعید کے پاس آیا تو وہ بہت خوش تھا اور مسکرا کر کہنے لگا: آج ہاشمی عورتوں کا رونا اس گریہ کا بدلہ ہے جو عثمان کے قتل کے موقع پر بنی اُمیہ کی عورتوں نے کیا تھا۔

پس عمرو بن سعید منبر پر بیٹھا اور عوام کے لیے تقریر کی اور یزید کی تعریف کی اور اس نے دورانِ تقریر میں امام حسینؑ کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

إِنَّهَا لَدَمَّةٌ وَصَدمَةٌ بِصَدمَةٍ كَم مِن خُطبَةٍ بَعدُ خُطبَةٍ وَمَوعِظَةٍ بَعد مَوعِظَةٍ حِكمَةٌ بِالغَةٌ فَمَا تُغنِي النُّذُر

''ہم تو چاہتے تھے کہ حسینؑ زندہ رہیں اور شہید نہ ہوں لیکن وہ مسلسل ہمیں گالیاں دیتے تھے جب کہ ہم ان کی تعریف کرتے تھے۔ وہ ہم سے رشتے توڑتے تھے اور ہم بار بار ان سے رشتہ جوڑتے تھے لیکن بہت کوشش کے باوجود اُنہوں نے یزید کی اطاعت کرنے سے انکار کردیا، لہٰذا ان کو راستے سے دُور کرنا ضروری سمجھا گیا''۔

عبیداللہ بن السائب نے کہا: اگر صدیقہ طاہرہ زندہ ہوتیں اور اپنے بیٹے کا کٹا سر دیکھتیں تو ہمیشہ روتی رہتیں۔

عمرو بن سعید کو بہت غصہ آیا اور مکارانہ لہجے سے کہا کہ ہم جنابِ فاطمہؑ کے اقرب و اولیٰ ہیں کیونکہ ان کے والد ہمارے چچازاد اور ان کا شوہر ہمارا بھائی اور ان کا بیٹا ہمارا بیٹا ہے۔ ہاں فاطمہؑ ضرور بیٹے پر روتیں اور ان کے قاتل پر لعنت کرتیں۔

جناب عبداللہ بن جعفر طیار کے ایک غلام نے واقعۂ کربلا کے بعد جناب محمد و عون کی شہادت کا افسوس کیا اور کہا: یہ دکھ ہمیں حسینؑ کی وجہ سے پہنچا ہے۔ عبداللہ بن جعفر کو بہت غصہ آیا، انہوں نے غلام ابوسلاسل کو نعلین سے بہت سخت مارا اور کہا:

يَابنَ اللُّخنَا لِلحُسَينِ تَقُولُ هٰذَا

''کیا تم حسینؑ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہو؟ اگر میں کربلا ہوتا تو اپنا خون ان کے قدموں میں بہا دیتا۔ میرے بیٹوں کی شہادت کے بارے میں میرے لیے یہ فخر کافی ہے کہ وہ اپنے ماموں کی حمایت میں لڑتے لڑتے شہید ہوگئے''۔

مدینہ میں عزاداری کی ابتدا

عمرو بن سعید منبر سے نیچے اُترا تو لوگ متفرق ہو گئے البتہ امام حسینؑ کی شہادت کی خبر ہر طرف جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور مدینہ کے تمام محلوں اور گھروں میں گریہ زاری شروع ہو گئی۔ مدینہ کے لوگ گلیوں بازاروں میں آئے، اُن کے ہاتھوں میں رومال تھے اور خون کے آنسو روتے تھے۔ بعض لوگوں نے گریبان چاک کیے، بعض نے سر میں خاک ملائی اور چہرے پر ماتم کرتے رہے۔

وَخَرَجَتِ الْمُخَدَّرَاتُ الْمَسْتُورَاتُ مِنَ الدُّورِ مُشَقِّقَاتٍ لِلْجُيُوبِ وَالْخُمُورِ لَا طِمَاتٍ لِلْوُجُوهِ وَالصُّدُورِ نَادِيَاتٍ بِالْوَيلِ وَالثُّبُورِ

"شہادت امام حسینؑ کی خبر جب مدینہ کی عورتوں تک پہنچی تو مخدرات با احتشام اور مستورات با احترام اپنے گھروں سے دوڑتی ہوئی باہر نکلیں، گریبان چاک کیے اور سر و چہرہ پر طمانچے مارے۔ وہ ماتم کرتی تھیں، نوحہ اور گریہ زاری کرتی تھیں"۔

حَتّٰی بَرَزَتِ الْعُرُوسَاتُ مِنَ الْحِجَالِ وَعَلَتْ اَصْوَاتُ اَبْكَاءِ الرِّجَالِ وَنَوَاحِ الصِّبْيَانِ وَالْاَطْفَالِ

"حتیٰ کہ تازہ شادی شدہ لڑکیاں اپنے حجلوں سے باہر نکلیں اور ہائے حسینؑ ہائے حسینؑ کے بین کرتی تھیں۔ مرد اور بچے بھی بلند آواز سے روتے تھے"۔

نوجوانان جو جناب علی اکبرؑ کے دوست تھے، نے گریبان چاک کیے اور زمین اور زمان میں اس قدر روئے کہ نالہ و زاری کا ایسا شور و غل بلند ہو گیا کہ کوئی اور آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ آفاق سیاہ ہو گئے، زمانہ ہاشمیوں پر تنگ ہو گیا، سب سے زیادہ دکھ تو اُم البنینؑ کو ہوا کہ جن کے چاروں بیٹے کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ ہاشمی نژاد بیبیاں اور ابوطالبؑ کی نسلوں سے عورتیں جنابِ زینبؑ کبریٰ کی بے بسی اور جنابِ سکینہؑ کی یتیمی پر اس قدر گریہ کرتی تھیں کہ جہان تنگ ہو گیا۔ ان گریہ کرنے والوں میں ایک طرف جنابِ زینبؑ بنت عقیل بن ابی طالبؑ کا ماتم تھا تو دوسری طرف اُم لقمان اور ان کی بہن اُم ہانی، اسماء اور رملہ کے ساتھ ماتم کناں تھیں اور تیسری طرف مدینہ کی عورتیں جو ننگے پاؤں، بال کھلے بین کرتی ہوئی سر و منہ پر ماتم کرتے ہوئے اور گریہ زاری کرتے ہوئے آتی تھیں۔ یہ عورتیں جس شخص کو دیکھتیں تو یہی کہتی تھیں:

"اے لوگو! آخر رسولؐ پاک کو کیا جواب دو گے اور اس وقت کیا جواب دو گے جب رسولؐ پاک پوچھیں گے کہ میرے بعد میری عترت سے کیا سلوک کیا گیا۔ میں نے اپنی عترت کے بارے کس قدر وصیت اور سفارش کی۔ کیا میری تاکید کا صلہ تم نے یہ دیا کہ میری عترت کو قتل کر دیا اور قیدی بنا لیا۔ کیا میری نبوت کی یہی جزا ہے جو تم نے مجھے دی ہے؟"

اس دن کے بعد جو رات آئی اُس رات ہاتفِ غیبی کی آواز مدینہ والوں نے سنی جو کہہ رہا تھا: لوگو! اب عذابِ الٰہی تیار ہے، تمہارے اُوپر موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور بن داوٗدؑ کی لعنت ہے۔ اہلِ آسمان تمہیں بددعا کر رہے ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی مدینہ میں کہرام مچ گیا اور شہادت کی خبر نے مدینہ کے تمام چھوٹے بڑے، مردوں، عورتوں، حتیٰ کہ تازہ بیاہی لڑکیوں اور بچوں نے گریبان چاک کیے اور اس قدر غم کا اظہار کیا کہ چند گھروں میں تو باقاعدہ مجلسِ عزا برپا ہوگئی۔ مرد و زن دستہ دستہ آتے، چاک شدہ گریبان سے مجلس میں بیٹھتے، نوحہ کرتے اور پھر ایک گھر سے دوسرے گھر جہاں عزاخانہ بنا ہوا تھا، جاتے اور وہاں ماتم اور نوحہ کرتے۔ اس طرح کی عزاداری مدینہ میں چند روز جاری رہی۔

● پہلی مجلس عزا خانہ: ان چند گھروں میں جہاں صفِ عزا بچھی تھی ان میں سے ایک گھر جناب اُم البنینؑ، والدۂ حضرت عباس علمدارؑ کا تھا کہ جن کے چار جوان بیٹے کربلا میں شہید ہوئے۔

● دوسری مجلس عزاخانہ: دوسرا گھر جہاں صفِ عزا بچھی تھی وہ حضرت امام حسینؑ کا گھر تھا کہ جناب فاطمہؑ صغریٰ بیمار یہاں عزادار تھیں۔

مَلَأَت دُور الحُسَین بالرِّجَالِ مِن نِسَاءِ بنی هَاشِم وَحَنِینَهُم عِندَ فَاطِمَة بِنتِ الحُسَینِ

''امام حسینؑ کا گھر بنی ہاشم کی عورتوں اور مردوں سے بھر گیا تھا جو سب تعزیت کر رہے تھے اور جنابِ فاطمہؑ صغریٰ کو بابا کی شہادت پر ماتم کر کے تسلی دیتے رہے''۔

● تیسری مجلس عزاخانہ: تیسرا وہ گھر عزاخانہ بنا ہوا تھا جو امام حسنؑ کا تھا لیکن اب اس گھر میں کوئی نہ تھا۔ یہ خالی تھا بس عزادار آتے اور نوحہ وگریہ زاری کرتے اور پھر چلے جاتے۔

وَكَانَت بُيُوتَ الحَسَن عَلَيهِ السَّلَام خَالِيَةٌ مُوحِشَةٌ حَيثُ اَنَّ اَولَادَهُ قُتِلُوا فِي الوَاقِعَةِ وأُسِرَ البَاقُونَ

''امام حسنؑ کے کمرے خالی پڑے تھے اور گھر میں کوئی نہ تھا۔ وحشت ہی وحشت تھی کیونکہ ان کی اولاد واقعۂ کربلا میں کچھ شہید ہوگئے اور باقی قید ہوگئے''۔

● چوتھی مجلس عزاخانہ: جناب محمد حنفیہ کا گھر تھا کہ جس میں ہاشمی مرد و زن ماتم کرتے رہے۔ رسولِ پاک کی قبر سے ماتمی جلوس چلتا اور امام حسنؑ کی قبر تک جاتا اور وہاں سے جنابِ فاطمہ زہراءؑ کی قبر تک ماتمی جلوس چلتے رہے۔

★ ★ ★

پندرھویں فصل

سرہائے شہداء اور اہلِ بیتؑ کی شام روانگی

جب یزید کا جوابی خط آیا کہ سروں اور قیدیوں کو شام بھیج دو تو ابن زیاد نے زحر بن قیس کی سربراہی میں شہداء کے سروں اور امام سجاد کو (امامؑ کے ہاتھ پسِ گردن باندھے گئے تھے) بمع مخدراتِ عصمت کے بے محمل اُونٹوں پر سوار کیا اور روانہ کر دیا۔

ابن عبد ربہٗ کے قول کے مطابق غاز بن ربیعہ جرشی کہتا ہے کہ میں یزید بن معاویہ کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک زحر آیا، یزید نے ڈرتے ہوئے کہا: مَاوَرَائِكَ يَا زُحِر ''اے زُحر! تیرے پیچھے کیا ہے؟''

زُحر نے کہا: امیر المومنین کو فتح و نصرت اور کامیابی کی مبارک ہو اور کہا:

وَرَدَ عَلَينَا الحُسَين بنِ عَلِي فِي ثَمَانِيَةَ عَشَرَ مِن اَهلِ بَيتِهِ وَسِتِّينَ رَجُلًا مِن شِيعَتِهِ فَبرَزنَا اِلَيهِم فَسئَلنَاهُم اَن لَو يَنزِلُوا عَلٰى حُكمِ الاَمِيرِ عَبيدِاللّٰهِ اَو القَتَل ، فَاختَارُوا القِتَالَ فَغَدَونَا عَلَيهِم مَعَ شرَوقِ الشَمسِ فَاحطنَابِهِم مِن كُلِّ نَاحِيَةٍ حَتّٰى اِذَا اَخَذَتِ السُيُوفَ مَاْخَذَهَا مِن هَامِ القَومِ جَعَلُوا يَلوذُونَ بِالاَكَامِ وَالحَفرِ كَمَا لَاذلِحمَامِ مِن صَقَرٍ فَوَاللّٰهِ مَا كَانَ اِلَّا جَزَرَ جَزُورٍ اَو نَومَة قَائِل ، حَتّٰى اَيتَنَا آخرهُم فَهَاتِيكَ اَجسَادُهُم مُجرَدَّةٌ وَثِيَابُهُم مرمِلَة خُدُودُهُم معفر تصهرِهُم الشَمسِ وَتَسفى عَلَيهِم الرِّيحِ...... الخ

''ہمارے پاس امام حسینؑ ، بنی ہاشم کے اٹھارہ جوان اور ساٹھ اصحاب کے ساتھ آئے۔ ہم نے پہلے اُنھیں کہا کہ ابن زیاد کے حکم کی اطاعت کریں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں تو اُنھوں نے ذلت اختیار نہ کی اور جنگ کو اختیار کیا۔ روزِ عاشور ہر طرف سے اس پر حملہ کیا اور تلواریں چلیں اور جتنا وقت قصاب کے اُونٹ نحر کرنے میں صرف ہوتا ہے اتنے ہی وقت میں ہم نے امام حسینؑ کے تمام ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ ان کے بدنوں کو صحرائے کربلا میں برہنہ بغیر دفن کے چھوڑ دیا، ان کے چہرے

خون آلود، سورج کی تپش میں پڑے سوائے پرندوں کے کوئی ان کے پاس نہیں ہے"۔
یزید نے ایک لحظہ سر نیچے کیا اور پھر سر اُٹھا کر کہا:

قَد کُنتُ اَرضَی مِن طَاعَتِکُم بِدُونِ قَتلِ الحُسَینِ اَمَّالَو اَنِّی صَاحِبُه لَعَفَوتُ عَنه

"میں تم پر امام حسینؑ کے قتل کے بغیر بھی راضی ہوتا اگر میں ابن زیاد کے مقام پر ہوتا تو امام حسینؑ سے درگزر کر جاتا"۔

صاحبِ ارشاد رقم طراز ہیں: سرِ امامؑ کو شام بھیجنے کے بعد اہلِ بیتؑ کو شمر بن ذی الجوشن اور معفر بن ثعلبہ کی قیادت میں شام بھیج دیا گیا۔ البتہ امام سجاد علیہ السلام کے گلے میں لوہے کا خاردار طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر شام کی طرف روانہ کیا گیا۔

کوفہ سے شام تک کاروانِ اہلِ بیتؑ کے منازل

کربلا میں شہؑ والا کے حرم لٹتے ہیں فاقہ کش تشنہ دہن کشتۂ غم لٹتے ہیں
دشتِ الم میں گرفتار ستم لٹتے ہیں شور برپا ہے یہ رانڈوں میں کہ ہم لٹتے ہیں
قتل وارث ہوئے سامانِ گرفتاری ہے
یا علیؑ آؤ کہ اب وقتِ مددگاری ہے

جب اہلِ بیت کرامؑ کو بمع شہدائے عظام کے سروں کے شامِ غم انجام بھیجا گیا تو ہر منزل پر کوئی نہ کوئی کرامت اور برہانِ حق ظاہر ہوئی جس سے بعض لوگوں کی تنبیہہ ہو جاتی تھی اور بعض کو ہدایت مل جاتی تھی لیکن جو شقی تھے ان کی شقاوت میں اضافہ ہوتا رہا کیونکہ خدا قرآنِ حکیم میں فرماتا ہے:

وَلَا یَزِیدُ الظّٰلِمِینَ اِلَّا خَسَارًا – بَلْ لَم یَزِدهُم اِلَّا طُغیَانًا وَغُرُورًا

ابو مخنف لکھتے ہیں: اس کارواں کو جصاصہ کی شرقی جانب سے قیدیوں اور سروں کو لے کر گئے اور تکریت کے ایک طرف سے گزرتے ہوئے کاروان کو لے چلے۔ انہوں نے تکریت کے عامل کو لکھا: ہمارا استقبال کیا جائے اور لشکر کا کھانا اور گھوڑوں کا چارہ وغیرہ لایا جائے، ہماری تعداد زیادہ ہے اور ہم ابن زیاد کی طرف سے مامور ہیں۔ ہمارے پاس امام حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کے سر ہیں جن کو کربلا میں شہید کیا گیا ہے اور اب ہم ان کے سر یزید کی طرف لے جا رہے ہیں۔
تکریت کے حاکم نے یہ خط پڑھا تو حکم دیا کہ لشکر کی غذا اور لشکر کے ساتھ موجود حیوانوں کی خوراک کا انتظام کیا جائے

اور ان کا استقبال کیا جائے چنانچہ بہت سے لوگ استقبال کے لیے گئے جنہوں نے سرخ اور زرد علم اپنے آگے اٹھائے ہوئے تھے۔ بوق نقارہ کی صدا جاری تھی، لوگ ہر جانب اور ہر مکان سے استقبال کے لیے روانہ ہوگئے۔ جب دونوں فریق ایک دوسرے سے ملے تو ایک دوسرے کو بشارت اور مبارک دی۔ تماشائی لوگ امامؑ کے نورانی سر کے متعلق پوچھتے تو ان کو جواب ملتا: هٰذَا رَأسُ الخَارِجِی۔

اتفاقاً اس اجتماع میں ایک نصرانی تھا جو کوفہ سے آیا تھا، اُس نے کہا: اے بدبختو! میں بھی کوفہ میں تھا وہاں تو اس سر کا نام راس الخارجی نہ تھا بلکہ وہاں تو ان کا نام حسینؑ بن علیؑ تھا۔ وہی علیؑ جنہوں نے کئی سال کوفہ میں حکومت کی اور وہ ہمارے امیر تھے۔ اِن کی ماں جنابِ فاطمہ زہراءؑ ہیں اور جد محمد مصطفیؐ ہیں۔ یہ سر اسی مصطفیؐ کے بیٹے کا ہے۔ نصرانیوں نے جب یہ سنا تو ناقوس بجانے شروع کر دیے اور راہبوں نے اپنے کلیسوں کے دروازے بند کر دیے اور قاتلانِ حسینؑ پر شب و روز لعنت اور نفرین کرتے رہے تھے اور بار بار یہی کہتے تھے:

اِلٰهی مَعبُود اِنَّا بَرِئنَا مِن قَومٍ قَتَلُوا ابن بنتِ نَبِیّهِم

''اے اللہ! ہم اس قوم سے بری ہیں جس نے اپنے نبی کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا''۔

لشکر کے سالار شمر تک یہ خبر پہنچی کہ نصرانیوں نے یہاں شور و غل مچایا ہوا ہے اور عنقریب باقی لوگوں کی شورش کا خطرہ ہے تو ابن زیاد کے سپاہی ڈر گئے۔ فَلَم یَدخُلُوهَا وَرَحَلُوهَا عَن تکریت ''اور تکریت کے شہر میں وارد نہ ہوئے''۔ وہاں سے وہ باہر باہر سے آگے نکل گئے، چلتے چلتے عروہ نصرانی کے کلیسا کے پاس جا پہنچے وہاں بھی نہ رکے بلکہ وادیٔ نخلہ میں رات کا پڑاؤ کیا۔

ابومخنف لکھتے ہیں: جب قیدی لبنا شہر پہنچے تو شہر لبنا میں اطلاع دی گئی۔ لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا حتیٰ کہ:

فَخَرجَتِ المُخَدَّرَات مِن خُدورِهِنَّ وَالکُهولُ وَالشبان یَنظُرُونَ اِلٰی رَأسِ الحُسَین وَیُصَلُّونَ عَلَیهِ وَعَلٰی جَدِّهٖ وَاَبِیهِ وَیَلعَنُونَ مِن قَتَله...... الخ

''مرد و زن، چھوٹے بڑے، بوڑھے جوان اور عورتیں تک پسِ پردہ سے نکل کر امام حسینؑ کے سر کو دیکھتے تھے اور ان پر، ان کے نانا پر، اور ان کے باپؑ پر صلواۃ پڑھتے تھے۔ نیز قاتل پر لعنت کرتے تھے اور اس لشکر کو گالیاں دیتے ہوئے کہتے تھے:

یَاقَتَلَةَ اَولَادِ الاَنبِیَاءِ اُخرُجُوا مِن بَلَدِنَا

"اے اولادِ انبیاءؑ کے قاتلو! ہمارے شہر سے جلدی نکل جاؤ"۔
جب لشکر والوں نے یہ سنا تو لبنا سے کوچ کرلیا اور کحیلہ نامی منزل پر پہنچ گئے۔

واقعۂ منزلِ کحیلہ

جب ابن زیاد کے سپاہی کحیلہ پہنچے تو اس شہر کے اہل کو پیغام بھیجا کہ تم ہم سے ملاقات کرو یعنی استقبال کرو۔ ہماری غذا اور حیوانوں کا چارہ بھی ساتھ لاؤ، کیونکہ ہمارے ساتھ حسینؑ کا سر ہے اور ہم شام جا رہے ہیں۔ والئ کحیلہ نے آذوقہ وعلوفہ کا انتظام کیا، لوگوں نے استقبال کیا اور خود تین میل تک استقبال کے لیے باہر آئے۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے کہ کیا خبر ہے؟ جواب ملتا کہ خارجیوں کے سروں کے ہمراہ ان کے اہل وعیال کو قیدی بنا کر شام لے جا رہے ہیں جن کو کربلا میں ابن زیاد کے حکم سے شہید کیا گیا۔

ایک شخص جو حقیقتِ حال سے واقف تھا اس نے کہا: افسوس تم پر، تمہاری زبان لال ہو، خارجی نہ کہو کہ وَاللّٰہ ھٰذَا رَأسَ الحُسَینؑ "یہ تو امام حسینؑ کا سر ہے"۔

جب آنے والوں نے یہ سنا تو گریہ زاری کی اور چار ہزار شاہ سواروں نے آپس میں عہد کیا اور قسمیں اٹھائیں کہ ابن زیاد کے سپاہیوں کو قتل کردیں گے اور سر چھین کر کربلا لے جا کر ان کے جسموں سے ملحق کردیں گے اور قیدیوں کو قید سے رہائی دلائیں گے تاکہ قیامت تک ہماری نسلیں ہمارے کارنامے پر فخر کرتی رہیں لیکن جاسوسوں نے یہ خبر ابن زیاد کے لشکر تک پہنچا دی کہ اوس وخزرج کی جماعت چار ہزار کے لشکر کے ہمراہ تم پر حملہ کرنے والی ہے۔ تو جلد ہی لشکر ابن زیاد ڈر کے مارے کحیلہ میں رات نہ ٹھہرا اور وہاں سے چل دیا اور جلدی جلدی سفر کرکے منزلِ جھنیہ پہنچ گیا۔

واقعۂ منزلِ جھنیہ

جھنیہ کے عامل کو لشکر ابن زیاد نے اطلاع دی کہ حسینؑ کا سر ہمارے ساتھ ہے اور ہم ابن زیاد کی طرف سے شام میں یزید کے پاس جا رہے ہیں۔ ہمارا استقبال کرو اور ہماری غذا وعلوفہ (جانوروں کے لیے چارہ) کا بھی انتظام کرو۔ پس عامل نے شہر کو سجایا اور علم بلند کیے اور لوگ استقبال کے لیے آئے لیکن جب ان کو پتا چلا کہ ان کے پاس امام حسینؑ کا سر ہے تو ۳۰ ہزار لوگ ان کے خلاف جمع ہوگئے اور جنگ کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ سروں اور قیدیوں کو ان سے چھین لیں لیکن لشکر ابن زیاد فوری طور پر وہاں سے فرار ہوگیا۔

واقعۂ منزلِ موصل

لشکر ابن زیاد چلتے چلتے موصل کے نزدیک پہنچا تو کسی کو موصل کے امیر کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ شہر کو آراستہ کرو اور ہمارا استقبال کرو اور جب ہم تمہارے پاس پہنچیں تو زر و دولت مہیا کر کے ہم پر نثار کرو اور تمام شہروں کے حکّام پر فخر کرو کیونکہ امام حسینؑ اور اس کے بھائیوں اور صحابیوں کے سر اور ان کے خاندان کے باقی افراد کو قیدی کر کے ہم تمہارے پاس آرہے ہیں۔ والسلام!

موصل کے حاکم عمادالدولہ نے اہلِ شہر کو جمع کیا اور حالاتِ حاضرہ بتائے اور کہا: اے قوم! ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ کرو اور نہ استقبال کرو اور نہ اپنے شہر میں ان کو داخل ہونے دو کیونکہ یہ تمہارے لیے ننگ و عار ہے۔

رُعایا نے کہا: اے امیر! خدا تمہیں خیریت سے رکھے تم ہمیشہ رعایا پر مہربان تھے اور ہیں لیکن آپ جو حکم دیں گے ہم اُس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ پس اہلِ موصل نے غذا، پانی اور علوفہ (گھاس) لشکر کے لیے بھیج دیا اور پیغام دیا کہ آپ لوگوں کا شہر میں داخل ہونا خلافِ مصلحت ہے یہ غذا لو اور جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔

لشکر ابن زیاد اس رویہ سے غضب ناک ہوا اور شہر موصل کے باہر ہی سے گزر گیا۔ یوں شہر سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر پڑاؤ کیا اور امام حسینؑ کے سر کو نوکِ نیزہ سے اُتار کر وہاں موجود ایک بڑے پتھر پر رکھا۔ خون کے چند قطرے اس پتھر پر لگے اور وہ قطراتِ خون اس پتھر کے اندر محفوظ ہو گئے۔ روزِ عاشور ہر سال اس پتھر سے تازہ خون جوش مارتا تھا اور یوں گرد و نواح کے لوگ وہاں آتے اور اس پتھر کے گرد حلقہ بنا کر ماتم کرتے تھے اور یوں رسمِ عزاداری ادا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عبدالملک بن مروان علیہ ماعلیہ کے زمانے میں اس پتھر کو یہاں سے اٹھایا گیا تو پھر اس پتھر سے روزِ عاشور کوئی نشانی نہ دیکھی لیکن اہلِ موصل نے اس مقام پر ایک بارگاہ اور گنبد تعمیر کیا اور اس مقام کا نام مشہد النقطہ رکھا۔ مومنین ہر سال روزِ عاشور وہاں آتے ہیں اور رسمِ عزاداری ادا کرتے ہیں۔

صاحبِ روضۃ الشہداء لکھتے ہیں: جب اہلِ موصل نے لشکر ابن زیاد کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی تو شمر ملعون نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر سے باہر رات گزاری اور صبح یہ لوگ نصیبین کی طرف روانہ ہو گئے۔

واقعۂ منزلِ نصیبین

غمِ زینبؑ ہیں بہت اہلِ یقیں روئیں گے
حشر تک حجتِ حق مہدیؑ دیں روئیں گے

جب اہلِ بیتؑ کو لشکر ابن زیاد نصیبین شہر کے قریب لائے تو سروں کو صندوقوں سے نکال کر نیزوں پر سوار کیا اور اہلِ بیتؑ کے سامنے لایا گیا۔ فَلَمَّا رَأَت زَینَب رَأسَ اَخِیهَا بَکَتْ جب بی بی زینبؑ نے اپنے بھائی کے سر کو دیکھا تو بہت روئیں اور فرمایا: کیا تم ہمیں شہروں میں پھراتے رہو گے حالانکہ ہم تو اس کی اولاد ہیں جس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی۔ تم نے رب کا انکار اور اپنے نبیؐ کا بھی انکار کیا۔ گویا تمہارے پاس نبی پاکؐ آئے ہی نہ تھے۔

صاحبِ روضہ لکھتے ہیں: لشکر ابن زیاد نے نصیبین کے حاکم کو قاصد بھیجا اور پیغام دیا کہ شہر کو سجائے اور ہمارے استقبال کو آئے، نیز ہماری مہمان نوازی کا اہتمام کرے۔ پس شہر سجایا گیا تو دروازۂ شہر پر لشکر ابن زیاد کے قیدیوں کو لایا گیا تو تماشائی آ گئے تو فَمَا لَبِثُوا اِلَّا اَن بَرِقَت سَحَابَۃٌ عَلَیهِم بِبَرقٍ مِنَ القَهرِ الالٰهی ''اچانک قہرالٰہی سے بادل سے بجلی گری جس نے آدھے شہر کو جلا کر راکھ کر دیا۔ شہر میں شوروغل برپا ہوا تو لشکر ابن زیاد یہاں سے شرمندہ ہو کر آگے کو چلا اور اس شہر کے قریب پہنچا جس کا امیر سلیمان بن یوسف تھا۔

نصیبین کے بعد کا واقعہ

سلیمان کے دو بھائی تھے، ان میں سے ایک جنگِ صفّین میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا اور دوسرا سلیمان کے ساتھ اس شہر پر حکومت کرنے میں شریک تھا۔ اس شہر کے دو دروازے تھے: ایک دروازہ سلیمان سے متعلق تھا اور دوسرے کا تعلق اس کے بھائی سے تھا۔ جب ابن زیاد کے لشکر کے آنے کی خبر سنی تو خوب اہتمام کیا گیا اور تشریفات کا انتظام کیا گیا لیکن لشکر کے کس دروازے سے ورود ہو، اس بات پر دونوں میں اختلاف ہو گیا۔ ایک کہتا تھا کہ لشکر میرے دروازے سے داخل ہو اور دوسرا کہتا کہ میرے دروازے سے داخل ہو۔ پس دونوں ناصبی بھائیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔

فَقَامَتِ الفِتنَۃُ وَهَاجَتِ الفَسَادَ فَاَخَذَ السُّیُوفُ مِن جَانِبِینَ فَاَخَذَهَا وَنَفَذَتِ السَّهَامُ مِنَ الطَرفَینِ مَنَافِذهَا وَانقَطَعَ الاَمَنُ وَالاَمَانُ فَقُتِلَ سُلَیمَانُ

''تلواریں چلیں، تیر چلے، اسی دار و گیر میں سلیمان بھی وارِدِ جنگ ہوا اور مارا گیا''۔

اس واقعہ سے لشکرِ شمر یہاں سے بھی خاموشی سے آگے نکل گیا اور حلب کی طرف روانہ ہو گیا۔ البتہ راستہ میں یہ عین الورد سے بھی گزر گئے۔

شہر حلب کا واقعہ

طوق ہاتھوں سے سنبھالے جو پسر روتا ہے
پیار سے حضرت شبیرؑ کا سر روتا ہے

ابومخنف لکھتے ہیں: شہر حلب کو شہداء کے سروں اور اہلِ بیتؑ کے ورود کے لیے سجایا گیا اور ساز اور نقارے بجا کر اہلِ بیتؑ کو نہایت ذلت وخواری سے شہر میں داخل کیا گیا۔ شہر کے کوچہ و بازار میں اہلِ بیتؑ کی تشہیر کی گئی حتیٰ کہ اقامت گاہ پر پہنچے تو وہاں سروں کو نیزوں سے اُتارا گیا اور امام حسینؑ کے سر کو زوال سے غروب تک کھلی جگہ پر رکھا گیا۔ لوگ گروہ در گروہ سرِ مبارک کو دیکھنے کے لیے آتے تھے اور ان لوگوں میں کوئی نہ کوئی شیعہ اور محبِ اہلِ بیتؑ بھی ہوتا تھا۔ جب یہ پہچان لیتا کہ یہ امام حسینؑ کا سر ہے تو زاروقطار روتا اور آپؑ، آپؑ کے جد اور باپ پر صلواۃ پڑھتا اور قاتلین پر لعنت کرتا تھا۔

لیکن جاہل اور پست لوگ سرِ مقدس کے پاس کھڑے ہو کر بلند آواز سے لوگوں کو بلاتے اور کہتے کہ ھَذَا رَأسُ خَارِجِی آؤ تماشا کرو یہ اُس خارجی کا سر ہے جس نے یزید کے خلاف کربلا میں بغاوت کی اور مارا گیا۔

جب یہی صدا جنابِ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے کانوں تک پہنچی تو تمام بیبیوں نے سر و صورت پر ماتم کرنا اور زاروقطار رونا شروع کر دیا۔

ابومخنف لکھتے ہیں: ابھی تک وہ مقام موجود ہے جہاں امامؑ کا سر رکھا گیا تھا۔ لَا یَجُوْزُ فِیھَا اَحَدٌ اِلَّا تَقضٰی لَہٗ حَاجَتُہٗ "یہاں جو محتاج شخص پناہ لیتا اور مدد مانگتا ہے تو اس کے دردِ دل کی دوا اور اس کی حاجت روائی ہو جاتی ہے"۔

لشکرِ ابن زیاد نے یہ رات عیش وعشرت میں گزاری اور کثرت سے شراب پینے کی وجہ سے ان کی حالت خراب سے خراب تر ہوگئی۔ وہ رنگا رنگ کے حرام کھانے کھاتے رہے لیکن اہلِ بیتؑ نمناک آنکھوں سے ایک خرابہ میں دکھی دل اور خستہ جسموں نیز بیماری و لاچاری کی حالت میں صبح تک بھوکے پیاسے بیٹھے رہے۔ امام سجاد علیہ السلام اپنی غربت پر بار بار روتے تھے اور کہتے تھے: اللہ! تو ان سے ہمارا انتقام لے۔

غیر معلوم مقام کا ایک واقعہ

ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ ابولھیفہ نے کہا: میں جب طواف بیت اللہ میں مشغول تھا تو ایک شخص کو پردۂ کعبہ پکڑ کر مناجات کرتے دیکھا، وہ مناجات میں یہی بات کہتا تھا: اے میرے اللہ! مجھے معاف کر دے لیکن میں جانتا ہوں کہ تو مجھے معاف نہیں کرے گا۔ میں نے اس شخص کی مذمت کی اور کہا: اے بندۂ خدا! خدا سے شرم کرو! اس طرح کیوں کہتے ہو؟ اگر تمہارے گناہ درختوں کے پتوں کے برابر اور بارش کے قطروں کے برابر بھی ہوں تو بھی توبہ کرو اور معافی مانگو وہ غفور و رحیم ہے۔

اس نے مجھے جواب دیا: میں رحمتِ خدا سے ناامید ہوں کیونکہ میں نے بہت بڑا ظلم کیا ہوا ہے۔

میں نے کہا: وہ کون سے گناہ ہیں؟

اس نے کہا: آؤ ایک طرف بیٹھتے ہیں اور میں تمہیں اپنا حال بتاتا ہوں۔

اِعلَم اِنَّا کُنَّا خَمسِینَ نَفرًا مِمَّن سَارَ مَعَ الحُسَینِ اِلَی الشَّامِ

''میں ان پچاس لوگوں سے ہوں جو امام حسینؑ کا سر شام کی طرف لے جا رہے تھے''۔

ایک دن امام علیہ السلام کا سر نوکِ نیزہ پر تھا کہ رات ہوگئی، رات کو ہم امامؑ کے سر کو صندوق میں بند کر دیتے تھے اور اس کے پاس بیٹھ کر شراب پینے لگ جاتے تھے، اُس رات شراب پینے اور مستی آ جانے کے بعد دوسروں کو نیند آ گئی لیکن میں جاگتا رہا کیونکہ میں نے اُس رات نہ شراب پی اور نہ ان کے ہم رنگ ہوا۔ آدھی رات کو جب فضا تاریک ہوگئی تو اچانک میں نے دیکھا کہ گرج چمک ہوئی، پھر آسمان کے دروازے کھل گئے اور ان دروازوں سے حضرت آدم صفی اللہ، حضرت نوحؑ نجی اللہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ، حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰؑ روح اللہ، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آسمان سے اُترے۔ جبرئیلؑ ملائکہ کے گروہ کے ساتھ ان انبیاؑ کے ساتھ تھے۔ سب انبیاؑ اور ملائکہ امام حسینؑ کے سرِ مقدس والے صندوق کے پاس گئے۔ جبرئیلؑ نے بڑھ کر صندوق کا دروازہ کھولا اور سرِ مطہر کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور لبوں پر بوسہ دیا۔ پھر باری باری تمام پیغمبروںؑ کو دیا، سب نے سینے سے لگایا، لبوں پر بوسے دیئے، حتیٰ کہ جب پیغمبر اکرمؐ کی باری آئی تو حضرتؐ نے بہت ہی بوسے دیئے اور بہت زیادہ گریہ کیا، جیسے کوئی باپ اپنے نوجوان بیٹے کی لاش پر آنسو بہاتا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بیٹے کے سر پر نوحہ خوانی کی اور بڑی بے قراری کا اظہار کیا۔ باقی انبیاؑ رسولِ پاکؐ کو تسلیاں دیتے تھے لیکن رسول اکرمؐ آرام نہ کرتے تھے کہ جبرئیلؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپؐ کی اتباع کرو اگر آپؐ مجھے حکم دیں تو میں اس زمین کو اُٹھا کر دوبارہ پھینکوں تا کہ زلزلہ برپا ہو اور شہرِ لوطؑ کی طرح اُوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اُوپر ہو جائے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: جبرئیلؑ! آخر قیامت تو ہے؟ میں صبر کرتا ہوں تا کہ اُس روز ان سے دشمنی کروں، رسول پاکؐ نے پھر گریہ شروع کر دیا۔ ملائکہ رسول پاکؐ کے گریہ سے بہت زیادہ ملول اور غم زدہ ہوئے لہٰذا آگے بڑھے اور امامؑ کے سر کے پاسبانوں کو مارنا چاہا۔ جب میرے پاس پہنچے تو میں نے پکارا:

یارسولؐ اللہ! الامان، الامان، خدا کی قسم! میں نے قتلِ حسینؑ میں ہمراہی نہیں کی اور اس کام پر راضی بھی نہ تھا۔ خدارا! مجھے معاف کر دیں تو رسول پاکؐ نے فرمایا: تم پر افسوس! کیا اب تم ان کے ہمراہ نہیں ہو اور اہلِ بیتؑ کی غربت نہیں دیکھتے!!

میں نے عرض کیا: ہاں! دیکھ رہا ہوں۔

پس فرمایا کہ خدا تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور پیغمبرؐ نے ملک الموت سے فرمایا کہ تم اسے چھوڑ دو یہ خود بخود مر جائے گا۔ پس اس وحشت سے اس مقام سے اُٹھا، صبح کو دیکھا کہ میرے تمام ساتھی جل کر راکھ ہو گئے اور میرا آدھا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے اور ابھی تک میرا چہرہ آگ میں جل رہا ہے۔

واقعۂ دیر راہب

غربت ہے رشکِ بخت سکندر بنی ہوئی
صحرا کی دھوپ خود ہے سمندر بنی ہوئی
دیکھو سرِ حسینؑ کی بخشش کا معجزہ
نوکِ سناں ہے دوشِ پیغمبرؐ بنی ہوئی

کتاب مدارج الحسینیہ میں حسین بن محمد بن احمد رازی سے اور وہ شیخ ابوسعید سے نیز صاحب روضۃ الشہداء بھی ابوسعید دمشقی سے نقل کرتے ہیں کہ میں اس جماعت کے ہمراہ تھا جو امام علیہ السلام کے سرِ مطہر اور اہلِ بیتؑ کو شام کی طرف لے جا رہی تھی۔ جب ہم دمشق کے قریب پہنچے تو لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ قعقاع مخزاعی نے ایک لشکر تیار کیا ہے اور وہ ابن زیاد کے لشکر پر شب خون مارنا چاہتا ہے تاکہ سر اور قیدی چھین لے۔

ابن زیاد کے لشکر کا سالار مضطرب ہوا اور بڑی احتیاط سے سفر کیا۔ رات کو وہ ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں ایک عظیم راہب کا کلیسا تھا جس میں نصرانی رہتے تھے۔ لشکر کی یہ رائے ٹھہری کہ اس کلیسا کو اپنی پناہ گاہ بنالیں تاکہ اگر رات کو کوئی شب خون مارے تو کامیاب نہ ہو سکے۔ پس شمر ملعون کلیسا کے پاس آیا اور ان کے بزرگ کو بلایا تو چھت سے ایک ضعیف شخص نے کلیسا کے دائیں بائیں دیکھا تو بیابان میں ایک لشکر پھیلا ہوا پایا۔ اس نے پوچھا: کیا کام ہے؟

شمر نے کہا: ہم ابن زیاد کا لشکر ہیں اور کوفہ سے شام جا رہے ہیں۔

اس ضعیف نے پوچھا: شام خیر سے جا رہے ہو؟

شمر نے کہا: عراق میں ایک شخص نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی، ہم نے اس سے جنگ کی ہے، وہ اور اس کے تمام ساتھی مارے گئے، اب ان کے سر اور ان کے اہلِ بیتؑ کو قیدی بنا کر امیر المومنین یزید کے پاس لے جا رہے ہیں۔

اس ضعیف نصرانی نے سروں کی طرف نگاہ دوڑائی۔

فَرایٰ رُؤسًا مُشرِقَۃً طَالِعَۃً عَلَی الفَضَاءِ مِن اٰفَاقِ الاَسِنَّۃِ وَالرِّمَاجِ کَاَنَّ کُلًّا مِنھَا نَجمٌ

مِنَ السَّمَاءِ ......الخ

"تو دیکھا کہ تمام سر چمکتے ستاروں کے مثل ہیں جو نیزہ و سنان کے آسمان پر طلوع ہیں اور تمام صحرا کو روشن کر رہے ہیں"۔

نصرانی نے پوچھا: ان سروں میں بزرگ اور بڑا کون ہے؟ امام حسینؑ کے سر کی طرف اشارہ کیا گیا اور امامؑ کا سر دکھایا گیا۔ بوڑھے نصرانی نے امامؑ کے سر کو غور سے دیکھا تو حالتِ منقلب اور دگرگوں ہوگئی۔ امام عالی مقامؑ کے جلال اور ہیبت نے نصرانی کو مات کر دیا اور اس کے اعضا و جوارح میں سستی آ گئی نیز حزن و ملال دل میں بیٹھ گیا۔

ضعیف نصرانی نے پوچھا: میرے کلیسا سے کیا چاہتے ہو؟

شمر نے کہا: میں نے سنا ہے کہ اس سر کے محبوں اور عاشقوں نے ایک لشکر جمع کیا ہے کہ وہ ہم پر رات کو حملہ کریں اور ہم سے یہ سرِ مقدس اور قیدی چھین لیں۔ پس آج رات آپ کے کلیسا میں پناہ چاہتے ہیں، کل یہاں سے چلے جائیں گے۔

نصرانی نے کہا: تمہارے لشکر کی تعداد زیادہ ہے اور میرے کلیسا میں اس قدر گنجائش نہیں لیکن دشمن کے حملہ سے بچنے کے لیے سروں اور قیدیوں کو کلیسا کے اندر لے جائیں اور لشکر کلیسا کے اردگرد پڑاؤ رکھ لے۔ رات کو آگ جلا کر روشنائی حاصل کریں اور بیدار رہیں تاکہ رات کے شب خون سے مامون رہیں۔

شمر نے کہا: یہ بہت اچھی رائے ہے۔ فَوَضَعُوا الْكَرِيمَ فِي صَنْدُوقٍ شَدِيدٍ وَقَفَلُوهُ بِقُفْلٍ حَدِيدٍ

"پس امامِ کریمؑ کے سرِ مقدس کو مضبوط صندوق میں رکھا گیا، اسے نئے تالے لگائے گئے اور صندوق کلیسا میں رکھ دیا گیا اور کمرے کو تالے لگا دیے اور امام زین العابدینؑ کو دیگر قیدیوں سمیت کلیسا کے اندر بٹھا دیا"۔

جب آدھی رات ہوئی تو راہب اپنے حجرے سے باہر نکلا اور روشنائی دیکھ کر اس کمرہ کے پاس آیا، جہاں امامؑ کا سر رکھا ہوا تھا۔ وہ کمرے کا طواف کرتا رہا، اچانک دیکھا کہ وہ کمرہ جس میں چراغ تھا نہ شمع، روشن اور منور ہوگیا۔ گویا کمرے میں لاکھوں شمعیں اور چراغ روشن ہیں۔

فَرَأَهُ أَنَّهُ يَظْهَرُ كَأَنَّهُ فِيهِ أَلْفُ شَمْعٍ

"راہب نے ان عجائب کو دیکھ کر تعجب کیا اور خود سے کہا کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟"

أَيْنَ هَذَا النُّورُ وَالضِّيَاءُ وَلَمْ يَطْلَعْ قَمَرٌ وَلَا بَيْضَاءُ

"جب کہ نہ چاند ہے اور نہ ہم نے کمرے میں چراغ اور شمعیں روشن کی ہیں؟"

اے رب العالمین! یہ چمکتا سورج کس ملک سے طلوع ہوا ہے؟ اتفاقاً اس کمرہ کے ساتھ دوسرے ملحقہ کمرہ میں ایک

روشن دان تھا، راہب دوسرے کمرے میں آیا اور اس روشن دان سے جھانک کر دیکھا کہ روشنی اس صندوق سے نکل رہی ہے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ زیادہ ہوتی گئی اور اس قدر پھیل گئی کہ دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔

خلاصہ اس نور کے غلبہ سے کمرے کی چھت میں شگاف ہو گیا۔ وَهَبَطَ مِنَ السَّمَاءِ هَوْدَجٌ وَطَلَعَت مِنهُ خَاتُونٌ وَضِيئَةٌ وَاحتَفَت حَوالِ بِدَايَعِ وَالجَمَال

"اور آسمان سے نوری سواری اُتری، اس سواری سے ایک نورانی روحانی خاتون برآمد ہوئی، جن کے گرد کنیزوں نے حلقہ بنایا ہوا تھا اور وہ آواز دے رہی تھی: طَرِّقُوْا طَرِّقُوْا، یعنی راستہ دو راستہ دو کیونکہ تمام مردوں کی ماں حوا اور صفیہ آ رہی ہیں۔ اس کے بعد ایک اور نورانی سواری اُتری جس میں حوریں اور ایک معظمہ بی بی تھی۔ وہ سواری سے باہر آئیں تو حوروں نے طَرِّقُوْا طَرِّقُوْا کی آواز دی کہ راستہ دو، راستہ دو۔ جنابِ ابراہیم خلیلؑ کا حرم حضرت سارہ آ رہی ہیں۔ پھر ایک اور نوری سواری اُتری جس سے خوبصورت حوریں باہر آئیں اور کہا کہ راستہ دو کیونکہ جناب ہاجرہ مادرِ اسماعیلؑ آ رہی ہیں۔

پھر ایک اور نوری عماری اُتری کہ جس سے سورج کی طرح چمکتی ہوئی حوریں نکلیں اور آواز دی کہ راستہ دو کیونکہ جنابِ یوسفؑ کی ماں راحیل آ رہی ہیں۔ پھر ایک اور نوری عماری نازل ہوئی جس سے جنابِ کلثوم خواہرِ موسیٰؑ برآمد ہوئیں۔ پھر ایک اور نوری عماری اُتری جس سے جنابِ آسیہ خاتون زوجۂ فرعون برآمد ہوئیں۔ پھر ایک اور نوری عماری اُتری جس سے جنابِ مریمؑ مادرِ حضرت عیسیٰؑ برآمد ہوئیں۔ پھر ایک اور نوری محمل اُترا جو بہت عظیم تھا۔ اس محمل سے جناب خدیجۃ الکبریٰ برآمد ہوئیں۔ فَاقبَلنَ جَمِيعًا اِلَى الصَّندُوق "یہ سب نورانی مستورات اور حوریں اس صندوق کی طرف گئیں" اور صندوق کے اردگرد کھڑے ہو کر گریہ وزاری کیا۔ پھر صندوق کا دروازہ کھولا اور خون سے آلودہ سرِ امامؑ کو باہر نکالا، ایک کے بعد دوسری کے ہاتھوں میں امامؑ کا سر آیا تو سب نے زیارت کی اور بوسے دیے اور صلوٰۃ پڑھی۔

فَاِذَا بِصَرخَةٍ عَالِيَةٍ صَارَ البَيتِ مِنهَا ضَجَّةٌ وَاحِدَةٌ نصرانی راہب کہتا ہے کہ اچانک گریہ وزاری کی صدا بلند ہوئی۔ گویا وہ کمرہ گر گیا ہے جس میں وہ سرِ مقدس تھا۔ وَحَبَطَت هَودَجَة تَضِي كَعَينِ البَيضَاءِ ایک نوری عماری کمال روشنی میں چشمہ خورشید کی طرح اُتری جس سے ایسی حوریں برآمد ہوئیں جن کے گریبان چاک، لباس میلے اور حریر پھٹے ہوئے تھے۔ وہ پریشان حال، بال کھولے حسینؑ حسینؑ کا نوحہ پڑھتے ہوئے اس صندوق کے قریب گئیں اور بین کر رہی تھیں کہ اچانک راہب کو جھڑک کر کہا:

اے نصرانی راہب! آنکھیں بند کرو اور اب ادھر مت دیکھنا کیونکہ فَاِنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةَ النِّسَاءِ هَابِطَةٌ مِنَ السَّمَاءِ جنابِ فاطمہ زہراءؑ سیدۃ النساء آسمان سے اُترنے والی ہیں۔ ان کے بال کھلے ہوئے ہیں اور وہ بیٹے کی زیارت کے لیے آ رہی

ہیں۔

راہب کہتا ہے: میں تو اس سخت جھڑکی سے بے ہوش ہوگیا، جب ہوش آیا تو اپنی آنکھوں کے سامنے حجاب دیکھا کہ اب مجھے وہ کمرہ اور اس میں آنے والی عماریاں اور نورانی مستورات کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ لیکن ان مستورات کے نوحہ اور ندبہ کی آواز سنتا تھا کہ تمام مستورات نالہ وزاری اور بے قراری میں مشغول تھیں لیکن اس قدر زار وقطار رونے اور گریہ زاری کے باوجود ایک مستور کی آواز میرے کانوں میں آرہی تھی، وہ ایسے بین کر رہی تھی جیسے ماں اپنے جوان بیٹے کی موت پر بین کرتی ہے۔ وہ رو رو کر یہ زیارت نامہ پڑھ رہی تھیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيكَ اَيُّهَا المَظلُومِ الحريب ، اَلسَّلَامُ عَلَيكَ اَيُّهَا الشَّهِيدُ الغَرِيب ، اَلسَّلَامُ عَلَيكَ يَاضِيَاءَ العَينِ وَمهجَةَ قَلبِ الاُمِّ يَاحُسَينَ قَتَلُوكَ وَمِن شُربِ المَاءِ مَنَعُوكَ

"اے ماں کے مظلوم! شہید اور غریب بیٹے حسینؑ! اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک حسینؑ! تمہیں پیاسا شہید کیا گیا، گھبراؤ نہیں میں تمہارا انتقام تمہارے دشمنوں سے لوں گی"۔

راہب بی بی کے ان دکھی بینوں کو سن کر بے ہوش ہوگیا اور جب ہوش میں آیا تو نوری عماریوں اور محملوں میں سے کچھ بھی نہ تھا اور نہ کوئی رونے والا تھا۔ وہ اُٹھا اور کمرے سے باہر آیا اور سرِ مقدس والے کمرے کے تالوں کو توڑا اور اندر گیا تو صندوق کا دروازہ کھلا ہوا دیکھا اور اس سر سے نور ساطع اور لامع تھا۔ راہب پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ روتے اور زاری کرتے ہوئے صندوق کے پاس زمین پر گر پڑا۔ پھر اُٹھا اور سرِ مقدس کو صندوق سے نکالا اور خون آلود، خاک آلود سر کو مُشک وعنبر اور عرقِ گلاب سے دھو کر نفیس وظریف سجادہ زمین پر بچھایا اور اس پر رکھا۔

وَاَوقَدَ عِندَهُ شَمعًا معنبرًا كَافُورًا ثُمَّ جَلَسَ عَلٰى رَكبَتِيهِ وَجَعَلَ يَنظُرُ اِلَيهِ وَيَبكِي عَلَيهِ بِدَمٍ منسجم وَتَأوهُ مُضطَرِم

"کافوری شمعیں ارد گرد روشن کیں اور حیرت سے اس نورانی سر کو دیکھا۔ وہ زار وقطار روتا، آنسو بہاتا اور دل جلی آہیں بھرتا تھا"۔

پھر زانوئے ادب طے کر کے بیٹھ گیا اور رو کر سر کی طرف دیکھا اور کہا: اے کائنات کے سرور کے سر! اور اے آدمؑ کی اولاد سے بہتر سر! مجھے یقین ہوگیا ہے کہ آپ اس جماعت سے ہیں جس کی صفات میں نے تورات اور انجیل میں پڑھی ہیں۔ آپ کو ہستیٔ خدا کی حقانیت کی قسم! جس نے آپؑ کو یہ مقام ومنزلت عطا فرمائی کہ تمام محترماتِ کائنات، خواتینِ عظام آپؑ کی زیارت کو آئیں اور آپؑ پر گریہ وزاری کرتی رہیں، مجھے بتائیں کہ آپؑ کون ہیں؟

فَاَجَابَهُ الكَرِيمِ بِعِنَايَةِ العَلِيم الحَكِيم

''فوری طور پر ذوالجلال کے حکم سے وہ سرِ مطہر بولا اور فرمایا: میں زمانے کا ستم رسیدہ ہوں، کوفیوں کی تلوار کا شہید ہوں، اور شامیوں نے مجھے خون میں غلطان کیا ہے۔ میں اپنے شہر سے اور اپنے خاندان سے دُور پیغمبرِ اسلام کا فرزند ہوں''۔

راہب نے عرض کیا: اے مظلومؑ! میں آپؑ کے قربان جاؤں ذرا واضح فرمائیں۔

امامؑ نے فرمایا: اے راہب! میرے حسب ونسب کا پوچھتا ہے یا میری پیاس کے متعلق پوچھتا ہے؟ اگر نسب پوچھتا ہے تو میں پیغمبر اکرمؐ کا فرزند اور والئی مدینہؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں اور پھر امامؑ نے اپنے اُوپر ہونے والے تمام مصائب سنائے کہ وہ راہب صبح تک آہ ونالہ میں مشغول رہا۔ کبھی روتا، کبھی ماتم کرتا اور کبھی نوحہ کرتا تھا اور کبھی افسوس سے ہاتھوں کو رگڑتا تھا۔

صبح کو یہ راہب اپنے کمرے سے نکلا اور وہاں موجود تمام نصرانیوں کو جمع کیا اور ان کو تمام واقعات سے مطلع کیا، خود بھی روتا رہا اور سب نصرانیوں کو بھی رُلاتا رہا۔ وہ اس قدر روئے کہ فرطِ غم میں گریبان چاک کر لیے اور سر میں خاک ملالی۔ نیز نوحہ کرتے ہوئے تمام نصرانی امام زین العابدینؑ کے پاس آئے۔

وَهُوَ فِي قَيدِ الاسر وَالذِّلَّةِ وَحَولَهُ مِنَ اليَتَامىٰ وَالثَوَاكِل فِي مَجلِسٍ عَدِيمِ السَّقف

''جب نصاریٰ کی نظر حضرت امام سجادؑ پر پڑی تو دیکھا چند قیدی خواتین اور بچے جنہیں زنجیروں اور رسیوں سے باندھا ہوا ہے وہ پریشان حال، خاک پر سوئے ہوئے ہیں اور ویران جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں''۔

نصرانیوں نے جب قیدیوں کی یہ حالت دیکھی تو ان کی چیخیں نکل گئیں اور وہ زاروقطار رونے لگے، گریبان چاک کیے اور امام سجاد علیہ السلام کے قدموں میں گر پڑے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔ پھر راہب نے وہ واقعات بیان کیے جو رات کو اس نے دیکھے تھے اور عرض کی کہ میں قربان جاؤں، ہمیں اجازت دیں تاکہ ہم کلیسا سے باہر جا کر لشکرِ ابن زیاد پر شب خون لگائیں، ان کے ظلموں کی وجہ سے ہمارے دلوں میں غصے کو ہم خالی کر سکیں۔ اگر ہم قتل ہوگئے تو آپؑ کا فدیہ ہوں گے۔

امام سجاد علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا کہ تمہارا اسلام لانا قبول ہے اور لشکر ابن زیاد کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ بہت جلدی ان کو اپنے کیے کی شدید سزا ملے گی۔ ہم تو اللہ کی قضا وقدر پر راضی ہیں۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ○

کوفہ وشام کے درمیان غیر معلوم مقام کا واقعہ

جناب قطب راوندی سلیمان بن اعمش سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک شخص یوں دعا مانگ رہا تھا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی اَنَا اَعْلَمُ اِنَّکَ لَا تَغْفِرُ" کہ میرے اللہ! مجھے معاف کردے جبکہ میں جانتا ہوں کہ تو معاف نہ کرے گا"۔

اس دعا کے سننے سے میرے بدن میں لرزہ پیدا ہوگیا۔ میں نے اس شخص سے پوچھا کہ حرم خدا و رسولؐ میں اور ماہ محرم میں یہ کیسی نا اُمید کا اظہار کر رہے ہو۔

اس نے کہا: میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔

میں نے کہا: تیرا گناہ بڑا ہے یا کوہِ تہام؟

اس نے کہا: میرا گناہ بہت بڑا ہے۔

میں نے کہا: تیرا گناہ بڑا ہے یا رواسی کے پہاڑ؟

اس نے کہا: میرا گناہ بہت بڑا ہے۔

میں نے کہا: یہ کون سا گناہ ہے جو اس قدر بڑا ہے؟ مجھے بتاؤ تو سہی!

اس نے کہا: حرم سے باہر جا کر میں یہ گناہ بتاؤں گا۔ ہم حرم سے باہر آئے تو اس نے کہا کہ میں لشکر ابن زیاد میں سے تھا اور ان چالیس افراد میں سے تھا جو سرِ حسینؑ کو کوفہ سے شام پہنچانے والے تھے۔ شام کے راستے میں ہم ایک کلیسا کے پاس سے گزرے۔ امامؑ کا سر نوک نیزہ پر سوار تھا، ہم اس نیزے کے پاس کھانا کھانے لگے تو اسی اثناء میں دیکھا کہ غائب سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور اُس نے کلیسا کی دیوار پر یہ لکھا:

اَتَرْجُوا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا — شَفَاعَةُ جَدِّهٖ يَوْمَ الْحِسَابِ

"کیا وہ لوگ جو امام حسینؑ کو قتل کرتے ہیں ان کے ناناؐ کی شفاعت کی امید کرتے ہیں"۔

یہ دیکھ کر ہمارے اندر خوف پیدا ہوا اور ہم میں سے ایک نے چاہا کہ لکھنے والے ہاتھ کو پکڑ لے لیکن ہاتھ غائب ہوگیا، پھر وہی ہاتھ ظاہر ہوا اور یہ جملہ لکھا:

فَلَا وَاللّٰهِ لَيْسَ لَهُمْ شَفِيْعٌ وَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الْعَذَابِ

"یعنی نہیں خدا کی قسم ان کا شفیع کوئی نہیں ہوگا اور وہ عذاب میں پہنچ جائیں گے"۔

اسے پڑھتے ہی ہمارے اندر خوف مزید بڑھ گیا لیکن ہمارے ساتھی کئی اور لوگ بھی تھے جن کی شقاوت میں اضافہ ہوا

اور انہوں نے ہاتھ کو پکڑنا چاہا لیکن وہ غائب ہوگیا۔ ہم پھر کھانے میں مشغول ہوگئے۔ ابھی کھانا ختم نہ ہوا تھا کہ ہاتھ پھر ظاہر ہوا اور دیوار پر یہ شعر لکھنا شروع کر دیا:

وَقَد قَتَلُوا الحُسَين بِحُكمٍ جَورٍ

وَخَالَفَ حُكمُهُم حُكمُ الكِتَابِ

''انہوں نے ظالمانہ حکم سے امام حسینؑ کو قتل کیا اور ان کا حکم قرآن کے خلاف تھا''۔

ہم پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ ہم نے کھانا چھوڑ دیا۔ اسی دوران میں راہب آیا اور سر مطہر پر نظر کی تو سر سے ایک نور ساطع ہو کر آسمانوں تک پہنچتا دکھائی دیا اور چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ پوچھا گیا کہ یہ کس کا سر اطہر ہے؟ اور تم کہاں سے آرہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اہلِ عراق ہیں اور یہ سر حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہے۔

راہب نے کہا: وہ حسینؑ جو فاطمہ زہراءؑ کا بیٹا اور محمد مصطفیٰؐ کے چچازاد بھائی علیؑ کا فرزند ہے؟

ابن زیاد کے لشکر نے کہا: ہاں وہی حسینؑ ہے۔

راہب نے کہا: تَبًّا لَكُم وَاللّٰهُ لَو كَانَ لِعِيسٰى ابن لَحَمَلنَاهُ عَلٰى اَحدَاقِنَا ''پس ہلاکت ہے تم پر اور افسوس ہے تمہارے آئین پر۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کا ایک بیٹا بھی ہوتا تو ہم نصاریٰ ان کے بیٹے کو آنکھوں کی پلکوں پر بٹھاتے''۔

اے بے مروت لوگو! تم نے فرزندِ پیغمبرؐ کو شہید کیا ہے اور اسے قتل کرنے پر فخر بھی کرتے ہو!! اب میری تم سے ایک حاجت ہے۔ پوچھا گیا کہ کیا حاجت ہے؟

راہب نے کہا: مجھے دس ہزار درہم اپنے آباء سے وراثت میں ملے تھے، یہ درہم لے لو اور یہ سر مجھے دے دو تا کہ میرا مہمان ہو، جب تم جانا چاہو تو ساتھ لیتے جانا۔

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ راہب نے دس ہزار درہم دے دیئے۔ عمر بن سعد نے ترازو منگوایا اور ان کا وزن کیا، صرافی کی قیمت لگائی اور درہم اپنے خازن کے حوالے کیے۔ پھر حکم دیا کہ سر اس راہب کے حوالے کردیا جائے۔ راہب نے سر سے اپنی جان کی طرح پیار کیا۔ فَغَسَّلَهُ وَنَظَّفَهُ وَحَشَاهُ بِمِسكٍ وَكَافُورٍ ''اور سر مقدس کو مشک اور گلاب کے عرق سے دھویا اور کافور لگایا''۔ اسے ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹا اور اپنی آغوش میں رکھا اور نوحہ وگریہ زاری کی۔ اس نے گریہ کی حالت میں یہ آواز سنی: طُوبٰى لَكَ وَطُوبٰى لِمَن عَرِفَ حُرمَتَهُ ''اے راہب! تمہیں مبارک ہو، تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں معرفت مل گئی''۔ پس راہب نے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے یہ دعا کی: يَارَبِّ بِحَقِّ عِيسٰى تَأمُرُ هٰذَا الرَّاسَ بِالتَّكَلُّمِ مِنِّي ''جنابِ عیسیٰؑ کے رب! اس سر کو حکم دے کہ وہ میرے ساتھ کلام کرے''۔

ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ اچانک مثلِ غنچہ گل حضرتؑ کے لب کھلے اور فرمایا: یَارَاهِب اَیَّ شَیءٍ تُرِیدُ "اے راہب! تو کیا چاہتا ہے؟"

راہب نے عرض کیا: میں آپؑ کی معرفت چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟

فرمایا: اَنَا بن مُحَمَّد المصطفیٰؐ اَنَا ابنُ عَلی المُرتضٰی علیه السلام وَاَنَا ابنُ فَاطِمَةُ الزَّهرَاءِ وَاَنَا المَقتُولُ بِكَربَلاء وَاَنَا العَطشَان "میں مصطفیٰؐ کا بیٹا، علی مرتضیٰؑ کا دلبند، فاطمہ زہراءؑ کا جگر گوشہ ہوں اور مجھے کربلا میں پیاسا اور بھوکا قتل کیا گیا ہے"۔

پھر راہب نے سر کو اپنے سجادے پر رکھا جیسے نمازی سجدہ میں سر رکھتا ہے اور حضرتؑ کے چہرے پر اپنا چہرہ رکھ کر عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! بخدا آپؑ کے چہرے سے اپنا چہرہ کبھی نہ اٹھاؤں گا جب تک آپؑ کی زبان سے یہ نہ سنوں کہ بروزِ قیامت شفاعت کروں گا۔

امام کے بریدہ سر سے آواز آئی کہ پہلے میرے ناناؐ کے دین کو قبول کر۔ راہب نے شہادتین زبان پر جاری کیں اور مسلمان ہوگیا۔ حضرتؑ کے لبوں نے حرکت کی اور فرمایا: اے راہب! روزِ محشر میں تمہارا شفیع ہوں گا۔ راہب خوش ہوگیا۔

لیکن راوندی کی روایت میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ جب راہب سرِ مبارک کو جھولی میں رکھ کر اس کی غربت پر رو رہا تھا اور باتیں کر رہا تھا تو ابن زیاد کا لشکر آیا اور سر کا مطالبہ کیا۔ راہب نے کہا: اے کائنات کے سردار! میں قربان جاؤں میرے پاس سوائے آپؑ کے اور کچھ بھی نہیں ہے، پس آپؑ گواہ ہیں کہ میں آپؑ کے بریدہ سر کی برکت سے کلمۂ اسلام پڑھتا ہوں: واشهد ان لا اِلٰه الا الله واشهد ان محمدًا رسول الله۔

اے میرے سردار! میں آپؑ کا غلام ہوں اور جب تک زندہ ہوں آپؑ کی مظلومیت پر روتا رہوں گا۔ پھر سر کو اُٹھا کر راہب لایا اور کہا کہ لشکر کا سردار کہاں ہے؟ مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔ عمر بن سعد کی طرف اشارہ کیا گیا تو راہب عمر بن سعد کے پاس آیا اور بڑے عجز سے کہا:

یَا عُمرو سَئَلتُكَ بِاللّٰهِ وَبِحَقِّ محمد اَن لَا تَعُودَ اِلٰی مَا كُنتَ تَفعَلُهُ بِهٰذَا الرَّاسِ

"اے عمر! میری تم سے گزارش ہے کہ تجھے اللہ اور رسولؐ اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اب اس سرِ مقدس کے ساتھ بے احترامی نہ کرنا"۔

یعنی نیزے پر سوار نہ کرنا اور لوگوں میں دھوپ میں نہ پھرانا اور سرِ مقدس کو بہنوں، بیٹیوں اور بیٹے کے سامنے نہ کرو بلکہ صندوق سے باہر نہ نکالو کیونکہ اس سر کا خدا کے نزدیک بہت بڑا مقام ہے۔

عمر سعد نے کہا: ٹھیک ہے اور سر راہب سے لے لیا۔ فَفَعَلَ بِالرَّأْسِ مِثْلَ مَا كَانَ يَفعَلُ فِي الاَوّلِ ''اور سر سے وہی سلوک روا رکھا جو پہلے جاری تھا یعنی سر کو نیزہ پر سوار کیا اور بہنوں، بیٹیوں اور بیٹوں کے سامنے کیا''۔

راہب اسلام قبول کرنے کے بعد بزیر میں چلا گیا اور جب تک زندہ رہا آقا حسینؑ کی غربت پر روتا اور گریہ زاری کرتا تھا۔ جب عمر بن سعد نے شام کے نزدیک اپنے خزانچی سے وہ دس ہزار درہم طلب کیے تو دیکھا کہ ان درہموں کا رنگ بدل گیا ہے اور ان پر ایک طرف لکھا تھا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اور دوسری طرف یہ لکھا تھا:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ ۝

چنانچہ عمر بن سعد شرمندہ ہوا اور کہا: خَسِرَتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ کہ جاؤ اور ان کو نہر میں پھینک دو دونوں جہانوں میں نقصان ہے''۔

واقعۂ منزلِ حران

صاحبِ روضۃ الشہداء معین الدین لکھتے ہیں: جب ابن زیاد کا لشکر منزلِ حران پر پہنچا تو اس شہر والے تماشا دیکھنے کے لیے استقبال کو آئے۔ اس مقام پر ایک ٹیلہ تھا جس پر ایک یہودی کا گھر تھا جسے یحیٰ حرانی کہتے تھے۔ یہ بھی تماشائیوں میں موجود راستے پر کھڑا تھا۔ وہ سب قیدیوں کو دیکھتا رہا اور سر بھی گزر گئے۔ ان سروں میں اچانک اس کی نظر امام حسینؑ کے سرِ اقدس پر پڑی جو نیزہ پر چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ فَلَمَّا اَمعَنَ النَّظَرَ فِيهِ اَنَّ شَفَتِيهِ يَتَحَرَّكَانِ وَسَمِعَ كَلَامَهُ عَلَيهِ السلام ''جب یہودی نے غور سے دیکھا تو امامؑ کے لبوں میں حرکت ہوئی، یہودی نے امامؑ کا کلام سنا تو فرمایا:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْنَ ۝

اس یہودی نے تعجب کیا کہ بریدہ سر بھی بولتا ہے۔ گویا یہ سرِ مطہر یا کسی پیغمبرؑ کا یا اس کے وصی کا ہے۔ اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم! مجھے بتاؤ یہ کس کا سر ہے؟

کہا گیا کہ یہ سر حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہے جس کی ماں رسول اللہؐ کی بیٹی فاطمہ زہراءؑ ہے۔

یحیٰ یہودی نے اپنے آپ سے کہا: اگر ان کے جد کا دین حق نہ ہوتا تو یہ برہان (سر کا بولنا) ظاہر نہ ہوتا۔ پس باآوازِ بلند

اعلان کیا:

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ ابْنَهُ هٰذَا مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ

''لوگو! گواہ رہنا کہ محمدؐ برحق اور ان کا شہید بیٹا بھی برحق ہے اور ان کے اہلِ بیتؑ کو ناحق قیدی بنایا گیا ہے''۔

پھر اپنا عمامہ اُتارا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور مستورات کے قریب آیا اور عمامے کے ٹکڑوں کو تقسیم کیا تاکہ وہ حجاب کر سکیں۔ پھر اپنا جبہ اُتارا اور امام سجادؑ کے کاندھے پر رکھا اور ہزار درہم امام سجادؑ کی خدمت میں پیش کیے اور عرض کیا: میں قربان جاؤں، یہ رقم سفر کے دوران میں حسبِ ضرورت صَرف کرنا۔ جب ابن زیاد کے لشکر نے یہودی کی یہ محبت دیکھی تو اس یہودی کی مذمت کی اور کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ تم امیر شام کے دشمنوں سے محبت اور اُن کی حمایت کر رہے ہو۔ ان قیدیوں سے دُور ہو جاؤ ورنہ ہم تمہارا سر قلم کر دیں گے۔

یحیٰی یہ سن کر بہت غضب ناک ہوا۔ اَخَذَتْهُ الْغَيْرَةُ وَجَذَبَتْهُ الْمُحِبَّةُ

اس کی غیرتِ ایمانی نے جوش مارا اور محبت اہلِ بیتؑ کے جذبے نے اس کو جذب کیا، اُس نے اپنے نوکروں اور خادموں کی جماعت سے کہا: میری تلوار لاؤ اور اپنے اسلحے لگاؤ اور تکبیر کہہ کر ابن زیاد کے ان سپاہیوں پر حملہ کر دو۔

یحیٰی کی تلوار لائی گئی تو اُس نے غلاف سے نکالی۔ فَسَلَّهُ عَنْ غِمْدِهٖ وَنَظَرَ اِلٰى فَرَنْدِهٖ فَصَاحَ بِاَعْلٰى صَوْتِ اللّٰهِ اَكْبَرْ ''تلوار فضا میں لہرائی اور بلند آواز سے تکبیر کہی اور ان ملعونوں پر حملہ کر دیا''۔

یحیٰی نے پانچ ملعونوں کو واصلِ جہنم کیا، اس کے غلاموں نے بھی کئی ملاعین قتل کیے اور بعض کو زخمی کر دیا۔ فَجَاشُوْا عَلَيْهِ وَجَعَلُوْهُ فِيْ مِثْلِ الْحَلْقَةِ ''ابن زیاد کے لشکر نے اس تازہ مسلمان یحیٰی کو اپنے درمیان لے کر حملہ کیا، اس کے گرد حلقہ ڈال لیا اور فَضَرَبُوْهُ بِالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ وَرَشَقُوْهُ بِالْاَحْجَارِ وَالنِّبَالِ ''اس کو تلواروں، نیزوں، پتھروں اور تیروں سے ہر طرف سے موردِ نشانہ قرار دیا اور شور و غل پیدا ہوا''۔

جب یہ صدائیں اہلِ بیتؑ کے کانوں تک بھی پہنچیں۔ ادھر تازہ مسلمان کو ابن زیاد کے لشکر نے گھیر لیا اور قتل و غارت کرنے لگے۔ یحیٰی نے بہت زخم کھائے اور زخموں سے خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے کمزور ہو گیا اور امام سجاد علیہ السلام پر سلام کر کے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گیا اور ایک سلام سرِ مطہر پر بھی کیا۔

معین الدین روضہ میں لکھتے ہیں: اس یحیٰی کی مرقد دروازہ حران پر معروف ہے جسے مقبرۂ یحیٰی شہید کہا جاتا ہے اور ان کی قبر پر مانگی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔

اس کے بعد منزل اندرین پھر منزل معرۃ النعمان، پھر منزل شیزر، پھر کفرطاب کی منازل کو طے کرتے ہوئے سیبور پہنچے۔

واقعۂ سیبور

ابی مخنف لکھتے ہیں: سیبور میں ایک بڑا عالم رہتا تھا۔ اس نے اپنے تمام متبعین، چھوٹے بڑے، بوڑھے جوانوں کو بلایا اور کہا کہ یہ سر امام حسینؑ کا ہے یعنی یہ اولادِ آدمؑ کے سردار کے بیٹے اور خاتم الانبیاء کے فرزند کا سر ہے۔ اس قوم نے ظلم سے فرزندِ پیغمبرؐ کو قتل کیا اور سر کو شام لے جا رہے ہیں۔ اگر تم نے اس ظالم گروہ کو اپنے شہر میں آنے دیا تو خداتم سے مؤاخذہ کرے گا۔ فَقَالُوا وَاللّٰهِ مَا يَجُوزُونَ فِي مَدِينَتِنَا "سب نے کہا: خدا کی قسم! ہم اپنے شہر سے گزرنے نہیں دیں گے اور ہم اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے"۔

بوڑھوں نے کہا کہ اللہ کے بندے فتنہ و فساد کبھی پسند نہیں کرتے۔ اس سر کو تمام شہروں میں لے گئے اور قیدیوں کو بھی تمام شہروں میں پھرایا ہے کسی نے مزاحمت نہیں کی تو ہم کیوں مزاحمت کریں۔ پس وہ آئیں گے اور گزر جائیں گے۔ لیکن اس شہر کے باغیرت جوان جوش میں آگئے اور کہنے لگے: خدا کی قسم! ہم اس لشکر کو کسی صورت میں شہر میں نہیں آنے دیں گے۔ پس جوانوں نے تلواریں اور نیزے اُٹھائے، آلاتِ حرب لگائے اور مرنے مارنے پر عزم بالجزم کرلیا کہ کوفیوں کے لشکر کو اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے خواہ جس قدر خون بہہ جائے۔

بوڑھوں نے جب جوانوں کی غیرت کا اندازہ لگایا تو وہ بھی جوانوں کی غیرت کے جذبے سے جوش میں آگئے اور تمام بوڑھے اور جوان شہر کے دروازہ سے باہر نکل آئے۔ اُنہوں نے ابن زیاد کے لشکر کا راستہ روک لیا اور حاکمِ شام کو گالیاں دیں۔ خولی نے اپنی سپاہ سے ان لوگوں پر حملہ کردیا۔ سیبور کی غیرت مند جمعیت نے مقابلہ کیا اور شاہِ مردان سے مدد طلب کرتے ہوئے خولی کے لشکر پر جوابی حملہ کردیا۔ تو تھوڑے ہی وقت میں خولی کے لشکر کے چھے صد آدمی قتل ہوگئے اور سیبور کے غیرت مند جوانوں کے صرف پانچ جوان شہید ہوئے۔

ایک روایت میں ان جوانوں سے ستر جوان شہید ہوئے اور یہ صحیح ہے کہ اس دار و گیر لڑائی اور فساد میں ستر لوگ شہید ہوگئے کیونکہ اہلِ سیبور آلِ پیغمبرؐ کی حمایت اور نصرت کر رہے تھے۔

جناب اُم کلثوم سلام اللہ علیہا نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے کہ یہاں کے لوگ دینی و ایمانی غیرت رکھتے ہیں؟ بتایا گیا: یہ سیبور نامی شہر ہے۔ تو بی بی اُم کلثومؑ نے ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی:

اَعْذَبَهُمُ اللّٰه تعالٰی شَرَابَهُم وَارْخَصَ اسْعَارَهم وَرَفَع اَیدِی الظَّلَمَةَ عَنهُم فَلو اَنَّ
الدُّنیَا مَملُوۃ ظُلمًا وَجُورًا لَمَانَالَهُم اِلَّا قِسطًا وَعِدلًا

''اے اللہ! اس شہر کے پانی کو صاف اور شیریں بنا، اس کے باسیوں کے رزق میں برکت و وسعت اور فراوانی عطا فرما اور ظلم اور ظالموں کے شر سے ان کو محفوظ فرما۔ اگر دنیا ظلم و جور سے پُر ہو تو بھی یہاں عدل و انصاف قائم رہے''۔

پھر لشکر ابن زیاد نے وہاں سے حرکت کی۔ حَتّٰی وَصَلُوا احمَاۃً

واقعۂ منزل حماۃ

ابو مخنف لکھتے ہیں: اہلِ حماۃ نے لشکر ابن زیاد کے ستم گروں کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ شہر کے دروازے بند کر دیے اور دیواروں اور برجوں پر سوار ہو کر ان سے کہا: خدا کی قسم! ہمارے شہر میں داخل نہ ہو سکو گے، خواہ ہم سارے بھی قتل ہو جائیں۔

لشکر ابن زیاد نے یہ سن کر یہاں قیام نہ کیا بلکہ حمص شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ البتہ ابن شہر آشوب کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پتھر لشکر ابن زیاد میں داخل ہوا۔ وہ پتھر جس پر امامؑ کے خون کے قطرات تھے۔

لیکن علامہ نے ریاض الاحزان میں اپنے معاصر سے یہ حکایت کی ہے کہ میں مکہ کی طرف جاتے ہوئے شہر حماۃ سے گزرا۔ اس کے باغات میں ایک مسجد دیکھی جسے مسجد الحسینؑ کہتے ہیں۔ میں مسجد کے اندر گیا تو ایک پردہ لگا تھا۔ میں نے اسے ہٹایا تو دیکھا کہ دیوار میں ایک پتھر نصب ہے۔ میں نے اس پتھر پر خشک شدہ خون دیکھا۔ مسجد کے خادم سے پوچھا کہ یہ پتھر کیسا ہے اور اس پر خون کے نشان کیسے ہیں؟ خادم نے کہا کہ یہ پتھر وہ ہے کہ جب لشکر ابن زیاد کوفہ سے شام جا رہا تھا تو اس شہر میں داخل ہوا اور اُس نے امام پاکؑ کا سرِ مبارک اس پتھر پر رکھا تو سرِ مبارک سے چند قطرے خون کے گرے جو پتھر میں داخل ہو گئے اور آج تک ایسے ہیں جیسے تم دیکھ رہے ہو۔

میں کئی سالوں سے مسجد کا خادم ہوں اور بغیر کسی وقفہ کے قرأتِ قرآن کی آواز آتی ہے لیکن نظر کوئی نہیں آتا۔ اور ہر سال شبِ عاشورہ اس پتھر سے نور ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر چراغ اور روشنی کے لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں اور اس پتھر کے اردگرد گریہ اور عزاداری کرتے ہیں اور روزِ عاشورا اس پتھر سے خون جوش مارتا ہے اور پھر وہ خون خشک ہو جاتا ہے اور کوئی شخص اس خون کو ہاتھ نہیں لگا سکتا یعنی کسی کی جرأت بھی نہیں ہوتی کہ ایسا کرے۔

مجھ سے پہلے جو خادم تھا اس نے بھی مجھے بتایا کہ میں سالہا سال سے یہ منظر دیکھتا آ رہا ہوں اور وہ کہتا تھا کہ جو مجھ سے

پہلے خادم تھا اس نے بھی مجھے یہی بتایا کہ ہر سال شبِ عاشور اور روزِ عاشورہ یہ معجزہ دیکھتا رہا ہوں۔ جب میں مسجد سے باہر آیا تو اہلِ شہر سے پوچھا تو انہوں نے بھی وہی بتایا جو مسجد کے خادم نے بتایا تھا۔

واقعۂ شہر حمص

جب لشکر ابن زیاد شہر حمص کے نزدیک پہنچا تو شہر کے والی کو پیغام بھیجا: ہم یزید کے گماشتے کوفہ سے شام جارہے ہیں، ہمارے ساتھ امام حسینؑ کا سر ہے اور اہلِ بیتؑ بھی قید ہے، لہٰذا لشکر کے لیے کھانے پینے اور استقبال کا انتظام کرو۔

حمص کا حاکم خالد بن نشیط کا بھائی تھا جو شہر جھنیہ کا حاکم تھا اور یہ یہاں کا والی تھا۔ جب اس حاکم کو اطلاع ملی تو اس نے جھنڈے نصب کروائے اور شہر کو آراستہ کروایا۔ نیز شہر سے تین میل باہر نکل کر استقبال کیا۔ تماشائی اکٹھے ہوگئے۔ ابن زیاد کا لشکر آیا تو انھوں نے سروں کو صندوقچوں سے نکال کر نیزوں پر سوار کرلیا اور اہلِ بیتؑ کے قیدیوں کو نہایت ذلت و خواری سے شہر میں داخل کیا۔

جب اہلِ حمص کو معلوم ہوا کہ یہ قیدی اور شہداء کے سر تو حیدرِ کرّار اور پیغمبرؐ اسلام کا خاندان ہے تو اُن کی غیرتِ ایمانی جوش میں آ گئی۔ انھوں نے جب اہلِ بیتؑ کے بچوں کا گریہ اور آہ و زاری سنی تو ان کا خون کھول اُٹھا۔ اہلِ حمص کی عورتوں نے جب خاندانِ رسالتؐ کی مستورات اور بچوں کی ذلت اور غربت دیکھی تو عورتوں میں گریہ وزاری کا شور بلند ہوا۔

فَاِن دَحَمَتِ النَّاسُ فَرَمَوهُم بِالحِجَارَةِ، اہل شہر کی برداشت کی طاقت ختم ہوگئی اور لوگوں نے ابن زیاد کے لشکر کو پتھروں کا نشانہ بنانا شروع کردیا اور پتھروں کی اس قدر بارش برسائی کہ لشکر ابن زیاد کے چھبیس سپاہیوں کو واصلِ جہنم کردیا۔ شہر کے دروازوں کو بند کردیا گیا اور کہا گیا: یَاقَومِ لَا کُفرَ بَعدَ الاِیمَان، ہم تمہارا ایک شخص بھی اب زندہ نہیں چھوڑیں گے یا یہ کہ خولی حرام زادے کو قتل کردیں اور امامؑ کا سرِ مقدس اس سے لے لیں تاکہ قیامت تک یہ افتخار ہمارے شہر کو حاصل رہے۔

انہوں نے اس نیت سے قسم اٹھائی اور خالد بن نشیط گھر کے قریب جمعیت کا ازدہام تھا۔ لشکر ابن زیاد نے ان لوگوں سے جنگ و جدال کی اور ان کو جنگ میں مشغول کر کے دوسرے دروازے سے سروں اور قیدیوں کو لے کر بھاگ گئے۔ پھر سوق الطعام آئے وہاں بھی جگہ نہ ملی اور بحیرہ کے راستے کیرزا کے مقام پر پہنچے تو بعلبک کے والی کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔

واقعۂ بعلبک

شہر کے حاکم نے حکم دیا کہ شہر کو آراستہ کریں اور ابن زیاد کے لشکر کو احترام سے داخل کریں تو لشکر کو دف اور بینڈ باجوں سے وارد کیا گیا۔ جب منزل پر پہنچے تو خوش ہوئے کہ خطرے سے محفوظ ہیں۔

صاحبانِ مقتل لکھتے ہیں: باتو بمشلین یعنی اُنہیں بغیر کھانے پینے اور گپ شپ کے اور کوئی کام نہ تھا۔ لیکن آلِ محمد کے اسیروں پر اس شہر میں بہت مصیبت آئی کہ جب جنابِ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا نے پوچھا: یہ کون سا شہر ہے کہ جس کے اہلِ شہر کس قدر بے دین ہیں؟

کہا گیا کہ یہ بعلبک ہے؟ جنابِ اُم کلثومؑ نے ان لوگوں پر لعنت اور نفرین کرتے ہوئے فرمایا:

اَبَادَ اللّٰہ تعالٰی خَضرَاتَھُم وَلَا اَعذبُ اللّٰہ شَرَبَھُم وَلَا دَفَعَ اَیدِیِ الظَّلَمَۃِ عَنھُم...... اِلٰی آخرہ

"اے خدا! ان کی فصلوں کو برباد کر اور ان کے پانی کو شیریں نہ کر بلکہ تلخ کردے اور ان کو ظالموں کے شر سے محفوظ نہ فرما"۔

صومعۂ راہب کا واقعہ

جب لشکرِ ابن زیاد صومعۂ راہب کے پاس پہنچا تو وہاں قیام کیا کہ سروں کو صومعہ کے ایک کونے میں رکھ دیا اور قیدیوں کو کھلی جگہ پر ٹھہرایا۔ لشکر اپنی عیش و عشرت میں مصروف تھا اور اہلِ بیتؑ اکٹھے بیٹھے اپنی غربت و مظلومیت پر آہ و بکا کر رہے تھے۔

ابومخنف نے لکھا ہے: فَلَمَّا عَسعَسَ اللیلُ سمع الراھب دُوِیًا کَدَوِیِ الرَّعدِ وَتَسبِیحًا وَتَقدِیسًا "کہ جب تاریکی چھا گئی تو راہب نے سنا کہ تسبیح و تقدیس کی آواز آرہی ہے جو گرج کی طرح جوش مار رہی ہے"۔

اور ایک نور پیدا ہوا جس نے عالم کو روشن کردیا اور اس نور سے اس کے کلیسا میں بھی روشنی ہوگئی۔ راہب نے غور سے دیکھا تو وہ نور اس نیزہ سے نکل رہا تھا جس پر امام حسینؑ کا سر سوار تھا اور وہ نور سر سے لے کر عمودِ آسمان تک پھیلا ہوا تھا۔ راہب نے دیکھا کہ آسمان کا دروازہ کھلا ہے اور بہت سے ملائکہ باہر نکل کر زمین پر آرہے ہیں۔ سرِ مطہر کے قریب آکر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یَابنَ رَسُولِ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یَا اَبَا عَبدِاللّٰہِ۔ راہب یہ عجائب دیکھ کر رونے لگا اور اسے یقین ہوگیا کہ یہ سر ایسے شخص کا سر ہے جو زمین و آسمان کا حاکم ہے۔ اپنے کلیسا کی چھت سے نیچے آیا اور پوچھا: مَن زَعِیمُ القَومِ اس سر پر مؤکل اور ذمہ دار کون ہے؟ خولی کا بتایا گیا کہ وہ اس کا ذمہ دار ہے۔

خولی سے راہب نے پوچھا کہ یہ سر کس بزرگ ہستی کا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ امام حسینؑ کا سر ہے کہ جن کی ماں فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ ہیں۔

راہب نے کہا: ہائے افسوس تم پر! فرزند پیغمبرؐ کو قتل کردیا گیا ہے اور ایک بدبخت غیر نجیب ابن زیاد اور یزید کی اطاعت میں ہو۔

ہمارے نصرانی علمانے سچ بتایا ہے کہ تم مسلمان اپنے پیغمبرؐ کے فرزند کو قتل کرو گے تو آسمان سے خون برسے گا۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ یہ تو وصی پیغمبرؐ تھے۔ اب میری گزارش ہے کہ یہ سر مجھے دے دو اور جب جانے لگو تو واپس کردوں گا۔

خولی نے کہا کہ میں سر کسی کو نہیں دیتا بلکہ یہ سر یزید کو دے کر انعام حاصل کروں گا۔

راہب نے کہا: یزید کا جائزہ اور انعام کتنا ہوگا؟

خولی نے کہا: دو ہزار مثقال اشرفیاں۔

راہب نے کہا: میں تمہیں دو ہزار مثقال اشرفی دیتا ہوں، اس کے عوض تم سر مقدس مجھے دے دو۔ پھر راہب نے درہم دکھائے اور درہم اسے دے دیے۔ وَهُوَ عَلَى الْقَنَاةِ یعنی سر نیزہ پر تھا اُتارا گیا اور راہب نے اپنی جان کی طرح سنبھالا۔ فَقَبَّلَه وَيَبْكِي وہ بوسے بھی دیتا تھا اور روتا بھی تھا اور یہی نہیں کرتا تھا۔ يَعُزُّ وَاللهِ عَلَيَّ يَا اَبَا عَبدِاللهِ اَن لَا اُوَاسِيكَ بِنَفسِي اے فرزند پیغمبرؐ! خدا کی قسم اس حالت میں آپ کو دیکھنا مجھ پر بہت گراں ہے۔ کاش میں آپؑ پر جان قربان کردیتا۔

اے مولاؑ! جب ناناؐ سے ملاقات ہو تو میرے اخلاص کو وہاں بیان کرنا اور میری مسلمانی کی گواہی دینا۔

اَشهَدُ اَن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسولُ اللهِ وَاَنَّ عَلِيًّا وَلِيُ اللهِ اِنَّكَ الامَامُ

پھر سر ان ملعونوں کو واپس کردیا اور خود روتا ہوا اپنے کلیسا میں چلا گیا۔ راہب کے چلے جانے کے بعد ان ملعونوں نے درہموں کو تقسیم کیا تو ان کے ہاتھوں میں وہ درہم ٹکڑے بن گئے اور ان پر لکھا تھا: وَسَيَعلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُونَ ابن زیاد کے لشکر کی حیرت زیادہ ہوئی۔ خولی نے کہا: اس معاملے کو اب چھوڑ دو اور اس کو ظاہر نہ کرو۔

واقعہ عسقلان

روضۃ الشہداء میں ہے کہ ابن زیاد کا لشکر آلِ رسولؐ کو لے کر عسقلان کے قریب پہنچا تو والئ عسقلان یعقوب عسقلانی تھا جو شام کے امراء میں سے تھا اور کربلا کی جنگ میں موجود تھا، جنگ کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ واپس عسقلان آیا۔ جب اپنے شہر کے قریب آیا تو حکم دیا کہ شہر کو آراستہ کریں اور تمام شہری فاخرہ لباس زیب تن کرکے خوشی منائیں کہ یزید کو فتح حاصل ہوئی ہے۔

فَزَيَّنُو الاسوقَ وَالشَّوارِعَ وَالابواب واحضروا المطر بَينَ واَخذَا فِي اللهو و اللعبِ

وَاظْهِرُوا الْفَرَحَ السُّرُوْرَ وَادْمَنُوا شُرْبَ الْاَبْنَذَة وَالْخُبُوْرِ وَجَلَسُوا فِي الْغُرَفِ وَالرَّوَاشِنِ وَالاعَالَی مِنَ الدَّانِی والعالی

"چنانچہ شہر کو مزین کیا گیا، دروازوں کو آراستہ کیا گیا، چوکوں چوراہوں پر موسیقار بٹھائے گئے، ناچنے والے ناچنے میں مشغول تھے۔ لوگ لہو ولعب میں مصروف تھے، اوباش اور کمینے لوگوں نے رنگ رنگ کے لباس پہنے ہوئے تھے، شراب کی محفلیں سجائی گئی تھیں، گانا بجانا شروع تھا حتیٰ کہ کربلا کے قیدیوں کو جو گریہ وزاری کی حالت میں تھے، ساز و آواز کی دھنوں میں شہر میں وارد کیا گیا۔ ایک طرف خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے، دوسری طرف وطن سے دور، مظلوم اور بے کس قیدیوں کا رونا اور آہ و زاری تھی۔"

جناب زینبؑ کے بین بلند ہوئے اور جناب سکینہؑ کی آہ و فریاد کی صدا تھی۔ ایک طرف طبل اور موسیقی کی دھن اور دوسری طرف جنابِ زینبؑ کے دکھی بین۔ ایک ضریر نامی شیعہ جو اتفاق سے اسی شہر میں آیا ہوا تھا۔ اس نے شہر میں شور وغل، طبل و موسیقی اور تالیاں بجانے والوں کا ہجوم دیکھا وَرَایَ الْخَلَایِقَ یَسْتَبْشِرُوْنَ وَیَتَضَاحَکُوْنَ وَیَمُرُّوْنَ فَوْجًا فَوْجًا لوگ بڑے خوش تھے، قہقہے لگا کر ہنستے ہوئے گروہ در گروہ ایک طرف جا رہے تھے، طبل بج رہے تھے، ہر طرف سے مبارک باد کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کسی نے پوچھا کہ آج شہر کے آراستہ کرنے اور اس قدر خوشیاں منانے کی وجہ کیا تھی۔ اہلِ شہر نے استعجاباً کہا: کیا تو مسافر ہے؟

ضریر نے کہا: ہاں میں مسافر ہوں اور آج ہی اس شہر میں آیا ہوں۔

اُس شخص نے کہا: عراق میں کچھ حجازی مخالفین نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی جو امرائے شام و ابطالِ کوفہ نے بغاوت کچل دی۔ ان باغیوں کے مردوں کو قتل کیا گیا۔ ان کے سروں کو جسموں سے جدا کر کے ان کے اہلِ بیتؑ کو قیدی کر کے یہاں لائے ہیں اور شام جانا ہے اور یہ خوشی اور سرور کا ماحول یزید کی فتح کا جشن ہے۔

ضریر نے کہا: یہ بغاوت کرنے والے مسلمان تھے یا مشرک؟

اُس شخص نے کہا: نہ مسلمان تھے اور نہ مشرک بلکہ باغی تھے جنہوں نے زمانے کے امام (یزید) کے خلاف خروج کیا تھا۔

ضریر نے کہا: ان باغیوں کے خروج کی وجہ کیا تھی؟

اُس شخص نے جواب دیا: وہ خارجی کہتے تھے کہ ہم یزید سے بہتر ہیں اور یزید کہتا ہے کہ میں ان سے بہتر اور اولیٰ ہوں۔

خارجی کہتا تھا کہ میرا نانا پیغمبر تھا، باپ امامؑ تھا، ماں فاطمہ بنت رسول تھی لہٰذا سلطنت و خلافت ہمارا حق ہے۔
یزید کہتا تھا تیرے بھائی حسنؑ نے خلافت کا حق ہمیں دے دیا ہے، اب تمہارا حق ختم ہو گیا ہے۔ جب کہ خارجی کہتا تھا کہ میرے بھائی نے اپنے حق پر (وقت کے مطابق) مصالحت کی تھی لیکن (اب) میں صلح نہیں کرتا، بالآخر وہ قتل ہو گیا اور اس کا سر شام جا رہا ہے۔
ضریر نے کہا: میرا جگر پانی ہو گیا، مجھے اس کا نام بتاؤ وہ کون ہے جو مارا گیا ہے؟
اُس شخص نے کہا: اس کا نام حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔
ضریر نے جونہی نام حسینؑ سنا اس کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہو گئی اور گریہ گلوگیر ہو گیا۔ وہ اس دروازے کی طرف دوڑا جس دروازے سے قیدی لائے جا رہے تھے تو وہاں دیکھا کہ لوگوں کا اس قدر ہجوم و ازدحام ہے کہ شمار سے باہر ہے۔ پھر اس نے اچانک دیکھا

إِذَا قَبِلَتِ الرَّايَاتُ، وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ وَجَاءَ بِالرُّؤُسِ وَالسَّبَايَا عَلَى وَكَافِ الْبِغَالِ وَاَقْطَابِ الْمَطَايَا

"کہ لہراتے ہوئے علم آئے جن کو دیکھ کر آوازیں بلند ہوئیں، ان کے پیچھے شہداء کے سر تھے، بوڑھے سے جوان تک، چھ ماہ سے نوے سال تک کے شہداء کے سر نیزوں پر سوار تھے"۔

ان سروں کے پیچھے تھکے ہوئے قیدی پر شکستہ پرندوں کی طرح مرجھائے ہوئے بے پالان اونٹوں پر سوار تھے۔ ان قیدیوں کے آگے آگے جناب علی بن الحسینؑ کا اونٹ تھا۔ حضرتؑ کے دونوں ہاتھوں میں زنجیر تھی اور پاؤں اونٹ کے پیٹ کے نیچے سے آپس میں بندھے ہوئے تھے، وہ سر جھکائے آ رہے تھے۔
ضریر آگے بڑھا اور عرض کیا: سَیِّدِی سَلَامٌ عَلَیْكَ سلام کہا اور سیلاب کی طرح آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرتؑ نے بھی گریہ آلود آنکھوں سے دیکھا اور درد بھرے لہجے میں فرمایا: اے جوان! تو کون ہے جو ہماری غربت میں ہم پر سلام کر رہا ہے؟ تو دوسروں کی طرح مسکراتا کیوں نہیں؟
ضریر نے عرض کیا: میں قربان جاؤں میں آپ کو نہیں پہچانتا؟ کیوں کہ میں اس شہر میں مسافر ہوں۔ کاش میں مر گیا ہوتا اور یہاں نہ آیا ہوتا اور آپؑ کی یہ حالت نہ دیکھی ہوتی اور جناب فاطمہؑ کی اولاد کو اس حالت غربت میں نہ دیکھتا۔ اے کاش! میرے خاندان والے اور میرے دوست آج میرے ساتھ ہوتے تو تمہارا ان لوگوں سے بدلہ لیتے لیکن میں کیا کروں، غریب اور تنہا ہوں، میرا کچھ چارہ نہیں چلتا کہ مسافر اور دکھی ہوں۔

فَعِندَ ذٰلِکَ بَکَی الاِمَامُ وَقَالَ اِنِّی شَمتُ مِنکَ رَائِحَةَ المُحَبَّةِ وَانَستُ فِیکَ سنیاء مِن نَارِ المُحَبَّةِ

"تم سے محبت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں کہ ہماری محبت کی آگ تمہارے سینے میں بھڑک رہی ہے"۔

ضریر نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، میری گزارش ہے کہ مجھے کوئی حکم دیں تاکہ وہ انجام دے سکوں اور اپنے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کر سکوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اس شخص کے پاس جاؤ جو سروں کا موکل اور امیر ہے اور اس سے التماس کرو اور اسے اس بات پر راضی کرو کہ شہداء کے سروں کو مستورات کی سواریوں سے دُور لے جائیں تاکہ لوگ سروں کا نظارہ کریں اور مستورات ان کی (غلیظ) نظروں سے آسودہ ہو جائیں۔ نیز اولادِ زہراءؑ کے پاس لوگوں کا ہجوم کم ہو جائے۔ اے جوان! اس قوم نے ہمارے اور ہمارے حرموں کے مقام کو پامال کر دیا۔ خدا ان پر لعنت کرے انہوں نے ہمیں ذلیل اور رُسوا کیا ہے۔

ضریر نے عرض کیا: سَمعًا وَطَاعَةً فوراً موکلین کے سردار کو پچاس درہم دیئے اور کہا: میری التماس ہے کہ یہ درہم لے کر سروں کو محملوں سے ذرا دُور لے جاؤ تاکہ یہ کمینے لوگ جنابِ فاطمہ الزہراءؑ کی اولاد کی طرف نہ دیکھیں۔

اس موکل نے یہ گزارش قبول کی اور سروں کو ذرا دُور لے جانے کا حکم دیا۔ ضریر نے پھر دوڑ کر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مولاؑ! کوئی اور حکم دیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے جوان! اگر ان بے حجاب مستورات کے لیے چادریں اور برقعے مل جائیں تو خدا تمہیں بہشتی لباس عطا کرے گا۔

ضریر فوراً گیا اور ہر مستور کے لیے دو دو چادریں اور امام سجاد علیہ السلام کے لیے ایک جُبہ اور ایک عمامہ بازار سے خریدا۔ اسی اثناء میں بازار میں فریادیں سنائی دیں، ضریر نے دیکھا کہ شمر ذی الجوشن اپنے چند شرابی سپاہیوں کے ساتھ خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے آیا۔ یہ سب ملعون شراب کے نشے میں مست تھے۔ اسی حالت میں شمر ملعون امام سجادؑ کو گالیاں بک رہا تھا۔ ضریر نے یہ بکواس سنی تو اس سے صبر نہ ہو سکا۔ اس کی غیرتِ ایمانی نے جوش مارا، وہ آگے آیا اور شمر کے گھوڑے کی لگام کو پکڑ کر کہا: اے بے دین لعین!

یَا عَدُوَّ اللّٰہِ رَأس مِن نَصَبتَہٗ عَلَی السِّنَانِ وَبَنَاتُ مَن سَبَّیتَھَا بِالظُّلمِ وَالعُدوَانِ

"اے دشمنِ خدا! تم یہ جانتے ہو کہ کس ہستی کا سر نوکِ نیزہ پر سوار کیا ہے اور ان قیدیوں کو جانتے ہو

کہ کس کی اولاد ہیں، جنہیں تم نے بے پالان اُونٹوں پر بٹھایا ہوا ہے۔ خدا تمہارے ہاتھوں کو قطع کرے اور آنکھوں کو اندھا کرے"۔

جوں ہی ضریر سے یہ کلام سنا تو اس بدمست شیطان نے اپنے غلاموں اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو بے ادبی کی سزا دو۔ سپاہیوں نے ہر طرف سے ضریر پر حملہ کردیا اور شہر کے لوگوں نے بھی اس کو پتھر، چھڑیاں اور ڈھیلے مارے لیکن ضریر شجاع زمانہ تھا۔ اُس نے ایک سپاہی سے تلوار چھین کر حملہ کردیا اور ہر طرف سے شوروغل برپا ہوگیا لیکن آخر سپاہ ابن زیاد اور شہر کے لوگوں نے مل کر انہیں اس قدر زخمی کردیا کہ وہ زمین پر بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ لوگوں نے یقین کرلیا کہ وہ قتل ہوگئے ہیں حالانکہ وہ بے ہوش تھے اور اس طرح پڑے رہے۔ جب آدھی رات کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایسے پایا جیسے کسی پرندے کے پَر توڑ دیے گئے ہوں۔ لرزتے لڑکھڑاتے اُٹھے اور چل پڑے۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر چند پیغمبروںؑ کی قبریں تھیں۔ لوگ ان کی زیارت کو آتے جاتے تھے۔ ضریر نے خود کو اس مقبرہ میں پہنچایا تو وہاں دیکھا کہ ایک گروہ ہے جو ننگے سر، گریباں چاک حلقہ بنا کر ماتم کررہا ہے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

ضریر آگے بڑھا اور ان سے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے کہ ماتم کررہے ہو جب کہ باقی شہر والے عیش وعشرت میں خوشیاں منا رہے ہیں؟

انہوں نے کہا: یہ تو خارجی خوشیاں منا رہے ہیں اور ہم اہلِ بیتؑ رسالتؐ کے محبّ ہیں۔ اگر تم اہلِ بیتؑ کے دشمنوں میں سے ہو تو دشمنوں میں جاؤ اور اگر محبوں میں ہو تو آؤ اور ہمارے ساتھ غم و ماتم میں شریک ہوجاؤ، یعنی اگر دردمند اور دل سوختہ ہو تو ہمارے ساتھ غم مناؤ۔

ضریر نے کہا: میں تو محبوں سے ہوں اور سیکڑوں حیلے کرکے ان ظالموں سے خلاصی حاصل کی ہے۔ پھر اپنا سارا حال سنایا، پس ان کے ساتھ مل کر ساری رات عزاداری کی اور روتے رہے اور اس وقت کے واقعات ایک دوسرے کو سناتے رہے۔ یوں جی بھر کر غربتِ آلِ احمدؐ پر گریہ کیا۔

یزید کو ورُودِ اہلِ بیتؑ کی اطلاع

لشکر ابن زیاد عسقلان سے نکل کر جلدی جلدی سفر کرتے ہوئے جب شام سے چار فرسخ پر پہنچا تو وہاں توقف کیا اور قیام کیا اور خوشیاں منائیں کہ اب منزلِ مقصود کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہاں سے یزید کو خط لکھا کہ ہم کوفہ سے آئے ہیں، شہداء کے سروں اور اہلِ بیتؑ کو قیدیوں کو لا رہے ہیں، اب تمہارے حکم کے منتظر ہیں کہ کس دن اُسرا اور شہداء کے سروں کو شہر

دمشق میں وارد کریں۔ خط قاصد کو دیا کہ جلدی اس کا جواب لے آؤ اور خود اس مقام پر عیش و نوش میں مشغول ہو گئے۔

قاصد دمشق گیا اور یزید کے پاس پہنچا۔ یہ وہ وقت تھا کہ یزید ملعون بنی اُمیہ کے زعما کے ساتھ میٹنگ کر رہا تھا، قاصد آیا، سلام کیا اور کہا:

اَقَرَّ اللّٰہُ عَیۡنَیۡكَ بِوُرُوۡدِ رَأسِ الۡحُسَیۡنِ

"تمہاری آنکھیں ٹھنڈی اور روشن ہوں تمہارا سر سلامت رہے، دشمنوں کے سر اور قیدی حاضر ہیں"۔

یزید نے جب قاصد کے لفظ سنے کہ تمہاری آنکھیں روشن ہوں تو چاہا کہ لوگوں پر معاملہ مشتبہ ہو جائے اور دوسروں پر یہ ظاہر کرے کہ اس خبر سے خوش نہیں ہوا تو کہا کہ تمہاری آنکھیں روشن ہوں۔ پھر حکم دیا کہ قاصد کو زندان میں ڈال دو۔ بعد ازاں ابن زیاد کا خط پڑھا اور تمام حرکتوں اور قباحتوں سے مطلع ہوا۔ اگرچہ باطن میں بہت خوش اور سرور تھا لیکن لوگوں کے سامنے انگلی دانتوں میں رکھی اور غصے کا اظہار کیا اور بعد میں کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ!

پھر حاضرین مجلس کو ابن زیاد کا خط پڑھایا اور کہا: دیکھو! مرجانہ کے بیٹے اقسی القلب و بدبخت نے میری اطلاع اور اجازت کے بغیر کیا کام کر دیا۔

حاضرین نے کہا: ابن زیاد نے کوئی اچھا کام نہیں کیا البتہ اس خط سے پہلے ابن زیاد نے ایک اور خط بھی بھیجا تھا اور یزید کو اُس خط میں اپنے تمام کارناموں سے مطلع کیا تھا لیکن یزید نے وہ پہلا خط لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھا حالانکہ اسی خط کے جواب میں یزید نے حکم دیا تھا کہ اُسرا اور شہداء کے سروں کو شام بھیجا جائے۔ بہر صورت جب یزید کو اطلاع ملی کہ اہلِ بیتؑ شام سے چار فرسخ کے فاصلہ پر آ گئے ہیں تو اُس نے حکم دیا کہ ابن زیاد کا لشکر وہاں ہی قیام کرے اور اسراء اور سروں کی حفاظت کرے تاوقتیکہ دوسرا حکم پہنچے۔

پھر یزید نے حکم دیا کہ اس کے لیے جواہرات سے جڑا ہوا تاج تیار کریں اور قیمتی پتھروں سے بہترین عمدہ تخت تیار کیا جائے۔ شہر کو مکمل طور پر آراستہ و پیراستہ اور مزین کیا جائے، شیشہ کاری کی جائے اور تمام لوگ اچھے اور نئے لباس پہنیں اور اپنی آرائش کریں، اور شریف، کمینے امیر و غریب، چھوٹے بڑے ملازم، نوکر، مرد، عورت، بوڑھے اور جوان سب گلی کوچوں، محلوں اور سڑکوں پر ٹولیوں کی صورت میں آمد و رفت کریں اور ایک دوسرے کو حکومتِ شام کی فتح کی مبارکیں دیں۔

جب شہر مزین ہو گیا اور شیشہ کاری کا انتظام مکمل ہو گیا نیز تاج و تخت تیار ہو گیا تو اہلِ بیتؑ رسالت کے شہر میں وارد ہونے کا ایک دن معین کر دیا گیا اور حکم دیا گیا نیز تاکید کی گئی کہ اس معین روز تمام اہلِ شہر استقبال کو نکلیں، طبل، ساز اور

سارنگیاں بجائیں اور پورے شہر میں جشن کا اعلان کیا جائے تاکہ اہلِ حجاز جس جماعت نے ہماری مخالفت پر علم بلند کیا اور ہمیں برباد کرنے کے لیے عراق سے بغاوت کا آغاز کیا لیکن والئ کوفہ ابن زیاد نے ان باغیوں کو قتل کر دیا اور اہلِ بیتؑ کو قید کر کے شہداء کے سروں کے ساتھ بھیجا ہے تو اس جماعت کا انجام دیکھنے کے لیے تمام لوگ جمع ہوں اور جشن منائیں اور جس نے جشن نہ منایا وہ ہمارا دشمن متصور ہوگا۔

شام میں کسی ایک شخص کو حقیقت کا علم ہوگا ورنہ ننانوے فیصد لوگوں کو حقیقی واقعہ کا علم نہ تھا کہ امام حسینؑ شہید ہوئے اور خانوادہ رسالت قیدی ہے بلکہ کسی کے ذہن میں بھی یہ گمان نہ آتا تھا کہ امام حسینؑ اور ان کے گھرانے پر یہ مصائب واقع ہو سکتے ہیں۔

لہٰذا شام کی آبادی کی اکثریت کا یہی خیال تھا کہ ایک خارجی اور دین سے خارج شخص یزید ملعون کے ظالم و سفاک عمال کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے اس لیے لوگ شوق دل اور کامل سرور سے استقبال کو روانہ ہوئے ہیں کہ ان قیدیوں سے اپنی برأت کا اعلان کریں۔ اسی وجہ سے پورے شہر میں ہر طرف سے طبل اور ساز، اور گانے بجانے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور لوگوں نے اپنے مکانوں پر رنگ برنگ کے پرچم لگائے ہوئے تھے۔ ہر راستہ پر شراب کی محفلیں جمی ہوئی تھیں اور انواع و اقسام کے گلوکار گانے گا رہے تھے۔ زن و مرد اپنے بچوں کو ساتھ لیے ہوئے اس معین دن گروہ در گروہ ان کے تماشے کے لیے جمع ہو رہے تھے۔

خلاصۂ کلام دروازۂ شام کے اندر اور باہر لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ روزِ محشر کا اجتماع محسوس ہوتا تھا۔ دروازہ سے باہر تمام صحرا اور بیابان زن و مرد اور بچوں سے معمور تھے۔ مردوں، عورتوں کا شور و غل اور طبل و ساز، سرنگیوں اور گانے بجانے کی صدائیں اس قدر تھیں کہ آسمان کے کانوں کو بہرہ کر دیا تھا۔

ہر شخص کی نظریں کوفہ سے آنے والے راستے پر لگی ہوئی تھیں اور قیدیوں کے تماشا دیکھنے کے انتظار میں ایک دنیا کھڑی تھی۔ لوگ گھنٹے بلکہ لمحے شمار کر رہے تھے کہ کس وقت قیدیوں کو دیکھیں گے۔ لوگوں کا شوق و ذوق وافر اور بے اندازہ تھا کہ نیزوں پر سوار سروں اور خارجیوں کو دیکھیں کہ اچانک قیدیوں کے بے حجاب کجاوے اور سر برہنہ مستورات کے محمل نظر آ گئے۔ ہر طرف سے شور و غل بلند ہوا، منادی ہر طرف سے اعلان کر رہے تھے کہ لوگو! خارجیوں کے اہل و عیال آ گئے، خارجیوں کے سر آ گئے۔

جوں ہی مخدراتِ عصمت اور ذریت پیغمبرؐ نے ان تماشائیوں کو دیکھا کہ فاخرہ لباس پہنے، زینت کیے ہوئے، مسرور و خنداں چہروں کے ساتھ، طبل اور نقارے بجا رہے ہیں تو بہت سخت گریہ کیا۔

دوسری طرف سے ابن زیاد کے گماشتوں نے مخدراتِ عصمت اور بچوں کو تازیانے اور نیزے مار مار کر گریہ و آہ و بکا میں مزید اضافہ کر دیا۔ جب اہلِ بیتؑ کو اہلِ شام کے ہجوم سے گزارا گیا تو شامی نسلِ حرامی نے اہلِ بیتؑ کو گالیاں دینا اور سب و شتم کرنا شروع کر دیا۔ اہلِ بیتؑ اپنی غربت اور مظلومیت پر سر جھکائے خاموش ہو کر جا رہے تھے۔ بعض عورتوں نے اپنے پریشان بالوں سے چہروں کا پردہ بنایا ہوا تھا اور بعض نے اپنی کلائیوں اور آستینوں سے چہروں کو چھپایا ہوا تھا۔

صاحبانِ مقاتل نے لکھا ہے کہ جنابِ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: کوفہ سے شام تک میرے بھائی کا سر نوکِ نیزہ پر تھا اور حضرتؑ کی آنکھیں مسلسل کھلی ہوئی تھیں اور ان کی نظر اطفال اور مستورات پر تھی، دیکھتے رہے لیکن شام میں مَیں نے بھائی کے سر کو دیکھا تو آنکھیں بند ہو گئیں گویا امام حسینؑ برداشت نہ کرتے تھے کہ اس قدر گانے ناچنے والے، شارب الخمر اور طبل بجانے والے اہلِ بیتؑ کے محملوں کے اردگرد جمع ہوں۔

امام محمد باقر علیہ السلام اپنے بابا امام سجاد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ باباؑ نے فرمایا: ظالموں نے مجھے ایک بے پالان کمزور اُونٹ پر بٹھایا ہوا تھا اور بابا کے سر کو نوکِ نیزہ پر بلند کیا ہوا تھا اور ہماری مخدراتِ عصمت کو بے پردہ محملوں پر سوار کیا ہوا تھا۔ کمینے، اوباش لوگوں نے ہمیں گھیرا ہوا تھا، اگر ہم سے کوئی اپنی غربت اور مظلومیت پر روتا تو سر میں نیزہ مارتے تھے اور مسلسل اسی حالت میں ہم نے سفر کیا حتیٰ کہ دمشق پہنچے۔ وہاں منادی ندا کر رہے تھے:

يَا أَهْلَ الشَّامِ هٰؤُلَاءِ سَبَايَا أَهْلَ الْبَيْتِ

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: اہلِ بیت رسالت سلام اللہ علیہا نے جب اہلِ شام کے اس قدر ازدحام اور جمیعت کو دیکھا تو جنابِ اُمِ کلثوم سلام اللہ علیہا نے شمر سے فرمایا: اے شمر! ہماری ایک بات تو مان لو۔ شمر نے کہا: وہ کیا ہے؟ بی بی نے فرمایا: ہمیں اس دروازے سے شہر میں لے چلو کہ جمیعت کم ہو اور یہ بھی حکم دو کہ ان سروں کو عورتوں کے محملوں سے دُور لے جاؤ تاکہ لوگ ان سروں کا تماشا دیکھیں اور ہم ان کی نظروں سے محفوظ رہ سکیں۔ لیکن اس حرام زادے نے کہا: سروں کو عورتوں کے محملوں کے درمیان لے کر چلیں تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ مستورات کا تماشا کریں۔

عمر بھر سید سجادؑ رہے محوِ بکا
جس نے جس وقت بھی دیکھا انہیں روتا دیکھا

سہل بن سعید کی اہلِ بیتؑ سے ملاقات

منتخب التواریخ میں سہل بن سعید شہر زوری سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں اپنے شہر زور سے بیت المقدس کی

زیارت کی خاطر آیا۔ جب شام میں پہنچا تو شہر میں بہت شور وغل تھا۔ شہر کے تمام دروازے کھلے تھے، دکانیں بند تھیں، شہر کی صفائی کی گئی تھی اور مزین کیا ہوا تھا اور لوگ گروہ در گروہ فاخرہ لباس پہن کر کوچوں اور بازاروں میں شاداں و فرحاں ایک دوسرے کو مبارک دے رہے تھے۔ میں نے ایک شامی سے پوچھا کہ آج کیا بات ہے؟

شامی بولا: کیا تو مسافر ہے؟

سہل نے کہا: ہاں آج ہی اس شہر میں آیا ہوں۔

شامی بولا: لوگوں میں خوشی اس لیے ہے کہ یزید کو عراق میں ایک خارجی پر فتح حاصل ہوئی ہے۔

سہل نے کہا: اس خارجی کا نام کیا تھا؟

شامی بولا: حسین بن علیؑ بن ابی طالبؑ۔

سہل نے کہا: وہ حسینؑ جس کی ماں فاطمہ زہراء بنت رسولؐ اللہ ہیں؟

شامی بولا: ہاں! وہی حسینؑ۔

سہل نے کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيهِ رَاجِعُون! یہ خوشی دختر پیغمبرؐ کے فرزند کے قتل پر ہے، کیا اس کا قتل ہو جانا کافی نہ تھا کہ اب اسے خارجی کہا جا رہا ہے؟

شامی بولا: اے شخص! اس قسم کے بول مت بولو اور اپنی جان پر رحم کرو کیونکہ اگر کوئی شخص حسینؑ کا نام محبت سے لے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

سہل کہتے ہیں: میں نے زبان بند کی اور سانس بھی بند کر لیے اور سر جھکا کر روتا ہوا دروازہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں دیکھا تو کثیر تعداد میں پرچم داخل ہوئے، ان کے پیچھے طبال اور بینڈ باجے والے آئے۔ لوگ آگے بڑھتے تھے تاکہ سرِ مطہر کو نزدیک سے تماشا کریں۔ شور وغل زیادہ ہوتا جاتا تھا، اور لوگوں کا مزاج و سرور بھی بڑھتا جاتا تھا۔ اچانک میں نے امام حسینؑ کے سرِ پُرنور کو دیکھا کہ لبوں اور دہن مبارک سے نور ساطع تھا بلکہ مجھے تو رسولؐ اللہ کا چہرہ دکھائی دیا۔

سہل کہتے ہیں کہ جناب عباس علمدارؑ قمر بنی ہاشم کا سر نوک نیزہ پر تھا اور چہرہ ایسے تر و تازہ تھا گویا مبارک لبوں پر مسکراہٹ ہے جب کہ: وَرَأَيتُ رَأسَ الحُسَينِ عَلَيهِ السَّلامِ فِي هَيبَةٍ عَظِيمَةٍ مَعَ نُورٍ يَسطَعُ مِنهُ سَطُوعًا عَالِيًا وَلِحيَتِهِ مُدَوَّرَةٌ قَد خَالَطَهَا الشَّيبُ وَقَد خُضِبَت بِالوَسمَةِ

”امام حسینؑ کا مصیبت والا سرِ مطہر اور نورانی عظمت والا چہرہ چمکتا تھا اور ریشِ مبارک گول تھی اور ڈاڑھی کے کچھ بال سفید تھے اور خضاب آثار نمایاں تھے، آنکھوں کی سیاہی سے آسمان کی طرف نظر کیے ہوئے خوبصورت آبرو، کشادہ پیشانی،

خوبصورت لب اور لبوں کی نورانی چمک اور ہوا داڑھی کو کبھی دائیں کر دیتی اور کبھی بائیں گویا صورتِ علیؑ اور نقشِ رسولؐ نوکِ نیزہ پر سوار تھے۔ عمر بن منذر ہمدانی نے نیزہ اٹھایا ہوا تھا۔

صاحبِ منتخب لکھتے ہیں: سہل نے کہا: جب سرِ مطہر کو اس انداز میں دیکھا تو میں برداشت نہ کر سکا۔ فَلَطَمتُ عَلٰی وَجھِی وَقَطَعتُ اطمَارِی اور دونوں ہاتھوں سے منہ پر پیٹنا شروع کیا، گریبان چاک کیا اور نالہ و فریاد بلند کی: ہائے افسوس کہ ریش خون آلود ہے۔ بدن کربلا میں بے کفن و دفن پڑا ہے، ہائے رسولؐ اللہ آپ کہاں ہیں؟ اپنے بیٹے کے سر کی حالت تو دیکھیں، آپ کی بیٹیوں کو بے حجاب محملوں پر بٹھا کر مجمع عام میں بازاروں میں پھرایا جا رہا ہے۔ ان کے سروں پر چادریں نہیں۔ تماشائیوں کا ہجوم ہے؟ یا علیؑ آپؑ کہاں ہیں؟ آپؑ کے بدر وحنین کے بدلے لیے جا رہے ہیں۔ پھر میں نے ایسا دردناک گریہ کیا کہ جو لوگ میرے ساتھ کھڑے تھے وہ بھی رونے لگے لیکن اس قدر ہجوم تھا کہ کوئی میری طرف متوجہ نہ تھا اور لوگ جشن منا رہے تھے۔

سہل کہتے ہیں کہ سروں کے گزرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ قیدیوں کا قافلہ آیا اور مستورات بے حجاب محملوں پر سوار تھیں۔ کوئی بی بی کہتی: وامحمداہ! کوئی کہتی: واعلیاہ! کوئی بی بی کہتی: واخاہ! کوئی کہتی: واسیداہ! کوئی کہتی ہائے میرے مظلوم بابا۔

اے رسولؐ اللہ! آپ کی بیٹیوں کو یہود اور نصاریٰ کے قیدیوں کی طرح قید کیا ہوا ہے۔ کوئی بی بی فرماتی: اے نانا! قبر سے باہر آ کر ہماری حالت دیکھو، ہمارے سروں پر چادریں نہیں ہیں۔

جب جنابِ اُمِ کلثومؑ اور جنابِ زینبِؑ کبریٰ کا محمل گزرا تو میں ان کے محمل کے قریب گیا اور محمل کے پائے کو پکڑ کر کہا: السلام علیکم یا اھل بیت محمدؐ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بی بی نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا: اے عبدِ خدا تو کون ہے؟ کہ اس شہر میں ہمیں سلام کر رہا ہے۔ یہاں کے لوگ تو ہمیں دُشنام کرتے اور گالیاں بکتے ہیں۔

میں نے عرض کیا: بی بی میں سہل شہر زوری ہوں اور تمہارے نانا کا صحابی ہوں۔

جب بی بی کو معلوم ہوا کہ میں ان کے محبوں میں سے ہوں تو فرمایا: اے سہل! تو نے دیکھا ہے کہ اُمت نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ ہمارے جوانوں کو قتل کر دیا گیا ہے، ہمیں قیدی بنا لیا گیا ہے جیسے کنیزوں اور غلاموں کو قیدی کیا جاتا ہے اور ہمیں بے حجاب محملوں پر سوار کیا گیا ہے۔

میں نے عرض کیا: بی بی اس موقع پر کوئی حکم ہے تو اطاعت کروں؟

بی بی نے فرمایا: اس محمل کھینچنے والے سے کہہ دو کہ ہمارے محملوں کو پیچھے رکھے اور شہداء کے سروں کو آگے آگے لے جائیں تاکہ لوگ سروں کا تماشا دیکھیں اور ہم پر نظریں نہ ڈالیں۔

میں نے امام حسینؑ کے نیزہ دار سے گزارش کی کہ سروں کو آگے لے جاؤ تو اس نے میری بات نہ مانی اور مجھے گالیاں دینا شروع کردیں۔ یہ بھی مذکور ہے کہ ایک نصرانی نے جب امام حسینؑ کے سر سے یہ آیت سنی تو مسلمان ہو گیا وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۞

اس تازہ مسلمان کے پاس تلوار تھی، وہ شامیوں پر حملہ آور ہوا اور گریہ زاری کرتے ہوئے چند ملاعین کو واصلِ جہنم اور کچھ کو زخمی کیا۔ وہ کہتا تھا: ظالمو! کیا یہی اجرِ رسالت ہے۔ یزیدیوں نے اسے گرفتار کرلیا اور اونٹوں کے نیچے روند کر اسے قتل کردیا۔ شامی اسے قتل کر کے خوش ہو رہے تھے کہ اُم کلثومؑ نے پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟

عرض کیا گیا کہ ایک نصرانی آپؑ کی حالت دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اُس نے کلمۂ شہادت پڑھ کر شامیوں پر حملہ کردیا اور خود بھی مسلمان ہو گیا ہے۔ اس پر بی بی زینبؑ نے رو کر کہا: نصرانی تو دین اسلام کی حمایت کرتے ہیں اور اُمتِ محمدؐ اولادِ پیغمبرؐ کو قتل کرتے ہیں اور ان کے عیال کو قید کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: یا رسولؐ اللہ! نصرانی ہماری اس حالت کو برداشت نہ کرسکا اور ہماری حمایت میں شہید ہو گیا۔ ہم آپ کی بیٹیاں ہیں جو بے چادر ہیں، بچیاں یتیم ہو گئی ہیں۔ عورتیں بیوہ ہو گئی ہیں اور سب ماتم کناں ہیں۔ جب کہ کوئی ہمارا مددگار نہیں، کاش آپ ہماری اس حالت کو دیکھتے۔

وُرودِ شام کے وقت اسراء کی ترتیب

طوق ہاتھوں سے سنبھالے جو پسر روتا ہے
پیار سے حضرتِ شبیرؑ کا سر روتا ہے

مقتل ابومخنف میں ہے کہ شہداء کے سروں کو خیزران کے دروازے سے داخل کیا گیا۔ سہل کہتے ہیں کہ میں خود دیکھ رہا تھا کہ ننانوے پرچم وارد شہر ہوئے۔ پھر شہداء کے سر اور بعد میں اُسرا وارد کیے گئے۔ سروں میں سے امام حسینؑ کے سر کو بلند نیزے پر سوار کیا ہوا تھا اور وہ نیزہ خولی کے ہاتھ میں تھا اور وہ بلند آواز سے کہتا تھا: اَنَا صَاحِبُ الرُّمحِ الطَّوِيلِ اَنَا صَاحِبُ المَجدِ الاَصِيلِ کہ میں وہ شخص ہوں جس نے یزید کے دشمنوں کو قتل کیا اور ان کو خاک و خون میں غلطان کردیا۔

جنابِ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا: اے دشمنِ خدا! اس ہستی کے قتل کرنے پر فخر کرتا ہے

جس کے گہوارے کو جبرئیلؑ جھلاتے تھے جسے میکائیلؑ لوریاں دیتے اور جس کے لیے اسرافیلؑ بستر بچھاتے، جس کا نام عرشِ الٰہی پر مکتوب ہے جس کے نانا محمد مصطفیٰؐ ہیں، ماں فاطمہ زہراءؑ ہیں اور جس کے باپ مشرکین کے قاتل علی بن ابی طالب علیہما السلام ہیں۔

خولی نے کہا: اے اُمِ کلثومؑ! بے شک آپؑ ایک شجاع کی بیٹی اور خود بھی بہادر ہیں۔

سہل کہتے ہیں کہ میں نے جوانوں کے سر شمار کیے تو وہ اٹھارہ سر تھے۔ پہلے امام حسینؑ کا سر تھا ان کے بعد حضرت علی اکبرؑ کا سر، ان کے بعد حضرت عباسؑ کا سر تھا اور ان کا نیزہ قشعم جعفی نے اٹھایا ہوا تھا۔ وہ اسی طرح ترتیب وار سروں کو لا رہے تھے اور آگے لے جا رہے تھے۔ جنابِ سہل کہتے ہیں کہ ان سروں کے بعد اُسرائے اہلِ بیتؑ لائے گئے۔ ان قیدیوں میں سب سے پہلے امام سجاد علیہ السلام تھے جو تھکے ماندے، بغیر پالان کے اُونٹ پر سوار تھے۔ ان کے پیچھے ایک مخدرہ بی بی اُونٹ پر سوار تھیں جو یہ کہہ کر ماتم کر رہی تھیں:

وَا اَبَتَاهُ وَامُحَمَّدَاهُ وَاعَلِيَّاهُ وَاحَسَنَاهُ وَاحُسَيْنَاهُ وَاعَبَّاسَاهُ وَاحَمْزَتَاهُ

اور اپنی غربت اور حالت پر گریہ کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا تو اچانک مجھے جھڑک کر فرمایا: کیا تمہیں حیا نہیں آتی کہ حرمِ پیغمبرؐ کو بار بار نظریں اُٹھا کر دیکھ رہا ہے۔

میں نے عرض کیا: اے محترمہ خاتون! میری آنکھیں اندھی ہو جائیں اگر میری نگاہیں مشکوک ہوں۔

بی بی نے فرمایا: تو کون ہے؟

میں نے عرض کیا کہ میں سہل بن سعد شہر زوری ہوں اور آپؑ کے محبوں اور غلاموں میں سے ہوں۔ پھر میں نے امام سجاد علیہ السلام سے عرض کیا: میں آپؑ کے موالیوں اور شیعوں میں سے ہوں، کاش میں بھی کربلا میں ہوتا اور جان قربان کرتا، پس اگر آپ کوئی حکم صادر فرمائیں تو اطاعت کے لیے موجود ہوں۔

امامؑ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی درہم و دینار ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں ہزار درہم موجود ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: ان درہموں میں سے کچھ رقم سر اٹھانے والے کو دو اور اس سے گزارش کرو کہ سروں کو محملوں سے دُور لے جائے تا کہ نامحرم لوگ مستورات کا اس قدر زیادہ تماشا نہ کر سکیں۔

میں نے عرض کیا: بسم اللہ اور فوراً اس سر بردار کے پاس گیا اور اسے کچھ درہم دے کر گزارش کی کہ سروں کو محمل سے ذرا دُور لے جا تا کہ تماشائی ان سروں کو دیکھیں۔ اس نے قبول کیا اور سروں کو ذرا آگے لے گیا۔ میں واپس امام سجاد علیہ السلام کے پاس آیا۔ امامؑ نے مجھے دعا دی اور ایک دکھی بین کیا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ کاش میں مرجاتا اور میں اسے نہ دیکھتا اور یہ مجھے

اس حالت میں قیدی نہ دیکھتا۔

بوڑھے شامی کی توبہ

شام کا ایک بوڑھا اور بزرگ معزز امام سجاد علیہ السلام کے اُونٹ کے پاس آیا اور بلند آواز سے کہا:

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی قَتَلکُم وَاَھلکُم وَقَطَعَ قَرنَ الفِتنَہ

"کہ حمد کہ اس خدا کی جس نے تمہیں قتل اور ہلاک کیا اور فتنہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا"۔

جس سے دنیا کو سکھ محسوس ہوا اور پھر جس قدر گالیاں بک سکتا تھا بکیں اور کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جب وہ بولتے بولتے تھک گیا اور چپ ہو گیا تو امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اے شیخ بزرگوار! جو کچھ تم نے کہا وہ میں نے سنا ہے، تم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی ہے اور اب ذرا خاموش ہو کر میرے دو لفظ غور سے سننا۔

شیخ نے کہا: تم جو کہنا چاہتے ہو کہو۔

امامؑ نے فرمایا: قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہو؟

شیخ بولا: ہاں! روزانہ قرأت کرتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: کیا تو یہ آیت قرآن میں پڑھی: قُل لَّا اَسئَلُکُم عَلَیہِ اَجرًا اِلَّا المَوَدَّۃَ فِی القُربٰی؟

شیخ نے جواب دیا: ہاں یہ آیت پڑھتا رہتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: کیا تو نے اس آیت کی تلاوت بھی کی ہے؟ وَاٰتِ ذَا القُربٰی حَقَّہٗ

شیخ نے کہا: ہاں یہ آیت بھی پڑھتا رہتا ہوں۔

امامؑ نے کہا: کیا تو نے یہ آیت بھی پڑھی ہے؟

وَ اعلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمتُم مِّن شَیءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُولِ وَلِذِی القُربٰی

شیخ بولا: ہاں یہ آیت بھی پڑھتا رہتا ہوں۔

امامؑ نے کہا: کیا اس آیت کو بھی قرآن میں پڑھتے رہتے ہو؟

اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذھِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَھلَ البَیتِ وَیُطَھِّرَکُم تَطھِیرًا ○

شیخ نے جواب دیا: ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے لیکن ان آیات کا آپؑ سے کیا رابطہ ہے کیونکہ یہ تمام آیات اولادِ رسولؐ

کے حق میں نازل ہوئی ہیں اور عترتِ زہراءؑ کے لیے اُتری۔

امامؑ نے رو کر فرمایا: واللہ وہ اولادِ رسولؐ اور عترتِ زہراء بتولؑ ہم ہیں۔

شیخ کو جب معلوم ہوا کہ یہ خارجی تو نہیں بلکہ ذُریت پیغمبرؐ ہیں اور جو شخص مجھ سے بات کر رہے ہیں وہ ان کے امام اور رہبر ہیں تو اُس نے سر جھکایا اور بہت رویا، پھر لحظے بعد عرض کیا: بِاللّٰہِ اَنْتُم ھُم؟ آپؑ کو خدا کی قسم! کیا آپ پیغمبرؐ کے اہلِ بیتؑ ہی سے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! ہم ہی اولادِ پیغمبرؐ و فاطمہؑ ہیں، ہم اہلِ بیتؑ ہیں۔

شیخ نے کہا: میں قربان جاؤں مجھے معاف کر دو، میں آپؑ کو نہ جانتا تھا، لہٰذا گالیاں بکتا رہا اب مجھے معاف کر دو اور پھر اس شیخ بزرگ معزز شامی سے تین بار کہا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَتُوبُ اِلَیکَ ، اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَتُوبُ اِلَیکَ ، اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَتُوبُ اِلَیکَ

اے میرے اللہ! میں نے توبہ کی اور آلِ محمدؐ کے دشمنوں پر تبرا کرتا ہوں۔ پھر اپنا عمامہ سر سے اُتارا اور زمین پر پھینکا اور بروایت روضۃ الشھداء خود کو امام سجاد علیہ السلام کے اُونٹ کے نیچے گرا دیا اور خاک سر میں ملائی اور بار بار رو رو کر توبہ کے صیغے کو دہراتا رہا۔

امامؑ نے فرمایا: اے بزرگوار! تمہاری توبہ قبول ہے۔ اب زمین سے اپنا سر اُٹھاؤ۔

شیخ نے کہا: اگر میری توبہ قبول ہے تو آپؑ کے اُونٹ کے پاؤں کے پاس موت آ جائے اور اسی اثناء میں ایک فریاد کی اور روح بدن سے جدا ہو گئی۔ البتہ لہوف میں ہے کہ جب یزید کے سپاہیوں نے اس شیخ کے توبہ کرنے کی خبر یزید کو پہنچائی تو اس نے حکم دیا کہ اس شیخ کو قتل کر دو اور وہ شہید ہو گیا۔

خرابۂ زندان میں ورُودِ اہلِ بیتؑ

سر برہنہ اور علیؑ کی بیٹیاں مانگ اُجڑی اور خالی گودیاں
خاک سر پر زرد چہرے دل تپاں کس کو دکھلاتی وہ دردوں کے نشاں
یہ بھی ظلم ستار دیکھا گیا
قید خانہ میں اولادِ آلِ مصطفیٰؐ

اہلِ بیتؑ کو شام میں پہنچایا گیا اور ان ذواتِ محرمات کو دلخراش مناظر میں لاکھوں تماشائیوں کے سامنے لایا گیا

تو کمینوں اور اوباشوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ سر اور اُسراء بازار میں چل نہ سکتے تھے۔

صاحب روضۃ الشہداء معین الدین لکھتے ہیں: ابن زیاد کے لشکر کی کوشش تھی کہ اہل بیتؑ کو دروازہ ساعات سے وارد کریں لیکن ہجوم مانع تھا اور کوشش کے باوجود یہ ناممکن ہو گیا لہٰذا مجبوراً ان کو دوسرے دروازے سے داخل کیا گیا اور یہ عین زوال شمس ظہر کا وقت تھا کہ جب اہل بیتؑ کو شہر کی مسجد جامع میں پہنچایا گیا اور یہاں سے یزید کے دارالامارہ کی طرف لے جایا گیا۔ (یہ مسجد اور یزید کا تخت ملحق ہیں)۔

مرحوم طریحی نے لکھا ہے کہ اہل بیتؑ کو دارالامارہ کے دروازہ پر تین گھنٹے روکے رکھا گیا اور اسی وجہ سے اس دروازے کو باب الساعات کہا جاتا ہے (کیونکہ یہاں کئی ساعات (گھنٹے) اہل بیتؑ کو انتظار میں رُکنا پڑا)۔

اسی طرح بعض اہل تحقیق نے کہا ہے کہ اسی دن اہل بیتؑ کو دربار یزید میں پیش نہیں کیا گیا بلکہ ایک پرانے خراب شدہ مکان میں زندانیوں کے طور پر رکھا گیا اور دوسرے دن اُن وجوداتِ محرمات کو یزید کی بارگاہ نحوست میں پیش کیا گیا۔

مرحوم علامہ مجلسی نے لکھا ہے: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اہل بیتؑ کو امام سجاد علیہ السلام کے ساتھ شام لے گئے تو ان کو ایک خرابہ میں رکھا گیا۔ یہ ایسا گھر تھا جس کی چھت گرنے کے قریب تھی اور اُسرا ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ ہمیں اس لیے اس ویران گھر میں ٹھہرایا ہے کہ مکان کی چھت اور دیواریں ہمارے اوپر گر پڑیں اور جو سپاہی اس زندان نما پرانے گھر میں آمدورفت رکھتے وہ بھی آپس میں کہتے کہ یہ قیدی اس کی چھت سے ڈرتے ہیں کہ شاید ہمارے اُوپر گر جائے اور ان کو یہ خبر نہیں کہ کل جب یزید کی پیشی ہوگی تو وہ ان کے قتل کرنے کا حکم جاری کر دے گا۔

یہ رات اہل بیتؑ نے خوف و ہراس میں گزاری اور جو ان کی کیفیت تھی اسے سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس رات اہل بیت پر کیا گزری؟

(از مترجم میں نے ایک روایت پڑھی ہے کہ یہ گھر حشرات الارض کا مرکز تھا البتہ حشرات الارض اکٹھے ہوئے اور ساگر یہ کیا اور کہا کہ ہم ان ہستیوں کو تکلیف نہ دیں گے)۔

اہل بیتؑ کی یزید کے دربار میں پیشی

خیر کا ہر بول بالا کردیا
قید ہو کر شر کو رُسوا کردیا

جب اہل بیتؑ شام میں وارد ہوئے تو ان کو ایک خرابہ نما ویران مکان میں ٹھہرایا گیا۔ دوسرے دن یزید نے پہلا حکم یہ

دیا کہ میرے دربار کو آراستہ و پیراستہ کیا جائے، رنگ رنگ کے پردے لٹکائے جائیں، قیمتی قالین بچھائے جائیں، سات رنگے جواہرات سے جڑا تخت صدر بارگاہ میں رکھا جائے اور تخت کے اردگرد سنہری کرسیاں لگائی جائیں۔ کشمیری شالیں ان کرسیوں پر ڈالی گئیں اور دربار سے اس کے گھر کو کھلنے والے دروازے کو کھول دیا گیا اور اس دروازے پر باریک و لطیف سُلطانی پردے لٹکائے گئے تا کہ گھر والے یعنی ابوسفیان کے خاندان کی عورتیں پسِ پردہ سے دربار اور قیدیوں کی آمد کے منظر کو دیکھ سکیں۔

پھر خود یزید نے نفیس ترین ریشمی لباس پہنا، قیمتی بادشاہی زیورات سے ایسے آراستہ ہوا، رنگ رنگ کے جواہرات سے مرصع تاج سر پر رکھا اور قیمتی تخت پر براجمان ہوا۔ اس کے حکم کے مطابق شراب کی تمام انواع و اقسام کے جام ترتیب سے رکھے گئے تھے۔ شطرنج، قمار کے آلات حاضر کیے گئے تھے اور روم کے سُفرا اور مغرب کے فرنگی ایلچیوں کو ترتیب سے کرسیوں پر بٹھایا گیا۔ پھر شام کے اکابر، حکومتی وزراء، بڑی شخصیات اور حکومتی افراد کو تخت کے چاروں طرف کرسیوں پر بٹھایا گیا۔ گانے بجانے والوں کو بلایا گیا اور ہر مغنی اپنے غنا سے مجمع کو مسحور کر رہا تھا۔ ان تمام انتظامات کے مکمل ہونے کے بعد حکم دیا گیا کہ اب قیدیوں کو دربار میں پیش کیا جائے۔

پس نوکر اور غلام خرابۂ زندان کے پاس آئے تا کہ اہلِ بیتؑ کو دربار میں لے جائیں تو تمام قیدیوں، عورتوں اور بچوں میں گریہ وزاری کی آوازیں بلند ہوئیں، ان کا گریہ آسمان تک پہنچ رہا تھا۔ انہیں مجبور کر کے ایک زنجیر اور لمبی رسی میں باندھ کر دربار کی طرف کھینچا گیا۔ تمام قیدیوں کو گوسفندوں کی طرح ایک رسی سے باندھا ہوا تھا۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسی کا ایک سرا میری گردن میں تھا اور دوسرا سرا جناب زینبؑ کبریٰ پھوپھی کے بازو میں بندھا ہوا تھا۔ جب چلنے میں وقت ہوتی تو ظالم نیزوں اور تازیانوں سے مارتے کیونکہ قیدیوں میں بہت چھوٹی چھوٹی بچیاں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ بلند قامت مستورات بچوں کو اٹھانے کے لیے رُکتیں تو ظالم اُنہیں نیزے اور تازیانے مارتے اور بیبیوں کی نالہ وزاری کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ جب مخدراتِ عصمت جلدی سے چلتیں تو بچے ایک دوسرے پر گر جاتے یا زمین پر گر جاتے تو اس وقت یہ ملعون تازیانے مار مار کر بچوں کو زمین سے اٹھاتے۔ اس جاں سوز اور دل خراش حالت سے اہلِ بیت پیغمبرؐ کو یزید ملعون کے دربار میں لے جایا گیا۔

شہداء کے سروں کو قیدیوں کے آگے آگے دربار میں پیش کیا گیا اور پھر قیدی داخل ہوئے۔ شامی اوباش، کمینے لوگوں نے قیدیوں کو گھیرا ہوا تھا۔ وہ تالیاں بجاتے، ناچتے تھے، آوازیں کستے اور گالیاں بکتے تھے۔ شامی عورتیں اپنے مکانوں کی چھتوں پر بیٹھ کر پتھر اور اینٹیں قیدیوں کو مارتی تھیں۔ نیز خاک اور خاکستر قیدیوں پر ڈالتی تھیں۔

جنابِ زینبؑ کبریٰ نے اس مجمع کے درمیان سے بھائی کو مخاطب کیا اور فرمایا:

يَا اَخِي أَينَ صَبرِي ومُهجَتِي قَد اُذِيبَت بِمُصَابِ عَلَى الجَلِيلِ جليل

''اے بھائی! میرے مصائب پر تو بڑے بڑے صابروں کے صبر پگھل گئے ہیں''۔

قال ابی مخنف: ثُمَّ اَقبَلُوا بِالرَّأسِ اِلَى بَابِ يَزِيد فَوَقَفُوا ثَلاَثُ سَاعَاتٍ يَطلُبُونَ الاُذنَ مِن يَزِيدٍ فَلاَجل ذٰلِكَ سُمِّي بَابُ السَّاعَات

''یعنی قیدیوں کو سروں کے ساتھ لایا گیا اور وہ تین گھنٹے رُکے رہے اور یزید سے داخلہ کی اجازت طلب کی جاتی رہی اس لیے اُس کو باب الساعات کہتے ہیں۔ اہلِ بیتؑ کو باب الساعات پر تین گھنٹے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ ابھی یزید کے مہمان نہ آئے تھے اور توقف کا وقت اہلِ بیتؑ پر بہت گراں گزرا''۔

سہل کہتا ہے کہ جب قیدیوں کو دارالامارہ کے دروازے پر روکا ہوا تھا تو یزید کے گھر کے نزدیک مکان کی چھت پر بیٹھی پانچ عورتیں دیکھ رہی تھیں۔ ان عورتوں میں ایک بوڑھی ایسی تھی جس کی عمر اسّی سال تھی۔ اُس کی کمر جھک چکی تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ امامؑ کے سر پرنور والا نیزہ اس کے کمرے کے برابر ہے۔ فَوَثَبت وَاَخَذَت حجراً فَضَرَبَت بِهِ رَأسَ الحُسَينِ تو اس کو جوش آیا اور ایک پتھر اُٹھایا اور زور سے امام حسینؑ کے سر کو مارا تو پتھر سر پر لگا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ پتھر امامؑ کے دندانِ مبارک کو شہید کر گیا۔

سہل کہتے ہیں: امام زین العابدینؑ یہ مصیبت برداشت نہ کر سکے، لہٰذا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور خدا کے سامنے عرض کیا: اَللّٰهُمَّ عَجِّل بِهَلاَكِهَا وَهَلاَكِ مَن مَعَهَا ''میرے اللہ! اس بوڑھی کو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہلاک کر دے''۔

ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ اس کمرہ کی چھت گری جس پر یہ بوڑھی باقی چار عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھی، یوں یہ پانچوں عورتیں واصلِ جہنم ہو گئیں۔

روایت میں ہے کہ جب قیدی دارالامارہ کے دروازے پر پہنچے تو تمام لوگوں نے تکبیر کی صدا بلند کی۔ یزید نے سنا تو پوچھا کیا خبر ہے؟ کہا گیا کہ سرِ حسینؑ کو دروازے پر لائے ہیں۔ وہ ملعون ہنسا اور مسکرا کر کہا: کیا بہترین انتقام لیا ہے، اپنے آباء واجداد کا کہ ان آباء کے سروں کے بدلے فرزند پیغمبرؐ کا سر جدا کر لیا ہے۔

صاحب منتخب لکھتے ہیں: جب قیدی سروں کے ساتھ دارالامارہ میں داخل ہوئے اور مروان بن حکم کی نگاہ پڑی تو بہت خوشی اور سرور کا اظہار کیا۔ وہ وجد کے حال میں ناچتے ہوئے تکبر سے اپنے اطراف میں دیکھتا اور گالیاں بکتا جا رہا تھا۔ لیکن اس مروان ملعون کا بھائی ایک نیک شخص اور اہلِ بیتؑ کا محبّ تھا اور ان کا نام عبدالرحمٰن تھا، جب وہ دربار میں آیا اور اس کی

نگاہ امام حسینؑ کے بریدہ سر پر پڑی تو زاروقطار روتے ہوئے ماتم کرتا رہا اور درباریوں سے کہنے لگا: اے ظالمو! کیا تمہیں پیغمبرؐ کے سامنے نہیں جانا ہے؟ جب جاؤ گے تو وہ تمہارے گریبان سے پکڑیں گے اور بدلہ لیں گے۔ پس مجھے خدا کی قسم! اب میں اس شہر میں آؤں گا اور نہ یزید ملعون کو دیکھوں گا۔

یزید نے امام حسینؑ کا سر طلب کیا تو غلاموں نے نیزہ سے اُتار کر اسے سنہری طشت میں رکھا اور یزید کے سامنے تخت پر رکھ دیا۔ اسی طرح دوسرے سر بھی طبق میں رکھ کر یزید کے سامنے رکھ دیے گئے۔

سہل کہتا ہے کہ میں بھی ان کی جماعت میں داخل ہو گیا کہ دیکھوں سرِ امام حسینؑ پر کیا مصیبت آنے والی ہے؟ سر سامنے رکھا تھا جس پر ریشمی کپڑا ڈال رکھا تھا۔ اور بعض اہلِ تاریخ نے تو لکھا ہے کہ جب یزید نے امام حسینؑ کا سر مانگا تو انہوں نے سرِ مطہر کو غسل دیا۔ بَعدَ اَن غَسَلُوهُ وَسَرَحُوا لِحيَتَهُ" اور ریشِ مبارک میں کنگھی کی اور سنہری طشت میں رکھ کر اُوپر ریشمی رومال ڈالا، پھر یزید کے سامنے تخت پر رکھ دیا۔ اور باقی امرائے کوفہ نے بھی اپنے پاس موجود سروں کو یزید کے پاس رکھ دیا اور یزید نے امرائے کوفہ سے واقعۂ کربلا کی تفصیلات سنیں۔

بعض اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ بولنے والا زجر بن قیس تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ متکلم شمر ذی الجوشن تھا اور حق یہ ہے کہ پہلے زجر ملعون نے کلام کیا کیونکہ وہ فصیح و بلیغ شخص تھا۔

کامل السقیفہ میں ہے کہ یزید پلید نے ایک ایک سر کے بارے میں پوچھنا شروع کیا کہ یہ کس کا سر ہے؟ اور یہ کس کا سر ہے؟ وہ ملعون جواب دیتے کہ یہ سر فلاں بن فلاں کا ہے۔ نام و اسم سے تعارف کراتے تھے۔ پھر یزید نے اپنا منہ امام حسینؑ کے سر کی طرف کیا اور سر سے مخاطب ہو کر کہا: ہم نے عزیز اور عظیم لوگوں کے سر جدا کیے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمارے اُوپر بہت بڑے ظلم کیے تھے۔

مروان ملعون کا بھائی اس مجمع میں تھا۔ اس نے یزید کی سرزنش کی تو یزید نے اسے خاموش کرا دیا، پس وہ غائب ہو گیا۔

یزید کی سید الشہداءؑ کے سرِ مطہر سے جسارت

مرحوم ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کا سر سنہری طشت میں رکھ کر یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو یزید ملعون کا امام حسینؑ سے خطاب میں پہلا جملہ یہ تھا: کَیفَ رَأَیتَ الضَّربَ یَاحُسَینُ؟ "اے حسین! میرے ہاتھ کی ضرب کو کیسا پایا؟"

پھر درباریوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: یہ شخص جب تک زندہ تھا مجھ پر فخر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میرا باپ یزید کے باپ

سے افضل ہے حالانکہ اس کے باپ نے میرے باپ سے سلطنت اور خلافت کے لیے دشمنی کی اور جنگ کی اور خدا نے میرے باپ کو اس کے باپ پر فتح و نصرت عطا فرمائی۔

یہ کہتا تھا کہ میری ماں یزید کی ماں سے بہت بہتر تھیں۔ یہ درست اور سچ ہے، مجھے اپنی جان کی قسم! جنابِ فاطمہ زہراءؑ میری ماں سے افضل تھیں اور یہ کہتا تھا کہ میرے جد یزید کے جد سے افضل ہیں تو جو شخص بھی خدا اور روزِ جزا ایمان رکھتا ہے وہ رسول پاک کو تمام کائنات سے بہتر سمجھتا ہے اور یہ کہتا تھا کہ میں خود یزید سے افضل ہوں تو یہ درست نہیں کیونکہ قرآن کی آیت ہے کہ:

قُلِ اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكَ تُؤتِي الْمُلْكُ مَن تَشَاء...... الخ

صاحبِ ریاض الاحزان علامہ قزوینی لکھتے ہیں: اس آیت سے یزید استدلال کر کے چاہتا تھا کہ لوگوں کو سمجھائے کہ یہ خلافت من جانب اللہ ہے اور یہی استدلال یزید کے کمالِ جہالت اور نالائقی کی دلیل ہے کیونکہ یزید اور اس کے باپ معاویہ نے خلافت غاصبانہ طور پر حاصل کی ہے، لہٰذا یہ کبھی خلافت من جانب اللہ نہیں ہوسکتی، بلکہ ان دونوں کی خلافت تو نمرود، شداد، بخت نصر وغیرہ کی طرح تھی۔

ایک دن معاویہ نے اس آیت سے اپنی خلافت کو حق ثابت کرنے کے لیے استدلال کیا تھا تو امام حسنؑ نے فرمایا:

الخلَافَةَ لِمَن عَمِلِ بِكِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ نَبِيهِ لَيسَتِ الخلَافَةُ لِمَن خَالَفَ كَتَابَ وَعَطَّل السنة

''کہ خلافت اس کی ہے جو کتاب اور سنت پر عمل کرے۔ اور جو شخص کتاب اور سنت کے مخالف عمل کرے تو وہ خلافت اس کی کبھی نہیں ہوسکتی''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس باب میں مثال دیتے ہیں اگر کوئی لباس پہنے ہو اور دوسرا شخص اس کے لباس کو اُتار دے اور غصب کرے تو لباس غصب کر کے پہننے سے وہ غاصب صاحبِ لباس نہیں ہو جاتا۔

اسی چیز کو حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ میں بیان فرمایا ہے:

وَاَمَا وَاللّٰهِ لَقَد تَقَمَّصَهَا فَلَانٌ اَنَّهُ يَعلَم اَنَّ مَحَلِّي مِنهَا محَلَّ القَطَبِ مِنَ الرخي

''خلافت کا کُرتا فلاں نے زبردستی پہن لیا حالانکہ خلافت کے بارے وہ میرے مقام کو جانتا ہے کہ میرا وہ مقام ہے جیسے چکی کے قطب کا مقام ہوتا ہے (خلافت کو غصب کرنے سے کوئی اہلِ خلافت نہیں ہوجاتا)''۔

صاحب تبر مذاب لکھتے ہیں: تاریخ میں عین القضاء سے منقول ہے: جب سید الشہداءؑ کے سر کو یزید کے سامنے رکھا گیا۔ کَانَ بِیَدِہٖ قَضِیبٌ فَکَشَفَ عَن شَفَتَیہِ وَثَنَایَا وَنَکَثَھُمَا بِالقَضِیبِ

تو یزید کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ اُس نے چھڑی سے امامؑ کے لبوں اور دانتوں سے رومال ہٹایا اور پھر قرآن پڑھنے والے لبوں اور دانتوں پر چھڑی بھی مارتا تھا اور یہ شعر بھی پڑھتا تھا: کاش آج میرے بدر (میں مارے جانے) والے بزرگ ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے کیسے آلِ محمدؐ سے بدلہ لیا ہے۔ اس کی اولاد کے سر کاٹ کر اور ان کو قید کر کے سارے شہروں میں پھرایا اور میں نے اپنے باطنی کفر کا اظہار کر دیا ہے۔

کچھ شامی لوگ یزید کے یہ کفریہ کلمات سن رہے تھے تو ان کے چہروں کا رنگ بدلا اور انہوں نے کہا: تو خود کو اسلامی بادشاہ کہتا ہے اور کفر بکتا ہے۔ اُن لوگوں پر یہ گراں گزرا کہ امام حسینؑ کے سر کی توہین کرتا رہا، جب یزید نے ان بعض مقامی لوگوں کے چہروں کے تغیر کو دیکھا تو خوف زدہ ہوگیا اور کہا: اے لوگو! کیا تم جانتے ہو یہ کس کا سر ہے؟

یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر ہے۔ یہ افتخار کرتے تھے کہ میرے جد، باپ اور ماں یزید کے جد، باپ اور ماں سے بہت بہتر ہیں۔ میں خود بھی یزید سے بہتر اور افضل ہوں کیونکہ رسولِؐ خدا نے مجھے خود اپنے زانوؤں پر بٹھایا اور میرے بارے میں فرمایا ہے: حسینؑ میرے باغ کی خوشبو ہیں، جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، میری اولاد کے بارے میں پیغمبرؐ نے دعا فرمائی، لہٰذا میں یزید سے افضل اور اولیٰ بخلافت ہوں۔

لیکن حسینؑ کو یہ آیت بھول گئی کہ قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ المُلکِ تُعطِی المُلکَ مَن تَشَاءُ "اللہ جسے چاہے حکومت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کرتا ہے"۔

تو اللہ نے مجھے مقام دیا کہ حکومت دی ہے، لہٰذا میں حسینؑ سے افضل ہوں کیونکہ اللہ نے مجھے اس انعامِ مملکت کے قابل سمجھا۔ پس اس دلیل سے شامی سرِ تسلیم خم کر گئے اور ان کو یقین ہوگیا کہ یہی سچ ہے جو یہ کہہ رہا ہے حالانکہ اس آیت کی تاویل یہ نہیں ہے۔

مرحوم سید طاؤس لہوف میں لکھتے ہیں: جب یزید کے سامنے امام حسینؑ کا سر رکھا تھا تو وہ چھڑی سے حضرت امامؑ کے پاک دانتوں پر مارتا رہا اور کہتا تھا: یومٌ بیوم بدرٍ یعنی آج کے دن بدر کے دن کا بدلہ پورا ہوگیا۔

بعض روایات میں تو یہ ہے کہ دانتوں سے چھڑی کے ساتھ کھیل رہا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ چھڑی مار رہا تھا جیسا کہ حضرتؑ کی زیارت کا ایک جملہ ہے: اَلسَّلَامُ عَلَی الثَّغرِ المَقرُوعِ بِالقَضِیبِ قرع بمعنی کوٹنے کے ہے یعنی سلام ہو ان دانتوں پر جو چھڑی سے کوٹے جاتے رہے (یعنی جن پر چھڑی ماری جاتی رہی)۔

کامل السقیفہ میں ہے کہ اِنَّ الَّذِی جَاءَ بِالطَّشتِ کَانَ غَشَاهُ بِغَشَاوَةٍ فَوَضَعَهُ بَینَ یَدَی یزید ایک بدبخت نے حضرتؑ کے سر کو طشت میں رکھا اور سرِ مبارک پر کپڑا ڈالا اور یزید کے سامنے رکھ دیا۔ کَانَ بِیَدِ یَزِید قَضِیب مخلّٰی طَرفاہ بِالذَّھب تو یزید کے ہاتھ میں ایسی چھڑی تھی جس کے دونوں سروں پر سونے کے خول چڑھے ہوئے تھے۔ فکَشَفَ بِالقَضِیب عَنِ الطَشتِ وَرَفَعَ الغَشَاوَة اُس نے اسی چھڑی سے طلائی طشت پر سے پردے کو ہٹایا اور امامؑ کے بریدہ سر پر نظر پڑی تو اس کے سینے میں بغض و حسد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ فَجَعَلَ یَدُقُّ ثَنَایَاهُ اُس ملعون نے امامؑ کے دانتوں پر طلائی چھڑی سے ضربیں مارنا شروع کردیں۔

ابومخنف اپنے مقتل میں قرع، دق کے لفظوں کے بجائے ان سے بڑا لفظ استعمال کرتے ہیں اور یوں لکھتے ہیں: فَجَعَلَ یَزِید یَنکُتُ ثَنَایَا الحُسَین "کہ یزید اپنی چھڑی سے امامؑ کے دندانِ مبارک کو توڑ رہا تھا"۔

اسی طرح صاحب زبدۃ الریاض لکھتے ہیں: فَضَرَبَ بِهَا ثَنَا یَا الحُسَین حَتّٰی کَسَرَت "جب یزید کے سامنے امامؑ کا سر رکھا گیا تو اپنی چھڑی سے امامؑ کے دانتوں پر ایسی ضربیں ماریں کہ دانت ٹوٹ گئے"۔

سمرہ بن جندب صحابیٔ رسولؐ خدا دربار میں تھے، انھوں نے یہ کیفیت دیکھی تو اُٹھے اور فریاد کر کے کہا:

یَا یَزِیدُ قَطَعَ اللّٰهُ یَدَكَ تَضرِبُ ثَنَایَا طَالِمًا رَأَیتُ رَسولَ اللّٰهِ یُقَبِّلُهَا وَیَلثَم مَا بَینَ شَفَتَیهِ

"اے یزید! خدا تیرے ہاتھوں کو قطع کرے، جن لبوں پر تو چھڑیاں مار رہا ہے میں نے کئی مرتبہ رسولؐ پاک کو دیکھا کہ ان لبوں اور دانتوں کو بوسے دیتے اور چاٹتے تھے"۔

یزید نے حکم دیا کہ سمرہ بن جندب کو دربار سے نکال دیا جائے اور کہا کہ میں تیری صحابیت کا احترام کرتا ہوں ورنہ تیری گردن ابھی کاٹ دیتا۔

سمرہ نے جواب دیا: اے ولد الزنا! میری صحابیت کا لحاظ رکھتے ہو تو کیا حسینؑ فرزندِ پیغمبرؐ نہیں؟ ان کی قرابت کا لحاظ کیوں نہیں رکھتے۔

علامہ قزوینی ریاض الاحزان میں لکھتے ہیں: دندان توڑنے والی روایت ضعیف و نحیف ہے اور مرحوم مفیدؒ نے الفاظ قرع، انکث اور دق سے کوئی بھی روایت نہیں کی (البتہ دانتوں پر چھڑی مارنے کا ذکر تو حضرت زینبؑ کے خطبہ میں بھی موجود ہے۔ مصحح)

دربارِ یزید میں امام حسینؑ سے متاثر لوگوں کی سزا

چند شخص ایسے تھے جنھوں نے یزید پلید کے دربار میں امام حسین علیہ السلام کی حمایت میں زبان کھولی تاکہ یزید ملعون

سرِ مطہر سے جسارت نہ کرے۔

① راس الجالوت: ابومخنف اپنے مقتل میں لکھتے ہیں: دربار میں راس الجالوت بھی تھا۔ یہ یہودیوں کے بزرگ اور احبار (اکابر علماء) سے شمار ہوتا تھا، جب اس نے یزید پلید کی خرافات سنیں اور اس کے قبیح اعمال اور حرکات دیکھیں تو اس کی قوتِ برداشت ختم ہوگئی اور وہ بول پڑا: اے یزید! میرے سوال کا جواب دو۔

یزید نے کہا: پوچھو جواب دوں گا۔

راس الجالوت نے کہا: تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ یہ سر کس کا ہے اور اس کا گناہ کیا تھا؟

یزید بولا: هذا رأس الحسين بن علي، یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر ہے اور اس کی ماں فاطمہ زہراءؑ دخترِ رسولؐ اللہ ہے۔

راس الجالوت نے کہا: تو نے فرزندِ پیغمبرؐ کو کس جرم و گناہ کی وجہ سے قتل کر دیا؟

یزید بولا: کوفیوں نے اسے خطوط لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت دی کہ آؤ اور ہم بیعت کرتے ہیں، پس کوفیوں نے دھوکا کیا اور یہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ کوفہ پہنچا۔ میرے گورنر عبیداللہ بن زیاد نے اس کا راستہ روکا اور کربلا میں اسے اس کے احباب سمیت شہید کر دیا اور سر میری طرف بھیج دیئے۔

راس الجالوت نے کہا: اگر دخترِ رسول کا فرزند موجود ہو تو وہی خلافت کا حق دار ہے۔ تمہارے کام کس قدر عجیب ہیں۔ اے یزید! میرے اور حضرت داؤدؑ کے درمیان ۲۳ پشتوں کا فاصلہ ہے (صاحبِ لہوف نے ستر پشت کا فاصلہ لکھا ہے) اور ابھی تک یہودی میری تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور میرے قدموں کی خاک کو تبرک سمجھتے ہیں اور اس خاک کو آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں اور بطور تبرک سر و چہرہ پر میرے قدموں کے نشانات کی خاک ملتے ہیں۔

وہ میرے حضور کے بغیر شادی نہیں کرتے اور میرے بغیر کسی معاملے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ لیکن تم کس قدر بے مروت اور بدبخت اُمت ہو کہ کل تمہارے پیغمبرؐ نے وصال کیا اور آج تم نے اس کے فرزند کو قتل کر دیا۔ خدا کی قسم! تم دنیائے عالم کی بدترین اُمت ہو۔

یزید ملعون رأس الجالوت کی مذمت سے غضبناک ہوا اور کہنے لگا: اگر پیغمبرؐ کی یہ حدیث نہ ہوتی: مَن آذَىٰ مُعاهِدًا كُنتُ خَصمُه يَومَ القِيامَة (جس نے غیر مسلم کو تکلیف دی، بروزِ محشر میں اس کا دشمن ہوں گا) تو میں تجھے قتل کر دیتا۔

رأس الجالوت نے کہا: اے یزید! یہ بات اپنے آپ سے کہو، یہ جواب تیرے نقصان میں ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی معاہدہ کرنے والے غیر مسلم کو اذیت دے تو نبی دشمن ہیں اور تو اولادِ رسولؐ کو اذیت دینے والا ہے، پاک رسولؐ تیرے دشمن نہ ہوں گے؟

رأس الجالوت نے امام علیہ السلام کے سرِ مقدس کو مخاطب کر کے کہا: یا ابا عبداللہ! اپنے ناناؐ کے پاس گواہی دینا: اَشھَدُ اَن لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وَ اَنَّ جَدَّکَ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہ ''کہ میں وحدانیتِ خدا اور آپؑ کے جد کی رسالتؐ پر ایمان رکھتا ہوں''

یزید بولا: تو اپنے دین سے خارج اور اسلام کے دین میں داخل ہوگیا اور میں مسلمانوں کا بادشاہ ہوں پس ایسے مسلمان کی، جو دشمن کی حمایت کرے مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ فَقَد بَرِئنَا مِن ذِمَّتِکَ ''اے جلاد! اس ذمی شخص کی گردن اُڑا دے، پس جلاد نے اس نمرودِ زمانہ کے حکم سے اُس نومسلم کو شہید کر دیا۔

◇ روایت جاثلیق: ابومخنف لکھتے ہیں: دربار یزید میں اس ملعون کی حرکتوں اور ظلم کو دیکھ کر جاثلیق نے اعتراض کیا۔ جب یزید خیزرانی چھڑی سے امامؑ کے دانتوں پر مار رہا تھا تو جاثلیق جو بڑی شان و شوکت سے دربار میں آیا تھا، اُٹھا اور یزید کے تخت کے قریب کھڑا ہوگیا، اس کے پاس عصا تھا، جس کی وہ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ کَانَ شَیخًا کَبِیرًا وَعَلَیہِ ثِیَابٌ سُودٌ وَعَلٰی رَاسِہٖ بُرنُسُہٗ یعنی جاثلیق نصرانی بوڑھا تھا اور سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا اور اُس کے سر پر کرکلی ٹوپی تھی۔ کچھ دیر تو وہ تختِ یزید کے پاس کھڑا رہا، کبھی بریدہ سرِ حسینؑ پر نظر کرتا جو روشن مہتاب کی طرح طشتِ طلا میں موجود تھا اور یزید اپنے دیرینہ کینے کی بنا پر چھڑی امامؑ کے دانتوں اور پاک لبوں پر مار رہا تھا۔

جاثلیق نے کہا: اے یزید یہ کس کا سر ہے؟

یزید نے جواب دیا: ایک خارجی کا سر ہے، جس نے عراق میں ہمارے خلاف بغاوت کی تھی۔

جاثلیق نے کہا: ان کا نام و نسب کیا ہے؟

یزید نے جواب دیا: ان کا نام حسینؑ بن علیؑ ہے۔

جاثلیق نے کہا: ان کی ماں کا نام کیا ہے؟

یزید نے جواب دیا: جنابِ فاطمۃ الزہراءؑ بنت رسولؐ اللہ!

جاثلیق نے کہا: تمہارے پیغمبرؐ کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کرنے کا سبب کیا ہے؟

یزید نے جواب دیا: اہلِ کوفہ نے اُنہیں خلیفہ بنانے کا دعویٰ کیا اور ان سے دھوکا کیا اور یہ کوفہ چلے آئے اور ابن زیاد گورنر کوفہ نے ان کو قتل کر دیا اور سر مجھے بھیج دیا۔

جاثلیق نے کہا: ان کا قصور کیا تھا، اہلِ عراق نے ان کو دعوت دی اور ان کا کام ہدایت کرنا تھا وہ آئے ہدایت کے لیے تھے اور تمہارے گورنر نے انہیں قتل کر دیا گویا بے گناہ اور بے قصور قتل کر دیئے گئے۔

اے یزید! اِرفَعَهُ مِن یَدیكَ وَلَا اَهلَكَ اللّٰهُ، اب بھی اس سرِ مقدس کو اپنے آگے سے اُٹھا لے اور اس سرِ مطہر سے جسارت نہ کر اور چھڑیاں نہ مار ورنہ خدا تجھے ہلاک کر دے گا۔ کیونکہ میں ابھی اپنے کلیسا میں عبادت کر رہا تھا تو بلند آواز آئی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو ایک خوبصورت چمکتے ہوئے چہرے والی ہستی نیچے اُتری اور ان کے ساتھ نورانی صورتوں والے بہت سارے اشخاص تھے۔ میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ یہ بزرگوار کون ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ خاتم الانبیاءؐ حضرت محمدؐ ہیں اور یہ نورانی لوگ پیغمبرؑ ہیں۔ آدمؑ سے لے کر عیسٰیؑ روح اللہ تک سب حضرت محمدؐ سے تعزیت کرنے آئے ہیں۔

جاثلیق کی ان باتوں سے یزید غضبناک ہوا اور کہا: وَیلَكَ جِئتَ تخبرني بِاَحلَامِكَ، افسوس تجھ پر کہ تو مجھے اپنے خواب سنانے آیا ہے۔ وَاللّٰه لَاَضرِبَنَّ بَطنَكَ وَظَهرَكَ میں تیرے پیٹ اور پشت میں اس قدر ضربیں ماروں گا کہ تو مر جائے گا۔

جاثلیق نے کہا: اے یزید تو بڑا بے حیا ہے میں تو اس لیے آیا ہوں کہ تجھے بتاؤں کہ تو اپنے پیغمبرؐ کے بیٹے پر ظلم نہ کر اور مجھے قتل کرنے کی دھمکی مت دے۔

یزید نے اپنے غلاموں سے کہا: اس بوڑھے کو پکڑ لو۔ غلاموں نے جاثلیق کو گریبان سے پکڑا۔ وَجَعَلُوا یَضرِبُونَهُ بِالسِّیَاطِ اور اس بوڑھے کے سر اور صورت میں تازیانے مارنے شروع کر دیے اور اس قدر تازیانے مارے کہ وہ زخمی اور بہت کمزور ہو گیا۔

جاثلیق سرِ امامؑ سے مخاطب ہوا اور کہا: اے ابا عبداللہ الحسینؑ! اپنے ناناؐ کے نزدیک میری گواہی دینا کہ میں وحدانیتِ خدا اور رسولؐ کی رسالت اور قیامت کا ایمان و یقین رکھتا ہوں: اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله واشهد ان علی ولی الله، اللہ واحد ہے، محمد رسول اللہؐ علیؑ مومنوں کے امیر ہیں۔

یزید نے جب جاثلیق سے اشهد علی امیرالمومنین کا کلمہ سنا تو غضبناک ہو کر پھر جلادوں سے کہا کہ اس بوڑھے کو اور تازیانے لگاؤ۔ اُسے اس قدر تازیانے مارے گئے کہ اس کے تمام اعضاء ٹوٹ گئے۔

جاثلیق نے کہا: مجھے اور زیادہ تازیانے مار، خدا کی قسم! میں ابھی رسولِ خداؐ کی زیارت کر رہا ہوں جو میرے سامنے کھڑے ہیں، نوری پیراہن اور سنہری تاج ہاتھ میں ہے اور فرما رہے ہیں کہ یہ نوری پیراہن اور شہری تاج تمہارے لیے ہے۔ آؤ ہمارے پاس اور پیراہن و تاج اور بہشت میں میرے ساتھی بن جاؤ، اس لیے کہ تم میرے اہلِ بیتؑ سے بہت محبت کرتے ہو اور تم نے میرے بیٹے حسینؑ کی راہ میں مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ پس ایک لحظہ کے بعد جاثلیق کی روح پرواز کر گئی اور وہ شہید

ہوگیا۔

۴ عبدالوھاب سفیرِ روم : یزید کا دربار مہمانوں، سفیروں، وزیروں اور معززین شام سے مملو تھا، روم کے نمائندے اور انگریز بھی موجود تھے۔ ان معززین اور مدعوئین میں ملکِ روم کے ایک سفیر تھے جو دربار میں موجود تھے۔ جب سرِ مطہر یزید کے سامنے آیا تو اس ظالم غدار کے منہ میں جو آیا، بکواس کرتا رہا اور جو چاہتا تھا سرِ مقدس سے کرتا رہا۔ ان تمام حرکات اور افعال کو دیکھ کر وہ دل برداشتہ ہوگیا۔ خصوصاً فَلَمَّا رَأى النَصرَانِي رَأسَ الحُسَين بَكَى وَصَاح ونَاحَ، جب سفیرِ روم کی نگاہ امامؑ کے سرِ مطہر پر پڑی تو وہ زار و قطار رونے لگا بلکہ صیحہ اور نوحہ کرنے لگا۔ وہ امامؑ کی غربت پر اس قدر رویا کہ اس کی ریش آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

یزید نے کہا: اے سفیرِ روم! اس قسم کی خوشی کی محفل میں تمہارے رونے کی وجہ کیا ہے؟

سفیرِ روم نے کہا: میں زمانہ پیغمبرؐ میں تجارت کے سلسلے میں مدینہ گیا اور رسولِ خداؐ کی خدمت میں تحفہ و ہدایا لے گیا اور یہ تحفے مشک و عطر تھے۔ جب مجھے اندر جانے کی اجازت ملی اور میں نے ان کو دیکھا (فَلَمَّا شَاهَدتُ جَمَالَهُ اِزدَادَ عَينِي مِن لِقَائِهِ نُورًا سَاطِعًا وَزَادَنِي مِنهُ سُرورًا وَقَد تَعَلَّق قَلبِي بِمُحَبَّتِهِ) تو میری نظر ان کے جمال پر پڑی تب میری آنکھوں کا نور زیادہ ہوگیا اور آنکھوں کی بصارت میں اضافہ ہوگیا اور فی الواقع چودھویں کا چاند بھی ان کے رُخساروں کی چمک سے روشنی پیدا کرتا تھا اور سورج بھی ان کے جمال کی شمع کے مقابل مقاومت نہ کرسکتا تھا۔ میرے دل میں اس دن سے ان کی محبت اور عشق راسخ ہوگیا ہے۔ سلام کے بعد ہدیہ عطر پیش کیا تو انھوں نے شیریں زبان سے پوچھا: مَا هٰذا؟ یہ کیا ہے؟

میں نے عرض کیا: یہ معمولی ہدیہ ہے جو آپ کی خدمت میں لایا ہوں اور میری آرزو ہے کہ آپ اسے قبول کریں۔

حضرتؐ نے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟

میں نے عرض کیا کہ عبدالشمس۔

فرمایا: اپنا نام تبدیل کرلو اور میں تمہارا نام عبدالوہاب رکھتا ہوں۔ اگر یہ نام قبول ہے تو تمہارا ہدیہ قبول کرتا ہوں ورنہ ہدیہ قبول نہیں کرتا۔

میں نے ذرا فکر کی تو جانا کہ ان کے حالات اور کردار تو وہی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ بتا کر گئے ہیں، لہٰذا اسی وقت اسلام قبول کیا اور کلمۂ شہادت پڑھا۔ حضرتؐ نے مجھ پر بہت مہربانی فرمائی اور میں چند روز مدینہ میں رہا۔ میں روزانہ ان کی زیارت کے لیے جاتا تھا اور ان سے اسلام کے شرائع اور احکام و مسائل سیکھتا رہا۔ مدینہ سے واپس روم گیا تو میرے بخت نے یاوری کی اور میں بادشاہِ روم کا وزیر بن گیا۔ میں نے کسی کو اپنے اسلام لانے کی خبر نہ دی۔ اس مدت کے دوران میں مجھے اللہ نے

پانچ بیٹے اور ایک بیٹی عطا کی۔ اے یزید! اب تیری مجلس میں گریہ وزاری اس لیے کی ہے جن ایام میں میرا مدینہ میں قیام تھا ایک دن میں خدمتِ رسولؐ میں گیا تو (رَأیتُ هٰذَا العزیزَ الَّذِی رَأسُهُ بَینَ یَدَیکَ مُهِیناً حَقِیرًا قَد دَخَلَ عَلٰی جَدِّہٖ) دیکھا کہ یہی عزیز جس کا سر تیرے سامنے ہے اور تو طشت میں رکھ کر اس کی توہین کر رہا ہے اور چھڑی مار رہا ہے پیغمبرؐ کے پاس آئے اور اس شان وشوکت سے آئے۔ جوں ہی پیغمبرِ اسلام کی نظر اس عزیز کے جمال پر پڑی، ان کو اٹھایا اور فرمایا:

اے حسینؑ! خوش آمدید۔ پھر اسی عزیز کو اپنے زانو پر بٹھایا (وَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ یُقَبِّلُ شَفَتَیهِ وَثَنَایَا) اور ان کے لبوں اور دندانِ مبارک کے بوسے لیے۔ نیز فرمایا: بَعُدَ عَن رَحمَةِ اللهِ مَن قَتَلَكَ وَالمَانَ عَلٰی قَتلِكَ یَاحُسَین ''اے میرے نور! وہ شخص رحمتِ خدا سے دُور ہے جو تجھے قتل کرے یا قتل میں معاونت کرے''۔

پھر سفیرِ روم نے یزید کی طرف متوجہ ہوکر کہا: اے یزید! تو نے کس جرأت کے ساتھ اس عزیز کے، جو خدا، رسولؐ اور فاطمہ بتولؑ کے عزیز ہیں، لبوں اور دندانِ مبارک پر چھڑی مار رہا ہے۔ افسوس اور بربادی ہے تیرے اُوپر اور تیرے دین پر۔

پھر یہ عبدالوہاب سفیرِ روم دکھی دل اور روتی آنکھوں کے ساتھ اپنی کرسی سے اُٹھا اور سرِ مطہر امامؑ کے پاس آکر سرِ مبارک کو سینے سے لگایا اور بوسے دینے لگا اور بہت دیر تک چومتا اور روتا بھی رہا۔ اُس نے سرِ مطہر سے مخاطب ہوکر عرض کیا: یابن رسول اللہ! گواہ رہنا کہ جو میں نے کہنا تھا کہہ دیا اور حجت تمام ہوگئی۔

صاحبِ کامل السقیفہ لکھتے ہیں: یزید نے اس سفیر کو بھی قتل کردیا۔

دربار میں یزید سے امام سجادؑ کی گفتگو

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: جب ہمیں دربارِ یزید میں لے گئے تو ہم بارہ مرد تھے جو رسیوں میں بندھے ہوئے اور زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ ہم تختِ یزید کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ میں نے یزید سے کہا: (یَا یَزِیدُ اَنشُدُكَ بِاللهِ مَا ظَنُّكَ بِرَسُولِ اللهِ لَو رَأنَا عَلٰی هٰذِہِ الحَالَةِ) ''اے یزید! تجھے خدا کی قسم! بتاؤ اگر رسولؐ اللہ اس حالت میں ہمیں دیکھیں تو ان کی کیا حالت ہوگی اور تو کیا جواب دے گا؟''

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: یزید کے سر پر دُرّوں سے جڑا ہوا تاج تھا۔ اس کے اردگرد قریش کے بزرگان بیٹھے ہوئے تھے جو سب اس کے رشتہ دار یعنی بنی اُمیہ سے تھے اور وہ تخت پر بڑے غرور وسرور سے بیٹھا تھا۔ ایک دفعہ نظر اُٹھا کر میری طرف دیکھا تو پوچھا: مَنَ هٰذَا؟ یہ جوان کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ علیؑ بن الحسینؑ ہیں۔

اس ملعون نے سنا ہوا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے فرزند علیؑ بن الحسینؑ کربلا میں شہید ہوچکے ہیں لہٰذا تعجب سے

پوچھا کہ مجھے تو بتایا گیا ہے کہ علیؑ بن الحسینؑ کربلا میں شہید ہو گیا ہے، تم کون ہو؟

امامؑ نے رو کر فرمایا: اے یزید! میرا ایک بھائی (علیؑ) تھا اسے لوگوں نے قتل کر دیا۔

یزید نے کہا: تیرے باپ پر تعجب ہے کہ تمام بیٹوں کا نام علیؑ رکھا۔

امامؑ نے فرمایا: میرے باپ کو اپنے باپ سے بہت محبت تھی، لہٰذا بیٹوں کے نام علیؑ رکھے۔

یزید بولا: تمہارے باپ نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا لیکن الحمدللہ یہ خلافت اس کو نصیب نہ ہوئی اور خدا نے مجھے ان پر فتح اور کامیابی دی۔ ان کا سر جدا کیا گیا اور اس کے اہلِ بیتؑ کو قیدی کر لیا اور تمام شہروں میں ذلیل کر کے پھرایا ہے اور ہر ایک نے دیکھا ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

امامؑ نے فرمایا: دنیا میں کون ہے جو میرے بابا سے زیادہ خلافت کا اہل ہو کیونکہ وہ تمہارے پیغمبرؐ کے فرزند تھے۔

یزید بولا: خدا کا شکر ہے کہ خدا نے اس کو قتل کیا اور اس کے شر سے مجھے بچا لیا۔

امامؑ نے فرمایا: تیرے گماشتوں نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔

یزید نے کہا: خدا نے قتل کیا ہے۔

امام بولے: خدا لعنت کرے اس شخص پر جس نے میرے بابا کو قتل کیا۔ کیا میں استغفراللہ خدا پر لعنت کر رہا ہوں؟

یزید نے کہا: تمہارے باپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، قطع رحم کیا۔ وہ سلطنت کے معاملہ میں میرے حق کو ضائع کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے تنازعہ کیا، پھر خدا نے اس سے انتقام لیا۔

امامؑ نے یہ آیت تلاوت کی:

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ○

"جو مصیبت بھی زمین پر یا تمہارے نفوس پر آتی ہے وہ پہلے لکھی جا چکی ہوئی ہے......

......

یزید نے اپنے خالد نامی بیٹے سے کہا: اس قیدی کا جواب دو جو کہ جواب نہ جانتا تھا۔ اس لیے یزید نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی: وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ، "یعنی جو مصیبت بھی آتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے آتی ہے"۔

امامؑ نے فرمایا: جو تو نے کہا اس کا جواب سن لیا ہے اب مجھے اجازت دے، ایک بات تجھ سے کرتا ہوں۔

یزید بولا: جو کہنا چاہتے ہو، کہو لیکن فضول اور ہذیانی بات نہ کہنا۔

امامؑ نے فرمایا: بتاؤ! مَا ظَنُّكَ بِرَسُولِ اللّٰهِ لَو رَأَنِي فِي الغُلِّ تیرا رسولؐ اللہ کے بارے میں کیا گمان ہے اگر وہ مجھے اس حالتِ کسمپرسی اور زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں تو انہیں کیا جواب دے گا؟"

اس سوال پر یزید کا دل کڑھا اور اس نے کہا کہ اس قیدی کی رسیاں اور زنجیریں کھول دو۔

علامہ مجلسی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب یزید نے کہا: اے علیؑ! خدا کا شکر ہے کہ خدا نے تیرے باپ کو قتل کیا تو امام سجادؑ نے فرمایا: خدا لعنت کرے اس پر جس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔ یزید نے یہ جواب سن کر غضب ناک ہوا اور حکم دیا: اَمَرَ بِضربِ عُنُقِهٖ "اس بیمار کو قتل کر دو"۔

اس پر امامؑ نے فرمایا: فَإِذَا قَتَلتَنِي فَبَنَاتُ رَسُولِ اللّٰهِ مَن يَرُدُّهُم إِلٰى مَنَازِلِهِم وَلَيسَ لَهُم مَحرَمٌ غَيرِي "جو باقی بچا ہے اسے بھی قتل کرتا ہے تو رسول زادیوں اور بتول زادیوں کو اپنے گھروں اور وطن کی طرف کون پہنچائے گا؟"

یزید نے کہا: تم ان کو اپنے گھروں اور وطن تک لے جاؤ گے اور قتل کا حکم واپس کر لیا اور زنجیر کھولنے کا حکم دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ زنجیر یزید نے خود کھولے اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں نے خود زنجیر کھولنے کا کام کیوں کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: اس لیے کہ تیرے سوا کسی کا میرے اُوپر احسان نہ ہو۔

یزید نے کہا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُم، یعنی جو مصائب تم پر آئے تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہیں"۔

امامؑ بولے: تعجب ہے اے یزید! یہ آیت تو ہمارے حق میں نازل ہوئی ہے اور تو اس سے ہمارے خلاف استدلال کرتا ہے، کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ○ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○

راوندی کتاب "دعوات" میں لکھتے ہیں: یزید کا امام سجاد علیہ السلام کو قتل کرنے کا مصمم ارادہ تھا لیکن امامؑ سے سوال کرتا اور گفتگو کرتا تھا تا کہ غصہ میں آ کر امامؑ کے منہ سے ایسا حرف نکل جائے جس سے قتل کا جواز بن سکے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ بے جہت قتل کیا۔ لیکن یزید جو بھی بات کرتا اس کا کافی وافی جواب سنتا۔ امامؑ نے کوئی ایسا جملہ نہ فرمایا جس سے یزید کو قتل کرنے کا

بہانہ مل جاتا۔ جب امامؑ نے کوئی ایسا موقع نہ دیا تو اُس نے فضول باتیں شروع کر دیں۔

امامؑ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تسبیح تھی کہ انگلیوں سے اسے حرکت دے رہے تھے۔

یزید نے کہا: بہانہ بناتے ہوئے کہا: اے علیؑ! میں تم سے باتیں کر رہا ہوں اور تم مجھے جواب بھی دے رہے ہو تو پھر تسبیح پھیرنا کھیل ہے؟ اور تجھے کیسے جرأت ہوئی کہ بادشاہ کے سامنے تسبیح ہلاتا رہے؟

امامؑ نے فرمایا: میرے باباؑ نے اپنے نانا رسولؐ خدا سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص نمازِ فجر پڑھے اور نماز کے بعد گفتگو و کلام نہ کرے اور تسبیح ہاتھ میں لے کر یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَصبحت اَسَبِّحُكَ وَاُمَجِّدُكَ وَاَحمِدُكَ وَاُهَلِّلُكَ بَعدَ مَا اُدِیر یعنی میرے اللہ! میں صبح کو تیری تسبیح، تیری تمجید، تحمید اور تہلیل ان منکوں کے برابر کرتا ہوں تو وہ اگر تسبیح کو (محض) ہاتھ میں لے کر پھیرے تو وہ شخص جو بھی کلام کرے گا رات تک اس تسبیح کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوتا رہے گا اور سوتے وقت ایک مرتبہ یہی ورد کر دے البتہ اصبحت کی بجائے امسیتُ کہے تو دوسری صبح تک تسبیح کا ثواب اُس کے لیے جاری رہے گا اور یہ سنت ہم نے رسول پاکؐ سے لی ہے۔

یزید نے کہا: سبحان اللہ! میں جو اعتراض کرتا ہوں اس کا جواب حاضر اور تیار ہوتا ہے۔ پس حضرتؑ کے قتل سے منصرف ہو گیا اور اَمَرَ بِاطّلَاقِهٖ حکم دیا کہ اس کی گردن اور پاؤں سے زنجیریں اُتار لی جائیں۔

مخدراتِ عصمت کی یزید کے دربار میں گفتگو

صاحبِ ارشاد لکھتے ہیں: ثُمَّ دَعَی بِالنِّسَاءِ وَالصِّبيَانِ فَاَجلَسُوا بَينَ يَدَيهِ، پھر یزید پلید نے مخدراتِ عصمت اور قیدی بچوں کو بلایا، سب یزید کے سامنے آئے تو یزید سے ان بچوں کی خستہ حالی نہ دیکھی جاتی تھی۔

علامہ قزوینی حدائق الانس میں فرماتے ہیں: شیخ مفید کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملعون یزید نے پہلے امام سجادؑ کو پیشی کے لیے بلایا اور آپؑ سے کلام کی، اس کے بعد مستورات اور بچوں کو بلایا۔ ہمارے خیال میں کلمہ ثم سے یہی استفادہ ہوتا ہے۔ یزید نے پہلے امام سجادؑ سے گفتگو کی، پھر مستورات اور بچوں کو بلایا۔

جب قیدیوں کی حالت ذلت اور خواری دیکھی کہ ترک و دیلم کے قیدیوں سے بھی خستہ حال ہیں تو ظالم یزید کو بھی ان پر رحم آ گیا اور کہا کہ خدا ابن زیاد کے چہرے کو سیاہ کرے کہ اس نے تمہاری یہ حالت بنا دی ہے۔ اگر (وہ) تمہارا رشتہ دار ہوتا تو کبھی ذلت و خواری سے اس قدر تمہاری یہ حالت نہ بناتا۔

صاحبِ روضۃ الواعظین لکھتے ہیں: جب بچوں اور عورتوں کو یزید ملعون کے سامنے پیش کیا گیا تو یزید کی عورتیں پردہ کے پیچھے بیٹھی دیکھ رہی تھیں اور تمام دربار کا تماشا کر رہی تھیں۔ جب ان عورتوں کی نظر اہلِ بیتؑ کی مستورات اور بچوں کی خستہ حالی، پریشان بالوں، پرانے لباسوں، رسیوں میں بندھے ہاتھوں، آنسو بہاتی آنکھوں پر پڑی تو پسِ پردہ سے آہ وفریاد بلند کی۔

فَصَحُنَّ نِسَاء اَهلِ يَزِيد وَبَنَاتِ مُعَاوِيَه وَاَهلُهُ فَوَلُّوهُنَّ وَاَقمنَ المَاتِم

''یزید اور معاویہ کی عورتوں نے گریہ زاری اور ہائے ہائے کے غلغلہ کی آوازیں بلند کیں اور ماتم شروع کر دیا''۔

مرحوم مجلسی بحار میں لکھتے ہیں: ''ہاشمی عورتوں میں سے بھی جو پسِ پردہ بیٹھی تھیں، آلِ محمدؐ کے قیدیوں کو اس حالتِ زار میں دیکھا تو دلوں سے آہ کھینچی اور وَاحُسَينَاه وَاسَيِّدَا اَهلِ بيتَاه يابنِ مُحَمَّدَاه يَا رَبيع الا رامل واليَتَامىٰ ياقتيل اولاد الادعيا اور اس قدر گریہ بلند ہوا کہ ہر سننے والا بھی رو پڑا۔

یہ قیدی جب یزید کے سامنے پیش ہوئے تو جنابِ فاطمہ بنت امام حسینؑ نے فرمایا: يَا يَزِيدُ بَنَاتُ رَسُولِ اللّٰه سَبَايَا، اے ظالم! دخترانِ پیغمبرؐ کو کس نے قید کیا ہے؟ کسی اور نے نہیں تم نے قید کا حکم دیا ہے اور اس جملے پر تمام لوگ رونے لگے حتیٰ کہ یزید کے گھر کی عورتوں کے گریہ کی آواز بلند ہوئی تو تمام سننے والے بھی رونے پر مجبور ہو گئے۔

صاحبِ روضۃ الشہداء معین الدین نے لکھا کہ یزید نے حکم دیا اور اہلِ بیتؑ کو دربار کے ایک کمرے میں بٹھا دیا اور دروازے پر پردہ لٹکانے کا حکم دیا۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: ثُمَّ وُضِعَ رَأسَ الحُسَين عليه السلام بَينَ يَدَيهِ وَاَجلَسَ النِّسَاءِ خَلفَه لِئَلَّا يَنظُرنَ اِلَيهِ

پھر یزید کے سامنے امام حسینؑ کا سر رکھا گیا اور اہلِ بیتؑ کو تخت کی پشت پر بٹھا دیا، تاکہ سرِ مطہر کو نہ دیکھ سکیں نیز یزید کے سرِ مبارک کے ساتھ اختیار کیے جانے والے رویہ کو نہ دیکھ سکیں۔ اسی اثناء میں جنابِ زینبؑ کبریٰ کی نظر بھائی کے سر پر پڑی تو آپؑ برداشت نہ کر سکیں اور اپنے گریبان کو پھاڑ دیا اور یوں فریاد کی کہ تمام سننے والے رونے لگے۔ بی بیؑ نے فرمایا:

يَاحُسَينَاه يَاحَبِيبَ رَسُولِ اللّٰه يَابنَ مَكَّةَ وَمِنٰى يَابنَ فَاطِمَةَ الزَّهراء ، يَابنَ مُحَمَّدِ المُصطفٰى

اے حسینؑ، اے رسولِ خدا کے حبیب! اے مکہ ومنیٰ کے فرزند، اے فاطمہ زہراءؑ کے دلبند، اے

محمد مصطفیٰؐ کے بیٹے!

جب سب لوگ رو رہے تھے تو یزید خاموش بیٹھا تھا۔ صاحب فصول المہمہ لکھتے ہیں: (فَجَعَلَت فَاطِمَۃ وَسَکِینَہ تتطا وَلان لِتَّنظَرَ اِلَی الرَّاسِ وَجَعَلَ یَزِیدُ تَستُرہ عَنھمَا) جناب فاطمہؑ اور جناب سکینہؑ اُٹھ اُٹھ کر کوشش کر رہی تھیں کہ بابا کے سر کو ایک مرتبہ دیکھ لیں اور یزید کی کوشش تھی کہ سر کو ان کی نظروں سے چھپائے رکھے کہ اچانک ان دونوں بیٹیوں کی نظر باباؑ کے سر پر پڑ گئی۔ ایک مرتبہ فریادیں اُٹھیں اور بین بلند ہوئے اور گریہ و زاری سے ماحول غم زدہ ہو گیا۔ تمام عورتوں میں حتیٰ کہ یزید کے گھر کی عورتوں میں بھی کہرام مچ گیا۔

اہلِ بیتؑ کی یزید کے دربار میں پیشی (بروایت انوار نعمانیہ و منتخب التواریخ)

ان دونوں کتابوں میں ہے کہ مستورات اور بچوں کو ایک ہی رسی میں باندھا ہوا تھا اور اس رسی کا ایک سرا زجر بن قیس ملعون کے ہاتھ میں تھا۔ وہ انہیں وہاں کھینچتے ہوئے لایا اور یزید کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جوں ہی یزید کی نظر ان قیدیوں پر پڑی تو ایک ایک کے بارے میں سوال کرتے ہوئے کہنے لگا: مَن ھٰذِہٖ یہ بی بی کون ہے؟ یہ بی بی کون ہے؟ اسے بتایا جاتا رہا: حَتّٰی اَقبَلَت اِمرَءَ ۃَ تَستَرَوَجھِھَا بِزَندِھَا لِاَنَّہٗ لَم یَکُن لَھَا خِرقَۃٌ تَستُروجُھھَا "حتیٰ کہ اس کی نظر ایک ایسی مستور پر پڑی کہ وہ اپنے چہرے کو ہاتھوں اور کلائیوں سے چھپائے ہوئے تھیں کیونکہ کپڑا اس قدر نہ بچا تھا کہ اپنے چہرے کا پردہ کر سکتیں اور شاید اس بی بی کی آستینیں بھی جل چکی تھیں"۔

یزید نے پوچھا: مَن ھٰذِہٖ الَّتِی لَھَا سَتَرَاَیَن یہ بی بی کون ہے جو اپنے ہاتھوں سے چہرہ کا پردہ بنائے ہوئے ہے؟

جواب ملا: ھٰذِہٖ سَکِینَۃُ بِنتَ الحُسَین یہ سکینہؑ خاتون ہے جو امام حسینؑ کی ناز پروردہ ہیں۔

یزید نے پوچھا: اَنتِ سَکِینَۃ؟ کیا تو سکینہؑ ہے؟

بی بی اس سوال و جواب سے اس قدر دکھی ہوئیں کہ گریہ گلوگیر ہو گیا اور آنسو بارش کی طرح برسنے لگے۔ آپؑ اتنا روئیں کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ روح ابھی پرواز کر جائے گی۔

یزید نے پوچھا کہ اس قدر زیادہ گریہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟

بی بیؑ نے فرمایا: کَیفَ لَا تَبکِی مَن لَیسَ لَھَا سَترٌ "وہ کیوں نہ روئے جو ننگے سر نامحرموں کے درمیان کھڑی ہو اور کوئی چادر نہ ہو کہ اپنے چہرے کو تم اور ان درباریوں سے چھپا سکوں"۔

فَبَکٰی یَزِید لَعنَہ اللّٰہ وَاَھلِ مَجلِسِہٖ "اس وقت باوجود یزید اپنی قساوتِ قلبی رو پڑا اور اس کے رونے سے تمام

اہلِ دربار بھی رو پڑے"۔

پھر یزید کہنے لگا: خدا پسرِ مرجانہ کو تباہ کرے، اس نے آلِ رسولؐ پر اس قدر ظلم کیا ہے۔

یزید نے جنابِ سکینہؑ سے کہا: يَاسَكِينَةُ اَبُوكِ الَّذِي كَفَرَ حَقِّي وَقَطَعَ رَحِمِي وَنَازَعَنِي فِي مُلْكِي "اے سکینہؑ! جب تمہارے باپ نے میرے حق کا انکار کیا اور قطع رحم کیا اور میرے ساتھ خلافت میں تنازعہ کیا۔ پھر یہی نتیجہ نکلنا تھا جو تم دیکھ رہی ہو"۔

بی بیؑ کا دل یزید کی سرزنش سے دل خون ہوگیا اور فرمایا: اے یزید! کیا تم میرے باپ کے قتل ہونے پر خوشی منا رہے ہو؟

لَا تَفْرَح بِقَتْلِ اَبِي فَإِنَّهُ كَانَ مُطِيعًا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ دَعَاهُ اللّٰهُ وَاَجَابَهُ اے یزید! خوشی مت کرو میرے باپ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں تھے، ان کو اللہ نے بلایا اور انھوں نے لبیک کہا اور کامیاب ہوگئے اور تجھے خدا کو جواب دینا ہوگا۔

یزید نے کہا: اے سکینہؑ! خاموش ہوجاؤ تمہارے باپ کا یہ حق نہ تھا کہ مجھ سے جھگڑا کرتا۔ پس ایک شخص اُٹھا اور کہنے لگا:

يَا يَزِيد هَبْ لِي هٰذِهِ الجَارِيَةَ مِنَ الغَنِيمَةِ لِتَكُونَ خَادِمَةً عِندِي

اے یزید! یہ کنیز مجھے بخش دو تا کہ میری خدمت گار بن جائے اور اس نے اشارہ جنابِ سکینہؑ بنت الحسینؑ کی طرف کیا۔

امام حسینؑ کی بیٹی نے جب یہ سنا تو اپنی پھوپھی اُم کلثومؑ کے دامن سے لپٹ گئیں اور آنسو بہاتے ہوئے عرض کیا: يَا عَمَّتَاهُ أَتَرِيدُ نَسلَ رَسُولِ اللّٰهِ يَكُونُونَ مَمَالِيكًا لِلاَدعِيَا؟ "اے پھوپھی اماں! کیا آج تک آپؑ نے کہیں دیکھا یا کبھی سنا کہ پیغمبرؐ کی اولاد کو کسی زنازادے نے اپنی کنیزیں بنایا ہو؟

جنابِ اُم کلثومؑ بنت علیؑ اس ملعون عرب پر غضبناک ہوئیں اور فرمایا: اُسكُت يَا لكع الرِّجَالِ قَطَعَ اللّٰهُ لِسَانَكَ وَاَعمٰى عَينَيكَ وَاَيبَسَ يَدَيكَ "اے پست اور گھٹیا خاموش ہوجا اور بکواس بند کر، اللہ تیری زبان کاٹ دے، تیری آنکھیں اندھی ہوجائیں کہ تیری نظر اولادِ پیغمبرؐ پر نہ پڑسکے اور ہاتھ خشک ہوجائیں جن سے تو نے ہماری طرف اشارہ کیا ہے"۔

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم! فَوَاللّٰهِ مَا استَتَمَّ كَلَامَهَا حَتّٰى اَجَابَ اللّٰه دَعَائِهَا "ابھی بی بیؑ کی کلام ختم نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو پورا کردیا"۔

اس ملعون کی چیخ نکلی اور اس نے اپنی زبان کو اپنے دانتوں سے کاٹ لیا، اس کے ہاتھ اس کی گردن سے چمٹ گئے

اور آنکھیں اندھی ہوگئیں۔

جنابِ اُم کلثومؑ نے فرمایا: اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی عَجَّلَ عَلَیکَ العَقُوبَۃَ فِی الدُّنیَا قَبلَ الآخِرَۃِ "خدا کی حمد ہے کہ اُس نے آخرت سے پہلے دنیا میں تجھ پر عذاب نازل کردیا ہے اور یہ جزا ان لوگوں کی ہے جو پیغمبرؐ کی بیٹیوں سے متعرض ہوتے ہیں"۔

زُہیر عراقی کا واقعہ

تاریخ کامل فی السقیفہ میں ہے کہ ایک دن یزید کا دربار بھرا ہوا تھا اور اس نے آلِ محمدؐ کے قیدیوں کو دربار میں بلایا اور سرِ مطہر کو اپنے سامنے رکھ کر اس کی جو توہین کرسکتا تھا، کی جب کہ قیدی ایک طرف کھڑے تھے۔ اسی اثناء میں زُہیر عراقی دربار میں داخل ہوا۔ یہ شخص مسخرہ اور بدزبان تھا۔ اس کی نظر آلِ محمدؐ کے قیدیوں پر پڑی اور جب اُم کلثومؑ کو دیکھا تو یزید سے کہا:

یَا اَمِیرَ المُؤمِنِینَ ھَب لِی ھٰذِہِ الجَارِیَۃَ "اے یزید یہ کنیز مجھے بخش دو تا کہ میری خدمت کرتی رہے" اور اشارہ جنابِ اُم کلثومؑ کی طرف کیا۔

جنابِ اُم کلثومؑ نے غضبناک ہوکر فرمایا: اِقصِر یَدَکَ عَنَّا قَطَعَھَا اللّٰہُ "کہ ہم سے اپنے ہاتھ کو دُور کر، اللہ تیرے ہاتھوں کو قطع کرے"۔

بی بی کے جھڑکنے سے زُہیر کے بدن میں لرزا پیدا ہوگیا اور وہ حیران ہوکر حاضرین مجلس سے پوچھا کہ یہ قیدی عربوں کے کس قبیلے کے ہیں کہ عربی میں کلام کررہے ہیں۔ ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر تو میں نے خیال کیا تھا کہ یہ کافر یا ترک و دیلم کے قیدی ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: اے شخص! یہ عام مستورات نہیں بناتِ رسولؐ ہیں، جنابِ زہراءؑ کی بیٹیاں ہیں مگر تمہارے امیر نے انھیں قید کیا اور نامحرموں کے ہجوم میں پھرایا ہے۔

جب اس زہیر عراقی کو حقیقتِ حال کا علم ہوا تو دربار سے باہر نکل گیا اور بہت رویا اور کسی سے خنجر لیا اور وہ ہاتھ کاٹ دیا جس سے جنابِ اُم کلثومؑ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ پھر اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ میں اُٹھایا جب کہ دائیں ہاتھ سے مسلسل خون جاری تھا۔ وہ دربار میں آیا اور جناب امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میں معافی مانگنے آیا ہوں، میری معافی کو اپنے کرم وجود کی وجہ سے قبول فرمایئے۔

بخدا! میں آپؑ کو نہ پہچانتا تھا، میرے جرم سے درگزر فرمائیں اور معاف فرمائیں۔ تحقیق خدا نے آپؑ کی پھوپھی کی

دعا قبول کرلی اور میرا ہاتھ کٹ گیا ہے۔ چونکہ یہ خانوادہ کریم گھرانہ تھا اس لیے اس زُہیر کی معذرت قبول کرلی، اسے معاف کردیا کیونکہ اس نے یہ سب کچھ انجانے میں کیا تھا۔

پس زہیر اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰه اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰه اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰه کہتا ہوا دربار سے نکلا اور ایسا غائب ہوا کہ کسی نے اس کا نشان تک نہیں دیکھا۔

یزید کی بے حیائی اور باطن کی عکاسی

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے امالی میں جناب فاطمہ بنت علیؑ سے روایت کی ہے کہ بی بیؑ نے فرمایا: جب ہمیں دربارِ یزید میں اس ملعون کے سامنے کھڑا کیا گیا اور وہ ہماری حالتِ زار پر (ظاہری طور پر) رقّت کرنے لگا تو مہربانی اور نرمی سے بولنے لگا۔ اس کے بعد ایک شامی بے وقوف بن کر اُٹھا اور کہا:

يَا اَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَبْ لِي هٰذِهِ الْجَارِيَةَ وَكُنْتُ جَارِيَةَ وَصِيئه...... الخ ''اے یزید! مومنوں کے امیر! یہ کنیز مجھے بخش دے......''

میں اس ملعون کا یہ جملہ سن کر ڈر گئی اور کانپنے لگی کہ اب یزید یہ کام بھی کرنے والا ہے۔ فَاَخَذْتُ بِثِيَابِ اُخْتِي وَهِيَ اَكْبَرُ مِنِّي وَاعقل اسی خوف کے بارے اپنی بڑی بہن کے کپڑوں سے لپٹ گئی تو میری بڑی بہن نے اس شامی کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: كَذَبْتَ وَاللّٰهِ وَلَعَنْتَ مَا ذَاكَ لَكَ وَلَالَهُ ''کہ تو نے جھوٹ بولا ہے اور خدا کی قسم! تو لعنتی ہے یہ کام نہ تو کرسکتا ہے اور نہ ہی یزید میں یہ کام کرنے کی طاقت ہے''۔

یزید غضبناک ہوا اور کہا: بَلْ كَذَبْتِ وَلَعَنْتِ تو جھوٹ بول رہی ہے، اگر میں تمہیں کسی کی کنیزی میں دینا چاہوں تو کوئی مجھے روکنے والا نہیں''۔

میری بہن نے فرمایا: خدا کی قسم! نہیں، خدا نے یہ لکھا ہی نہیں کہ تو عترتِ طاہرہ کے بارے یہ کام کرسکے۔ لیکن اگر اس دین وملت سے خارج ہوجائے تو پھر اور بات ہے۔

یزید پھر غضبناک ہوا اور اپنی بے حیائی کی انتہا کرتے ہوئے کہا: اِنَّمَا خَرَجَ مِنَ الدِّيْنِ اَبُوكَ وَاَخُوكَ کہ ''دین سے تم خارج ہوچکے ہو اور تمہارا باپ اور بھائی''۔

میری بہن نے فرمایا: تجھے تو ہدایت بھی میرے ناناؐ اور باباؑ کے دین سے ہوئی۔

یزید نے کہا: اے اللہ کی دشمن! تم جھوٹ بول رہی ہو۔ پھر اس ملعون نے گالیاں بکنا شروع کردیں۔

میری بہن نے دیکھا کہ اب کوئی چارہ نہیں تو فرمایا: اَمِیر تَشتُم ظَالِمًا وَتَقهَر سُلطَانًا کیا کروں تو امیر ہوگیا اور ہم قیدی ہوگئے، تو گالیاں دے رہا ہے اور ظلم کر رہا ہے تجھے اختیار ہے جو کہنا چاہتا ہے کہتا رہے"۔

فاطمہؑ بی بی نے فرمایا کہ شاید اس لعنتی یزید کو شرم آ گئی اور وہ خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد پھر اس بے وقوف شامی شخص نے اپنی خواہش کا اظہار کیا: اے یزید! یہ کنیز مجھے بخش دے۔

یزید نے اس شامی کو غضبناک ہوکر جھڑک دیا اور کہا: اَعزُبْ وَهَبَ اللّٰه حَتفًا قَاضِيًا "دفع ہوجاؤ خدا تجھے اچانک موت دے"۔

شیخ مفید ارشاد میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت جنابِ فاطمہؑ بنت حسینؑ سے ہے لیکن روایت میں اَخَذتُ بِثِيَابِ اُختِي کی بجائے بِثِيَابِ عَمَّتِي ہے۔

دربارِ یزید میں جنابِ زینبؑ کا خطبہ

اب جہاں مجلسِ شبیرؑ بپا ہوتی ہے
خلقِ شبیرؑ کو زینبؑ کے عوض روتی ہے

مرحوم شیخ صدوق امالی میں جنابِ سکینہؑ سے روایت کرتے ہیں کہ بی بیؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے کائنات میں یزید سے زیادہ سخت دل کسی کو نہیں دیکھا اور کوئی کافر ومشرک یزید سے زیادہ جفا کار اور شریر نہ پایا کیونکہ ہمارے سامنے خیزران کی چھڑی ہے، وہ میرے بابا کے لبوں اور دانتوں پر مارتا تھا اور یہ شعر پڑھتا تھا:

لَيتَ اَشيَاخِي بِبَدرٍ شَهِدُوا جزع الخزرج من وقع الاسل
لَاهَلُّوا وَاستَهلُّوا فرحًا ثُمَّ قَالُوا يَايَزِيدُ لا تَشَلُ

کاش میرے بدر والے بزرگ آباء ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے ان کا کیسا بدلہ لیا ہے! اگر وہ ہوتے تو خوش ہوتے اور کہتے: یزید تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں"۔

اس مقام پر جنابِ زینبؑ بنت علیؑ کی برداشت کی حد ختم ہوگئی اور صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، آپؑ اُٹھیں اور مجمع عام میں یزید کو مخاطب کر کے ایسا خطبہ دیا جو بڑا فصیح و بلیغ تھا، جس میں یزید کی توبیخ اور تشنیع تھی۔:

زینبؑ عالیہ فرماتی ہیں خطبہ ارشاد حاضرین روتے ہیں سن سن کے ستم کی روداد
غم سے بیتاب جو ہوتا ہے سرِ شاہِ زمنؑ بند آنکھیں کیے روتا ہے سرِ شاہِ زمنؑ

یہ خطبہ صاحب لہوف (سید بن طاؤس) نے یوں نقل کیا ہے:

فقالت الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ علی رسولہ وآلہ اجمعین صدق اللہ کذلک یقول ثم کان عاقبۃ الَّذِینَ اَسَاؤُ السُّوائَ اَن کَذَّبُوا بِآیَاتِ اللّٰہِ وَکَانُوا بِھَا یَستَھزِؤُنَ اَظَنَنتَ یَا یَزِید حَیثُ اَخَذتَ عَلَینَا اَقطَارَ الاَرضِ وَآفَاقَ السَّمَاءَ فَاَصبَحنَا نُسَاقُ کَمَا تُسَاقُ الاُسَرَاءِ اَنَّ بِنَا ھُوَ اَنَّا عَلَی اللّٰہِ وَبِکَ عَلَیہِ کَرَامَۃٌ وَ اِن ذٰلِکَ لِعَظِمِ خَطرِکَ عِندَہُ فشمخت بِاَنفِکَ وَنَظَرتَ فِی عِطفِکَ جَذلَانِ مَسرُوراً حِینَ رَأَیتَ الدُّنیَا لَکَ مُستَوثِقَۃُ وَالاُمُور متسقۃ وَحِینَ صَفالکَ مَلَکنَا وَسُلطَاتنا فَمَھلاً مَھَلاً انسیتَ قَولَ اللّٰہ تعالٰی وَلَا یَحسَبَنَّ الَّذِینَ کَفَرُوا اِنَّمَا نُملِی لَھُم خَیرٌ لِانفسِھِم اِنَّمَا نُملِی لَھُم لِیَزدَادُوا اِثمًا وَلَھُم عَذَابٌ مُھِینٌ امن عَدلِ یَابنَ الطُّلَقَاءَ تَخدِیرُکَ حَرَائِرَکَ وَ اِمَائِکَ وَسَوقُکَ بَنَات رَسُولِ اللّٰہ سَبَایَا

معظمہ بی بی نے حمد وثنا کے بعد فرمایا: اے یزید! تو اپنے آپ کو بادشاہ اور سلطان سمجھتا ہے، کیا یہ عدالت ہے کہ اپنی عورتوں کو پشتِ پردہ میں بٹھایا ہوا ہے لیکن رسولؐ کی بیٹیوں کو تو ننگے سر اور ننگے پاؤں نامحرموں میں لایا ہے؟

وَقَد انتھکت سَتُورھُنَّ وَاَبدَیتَ وَجُوھھُنَّ تَحدوبِھِنَّ الاَعدَاءَ بَلَدٍ اِلٰی بَلَدٍ ویستشر فھن اَھلِ المناھل والمناقل وَیَتَصَفَّحُ وَجُوھھُنَّ القَرِیبُ وَلبَعِید وَالدَّنِی وَالشَّرِیف لَیسَ مَعَھُنَّ مِن رِجَالِھِنَّ وَلِی لَامِن حَمَاتِھِنَّ حَمی

"اے ظالم! تو نے آلِ رسولؐ کی حرمت کا پردہ اُتار دیا، ان کے چہروں کو دوستوں اور دشمنوں سب کے سامنے عریاں کیا اور شہر بہ شہر میں پھرایا، آلِ رسولؐ کو قریب اور بعید یعنی شہری اور بیابانی، پست فطرت اور شریف سب نے ان کے چہروں کو دیکھا، ہر زن و مرد نے دیکھا، ان کا کوئی مرد اور مددگار باقی نہیں رہا جو اپنے شہیدوں کے خون کا مطالبہ کرے اور مظلوم عورتوں کی حمایت کرے"۔

وَکَیفَ یُرتَجٰی مُرَاقِبَۃ مَن لَفَظَ فُوہُ اَکبَادَ الاَزکِیَاء وَنَبتَ لَحمُہُ بِدِمَاء الشُّھَدَاء

"اس شخص سے اچھائی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جو ان کا بیٹا ہو جنہوں نے بزرگانِ اسلام کے جگر کو چبانے کے بعد پھینک دیا ہو (ہند مراد تھی جو یزید کی دادی ہے جس نے حضرت حمزہؓ کے جگر کو چبایا تو وہ پتھر ہو گیا اور اس کے دانت کام نہ کر سکے تو اس نے پھینک دیا)۔ ایسے شخص سے کیا توقع کی

جاسکتی تھی جو اس کا بیٹا ہے جس کا گوشت پوست شہداء کے خون بہانے سے پیدا ہوا ہو"۔

كَيفَ يُستَبطَاءُ فِي بُغضِنَا اَهلَ البَيتِ مَن نَظَرَ اِلَينَا بِالشَّنَفِ وَالشَّنَانِ وَالآحِنِ وَالاضغَانِ

"اور ایسا شخص بغضِ اہلِ بیتؑ کب چھوڑ سکتا ہے جو ساری زندگی ہمیں بغض، کینہ اور عداوت سے دیکھتا رہا ہے"۔

ثُمَّ تَقُولُ غَيرَ متاثِم وَلَا مُستَعظم وَاَهَلُّوا وَاستَهَلُّوا فَرحًا ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تَشَل مُنحنيا عَلٰى ثَنَايَا اَبِى عَبدِاللّٰهِ سَيِّدَ شَبَابِ اَهلَ الجَنَّةَ تَنكَثهَا بِمَحصرتك

"پھر تو جرأت اور جسارت سے کہتا ہے گویا تو نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا اور اپنے عمل کو برا نہیں سمجھا، تو کہتا ہے اے کاش! میرے بدر والے بزرگ ہوتے تو دیکھتے کہ کیسے آلِ علیؑ سے بدلہ لیا ہے تو وہ تجھے شاباش دیتے اور کہتے کہ یزید تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں۔ پھر تو جھک کر میرے بھائی حسینؑ کے لبوں اور دانتوں پر چھڑی سے مارتا ہے اور اس چھڑی پر ٹیک لگاتا ہے حالانکہ حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں"۔

وَكَيفَ لَا تَقُولُ ذٰلِكَ وَقَد نَكَاتَ القُرحَةَ وَاستَاصَلتَ الشَّافَةَ بِاِرَاقَتِكَ دِمَاءَ ذُرِّيَّةِ مُحَمَّدٍ وَنَجُومِ الاَرضِ مِن آلِ عَبدِالمطلب

"تو ایسی باتیں نہ کر، حالانکہ تو نے پرانے زخموں کو تازہ کر دیا اور ان زخموں کو بکھیر دیا جب سے تو نے آلِ اولادِ عبدالمطلب کے ستاروں اور پیغمبرؐ خدا کی ذریت کے خون بہائے ہیں"۔

وَتَهتِفُ بِاَشيَاخِكَ زَعَمتَ اَنَّكَ تُنَادِيهِم فَلَتَرِدَنَّ وَشِيكًا مَورِدُهُم وَلَتَودنَ اِنَّكَ شَلَلتَ وَبَكِمتَ وَلَم تَكُن قُلتَ مَا قُلتَ وَفَعَلتَ مَا فَعَلتَ

"تو اپنے مشائخ کو ندا کر رہا ہے، کیا تو سمجھتا ہے کہ وہ تیری آواز سنتے ہیں اور بہت جلدی تم ان سے ملحق ہو جاؤ گے اور جہاں وہ ہیں تو بھی وہاں پہنچ جائے گا۔ اس وقت تیری آرزو ہوگی کہ کاش تیرے ہاتھ نہ ہوتے اور تو یہ کام نہ کرتا جو تو نے کیا ہے، اور تیری زبان بند ہوتی، گونگا ہوتا اور وہ کچھ نہ کہتی جو کہہ چکی ہے"۔

پھر بی بی پاکؑ نے بددعا اور نفرین کی اور خدا کے حضور عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ خُذ حَقَّنَا وَانتَقِم مِمَّن ظَلَمنَا وَاحلُل غَضَبَكَ فِي حَقٍّ مِن سَفُكِ لَنَا دِمَائَنَا وَقَتلِ حُمَاتِنَا

اے اللہ کریم! ہمارا حق ان سے لے اور ظالموں سے انتقام لے اور ان پر غضب کر جنہوں نے ہمارے خون بہائے اور ہمارے حامی قتل کر دیئے"۔

پھر فرمایا:

فَوَ اللّٰهِ مَا فَرَيتَ إِلَّا جِلدَكَ وَلَا جَزَرتَ إِلَّا لَحمَكَ وَلَتَرُدَّنَّ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ بِمَا تَحمَلَت مِن سَفكِ دِمَاءِ ذُرِّيَّةِ وَانتَهَكتَ مِن حُرمَتِهِ فِي عِترَتِهِ وَلَحمَتِهِ حَيثُ يَجمَعَ اللّٰهُ شَمَلَهُمَ وَيَلُمَّ شَعثَهُم وَيَاخُذَ لَهُم بِحَقِّهِم

"اے یزید! خدا کی قسم! یہ گمان نہ کرنا کہ تو نے صرف ہم پر ظلم کیا ہے۔ خدا کی قسم! تو نے اپنی جلد کو پھاڑا ہے اور اپنا گوشت کاٹا ہے۔ جب تو رسولؐ خدا کے سامنے اس حالت میں وارد ہوگا کہ تو نے ان کی ذُریت کا خون بہایا ہوگا، ان کی عترت کی ہر جگہ توہین کی ہوگی اور رسولؐ خدا کے جگر گوشوں کو آگ میں جلایا ہوگا تو کیا جواب دے گا؟ اور رسولِ پاکؐ ہمارے چہروں کو اپنی آستینِ رحمت سے صاف کریں گے اور ہمارا انتقام لیں گے پس تو نے اپنا نقصان کیا ہے"۔

وَلَا تَحسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَموَاتًا بَل اَحيَاءٌ عِندَ رَبِّهِم يُرزَقُونَ

"ہرگز یہ گمان ہی نہ کرو کہ شہداء مر گئے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہے اور اپنے رب سے خصوصی رزق کھاتے ہیں"۔

وَحَسبُكَ بِاللّٰهِ حَاكِمًا وَبِمُحَمَّدٍ خُصِيمًا وَجِبرَائِيل ظَهِيرًا وَسَيَعلَمُ مَن سَوَّلَ لَكَ وَمكنَّكَ فِي رِقَابِ المُسلِمِينَ بِئسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا وَاَيُّكُم شَرٌّ مَكَانًا وَاَضعَفُ جُندًا

"تیرے لیے خدا کا حاکم ہونا ہی کافی ہے اور محمد مصطفیٰؐ کی دشمنی تیرے لیے بہت ہوگی اور جبرائیلؑ محمد مصطفیٰؐ کے روزِ قیامت مددگار ہوں گے اور بہت جلد اس کو بھی سزا مل جائے گی جس نے تجھے اس مسند پر بٹھایا ہے اور تجھے مسلمانوں کی گردن پر سوار کیا ہے۔ اس کا بُرا ٹھکانا ہوگا"۔

پھر فرمایا:

وَلَئِن جَرَّت عَلَى الدَّوَاهِي مُخَاطِبَتُكَ اِنِّي لَاَستَصغِرُ قَدرَكَ وَاستَعظِمُ تَقرِيعَكَ

وَاَستکثر تَوبِیخَکَ

''اے یزید! اگرچہ زمانے کے حالات نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا کہ میں تجھ جیسے کے نجس دربار میں کھڑی تجھ سے مخاطب ہوں لیکن میں تجھے کچھ نہیں سمجھتی اور تجھے بہت جھوٹا کردوں گی اور تیری سرزنش کو بُرا کروں گی، تیرے افعال کی توبیخ کروں گی، اگرچہ میں جانتی ہوں کہ میری نصیحت تجھ پر اثرانداز نہیں ہوگی لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ تیرے تجاوزات بہت زیادہ ہیں جن کی وجہ سے آنکھیں آج ہی آنسو بہا رہی ہیں اور سینوں میں ایسا درد ہے جو انسان کو بولنے میں کمزور کردیتا ہے''۔

اَلاَ فَالعَجَبُ کُلَّ العَجَب لِقَتلِ حِزبِ اللّٰہ الاَتقِیَاءِ الشُرفَاءِ النُّجبَاء بِحِزبِ الشَّیطَانِ الطُّلَقَاءِ

عجب بالائے عجب تو یہ ہے کہ حزب اللہ کے افراد جو پاکیزہ، شرفاء اور نجیب تھے، کو حزبِ شیطان کے ہاتھوں شہید ہو گئے''۔

فَھٰذِہٖ الآیدِی تَنطِفُ مِن دَمَائِنَا وَالاَفوَاہ تَتَحَلَّبُ مِن لُحُومِنَا وَتِلکَ الجثث الطَّوَاھِر الزَّواکی تنتابھَا العَواسِل وتعفرھا اُمَّھات الفواعل

''الٰہی! تمام ہاتھوں سے ہمارے خون کے قطرے گر رہے ہیں اور آپ کے منہ سے گوشت گر رہا ہے۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ ہمارے پاک و پاکیزہ جوانوں کی لاشیں صحرا میں بغیر کفن و دفن کے چھوڑ دی گئی ہیں تاکہ درندے ان کی توہین کریں۔

اے یزید! اگر تو بناتِ رسولؐ اور اولادِ فاطمہؑ کو مالِ غنیمت شمار کرتا جاتا ہے تو جان لے کہ بہت جلدی ہم تمہارے لیے گراں ہوں گے۔ جب بروزِ قیامت تیرے پاس کچھ نہ ہوگا اور خدا بندوں پر ظلم نہیں کرتا، میں اپنی شکایت خدا کے پاس کرتی ہوں اور مجھے اس ذات پر اعتماد ہے''۔

فَکِد کَیدَکَ وَاسعَ سَعیَکَ وَنَاصِبُ جُھدَکَ فَوَاللّٰہِ لَا تَمحُوا ذِکرَنَا وَلَا تُمِیتُ وَحینَا وَلَا تُدرِکَ آمَدنَا وَلَا تَرحَضُّ عَنکَ عَارَھَا

''اے یزید! تو مکر کرنا چاہتا ہے کرلے اور جو ظلم کرنا چاہتا ہے کرلے۔ اپنی پوری کوشش کر جو کرسکتا ہے لیکن خدا کی قسم! تو ہمارا نام صفحہ ہستی سے نہیں مٹا سکتا اور ہمارے ذکر کو نہیں مٹا سکتا اور ہمارے

زندہ نام کو نہیں مار سکتا اور ہماری فضیلت کو درک بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تیرے کردار کا ننگ اور تیرے اعمال کی ذلت کو اپنے سے دُور نہیں کر سکتا"۔

هَل رَأيكَ إلَّا فَنَدٌ أيَّامَكَ إلَّا عَدَدٌ وَجَمعَكَ إلَّا بَدَدٌ يَومَ يُنَادِي المُنَاد الَا لَعنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِينَ

"اے یزید! تیرا نظریہ بہت کمزور ہے، تیرے ایام بہت تھوڑے ہیں اور تیرے اردگرد کا اجتماع چند دنوں کا ہے"۔

وَالحَمدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَتَمَ لِاَوَّلِنَا بِالسَّعَادَةِ وَالمَغفِرَة وَلِآخِرِنَا بِالشَّهَادَةِ وَالرَّحمَةِ وَنَسئَلَ اللهَ اَن يُكَمِّلَ لَهُمُ الثَّوَابَ وَيُوجِبَ النُّهَمَّ المَزِيد وَيَحسِنُ عَلَينَا الخِلَافَةَ اِنَّهُ رَحِيمٌ وَدُودٌ وَحَسبُنَا اللهُ وَنِعمَ الوَكِيلِ

"حمد و شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے سلسلے کو سعادت اور مغفرت سے نوازا اور آخری سلسلے کو شہادت و رحمت عنایت فرمائی۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے گذشتہ مرحومین کا ثواب کامل کردے اور پسماندگان کے لیے خلافت نصیب فرمائے اور وہ اللہ رحیم و کریم ہے"۔

جب یہ خطبہ یزید نے سنا تو جواباً یہ شعر پڑھا:

يَاصَيحَةً تَحمَدُ مِن صَوائِح
مَا اَهوَنَ المَوتَ عَلَى النَّوائِح

"یعنی کسی داغ دار اور دکھی کی فریاد بہت اچھی ہوتی ہے اور عزادار کے سامنے موت بڑی آسان چیز ہوتی ہے"۔

پھر یزید نے اہلِ شام سے مشورہ لیا اور پوچھا کہ دیکھا تم نے اور سنا تم نے کہ اس دکھی اور غم زدہ عورت نے مجھے کیا کہا: اب تم بتاؤ گے کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ ان لعین شامیوں نے صرف یزید کی خوشامد کی خاطر کہا کہ ان تمام عورتوں اور بچوں کو قتل کردے تا کہ تجھے آسودگی اور راحت مل جائے لیکن نعمان بن بشیر اپنی کرسی سے اُٹھا اور کہا:

اَيُّهَا الاَمِيرُ اُنظُر مَا كَانَ الرَّسُولُ يَصنَعَهُ بِهِم فَاصنَعهُ بِهِم

"اے امیر! قیدیوں سے جو سلوک رسولؐ پاک کرتے تھے تو بھی ان سے وہی سلوک کر"۔

یزید نے غضبناک ہو کر دخترِ علیؑ کی طرف دیکھا تو درباریوں کو یقین ہو گیا کہ اب یہ جنابِ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کو

قتل کرادے گا۔ اُس وقت عمرو عاص کا بیٹا عبداللہ اپنی کرسی سے اُٹھا، وہ تختِ یزید کے نزدیک آیا اور تختِ یزید پلید کو بوسہ دے کر کہا:

إِنَّ الَّذِی كَلَّمَتَكَ لَيسَ شَیءٌ تَأخُذُ بِهِ فَسَكَنَ غَضَبُهُ

''جس بی بی نے تمھیں تیز و تند سنائی ہیں ان سے انتقام لینا مناسب نہیں کیونکہ وہ داغ دیدہ اور ستم رسیدہ ہے اور اپنے جگر کے دردوں کی وجہ سے اپنے غم کی بھڑاس نکال رہی ہے۔ آخر ان کا اتنا بڑا نقصان ہوا ہے۔ پس یزید کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا''۔

یزید ملعون سے امام سجادؑ کی گفتگو

مرحوم ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ جب اُسراء کو دربارِ یزید میں لایا گیا تو یزید نے جنابِ زینبؑ سے کہا: جو کہنا چاہتے ہو، کہو۔

بی بیؑ نے فرمایا: تیرے ساتھ امام زین العابدینؑ کلام کریں گے، پھر امامؑ نے فرمایا: تو ہم سے یہ امید نہ رکھ کہ تو نے ہمیں ذلیل و خوار کیا ہے اور ہم تجھے عزت و اکرام دیں گے۔ اگر ہم تیری مذمت نہ کریں تو تو ہمیں زیادہ ذلیل و خوار کرے گا۔ خدا کی قسم! ہمارے دل کے اندر تمہاری کوئی حیثیت نہیں اور تمہاری ملامت اس لیے نہیں کرتے کہ تم ہمیں دوست نہیں رکھتے۔

یزید نے کہا: اے جوان! تم نے ٹھیک کہا ہے کیونکہ تمہارا دادا اور باپ حکومت لینے کی آرزو رکھتے تھے لیکن خدا نے ان کو قتل کردیا اور ان کے خون بہا دیے اور ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان دونوں کو قتل کردیا۔

امامؑ نے فرمایا: لَم یَزَلِ النَّبُوَّةَ وَالاِمرَةَ لِآبَائِی وَاَجدَادِی مِن قَبلَ اَن تَوَلَّدَ ''نبوت و امارت ہمیشہ ہمارے خاندان میں تھی اور اس وقت سے ہے کہ جب تو پیدا بھی نہ ہوا تھا''۔

میرے والد خلافت کے اہل تھے یا تو؟! حالانکہ میرے باپ تمہارے پیغمبرؐ کے بیٹے تھے۔ تو اپنی حکومت پر تکبر نہ کر کیونکہ خدا متکبرین کو پسند نہیں کرتا۔

یزید غضبناک ہوا اور جلاد کو حکم دیا کہ اس جوان کو قتل کر۔ جلاد آیا اور امامؑ کو ہاتھ سے پکڑا تو اہلِ بیتؑ کی فریادیں بلند ہوئیں۔ امام سجادؑ نے گریہ کیا اور رسولِ پاکؐ سے شکوہ کیا کہ اے جدّ بزرگوار اور اے رسولؐ تاجدار! میری مدد کریں، آپؐ کے حسینؑ کو انھوں نے قتل کردیا، آپؐ کی نسل کو پارہ پارہ کردیا ہے اور آپؐ کی بیٹیوں کو کنیزوں کی طرح ذلت و خواری سے قیدی

کر کے نامحرم لوگوں کے ہجوم میں پھراتے رہے۔

اے جدِّ بزرگوار! یہ مجھ بیمار، ناتواں اور کمزور کو ذلت سے قیدی بنا کر اور زنجیر پہنا کر شام لائے اور اب میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں اور کوئی میری سفارش کرنے والا نہیں ہے۔ تمام مستورات نے امامؑ کے اردگرد حلقہ بنا کر ماتم کیا۔

جنابِ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا: یَایَزِید المَلعون لَقَد اَرَوَیتَ الارضَ مِن دِمَاءِ اَهلَ البَیتِ وَلَم یَبق غَیرِ هٰذَا الصبی الصغیر ''اے یزید! تو نے اہلِ بیتؑ کے خون سے زمین کو رنگین کیا ہے اور اس جوان کے علاوہ ہمارا کوئی مرد نہیں بچا''۔ ثُمَّ تحلقت النِساءُ جَمِیعًا تَعلّق الشَفَقِی پھر چونسٹھ مستورات اور بچے بیمار سجادؑ کے دامن سے لپٹ گئے اور سب فریاد کر رہے تھے کہ ہائے افسوس! ہمارے مرد، جوان، سب قتل کر دیے گئے، عورتوں کو قید کر لیا گیا اور اب ایک جو باقی بچہ ہے اس پر بھی تلوار تان دی گئی ہے۔

قیدیوں کی آہ و زاری اور دکھی بینوں نے یزید کے جسم میں لرزہ پیدا کر دیا اور دربار میں بیٹھے لوگوں کی حالت غمگین ہوگئی۔ یزید کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں بغاوت نہ ہو جائے چنانچہ وہ قتلِ امام سجادؑ سے منصرف ہو گیا۔

اہلِ بیتؑ کا دربار خرابۂ زندان میں قید ہونا

یزید نے امام سجاد علیہ السلام کے قتل سے منصرف ہونے کے بعد حکم دیا کہ ان کے گلے سے زنجیر کھول دی جائے اور عورتوں کے بازوؤں سے رسیوں کو کھول دیا جائے اور ان کو دوبارہ زندان بھیج دیا جائے تاکہ میں بعد میں سوچ کر ان کے متعلق کوئی فیصلہ کر سکوں۔

علامہ مجلسی بحار میں فرماتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ کے مردوں سے بارہ افراد تھے، دربارِ یزید میں ان تمام کے گلے میں طوق اور زنجیر ڈالے گئے تھے۔ دربار سے واپسی پر زنجیر اتارنے کا حکم دیا گیا۔ صاحبِ کتاب ہذا کا بیان ہے کہ اہلِ بیتؑ کے ان بارہ قیدیوں کے نام کتب میں مذکور نہیں صرف امام سجاد اور امام باقر علیہما السلام جو چار سال کے تھے۔ عمر بن الحسین، حسن بن حسن اور عمر بن حسن کا تذکرہ ہے۔

بہرصورت مرحوم قزوینی نے ریاض الاحزان میں لکھا ہے کہ جب آلِ بیتؑ کو قتل ہونے سے نجات ملی تو دوبارہ اس خرابۂ زندان میں جس کی چھت نہ تھی لایا گیا۔ تمام مستورات اپنے جوانوں اور شہیدوں کی یاد میں تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔ ہر گوشہ میں تین چار عورتیں ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر اپنے شہیدوں پر آنسو بہاتی رہیں اور یتیم بچے اپنے زانوؤں پر ماتم کرتے رہے اور دل سے دکھی آہیں بھرتے رہے۔

مستورات اپنے جوانوں کے فراق میں آنکھوں سے بارش کی طرح آنسو بہا رہی تھیں اور حالت یہ تھی کہ تمام بیبیاں سفر کی تھکی ماندی تھیں، اُن کے رنگ اُڑے ہوئے تھے، چہرے زرد تھے، بدن کمزور تھے، تازیانوں سے جسم پر نیلے داغ تھے، بے خوابی اور گرسنگی کی وجہ سے انتہائی کمزوری ہوگئی، دلوں میں موت کی تمنا تھی، دنیا سے سیر ہوچکی تھیں اور خدا سے مناجات کرتی تھیں۔

خرابۂ شام کے زندان میں پریشانی

جب رات ہوئی اور تاریکی چھا گئی تو تمام غم اہلِ بیتؑ کے دلوں میں تازہ ہوگئے کیونکہ ایک طرف خرابہ کی دیواروں کے شگافوں اور دوسری طرف رات کی تاریکی کی وحشت سے بچے اور بچیاں خوف سے لرز رہے تھے۔ نہ بچھانے کے لیے فرش تھا کہ اس پر بیٹھ سکیں۔ نہ چراغ تھا کہ روشنی کرلیں، نہ پانی تھا کہ تشنگی دُور کرلیں۔ نہ کھانے کے لیے کوئی چیز موجود تھی۔

لَا طَعَامَ لَهُم وَلَا شَرَابَ لَهُم كَافٍ لَا فِرَاشَ لَا سِرَاجَ يَستَضيئون به وَلَا انس يستَانسونن۔ ...الخ

''غربت کی حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو کر بیٹھے تھے۔ اطاعت، عبادت اور نماز کے بعد مستورات نے بچے گود میں لیے اور سوز و گداز میں نوحہ پڑھنے لگیں۔ سب قیدی وحشت و اضطراب میں تھے کہ شاید خرابہ کی دیواریں اُوپر گر جائیں گی''۔

پس خدا جانتا ہے کہ کس مشکل سے اہلِ بیتؑ نے رات گزاری اور تمام مستورات اور بچوں کا درد جنابِ زینبؑ کبریٰ کو تھا۔ آپؑ پوری رات جاگتی رہیں اور بچوں اور مستورات کو تسلیاں دیتی رہیں۔

خلاصہ یہ کہ مخدراتِ عصمت نے یہ رات نوحہ و زاری میں گزار دی اور جی بھر کر اپنے شہیدوں پر روتی رہی کیونکہ اس سے پہلے سپاہی رونے بھی نہ دیتے تھے۔ اس زندان میں نگہبان نہ تھے لہٰذا تمام ماؤں اور بہنوں نے کھل کر عزاداری کی اور اپنے دل کے غم کو ذرا ہلکا کیا۔ جنابِ زینبؑ مرثیہ پڑھتی تھیں اور باقی سب روتے تھے۔

علامہ مجلسیؒ نے بحار میں بی بی پاکؑ کا یہ مرثیہ نقل کیا ہے۔

اَمَا شَجَاكَ يَاسَكَنُ قُتِلَ الحُسَين وَالحَسَن
ظَمآن مِن طُولِ الحُزنِ وَكُل وَغَدَنَا هَل
يَقولُ يَا قُومُ اَبِي عَلَى البَر الوَصِي

"یعنی اے مستورات! میرے بھائی روزِ عاشور غریب و تنہا تشنہ لبوں سے میدان میں کھڑے تھے اور فرماتے تھے: اے قوم! میرا باپ حیدرؑ وصی پیغمبرؐ ہے اور میری ماں فاطمہؑ شفیعہ یوم محشر ہے اور میں حسینؑ رسولؐ خدا کے دل کا چین ہوں، میری صرف ایک بات مان لو"۔

مَنّوا عَلٰی اِبنِ مُصطفٰی بِشَربَۃٍ تُحیی بِھَا
اَطفَالنَا مِنَ الظَّمَاءِ حَیثُ الفِرَاتِ سائلُ

"یعنی فرزندِ رسولؐ کی منت مانو اور میرے بچوں کو ایک گھونٹ پانی دے دو کہ ان کے جگر (پیاس سے) کباب ہوگئے ہیں، ان پیاس سے مرنے والوں کو پانی دو تاکہ وہ زندہ ہوجائیں"۔

قَالُوا لَہٗ لَامَاءَ لَنَا اِلَّا السُّیُوفُ وَالقَنَاء
فَانزِلِ بِحُکمِ الادَعِیَاء فَقَالَ بَل اَقاتِل

"ان ملعونوں نے میرے بھائی کے جواب میں کہا: اے حسینؑ! تیرے لیے ہمارے پاس پانی نہیں بلکہ نیزے اور تلواریں ہیں۔ لیکن اگر تو ابن زیاد (حرام زادے) کی بیعت کرے تو پھر (پانی دیں گے) ورنہ جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ"۔

میرے بھائی نے فرمایا کہ میں جنگ کے لیے حاضر ہوں اور پھر میرے بھائی نے اس قدر جنگ کی کہ میدان خالی ہوگیا لیکن ہاتفِ غیبی نے انہیں پھر روک دیا:

جَنّی اَتَاہُ مُشقِصٌ بِمَاءہُ وَعَدَ اَبرَصَ
مَن سَقَر لَا یُخلِص بِرجس دُعِیٌّ وَاغل

"پھر سہ شعبہ تیر ایک مبروص ملعون نے ایسا مارا کہ اسی تیر سے میرے بھائی زمین پر آگرے اور دشمنوں نے خوشی کا اظہار کیا"۔

خرابۂ شام میں دخترِ امام حسینؑ کی شہادت

زندان میں ستم رسیدہ اور داغ دیدہ اہلِ بیتؑ صبح و شام اپنے جوانوں پر گریہ و زاری کرتے تھے اور بیبیاں نوحہ کرتی تھیں اور کسی وقت بھی خاموش نہ ہوتی تھیں۔ جب عصر کا وقت ہوتا تو یتیم بچے زندان کے دروازے پر جا بیٹھتے اور شامیوں کو دیکھتے کہ شامی خوش و خرم اپنے بچوں کی انگلیاں پکڑے غذا اور پانی لیے اپنے گھروں کو جا رہے ہوتے اور پھر یہ بچے پُرشکستہ

پرندوں کی طرح اپنی پھوپھی کا دامن پکڑتے اور کہتے کہ پھوپھی اماں کیا ہمارا کوئی گھر نہیں، ہمارے باپ کہاں ہیں؟ ہم کب گھر جائیں گے؟

جنابِ زینب کبریٰ فرماتیں کیوں نہیں بیٹے! ہمارے گھر مدینہ میں ہیں، تمہارے بابا سفر پر گئے ہیں تو وہ بچے کہتے: پھوپھی جان! جو سفر پر جاتا ہے آخر وہ واپس تو آ جاتا ہے ہمارے بابا تو ابھی تک نہیں آئے۔ ان بچوں میں ایک بچی امام حسینؑ کی بیٹی تھیں جن کا نام فاطمہؑ تھا۔ ہجر و فراق کا درد لیے ہوئے، بابا کے سینے پر سونے کی عادی یہ بچی، تشنگی اور بھوک سے پریشان، سفر کی تکلیفیں اور ظالموں کے طمانچے اور تازیانے، بابا اور بھائی کے داغِ مفارقت، اُونٹوں پر نیزے لگنے سے جسم زخمی، کانوں کے زیور اُترنے سے کان زخمی، اپنی زندگی سے زیادہ غموں اور یتیمی نے اس بچی کو بہت متاثر کیا تھا۔ یتیمی اس کے سر و چہرہ سے ظاہر تھی۔

ایک رات بچی کے غم زیادہ ہو گئے اور وہ شدت سے مضطرب تھیں اور بار بار بابا کو یاد کرتی تھیں اور بابا کے جمال کی زیارت کی اور آرزو کرتی تھیں۔ یہ بچہ اگرچہ سن میں چھوٹی تھی لیکن اُن کی عقل کامل تھی اس لیے امامؑ کو بہت پیاری تھیں۔

فَالسِّبطُ بِهَا حُبًّا فَمَا زَالَت لَدَيهِ يَشَمُّهَا كَالوَرَدِ یعنی اس بچی کی محبت کا بابا کے دل میں ایک مقام تھا، ہمیشہ بابا کے پاس بیٹھتی اور امامؑ اپنی شیریں زبان بیٹی کو پھول کی مانند اپنی بغل میں لے لیتے اور چومتے بھی تھے اور خوشبو بھی لیتے تھے۔ وہ رات کو امامؑ کے پاس سوتی تھیں۔ جب وہ اپنے بابا کی بے سر لاش پر آئیں تو اپنی پیشانی کو بابا کے گلے سے نکلنے والے خون سے رنگین کر لیا اور عرض کیا: يَا اَبَتَهُ اِذَا اَظلَمَ اللَّيلُ فَمَن يَحمِي حِمَايَ ''بابا! اب جب رات ہو رہی ہے میں کہاں اور کس کے پاس سوؤں؟؟''

روزِ عاشورہ اس بچی کی حالت

تمام اصحاب اور احباب کی شہادت کے بعد جب امام علیہ السلام خیام میں آئے تا کہ سب سے وداع کریں تو کَانَ لِلحُسَينِ عليه السلام بِنتٌ عُمرُهَا ثَلٰث سَنَوَاتٍ فَجَعَلَ يُقَبِّلُهَا وَقَد نَشَفَتْ شَفَتَاهَا مِنَ العَطَشِ

حضرت امامؑ کی ایک بیٹی جو تین سالہ تھی، آئی اور دیکھا کہ باباؑ سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو باباؑ کے دامن سے پکڑا اور امامؑ نے بچی کو سینے سے لگایا اور پھول سے نازک چہرے کے بوسے لیتے اور کبھی بے آب غنچہ کی طرح مرجھائے ہوئے لبوں کو چوستے تھے اور جھولی میں بٹھا کر تسلیاں دیتے تھے''۔

اس مظلومہ نے باپ سے کہا: يَا اَبَتَهُ اَلعَطَش اَلعَطَش فَاِنَّ الظَّمَاءَ قَد اَحرَق ''بابا میں بہت پیاسی ہوں، پیاس

نے میرے جگر کو کباب کر دیا ہے"۔

حضرتؑ نے بیٹی کو تسلی دی پھر لباسِ جہاد پہنا، اسلحۂ جنگ لگایا، مستورات کو وصیتیں اور امام سجادعلیہ السلام کو سفارشات کرنے کے بعد خیمہ سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو بچی نے پھر بابا کا دامن پکڑا اور رو کر کہا: یَا اَبَۃَ اَینَ تَمضِی عنا بابا! ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ امامؑ نے فرمایا: بیٹی! اِجلِسِی عِندَ الخَیمَۃِ لِعَلّی اٰتِیلِکَ بِالمَاءِ "میری آنکھوں کی ٹھنڈک، یہاں خیمہ میں بیٹھی رہو، میں جاتا ہوں اور پانی کا سوال کرتا ہوں شاید تمہارے لیے پانی لاسکوں"۔ یہ فرمایا اور میدان کی طرف چلے گئے۔

حَتّٰی دَنٰی نَحوَ القومَ وَکَشَفَھُم عَنِ المَشرَعَۃِ "لشکر پر حملہ کیا اور لشکر کڑی کے غول کی طرح بکھر گیا اور فرات کا کنارہ خالی ہو گیا"۔ اور پانی کے پاس پہنچے ہی تھے کہ لشکر والوں نے فریاد کی: اے حسینؑ! تم پانی پینا چاہتے ہو جب کہ عرب تمہارے خیام کو لوٹنے لگے ہیں، یہ سنتے ہی یہ جاننے کے باوجود کہ یہ جھوٹی خبر ہے، امامؑ نے پانی نہ پیا بلکہ بجائے پانی کے ایک تیر گلے پر لیا اور خیام کی طرف گھوڑا دوڑا کر آئے۔ بچی نے دیکھا کہ بابا کا گھوڑا آ رہا ہے، تو خیمہ سے نکل کر آگے دوڑی، دونوں ہاتھ بغل میں کیے اور عرض کیا: یَا اَبَۃَ ھَل اٰتَیتَنِی بِالمَاء "بابا! میرے لیے پانی لائے ہو؟"

امامؑ نے فرمایا: میری لختِ جگر، نہیں لا سکا صبر کرو، پھر جاتا ہوں شاید اب پانی لاؤں گا۔ دوبارہ میدان میں گئے اور پھر بچی پانی کا انتظار کرتی رہی لیکن نہ پانی آیا اور نہ بابا کی زیارت کر سکی۔ لیکن جب قیدیوں کو مقتل سے گزارا جا رہا تھا اور امام حسینؑ کو اپنی مقتل میں خاک و خون میں غلطاں دیکھا۔ فَرَاَینَ جُثَّۃً بِلَا رَاْسٍ فَسَقَطنَ عَلَیہِ وَیکثُرنَ بِالبُکَاء وَالعَوِیل "کہ بدن بغیر سر کے پڑا ہے تو تمام بیبیاں لاش پر گر پڑیں۔ جنابِ فاطمہؑ نے بابا کے گلے کا خون ہاتھوں پر لے کر اپنے پریشان بالوں کو خضاب کر لیا۔ جب جنابِ زینبؑ نے بچی کی یہ حالت دیکھی تو جَعَلَت تَغَطّی وَجھَھَا لِئَلَّا تَرٰی اَبَاھَا مُخضَّبًا بِالدِّمَاء اُس کے دامن کو پکڑا اور اس کے چہرے پر آستین کا پردہ بنایا تاکہ اپنے بابا کی یہ حالت نہ دیکھے لیکن یہ بچی عقلاً کامل تھی، جانتی تھی کہ کیا ہو گیا ہے اور پھوپھی اماں مجھ سے کیوں چھپانا چاہتی ہیں، اس لیے عرض کیا:

دَعُونِی اُقَبِّلُہٗ وَاَطلُبُ مِنہ مَا وَعَدَنِی بِہٖ "پھوپھی اماں! مجھے چھوڑ دیں، میں بابا کو بوسے دے لوں اور جو وعدہ کر کے گئے تھے اس کا پوچھ لوں"۔

سب پردہ داروں نے کہا: اے آنکھوں کی ٹھنڈک بیٹی! اَلَا تَرَاہُ الآنَ وَغَدًا یاتی وَمَعَہٗ مَا تَطلُبِین "ابھی بابا کو نہ دیکھو، کل آ جائیں گے اور تمہارے لیے پانی لائیں گے"۔

خلاصہ یہ کہ وہ دن گزرا لیکن بچی ہمیشہ بابا کا حال پوچھتی رہتی تھی اور زار و قطار روتی تھیں، وہ کہتی تھی: اَینَ اَبِی

وَوَالِدِی وَالمُحَامِی عَنِّی ''میرے بابا کہاں ہیں؟ تمام مستورات تسلیاں دے کر ان کو خاموش کراتی تھیں حتیٰ کہ یہ قیدی کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام آ گئے''۔

شام کے راستے میں اس بچی نے شتر سواری سے بہت تکلیف کا اظہار کیا اور اپنی بہن سے کہا: یَا اُختِی قَد ذَابَت مِنَ السَّیر مُھجَتِی ''اے بہن! اُونٹ اتنی تیزی سے چلتے ہیں کہ مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور میرا دل وجگر پانی پانی ہو گیا ہے''۔

اس پرچم بردار ساربان سے کہو کہ ایک لحظہ اُونٹوں کو روک دے تا کہ میں سانس لے لوں یا انھیں آہستہ چلائے ورنہ میں مرجاؤں گی۔ ساربان سے پوچھو کہ ہم کب منزل تک پہنچیں گے؟

جب شام آئی تو دربارِ یزید کی حالت دیکھی، منزل خرابۂ زندان دیکھا تو اس بی بی کا دل بہت آزردہ ہوا۔ نہ فرش، نہ چراغ، نہ پانی، نہ کھانا، دن کو سورج کی دھوپ اور رات کو گریہ زاری کہیں سے سکون نہ تھا۔ دُکھ ہی دکھ تھا۔ ایک رات بابا کی زیارت کو دل اس قدر مجبور ہوا کہ زانوؤں کو بغل میں لے کر سر کو زانو پر رکھا اور بابا کے فراق میں رونا شروع کر دیا اور یہ فرمایا: بابا! اس خرابۂ شام میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں کہ شاید آپ آ جائیں۔ اب تو میری ہڈیاں بھی آپ کے فراق میں تحلیل ہو گئی ہیں۔ اب تو میری جان نکلنے کو ہے اب ہی آ جاؤ۔

بازارِ شام دیدم دُشنامھا شنیدم دشوار ترندیدم از این خرابہ جائی

این دخترانِ شامی ...... سر گزارند بالین من شدہ خشت غافل چرا زمانی

بودی ہمیشہ جایم در روی دامن تو

از تو ندیدہ بودم اینگو نہ بے وفائی

''بابا شام کے بازار دیکھے، ہمیں گالیاں دی گئیں وہ سنیں۔ اس زندان سے پریشان کن اور کوئی مقام تھا؟ شامی لڑکیوں کے سروں کے نیچے تکیے ہیں اور میں سر کے نیچے اینٹ رکھتی ہوں۔ اس قدر زمانہ غافل ہے۔ ہمیشہ میری جگہ آپ کے دامن میں ہوتی تھی۔ اب سے پہلے اس قدر بے وفائی نہ دیکھی تھی''۔

بچی اس طریقے سے اپنے بابا سے راز و نیاز کرتی رہی اور اس قدر گریہ کیا کہ زمین ان کے آنسوؤں سے گیلی ہو گئی۔ روتے روتے نیند آ گئی تو عالمِ خواب میں دیکھا کہ بابا کا سر طلائی طشت میں یزید کے سامنے پڑا ہے اور وہ چھڑی سے لبوں اور دانتوں پر مار رہا ہے اور بابا چھڑیوں کی ضربوں کے نیچے بار بار استغاثہ کرتے ہیں اور رب کو شکوہ کرتے ہیں۔ بچی نے باپ

کے بریدہ سر کو دیکھنے اور ان کو چھڑیاں لگنے کی وجہ سے گریہ وزاری اور آہ وفغاں کی اور خوف سے نیند سے بیدار ہوگئی۔

تَبكِي وَتَقُولُ وَا اَبَتَاهُ وَاقرة عَينَاهُ وَاحُسَينَاه

ایسی دھاڑیں مار مار کر روئیں کہ تمام قیدی پریشان ہوگئے اور فریاد کر رہے تھے: وامحمداه واعلياه واحُسيناهُ۔ تمام مستورات نے حلقہ بنایا اور ان سے کثرت اور شدتِ گریہ کی وجہ پوچھی تو بی بی پاکؑ نے فرمایا: اِيتُونِي بِوَالِدِي وَقُرَّةَ عَينِي "میرے بابا کو لاؤ، نورِ چشم کو لاؤ تاکہ ان کے جمال کی زیارت کروں"۔

لِاَنِّي رَأَيتُ رَأسَهُ بَينَ يَدَي يَزِيد وَهُوَ ينكثه "پھوپھی جان میں نے ابھی خواب میں دیکھا کہ بریدہ سر یزید کے سامنے پڑا ہے اور وہ ظالم چھڑی سے ان کے لبوں اور منہ پر مار رہا ہے"۔

اور میرے بابا کا سر خدا کے سامنے استغاثہ کرتا ہے۔ مجھے ابھی بابا کے سر سے ملاؤ۔ قیدی بیبیوں نے جس قدر بھی چاہا کہ اسے خاموش کرائیں، نہ کرا سکیں بلکہ بی بی کے گریہ وزاری میں اضافہ ہوتا گیا، جب عورتیں خاموش نہ کرا سکیں تو امام زین العابدینؑ آگے بڑھے اور بہن کو بغل میں لیا اور سینے سے لگایا اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا: بہن! صبر کرو، رو کر ہمارے دلوں کو زیادہ دکھی نہ کرو لیکن پھر بھی بچی کا گریہ وزاری جاری رہا اور وہ یہ کہہ کر ماتم کرتی رہیں: کہاں گئے میرے بابا! میرے تاجدار بابا! میرے بزرگوار بابا! آپؑ ہمیشہ مجھے اپنی آغوش میں لیتے اور بوسے دیتے تھے۔ پھر امام زین العابدینؑ کے دامن کو پکڑ کر اس قدر گریہ زاری کی کہ حَتّٰی غَشِي عَلَيهَا وَانقَطَعَ نَفَسَهَا "غش آ گیا اور سانس رُک گئے"۔

امامؑ بچی کی غربت پر رو پڑے۔ امامؑ کو دیکھ کر تمام مستورات کے گریہ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ فَضَجُّوا بِالبُكَاءِ وَجَدَّدُوا الاَحزَانَ وَحَشَوا عَلٰى رَؤُسِهِمُ التُّرَابَ وَلَطَمُوا الخدودَ وشَقُّوا الجُيُوبَ وَقَامَ الصِّيَاح "یہ ویرانہ نما خرابہ قیدیوں کے دکھی بین کر کے رونے سے بقعۂ نالہ وبکا بن گیا۔ بچی بے ہوش ہوگئی، مخدراتِ عصمت دکھ اور غم سے سر اور منہ پر ماتم کرتی تھیں۔ سروں میں خاک ملاتی تھیں، گریبان چاک کرتی تھیں۔ رونے کا شور اس قدر تھا کہ یزید کے محل میں رونے کی آوازیں پہنچیں"۔

طاہر بن عبداللہ دمشقی کہتا ہے کہ اس وقت یزید کا سر میرے زانو پر تھا اور فرزندِ زہراءؑ کا سر ایک طشت میں پڑا تھا۔ جوں ہی قیدیوں کے رونے کی آواز بلند ہوئی تو میں نے دیکھا کہ سر کے اُوپر سے رومال ایک طرف ہوگیا اور سر نے بلند ہونا شروع کیا اور چھت کے قریب بلندی پر جا کر بلند آواز سے فرمایا: اُختِي سَكِّنِي اِبنَتِي "اے میری بہن زینبؑ! میری بیٹی کو خاموش کراؤ"۔

پھر میں نے دیکھا کہ سر نیچے طشت میں آیا اور یزید کو مخاطب کر کے بولا: اے یزید! میں نے تیرا کیا قصور کیا تھا کہ مجھے

قتل کیا ہے اور میرے اہل و عیال کو اسیر کیا ہے۔ پس اس خوفناک آواز اور گریہ زاری کی صداؤں سے یزید کی آنکھ کھل گئی اور اُس نے سر اُٹھا کر پوچھا: طاہر کیا بات ہے؟

میں نے کہا: اے یزید! میں اور تو کچھ نہیں جانتا صرف خرابۂ شام سے قیدیوں کے زار و قطار رونے کی آواز آ رہی ہے اور یہ دیکھا کہ گریہ کی آواز میں شدت آئی تو سرِ مبارک حسینؑ طشت سے اُٹھ کر چھت کے قریب جا کر یہی فرمایا کہ بہن میری بیٹی کو خاموش کراؤ۔ مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے۔ یزید نے غلام بھیجا کہ جاؤ خرابۂ زندان سے خبر لاؤ کہ کیوں رونے کا شور و غل ہے۔ غلام آیا اور پوچھا تو معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کی ایک چھوٹی بچی نے اپنے باباؑ کو خواب میں دیکھا ہے، اب وہ آرام نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ میرے بابا کو لاؤ۔ غلام آیا اور یزید کو یہ واقعہ بتایا تو اُس پلید نے کہا کہ: اِرفَعُوا رَأسَ اَبِیهَا اِلَیهَا ''کہا: جاؤ اس کے باباؑ کا سر اس کے پاس لے جاؤ تا کہ اسے آرام آ جائے''۔

پس سرِ مطہر کو طشت میں رکھا اور اُوپر رومال دے کر خرابۂ زندان میں لایا گیا اور کہا گیا: اے قیدیو! یہ امام حسینؑ کا سر آیا ہے۔

فَاتَوا بِهَا الطَّشتَ یلمع نُورِهٖ کَالشَّمسِ بَل هُوَ فَوقَهَا فِی البهجة فَجاؤ بِالرَّاس الشَّرِیفِ وَهُوَ مغطّی بِمندِیل دَیبقِی فکشَفَ الغطاء عنه

سر کو جب بی بیؑ کے آگے رکھا گیا تو بی بیؑ نے رومال ہٹایا تو دیکھ کر پوچھا: مَا هٰذَا الرَّأس ''یہ سر کس کا ہے؟''

دیگر بیبیوں نے کہا یہ آپؑ کے باباحسینؑ کا سر ہے۔ فَانکَبَّت عَلَیهِ تقبله وَتَبکِی وَتَضرِبُ عَلٰی رَاسِهَا وَوَجهِهَا حَتّٰی اِمتَلَأفَمُهَا بِالدَّمِ ''تو وہ اپنے بابا کے سر پر گر پڑیں اور سر و صورت پر ماتم بھی کرتی تھیں اور باباؑ کے کٹے گلے پر بوسے بھی دیتی تھیں۔ بی بی نے اس قدر بوسے دیے کہ اپنے بابا کے رخساروں اور ڈاڑھی کو چومتے ہوئے بی بی کا سر خون سے بھر گیا۔ پھر ایسے دُکھی بین کیے کہ شہرِ شام کی دیواریں بھی لرز گئیں۔

● پہلا بین: یَا اَبَتَاهُ مَن ذَا الَّذِی خَضَبَكَ بِدَمَائِكَ یَا اَبَتَاهُ مَن ذَا الَّذِی قَطَعَ وَرِیدَیكَ ''بابا! آپ کو اپنے اس خون کا واسطہ مجھے بول کر بتاؤ کہ کس حرام زادے نے آپ کو آپ کے خون سے خضاب کیا ہے؟ اور کس ملعون نے آپؑ کی رگوں کو کاٹا ہے؟''

● دوسرا بین: یَا اَبَتَاهُ مَن ذَا الَّذِی اَیتَمَنِی عَلٰی صِغرِ سَنِّی یَا اَبَتَاهُ مِن لِلیَتِیم حتّٰی تکبَّر ''کس ظالم نے مجھے بچپن میں یتیم کر دیا۔ بابا آپؑ کے بعد یتیموں کی سرپرستی کون کرے گا تا کہ وہ بڑے ہوں''۔

● تیسرا بین: یَا اَبَتَاهُ مَن لِلنِّسَاء الحَاسِرَاتِ یَا اَبَتَاهُ مَن لِلاَرَامِلِ المُسبِّیَاتِ ''بابا! یہ سر برہنہ مستورات

کہاں جائیں اور زنان بیوہ اپنی پناہ گاہ کو کہاں تلاش کریں؟"

● چوتھا بین: يَا اَبَتَاهُ مَن لِلعُيُونِ البَاكِيَاتِ يَا اَبَتَاهُ مَن لِلشعُورِ المَنشُورَاتِ يَا اَبَتَاهُ مِن بَعدِكَ وَاخيبتَاه مِن بَعدِكَ وَاغُربَتَاهُ "بابا جان! یہ روتی آنکھیں اور بے مقنع و چادر جسم اور یہ پردیسی قیدی اپنے پریشان بالوں سے کیا کریں اور کدھر جائیں، بابا آپؑ کے بعد ہماری دنیا تاریک ہوگئی ہے"۔

● پانچواں بین: يَا اَبَتَاهُ لَيتَنِي وَكُنتَ لَكَ الفِدَاءَ لَيتَنِي كُنتُ قَبلَ هٰذَا اليَومِ عَميًا يَا اَبَتَاهُ لَيتَنِي وَسَدتُ الثرىٰ وَلَا اَرىٰ شيبَكَ مُخَضَّبًا بِالدِّمَاءِ "اے بابا! کاش میں آپؑ پر قربان ہوجاتی اور کاش میں آپؑ کی یہ حالت نہ دیکھتی، کاش میں دفن ہوگئی ہوتی اور آپؑ کی ریش مبارک کو خون سے آلود نہ دیکھتی"۔

پس بی بی پاکؑ مسلسل یہ راز و نیاز کرتی رہیں اور روتی رہیں اور اس قدر دکھی بین کیے کہ گلے کی آواز آہستہ آہستہ بند ہوتی گئی۔ سانسوں کی رفتار سست ہوگئی۔ کبھی وہ سر کو اپنے دائیں طرف رکھتیں اور بوسے دیتی تھیں اور ماتم کرتی تھیں اور کبھی سر مقدس کو بائیں طرف رکھتیں اور بوسے دیتی تھیں۔ وہ بار بار باباؑ کی خون آلود ڈاڑھی سے خون ہاتھوں پر لگاتی اور سر پر ملتیں اور سر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تازہ تازہ تن سے جدا ہوا ہے۔

كُلَّمَا مَسَحَتِ الدَّمَ مِن شِيبَتِهِ احمَرَّ الشَّيبَ كَمَا كَانَ اَوَّلًا "اور جس قدر باباؑ کے گلے سے خون صاف کرتی دوبارہ اسی قدر خون آجاتا اور گلا خون سے رنگین ہوجاتا"۔

● چھٹا بین: يَا اَبَتَاهُ مَن جَرَّ رَاسُكَ يَا اَبِي مَنِ ارتَقَى مِن فَوقِ صَدرِكَ قَابِضًا لِحيتَكَ

"باقی مستورات بچی کے اردگرد کھڑی تھیں چونکہ تمام امام حسینؑ پر رونے کے لیے بہانے کی تلاش میں ہوتی تھیں اور آج وہ بہانہ بیٹی کے دکھی بینوں سے زیادہ کون سا ہوسکتا تھا۔ جب معصومہ بین کرتی تو تمام بیبیاں ہائے ہائے کر کے روتی تھیں۔

● ساتواں بین: يَا اَبَتَاهُ مَن لِلنِّسَاءِ الثَّاكِلَاتِ "بابا یہ شوہر مردہ (بیوہ) عورتیں کیا کریں"۔

ثُمَّ وَضَعَت فَمَهَا عَلٰى فمِهِ الشَّرِيف وَبَكَت طَوِيلًا "پھر بچی نے اپنا منہ بابا کے لبوں پر رکھا اور کافی دیر تک بین نہ کیا لیکن زار و قطار روتی رہی"۔

فَنَادَاهَا الرَّاسَ بِنتَهُ اِلَىَّ اِلَىَّ هَلُمِّي فَاِنَّا لَكَ بِالانتِظَارِ "تب سر مقدس سے آواز آئی: بیٹی آؤ میری طرف جلدی آؤ میں تمہارے انتظار میں ہوں"۔

جب بچی نے یہ آواز سنی تو فَغَشِيَ عَلَيهَا غَشوَةً لَم تَفِق بَعدَهَا "اس پر غشی اور بے ہوشی طاری ہوگئی اور سانس کی

رفتار رُک گئی اور پھر ہوش میں نہ آئیں"۔

فَحرَکُوھَا فَاِذَا ھِیَ قَد فَارَقت رُوحھَا الدُّنیَا "جب بی بی کی نبض پر ہاتھ رکھا گیا اور بلایا گیا تو سب نے کہا:
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پس اہلِ بیتؑ کے غم میں شدت آگئی اور اس قدر غم و اندوہ و گریہ وزاری ہوئی کہ تمام ہمسائیوں کو پتہ چل گیا کہ کوئی بڑی مصیبت آئی ہے۔ سب ہمسائے دوڑ کر دروازۂ خرابہ پر آئے تاکہ معلوم کریں کہ کیوں یہ سب رو رہے ہیں اور مثلِ روزِ عاشور عزاداری کیوں ہو رہی ہے؟

ہمسایہ کی عورتیں غسالہ عورت کو لائیں، کافور و کفن لائیں، چراغ لائیں، غسل کے لیے تختہ لائیں۔

غسالہ عورت سے جنابِ زینبؑ کا زبانِ حال میں خطاب

جب معصومہؑ کو تخت پر لٹایا گیا کہ غسل دیا جائے تو بی بی زینبؑ نے زبانِ حال سے فرمایا ہوگا: اے غسالہ! اس یتیم بچی کو خدا کی خوشنودی کے لیے غسل دے دے اور یہ خیال نہ کرنا کہ یہ اہلِ روم سے ہے کہ جن کو غسل دینا تیرے لیے بعید ہے۔ یہ عالمین کے سرور امام حسینؑ کے سینے کا تعویذ ہے اور اس کا نام فاطمہؑ ہے۔ اس کے پاؤں کے زخم دیکھ کر حیران نہ ہونا کیونکہ ظالموں نے اسے کانٹوں پر چلنے پر مجبور کیا اور اس کے جسم پر جو نیلے داغ نظر آئیں تو سمجھ لینا کہ ظالموں کے تازیانوں اور طمانچوں کے نشانات ہیں۔ اور جو زخم کندھے پر دیکھ رہی ہو اس نیزے کے زخم ہیں جو اسے رونے سے روکنے کے لیے لگائے جاتے تھے۔ اور کانوں سے جو خون بہہ رہا ہے وہ اس کے کانوں سے ظلم کے ساتھ دُرّ اتارنے کی وجہ سے ہے۔

غُسالہ غسل دینے میں مصروف ہوگئی اور مستوراتِ اہلِ بیتؑ ماتم کر رہی تھیں۔ غسل کے بعد اسی پہنے ہوئے پیراہن کو کفن بنایا گیا اور اس بچی کو اسی خرابۂ زندان میں دفن کر دیا گیا۔ جب بی بی زینبؑ قید سے چھوٹیں اور اہلِ بیتؑ وطن واپسی کے لیے تیار ہوئے تو جنابِ زینبؑ کبریٰ نے زندان کے دروازے پر آ کر محمل سے سر باہر نکالا اور شامی عورتوں سے فرمایا: ہماری ایک امانت اس زندان میں ہے، تمہیں اس کی جان کی قسم کبھی کبھی اس کی قبر پر ضرور حاضری دینا، ان کی قبر پر پانی چھڑکنا اور چراغ روشن کرنا۔

مزید مرثیہ بہ زبانِ حال

اے اہلِ شام! میں لہولہو دل اور برستی آنکھوں سے تمہارے شہر سے جا رہی ہوں۔ تمہاری بے وفائی کی حد تھی کہ امام حسینؑ کے قتل ہونے کے بعد تم نے خوشیاں منائیں اور مہندی لگائی۔ جن بیبیوں کے گھروں کا دربان جبرئیلؑ تھا ان کو اسے

خرابہ میں رکھا گیا اور جب تک ہم زندان میں رہیں ہمارا بستر خاک اور تکیہ اینٹیں تھیں۔ اب میں جارہی ہوں اور آنسو بہاتے ہوئے ایک وصیت کرتی ہوں کہ ہماری چھوٹی بچی کی قبر پر، جو عالمِ غربت میں فوت ہوئی، کبھی کبھی آ کر چراغ جلا دینا۔

شامی خطیب کے خطبے کے جواب میں امام سجادؑ کا انقلابی خطبہ

شام میں اہلِ بیتؑ کے مصائب میں سے ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ شامی خطیب بحکمِ یزید منبر پر آیا اور حجتِ خدا کی موجودگی کے باوجود اور لوگوں کے پُر ہجوم مجمع میں یزید کے آباء و اجداد کی مدح سرائی کی اور اولیا کے شہنشاہ کی مذمت کی۔ بعض کتب میں اجمالی اور بعض میں تفصیلی خطاب درج ہیں البتہ سب کے نزدیک خطبہ کا ہونا مسلّم ہے۔ اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ خطبہ دربارِ یزید میں دیا گیا یا جامع مسجد میں دیا گیا۔

مرحوم سید لہوف میں اور دیگر مؤرخین بھی لکھتے ہیں: یہ دربارِ یزید میں وارد ہوا اور بعض دیگر نے جامع مسجد میں لکھا ہے جہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔

شیخ طبرسی نے احتجاج میں، ابو مخنف نے اپنے مقتل میں، ابن شہر آشوب نے مناقب میں یہ خطبہ نقل کیا ہے اور علامہ مجلسیؒ نے بحار میں اس واقعہ کو مناقب میں سے شمار کیا ہے اور دوسروں سے زیادہ مفصل اس خطبہ کی تشریح کی ہے اور وہ یہ ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کیا جائے۔ پھر ایک زبان دراز بد بخت خطیب کو حکم دیا کہ منبر پر جا کر شہنشاہ اولیا کی سخت مذمت کرے۔

فَصَعَدَ الخَطِيبَ المنبر خطیب بے نصیب اُٹھا اور منبر پر بیٹھ کر خطبہ شروع کر دیا۔ پہلے حمد و ثناء الٰہی کی۔ ثُمَّ اَكثَرَ الوَقِيعَةَ فِي عَلِيٍّ والحسينِ "یعنی شہنشاہ اولیاءؑ اور سید الشہداءؑ کے بارے میں گندی اور فضول زبان استعمال کی اور معاویہ و یزید کی تعریف میں بہت سے فضائل و مناقب پڑھے جن میں ان کی صفاتِ جمیلہ بیان کیں اور انہی فضائل و مناقب کی وجہ سے معاویہ اور یزید کو خلافت کے لیے اولیٰ اور بہتر کہا۔

امام زین العابدین علیہ السلام یہ برداشت نہ کر سکے اور فرمایا: وَيلَكَ اَيُّهَا الخَاطِبِ اِشتَرَيتَ مَرضَاتَ المَخلُوقِ بِسَخَطِ الخَالِقِ "اے خطیب! ہائے افسوس تجھ پر، تو نے خالق کو ناراض کیا اور مخلوق کی رضامندی خریدی تو نے بہت بُرا سودا کیا ہے؟"

پھر حضرت امام سجاد علیہ السلام یزید کے پاس آئے اور فرمایا: يَا يَزِيدُ اِيذِن لِي حَتّٰى اَصعَدَ هٰذِهِ لِلاَعوَاد "اے یزید! مجھے اجازت ہے کہ میں بھی ان لکڑیوں کے مجموعے پر جاؤں اور ایسا خطبہ دوں جو رضائے خدا و رسولؐ پر مشتمل ہو۔ ایسا

خطبہ سننے والوں کو بھی اجر اور ثواب ملے گا''۔

یزید نے کہا: آپؑ کے منبر پر جانے کی ضرورت نہیں لیکن ارکان و اُمرائے شام نے کہا: اے امیرالمومنین! اگر اجازت دے دو تو کیا حرج ہے۔ یہ ہاشمی جوان بھی حجازی لہجہ کے ساتھ بھی منبر پر جائے اور ہم اس سے کچھ سنیں اور اس کے الفاظ و عبارات پر غور کریں تا کہ شام وحجاز کی فصاحت و بلاغت کا فرق سمجھ میں آجائے۔

یزید نے کہا: اے شامیو! یہ قبائل حجاز بہت فصیح و بلیغ ہوتے ہیں اگر یہ منبر پر گیا تو اس وقت تک نیچے نہیں آئے گا جب تک مجھے اور ابوسفیان کے تمام خاندان کو ذلیل و شرمندہ اور رسوا نہ کر دے گا۔ یہ بنی اُمیہ کے متعلق بہت بُرے الفاظ کہتے ہیں۔ فَإِنَّهُ مِن اَهلَ بَيتَ زَقُّوا العَلَمَ زَقًّا ارکان دولت نے پھر درخواست کی کہ اے یزید! خدا اس کے معاملات صحیح فرمائے۔ اس نوجوان کی یہ طاقت کہاں کہ اس قسم کے پُرہجوم مجمع میں کھل کر بات کر سکے۔ ہماری تو صرف یہ خواہش ہے کہ اپنے جد پیغمبر اکرمؐ سے ایسی حدیث سنائے جو ہمارے لیے نصیحت اور سکون کا باعث ہو۔

اب یزید ان بزرگان اور ارکانِ حکومت کی بات کو ردّ نہ کر سکا اور مجبوراً اجازت دے دی۔ تب امام سجاد علیہ السلام زمین سے اُٹھے اور منبر کے پاس آئے۔ پہلی اور دوسری سیڑھی پر قدم رکھا اور بقعہ نورِ عرش پر جلوہ گر ہوا۔ لوگ دُور و نزدیک سے آئے کہ یہ مسافر شخص کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے؟

امام علیہ السلام نے پہلے حمد وثنائے باری تعالیٰ کی اور ایسی حمد کی کہ دنیا نے آج تک ایسی حمد نہ سنی تھی۔ پھر خطبہ دیا: ثُمَّ خَطَبَ خُطبَةً بَكٰی فِيهَا العُيُون وَاَوجَلَ مِنهَا القُلُوبَ ''ایسا خطبہ دینا شروع کیا جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل میں خوفِ خدا پیدا ہونے لگا''۔ پھر فرمایا: اُعطِينَا سِتًّا وَفَضَّلنَا بِسَبعٍ ''خدا نے ہم اہلِ بیتؑ کو چھے چیزیں عطا کی ہیں اور سات چیزیں دے کر فضیلت دی ہے''۔

وہ چھے چیزیں جو عطا کیں وہ علم، حلم، سماحۃ (بزرگی)، فصاحت، شجاعت اور مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہے یعنی جو بھی مومن ہے ہم سے محبت کرتا ہے اور وہ ساتویں چیز جو ہمیں بطور فضیلت دی گئی ہیں وہ یہ ہیں: نبی مختار حضرت محمد مصطفیٰؐ، جنابِ حیدر کرارؑ، جنابِ جعفر طیارؓ، جنابِ حمزہ سید الشہداءؓ اسد الرسول اور حسنؑ و حسینؑ کی ذواتِ مقدسہ ہم اہلِ بیتؑ پر خدا کی بہت بڑی عنایت ہے۔

اے شامیو! جو مجھے پہچانتا ہے تو ٹھیک اور جو نہیں پہچانتا تو اسے میں اپنی شناخت کرائے دیتا ہوں کہ میرے حسب اور نسب کو شمر بھی جانتا تھا اور وہ بھی جانتا ہے جس نے میرے بابا کے گلے میں تیر مارا اور پہلو میں نیزہ مارا اور یزید بھی مجھے جانتا ہے جس نے میرے بابا کے قتل کا حکم جاری کیا ہے لیکن لوگو! تم نہیں جانتے اور ہمیں خارجی کہہ رہے ہو، یہ بالکل غلط ہے اور

حقیقت اس کے برعکس ہے، لہٰذا سنو میں تمہیں اپنا حسب ونسب بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟

اَنَا ابنُ مَكَّةَ وَمِنٰى اَنَا اَبنُ زَمزَمَ وَالصَّفَاءَ اَنَا ابنُ مَن حَمَلَ الرُّكنَ بَاطَرافِ الرِّدَاءِ اَنَا ابنُ خَيرِ مَنِ انتَعَلَ وَاحتَفٰى اَنَا ابنُ خَيرُ مَن طَافَ وَسَعٰى اَنَا ابنُ خَيرِ مَن حَجَّ وَلَبّٰى اَنَا ابنُ مَن حَمَلَ عَلٰى اِبرَاقٍ فِى الهَوَاءِ اَنَا ابنُ مَن اُسرِى بِهٖ مِنَ المَسجِدِ الحَرَامِ اِلَى المَسجِدِ الاقصٰى ، اَنَا ابنُ من بَلَّغَ به جبرئيلُ اِلَى سدرة المنتهٰى اَنَا ابنُ مَن دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوسَين اَو اَدنٰى اَنَا ابنُ مَن صَلّٰى بِمَلَائِكَةِ السَّمَاءِ اَنَا ابنُ مَن اَوحِىَ اِلَيهِ الجليل مَا اوحٰى

لوگ بہت تعجب کر رہے تھے کہ اس قدر رسول پاکؐ کے القاب کہتے جا رہے ہیں اور اپنی نسبت ان کی طرف دیتے جا رہے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں، جب کہ یزید نے شہرت کی ہوئی ہے کہ یہ خارجی ہیں۔ لوگوں نے مسجد کے صحن میں بیٹھنے والوں کو خبر دی اور سب نزدیک آ گئے تو اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا: میں فخر زید محمد مصطفیٰؐ ہوں۔ جب لوگوں نے سنا کہ یہ فرزند رسولؐ ہیں تو ان کا گریہ اور زاری بلند ہوئی۔ پھر فرمایا: میرے باپ کا دوسرا نام سنو:

اَنَا ابنُ مَن ضَرَبَ خَرَاطِيمَ الخَلقِ حَتّٰى قَالُوا اَنَا ابنُ مَن حَرَبَ بَينَ يَدَى رَسُولِ اللّٰه بِسَيفَين وَطَعَنَ برمحين وَهَاجَر الهِجرَتين وَبَايَعَ البَيعتينَ وَقَاتَلَ بَدرٍ و حُنَين وَلَم يَكفُر بِاللّٰه طَرفَةَ عينٍ اَنَا ابنُ صَالِحِ المومنين وارث النبيين قَامِع الملحدين يعسوب المسلمين نور المجاهدين وزين العابدين وَتَاجِ البكائين اَصبر الصَّابِرِين وَاَفضَلُ القَائِمِينَ ، من آل يٰسين رسول رب العالمين

اَنَا ابنُ المُوَيّد لجبرائيل المنصور بميكائيل اَنَا ابنُ المحامى عَن حَرمِ المسلمين وقاتل المارقين والناكثين والقاسطين والمجاهد اعداء اللّٰهِ وافخر مَن مشٰى مِن قُريشٍ اجمعين اَوَّلُ مَن اِجَابَ وَاستَجَابَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهٖ مِنَ المُؤمِنِينَ وَاَوَّل السَّابقين وَقَاصم المعتدين و مبيد المشركين وسهم مِن مرامى اللّٰه عَلَى المنافقين ولِسَانِ حكمة العابدين وَنَاصِرِ دينِ اللّٰه وَلى امراللّٰه وَبستانُ حِكمةِ اللّٰهِ وَعَيبَةَ علمهِ سمح سخىٌ بهلولٌ زكى ابطحى رضىٌ مقدامٌ همام صابرٌ صَوّام اُم ومهذبٌ قوامٌ قَاطِعُ الاصلاب مفرق الاحزاب اربطهم عِنَانًا واثبتهُم جَنَانًا امضاهم

عَزِیمَۃٌ وَاشَدُّھُم شکیمَۃ اسد باسلٌ یطحنھم فی الحروبِ اِذَا اُن دلفت الا سِنَّۃ وَقَربتِ الاعِنَّہ طعن الرحا ویذرہوھُم فِیھَا ذر والرِّیح الھشیم لیث المحجاز کبش العِراق مَکِّیٌ مَدَنِیٌ خَیفِقی عَقَبِیٌ بَدَرِیٌ اَحدی شَجرِیٌ مَھاجِرِیٌ مِنَ العَربِ سیدھا ومَن الوغٰی لیثھا وارث المشعرین ابوالسبطین الحسن والحسین ذٰلِکَ علی بن ابی طالب

''یہ میرے دادا ہیں جن کے القاب اور صفات میں نے ذکر کیے۔ میں اُنہی کا بیٹا ہوں جس ہستی نے عرب کے فرعونوں کی گردنیں مروڑ کر اُنہیں کلمہ پڑھایا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے رسولؐ اللہ کی معیت میں دو تلواروں سے جنگ کی۔ دو نیزے توڑے، دو ہجرتیں کیں، دو بیعتیں کیں اور جو بدر و حنین (میں کفار) کے قاتل ہیں۔ میں اُن کا بیٹا ہوں جو ملحدین کے قتل کرنے والے، مسلمانوں کے سردار، مجاہدوں کے نور، عابدوں کی زینت، رونے والوں کے سر کا تاج، صابر اور قائمین سے افضل ہیں۔

میں اس کا بیٹا ہوں جس کی تائید جبرئیلؑ نے کی، مدد میکائیلؑ نے کی۔ حرمِ رسولؐ کے محافظ، منافقین، بیعت توڑنے والوں اور تجاوز کرنے والوں کے قاتل، دشمنوں پر مجاہد، اور قریش میں قابلِ فخر اور وہ پہلے شخص جن کو اللہ نے بلایا اور انہوں نے فوراً لبیک کہی۔ وہ رسول کو لبیک کہنے والے، متجاوزین کے قاتل ہیں۔ مشرکوں کو بنیادوں سے اکھیڑنے والے، منافقین پر اللہ کا تیر ہیں۔ عابدین کی حکمت کی زبان، دین کے ناصر، امراللہ کے ولی، اللہ کی حکمتوں کے باغ، اللہ کے علم کا خزانہ دار، بزرگوار سخی، پاکیزہ، عقلمند، راضی برضاء اللہ صابر، قائم، قاطع، گروہوں کو توڑنے والے، ان کی لگاموں کو پکڑنے والے، شیر غضنفر جنہیں جنگوں میں آزمایا گیا ہے۔ جب تیروں، تلواروں اور نیزوں کی جنگ کا عروج ہوتا تو وہ جاتے، حجاز کے شیر، مکی مدنی، خیفی، عقبی، بدری، اُحدی، شجری، ہیں جن کے وارث سبطین حسنؑ اور حسینؑ ہیں، وہ میرے دادا علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔

اے شامیو! میری دادی فاطمۃ الزہراءؑ ہیں، میں سیدۃ النساء العالمین کا بیٹا ہوں جو تمام کائنات سے افضل ہیں۔ اسی طرح امامؑ کہتے رہے: انا ابنُ...... انا ابنُ...... انا ابنُ...... اپنے خاندان اور اپنا تعارف کراتے رہے۔ لوگ بڑے غور سے سن بھی رہے تھے اور ان کے آنسو بھی جاری ہوگئے تھے اور روتے روتے ایک وہ وقت آیا کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے

لگے اور گریہ وزاری کا ایک ایسا شور بلند ہوا کہ ختم نہ ہوتا تھا۔

(اضافہ از مترجم: لوگوں کی بغاوت کے خطرے کو محسوس کر کے یزید نے مؤذن سے کہا کہ اذان دو۔ جب مؤذن نے کہا: اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے مؤذن رک جاؤ۔ اے یزید! اب بتاؤ یہ محمدؐ جن کا نام اذان میں ہے میرے ناناؐ ہیں یا تیرا نانا؟)

مزید خطبہ امام سجادؑ بروایت ابومخنف

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا:

> اَنَا اَبنُ صَرِیعِ کَربَلَا اَنَا اَبنُ مَن رَاحَت انصارہ تَحتَ الثریٰ اَنَا ابنُ مَن ذُبِحَت اَطفالَه مِن غیر سوی اَنَا اَبنُ مَن اضرم الاعدَاءِ فِی خیمته لظی اَنَا اَبنُ مَن اَضحی صَرِیعًا بِالتقٰی اَنَا ابنُ مِن لاله غسل ولا کفن یَرِیٰ اَنَا اَبنُ مَن رَافِعُوا رَاسَهٗ عَلٰی القَنَا اَنَا اَبنُ مَن هَتَکَ حَرِیمَه
>
> ''اب امامؑ نے اپنے باپ کا جنھیں یزید نے خارجی کی شہرت دے رکھی تھی کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا: میں مقتولِ کربلا کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے انصار کو قبر میں سکون ملا، میں اُس کا بیٹا ہوں جس کے بچوں کو ذبح کیا گیا۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جس کے خیموں کو دشمنوں نے آگ لگا دی۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے نہ غسل نہ کفن دیا گیا نہ دفن کیا گیا۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جس کے سرِ مبارک کو نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جن کے حرم کی توہین کی گئی''۔

امام علیہ السلام نے یہ جملے رو کر کہے اور آنسو مسلسل جاری تھے: فَلَمَّا سَمعوا الناس کلامه ضَجوا بِالبُکاء وَالنجیب وَعَلَتِ الاصوات فِی الجَامِعِ ''جب شامیوں نے امامؑ کا یہ کلام سنا تو گریہ سے اُن کی چیخیں نکل گئیں اور بلند آواز سے شامی رونے لگے۔ شوروغل پیدا ہوا تھا''۔

فَخَافَ یَزِید الفتنة یزید کو بغاوت کا خطرہ محسوس ہونے لگا لہٰذا مؤذن سے کہا: تم اذان کہو تا کہ اس جوان کی تقریر بند ہو۔ مؤذن اُٹھا اور کہا: اللہ اکبر، امامؑ نے فرمایا: کَبَّرتَ تَکبِیرًا وَعَظَّمتَ عَظِیمًا وَقُلتُ حَقًّا اے مؤذن! تو نے خدا کو بزرگی سے یاد کیا اور تو نے سچ کہا: لا شئی اکبر مِن اللّٰہ جب مؤذن نے کہا: اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ تو حضرتؑ نے فرمایا: ہر شخص یہی گواہی دیتا ہے اور میرے بال، میرا جسم، میرا گوشت، پوست اور خون میری گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہٗ

لاشریک یعنی اے شامیو! جان لو کہ ہم مسلمان ہیں اور خارجی نہیں ہیں۔

جب مؤذن نے کہا: اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ تو امام سجادؑ نے گریہ کیا اور اس قدر روئے کہ تمام حاضرین بھی رونے لگے۔ حضرتؑ نے روتے روتے فرطِ غم میں رمیٰ العمامة من رأسه ورمی بھا الی المؤذن اپنا عمامہ سر سے اُتار کر مؤذن کی طرف پھینکا اور فرمایا: مؤذن تمہیں خدا کی قسم! یہاں رُک جاؤ۔ مؤذن رُک گیا تو امام علیہ السلام نے یزید کو مخاطب کر کے فرمایا: بتاؤ یہ محمدؐ میرے جد ہیں یا تیرے جد؟ اگر تو کہے میرے جد تو تو جھوٹ بولے گا اور اگر کہے کہ محمدؐ میرے جدامجد ہیں اور تیرے پیغمبرؐ ہیں تو بتا کہ تو نے فرزندِ پیغمبرؐ کو کیوں قتل کیا ہے اور مجھے کیوں یتیم کیا؟

یزید کے پاس کوئی جواب نہ تھا لہٰذا اُس نے کہا: لا حاجة لي في الصلواة مجھے نماز کی کوئی ضرورت نہیں اور نماز پڑھے بغیر اُٹھ کر مسجد سے باہر چلا گیا۔ مسجد کے لوگ اُٹھے تو امامؑ منبر سے اُترے تو تمام لوگ حضرتؑ کے اردگرد جمع ہو گئے اور حضرتؑ سے اپنی بے پروائی کی معافی مانگتے رہے۔

منہال بن عمر کوفی اس مقام پر موجود تھا وہ اُٹھا اور امام سجادؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ آقا! ان مشکل حالات میں آپؑ کیسے گزر بسر کر رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کا کیا حال ہوگا جس کا باپ قتل کر دیا جائے اور ان کے ناصر قتل کر دیے جائیں۔ اس غربت میں ہمارا یہی حال ہے جو تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے پردہ داروں کو ہر خاص و عام میں پھرایا گیا، نہ چادریں، نہ کھانا، نہ آرام۔

اے منہال! جو حال تم دیکھ رہے ہو میں کیا کروں، کیسے دن آ گئے، میں ایک ایسا قیدی ہوں جسے ذلت اور خواری سے قیدی بنایا گیا ہے۔

اے منہال! زمانے نے مجھے اور میری اہلِ بیتؑ کو عزاداری اور غم کا لباس پہنا دیا ہے۔ ہمیں قوت اور کھانے کے بجائے مصیبتوں اور دکھوں کا زہر پلایا جا رہا ہے۔ میری اہلِ بیتؑ کا حال دیکھو کہ لوگوں کی انگلیوں کے اشارے ان کی طرف ہوتے ہیں، لوگوں سے گالیاں سنتے رہتے ہیں اور صبح و شام آنے والی مصیبتوں سے پریشان ہوتے رہتے ہیں۔

ایک وقت عرب فخر کرتے تھے عجموں پر کہ محمد مصطفیٰؐ ہم سے ہیں۔ قبیلہ قریش باقی قبائل پر فخر کرتا تھا کہ محمد مصطفیٰؐ ہمارے قبیلہ قریش سے ہیں اور ہم اسی محمدؐ کی اولاد ہیں کہ کبھی لوگ ہم پر فخر کرتے تھے، البتہ ہماری یہ حالت ہوگی کہ جوان مارے گئے، ہمارے گھروں کو آگ لگا دی گئی، ہماری عورتیں نامحرموں کے ہاتھوں قیدی ہیں۔ میرے باباؑ کے سر کو شہروں میں ہدیہ کے طور پر لے جایا جاتا ہے۔ گویا ہمارا کوئی حسب و نسب ہی نہیں۔ اب یہاں یزید کے قیدی ہیں اور کنیزوں اور غلاموں کی طرح ہمارے

اُوپر تنہائی اور غربت ہے۔

منہال نے پوچھا: مولاؑ! آپؑ کی اقامت کہاں ہے کہ وہاں آپؑ کے پاس حاضر ہوں؟

امامؑ کے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا: ہم ایک خرابہ نما مکان میں قیدی ہیں۔

واقعۂ ہندہ زوجۂ یزید

شام میں یزید کی طرف سے دیے گئے مصائب اور دکھوں میں ایک یہ ہے کہ جب قیدی خرابہ میں آئے تو حَتّٰی تَقَشَّرَت وُجُوھُھُم وَتَغَیَّرَت اَلوَانُھُم وَاقتَرَحَت اَجفَانُھُم وَ اُذِیبَت لَحومَھُم وَنَحلَت جُسُومَھُم "دھوپ اور گرمی کی وجہ سے چہروں کی جلد جھلس گئی تھی، رنگ تبدیل ہو گئے تھے۔ آنکھیں کثرتِ گریہ کی وجہ سے زخمی ہو گئی تھیں، جسموں کا گوشت پانی بن گیا۔ ان کے لطیف اور نفیس جسم ضعیف اور نحیف ہو گئے"۔

یزید نے پھر ایک اور مصیبت نازل کی تا کہ اہلِ بیتؑ کے دکھوں میں اضافہ ہو کہ حکم دیا کہ اہلِ بیتؑ کو خرابۂ زندان سے نکال کر میرے گھر میں لایا جائے اور میری گھر والوں سے اہلِ بیتؑ کی ہتک اور توہین ہوتی رہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ حکم زوجۂ یزید ہند کی درخواست پر ہوا جو کسی زمانہ میں ہند بنت عبداللہ بن عامر امام حسینؑ کے گھر میں نوکرانی بن کر رہی تھی اور وہ بنی ہاشم سے محبت رکھتی تھی۔ نیز اہلِ بیتؑ کی وفادار تھیں، اس نے یزید سے کہا کہ اے یزید! مجھے اجازت دے کہ کچھ دن بادشاہِ حجاز کی بیٹیوں کو اپنے گھر میں لاؤں اور ان کی مذمت کروں۔ چونکہ یزید کو اپنی بیوی ہند سے بہت محبت تھی اس لیے اس نے اجازت دے دی۔

صاحبِ منتخب لکھتے ہیں: ہند روایت کرتی ہے کہ ایک رات میں نے اپنے بستر پر اہلِ بیتؑ کی غربت اور مظلومیت کے متعلق سوچ رہی تھی کہ مجھے نیند آ گئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور ملائکہ صف در صف نیچے اُتر رہے ہیں۔ پھر وہ اس کمرے میں آئے جہاں امام حسینؑ کا سر تھا، گروہ در گروہ اندر جاتے اور کہتے: السلام عَلَیكَ یابن رَسُول اللّٰہ السلام علیك یا اَبا عبداللّٰہ!

اسی اثناء میں ایک سفید بال نما سواری آسمان سے اُتری کہ اس میں کچھ خوبصورت شخص تھے، ان میں سے ایک بزرگوار جن کی صورت نورانی تھی، چاند کا چہرہ تھا وہ باہر آئے اور امامؑ کے سرِ مطہر کے پاس پہنچ کر اپنے آپ کو سرِ مطہر پر گرا دیا اور اپنے لب مظلومِ حسینؑ کے لبوں پر رکھے اور چومنا شروع کیا۔ آپؐ بوسہ بھی دیتے تھے اور زار و قطار روتے بھی تھے اور فرماتے تھے: تجھے ان ظالموں نے شہید کر دیا اور کوئی قدر نہ پہچانی۔ تجھے ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیا۔ اے میرے بیٹے! میں تیرا نانا محمدؐ ہوں

اور وہ بابا علیؑ آئے ہیں اور وہ بھائی حسنؑ آئے ہیں۔ یہ جعفرؓ، عقیلؓ، حمزہؓ اور عباسؓ آئے ہیں۔ اپنے افراد کو ایک ایک کر کے بتایا۔

ہند کہتی ہے کہ میں خوف کے مارے بیدار ہوگئی اور یزید کے پاس آئی لیکن اسے اپنے بستر پر نہ دیکھا۔ پھر غور کیا تو ایک تاریک کمرے سے یزید کے رونے کی آواز آئی۔ میں نے اسے خواب سنایا اور وہ شرمسار ہوا۔ میں نے کہا: اگر شرمندہ ہے تو ابھی حکم دے کہ قیدی چند روز ہمارے گھر میں مہمان ٹھہریں اور میں ان کی خدمت کروں۔ یزید نے حکم دے دیا تو قیدی ہندہ کے گھر آئے۔

علامہ قزوینی حدائق الانس میں لکھتے ہیں: حقیقت تو یہ ہے کہ یزید نے نرمی اور ترحم کی وجہ سے قیدیوں کو اپنے گھر میں لانے کی ہندہ کی درخواست قبول نہیں کی بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اپنے تجملات اور عیش و عشرت کا سامان دل شکستہ اہلِ بیتؑ کو دکھایا جائے تاکہ ان کو مزید تکلیف اور دکھ ہو۔ کیونکہ اس کا یہ اقدام اگر ترحم اور نرمی کی وجہ سے ہوتا تو پھر اہلِ بیتؑ کے اس کے گھر میں داخل ہونے کے وقت یہ حکم کیوں دیا کہ ان کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے امام حسینؑ کا سر گھر کے دروازے پر لٹکایا جائے تاکہ داغ دیدہ مستورات حضرتؑ کا سر لٹکا ہوا دیکھیں تو ان کے دل دکھیں اور جگر کباب ہو جائیں۔ کیونکہ علامہ مجلسی نے بحار اور ابومخنف نے مقتل میں لکھا ہے:

اِنَّ یَزِیدَ اَمَرَ بِانْ یُصلَبَ الرَّاسُ عَلٰی بَابِ دارہٖ وامَرَ بِاَهلِ بَیتِ الحُسَین اَن یَدخُلُوا دارہٖ "یزید نے حکم دیا کہ سر کو دروازہ پر لٹکایا جائے اور اہلِ بیتؑ کو یہاں سے گزار کر میرے گھر میں لایا جائے"۔

پس ان دل شکستہ اور چھوٹے بچوں پر کیا گزری ہوگی جب انہوں نے دروازے پر امام حسینؑ کا سر لٹکا ہوا دیکھا ہوگا۔ پس جب قیدیوں کی نظر امام حسین علیہ السلام کے سر پر پڑی تو وہ زاروقطار رونے لگے اور اس قدر گریہ کیا کہ زمین و زمان میں زلزلہ آتا محسوس ہونے لگا۔ جب ہند کو معلوم ہوا تو وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر یزید کے دربار میں دوڑتی ہوئی آئی اور کہا: یَایَزِیدُ أَرَاسَ اِبن فاطمة بنتِ رسولِ اللّٰه مَصلوبٌ عَلٰی فَنا بابِی "اے یزید! کیا تم نے امامؑ کے سر کو میرے گھر کے دروازے پر لٹکانے کا حکم دیا ہے؟"

یزید نے کہا: ہاں! اور تو کیوں ننگے سر دربار میں آگئی، یزید اُٹھا اور ہند کے سر پر اپنی عبا ڈال دی تاکہ وہ نامحرموں کی نظر سے باپردہ ہو جائے۔ پھر کہا: تو حسینؑ پر گریہ کر کیونکہ حسینؑ تو قریش کا فریادرس تھا لیکن ابن زیاد ملعون نے بہت جلدی میں حسینؑ کو قتل کر دیا۔

علامہ مجلسیؒ بحار میں فرماتے ہیں: فَلَمَّا دَخَلَتِ النِسوَةُ دَارَ یَزِید لَم یَبقَ مِن آلِ اَبِی سفیان احد الا

استقبلهُنَّ بِالبُكاءِ وَالصِّراخ وَالنِّيَاحَةِ عَلَى الحُسَيِنِ ''جب اہلِ بیتؑ ہند کے گھر گئے تو ابوسفیان کے گھرانے کی تمام عورتوں نے اُن کا استقبال کیا لیکن تمام یزیدی عورتوں نے فاخرہ اور شاہانہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ تین دن تک یزید کے گھر گریہ وزاری اور ماتم ہوتا رہا''۔

صاحب مقاتل لکھتے ہیں: ہند نے جناب زینبؑ کبریٰ کی بہت منت سماجت کی کہ قالین پر بیٹھیں اور کمرے اور ایوانِ طلا میں آئیں لیکن بی بی نے قطعاً قبول نہ کیا اور فرمایا: میں کیسے ان قالینوں اور فرشوں پر بیٹھوں حالانکہ میں انہی آنکھوں سے دیکھ کر آئی ہوں کہ میرے بھائی کی لاش خاک اور دھوپ میں پڑی تھی۔ چنانچہ اہلِ بیتؑ کے تمام قیدی صحنِ خانہ میں خاک پر بیٹھ گئے اور سب قیدی بی بی زینبؑ کے اردگرد بیٹھے تھے۔ بی بیؑ نے فرمایا: اب میرے بھائی کا سر لایا جائے۔ سر لایا گیا تو بی بیؑ نے اپنے بال کھولے، ایک ہاتھ پر بھائی کے سر کو اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے سر و سینہ پر ماتم کرنا شروع کیا اور فرماتی تھیں: اے بنی اُمیہ کی عورتو! دیکھو یہ میرا بھائی تھا جسے روزِ عاشور نمازِ ظہر کے بعد کربلا میں پیاسا شہید کر دیا گیا۔

مقامِ مخصوص برائے عزاداریٔ سید الشہداءؑ

صاحب منتخب لکھتے ہیں: جب یزید نے ظاہراً اپنے کردار پر شرمندگی کا اظہار کیا اور کہا کہ مَالِي وِلِلحُسَين میرا کیا کام تھا کہ حسینؑ سے ٹکراتا۔ پھر قیدیوں سے کہا: اب یہ بتاؤ کہ تم شام میں رہو گے یا مدینہ واپس جاؤ گے۔ اگر یہاں رہو تو تمہاری شان وشوکت کے مطابق خدمت کی جائے گی، اور اگر مدینہ جانا پسند کرو تو انعام دے کر مدینہ پہنچا دیتا ہوں۔

جب قیدیوں نے یہ سنا تو مستورات اور بچوں کے رونے کی صدا بلند ہوئی۔ بی بی زینبؑ نے فرمایا: ہم قیدیوں کی یہ خواہش ہے کہ اولاً ہمیں اجازت دے کہ چند روز ہم حضرت امام حسینؑ اور ان کی اولاد کے غم میں آنسو بہائیں اور عزاداری کریں کیونکہ اب تک تیرے سپاہیوں نے ہمیں اپنے مظلوم اور مقتول شہداء پر رونے بھی نہیں دیا۔ اور یہ دکھ ہمارے دلوں میں ہے۔ نحِب اولاً ان ننوح علي الحسين یزید نے قبول کیا اور حکم دیا کہ ایک گھر خالی کیا جائے، وہاں سے پتھر وغیرہ ہٹائے جائیں، گھر خالی ہوا اور بیبیوں کو عزاداری کی اجازت دے کر اس گھر میں منتقل کر دیا۔ جب شامی اور قریشی عورتوں نے سنا کہ اب اہلِ بیتؑ عزاداری میں مشغول ہیں اور یزید نے اجازت دے دی ہے تو شام میں جس قدر بھی محبانِ اہلِ بیتؑ عورتیں تھیں، سب نے سیاہ لباس پہنے اور ان عزاداروں میں شامل ہو کر اپنے غم کو محکم کرتی رہیں۔ وہ نوحہ پڑھتی ہیں:

وَلَم يَبقَ هَاشِمِيَة وَلَا قَرِيشية اِلَّا وَلَبَستَ السواد علي الحسين وندبُوهُ

''سات دن تک صبح وشام اس مکان پر عزاداری امام حسینؑ ہوتی رہی نوحہ پڑھنے والی دونوں بہنیں

جنابِ زینبِ کبریٰ اور اُم کلثومؑ تھیں"۔

علامہ مجلسیؒ بحار میں لکھتے ہیں: ثُمَّ اَنزَلَهُم يَزِيد دارہ الخَاصَة فَمَا كَانَ يَتغَذّٰى وَلَا يَتَعشى حَتّٰى يَحضَر علي بن الحسين یزید نے اہلِ بیتؑ کے لیے ایک مخصوص گھر خالی کرایا اور وہاں عزاداری کی اجازت دی۔ اس عزاداری نے شام میں انقلاب پیدا کردیا کیونکہ پہلے عورتوں کو حقائق کا علم نہ تھا۔ جب علم ہوا تو شام کے حالات بدل گئے اور یزید کو خطرات محسوس ہوئے۔

یزید کا اہلِ بیتؑ سے معذرت کرنا اور رہائی دینا

جب شام میں اہلِ بیتؑ کو رہتے کچھ عرصہ گزرا تو تمام اہلِ شام کو اہلِ بیتؑ رسالت کی معرفت ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ امام حسینؑ خارجی نہ تھے بلکہ اولادِ رسولؐ و فاطمہ بتولؑ تھے۔ لوگوں نے ظاہراً اور چھپ کر یزید کے اس اقدام کو چیلنج کرنا شروع کردیا اور ہر طرف سے یزید پر اعتراضات ہونے لگے اور ہر گلی، ہر گھر اور ہر بازار میں یزید کے اس فعل پر لعن طعن ہونے لگی۔ لوگوں نے اُسے علانیہ بُرا بھلا کہنا شروع کردیا تو اس کو شام میں بغاوت کا خطرہ محسوس ہوا، لہٰذا اس نے کوشش کی کہ یہ اعتراض بند ہوجائیں تو اعلان کردیا کہ امام حسینؑ کی شہادت میرے حکم کے بغیر ہوئی ہے۔ ابن زیاد ملعون نے قتل کرنے میں جلدی کی، خدا اس پر لعنت کرے۔

پھر یزید نے حکم دیا کہ قرآن کے بہت سے حصے (سپارے) کیے اور تمام بازاروں میں لوگوں کو دیے کہ اس قرآن کو پڑھنے میں مشغول رہیں اور مجھ پر اعتراض اور لعن طعن سے زبان بند رکھیں۔ اس وجہ سے اُس دن سے قرآن کو تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا اور لوگ قرآن خوانی میں مشغول ہوگئے۔ لیکن لوگوں کی زبانیں بند نہ ہوئیں۔ یزید نے سمجھا کہ اہلِ بیتؑ کے یہاں رہنے سے حالات روز بروز ابتر ہوتے جارہے ہیں لہٰذا اہلِ بیتؑ کو بلایا اور معذرت کی اور مال، لباس، درہم و دینار پیش کیے۔ اُس لعین نے جنابِ اُم کلثومؑ کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ دینار و درہم تمہارے بھائی کا خون بہا ہیں، مجھے معاف کردو۔

یہ سننا تھا کہ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا کی گریہ زاری کی صدائیں بلند ہوئیں اور فرمایا: اے یزید! تو کتنا بے حیا ہے کہ ہمارے اُن بھائیوں کو قتل کرایا جو ایسے جوان تھے کہ ان کے جسموں کے ایک ایک بال کی قیمت تمام کائنات بھی نہیں ہوسکتی اور تو کہتا ہے کہ یہ درہم میرا احسان ہے۔

مرحوم سید لہوف میں فرماتے ہیں: پھر یزید نے امام سجاد علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا: اُذکرُ جاجَتَكَ الثَّلاث الَّتِي

وَعَدتك بقضائهن کہ اپنی حاجتیں بتاؤ جن کو پورا کرنے کا میں نے وعدہ کیا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پہلی حاجت یہ ہے کہ اَن تُرَدِّيني وجه اى وسيدى اولاً مجھے اپنے بابا کا سر دو کہ جو سید الشہداءؑ ہیں۔

ثانیاً: اَن تَرُدَّ عَلَينَا مَا اُخذِ منا جو ہمارے اموال شام غریباں میں لوٹے گئے وہ سب کے سب واپس کرو۔

ثالثاً: اگر مجھے قتل کرنے کا ارادہ ہے تو اہلِ بیتؑ کو کسی امین شخص کے ساتھ پہلے مدینہ پہنچا دو۔

یزید نے کہا: امّا وجهه ابيك فلَن تراه ابدًا تمہارے باپ کا سر تو نہیں مل سکتا، اور جہاں تک تمہارے قتل کی بات ہے تو وہ میں معاف کرتا ہوں اور درگزر کرتا ہوں۔ تم خود اپنے اہلِ بیتؑ کو لے کر مدینہ چلے جاؤ۔ جہاں تک لوٹے ہوئے اموال کی واپسی کا تعلق ہے تو وہ بھی نہیں مل سکتے، البتہ ان اموال سے کئی گنا زیادہ قیمت دے سکتا ہوں۔

امام سجاد علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: اَمَّا مَالُكَ مَا نُرِيد وَهُو موفر عليك

تیرے اموال کی ہمیں کوئی حاجت نہیں وہ تجھے نصیب ہوں، ہمیں دنیاوی اموال کا لالچ نہیں۔ اپنے لوٹے ہوئے اموال کو بھی اس لیے مانگ رہا ہوں کہ اِنَّ فِيهَا مغزل فاطمة بنت رسولُ اللّٰه ان اموال میں ایسے لباس اور چادریں تھیں جو حضرت فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ کے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی ہیں۔ ان میں جنابِ فاطمہؑ کی چادر، مقنعہ، قمیص اور پیراہن شامل ہیں اور یہ مناسب نہیں کہ جنابِ زہراءؑ کے لباس اور بنی ہوئی چیزوں کو نامحرموں کی نظریں دیکھیں اور وہ ان کو استعمال کریں۔ فَامَرَ يَزِيد برد ذٰلِكَ پس یزید نے حکم دیا کہ تمام لوٹے ہوئے اموال واپس کیے جائیں۔ وہ سامان لایا گیا (کسی معتبر کتاب میں نہیں کہ کیا واپس لائے تفصیل کا ذکر نہیں ملتا) لیکن متاخرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ لوٹے ہوئے اموال کی گٹھڑی بندھی ہوئی تھی، اسے کھولا گیا تو اس میں تازہ خون آلود سرخ عقیق کی طرح کا ایک پرانا لباس، جو سوراخ سوراخ اور پھٹا ہوا تھا۔ یزید نے غور سے اس لباس کو دیکھ کر کہا کہ یہ کیا ہے؟

قَالُوا: هذا قميص الحسين اَخَذَه اخنس بن مرتد بتایا گیا کہ اے یزید یہ حسینؑ کی وہ قمیص ہے جو آخری وقت پہن کر آئے تھے اور اخنس بن مرتد نے لوٹی تھی۔

یزید نے کہا: یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حسینؑ تو سلطنت بنانے کا دعویٰ کرتے تھے، لباسِ فاخرہ پہنتے تھے۔ یہ پھٹی پرانی قمیص کیسے ان کی ہو سکتی ہے؟

کہا گیا کہ یہ لباس اس لیے امام حسینؑ نے پہنا تھا کہ پرانا سمجھ کر لوٹا نہ جائے اور بطورِ کفن جسدِ امامؑ پر رہے۔ لیکن ظالموں نے اس قدر ظلم کیا اور لوٹا کہ کربلا کی ریت ان کا کفن بن گئی۔

یزید نے پوچھا کہ اس میں اتنے زیادہ سوراخ کیوں ہیں؟

کہا گیا کہ یہ سوراخ تیروں اور نیزوں کے لگنے کی وجہ سے ہیں۔ جب اہلِ بیتؑ کی نظر اس خون آلود پرانی قمیص پر پڑی تو اُن کے رونے کی صدائیں بلند ہوئیں اور واحسیناہ واحسیناہ کے بین ہونے لگے۔

جنابِ زینبؑ کبریٰ نے اس قمیص کو اپنے سینے سے لگایا، بوسے دیے اور اپنے ساتھ مدینہ لائیں اور جب اپنی ماں کی قبر پر پہنچیں تو دکھ کا بین بلند کیا کہ اماں! حسینؑ کو ساتھ لے گئی تھی لیکن بغیر حسینؑ کے واپس آئی ہوں، البتہ ایک نشانی لائی ہوں۔ پھر چادر سے وہ قمیص نکالی اور ماں کی قبر پر پھیلا دی۔ بی بی کی قبر کھل گئی۔ جنابِ زہراؑ کا ہاتھ باہر آیا اور امام حسینؑ کی قمیص کو اپنی قبر میں رکھ لیا۔ آج تک جن سادات اور غیر سادات نے جنابِ زہراؑ کو خواب میں دیکھا ہے تو اسی حالت میں کہ قمیص ان کے پاس ہے اور روزِ قیامت جب وہ قبر سے اٹھیں گی اور میدانِ محشر میں تشریف لائیں گی وَبِيَدِهَا قَمِيصُ الْحُسَيْن تو میدانِ محشر کے وسط میں عرشِ الٰہی کے سامنے کھڑی ہو جائیں گی اور وہ خون آلود، سوراخ سوراخ قمیص سر پر رکھ کر آواز دیں گی: اِلٰهِي أَهٰذَا قَمِيصُ الْحُسَيْن اے عادل خدا! مجھے بتا کہ یہ میرے بیٹے حسینؑ کی قمیص ہے یعنی میرے اللہ! میرے بیٹے کا کیا جرم تھا کہ اس پر اس قدر نیزے اور تیر برسائے گئے اور پیاسا شہید کیا گیا۔

(از مترجم: میرے اللہ! پہلے میرا اس مقدمہ کا فیصلہ فرما اور میرے بیٹے کے دشمنوں کو واصلِ جہنم فرما اور جو لوگ میرے حسینؑ کے ان مصائب میں ساری زندگی روتے اور غم مناتے رہے ان کو جنت میں داخل فرما اور میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گی جب تک میرے بیٹے حسینؑ کے غم میں مخلصانہ طور پر رونے والے جنت میں نہیں چلے جاتے۔)

★ ★ ★

سولھویں فصل

اہلِ بیتؑ کی شام سے رہائی

یزید نے ظاہری طور پر پشیمانی کا اظہار کیا لیکن دراصل وہ لوگوں کی بغاوت سے خائف تھا لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ اہلِ بیتؑ کو شام سے رہا کردے۔ پس اہلِ بیتؑ کو بلایا، معذرت کی اور لوٹا ہوا سامان واپس کیا اور حکم دیا کہ اُونٹ لائے جائیں۔ اُونٹوں پر کجاوے اور محمل سجائے گئے اور کجاووں کے اُوپر اچھے اچھے پردے لگائے گئے۔ پھر ایک سردارِ لشکر کو بلایا اور پانچ صد نفر اس کو دیئے اور کہا ان مصیبت زدوں کو بڑے احترام کے ساتھ مدینہ خیرالانعام پہنچاؤ۔

مشہور روایت یہ ہے کہ لشکر کا سربراہ نعمان بن بشیر انصاری تھا۔ صاحبِ کامل ''کامل السقیفہ'' میں لکھتے ہیں: لشکر کا سربراہ عمرو بن خالد قرشی تھا۔ بہرصورت یزید نے سربراہ کو اہلِ بیتؑ کے متعلق بہت سفارش کی اور امامؑ کے متعلق کہا کہ ان کو راستے میں کوئی تکلیف نہ پہنچانا اور امن کے ساتھ ان کو مدینہ پہنچا دینا۔ رات کو سفر کرنا اور دن کو آرام کرنا کہ سورج کی گرمی سے بچ جائیں۔ جب ان کو کہیں ٹھہراؤ تو اپنے خیمے ان سے ذرا دُور لگانا تاکہ تمہارے کسی سپاہی کی نظر ان پر نہ پڑے اور اہلِ بیتؑ کی حفاظت میں بہت احتیاط کرنا اور جس طرح وہ کہیں ان کی مرضی کے مطابق سفر کرنا۔

شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ جب یزید اہلِ بیتؑ کے سفر کے انتظامات سے فارغ ہوا اور سفر شروع ہونے سے پہلے امام سجاد علیہ السلام کو بلایا اور ان سے علیحدگی میں ملاقات کی اور کہا کہ یہ ظلم عبیداللہ بن زیاد نے کیا ہے، خدا اس پر لعنت کرے کہ اگر میں اس مقام پر ہوتا جو آپؑ کے والد کہتے ہیں ان کی بات کو قبول کرلیتا اور ان کے قتل تک نوبت ہی نہ پہنچتی۔ بہرصورت اب کیا کروں جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب میری خواہش ہے کہ مدینہ پہنچنے کے بعد تمہاری جو بھی ضرورت ہو وہ مجھے مدینہ سے لکھ بھیجنا تاکہ تمہاری حاجات پوری کی جاسکیں۔ یہ نعمان بن بشیر آپؑ کے ساتھ ہے میں نے اسے تمہارے احترام کی سفارش کردی ہے۔ یزید بولتا رہا اور امام سجادؑ کے آنسو بہتے رہے۔

جب کجاووں اور محملوں کو اُونٹوں پر آراستہ کیا گیا اور محرمات اور دکھی بچوں کو ان محملوں میں بٹھایا گیا تو شامی عورتیں جو محبات اہلِ بیتؑ تھیں الوداع کے لیے آئیں اور باقی عورتیں اپنے مکانوں کی چھتوں سے انھیں الوداع کررہی تھیں۔ بعض عورتیں بہت گریہ وزاری کررہی تھیں اور بنی اُمیہ کی بعض عورتیں خاموش کھڑی تھیں۔ قافلہ اہلِ بیتؑ خرابۂ زنداں سے نکلا تو

جنابِ زینبؑ کبریٰ نے اپنا سر محمل سے نکالا اور رو کے فرمایا: اے شامی عورتو! میں ایک امانت اس زندان شام کے خرابہ میں چھوڑ کر جا رہی ہوں، اس کی قبر کی حفاظت کرنا اور اس کی زیارت کرنا اور چراغ بھی جلائے رکھنا اور قبر پر پانی ضرور چھڑکتے رہنا۔

امام سجاد علیہ السلام کی اہلِ بیتؑ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانگی

اربابِ تاریخ لکھتے ہیں: یزید نے اپنی شقاوت کا مظاہرہ کیا اور ظلم کیے لیکن جب شامیوں کو حقائق کا علم ہوا کہ یہ باغی نہیں بلکہ خانوادۂ پیغمبرؐ ہیں تو یزید نے اہلِ بیتؑ کو شام میں قیدی رکھنا مصلحت کے خلاف سمجھا، لہٰذا اس نے اہلِ بیتؑ کے واپس مدینہ جانے کے لیے انھیں سواریاں دے کر اور دیگر انتظامات کر کے نعمان بن بشیر کو پانچ صد سپاہی دے کر سفارش کی کہ ان کو حفاظت کے ساتھ مدینہ پہنچا دو۔

جوں ہی ان بیوگان، ستم دیدہ مستورات کا قافلہ روانہ ہوا گریہ و زاری کی صدائیں بلند ہوئیں کیوں کہ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت کا سماں اور حضرت عباسؑ اور علی اکبرؑ کے انتظامات یاد آئے تو گریہ زاری ہونے لگی۔ لیکن اب واپس مدینہ کو جا رہا تھے تو کس قدر غربت، مظلومیت کے ساتھ، غموں اور مصیبتوں کو جھیل کر جا رہے تھے اس لیے بہت غم زدہ ہو کر رونے لگے۔ جو شخص سفر پر جاتا ہے وہ وطن جاتے ہوئے بہت خوش ہوتا ہے خصوصاً جو سفر میں تکلیفیں اٹھائے، دکھ دیکھے تو وہ وطن کو جاتے ہوئے خوش ہوتا ہے لیکن اہلِ بیتؑ وطن جاتے وقت خوش نہ تھے بلکہ رو رہے تھے۔ وہ بار بار ٹھنڈی آہیں بھرتے اور دیگر مصائب سے روانگی مدینہ ایک خود مصیبت تھی اور دکھ تھا کہ بغیر جوانوں اور امام حسینؑ کے جا رہے ہیں۔ بجائے امام حسینؑ کے ان کا سر اور خون آلود قمیص ساتھ لے جا رہے ہیں۔ بہت حسرتوں سے جا رہے تھے۔ مدینہ سے روانگی یاد آتی تھی کہ اس وقت کتنے شان و شوکت سے چلے تھے اور کس قدر پردے کا انتظام تھا۔ انہوں نے نبوت و امامت کے پردوں میں پرورش پائی، ان کے چہروں کو سورج اور چاند تک نے نہ دیکھا تھا اور نامحرموں نے تو ان کی آواز تک نہ سنی تھی۔ اس شوکت و عزت سے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔

اب یہ قافلہ واپس جا رہا ہے کہ اپنے پیاروں کی جدائی پر جگر کباب ہو گئے تھے۔ جوانوں کی شہادت سے دل پانی پانی ہو گئے تھے، کس قدر ذلت و خواری سے قیدیں نبھائیں، ان کے چہروں کے رنگ بدل گئے تھے کیونکہ انھیں گرمی اور دھوپ میں بغیر چادروں کے کنیزوں اور غلاموں کی طرح شہروں میں پھرایا گیا تھا۔ لوگوں نے گالیاں دیں، صحرا و بیابان کے سفر کیے۔ بھوک اور پیاس کا غلبہ رہا۔ بدمعاشوں کی نظروں کا نشانہ بنتے رہے۔ خرابوں اور ویرانوں میں ٹھہرایا گیا۔

بہرصورت شام سے یہ کاروان روتا ہوا روانہ ہوا۔ نعمان بن بشیر نے بڑے احترام کے ساتھ قافلہ کو آہستہ آہستہ حرکت

دی اور قافلہ چل پڑا۔ سفر جاری رہا جہاں اہلِ بیتؑ نے کہا وہاں اقامت کی اور اہلِ بیتؑ نے کہا تو روانہ ہوئے اور جو راستہ اہلِ بیتؑ نے بتایا اس راستے پر نعمان قافلے کو چلاتا رہا۔ نعمان کے سپاہی آگے آگے چلتے تھے یا کاروان کے پیچھے پیچھے۔ قافلہ چلتے چلتے ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں سے دو راستے نکلتے تھے۔ ایک راستہ کربلا کی طرف جاتا تھا اور ایک مدینہ کی طرف جاتا تھا۔ اس وقت مستورات اور دکھی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو اپنے اپنے شہداء کی قبروں کی زیارت کا بہت شوق تھا، اس لیے گریہ زاری شروع ہوگئی اور نعمان سے کہا گیا: بِحَقِّ اللّٰهِ عَلَيْكَ اِلَّا مَا عَرَجْتَ بِنَا عَلٰى بِكَرْبَلَا ''خدا کی قسم! ہمیں کربلا کے راستے سے لے جاؤ تا کہ اپنے عزیزوں کی قبروں کی زیارت کرلیں اور جو اس سفر میں ہمارے اُوپر مصائب آئے ہیں وہ بھی قبر امام حسینؑ پر بیان کرلیں''۔

نعمان نے قبول کیا اور ان کے فرمانے پر عمل کیا۔ اُس نے کارواں کو کربلا کے راستہ پر جانے کا حکم دیا۔ جوں جوں قافلہ کربلا کے قریب جارہا تھا ہر بی بی کے دل میں اپنے عزیزوں کی قبور کی زیارتِ شوق کی آگ شعلہ ور ہو رہی تھی حتیٰ کہ سید الشہداءؑ کی تربت کی خوشبو بہنوں اور بیٹیوں کے مسامِ جاں تک پہنچی تو وہ اس بلبل کی طرح ہوگئیں کہ جو پھول کی خوشبو سونگھتی ہے تو فرطِ محبت سے نڈھال ہو جاتی ہے۔ جب ان بیبیوں کے مسام میں تربتِ حسینؑ کی خوشبو پہنچی تو وہ فرطِ محبت اور شدتِ غم سے مرثیہ پڑھنے لگیں۔

حیاتِ زینبؑ کی زبانِ حال یہ تھی: اے بھائی! آپؑ کے بعد میں نے بہت دکھ دیکھے اور مجھے بہت سے شہروں اور گلیوں میں پھرایا گیا۔ مجھے خود پر تو اس قدر حوصلے اور صبر کی امید نہ تھی کہ آپؑ کے بغیر کربلا سے شام تک پہنچ سکوں گی لیکن خدا نے حوصلہ دیا۔ کربلا کے بعد جب پہلی دفعہ کوفہ میں آپؑ کے سر پر نظر پڑی تو میں نے فرطِ غم سے اپنی پیشانی کو محمل کی لکڑی پر دے مارا۔ بھائی! ہمیں کوفہ و شام کے بازاروں میں ننگے سر اور ننگے پاؤں پھرایا گیا اور ہم نے نامحرموں کی موجودگی کے سبب سر کو شرم سے جھکا لیا۔ جب یزید کے دربار میں بازو بندھے ہوئے پیش ہوئی تو کئی مرتبہ خدا سے موت مانگی لیکن ان دکھوں کے باوجود میں اس بات پر مطمئن ہوں کہ اپنی نقدِ جاں بیچ کر آپؑ کا غم خرید لیا ہے۔

امام سجادؑ کی کربلا میں جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے ملاقات

جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں: جب اولادِ رسولؐ و بتولؑ شام غم انجام سے واپس پلٹی اور عراق پہنچی تو نعمان بن بشیر سے کہا کہ ہمیں کربلا کے راستے لے چل تا کہ ہم قبروں کی زیارت کرلیں۔ پس اہلِ بیتؑ کربلا پہنچے اور وہاں آئے جہاں امام حسینؑ دوڑتے گھوڑے سے زمین پر آئے تھے۔ جب آلِ رسولؐ مقتل میں پہنچی تو وہاں جنابِ جابر بن عبداللہ

انصاریؓ کو موجود پایا جو چند ہاشمیوں کے ساتھ مدینہ سے امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کے لیے آئے تھے اور یہ دن ۲۰ صفر سن ۶۱ ہجری تھا۔

امام سجاد علیہ السلام اور حضرت جابرؓ کی ملاقات ہوئی اور اس میں بھی اختلاف نہیں کہ جابر پہلے چہلم پر سب سے پہلے زیارتِ امام حسینؑ کے لیے آئے تھے۔ صرف اختلاف اس میں ہے کہ کربلا میں اہلِ بیتؑ کی آمد پہلے چہلم پر تھی یا دوسرے سال کے چہلم پر ہوئی اور اگر ملاقات سال اکسٹھ ہجری میں ہوئی تو اربعین سے دوسرے دن ہوئی۔ اس مسئلہ پر تحقیق کے لیے ایک علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

اہلِ بیتؑ کا مدینہ میں واپس آنا

اہلِ بیتؑ شام سے کربلا اور کربلا میں چند روز عزاداری کرنے کے بعد مدینہ میں آئے۔ جس دن اہلِ بیتؑ کے پردے دار حسرتوں اور دکھوں سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ کے دروازے سے لے کر قبر رسولؐ تک زمین عزاداروں کے آنسو سے گیلی ہو چکی تھی۔ مرد جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام کے گرد اور عورتیں دخترانِ بتولؑ کے اردگرد جمع ہو کر گریہ زاری میں مشغول تھے اور سیدھے رسولِ خدا کی مسجد (مسجد نبویؐ) میں گئے۔ وہاں اہلِ بیتؑ نے ظالموں کے ظلم کا شکوہ کیا۔ پھر وہاں سے جنابِ زہراءؑ کی قبر پر پہنچے اور یہ تو مسلّم ہے کہ بیٹی اپنے دکھ درد سوائے ماں کے اور کسی سے نہیں کہتی اور ماں سے کوئی دکھ نہیں چھپاتی۔

جب بی بی زینبؑ کی نظر ماں کی قبر پر پڑی تو جگر سے صدائے درد نکلی اور ہائے ہائے کر کے ماں کی قبر پر گر پڑیں۔ پھر بین کر کے فرمایا: اماں جان! میں حسینؑ کو ساتھ لے کر گئی تھی لیکن اب حسینؑ کو واپس نہیں لاسکی البتہ حسینؑ کی ایک نشانی لائی ہوں اور پھر امام حسینؑ کا خون آلود پیراہن نکالا اور قبر پر رکھ دیا اور عرض کیا: اماں جان! یہ آپؑ کے فرزند حسینؑ کی نشانی ہے اور اگر مجھ سے پوچھو کہ ہم پر کیا گزری تو اتنا عرض ہے کہ ہمیں ترک و دیلم کے قیدیوں کی طرح قیدی بنا کر شہر در شہر پھرایا گیا اور بہت زیادہ تکلیفیں اور دکھ دیئے گئے۔

فاطمہ زہراءؑ کی قبر کو زلزلہ آیا، بی بی زہراءؑ کا ہاتھ باہر نکلا اور بی بی نے وہ پیراہن اٹھا لیا اور اب وہ پیراہن بی بی کے پاس ہے۔ قیامت کو یہی قمیص لے کر دربارِ توحید میں آئیں گی۔

صاحبِ مخزن البکاء رقمطراز ہیں: جب اہلِ بیتؑ گریہ زاری اور ماتم میں مصروف تھے تو اُم المومنین جنابِ اُم سلمہؓ نے خون کی ایک شیشی اٹھائی، ایک ہاتھ میں یہ شیشی تھی اور دوسرے ہاتھ سے بیمار فاطمہؑ صغریٰ کو پکڑا ہوا تھا۔ بیماری کی وجہ سے

جنابِ فاطمہؑ صغریٰ کے چہرے کا رنگ زرد تھا، جسم کانپ رہا تھا اور آنسو بارش کے قطرات کی طرح گر رہے تھے۔ جب اہلِ بیتؑ کی نظر جنابِ فاطمہؑ صغریٰ پر پڑی اور جنابِ فاطمہؑ بیمار کی نظر اپنی پھوپھی، بہنوں اور دیگر خواتین پر پڑی تو ایک مرتبہ گریہ کا کہرام مچ گیا، چیخیں نکلیں اور ماتم شروع ہوگیا اور جنابِ فاطمہؑ صغریٰ بے ہوش ہوگئیں۔ فاطمہؑ کبریٰ آئیں اور فاطمہؑ صغریٰ کو ہوش میں لائیں لیکن خود بے ہوش ہوگئیں۔ دیگر خواتین نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور اپنے دکھوں کا حال ایک دوسرے کو سنایا۔ جنابِ فاطمہؑ صغریٰ نے اپنی بہن فاطمہؑ کبریٰ سے اپنے دکھوں کا حال پوچھا۔ جنابِ فاطمہؑ کبریٰ کی زبانِ حال یہ تھی:

اے بہن! میں آپؑ سے دُوری پر نالاں تھی اور دن رات آپؑ کے غم وفراق میں پریشان تھی۔ آپؑ میرے دن رات کا پوچھتی ہو، میرا دن ماتم میں گزرتا تھا اور رات کسی خرابۂ ویران میں۔ لبِ فرات ہونے کے باوجود ہمارے شہداء بھی پیاسے چلے گئے اور ہم بھی پیاسے شام چلے گئے۔ ظالموں نے ہمارے باباؑ کے سر کو نوکِ نیزہ پر اٹھایا ہوا تھا اور ہم اس نیزے کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جب یزید ملعون میرا باباؑ کے لبوں پر چھڑی مار رہا تھا تو ہمارے دل کباب ہوگئے۔

جنابِ محمد حنفیہؒ سے ملاقات

مخزن البکاء میں ہے: جب اہلِ بیتؑ شامِ غم انجام دے کر مدینہ کی طرف آئے اور مدینہ کے نزدیک پہنچے تو بشیر بن جذلم امام سجادؑ کے حکم سے مدینہ میں وارد ہوا اور اہلِ مدینہ کو اہلِ بیتؑ کی آمد کی اطلاع دی تو ہر طرف آہ وفریاد اور گریہ وزاری واحسیناہ واغریباہ واشہیداہ کے بین کرتے ہوئے مرد وزن چھوٹے بڑے حقیر وشریف، ننگے سر، ننگے پاؤں، جوق در جوق مدینہ کے دروازے کی طرف روتے ہوئے نکلے۔ خصوصاً بنی ہاشم کے رشتہ دار، مستورات اور مرد، بڑے غم واندوہ اور گریہ وزاری میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جب یہ خبر جنابِ محمد حنفیہؒ کو ملی تو جلدی سے اُٹھے، اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور تیزی سے دروازۂ مدینہ کی طرف رخ کیا۔ لوگ بھی حسینؑ حسینؑ کا ماتم کرتے جا رہے تھے، بہت ہجوم تھا، چلنا بڑا مشکل تھا۔

جنابِ محمد حنفیہ بھی آنسو بہاتے اور حسینؑ حسینؑ کرتے ہوئے اس قافلۂ گریہ کے پاس پہنچے۔ جب سیاہ علموں اور خیامِ حسینؑ پر نظر پڑی تو گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور بے ہوش ہوگئے۔ بیمارِ کربلا خیمہ سے باہر آئے اور خود چچا کے پاس پہنچے۔ ان کے سر کو اپنے دامن میں رکھا تو محمد حنفیہؒ ہوش میں آئے، آنکھ کھولی اور اپنے یتیم بھتیجے کو اپنے سرہانے دیکھا تو دل پر درد سے چیخیں اور فریادیں نکلیں اور فرمایا: آہ یَابنَ اَخِی اَینَ اَخِی میرے بھتیجے! میرے بھائی کہاں ہیں؟ میرے سر کے تاج حسینؑ کہاں ہیں؟ پھر زور زور سے روتے ہوئے پوچھا: اَینَ قُرَّۃَ عَینِی وَثَمرَۃَ فُؤَادِی اَینَ خَلِیفَۃَ اَبِی ، اَینَ

الحُسَین ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرے دل کے میوہ، میرے باپ کے خلیفہ امام حسینؑ کہاں ہیں؟''

حضرت امام زین العابدینؑ نے گریہ میں ڈوبی ہوئی آواز میں فرمایا: یَا عَمِّی اَتَیتُکَ یَتِیمًا ''اے چچا جان! میں بابا کے ساتھ گیا تھا لیکن یتیم واپس آیا ہوں''۔ اور روزِ عاشور امام حسینؑ کی شہادت کے واقعات سنائے اور فرمایا: اے چچا! آپؑ کربلا میں جو نہ تھے پہلے ہم پر پانی بند ہوا پھر جنگ مسلط کی گئی۔ صبح سے ظہر تک میرے بابا کے اصحاب شہید ہو گئے۔ پھر بنی ہاشم کے اٹھائیس جوان یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ تیروں، تلواروں، خنجروں، نیزوں سے ان جوانوں کو جن کی مثال دنیا میں نہ تھی، کے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور سب خاکِ کربلا میں غلطان ہو گئے۔ میرے بابا بھی تنہا رہ گئے میدانِ جنگ میں وہ بہت پیاسے تھے اور پیاسے شہید ہوئے۔

پھر شام و کوفہ کے راستے کے مصائب بیان کرتے رہے اور محمد بن حنفیہ اپنے سر و سینہ پر ماتم کرتے رہے۔ آخر ایک بار روکر فرمایا: یَعِزُّ عَلَیَّ یَا اَبَا عَبدِاللّٰهِ یَا اَخِی کَیفَ طَلَبتَ نَاصِرًا فَلم تَنصُرُوا معینا فَلم نُعِن ''اے بھائی حسینؑ! مجھے اس بات نے بہت دکھی کر دیا ہے کہ آپ مدد مانگتے رہے اور کوئی آپؑ کی مدد کرنے کو نہ تھا''۔ هَل مِن نَاصِرٍ کے استغاثے بلند کرتے رہے اور کسی نے نصرت نہ کی۔ تمام مصائب سے یہ دکھ مجھے کھائے جا رہا ہے۔ کاش میں کربلا میں ہوتا اور اپنے بھائی پر جان قربان کرتا۔ خدا آپؑ کے قاتلوں پر لعنت کرے۔

پھر جناب محمد حنفیہؒ بہنوں کے پاس آئے تو عورتوں میں قیامت کا شور و غم اور گریہ بلند ہوا اور محمد حنفیہؒ کی نظر جنابِ زینبؑ کبریٰ پر پڑی تو ان کو نہ پہچانا کیونکہ بہت زیادہ صدمے، مصیبتیں اور دکھ دیکھنے سے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اور بال سفید ہو گئے تھے۔ لہٰذا محمد حنفیہؒ نے تعجب سے پوچھا: أَأَنتِ أُختِي ''کیا آپ میری بہن زینبؑ ہیں؟'' بہن! کہاں ہیں آپؑ کے بھائی، آپؑ میرے بھائی کو ساتھ لے گئیں لیکن واپس نہ لائیں۔

بی بیؑ نے جواب دیا: میرے بھائی حسینؑ کو غربت میں ایسے شہید کیا گیا کہ اُن کا بدن مبارک کربلا میں خاک و خون میں غلطان تھا۔ مختصراً محمد حنفیہؒ واپس گھر آئے اور اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور تین دن گھر سے باہر نہ نکلے، تیسرے دن گھر سے باہر نکلے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور بیابان کی طرف چلے گئے اور گم ہو گئے حتیٰ کہ مختار کے خروج تک غائب رہے۔

نعمان بن بشیر قافلہ سالار سے معذرت

جب اہلِ بیتؑ کی قید سے رہائی ہوئی اور مدینہ واپس لوٹے تو تین دن تک امام حسینؑ کے گھر میں مجلسِ عزا اور ماتم ہوتا رہا۔ لوگوں کا غم ہلکا ہوا لیکن اہلِ بیت حسینؑ کو دن کو چین تھا نہ رات کو سکون۔ وہ ہمیشہ گریہ زاری میں رہتے تھے، آنسو

بہاتے تھے اور فریادیں بلند کرتے رہتے تھے۔ ان کی غذا اور قوت یہی آنسو بہانا تھا بلکہ اوڑھنا بچھونا یہی آنسو تھے۔ حتیٰ کہ سات سال تک اس قدر غم رہا کہ اہلِ بیتؑ کے چولہوں سے کسی نے دھواں بلند ہوتے نہ دیکھا، نہ خضاب کیا اور نہ غسل کیا اور نہ کسی خوشی کی محفل میں شرکت کی۔

صاحب مخزن لکھتے ہیں: جب اہلِ بیتؑ مدینہ پہنچے تو تین دن تک بہت زیادہ عزاداری کی۔ پورا مدینہ غم زدہ رہا۔ ان تین دنوں کے بعد لوگوں کا غم کچھ ہلکا ہوا اور وہ ایک دوسرے سے حال پوچھنے لگے تو نعمان بن بشیر سالارِ کارواں، جس نے اہلِ بیتؑ کو شام سے مدینہ پہنچایا تھا، واپس جانے کا ارادہ کیا۔ اہلِ بیتؑ سے رخصت کی اجازت لی۔ جنابِ فاطمہؑ دختر علیؑ نے جنابِ زینبؑ کی خدمت میں عرض کیا: نعمان بن بشیر نے اس سفر میں بہت تکلیفیں اٹھائیں اب نعمان جا رہا ہے کیا آپ کی صلاح ہے کہ اس کے حق میں کوئی احسان کیا جائے۔

جنابِ زینبؑ کبریٰ نے فرمایا: خدا کی قسم! بات تو آپ کی بہت اچھی ہے لیکن کیا کروں ہمارے پاس تو اب بچا ہی کچھ نہیں کہ نعمان جیسے نیک شخص پر احسان کریں البتہ بہت تھوڑے زیور ہیں وہ دیتے ہیں، پھر دو کنگن، دو بازو بند اور پازیبیں کنیز کو دیں اور فرمایا کہ یہ نعمان بن بشیر کو دے دو اور اسے کہنا کہ یہ چیزیں تیری خدمات کا صلہ تو نہیں لیکن ہمارے پاس اب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اگر زیادہ کے مالک ہوتے تو کبھی مضائقہ نہ کرتے۔ اس لیے ہم معذرت کرتے ہیں اور یہ تھوڑی سی خدمت ہمارے جدِ رسولؐ کے صدقے قبول کرلیں۔

فصول المہمہ میں ہے کہ نعمان نے یہ ہدیہ قبول نہ کیا اور عرض کیا: یہ رسالت کا خانوادہ ہے۔ میں نے صرف خوشنودیٔ خدا اور رضائے مصطفیٰؐ کی خاطر آپؑ کی خدمت کی ہے اگر ان خدمات کا عوض دینا چاہتے ہو تو میرے لیے بخشش کی دعا کیجیے نیز مجھے قیامت کے دن فراموش نہ کرنا۔

امامؑ کے سر کی تدفین کے بارے میں تحقیق

حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مطہر کے دفن کے مقام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید نے چند دنوں تک اپنے دروازے اور دربار میں لٹکائے رکھا اور پھر اسے خزانے میں رکھ دیا گیا اور یہ سر بنی اُمیہ کے خزانے میں تھا۔ حتیٰ کہ سلمان بن عبدالملک نے وہ سر مانگا تو سر مطہر لایا گیا، سر ابھی تک معطر اور منور تھا۔ اس کے حکم سے ایک صندوق بنایا گیا اور سرِ مقدس کو اس میں رکھ کر خوشبو اور عطر لگایا گیا، کفن دیا گیا اور نماز پڑھی گئی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا اور عمر بن عبدالعزیز نے اس سرِ مطہر کا حال پوچھا تو بتایا گیا کہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ قبر

کھودی جائے پھر سر کو باہر نکالا گیا اور کربلا بھیجا گیا اور وہاں دفن کر دیا گیا۔

ابوریحان بیرونی کتاب آثار الباقیہ میں لکھتے ہیں: سرِ مطہر امام حسینؑ ۲۰ صفر کو امامؑ کے بدنِ مطہر کے ساتھ دفن ہو گیا۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ سرِ مطہر امام حسینؑ جناب امیر المومنینؑ کے سرہانے دفن ہے۔

لیکن امامیہ اثناعشریہ کا عقیدہ ہے کہ سرِ مطہر بالآخر جنابِ امام حسینؑ کے بدن کے ساتھ کربلا میں ملحق ہو گیا۔ واللہ عالم بالصواب!

یہ کتاب مکمل ہوئی از مدینہ تا مدینہ جو خامسِ آلِ عباؑ کے مفصل حالات پر مشتمل ہے۔ اور ۲ ذی قعدہ ۱۴۳۰ ہجری قمری کو اپنے ناتواں ہاتھوں سے اس بندۂ کمترین سید محمد جواد ذہنی تہرانی نزیلِ قم نے رقم کی۔ خدا سے التجا ہے کہ میری اس کمترین محنت کو قبول فرمائے اور میرے لیے اس کتاب کو آخرت کا ذخیرہ قرار دے۔

(از مترجم: میں نے ۶ جولائی ۲۰۰۸ء کو اپنا آپریشن کرایا تو مجھے تین ماہ بالکل بستر پر آرام کرنے کا کہا گیا اور اس وقت مَیں نے اس کتاب کا ترجمہ کیا تا کہ اس ذکر کے صدقے میرے آپریشن کے زخم جلدی ٹھیک ہو جائیں اور الحمدللہ جب کتاب کا ترجمہ ختم ہوا تو بندہ بھی چلنے کے قابل ہو گیا اور اب اس کتاب کے مندرجات کو مجالس میں لوگوں تک پہنچاتا ہوں)۔

فہرست کتب ادارہ منہاج الصالحین (سرپرست مولانا ریاض حسین جعفری)

کتاب	قیمت
ذکرِ حسینؑ	100/-
برزخ چند قدم پر	125/-
اسلامی معلومات	100/-
محمدؐ تا محمدؐ	100/-
محمدؐ تا علیؑ	100/-
سورج بادلوں کی اوٹ میں	120/-
شہید اسلام	100/-
قیام عاشورہ	50/-
قرآن اور اہلبیتؑ	100/-
دینی معلومات (دو جلد)	125/-
نوجوان پوچھتے ہیں شادی کس سے کریں؟	35/-
ظالم حاکم اور صحابی امام	15/-
توضیح عزاء	225/-
تفسیر سورہ فاتحہ	100/-
مشعلِ ہدایت	100/-
اسمِ اعظم	165/-
سوگنامہ آلِ محمدؐ	265/-
افکار شریعتی	225/-
سیرت آلِ محمدؐ	145/-
مناظرے	135/-
آسان مسائل (چار جلد)	240/-
تاریخ جنت البقیع	100/-
عمدۃ المجالس	100/-
حقوق زوجین	35/-
ارشادات امیر المومنین	20/-
صدائے مظلومؑ	50/-
معجزات بتولؑ	35/-
لڑکا سونا لڑکی چاندی	35/-
اسلامی پہیلیاں	35/-
فکرِ حسین اور ہم	15/-
پیام عاشورہ	40/-
معصومین کی کہانیاں	35/-
ارشادات مرتضیٰ و مصطفیٰ	35/-
آزادی مسلم	10/-
فقہ اہلبیتؑ	100/-
صحیفہ پنجتن	100/-
حرف اساس	100/-
حسین میرا	100/-
جامِ غدیر	150/-
زندہ تحریریں	100/-
شاہکار رسالت	60/-
محشر خاموش	130/-
اسلام اور کائنات	250/-
غریب ربذہ	135/-
فطرت	150/-
جستجوئے حق	50/-
خطبات محسن (دو جلد)	300/-

کتاب	قیمت
صدائے محسن	125/-
افکار محسن	100/-
جام کوثر	125/-
نسیم المجالس (دو جلد)	300/-
اولی الامر کون؟	150/-
ریاض المجالس	125/-
نصیر المجالس	150/-
گلزار خطابت	165/-
معیار مودت	135/-
خطبات شیخ الجامعہ	135/-
بہشت	250/-
نصائح	135/-
اصحابِ یمین کون؟	165/-
توحید	135/-
ولایت	175/-
آفتاب ولایت	150/-
آرزوئے جبرئیل	150/-
سیدۃ العرب	150/-
تہذیب آلِ محمدؐ	165/-
توضیح المسائل	150/-
عصرِ ظہور	200/-
جدید فقہی مسائل	100/-
کربلا سے کربلا تک	150/-
موعظہ مباہلہ	60/-
مہدی حدیث کی روشنی میں	60/-
احادیث قدسیہ	165/-
اسلامی اصول تجارت	135/-
آلِ محمدؐ پر درود	135/-
راہِ خدا	165/-
اصولِ دین	130/-
بردارِ کربلا (دو جلدیں)	450/-
کتب امامت و خلافت (دو جلدیں)	500/-
بحر المصائب	165/-
فلسفہ غیبت مہدیؑ	145/-
وظائف المومنین	65/-
امالی شیخ صدوقؒ (دو جلدیں)	500/-
معجزات آلِ محمدؐ (چار جلد)	900/-
تفسیر نور الثقلین (چھ جلدیں)	2100/-
غم نامہ کربلا (لہوف کا ترجمہ)	135/-
مناقب اہلبیتؑ (چار جلدیں)	1000/-
جمالِ منتظر	250/-
آفتابِ عدالت	150/-
نہج البلاغہ	175/-
فضائل شیعہ	65/-
محب اہلبیت کون؟	65/-
مسافرہ شام	150/-
ولایت امام اور علم غیب	135/-
تفسیر سورہ حدید	150/-

کتاب	قیمت
موت کے بعد کیا ہوگا؟	150/-
تہذیب نفس یا اخلاق عملی	150/-
اصول عقائد	150/-
صحیفۂ زہراؑ	135/-
اجرِ عظیم	85/-
خواہشات پر کنٹرول کیسے ہو؟	135/-
رازِ زندگی	120/-
علیؑ سے دشمنی کیوں؟	85/-
عملیات و رزق	185/-
جادو شکن	175/-
خصائص امیر المومنینؑ	145/-
مولائے کائنات کے فیصلے	185/-
پھر وہ شیعہ ہو گیا	275/-
آلِ رسول سے بغض کیوں	145/-
تقویم شیعہ	165/-
مشکوٰۃ الانوار	185/-
فضائل علیؑ (حصہ اول)	175/-
قسمت نامہ	225/-
قوم جنات	250/-
تحفۂ عملیات	135/-
عملیات تسخیر و محبت	250/-
امالی الشیخ المفید	285/-
اجرِ رسالت	100/-
تاجدار نبوتؐ	100/-
توضیح المسائل (صادق شیرازی)	250/-
زائچہ قسمت	175/-
علی اشجع الناس	185/-
1001 داستان علی	300/-
پردیسی امام	150/-
فضائل علیؑ بزبانِ نبیؐ	165/-
خلاصۃ المصائب	250/-
16 معجزے	25/-
14 معجزے	20/-
کتاب قائمؑ	185/-
خطیبِ نوک سناں	165/-
حکومت مہدیؑ	165/-
فضائل نامہ	185/-
علیؑ اہل سنت کی نظر میں	150/-
امامت و غیبت	165/-
حکم اطاعت اور ہماری ذمہ داریاں	165/-
عزائے آلِ احمدؐ	265/-
گناہوں کے اثرات	125/-
تحفۃ الانام (3 جلد)	750/-
جانشین رسول کون	150/-
نماز جعفریہ	30/-
نماز امامیہ	15/-
نماز شیعہ	20/-

ملنے کا پتہ: ادارہ منہاج الصالحین الحمد مارکیٹ فرسٹ فلور دوکان نمبر 20 غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور فون: 7225252